مُکمّل

تاریخ اقوامِ کشمیر

محمد الدین فوق

نام کتاب : مکمل تاریخ اقوام کشمیر

مصنف : محمد الدین فوق

توضیح و تحقیق : محمد بابر جاوید (ایم اے تاریخ)

معاونت : محمد صدیق جامعی

ناشر : مشتاق احمد

باہتمام : سلمان خالد

پریس : اسلم عصمت پرنٹنگ پریس لاہور

کمپوزنگ : گل گرافکس

اشاعت :

قیمت : 700 روپے

فہرست عنوانات

عرضِ ناشر

اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ جاننا اور اُن کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ اس انسانی فطرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنے آباؤ اجداد کی تاریخ اُن کے کارناموں اور خدمات کو زندہ جاوید کرنے کے لیے اس کتاب ''تواریخ اقوام کشمیر'' کو نئے سرے سے اس پر نظر ثانی کروا کر شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے نہ صرف ایک مخصوص خاندان کو فائدہ ہوگا بلکہ اس میں موجود ہزاروں دیگر خاندانوں کے کوائف اور اُن کے آباؤ اجداد کے متعلق مفید معلومات بھی درج ہیں، اس طرح اُن کی نئی نسل کو اپنے خاندان کے تاریخی حالات، تمدنی معاشرتی کیفیت، کاروباران کے مراسم کا پتا چلے گا۔

کشمیر کے عظیم مصنف محمد الدین فوق کی کتاب ''تواریخ اقوامِ کشمیر'' جس میں کشمیر، جموں، نیپال، یو۔پی، دہلی، بنگال، بہار، سرحد اور پنجاب کی تقریباً پانچ سو مختلف النسل اور مختلف المذاہب کشمیری اقوام، کشمیری پنڈتوں، مسلمانوں، سکھوں، ڈوگرہ، راجپوتوں اور بوہروں مسلمانوں کے تمام فرقوں اور قوموں کی ذاتوں اور گوتوں وغیرہ کی وجہ تسمیہ ان کے تاریخی حالات، ان کے مشاہیر، ان کی آبادی اور تمدنی معاشرتی کیفیت، ان کے آبائی کاروبار، ان کے رسم ورواج اور قدیم تاریخی روایات ان کے متعلق دیگر دلچسپ کوائف ومعلومات کا تذکرہ درج ہے۔

مصنف نے تحقیقی انداز میں قلم اٹھایا ہے اور تاریخ کشمیر کے کئی خفیہ گوشے دریافت کئے ہیں اور درست حالات پیش کرنے میں مصنف نے محنت اور دیانت سے کام لیا ہے۔

اس کتاب میں ہمارے آباؤ اجداد کا تذکرہ موجود ہونے کے ساتھ پاکستان میں بسنے والے کئی اور خاندانوں کے آباؤ اجداد کا ذکر موجود ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اور ہمارے ادارے ''مشتاق بُک کارنر'' کے لیے یہ ایک اعزاز کی بات ہے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کا نام زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف ہیں اللہ ہماری ان کوششوں کو قبول فرمائے۔ (آمین)

کتاب کے آخر میں کچھ تصاویر بھی پرنٹ کروا کر لگا دی گئی ہیں جن میں کشمیر کے مشہور خاندانوں کے سربراہان سرکاری، غیر سرکاری، کاروباری اور دیگر افراد شامل ہیں۔

اُمید ہے کہ ''تاریخ اقوام کشمیر'' کا جدید کمپوٹرائزڈ ایڈیشن، تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کی ضرورت پوری کرنے کے علاوہ صاحبانِ علم و آگہی اور کشمیر کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کی علمی تشنگی دور کرنے کے سلسلے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

ناشر

دیباچہ

جب ۱۹۱۴ء میں اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اس میں صرف مسلمانان کشمیر کی اقوام ہی کا ذکر تھا نہ کشمیری پنڈتوں کی گوتوں کی تفصیل تھی۔ نہ راجپوتوں سکھوں اور بوہروں کا تذکرہ تھا اور نہ اقوام پونچھ کے متعلق کوئی اشارہ تھا۔

احباب کی ان شکایات کو رفع کرنے کے لیے ''اقوام کشمیر'' کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۳۰ء سے زیر ترتیب تھا پہلے ایڈیشن میں نوّے سے کم ذاتوں کا ذکر تھا۔ موجودہ ایڈیشن میں جن ذاتوں گوتوں اور القاب Nick Names اور بعض مشہور خاندانوں کا ذکر ہے ان کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے اور ابھی بہت سے اصحاب کا تذکرہ اور بہت سی ذاتوں کا اندراج * رہ گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس ایڈیشن میں چالیس سے زیادہ ہاف ٹون عکسی تصویریں ہیں پہلے ایڈیشن میں نہ کوئی تصویر تھی نہ حالات اس کثرت سے تھے بلکہ اس کا سائز بھی بہت چھوٹا تھا۔

ارادہ یہ تھا کہ ''تذکرہ اقوام پونچھ'' بھی اس کے ساتھ شائع کی جائے لیکن ایک تو کتاب کا حجم اندازہ سے ۲۵۰ صفحہ زیادہ ہوگیا۔ دوسرے پونچھ کی بعض اقوام نے حالات اور شجرے ایسے بے سند بے تکے اور غیر مصدقہ بھیجنے شروع کر دیئے کہ ان کی تصدیق و تکذیب کے لیے بڑا وقت صرف کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ اس وقت بھی کتاب مطبع میں چھپ چکی ہے، اکثر اقوام کی طرف سے ان اعتراضات کا کوئی جواز نہیں مِلا جو ان کے شجروں اور ان کے تاریخی حالات پر کیے گئے تھے تیسرے اسی انتظار میں مئی جون کی گرمیاں آگئیں جن کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے ؎

مئی اور جون کا آیا مہینہ بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ

اس لیے ''تذکرہ اقوام پونچھ'' کا کچھ مسودہ ترتیب دینے کے لیے اپنے ساتھ کشمیر لے جا رہا ہوں جن مسودات کا انتظار ہے ان کے لیے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہے گا اور ممکن ہوسکا

* بشرط زیست آئندہ ایڈیشن میں اس کا سائز بڑھا کر بہت سی ذاتوں کا اضافہ کیا جائے گا۔

تو بدوران قیام کشمیر خود بھی پونچھ جاؤں گا۔

ان اصحاب کا شکوہ * کرنے کے بعد جنہوں نے میرے خطوط کا جواب نہیں دیا، جو وعدوں کے باوجود ایفائے عہد نہ کر کے کتاب کی طباعت میں تاخیر کا باعث ہو رہے ہیں، میرا فرض ہے کہ ان محبان وطن اور علم دوست اصحاب کا شکریہ ادا کروں جنہوں نے میرے خطوط کے جواب میں مجھے بعض ذاتوں کے کوائف سے اطلاع دی یا مجھے مطبوعہ وغیر مطبوعہ نایاب کتابیں عاریتاً عنایت فرمائیں جن کے مُطالعے نے اس کتاب کی تکمیل میں مجھے بہت مدد دی۔ بالخصوص اصحابِ ذیل قابل ذکر ہیں۔

(۱) مولوی مفتی محمد سعادت صاحب مورخ کشمیر مصنف تاریخ گلشن کشمیر سری نگر

(۲) ڈاکٹر مرزا شیر علی صاحب برلاس کلر سیداں ضلع راولپنڈی

(۳) حکیم مظفر حسین صاحب مالک سلسلہ لطف زندگانی موچی دروازہ لاہور

(۴) پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیل دار رئیس سری نگر

پنڈت تاراچند صاحب ترسل اپنے بیش قیمت اوقات کا اکثر حصہ اور کئی کتب مطالعہ کے لیے مجھے عنایت فرماتے رہے۔ کشمیری پنڈتوں کے متعلق اس کتاب میں جو پہلا باب ہے اس کے نصف سے زیادہ مصنف دراصل پنڈت صاحب ہی ہیں۔ ان کے پاس کتب خانہ بھی ہے' خدا نے ان کو حافظہ بھی قابلِ رشک دے رکھا ہے۔ آپ کے کچھ حالات ترسل فیملی میں درج ہیں کچھ حالات اظہارِ شکریہ کے طور پر اور افادہ عام کے لیے یہاں درج کرتا ہوں۔

آپ پہلے پہل ۱۸۴۶ء میں محکمہ گورنری میں نائب مقرر ہوئے۔ ۱۸۵۶ء میں نائب تحصیل دار پٹن ہو گئے پھر ناظر پھر مترجم اور پھر انسپکٹر گاچرائی اور کچھ عرصہ بعد اپنی محنت ولیاقت سے گورنر کشمیر کے فارسی دفتر کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو گئے۔ بعد ازاں تحصیل داری کے امتحان اور آموختت بندوبست میں تمام ریاست میں سب سے اول رہے۔ کشمیر اور لداخ کی قریباً تمام تحصیلوں میں کام کرنے کے بعد ڈپٹی گورنر سپشل شالی افسر ہو گئے۔ جب شالی کا کام ایک بورڈ سپشل کے سپرد ہو گیا تو آپ پھر تحصیل داری پر واپس آئے اور تحصیل کشتواڑ سے جہاں آپ پانچ

* ایسے اصحاب کا شکوہ تذکرہ آب حیات کی تصنیف کی وقت شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد دہلوی کو بھی اپنے دوسرے ایڈیشن میں کرنا پڑا تھا۔

سال رہے ۳۹ سال کی مسلسل اور قابل تعریف ملازمت کے بعد پنشن پر ریٹائر ہو گئے۔

۱۸۸۴ء سے وکالت کر رہے ہیں۔ کشمیر میں اس وقت جو مشہور وکلا ہیں۔ ان میں رسوخ ولیاقت کے لحاظ سے آپ کا نام صف اوّل میں ہے بلکہ مقدمات مال میں کشمیر کے علاوہ جموں اور پشاور اور پنجاب وغیرہ مقامات کے لوگ بھی آپ سے صلاح ومشورہ لیا کرتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد اور بہبودیِ رائی و رعایا بھی آپ کا خاص مشن ہے سری نگر کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے باہمی اخوت کے لیے جو انجمن اتحاد قائم کی ہوئی ہے پونے دو سال سے آپ اس کے سیکرٹری ہیں۔

بہ سلسلہ وکالت ایک وصف آپ میں ایسا ہے جو غالباً کسی ملک کے کسی وکیل پیشہ میں نہیں ہے یعنی آپ ہر سنیچر (شنبہ) کو ایک مقدمہ مفت کیا کرتے ہیں اور اس میں ہندو مسلمان یا کسی اور قوم کو کوئی تخصیص نہیں۔ البتہ اس کا واقعی نادار مفلس ہونا ایک ضروری شرط ہے بلکہ بعض اوقات محتاج اشخاص کو اسٹامپ وغیرہ کے اخراجات اپنی گرہ سے دیتے ہیں۔

سال گزشتہ میں راجہ صاحب چینتی نے آپ کو وزیر منتخب کیا تھا۔ لیکن بعض وجوہ سے آپ نے وہاں جانے سے انکار کر دیا۔

جنگ عظیم کے ایام میں آپ نے رنگروٹوں کی بھاری تعداد بہم پہنچائی اور نصف لاکھ روپیہ اپنی تحصیل سے قرضہ جنگ وصول کیا۔ جس پر مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آنجہانی نے ایک نقرئی تمغہ عطا کیا۔

آپ کشمیر کے بہت بڑے رئیس و زمیندار ہیں۔ اور پبلک اور سرکار میں نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ علوم فارسی اُردو اور انگریزی کے علاوہ بلتی و پنجابی میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں، منطق، فلسفہ اور تاریخ سے بھی ان کو خاص شوق ہے۔

جس محنت اور تندہی سے آپ نے مختلف علوم حاصل کیے ہیں اور نائب ناظری کی اسامی سے ترقی کی ہے۔ وہ ہر نوجوان کے لیے ایک شاہراہِ عمل ہے۔

راقم مؤلف نے جہاں تک ہو سکا ہے صحیح حالات درج کرنے میں پوری محنت و دیانت سے کام لیا ہے تاہم تاریخ اور معلومات عامہ کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے اس لیے اگر کسی واقف کار اہل علم کو کسی خاندان کے متعلق یا کسی ذات اور گوت کی تحقیق کے بارہ میں راقم مؤلف

سے تاریخی نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے کچھ اختلاف ہو یا کتاب میں کوئی اور عیب نظر آئے۔ تو چشم پوشی کی ضرورت نہیں بلکہ راقم مؤلف کو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تا کہ بشرطِ زندگی آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔

راقم نے اس کتاب کا دیباچہ اگست ۱۹۳۳ء میں بمقام سری نگر کشمیر میں لکھا تھا اور دراصل کتاب کا بیشتر حصہ وہاں ہی ترتیب دیا جا چکا تھا۔ لیکن لاہور آ کر دیباچہ نئے سرے سے لکھنا پڑا۔ کتاب کا تاریخی نام "تواریخ اقوام کشمیر" ۱۹۳۳ء ہے۔

لاہور

۱۵ جون ۱۹۳۴ء

محمّد الدّین فوقؔ

☆☆☆

دیباچہ

از مضمون اسلامی تمدن تحریر کردہ مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب سیوہاردی

﴿قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. الناس کلھم بنو ادم و ادم من تراب﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سب انسان اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔

﴿قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال رسول اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن عیالہ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مخلوق اللہ کا کنبہ ہے پس اللہ کے نزدیک مخلوق میں زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔

انسان اپنی انسانیت کے لحاظ سے نہ نیچ ہے نہ اونچ اور خدا نے سب کو انسانیت میں برابر بنایا ہے لہٰذا پیدائش اور خلقت کے اعتبار سے یا نسب و نسل کے لحاظ سے ان کے درمیان درجات قائم کرنا خدا تعالیٰ کی فطرت کے خلاف بغاوت ہے اور اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ اس بغاوت کو مٹا کر انسانیت کو اس لعنت سے پاک کر دے۔

اسلامی معاشرت کسی انسان کی برتری یا کمتری حسب و نسب یا پیشہ کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ اعمال سے متعلق ہے۔ اسلام تسلیم کرتا ہے کہ انسانوں کے باہمی تعارف اور باہمی رشتوں کے تعلق کی بنا پر وہ چھوٹے چھوٹے کنبے بڑے بڑے خاندانوں اور اس سے بھی زیادہ وسیع برادریوں میں منقسم ہیں۔ مثلاً عرب اور عربی نسل اقوام ہیں۔ قریشی ہیں اور غیر قریشی اور قریشی میں ہاشمی، عباسی، علوی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، زبیری وغیرہ کئی خاندان ہیں اور عجم میں عجمی

النسل اقوام ہیں، برہمن، کھشتری، ویش، یا بعض خاندان نسلاً بعد نسلاً خاص پیشہ کو اختیار کرنے کی وجہ سے اپنے پیشہ کی جانب منسوب ہیں۔

پس اسلام اس حد تک اس امتیاز کو مانتا ہے کہ خدا کی اس اربوں مخلوق انسانی میں قبائل بطون اور شیوب (برادریوں، خاندانوں اور کنبوں میں منقسم ہونا۔ اپنے اجداد کے ساتھ انتساب اور باہمی تعارف کے لیے مفید ہے لیکن وہ اس کو ہرگز قبول نہیں کرتا کہ اس امتیاز کا حاصل یہ ہے کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ یا ایک خاندان دوسرے خاندان یا ایک برادری دوسری برادری کو حقیر اور ذلیل و نیچ قرار دے اور خود کو بلند و بالا سمجھے کیونکہ اسلام میں ''فخر بالانساء'' کو ملعون قرار دیا گیا ہے اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان کر دیا تھا کہ آج سے میں اس نسبی فخر کو مٹاتا ہوں اور آئندہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس جاہلیت کے دعویٰ کو دوبارہ زندہ کرے چنانچہ قرآن مجید میں بہت واضح اور صاف الفاظ میں ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَاسُ اَنَّا خَلَقْنَا كُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَا كُمْ شَعُوْباً وَّقبائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتقَاكُمْ اِنَّ اللّٰهِ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

اے لوگو بلاشبہ ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو قبیلے اور کنبے کر دیا ہے تاکہ تم آپس میں تعارف پیدا کرو۔ بلاشبہ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی بلند اور برگزیدہ ہے جو تم میں سے خدا کا پرہیزگار بندہ ہے۔ بے شبہ اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔

یعنی بلندی اور برتری نسب اور ذات پات سے نصیب نہیں ہوتی بلکہ اعمال کی خوبی اور نیکی سے حاصل ہوتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر اصول دین کے متعلق جو اہم خطبہ دیا تھا اس میں عقائد جاہلیت کے خلاف آیت مسطورہ کی تفسیر فرماتے ہوئے نہایت صاف اور پُرشوکت الفاظ میں ارشار فرمایا۔

فلیس العربی علی عجمی و لا لجمی علی عربی فضلٌ و لا سو دعلیٰ ابیض فضلٌ و لا لابیض علی اسود فضلٌ الا بالتقویٰ

لہٰذا نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر نہ کسی گورے کو کالے پر مگر یہ تقویٰ ہی برتری کا سبب بن سکتا ہے۔ حدیث میں

فصلن ''فضیلت'' سے مراد ہے کہ صرف نسب نہ کسی کو برتر بناتا ہے اور نہ کسی کو کمتر' برتری اور کمتری کا معیار صرف تقویٰ اور طہارت اور اعمال کی خوبیوں پر موقوف ہے۔

قال یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کلکم بنو ادم و ادم خلق من تراب و لینتھین قوم ب فخر ون بابا ھم اولیکونن اھون علی اللّٰہ من الجعلان.

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں اور چاہیے کہ قومیں اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ تو وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کیڑے سے بھی زیادہ بے وقعت ہو جائیں گے پھر فرمایا

تعلمو امن انسابکم ما تصلون به ارحامکم.

اپنے نسبوں کو اس قدر جاننا چاہیے کہ جس سے آپس میں صلہ رحمی کرسکو۔

جس طرح نسب فخر و غرور کے لیے نہیں ہے بلکہ باہمی تعارف اور آپس میں صلہ رحمی کرنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اس طرح پیشہ سے نہ ''نسب'' میں کوئی تبدلی پیدا ہو جاتی ہے نہ جائزہ پاک پیشے موجب اہانت و تذلیل ہو سکتے ہیں۔ پیشہ پیشہ ہے نسب نہیں ہے۔ یہ بات تو ظاہر ہے اور کسی دلیل کی محتاج نہیں کیونکہ ایک شخص اگر مثلاً صدیق اکبرؓ کی نسل سے ہے لیکن اپنی معاش کے لیے اس نے درزی کا پیشہ اختیار کر لیا ہے تو اگر اس کا پشتہا پشت تک بھی اس کے گھرانے میں یہ صنعت و حرفت جاری ہے رہے تو اس کا یہ پیشہ اس کا نسب نہیں بن سکتا۔ چنانچہ صحیح احادیث میں موجود ہے کہ حضرت زکریا نجاری کا حضرت ادریس جامہ درزی اور پارچہ بانی کا حضرت سلیمان ٹوکریاں بنانے اور حضرت داوٗدؑ زرہ کاری کا اور اس طرح دوسرے انبیاء علیہ السلام اور صحابہ کرام مختلف پیشوں اور صنعت و حرفت سے معاش پیدا کرتے تھے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کسی ایسے عمل کو اپنی معاش کے لیے پیشہ بنا لیا جس کو زبان وحی ترجمان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پیشہ بنانا مکروہ اور ارذل قرار دیا ہو تو وہ شخص ضرور اس پیشہ کی وجہ سے قابل تحقیر سمجھا جائے گا۔ لیکن اس کی اولاد اگر اس پیشہ کو ترک کر کے دوسرے محمود مشاغل سے معاش پیدا کرتی ہے تو شخص مذکورہ کے حقیر پیشہ کی وجہ سے اس خاندان یا اس کی نسل قابل تحقیر و تذلیل نہیں ہو سکتی۔

عرضِ حال

تین سال کی محنت کے بعد تاریخ اقوام کشمیر کی جلد دوم کی ترتیب و تالیف سے جون ۴۳ء کے آخری ایام میں فرصت ملی ہے۔ اقوام پنجاب ہوں یا اقوام کشمیر، اقوام افاغنہ ہوں یا اقوام ہنود۔ یہ سلسلہ ایسا لمبا ہے اور ان کی تحقیق و تفتیش میں اس قسم کی دشواریاں اور موشگافیاں پیش آتی ہیں اور بعض اصحاب ایسی مصنوعی دستاویزیں اور من گھڑت خاندانی افسانے پیش کرتے ہیں کہ عقل سلیم تاریخی لحاظ سے ان کو تسلیم نہیں کر سکتی۔

ماضی کی تاریخ وہ بنیاد ہے جس پر قوموں کی گزشتہ شاندار روایات کی فلک نما عمارت تیار کی جا سکتی ہے اور قومیں اپنے ماضی کے پس منظر سے آگے بڑھتی ہیں لیکن افسوس ہے۔ اس اصول کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تاہم راقم نے جہاں تک اس سے ممکن ہو سکا ہے احتیاط سے کام لیا ہے اور بعض احباب کو ناراض بھی کر لیا ہے لیکن دامن تحقیق ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس پر بھی انسان مرکب من النسیان ہے غلطی ممکن ہے اور غلط فہمی بھی ممکن ہے اس لیے اگر راقم کو کسی غلطی یا غلط فہمی کی براہ راست اطلاع دے دی جائے گی تو انشاء اللہ اس کا تدارک کر دیا جائے گا۔

بعض اصحاب نے تصاویر اور خاندانی حالات اس وقت ارسال کیے جب کتاب تیار ہو کر جلد بندی کے لیے دفتری کے پاس پہنچ چکی تھی اور راقم شدت گرمی کی وجہ سے مزید محنت اور گرانی کاغذ کی وجہ سے مزید اخراجات برداشت کرنے کے ناقابل تھا البتہ بعض اچھے اچھے علمی و تاریخی خاندانوں کے حالات وقت پر نہ مل سکنے کا ضرور افسوس ہے بعض اصحاب نے لکھا ہے کہ جب تیسری جلد اقوام کشمیر کی لکھی جائے تو ان کو فراموش نہ کیا جائے۔ راقم تو چراغ سحری ہے معلوم نہیں تیسری جلد کون لکھے گا اور کب لکھے گا، البتہ جب کوئی اقوام کشمیر یا کشمیر کی تاریخ لکھے گا یا کشمیر کے متعلق اور کسی قسم کی تاریخی کتاب لکھنے کا اس کو خیال آئے گا تو اس کو راقم ناچیز کی تصانیف پر بھی ایک نظر ڈالنی پڑے گی۔

من آں ستارہ صبحم کہ در محل طلوع ہمیشہ پیش روَ آفتاب مے باشم!

لاہور۔ یکم جولائی ۱۹۴۳ء محمد الدین فوق

باب اوّل

فصل اول

کشمیری پنڈت اور ان کی ذاتیں اور گوتیں

کشمیری پنڈتوں کی اصلیت کیا ہے

کشمیر کے قدیم باشندے کون تھے؟

کشمیری پنڈتوں کی اصلیت کے بارے میں مختلف خیالات ہیں۔ ذیل کی یاداشت * جو پنڈت انند کول پریذیڈنٹ میونسلپٹی سری نگر (حال پنشنر) کے مشورہ سے تیار کی گئی ہے دلچسپی سے خالی نہیں۔

جن لوگوں نے راج ترنگنی کا مطالعہ کیا ہے انہیں اس بات کو تسلیم کر لینے میں تامل نہ ہوگا کہ مذہب اسلام اختیار کرنے سے قبل کشمیر کے ہندو سب کے برہمن ہی نہیں تھے۔ نیلہ مت پوران اور راج تنگنی میں اس زمانہ کے حالات درج ہیں جب کہ ابھی دنیا میں فن تاریخی نویسی جاری بھی نہیں ہوا تھا۔

لکھا ہے کہ اس زمانہ میں وادیِ کشمیر ایک بہت بڑی پہاڑی جھیل تھی اور اس کا نام ستی سر تھا۔ کیشپ رشی نے جھیل کا پانی نکال کر اسے خشک کیا اور برہمنوں کو لا کر آباد کیا برہمن گرمی کے ایام یہاں گزار کر سردی کے دنوں میں واپس چلے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں یہاں ایک قبیلہ پشاچ اور یاکش کے نام سے آباد تھا۔ یہ قبیلہ برہمنوں کے برعکس ایام سرما یہاں گزارتا اور گرمی کے ایام میں تبت چلا جایا کرتا تھا نیل ناگ مصنف نیلہ مت پوران کے مشورہ سے جونا گون کے قبیلہ کا سردار تھا۔ برہمنوں نے یاکشوں کو جو یہاں کے اصلی باشندے کہلاتے تھے۔ اس خیال سے کچھ تحائف دینے شروع کیے۔ کہ وہ ان کو تنگ نہ کیا کریں۔ چنانچہ ابھی تک کہ اس واقعہ کو کئی ہزار سال گزر چکے ہیں۔ ہر سال پندرھویں پوس کی اندھیری رات کو کھچڑی ماوس کا تہوار منایا جاتا ہے۔

* از ویلی آف کشمیر سر والٹر لارنس سابق سیٹلمنٹ کمشنر کشمیر

اس تاریخ کو ہر کشمیری پنڈت کے گھر میں کھچڑی پکتی اور کوری ہنڈیا میں ڈال کر یاکشوں کے نذرانہ کے طور پر کہیں رکھ دی جاتی ہے۔

یاکشوں کے متعلق روایت ہے کہ وہ پست قامت مگر جسم کے مضبوط اور طاقتور ہوتے تھے اور سر پر ٹوپی پہنا کرتے تھے۔

اقوام ڈار نانک اور تانترے کا ذکر نیلہ مت پوران اور راج ترنگنی میں:

کشمیریوں کے عادات وخصائل اور ان کے دھرم کرم کے متعلق سب سے پرانی کتاب نیلہ مت پوران ہے اس کے بعد راج ترنگنی ہے۔ ان دونوں کتابوں میں مندرجہ ذیل قوموں کے نام خاص طور پر پائے جاتے ہیں۔ میچھ۔ نشد۔ بھٹ۔ رکھش۔ ایکنگ۔ ڈامر (ڈار) تانترے۔ نیائک۔ یہ قومیں نہ صرف ملک کے تاجداروں کو تکلیف دیا کرتی تھیں بلکہ برہمنوں کو بھی ستایا کرتی تھیں۔ یہ اقوام کھیتی باڑی فوجی ملازمت اور اسی طرح کے دوسرے کام کیا کرتی تھیں۔ کشمیر کی زراعت پیشہ آبادی میں اب بھی تانترے۔ نیائک اور ڈار (اختصار ڈامر) ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔

کیا کشمیر کے سب باشندے پنڈت ہی تھے؟

بہت سی اقوام یہاں دیگر ممالک سے آ کر آباد ہوئی ہیں جن کی تصدیق ذیل کے واقعات سے ہو سکتی ہے۔

قدیم زمانہ میں کشمیر علم وفضل کا گھر تھا۔ حصول علم کی خاطر دور دور سے یہاں لوگ آیا کرتے تھے۔ دو مشہور چینی سیاحوں نے جن میں سے ایک کا نام ہیو آن سیانگ اور دوسرے کا نام او یو کانگ ہے۔ اپنی تصانیف میں کشمیر کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''اہل کشمیر علم وفضل کے شائق اور مہذب ہیں'' ہیون آن سیانگ ۶۳۱ء اور او یو کانگ ہے۔ اپنی تصانیف میں کشمیر کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''اہل کشمیر علم وفضل کے شائق اور مہذب ہیں'' ہیون آن سیانگ ۶۳۱ء اور ویو کانگ ۷۵۹ء میں یہاں آیا تھا۔ اور دونوں نے یہاں آ کر سنسکرت کی تعلیم حاصل کی۔

البیرونی جو ۸۲۱ء میں محمود غزنوی کے ہمراہ پنجاب تک پہنچا تھا۔ کشمیر کے متعلق لکھتا ہے

"کشمیر ہندوؤں کے علوم وفنون کی بہت بڑی درس گاہ ہے علم سنسکرت کے شائق دورونزدیک سے یہاں آتے اور اکثر اس کی وادیوں کی قدرتی خوبصورتیوں پر فدا ہو کر ہمیشہ کے لیے یہیں کے ہو رہتے ہیں"۔ پھر لکھتا ہے "سر بفلک دیواروں نے جو وادی کے چاروں طرف چھائی ہوئی ہیں کشمیر کو ایک محفوظ جائے پناہ بنا رکھا ہے اس لیے بار بار بیرونی حملوں سے تنگ آ کر دوسرے ملکوں کے لوگ یہاں اقامت گزین ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک جگہ لکھا ہے محمود غزنوی نے جب پنجاب کو فتح کیا تو لوگ بھاگ کر یا تو ایسے مقامات میں چلے گئے جہاں ہم پہنچ نہیں سکتے تھے اور یا کشمیر بنارس اور دیگر دور دراز مقامات کو انہوں نے اپنا مسکن بنایا۔ زمانہ قدیم میں چونکہ کشمیر کے تعلقات چین سے قائم تھے اور بعد میں وسط ایشیا سے بھی ہو گئے اس لیے ان اطراف کے لوگ کشمیر میں کثرت سے آتے تھے۔ اور ان میں سے کئی ایک کشمیر ہی کو اپنا وطن بنا لیتے تھے۔

مندرجہ بالا بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ کشمیری برہمن یہاں کے اصل باشندے نہیں ہیں بلکہ دوسرے ملکوں سے آئے تھے۔ وہ صرف برہمن ہی نہیں تھے بلکہ مختلف ممالک کی مختلف اقوام میں سے تھے۔ ان میں سے کئی لوگ حصول علم کی خاطر آتے تھے۔ اور کئی بیرونی حملوں کے خوف سے بھاگ کر یہاں آ کر پناہ لیتے تھے۔ رائینا یا راجا تک برہمن جیسا کہ ان کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو راجگان کے وزیر ہوتے تھے۔

اسلام کے بعد کشمیری ہندوؤں کی حالت:

اسلام نے اپنا علم کشمیر میں ۱۳۳۹ء میں بلند کیا۔ اسی زمانہ میں اور اس کے کچھ عرصہ بعد کشمیر کے تمام ہندو وہ برہمن تھے یا کشتری بدھ مذہب کے تھے یا کسی اور گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دیہاتی تھے یا شہر باشندے سب کے سب مسلمان ہو گئے بعض ہندو مصنفین کے قول کے مطابق صرف گیارہ گھر اور پنڈت انند کول مصنف کشمیری پنڈت کی تحریر کے مطابق صرف دو گھر ایسے تھے جو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہے۔ کئی لوگ ایسے تھے جو ملک چھوڑ کر بھاگ گئے بعد میں سلطان زین العابدین کے زمانہ (۱۴۲۰ء تا ۱۴۷۰ء) میں اس کی بے تعصبی کی وجہ سے کئی مہاجر جلاوطن برہمن پنجاب و دکن سے واپس اپنے وطن میں چلے آئے۔ اسی بادشاہ کے عہد میں پنڈتوں نے فارسی زبان پڑھنی شروع کی اور سرکاری نوکریاں اختیار کر کے کارکن کہلانا شروع کیا۔ کارکن پنڈت اپنے نواسوں کو اپنا مذہبی پیشوا مقرر کرتے تھے اور اسے بچابٹ کے نام سے موسوم کرتے تھے۔

کشمیری برہمن وسط ایشیا سے کشمیر میں آئے تھے:

برہمنان کشمیر کے متعلق یہ روایت ہے کہ وہ کیشپ رشی کی نسل سے ہیں لیکن پنڈت انندکول کی یادداشت ظاہر کرتی ہے کہ کشمیری برہمن دراصل آریہ نسل سے ہیں۔ جو وسط ایشیا سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے دیکھو راج ترنگنی کتاب (۱-۳۴۱) ان کے خدوخال اور ان کی رنگت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آریہ نسل سے ہیں۔ ابتدا میں ان کی صرف چھ گوتر تھیں۔ دتاتریہ۔ بھاردواج۔ گوتم۔ مدگول۔ اوپامنی۔ دھوام۔ دوسرے ملکوں کے برہمنوں سے جو کشمیر میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ شادیاں کرنے اور ان میں غلط ملط ہونے سے گوتر بڑھتے بڑھتے ۱۳۳ ہو گئیں۔ بعض مورخوں کے نزدیک ان کے بڑے بڑے گوتر صرف تین ہی تھے۔ بھٹ۔ پنڈت۔ رازدان۔ انہیں سے کول۔ سوپوری اور رینہ * نکلے ہیں۔

کشمیر کے ہندو مذہبی پیشوا دور دراز ملکوں میں:

اس خیال کی تائید میں کافی شہادت موجود نہیں ہے کہ کشمیری پنڈت دراصل یونانی اور ایرانی تھے اور انہوں نے کشمیر میں آ کر اپنے آپ کو برہمن مشہور کر دیا۔ البتہ بقول مورخ یوکاک یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ جب سکندر نے ہندوستان کو فتح کیا ہو تو بعض کشمیری اس کے ساتھ یونان چلے گئے ہوں اور وہیں آباد ہو گئے ہوں۔ ایک اور مورخ میرل پول بیان کرتا ہے کہ کشمیری مذہبی پیشوا ایشیا کے مختلف علاقوں میں اپنی مذہبی تعلیم کی اشاعت کرتے رہے ہیں۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ ایک کشمیری جس کا نام شاما بھٹ تھا۔ زمانہ قدیم میں لاسہ جا کر لوگوں کو اپنے مذہب کی خوبیاں بتاتا اور تعلیم دیا کرتا تھا۔ وہاں کے لوگ ''سم بھوٹا'' کے نام سے اسے یاد کرتے ہیں اور وہاں اس کی مورتی کی تعظیم و تکریم بھی ہوتی ہے۔

کشمیری پنڈت مالابار میں:

مہاراشٹر میں کشمیری پنڈتوں کے متعلق یہ عجیب روایت مشہور ہے کہ قدیم الایام میں گورے رنگ کے یہ آدمی طوفان میں بہتے ہوئے ساحل مالابار پر آ لگے تھے۔ لوگوں نے انہیں مردہ خیال کیا۔ اور جب انہیں جلانے کے لیے اٹھا کر چلے۔ تو وہ زندہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیان میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جن دنوں (غالباً وہ سکندر بت شکن کا

---

* رینہ اور راجانک کے متعلق مفصل بحث آئندہ ابواب میں درج ہے

زمانہ ہوگا یا اس سے بھی قبل ذوال چو کے حملہ کے وقت کشمیری اپنے ملک سے بھاگ کر باہر جارہے تھے۔ ان میں سے کچھ مالا بار بھی چلے گئے اس واقعہ پر یہ رنگ چڑھا دیا گیا کہ وہ طوفان میں بہہ کر آئے اور مردہ تھے اور پھر زندہ ہو گئے۔ دور دراز کا سفر تھا۔ راستے دشوار گزار تھے۔ سفر جبری تھا۔ تکان اور بھوک پیاس اور پریشان حالی سے مردہ ہی معلوم ہوتے ہوں گے۔ لوگوں نے سچ مچ مردہ سمجھ لیا ہوگا۔

زندہ درگور زمانہ میں نہ ہوں گے ایسے
مرثیہ پڑھتے ہیں شاعر ترے بیماروں کا

کشمیری برہمنوں کے دو بڑے گروہ:

سطور گذشتہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائے عہد میں کشمیر کے برہمنوں پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ کشمیر میں صرف گیارہ قبائل کشمیری ہندوؤں کے رہ گئے تھے۔ باقی یا تو مسلمان ہو گئے یا قتل! یا دوسرے ملکوں میں بھاگ گئے تھے۔ جب سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ میں پنڈتوں کو واپس کشمیر آنے کی اجازت مل گئی اور بادشاہ نے انہیں بہت سی مراعات دیں تو بے شمار پنڈت واپس آ گئے بلکہ ان کے ساتھ غیر ملکوں کے اور بھی بہت قبائل چلے آئے۔ گیارہ قبائل نے جو کشمیر سے باہر نہیں گئے تھے۔ اپنے لیے لقب ملماسی اختیار کیا اور وہ لوگ جو کچھ عرصہ کے بعد واپس آئے بان ماسی کہلانے لگے ملماس قمری کو اور بان ماس شمسی کو کہتے ہیں۔

پنڈت اور کارکن:

بڈشاہ کے زمانہ میں ہی متذکرہ صدر دونوں گروہوں سے پنڈتوں کے دو اور طبقے نکلے۔ ایک طبقہ کارکن کہلایا۔ جو اس وقت کی مروجہ سرکاری و عدالتی زبان فارسی پڑھ کر دفتروں اور محکموں میں ملازم ہوتا اور اعلیٰ اعلیٰ عہدے حاصل کرتا تھا۔ فریق دوم باج بٹ یا باچھ بٹ یا بھاشا بھٹ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ فریق علم سنسکرت حاصل کر کے پروہتائی کے مذہبی فرائض ادا کرتا تھا اور اسی وجہ سے پنڈت کہلاتا تھا۔

پنڈتوں اور کارکنوں میں فرق:

کچھ نہ کچھ فرق ضرور پڑ گیا۔ مثلاً کارکن فرقہ خیرات ہرگز نہیں لیتا۔ اور نہ باج بٹ فرقہ کے ساتھ شادی کرتا ہے۔ باقی تمام امور میں وہ کسی ذات یا گوتر یا شاخ سے تعلق رکھتے ہوں۔ ان کے رواج اور مذہبی رسومات یکساں ہیں البتہ اگر کوئی شخص خراب کام یا رذیل پیشہ اختیار کرے تو اس کو داغی یا عیب دار یا داغ زد کہتے ہیں لیکن اس کے مذہبی حقوق زائل نہیں کیے جا سکتے۔

پنڈتوں کی عام اصلاحی ترقیاں:

۱۸۹۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں لکھا ہے کہ "تجارت اور کاشت کاری کو یہ لوگ حقیر سمجھتے تھے"۔ لیکن آج ۱۹۳۴ء میں حالات بالکل مختلف ہیں کشمیری پنڈت جو آج سے چوتھائی صدی پیشتر ہماری آنکھوں کے سامنے مسلمان تاجروں کا منیم ہوتا تھا۔ خود ایک تاجر کی حیثیت سے اپنے ملک کی تجارت کر فروغ دے رہا ہے اور تجارت بلکہ صنعت وحرفت کی ہر شعبہ میں ایک ممتاز سوداگر اور ایک ہوشیار کاریگر کی شان رکھتا ہے۔ وہ اس وقت حجام بھی ہے، سبزی فروش بھی، دوا فروش بھی ہے اور بوٹ مرچنٹ بھی، اہل قلم بھی ہے اور اہل حرفہ بھی، مزدور بھی ہے اور سرمایہ دار بھی۔ غرض کاروباری زندگی کی ہر صفت میں وہ اس وقت پیش پیش ہے۔ کشمیری پنڈت عام طور پر لکھا پڑھا ہے۔ شاید ایک فیصدی بھی ان پڑھ نہ مل سکیں۔

کشمیری مسلمان سے اس کو کوئی چھوت چھات نہ تھی۔ بلکہ آب کشی کا کام مسلمان (بہشتیوں) سے لیا جاتا تھا۔ اس وقت بھی ایسے پنڈت موجود ہیں جو مسلمان عورتوں کا دودھ پی کر پلے ہیں بلکہ شادی بیاہ کے موقع پر بعض معزز گھرانوں میں دودھ ماں، دودھ بھائی اور دودھ باپ (جو مسلمان ہوتے ہیں) کے حقوق کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ راقم الحروف کو راجہ وسرو یا کش کول اور ان کے بردار بزرگ راجہ ہری کشن کول نے بتایا کہ ان کے ہاں اب تک یہ رسم جاری ہے افسوس ہے اب یہ باتیں خواب وخیال ہو رہی ہیں۔

کاشت کاری و زراعت کا بے شک کشمیری پنڈتوں کو بہت کم خیال تھا۔ بلکہ وہ اس کام کو حقیر ہی سمجھتے تھے لیکن اب اس خیال کی بیخ کنی ہو رہی ہے۔ دیہاتی پنڈت تو عرصہ سے زراعت کر رہا ہے لیکن اب شہری پنڈتوں کو بھی زراعت کی قدر معلوم ہو رہی ہے۔ اور وہ حصول اراضی کی جدو جہد میں مصروف ہیں۔

ڈوگر عہد سے قبل پنڈت ہمیشہ سفید پگڑی پہنا کرتے تھے مگر " الناس علی دین

ملو کھم" کے مطابق اب رنگدار پگڑیوں کا رواج ہورہا ہے۔اور تعلیم کی بدولت پھرن کو جواب مل رہا ہے۔جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

یہی ہے اگر شوق ملبوس نو کا
اُتر جائے گا یہ پھرن رفتہ رفتہ

کشمیر کے برہمن اپنے ماتمی اور مذہبی رسومات نیلہ مت پوران اور وید مصفہ لوگاک رشی کے مطابق ادا کرتے ہیں۔کھیر بھوانی اور جوالا مکھی ان کے عزیز دیویاں ہیں۔مگر وہ شیو اور وشنو کی پرستش بھی کرتے ہیں۔

کشمیری پنڈت شادی بیوگان کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتا تھا۔مگر اب بہت سے روشن خیال پنڈت شادیِ بیوگان کی ترویج کے حامی ہیں اور گزشتہ سال سے ریاست کا ایک جدید قانون بھی شادیِ بیوگان کی اجازت دے چکا ہے۔تاہم اس وقت بھی صوبہ کشمیر میں آٹھ ہزار کشمیری برہمن کنوارے ہیں۔اور پانچ ہزار کشمیری پنڈت عورتیں بیوہ کی حیثیت سے اپنی زندگی بسر کررہی ہے لیکن توقع ہے کہ ۱۸۴۱ء کی مردم شماری میں پنڈتوں کے کنوارے یا رنڈوے لڑکوں اور بیوہ عورتوں کی تعداد شادیِ بیوگان کی ترویج کی بدولت بہت کم ہوجائے گی۔

فصل دوم

ملماسی پنڈتوں کے گوتر اور اُن کی ذاتیں

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۱	ایمان دار مینے	ریلو
۲	سامن مدگلی	زرراز وان، مُتران، چنا کنٹھ، خزانچی، ہمت والو
۳	پالدیوداس گارگی	مونگا، دیوانی، زتو روتن، پوٹ، شورا، ملا، میہ ہلا، پوت، عمیرا خور، کدل بچو، کوگرو، نبگرو، ابقایا،

		کشو، کچلو، مصری، کھتر، مام، سوپوری پنڈت
۴	دیو پت سامن اوپنی کوشک	سوپوری
۵	دیوا اپنی	کھوسر، میوا، پنڈت
۶	سامن واس اوپنی	دتو دوٹی
۷	سامن اوپنی	گیگو
۸	بہوت اوپنی شاں آگائے	گیرو
۹	سامن داس اوپنی،	بٹ
۱۰	کش اوپنی	بٹ
۱۱	بھوت داس اوپنی، ملوگا کہ	پیشین، یاپشن، ٹھاکر۔ تراپوری
۱۲	راجب بھوت لوگا کہہ دیول	بھان
۱۳	راتر بھارگوے	زتشو
۱۴	بھوت یوگا کہہ وہومیاں گوتم	ہنڈو
۱۵	دیو سامن گوتم کوشک گلی بھارو داج	کوکل پنڈت
۱۶	سامن مدگلی پاراشر	گیرو
۱۷	سامن وتسہ	تفنچی
۱۸	سامن کوش	ٹھاکر۔ واتل
۱۹	سامن بھارگو	بالی بٹو
۲۰	سامن شاڈلی	پنڈت۔ داس

۲۱	سامن راسہ آتری	ٹھسو۔ گہاسی دازہ
۲۲	سامن گوتم آتری شلان کوتس	مرینہ
۲۳	سامن گوتم آتری	پٹو
۲۴	سامن بہر گوابہاردداج اوس آتری	کلو
۲۵	سامن کنٹھ کشپ	لابرو
۲۶	سامن کارگی	مچامہ
۲۷	سامنِ گُن گہو شک	پادھے
۲۸	سامن گوتم بھارردواج	کمدا
۲۹	دشیسٹ بھارردواج	بٹ۔ ہکو۔ ہندو
۳۰	دیو بھارردواج	بٹ۔ گاوَ۔ کلو
۳۱	شرمن بھارردواج	بٹ
۳۲	دیو بھارردواج کوشک	دیوا
۳۳	شانڈے بھارردواج	بٹ
۳۴	نندہ کوشک بھارردواج	بٹ
۳۵	کوشک بھارردواج	بٹ
۳۶	شانڈلی	کار
۳۷	چھند شانڈلی	سادھو
۳۸	درشانڈلی	جوگی
۳۹	دردیوشیلان کپلے	موٹا

۴۰	متر شانڈلی	سید
۴۱	دیوشانڈلی	بتہ۔پھُلو
۴۲	راج شانڈلی	درد
۴۳	سُم شانڈلی	بٹ
۴۴	سامن ریشہ کنہ گارگے	کول
۴۵	کوتس اُتری	بٹ
۴۶	راجدت اُتری شیلان کوتس	بٹ
۴۷	شرمن اتری	گڈو
۴۸	بہوآتری	وارکو
۴۹	شامن وار شگنے	کاٹھجو رکاوَچوتھائی
۵۰	راتر اشیوامتر گستی	ترکرومستو
۵۱	درگپشٹل	لدّ د بٹ
۵۲	کلٹھ کشپ	ڈاسو۔رازدان۔بٹ۔متّو
۵۳	متہ کشپ	بٹ
۵۴	دت شرمہ کلٹھ گاشپ	رینہ
۵۵	دیوکشپ مدگلی کشپ	برڈو
۵۶	دیوکشپ مدگلی گوتم	آخون
۵۷	دیوگارگی	بھان
۵۸	دیودشٹ	اکبلو
۵۹	دیوکوتس آتری	بڈگامی

۶۰	دیوبشوامتروار شگنے	رنگو
۶۱	دیوگوتم	بٹ
۶۲	دیوکنٹھ کشپ	کار
۶۳	دیولوگوکہنہ	پنڈت یاہنڈپوری
۶۴	دیوکوشک	بٹ۔پنڈت
۶۵	آتروار شگن شانڈلے	چوہدری
۶۶	کوشک	بٹ
۶۷	دسشٹ	بٹ۔رینگہ ٹینگی
۶۸	کارچھندشانڈلی	چوہدری۔کار
۶۹	متراکوشک	پنڈت
۷۰	شرمنہ کوتس	بٹ۔سس
۷۱	دت داس	کھار
۷۲	دسشٹ سامن مدگلی	بھنڈاری
۷۳	ایشرشانڈلی کوشک	رادل۔نخاسی
۷۴	وٹ وت شیلان کوتس	بٹ۔ستھو۔مقب۔ملک۔کھن۔شو
۷۵	راتروار سگنے	کوتر
۷۶	پاراشر	تیکچھہ
۷۷	آتر بھارگوا	ہپ
۷۸	بھوت لوگا کہیہ	پنڈت
۸۹	راج وشیسٹ	شدگلو

۸۰	دت وار شگن	منسر
۸۱	ریشی کوشک	کاشغری
۸۲	ریشی کوتسی گارگ	زارو
۸۳	سم داتس گارگ	بٹ۔ سُم
۸۴	نند کوشک	بٹ
۸۵	سامن مدگلی	مدن
۸۶	سامن ہاس وتسی	خانہ کٹو
۸۷	بہوت اوپمنی	ریو۔ خیری۔ برادر۔ سیدا۔ اوپل
۸۸	بہوت اوپمنی شلان گائے	گنجو۔ کنزرو
۸۹	سامن آتری	شال۔ ہنڈوجہ والی۔ سکھ۔ چکر
۹۰	شانڈلی	شاعر
۹۱	سامن داتس گارگی	سُم۔ لنگو
۹۲	سامن گوشہ داتس اوپمنی	چوکو
۹۳	شرمن کوتس آتری	رگونند۔ گڑ وار۔ دت بہت
۹۴	دیو پاراشر	پچھ
۹۵	سامن گوتم	کلّو
۹۶	دیو پاراشر	تسی۔ بھوگن
۹۷	درگا نیشٹل۔ اوپمنی	میچ
۹۸	مترا سامن کوشک آتری	پنڈت
۹۹	در بھارو داج کوشک	بٹ

بان ماسی پنڈتوں کے گوتر اور ان کی ذاتیں

نمبر شمار	نام گوتر	ذات
۱	دتاتری (کول)	کول نگاری جینسی۔ جلالی۔ واتل۔ فکہ۔ سلطان اوگرا۔ ایما۔ موزہ۔ بام زیئی۔ دونٹ۔ طوطا۔ سیہہ۔ کسو۔ منڈل سنگاری۔ رافض۔ بابو۔ درابی۔کاک۔نقیب۔ناظر
۲	کنٹھ دھومیاین	رازدان۔وانگنی۔مجو۔شیر
۳	سامن بہاردواج	تکو۔منشی۔کھر۔مسکین۔گھڑیالی۔بازاری۔خان
۴	پت سامن کوشک	مٹو۔فوطہ دار۔گنجو۔کاہچرو۔چلو۔مام۔جٹو۔ انباردار۔کُلی۔ ویشنوی۔ برارو۔پنڈت۔ مسلمان۔کپاسی۔وانچو۔میاں جوان شیر۔جالہ نپرزد۔
۵	بہوا کپسٹل اوپنی	دنہ خان
۶	سامن کوشک بھاردواج	بٹ۔کوکرو۔(ککرد)
۷	سامن واس موگا کہہ	تور
۸	دربہاردواج	در۔ترسل۔مصری۔جوان شیر۔قندقاری۔تھال چور۔اوہتو۔ترکی۔واگزاری۔بانگی
۹	درواسک شانڈلی	صفایا
۱۰	شیلان کوتس	تیلوان کول۔مکو

۱۱	بہوا کپشتل	کاؤ
۱۲	درواز شگن	صفایا۔بخشی۔کچروشائی
۱۳	تپہ۔سامن کوشک دیوراتر پرواز	پنڈت۔وال
۱۴	بہوا کپشتل	زاڈو۔کلا۔سامن۔لٹو۔کٹو۔وانٹو۔چو۔چودر۔ گیروحکیم وانگنوں شیو

(۳) کشمیری پنڈتوں کی ۷۸ گوتوں کی مختصر کیفیت

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے۔ پنڈتوں کی اصل ذاتیں بہت ہی کم ہیں۔ البتہ کاروبار پیشہ اور ذاتی محاسن وعیوب کی وجہ سے جس طرح ہندوستان کی دیگر اقوام میں آل (Nick Name) پڑ جانے کا رواج ہے۔ وہی رواج کشمیر میں بھی ہے۔ البتہ زیادتی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ فہرست ہذا میں جو ۷۸ ذاتیں ہیں وہ دراصل آل کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ذاتیں ہوں گی جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکیں۔ اور حسب ذیل ذاتیں ڈنگبرو۔ دتھو۔ پڈرو۔ گاذ۔ گاکھار۔ کھونکھو۔ بمروغیرہ کئی ایسی ہیں جن کا نام تو ہے لیکن جن کے مطالب ومفہوم حاصل کرنے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکے۔ بہرحال ۷۸ ذاتیں حسب ذیل ہیں۔

نمبر شمار	کیفیت	عرف عام
۱	کھشو	بائیں ہاتھ سے کام کرنے والا
۲	گگرو	چوہا
۳	گنجو	گنجا
۴	کاندرو	نان بائی
۵	کھورو یا کھرو	گنجہ

۶	طوطا	جس نے پہلے طوطا پالا اس کی قوم اسی نام سے مشہور ہوگئی۔
۷	حلوائی	مٹھائی بیچنے والا
۸	شہدہ	چرسی کو کہتے ہیں
۹	آخون	ملاگری کرنے والے یعنی درس وتدریس دینے والے
۱۰	میرزا	میرزا خاندان کے ملازم یا گماشتہ
۱۱	ہاشی	حاشیہ باف
۱۲	مسکین	غریب الطبع
۱۳	حکیم	حکمت کرنے والے
۱۴	چکرد	ایک گاؤں کا نام ہے وہاں کے رہنے والے جب سری نگر آئے تو چکرد کہلانے لگے۔
۱۵	زرو	بہرہ اونچا بولنے والا
۱۶	ناستی	نسوار فروش
۱۷	دُارال	دلال
۱۸	کارہل	ٹیڑھی گردن والے
۱۹	گدی یا گدو	بھیڑیں پالنے والے
۲۰	کاوَ	کوا
۲۱	لٹو	دُم
۲۲	کبّو	کبڑا
۲۳	بُلا	احمق
۲۴	دانی	بقال۔دکاندار بیوپاری

۲۵	وانچی	معنی وانٹو بے مغز اخروٹ
۲۶	پنڈت	بید بھاشا جاننے اور سکھانے والے
۲۷	گوری	گیرو گاؤں متصل دانتی پورہ کے رہنے والے
۲۸	نادو	نائی (حجام)
۲۹	گوسائیں	پروہت
۳۰	کاغذگر	کاغذ بنانے والے
۳۱	رشی	عابد زاہد
۳۲	دراز	لمبے قد والے کسی شخص کے نام پر ایک فرقہ بن گیا۔
۳۳	واز	وازہ۔باورچی
۳۴	کپّر	کپڑا بیچنے والا
۳۵	پرچہ	پرچہ نویس
۳۶	کاشغر	کاشغر سے تجارت کرنے اور وہاں آمدورفت رکھنے والے۔
۳۷	کابلی	کابل سے تجارت کرنے والے اور وہاں آمدو رفت رکھنے والے۔
۳۸	قندھاری	قندھار سے تجارت کرنے والے اور وہاں آمدورفت رکھنے والے
۳۹	جوان	ایک قد آور اور وجیہہ شخص کے نام پر اس کی اولاد اب جوان گوت سے موسوم ہے۔
۴۰	چور	ایک شخص نے چوری کی وہ پیشہ ور چور نہیں تھا اس کے نام پر اب ایک قوم آباد ہے۔
۴۱	ہاک	سبزی کی کاشت کرنے والے

۴۲	زار	قمار باز
۴۳	اونٹ	اونٹ کی طرح لمبا اور بے ڈول
۴۴	تُت	لمبی تھوتھنی والے کے نام پر
۴۵	ٹھانٹھر	ٹھٹھیار
۴۶	واور	باشندہ
۴۷	دیوان	افسر دیوانی کے نام پر
۴۸	کوٹھا	جہاں شالی رکھی جاتی ہے اس کو کوٹھا کہتے ہیں۔ اب کٹھار بھی اس کا نام ہے۔ کٹھار کے مالک کو کوٹھی دار بھی کہتے ہیں۔
۴۹	ہانگلو	ہانگل وانی تحصیل اننت ناگ کے
۵۰	چغت	چغتائیوں کے گماشتہ و ملازم
۵۱	ٹوپہ	اصل لفظ ٹوپی ہے۔ پنڈتوں میں ٹوپی پہننے والے کو ٹوپی بھی کہتے ہیں۔ اب سری نگر میں تو کوئی نہیں۔ البتہ یو پی میں چند گھر ہیں۔ پنڈت برج کشن ٹوپہ خاص طور پر مشہور ہیں۔
۵۲	ہکو	خشک۔ یو پی میں پنڈت راج نرائن اگزیکٹو انجینئر ہیں اور لاہور میں پنڈت نند لعل ریٹائرڈ جیلر ہکو ہی ہیں۔
۵۳	مجھ	مُج مول کو کہتے ہیں۔ تحصیل بارہ مولہ میں مُجہ گنڈ ا ایک گاؤں کا نام ہے
۵۴	ہالو	تحصیل پلوامہ کے ہال گاؤں کے رہنے والوں کو ہالو کہتے ہیں۔
۵۵	ست والو	ہاتھی کو کہتے ہیں۔ جیل خانہ کے ملازم ہست والو کہلاتے ہیں۔
۵۶	پارمو	پار یعنی پنجاب کے علاقہ میں آمد و رفت رکھنے والے۔ اب تو پارمو پنڈت لکھنو اور دہلی تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں پنڈت جوالا پرشاد آذر اور کامتا پرشاد پریشان اچھے شاعر ہیں۔

۵۷	بمبر	بھنورا۔ پھول پر اڑنے والا پرندہ۔
۵۸	نگری	نگری ملاپورہ ایک موضع تحصیل ہنڈواڑہ ہے۔ اس کے رہنے والوں کو سری نگر میں نگری کہتے ہیں۔
۵۹	دُرانی	درانی گورنروں کے پیش کار پنڈت رادھا کشن نائب تحصیل دار کرگل اسی خاندان سے ہے۔
۶۰	ترُکرو	تندخو اور درشت مزاج کو کہتے ہیں۔
۶۱	بالک زیئی	پٹھان بارک زئیوں کے ملازم اور گماشتہ
۶۲	ناظر	مہتمم لنگر کو کہتے ہیں۔
۶۳	ضرابو	جن کے بزرگ ضرب یعنی ٹکسال کے افسر تھے۔
۶۴	تنخواہ	تنخواہ بانٹنے والوں کا عرف ہی تنخواہ مشہور ہو گیا تھا۔
۶۵	ڈُلو	پیالہ
۶۶	جلالی	جلالی شیعہ خاندان کے پنڈت گماشتے بھی جلالی کہلائے۔ کشمیر میں شیعہ مذہب چک بادشاہوں کے زمانہ میں شمس الدین عراقی کے ذریعہ آیا ہے۔ رائے پنڈت رادھا کشن جج ہائی کورٹ جموں و کشمیر جلالی ہی تھے۔ پنڈت جیالال ایم اے نزول افسر سری نگر بھی اسی سلسلہ میں جلالی کہلاتے ہیں۔
۶۷	زردچوب	ہلدی کی تجارت کرنے والے اٹاوہ کے پنڈت سورج نرائن اور پنڈت پران ناتھ ریٹائرڈ پوسٹماسٹر زردچوب ہی ہیں۔
۶۸	تکرو	تکڑی سے زمینداروں کا غلہ تولنے اور محاصل میں وصول کرنے والے۔

۶۹	چک	چک بادشاہان اسلام کے معتبر و معتمد انہی کے نام سے مشہور ہو گئے پنڈت پرتھی ناتھ وکیل کانپور چک ہی تھے۔ ان کے دو نامور فرزند لکھنو میں بیرسٹری کر رہے ہیں۔
۷۰	صاحب یا صاحبی	تعظیمی لفظ ہے ان کے بزرگ مذہبی یا دنیاوی ثروت کے لحاظ سے قابل تعظیم ہوں گے۔ شاید سری نگر کا چشمہ صاحبی جو موضع تھیڈ متصل چشمہ شاہی میں ہے اسی قوم کے کسی بزرگ کے نام پر ہو۔ صاحب کول کی ایک شاخ ہے خیبریوں اور خشکیوں کا بھی کسی وقت کشمیر میں زور رہا ہے۔ اب بھی تحصیل اوتر مچھی پورہ میں خیبری جاگیردار موجود ہیں۔ ان کے ملازم و معتمد انہی کے نام پر خیبری مشہور ہو گئے۔
۷۲	سبّو	نام کی وجہ معلوم نہیں۔ کشمیری پنڈت سبھا دہلی کے سیکرٹری رام کشن سبو کو خط لکھا تھا جواب نہیں ملا۔ پنڈت بی کے سبو اسسٹنٹ
		الیکٹریکل انجینئر ہائیڈرو الیکٹرک سکیم بھی پنڈتوں کی اسی شاخ سے ہیں۔
۷۳	زالپوری	زابلستان سے آمد و رفت رکھنے والے تاجر یا بیوپاری لاہور کے پنڈت جے ناتھ ریٹائرڈ این ڈبلیو آر۔ اسی فرقہ سے ہیں۔
۷۴	ہاک	

(۴) قسط باشی پنڈتوں کی ذاتیں

زمانہ قدیم میں اہل حرفہ گروہ پر جو سرکاری ٹیکس ہوا کرتے تھے۔ ان کی وصولی پر جو اہل کار تعینات ہوتے تھے۔ وہ عموماً قسط باشی کہلاتے تھے۔ اور ہر اہل حرفہ کا اہل کار اسی اہل حرفہ کے نام پر مشہور ہو جایا کرتا تھا۔ چند قسط باشی پنڈتوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

کُھر:

کُھر (خر) بانوں سے محصول وصول کرنے کی وجہ سے ان کا نام کھر پڑ گیا۔ سری کنٹھ سابق تحصیل دار اسی قوم میں سے ہے۔ کشمیر میں اب تک خ کو کھ اور ف کو پھ بلاتے ہیں۔ بلکہ کئی پڑھے لکھے لوگ کاغذ کو کاگج۔ خر کو کھر اور فیض کو پھیج کہتے ہیں۔

آرم:

ملیاروں یعنی راعیوں سے سرکاری رسوم وصول کرنے کی بدولت یہ بھی آرم مشہور ہو گئے۔ سوپور میں آرم پورہ کے نام سے ایک بہت بڑا محلّہ آباد ہے۔ آرم یا ملیار قوم عموماً سبزی کی کاشت کرتی ہے۔ راج ترنگنی میں اس قوم کے لیے اصل قدیم سنسکرت لفظ آرامک ہے۔

کرال:

کمہار کو کہتے ہیں۔ کرالہ یار سری نگر کا محلّہ اسی قوم کے نام پر آباد ہے۔ جو پنڈت کرالوں سے اقساط سرکاری وصول کرتے تھے۔ ان کی اصل ذات جو بھی تھی۔ کرال کے لفظ میں مدغم ہو گئی۔ اب یہ کرال ہی کہلاتے ہیں۔

قاضی:

زر قضا یا وصول کرنے پر جو مسلمان مقرر ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی قاضی کہلائے اور جو پنڈت اس کام پر مقرر تھے۔ وہ بھی قاضی ہی مشہور ہو گئے۔

گورو:

گوجر کو کشمیری میں گورو کہتے ہیں۔ ان میں مسلمان بھی ہیں اور پنڈت بھی۔ مسلمان تو مال مویشی پالتے ہیں اور دودھ بھی بیچتے ہیں۔ لیکن پنڈت گورو گوجروں کا کام نہیں کرتے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد گوجروں کے قسط باشی یا پٹواری تھے اور ان سے سرکاری ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔

بقایا:

جو سرکاری رقومات لوگوں کے پاس باقی رہ جاتی تھیں ان کی وصولی کے لیے سکھوں اور پٹھانوں کے عہد میں ایک تحصیل دار تحصیل بقایا کے لیے مقرر ہوتا تھا۔ ڈوگرہ عہد حکومت کے

ابتدائی ایام میں بھی اس عہدہ کا وجود قائم تھا۔ اس کا افسر اعلیٰ افسر محکمہ تصفیہ بقایا کہلاتا تھا۔ بقایا قوم اسی عہد کی یادگار ہے۔ پنڈت موہن لال بقایا ریٹائرڈ ہیڈ ورنیکولر کلرک ڈپٹی کمشنر لاہور اور ان کے فرزندان پنڈت لال* بی اے (ریلوے) اور پنڈت اوتار لال بی اے (شاعر و جرنلسٹ) بھی اسی برادری سے ہیں۔ ملتان کے رائے صاحب پنڈت جیون لعل بقایا جو وہاں کے آنریری مجسٹریٹ بھی ہیں نہ صرف اس خاندان کے لیے بلکہ تمام کشمیریوں کے لیے باعث فخر ہیں۔ لاہور کے پنڈت اقبال ناتھ رائے ہوس پروپرائیٹر موہنی روڈ اور پنڈت تربون ناتھ کوچہ بوگری مصر بھی بقایا خاندان ہی سے ہیں۔ بقایا برادری کا ایک شاعر مست رام بقایا یو پی میں مشہور ہے۔

نہرو:

قدیم زمانہ میں نہروں کے میر منشی، منشی اور اہلکار تھے اسی نام پر نہرو کہلائے۔ ان کی اصل نارو بتائی جاتی ہے۔ نارو ایک چوبی نال موتی ہے جس سے پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ پنڈت موتی لال، پنڈت جواہر لال نہرو جن کا نام ہندوستان کے علاوہ تمام دنیا میں بین الاقوامی شہرت رکھتا ہے اسی خاندان کی ذریات سے ہیں۔ سری نگر کے پنڈت بشمبر ناتھ نہرو ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پریزیڈنٹ میونسپلٹی سری نگر بھی نہرو ہیں۔ ڈاکٹر کشن لال نہرو اسسٹنٹ کمشنر حفظان صحت گوالیار۔ پنڈت برج لعل نہرو چیک آڈٹ افسر۔ این۔ ڈبلیو۔ آر ان کے فرزند برج کمار نہرو جو ۱۹۳۳ء میں امتحان سول سروس (لنڈن) میں تیسرے نمبر پر کامیاب ہوئے ہیں۔ نہرو خاندان ہی سے ہیں۔ یہ خاندان ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بہت مشہور ہے۔

من وٹی:

من وٹی کشمیر میں ایک پیمانہ کا نام ہے۔ اڑھائی سیر کہلاتا ہے۔ سرکاری رسوم کے طور پر شالی کے کرایہ کشوں سے من وٹی شالی وصول کی جاتی تھی۔ جو لوگ رقوم وصول کرنے پر مقرر تھے وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ ان کی اولاد اب من وٹی کہلا رہی ہے۔

گذربان:

محصولیے کو کہتے ہیں۔ جس طرح اس زمانہ میں کسٹم و پرمٹ کی چوکیاں ہیں اور ان پر محالدار محصول لینے کے لیے مقرر ہیں۔ اسی طرح گزشتہ زمانہ میں بھی کم و بیش محصول لیا جاتا تھا اور

* تصنیف کتاب ہذا کے دوران میں ماہ مارچ ۳۴ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

محصول لینے والے محالداروں کو اس زمانہ میں گذربان کہتے تھے۔ اب گذربان کے نام پر پنڈتوں کی ایک قوم نامزد ہے۔

فصل سوم

کشمیری پنڈتوں کی عام گوتیں اور ذاتیں

(۱) کل پوش:

ٹوپی کو پوش کہتے ہیں۔ کل بمعنی سر۔ پوش بمعنی پوشش۔ مسلمان عورتوں کے قصابہ اور پنڈتانیوں کے ترنگہ کے نیچے کل پوش ہوتا ہے کسی مرد نے بھی شوقیہ یا مذاقیہ طور پر اپنے سر پر کل پوش پہن لیا۔ اس کا نام بھی کل پوش پڑ گیا۔ اور اب اسی نام پر اس کے قبیلہ کا نام کل پوش ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کل پوش دو ذاتوں پر مشتمل ہے۔ ایک ذات کلہ کہلاتی ہے۔ کلہ کشمیر میں سر کو کہتے ہیں۔ جیسے گاڈ کلہ یعنی مچھلی کے سر والا۔ یہ لوگ سر کی پوشش (ٹوپی) بنانے یا بنوانے کا کام کرتے تھے۔ ایک ذات پھر کلہ کہلاتی ہے۔ پھر پھرن (پیراہن) کا خلاصہ ہے۔ یہ لوگ ٹوپیاں بھی بنایا یا بنوایا کرتے تھے اور پھرن بھی۔ اس لیے پھر کلہ کہلائے۔ کشمیر کے علاوہ دہلی اور پنجاب میں بھی یہ ذات آباد ہے۔

(۲) دلُو یا دلی:

مکان میں سے دھواں نکالنے کے لیے جو سوراخ رکھا جاتا ہے۔ اس کو کشمیری زبان میں دلُو کہتے ہیں معلوم نہیں اس نام کی اصلی وجہ تسمیہ کیا ہے لیکن عوام کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے پہلے پہل اپنے مکان میں آگ تاپنے کے لیے انگیٹھی بنائی اور اس میں دھواں نکلنے کے لیے سوراخ رکھا اس کو ولو کے نام سے پکارنے لگے کشمیر میں ایک ضرب المثل ہے۔

پانس چھک گامت دلُو ڈلُو مگنک ٹھان

یعنی خود اس قدر عیب دار ہیں کہ ان کے سوراخوں کے ڈھکنے کے لیے کئی ڈلو درکار ہیں۔ اب مرور ایام سے یہ ذات دلُو کی بجائے دلی مشہور ہو رہی ہے۔ لاہور میں پنڈت

گوپی ناتھ دلو ریٹائرڈ تحصیل دار اور پنڈت منموہن کشن ڈلی بیرسٹرایٹ لاء جو آج کل ریاست ناہن میں کسی معزز عہدہ پر ہیں اور پنڈت اندر کشن ڈلی سب جج راولپنڈی اور پنڈت راج نرائن ڈلی آنریری مجسٹریٹ ہر دوئی پنڈتوں کی اسی شاخ سے ہیں۔

(۳) سس:

بڑی گاڑی کو کہتے ہیں اور اوپل ہاک کے ساتھ جب مونگ یا ماش کی دال پکاتے ہیں تو اس کو سس اوپل ہاک کہتے ہیں۔اس ذات کے صرف پانچ سات گھر ہیں۔اصل ذات معلوم نہیں ان کی کیا تھی کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ سے دعوت کھا کر آیا کسی نے پوچھا دعوت میں کیا کچھ تھا۔کہا سس۔جس نے سنا سس کہا۔اس سے نام ہی سس پڑ گیا۔

سُکا:

کشمیری زبان میں کھٹائی کو کہتے ہیں۔باورچی خانہ کا نام سلہار ہے۔اصل لفظ سُرا نار ہے۔سُرا کے معنی شراب۔نار کے معنی کھانا پینا۔جب اس میں کھٹائی ڈالتے ہیں تو اس کو سدر کانج کہتے ہیں جب اس میں ترکاری اور ہاک وغیرہ ڈالتے ہیں اس کو سکر کہتے ہیں۔

(۴) شگالی:

اس قوم کے لوگ دراصل کابل سے افغانوں کے ساتھ آئے تھے۔ان کے سرکردہ کا نام گل شگالی بتایا جاتا ہے۔وہ میرزا کہلاتا تھا۔بڑا قد آور وجیہہ جوان تھا۔افغانی صوبہ دار نے اس کو ہری پربت کے قلعہ کا ایک محافظ مقرر کیا تھا۔اس خاندان کے کئی اشخاص اس وقت اسلام آباد اور ہری پربت کے اندر ہیں۔رسول خان جمعدار تحصیل انت ناگ جو بعد میں ذیلدار بھی ہو گیا تھا۔اسی گل شگالی کی اولاد سے ہے۔غلام محمد بیگ ذیلدار اسی کا فرزند ہے ایک مسلمان کے نام پر پنڈتوں کی ایک قوم کس طرح شگالی مشہور ہو گئی۔اس کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ پنڈتوں میں ایک شخص شگالی کے سے اوصاف رکھتا تھا یعنی گل شگالی کی طرح قد آور جوان تھا اس کی آنکھوں سے خون برستا رہتا تھا اور آٹھ دس آدمیوں کو مار بھگاتا تھا اس کے نزدیک معمولی بات تھی چنانچہ وہ پنڈت بھی شگالی ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

کشمیر میں جب کوئی زبردستی کرتا یا غنڈاپن دکھاتا ہے تو کہتے ہیں ''کل شگالی بنات چھو''

یعنی تم گل شگالی جیسے بن گئے ہو۔

(۵) کھن مشو:

پانپور سے ذرا اوپر شمال کی طرف کھن موا ایک گاؤں کا نام ہے اس موضع کے پنچھ پنڈت جب سری نگر میں آکر آباد ہو گئے تو ان کو کھن مشو کہنے لگے۔ شوق بابا جن کی زیارت پانپور میں ہے۔ اور للِ دِدِی کھن مشو کے برہمن تھے۔ پنجاب میں جو کشمیری پنڈت پروہتائی کا کام کرتے ہیں وہ بھی کھن مشو ہی ہیں۔

راجہ کھکھندر کے زمانہ میں بلہن شاعر نے ''دکرمانگ دیو چرتر'' نام ایک کتاب لکھی تھی۔ موضع کھن مو کے برہمن اسی کی اولاد ہیں اور کھن مشو کہلاتے ہیں۔

(۶) کُراز:

ایک خونخوار دریائی جانور کا نام ہے۔ پنڈتوں میں کوئی شخص ایسی ہی خونخوار طبیعت کا گزرا ہے جس کو عوام نے کراز کہنا شروع کر دیا۔ اب اس کی اولاد کراز کے نام سے موسوم ہے۔

(۷) وچاری:

وچار۔ بچار یعنی سوچ اور تفکر کو کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جس چشمہ پر بیٹھ کر شوجی نے گنگا بل جانے کے متعلق وچار کیا تھا۔ اس کو وچارناگ کہتے ہیں۔ اور جو لوگ وہاں آباد ہو گئے وہ وچاری کہلائے۔ ۱۹۳۱ء کے ایجی ٹیشن میں یہاں تباہ کن ہندو مسلم تصادم ہوا تھا۔

(۸) اِش بری:

نشاط باغ اور ہارون کے پاس ایک موضع کا نام ہے۔ اس کو اش ایشور کو کہتے ہیں۔ براری کشمیری زبان میں دیوی کا مفہوم ہے۔ جو لوگ اشبری سے سری نگر میں آئے وہ اِش بری یا اشبراری کہلائے۔

(۹) مشران:

جسیم و جیم شکل و صورت کے انسان کو کہتے ہیں۔ چنانچہ اہل کشمیر جب کسی کو بددعا دیتے ہیں تو کہتے ہیں ''چھ مُشران پیون'' یعنی تم پر مشران آپڑے یا ''ای چھومشران ہی اُو''۔ یہ مشران جیسا ہے جس شخص کی شکل و صورت و جسم و مہیب تھا۔ پہلے اس کا اپنا نام مشران پڑا۔ پھر اس کی

اولاد کا۔ چنانچہ اب مشران سری نگر کے علاوہ یو۔ پی میں بھی موجود ہیں۔ اور اچھے اچھے عہدوں پر ہیں۔ یو۔ پی کے مشران پنڈتوں میں ٹھاکر پرشاد جودت اور ورگا پرشاد بیخود کئی نامور شعرا بھی ہوئے ہیں۔

(۱۰) بخشی:

جو مسلمان یا پنڈت گزشتہ زمانہ میں فوج کے منشی اور میر منشی تھے۔ ان کو بخشی فوج بھی کہتے تھے تنخواہوں کی کانٹ چھانٹ کا کام بھی انہی کے سپرد ہوتا تھا۔ ان کی اولاد اب اپنے بزرگوں کے نام پر بخشی ہی کہلا رہے ہیں۔ دراصل ذات قریباً سب کو فراموش ہو چکی ہے۔ انکار نرائن بخشی وکیل لکھنو جو ایک مشہور شاعر بھی ہیں۔ اسی گوت سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۱۱) شرغا:

طوطے کو طوطا بھی اور شوگا بھی کہتے ہیں۔ اور شرگا یا شرغا اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں طوطے کی طرح ہوں۔ یا جو طوطے کی طرح آنکھیں بدل لیتا ہو۔ ممکن ہے اس ذات کا کوئی بزرگ انہی اوصاف سے متصف ہو۔ پرتاپ کالج سری نگر کے اولین پرنسپلوں میں پنڈت اقبال کشن شرغا تھے۔ جن کا انتقال گزشتہ سال بنارس میں بعمر ۲ے سال ہو گیا ہے۔ شرغا خاندان میں بڑے بڑے قابل آدمی ہوئے ہیں اور یو۔ پی کے کئی شاعروں نے بھی اس خاندان کا نام روشن کیا ہے۔ اصل گوت کول ہے۔

(۱۲) عرض بیگی:

کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت کے زمانہ میں بلکہ سکھوں کے عہد میں بھی سائلوں اور حاجت مندوں کی عرضیاں پڑھ کر سنانے کا رواج تھا۔ جو لوگ عرضیاں سنایا کرتے تھے ان کو عرض بیگی کہا کرتے تھے۔ پنڈت عرض بیگیوں میں راجہ کول عرض بیگی تخلص دیری ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ اس وقت بھی اسی خاندان کا ایک نوجوان ہری چند عرض بیگی گورنری میں ہیڈ کلرک ہے۔

(۱۳) کاٹھجو:

کاٹھلیشوز واقعہ ٹینکی کدل سری نگر ایک پرانا تیرتھ تھا۔ جہاں اب ایک نیا مندر پرانے مندر کی بنیاد پر بنایا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاندان اسی محلّہ میں بستا تھا اور اب تک بھی اس کے اکثر

افرادو ہیں بودو باش رکھتے ہیں اس لیے کاٹھجو کے نام سے موسوم ہوگیا۔ پنڈت موتی لال کاٹھجو پنجاب برادری کے ایک نامور کشمیری پنڈت تھے شاعر تھے۔ بسمل تخلص تھا۔ آگرہ کالج آگرہ کے پروفیسر پنڈت پیار بشر ناتھ بھی کاٹھجو ہی ہیں کاٹھجو خاندان کا گوتر سوامن دار شگتے ہے۔

(۱۴) کوتر:

ان کو کوتر دبھی کہتے ہیں۔ تحریر میں بھی کوتر وہی آتا ہے۔ روایت ہے کہ ان کے کسی بزرگ نے کوتر یعنی کبوتر پالے تھے۔ چونکہ کشمیری زبان میں کبوتر کو کوتر کہتے ہیں اس لیے کوتر ہی ان کا نام پڑ گیا۔ جو رفتہ رفتہ کوترو ہو گیا۔ سری نگر میں اس قبیلہ کے چند ہی گھر ہیں جن میں آنند جو کوترور گنا تھ کوترو وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

(۱۵) جوان شیر:

افغانوں کے عہد میں امیر جوان شیر کشمیر کا ایک مشہور گورنر گزرا ہے۔ امیرا کدل اسی کے نام پر مشہور ہے۔ اور شیر گڈھی کا اصل بانی بھی یہی گورنر تھا۔ اس کا پیش کار ایک پنڈت تھا۔ جو اسی کے نام سے جوان شیر مشہور ہو گیا۔ اس قبیلہ میں دراور راز دان وغیرہ کئی ذاتیں ہیں۔ وہ سب جوان شیر کہلاتی ہیں۔ زندہ رام جوان شیر اور صبح رام جوان شیر اس فرقہ کے مشہور آدمی ہیں۔

(۱۶) منشی:

اس فرقہ کی اصل ذات تکو ہے۔ افغانوں یا سکھوں کے عہد میں اس خاندان کا ایک بزرگ بڑا زبردست منشی گزرا ہے۔ تکو کی بجائے اپنے ذاتی ہنر کی بدولت وہ منشی مشہور ہو گیا اور اس کی اولاد بھی منشی کہلائی۔ روایت ہے کہ آخر عمر میں اس کو خلل دماغ کا عارضہ ہو گیا تھا اور وہ درختوں کے پتوں پر کچھ لکھتا اور دریا میں ڈالتا رہتا تھا۔ اس خاندان میں بڑے بڑے نامی اہلکار ہوئے ہیں۔ پنڈت امر چند منشی جواب پنشن پر ہیں۔ اسی خاندان کے ایک مشہور تحصیل دار ہیں۔ یو۔ پی کے پنڈت کیلاش پرشاد ایم۔ اے اور گوالیار کے پنڈت شیام لال منشی انسپکٹر کسٹم بھی منشی خاندان ہی سے ہیں۔

(۱۷) مصری:

مصر کا کوئی تاجر کشمیر میں چلا آیا تھا۔ اس نے اپنا گماشتہ جس پنڈت کو مقرر کیا وہ اسی کے نام

پر مصری مشہور ہو گیا۔ ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ کوئی پنڈت مصر چلا گیا تھا۔ جب واپس آیا تو مصری کہلایا۔ اور اسی نام پر اس کی نسل مشہور ہو گئی۔ سری نگر میں چند گھر مسلمان مصریوں کے بھی ہیں۔

(۱۸) ہنڈو:

کشمیری زبان میں ہنڈو بھیڈ و کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہندوؤں کا کوئی بزرگ ہنڈو کی طرح موٹا تازہ اور سخت جان تھا۔ ایک وجہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ جو پنڈت زمانہ قدیم میں ہنڈو (بھیڑ بکریاں) پالا کرتے تھے۔ وہ ہنڈو کے نام سی ہی موسوم ہو گئے۔ اس قوم میں مسلمان بھی ہیں۔ یو۔ پی کے پنڈتوں کی ہنڈو شاخ نے کئی قابل افراد پیدا کیے ہیں۔

(۱۹) وانٹو:

جس اخروٹ میں سے گری اور مغز کم نکلے اس کو وانٹوں کہتے ہیں۔ جیسے باٹہ اخروٹ جو بہت سخت ہوتا ہے۔ اور جس میں سے مغز بہت کم نکلتا ہے اور وہ بھی بڑی مشکل سے۔ یہ لفظ عموماً بخیل کے لیے بولا جاتا ہے۔ ممکن ہے اس قوم کے کسی بزرگ کا یہی حال ہو۔

(۲۰) پیر:

شاہجہاں بادشاہ کے زمانے میں ''پیر پنڈت پادشاہ'' کے عرف عام سے ایک ہندو مرتاض بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا مندر بٹہ یار عالی کدل میں میر دیسی کی زیارت کے متصل ہے۔ پنڈتوں میں اور مسلمانوں میں بھی ''پیر پنڈت پادشاہ'' کا بڑا احترام ہے۔ بلکہ پنڈت تو ان کا نام ان الفاظ میں لیتے ہیں'' پیر پنڈت پادشاہ ہر دو جہاں مشکل آسان'' ان کو رشی پیر بھی کہتے ہیں۔ پنڈت اب تک ان کے نام کی نذر نیاز دیتے ہیں۔ ان کے چیلے پیر کہلاتے ہیں۔ اور اب وہ پیر قوم کے نام سے ایک علیحدہ جماعت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲۱) منٹو:

اس لفظ کا تعلق من وٹی طبقہ کے ساتھ ہی ہے جس کا ذکر قسط باشی پنڈتوں کے طبقہ میں ہو چکا ہے۔ کہتے ہیں ان کا کوئی بزرگ ایک ہی وقت شرط باندھ کر ڈیڑھ سیر یا من وٹی چاول کھا گیا تھا۔ اس وقت اس کا نام منٹو پڑ گیا۔ اس قوم میں ہندو مسلمان دونوں شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے من وٹی چاول کھانے والا اصل بزرگ پنڈت تھا۔ اس کی اولاد سے جو مسلمان ہوا وہ بھی منٹو ہی کہلایا۔

(۲۲) تورک یا ترک:

جو پنڈت ترکوں کے کماشتہ تھے وہ بھی اپنے مالکوں کے نام پر ترک یا تورک یا ترکی ہی کہلائے۔ سری نگر میں تاب رام ترکی ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ اس نے سکھوں کا جنگ نامہ لکھا ہے۔ اس میں وہ لکھتا ہے۔

زپنجابیاں شش جہت درخروش
زگجراتیاں گاد گردوں بہ جوش

(۲۳) سوپوری:

سوپور سے جو پنڈت زمانہ قدیم میں سری نگر آئے۔ وہ سوپوری کہلائے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ جو پنڈت سویا پنڈت بانی سوپور کی اولاد سے ہیں۔ وہ سوپوری کہلاتے ہیں۔ بہر حال پنڈتوں کے اس طبقہ کا تعلق سوپور سے ضرور ہے۔ لکھنو، دہلی اور پنجاب وغیرہ کے کشمیری پنڈت جو اپنے آپ کو شیو پوری لکھتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ صحیح سوپوری ہے لیکن اب یو پی میں غلط العام ہی صحیح تصور کیا جا رہا ہے۔

(۲۴) ٹھسو:

جنوبی کشمیر کی تحصیل کولگام میں ٹھسو ایک گاؤں کا نام ہے۔ اس گاؤں سے جو بزرگ دیہات سے آ کر جب شہر (سری نگر) میں آباد ہوئے تو اپنی اصلی گوت یا ذات کی جگہ ٹھسو ہی کہلائے۔ رائے بہادر پنڈت پریم ناتھ (لاہور) کولگام کے موجودہ تحصیل دار پنڈت سری کنٹھ ٹھسو سری نگر کے ڈاکٹر امکار ناتھ ایم بی بی ایس اور پنڈت بشمبر ناتھ بی اے ایل ایل بی منصف رنبیر سنگھ پورہ (جموں) ٹھسو خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۲۵) گندنو:

گندن دستہ کو کہتے ہیں اور پوش گندن گلدستہ کو۔ پنڈتوں کی اس شاخ کا کوئی فرد گلدستہ بنایا کرتا اور بیچا کرتا تھا۔ وہ گندنو کے نام ہی سے مشہور ہو گیا۔ گندنے کے مقابلہ پر ایک لفظ اردو میں بھی گوندھنا ہے اور پھولوں کا ہار اور سہرا پرونے اور بنانے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے استاد ذوق کا ایک شعر ہے۔

تابنی اور بٹنے میں رہے اخلاص بہم
گوندھنے سورۂ اخلاص کو پڑھ کر سہرا

(۲۶) ٹھلل یا اٹل:

ٹھلل ٹکر اور ٹکر مارنے کو کہتے ہیں اور ایسے شخص کو جس کی پیشانی چوڑی ہو اور جس سے ستارہ بلندی کے آثار ظاہر ہوں۔ اٹل کا لفظ ٹھلل ہی سے نکلا ہے۔ بعض اصحاب اپنے نام کے ساتھ ٹھلل لکھتے ہیں۔ جیسے رائے بہادر پنڈت رام ناتھ ٹھلل سیکرٹری سنٹرل بورڈ آف ریونیو شملہ اور لاہور کے نوجوان شاعر پنڈت راجندر ناتھ ٹھلل شائق جو بمبئی کے محکمہ ریلوے میں کسی معزز عہدہ پر ہیں بعض اصحاب ٹھلل کی بجائے اٹل کا لفظ اپنے نام کے ساتھ لکھتے ہیں۔ جیسے پنڈت ارجن ناتھ اٹل بیرسٹرایٹ لا چیف جج کشمیر اور پنڈت جانکی ناتھ اٹل ڈپٹی کمشنر بہادر شیخو پورہ۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر پنڈت جے نارتھ اٹل جے پور (راجپوتانہ) کے ایک مشہور وزیراعظم گزرے ہیں۔

(۲۷) زاڈو:

اصل میں پروہتائی کا کام کرتے ہیں۔ زاڈو ڈمبل جگہ یا زمین کو کہتے ہیں۔ جو لوگ نشیبی حصہ میں رہتے تھے۔ وہ زاڈو کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ زڈی بل جہاں شیعہ آبادی ہے نشیب اور تر جگہ ہونے کی وجہ سے زڈی کہلاتا ہے۔ موجودہ تعلیم پا کر زاڈو طبقہ کے افراد اس وقت خوب نام پیدا کر رہے ہیں۔ پنڈت داسد یو ایم۔ ایس۔ سی ولایت سے بھی ہو آئے ہیں اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔ اور پنڈت ....صاحب پروفیسر پرتاپ کالج جو پروفیسر زاڈو کے نام سے مشہور ہیں اور پنڈت واسدیو زاڈو سینٹری انجینئر اننت ناگ زاڈو طبقہ ہی سے ہیں۔

(۲۸) زبُو:

اصل گوت ان کی رازدان ہے۔ خیال یہ ہے کہ ان کو کوئی بزرگ منحنی سا تھا اس کی نسل زبو کہلائی۔ ایک قیاس یہ بھی ہے کہ وہ نشیبی جگہ میں رہتے تھے نشیب کو زاڈو اور زبو بھی کہتے ہیں۔ وہ زبو ہی سے موسوم ہو گئے۔

(۲۹) قُلی:

جس طرح بامزیئی اور درانی پٹھانوں سے تعلقات رکھنے کی وجہ سے پنڈتوں میں بامزیئی اور درانی قومیں اب تک گزشتہ ہندو مسلم تعلقات ظاہر کر رہی ہیں۔ اسی طرح پٹھانوں کے زمانہ میں تارقلی خان اور نور جنگ قلی خان درانی بادشاہوں اور افغان گورنروں کے نامور سردار گزرے ہیں۔ ان کی سرکاروں میں جو پنڈت نوکر تھے وہ انہی کے نام پر قُلی کہلائے۔ چنانچہ حاجی کریم داد خان گورنر کے زمانہ ۱۷۷۶ء تا ۱۷۸۳ء میں دلا رام قلی منصب صاحب کاری پر ممتاز تھا۔ حاجی مذکور نے دلا رام ہی کے مشورہ سے پہلی مرتبہ شالبافوں پر داغ شال کا ٹیکس لگایا۔ آزاد خان گورنر کے زمانہ ۱۷۸۳ء تا ۱۷۸۵ء میں دلا رام مدار المہام ہو گیا۔ جب آزاد خان کو اس کے بھائی پہلوان خان اور ملوک خان کی سازش سے اس کے محافظ شبستان عظمت خان قانچی نے گولی سے زخمی کر دیا۔ تو آزاد خان نے جس کے گھر میں سب سے پہلے پناہ لی ہے وہ دلا رام ہی تھا۔ میر ہزار خان گورنر نے ۱۷۹۳ء میں دلا رام کی بعض حرکات سے ناراض ہو کر ۱۲۔ ذی الحجہ ۱۲۰۷ء کو بمقام خانیارا سے ہلاک کرا دیا۔

(۳۰) ککُرو:

اچھابل اسلام آباد کے متصل ککُر گنڈ ایک موضع ہے۔ ککرناگ بھی جو ایک مشہور چشمہ ہے۔ اسی قوم کے نام پر ہے۔ جو لوگ ککر گنڈ سے شہر میں آئے وہ ککرو کہلائے۔ پرکاش پنڈت اس گوت کا ایک مشہور جاگیردار گزرا ہے۔ راجہ سورج کول جو مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی کے اوائل حکومت میں ممبر کونسل رہ چکے ہیں کے والد اسی خاندان سے متبنیٰ ہو کر نگاری خاندان میں گئے تھے پنڈت شام لال سٹینوگرافر محکمہ صاحب پرائم منسٹر اور پنڈت پرشاد رام ریٹائرڈ ملازم محکمہ مال حال متعمد خاص پنڈت تاراچند صاحب ترسل رئیس سری نگر ککرو خاندان ہی سے ہیں۔

(۳۱) وزیر:

شاہان مغل اور شاہان افاغنہ کے عہد میں گورنری کا عہدہ کسی مشیر مال کے ماتحت تھا نہ کسی پرائم منسٹر کے ماتحت۔ بلکہ اس عہدہ کا اس قدر اقتدار و رتبہ تھا کہ مشیران مال اور مدار المہام اور دوسرے ذمہ دار وزراء اور مشیران سلطنت سب گورنر ہی کے ماتحت ہوا کرتے تھے۔ گورنروں کو اس زمانہ میں ناظم یا صوبہ دار کہتے تھے۔ بادشاہوں کے وزراء علیحدہ ہوتے تھے اور ناظموں کے

مدار المہام اور صاحب کار الگ ہوتے تھے۔ چنانچہ وزرائے کشمیر کے ہاں جو پنڈت ملازم یا گماشتہ تھے۔ رفتہ رفتہ وہ بھی وزیر ہی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ اور اب وزیر کشمیری پنڈتوں کی ایک جداگانہ گوت شمار ہوتے ہیں۔ وزیروں کے خاندان میں پنڈت تاراچند وزیر ایم۔ اے جو ولایت سے بھی ہو آئے ہیں اس وقت محال ابریشم جموں کے ڈائیریکٹر ہیں۔ پنڈت داسدیو اسسٹنٹ الیکٹرک انجینئر ہیں اور ڈاکٹر ودہ لال وزیر ویٹرنری اسسٹنٹ ہیں۔

(۳۲) اُکھل:

پنجاب اور یوپی وغیرہ میں کشمیری پنڈتوں کی جس ذات کو اُکھل کہتے ہیں کشمیری زبان میں اس کا نام دُکھل یا دُکھلو ہے۔ زمانہ قدیم میں دھوبیوں کا کم رواج تھا اس لیے دھسہ یا پٹو مالیدہ کرنے کے لیے بالعموم ہر محلّہ میں پتھر کے اوکھل ہوا کرتے تھے۔ دیہات میں اب تک بھی یہی رواج چلا آتا ہے۔ پنڈتوں کے جن گھروں میں اس قسم کے اوکھل موجود تھے ان کا نام ہی اوکھل پڑ گیا۔ نرائن داس اوکھل کشمیری دہلی کے ایک مشہور شاعر ہیں۔ آل انڈیا کشمیری پنڈت سبھا دہلی کے پریزیڈنٹ پنڈت بالکشن اکھل ایم اے بھی اسی ذات سے ہیں۔

(۳۳) کار:

شمالی کشمیر کی تحصیل ہندواڑہ میں کارہامہ ایک گاؤں ہے وہاں سے جو پنڈت یا مسلمان شہر یا قصبوں میں آئے وہ کار کہلائے۔ پنڈتوں کے خاندان میں کرشن کار ایک مرتاض ممتاز بزرگ گزرے ہیں۔ اسی خاندان کے پنڈت جیالال کار پولیس میں ہیڈ کلرک اور نندلال کار ٹیلی گراف آفس میں ملازم ہیں۔ سوپور میں آج ۱۹۳۳ء سے قریباً پندرہ بیس سال پیشتر قادر کار (ایک مسلمان) نامور د کاندار گزرا ہے۔

(۳۴) انبار دار:

جب نقدی کی بجائے مالیہ جنس کی صورت میں وصول کیا جاتا تھا تو سرکاری آدمیوں کی زیرنگرانی جنس شالی وغیرہ کے انبار لگائے تھے۔ ایسے نگران یا محافظ کو انبار دار کہلاتے تھے۔ اور یہ لفظ ان محافظوں کے نام کا کچھ ایسا جزو بن گیا کہ لوگ ان کی اصل ذات ہی بھول گئے۔ پرائم منسٹر صاحب جموں و کشمیر کے اسسٹنٹ پولیٹکل سیکرٹری پنڈت بشمبر ناتھ اسی انبار دار خاندان کے خوشہ

(۳۵) چکبست:

کشمیر میں چک ایک قوم ہے جس نے کئی سال تک کشمیر میں حکومت کی ہے لیکن چک زمین کے ایک طویل وعریض ٹکڑے کو بھی کہتے ہیں چک آباد کرنے کا رواج آج سے دس سال بیشتر تک رہا ہے۔ ان زمینوں پر جو چکوں کے آباد کرنے کے لیے زمینداروں یا اور لوگوں کو دی جاتی تھیں۔ جو افسر تعینات ہوتے تھے ان کو چکبست کہتے تھے۔ بلکہ اس عہدہ کا نام ہی چکبست تھا۔ زمانہ قدیم میں ان کو قانون گو بھی کہتے تھے۔ ایسے افسروں کے پاس عطائے چکوک کی باقاعدہ کتاب ہوا کرتی تھی۔ مسلمانوں میں تو کوئی چکبست نہیں سنا گیا البتہ پنڈتوں میں وہ بھی کشمیر کے مہاجر لکھنوی پنڈتوں میں ایک چکبست خاندان موجود ہے۔ جس کے ایک قابل وممتاز فرد پنڈت برج نرائن چکبست بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ (آنجہانی) نے اپنی پاکیزہ شاعری اور بے عدیل تقریری تحریری قابلیت سے کشمیر کا نام روشن کر رکھا ہے۔ یہ شعر بھی چکبست آنجہانی ہی کا ہے۔

ذرّہ ذرّہ ہے مرے کشمیر کا مہمان نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

(۳۶) پانپوری:

جو پنڈت پانپور کے رہنے والے ہیں ان کی ذات جو کچھ بھی ہو۔ سری نگر میں ان کو پانپوری کہتے ہیں۔ پانپور کا اصل نام پدمان پور ہے اس نام کی دو وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہاں کنول کے پھول بکثرت ہوا کرتے تھے۔ کنول کے پھول کو پدم کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس خطہ کا نام پدم پور اور پھر پان پور اور رفتہ رفتہ پانپور ہو گیا۔ دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کشمیر کی مشہور عابدہ وزاہدہ خاتون تل ایشوری کا اصلی نام پدمنی تھا۔ اسی کے نام پر یہ قصبہ پام پور اور پانپور مشہور ہو گیا۔ پدمنی کی نسبت دیوان ولی رام نے بھی اپنے دیوان میں ذیل کا شعر لکھا ہے۔

آن زنے دانا کہ رسیدہ بگور
پدمنیئے ساکن پدمان پور

(۳۷) بھان:

سورج کو کہتے ہیں۔ کشمیری پنڈتوں کی بہت قدیم ذات ہے۔ حبہ کدل اور فتح کدل کے درمیان اسی قوم کے نام پر ایک بھان محلّہ آباد ہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں پنڈت جے رام بھان ایک مشہور کاشمیری مقرب سلطانی گزرا ہے۔ بلکہ اس کو دیوان کا عہدہ اور خطاب ملا ہوا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ ایک نہایت غریب عورت کا لڑکا تھا۔ تحصیل علوم کے بعد وہ دہلی گیا۔ بادشاہ تک بھی کسی طرح اس کی رسائی ہوگئی۔ اس وقت بادشاہ دیوان خاص میں مراسلہ لکھوار ہے تھے۔ صاحب قلم کی گردش قلم سے جے رام بھان کو معلوم ہوا کہ سر رشتہ دار کوئی ایسا لفظ لکھ رہا ہے جو بادشاہ کی شان کے خلاف ہے۔ اس نے دور ہی سے عرض کیا۔ حضور یہ الفاظ نہ لکھوائیے۔ وہ الفاظ یہ تھے "کہ ہم سیخ بر جا بود ہم کباب" جے رام بھان نے اس فقرہ کی جگہ جو فقرہ بتایا وہ یہ تھا سیخ را پردائے سوفتن نیست حفاظت کباب لازم است" یہیں سے جے رام کے اقبال وعروج کی ابتدا ہوتی ہے۔

ٹکارام بھان۔ سوج بھان۔ کنول بھان۔ نرائن بھان۔ عالی کدل میں بھان خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ سورج بھان افغانوں اور سکھوں کے عہد میں ایک ممتاز رکن سلطنت تھے اور ان کو فیل سواری کی اجازت تھی۔ پریم نرائن اختر۔ چندر بھان۔ جگت نرائن بھان اس خاندان کے نامور شاعر ہیں۔ لاہور کے پنڈت چاند نرائن اسسٹنٹ آڈٹ افسر این۔ ڈبلیو۔ آر بھی بھان ہیں۔

(۳۸) کنو:

اس لفظ کے معنی اس قسم کی پتلی چیز کے ہیں۔ جو نمی یعنی پانی کی وجہ سے ہو۔ چنانچہ نم دار زمین کو بھی "کے اون" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک لفظ سہ اون بھی بطور کہاوت مستعمل ہے جس کے معنی بلا نمک کے ہیں۔ چنانچہ جب کسی پھیکی اور بے لطف دعوت کا ذکر کرنا مقصود ہو تو کہا جاتا ہے سہ اون کہ اون یعنی بے نمک اور پانی کی طرح پتلی۔ قریباً تین سو سال گزرے کہ رینہ داری میں ایک مرتاض بزرگ میاں مانک شاہ یا میاں شاہ کے نام سے آئے۔ سب لوگ ان کا ادب کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کول خاندان کا ایک پنڈت آپ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا کیا کھا کے آئے ہو۔ وہ کسی دعوت سے آرہا تھا اور بے مزہ دعوت سے جلا بھُنا تھا۔ اس نے کہا دن اگرہ کھا کے آیا ہوں یعنی پانی سا اوگرہ (فالودہ) پنڈت کو شاہ صاحب نے کہا۔ تم تو پھر کین کول ہو۔ کین نام رفتہ رفتہ کنو ہو گیا۔ اس خاندان کی شاخیں رینہ داری سے نکل کر شہر کے مختلف حصوں

میں پھیل گئی ہیں۔

سپرُو:

بڈشاہ پادشاہ کشمیر کے عہد سے پیشتر کشمیر کے ہندو مسلمانوں کو اور ان کی زبان کو اجنبی زبان اور اجنبی حکومت سمجھتے رہے۔ لیکن جب بڈشاہ نے بادشاہ ہو کر ان کو خاص مراعات عطا کیں۔ اور نظم و نسق سلطنت میں شامل کرنے کے لیے فارسی پڑھنے پر جو اس وقت کشمیر کی سرکاری زبان تھی ان کو مجبور کیا تو برہمنوں کے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی علم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ وہ سپرد کہلایا۔ کشمیر میں اب بھی پڑھنے کو پرنا کہتے ہیں۔ سپر کا مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے سب کچھ پڑھ لیا ہے۔ سپرو کے معنی یہ بھی بتائے جاتے ہیں کہ وہ لڑکا جو چھوٹی عمر میں بڑوں کی سی ذہانت دکھائے۔ کشمیر میں قریباً ہر (Nick Name) یا اَل واؤ پر ختم ہوتی ہے۔ جیسے کچلو۔ ہنڈو۔ مٹو۔ وانٹو۔ نہرو۔ اسی طرح سپر یا سپرو سے بھی سپرو مشہور ہو گیا۔

میں نے اس لفظ کی مزید تحقیق کے لیے ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء کو ایک خط لکھا۔ انہوں نے جوب میں جو کچھ ارقم فرمایا۔ اس سے بھی مندرجہ صدر بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کشمیری برہمنوں کی جو گوت سپرو ہے اس کے اصل کے متعلق میں نے جو کچھ اپنے والد مرحوم سے سنا تھا عرض کرتا ہوں۔

''جب مسلمانوں کا کشمیر میں دور دورہ ہوا تو براہمن کشمیر مسلمانوں کے علوم و زبان کی طرف قدامت پرستی یا کسی اور وجہ کے باعث توجہ نہ کرتے تھے۔ اس لیے جس گروہ نے سب سے پہلے فارسی زبان وغیرہ کی طرف توجہ کی اور اس میں امتیاز حاصل کر کے حکومت اسلامیہ کا اعتماد حاصل کیا۔ وہ سپرو کہلایا۔ اس لفظ کے معنی ہیں وہ شخص جو سب سے پہلے پڑھنا شروع کرے۔ سَن تقدم کے لیے کئی زبانوں میں آتا ہے۔ اور پرد کا روٹ وہی ہے۔ جو ہمارے مصدر ''پڑھنا'' کا ہے۔ والد مرحوم کہتے تھے کہ یہ نام کشمیر کے برہمنوں نے اپنے ان بھائی بندوں کو از راہ تعریض و تحقیر دیا تھا جنہوں نے قدیم علوم و تعصّبات قومی و مذہبی کو چھوڑ کر سب سے پہلے اسلامی زبان و علوم کو سیکھنا شروع کیا تھا۔ جو رفتہ رفتہ ایک مستقل گوت ہو کر مشہور ہو گیا۔''

سپرو گوت کی وجہ کے متعلق ایک نئی بات بھی ڈاکٹر صاحب کے خط سے معلوم ہوئی ہے جس کا غالباً کشمیر میں بھی کسی کو علم نہ ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں'' دیوان * نیک چند ایم اے نے جو

پنجاب میں کمشنر تھے اور جن کو زبانوں کی تحقیق کا شوق تھا۔ ایک دفعہ انبالہ میں مجھ سے کہا کہ لفظ سپرو کا تعلق ایران کے قدیم بادشاہ شاپور سے ہے۔ اور سپرو حقیقت میں ایرانی ہیں جو اسلام سے پہلے ایران کو چھوڑ کر کشمیر میں آباد ہوئے اور اپنی ذہانت و فطانت کی وجہ سے برہمنوں میں داخل ہو گئے۔''

کچھ شک نہیں کہ سپرو اور شاہ پور کی باہم تطبیق ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ دیوان نیک چند آج زندہ ہوتے تو اس مشکل کو حل کر سکتے تھے۔

کشمیر کے سپروؤں میں مکند سپرو سری نگر کے ایک نامی رئیس گزرے ہیں۔ بانہال روڈ کا سب اوورسیئر پنڈت رگناتھ بھی اسی گوت سے ہے۔ پنجاب میں بھی سپرو گوت کے چند ہندو مسلمان خاندان مشہور ہیں۔ مسلمانوں ** میں علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا خاندان بہت مشہور ہے۔ ان کے جد اعلیٰ قریباً سوا دو سو سال ہوئے (عالمگیر کے زمانہ میں) مسلمان ہو گئے تھے۔ آپ کا نام صرف کشمیر کے لیے بلکہ تمام ہندوستان کے لیے مایہ ناز ہے۔ آپ اپنی حریت آموز مثنویوں اور اپنے اعلیٰ شاعرانہ تخیلات کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ آپ کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد صاحب کا صاحبزادہ شیخ اعجاز احمد بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پنجاب میں سب جج ہے۔ پنجاب کے پنڈت سپرو خاندان میں رائے صاحب پنڈت جیون لعل سپرو ڈپٹی سپرٹینڈنٹ جیل جھنگ اور پنڈت گوپی ناتھ سپرو ای۔ اے۔ سی سے گوجرانوالہ کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ ان کے علاوہ وہ سنا ہے اور بھی چند خاندان ہیں۔ یو پی میں الٰہ آباد کے ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء جن کو ۳۴ء کے نوروز میں پریوی کونسل کا عہدہ ملا ہے۔ نہایت مقتدر ہستی ہیں۔

(۴۰) لنگر یا لنگرو:

زمانہ قدیم میں اس خاندان کے کوئی بزرگ سرکاری لنگر خانہ کے مہتمم تھے۔ اپنی اصلی قوم کی جگہ لنگر یا لنگرو کے نام ہی سے موسوم ہو گئے۔ رائے بہادر منموہن لعل عرف منوجی لنگر جو مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آنجہانی کے آخری ایام میں چھ سال تک کشمیر کے گورنر رہ چکے ہیں۔ اور ان کے بھائی پنڈت نرنجن لال جو ۳۲ء میں وزارت لداخ سے مستعفی ہوئے ہیں۔ لنگر خاندان ہی

* دیوان نیک چند ایم اے انگریزی، فارسی، عربی، سنسکرت کے علاوہ یورپ کی اور بھی کئی زبانیں جانتے تھے۔

** ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے گرامی نامہ ۱۶ جنوری ۳۴ء سے معلوم ہوا ہے کہ پنجاب میں کوئی اور گھر مسلمان سپروؤں کا نہیں ہے۔

سے تعلق رکھتے ہیں۔ پنڈت من موہن لال جی کے دادا جے پور میں وزیر اعظم تھے۔ پنڈت کالکا پرشاد بسمل یو پی کے رہنے والے بھی لنگر ہی ہیں۔

(۴۱) گُرٹو:

اصل گوت ان پنڈتوں کی راز دان اور پوتر راز دان ہے۔ گنڈ اہلمر میں ایک کوچہ راز داناں ہے وہیں کے رہنے والے ہیں۔ پنڈت مکندرام گُرٹو کشمیر کے پہلے شخص تھے جنہوں نے آج سے قریباً ساٹھ ستر سال پیشتر لاہور آ کر اخبار عام کے نام سے ایک اخبار اور مترولاس پریس کے نام سے ایک چھاپہ خانہ جاری کیا۔ آپ کا نام تاریخ لاہور (سال تصنیف ۱۸۸۲ء) مصنفہ رائے بہادر کنہیا لال میں بھی درج ہے۔ آپ کے قابل فرزندوں میں پنڈت گوبند سہائے آنجہانی اور پنڈت گوپی ناتھ گُرٹو حال پرائیویٹ سیکرٹری مہاراجہ دربھنگہ نے اس کو بہت ترقی دی۔ بلکہ قریباً ۳۰، ۴۰ سال تک یہ اخبار روزانہ شائع ہوتا رہا۔ اب بھی پنڈت مکندرام کے سب سے چھوٹے فرزند پنڈت بال کرشن گُرٹو اخبار عام کو عام اخبار کی شکل میں ہفتہ وار چلا رہے ہیں۔ پنڈت مہیشر ناتھ نائب تحصیل دار پلوامہ (کشمیر) بھی گُرٹو خاندان ہی سے ہیں۔ آنند کشن انند اس خاندان کا ایک نامی شاعر گزرا ہے۔ گوالیار کے پنڈت سری کشن جن کو ۳۳ء میں بہ تقریب سالگرہ مہاراجہ خلعت ملا ہے اور جودھپور کے وکیل پنڈت سمیر ناتھ اور لاہور کے رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم ایڈووکیٹ جوریتہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اور پنڈت راج نرائن سپرنٹنڈنٹ سرجن جودھپور گُرٹو خاندان ہی سے ہیں۔

(۴۲) شنگلو:

کشمیری زبان میں چھ (۶) کو شے کہتے ہیں اُنگل کو اُنگل بھی کہتے ہیں اور اُنگج بھی۔ کسی زمانہ میں ایک پنڈت کی پانچ انگلیوں کی بجائے چھ (۶) انگلیاں تھیں چونکہ چھ (۶) انگلیاں کسی انسان کی شاذ و نادر ہوتی ہیں۔ اس لیے لوگوں نے اس کو شنگلو یعنی چھ انگل والا کہنا شروع کیا۔ پھر اس کی اولاد بھی اصل گوت کی بجائے اسی نام سے مشہور ہوگئی۔ لاہور کے شنگلو خاندان میں رائے بہادر پنڈت جوالا پرشاد پبلک پراسیکیوٹر اور ان کے قابل فرزند پنڈت بلدی پرشاد ایم اے ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ دہلی میں پنڈت پریم ناتھ ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پروفیسر دہلی کالج شنگلو خاندان کے ایک قابل فرد ہیں۔ شنگلو خاندان کے لاہور وغیرہ مقامات

پر اور بھی کئی معزز افراد ہیں۔

(۴۳) کلہ واٹ:

موجودہ زمانہ میں نک نیم (Nick Name) کا بہت کم رواج ہے۔ تاہم کلہ واٹ یا واٹ آل بھی اسی زمانہ کی ایک یادگار ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلگام کی سڑک جس انگریز کے زیر انتظام بنی ہے اس کا نام کرنل واٹ تھا۔ اس کے پاس ایک کشمیری پنڈت کیلاش ناتھ نام نہ صرف ملازم تھا بلکہ اس کا معتمد و معتبر بھی تھا۔ اہل کشمیر نے کیلاش سے کلہ اور واٹ سے واٹ ہی کا نام لے کر اس کو کلہ واٹ پکارنا شروع کر دیا۔ اس کی اولاد اب اصل ذات یا گوت کی بجائے کلہ واٹ ہی کہلاتی ہے۔ یہ واقعہ غالباً مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ابتدائی ایام کا ہے۔

(۴۴) فوطہ دار*:

فوطہ فارسی اور عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغات فیروزی میں اس کے حسب ذیل تین معنی بتائے گئے ہیں۔ (۱) کمر بند (۲) لنگی (۳) محاصل۔ اس خاندان کا تعلق آخری شق یعنی محاصل سے ہے۔ اس خاندان کے بزرگ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں خزانہ شاہی کے افسر ہوتے تھے۔ اور خزانہ کو چونکہ محاصل کے ساتھ تعلق ہے اور محاصل کو فوطہ بھی کہتے ہیں۔ اس لیے زمانہ ماسبق میں افسر خزانہ فوطہ دار کہلاتے تھے۔ دراصل فوطہ دار طبقہ کا تعلق مٹو خاندان سے ہے اس خاندان میں ہمت رام فوطہ دار، مکند رام فوطہ دار نامی رئیس گزرے ہیں۔ پنڈت جے رام فوطہ دار مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ میں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ اس وقت بھی اس خاندان میں کئی افراد معزز عہدوں پر ہیں۔ جن میں پنڈت مکند رام فوطہ ڈائریکٹر اگریکلچر اور پنڈت دینا ناتھ بی اے۔ بی ٹی فوطہ دار جموں میں ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ پنڈت شیوز ائن ایم اے فوطہ دار بھی اسی گوت سے ہیں۔

(۴۵) کنزرو:

ٹنگ مرگ (کشمیر) کے نزدیک ایک گاؤں کنزر نام ہے وہاں سے جو لوگ سری نگر آئے وہ اپنے وطن کے نام پر کنزرو کہلائے۔ کشمیر سے باہر پنجاب یا دہلی یا دیگر مقامات پر گئے تو وہاں بھی یہ نام برابر قائم رہا اور اب تک قائم ہے۔ آنریبل اجودھیا ناتھ جوالہ آباد ہائی کورٹ کے جج تھے۔ کنزرو ہی تھے۔ پنڈت ہردے ناتھ کنزرو جو اپنی علمی قابلیتوں کی وجہ سے تمام ہندوستان

* ڈھاکہ بنگال میں متھرا موہن اور گولک فوطہ دار روناداز میندار گزرے ہیں ان کی اولاد موجود ہے

میں مشہور ہیں۔ آپ ہی کے پوتے ہیں پنڈت راج نرائن کنزرو ہریجن سبھا آگرہ کے صدر پنڈت نندلعل کنزرو بی اے بی ٹی جموں میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔

(۴۶) وانچو:

شاید وانچی یا وانٹو کا بگڑا ہوا نام ہو۔ اس کی اصلیت سے لاعلمی ہے۔ پنڈت کیلاش ناتھ ڈسٹرکٹ سیشن جج بریلی شیو شنکر پرشاد اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل کشمیران کے صاحبزادہ ڈاکٹر ایس۔ بی وانچو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس جو ولایت سے کئی ڈگریاں لے کر واپس آئے ہیں اور پنڈت کنور پرشاد کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور وانچو خاندان ہی کے چشم و چراغ ہیں۔

(۴۷) ہزاری:

سردار ہزار خان پٹھانوں کے عہد میں کشمیر کے گورنر تھے ممکن ہے انہی کے نام پر ان کے کسی معتمد پنڈت کا یہ نام مشہور ہو گیا ہو۔ ڈپٹی کمشنر لاہور کے پرسنل اسسٹنٹ پنڈت کرتا کشن پی۔ سی ایس جو کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے پریذیڈنٹ ہیں اور دہلی کے پنڈت اوتار کشن اور انجمن کشمیری پنڈتان نئی دہلی کے جنرل سیکرٹری پنڈت سری کرشن بھی ہزاری ہیں۔

(۴۸) موٹا:

کوئی بزرگ فربہ ہوں گے ان کا نام موٹا پڑ گیا۔ اولاد بھی موٹا ہی کہلائی۔ راجہ مان سنگھ (اکبر شاہی) بہت موٹے تھے۔ ان کا نام راجہ موٹا مشہور تھا لیکن قسمت اچھی تھی کشمیری ہوتے تو آج تک اولاد بھی موٹا ہی کہلاتی۔ سری نگر میں موٹا اینڈ کمپنی کے نام سے فتح کدل میں ایک فرم بھی ہے۔ اسی شاخ کے ایک ہونہار لڑکے رادہا کشن موٹا نے ۳۳ء میں ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا ہے۔

(۴۹) حکیم:

خاندان کا کوئی بزرگ حکیم گزرا ہے۔ اس کی اولاد اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ آج بھی کشمیر اور ہندوستان کے دیگر ممالک میں کئی خاندان حکیم۔ قاضی۔ مولوی کہلاتے ہیں۔ حالانکہ آج ان میں نہ کوئی حکیم ہے نہ قاضی نہ مولوی۔

(۵۰) واتل:

کشمیری پنڈتوں کی ایک مشہور گوت ہے جس میں پنڈت پران کش (پی کے) واتل سابق منسٹر انویسٹنگ وفنانس منسٹر گورنمنٹ جموں وکشمیر اوران کے بھائی مسٹر اوتار کشن واتل (کارخانہ قالین بانی سری نگر) نند کشور واتل (شاعر) اور ایسے ہی اور کئی اصحاب پیدا ہوئے ہیں کشمیری پنڈتوں کی یہ گوت واتل کس طرح مشہور ہوگئی۔اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ایک یہ کہ ان کا کوئی بزرگ زمانہ سلف میں واتلوں کا افسر تھا۔اوران سے محاصل وصول کرنے پر ملازم تھا۔کشمیر میں اصل ذاتیں تو بہت کم ہیں زیادہ ذاتیں اور گوتیں ذاتی محاسن وعیوب یا ذاتی کاروبار کی وجہ سے بن گئی ہیں اسی طرح جو پنڈت واتلوں کے افسر کہلاتے تھے وہ بھی واتل ہی کہلائے جانے لگے۔کشمیر میں واتل بھنگیوں کا کام کرتے ہیں بھنگیوں پر آج تک ان کے پیشہ کی حیثیت سے کسی نے ٹیکس نہیں لگایا۔اس لیے یہ روایت پایہ صداقت سے گری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔البتہ ایک اور روایت واتل لفظ کے متعلق بیان کی جاتی ہی اور وہ قابل قبول معلوم ہوتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ قدیم راجگان ہنود کے زمانہ میں جو پنڈت مندروں کی جاروب کشی کا کام کیا کرتے تھے۔وہ واتل کہلاتے تھے۔یہ جاروب کشی کسی معاوضہ پر نہ تھی بلکہ وہ ایک متبرک مذہبی فرض سمجھ کر کی جاتی تھی۔واتل کشمیر میں بہت قدیم لفظ ہے جب کشمیر میں سرکاری یا غیر سرکاری طور پر صفائی کارواج ہوا تو صفائی کرنے والے ہر چند کہ وہ سب کے سب غیر ہندو تھے۔واتل کہلائے جانے لگے۔اب بھی کشمیر میں واتلوں کا کام بالعموم غیر ہندو ہی کرتے ہیں اور گواب واتل بجائے خود ایک علیحدہ طبقہ ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ طبقہ بہت سی ذاتوں کا مجموعہ ہے جن کی اصلیت پر مرور زمانہ نے پردہ ڈال دیا ہے کشمیری پنڈتوں کی واتل گوت کشمیر کے علاوہ پنجاب یوپی اور وسط ہند وغیرہ ممالک میں بھی آباد ہے اور نہایت ممتاز ہے۔

(۵۱) وانگنو:

کشمیری زبان میں بیگن کو کہتے ہیں اس نام پر ایک قوم کی نامزدگی کے دو باعث بیان کیے جاتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ممکن ہے اس قوم کا کوئی بزرگ بیگن کا زیادہ استعمال کرتا ہو اس وجہ سے اس کا نام ہی وانگنو پڑ گیا ہو۔دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ممکن ہے اس کو بیگن کے نام سے چڑھ اور نفرت ہو اور عوام اس کو چڑانے کے لیے وانگنو کہتے ہوں جن پنڈتوں نے افغانوں

کے خلاف رنجیت سنگھ کو قبضہ کشمیر کی دعوت دی تھی اور اس غرض کے لیے بہت سی تکلیفیں اٹھا کر خود لاہور پہنچے تھے۔ وہ تین بیربل تھے اور ان میں ایک بیربل وانگنو بھی تھے۔

(۵۲) لنگو:

اس قوم کا کوئی بزرگ کسی نہ کسی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا۔ لنگڑے کو کشمیری میں لنگو کہتے ہیں۔ آج تک اس کی اولاد بھی باوجود لحیم و شحیم اور تندرست اور توانا ہونے کے لنگو ہی کہلا رہی ہے۔

(۵۳) شالہ:

شالہ کدل کے رہنے والوں کو شالہ کہتے ہیں۔ یہ کدل حبہّ کدل اور کیئن کدل کے درمیان ہے۔

(۵۴) لال:

جن پنڈتوں کا کوئی بزرگ کسی پنجابی لالہ کے پاس کبھی نوکر تھا۔ اب وہ لال کہلا رہے ہیں۔ سری نگر میں ان کے چند ہی گھر ہیں۔

(۵۵) پہلوان:

اس قوم کی وجہ تسمیہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے جس طرح پنڈتوں کی شیر اور مسلمانوں کی سیہہ قوم اپنی غیر معمولی شجاعتوں کی وجہ سے مشہور ہے اسی طرح پہلوان قوم بھی اپنی پہلوانی و شہ زوری کی بدولت مشہور چلی آتی ہے۔ گو اب پہلوانی کا نام ہی نام ہے لیکن اتنا تو ہے۔

گرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ

(۵۶) مرچ واگن:

سرخ مرچ کو کہتے ہیں۔ اس قوم کا کوئی بزرگ تیز مزاج اور تلخ طبع تھا اور ممکن ہے مرچیں بھی فروخت کرتا ہو۔ بہر حال اپنی نسل کے لیے اپنی تیزیِ طبع یا مرچوں کی تجارت کی وجہ سے مرچ واگن کی یادگار چھوڑ گیا۔

(۵۷) رگھویارگو:

منحنی سے آدمی کو کہتے ہیں۔ اس قوم کا کوئی بزرگ دبلا پتلا اور منحنی سا تھا جب تک وہ

زندہ رہا اسی نام سے مشہور رہا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی رگھو کے نام ہی سے موسوم ہوگئی۔

(۵۸) سادھو:

سادھو کو کہتے ہیں اب اس فرقہ میں سادھ سنتوں والی تو کوئی بات نہیں ہے یعنی خالص دنیادار ہیں لیکن اس کی اولاد وا حتقاد سید یا سادھو کے نام ہی سے مشہور ہے۔

(۵۹) شیر:

غیر معمولی شجاعت اور جوانمردی کی وجہ اسے اس قوم کا نام شیر کے نام پر مشہور ہے ممکن ہے اس قوم کے کسی بزرگ نے شیر کے ساتھ مقابلہ کرنے کی وجہ سے یہ نام پایا ہو۔

(۶۰) لابرو:

اب نفع اور فائدہ کو کہتے ہیں۔ لاب سے لابر دبنا۔ اب یہ لفظ سود خوار یا صراف کے معنوں میں مستعمل ہو رہا ہے۔

(۶۱) وازہ:

ہندو لانگری یا باورچی کا نام ہے مسلمانوں میں بھی ایک وازہ قوم ہے بلکہ اس کے نام پر عالی کدل میں ایک محلّہ وازہ پورہ بھی آباد ہے۔ ہندوؤں میں بھی جولوگ باورچی گری کا کام کرتے ہیں۔ وہ وازہ کہلاتے ہیں۔

(۶۲) کٹوا:

چھوٹے پتیلہ کا نام کٹوا ہے۔ اب ٹبوا کہتے ہیں۔ یہ قوم بھی وازہ قوم ہی کی ایک شاخ ہے۔ چھوٹے پتیلہ کے زیادہ استعمال کی وجہ سے یہ نام پڑ گیا۔ اب اس کو کون مٹا سکتا ہے۔

(۶۳) سلطان:

سلاطین بمبہ کے جو گماشتے تھے اور وہ عموماً پنڈت ہی تھے وہ اپنے مالکوں کے نام پر سلطان ہی مشہور ہو گئے۔ ان کی اصل ذات معلوم نہیں کیا تھی لیکن اب وہ سلطان ہی کہلا رہے ہیں۔

(۶۴) بدھو یا بجو:

پنجابی میں بڈھے کو کہتے ہیں۔ کشمیری زبان میں بدھو ہیہ، نام بالعموم نیک شگون کے

طور پر رکھا جاتا ہے تا کہ وہ طویل العمر ہو۔ جیسے بڈھا خان یا بڈھا سنگھ یا بڈھا مل سے معلوم ہوتا ہے۔ کشمیر میں بھی اسی خیال سے بچوں کا نام بڈھا یا بدھور کھا جاتا ہے اور جس بچہ کا نام سب سے پہلے بدھور کھا گیا ہوگا اسی کے نام پر اس کی نسل مشہور ہوگئی۔ اب اس قوم کو بدھو اور بجو دونوں ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ سری نگر کے موجودہ تحصیل دار پنڈت بلبدر اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

(۶۵) شاعر:

اہل کشمیر نے ذاتوں کے بنانے اور ایجاد کرنے میں کمال کر دیا ہے جس کسی میں کوئی عیب یا نقص یا ہنر دیکھا اسی پر اس کا نام مشہور کر دیا۔ مغلوں کے اخیر اور افغانوں کے ابتدائی عہد میں پنڈتوں کے ایک خاندان سے ایک شخص نامی شاعر گزرا ہے شاعری کی وجہ سے اس کی بڑی عزت اور شہرت تھی اور اس شہرت نے یہاں تک بقائے دوام کا خلعت پہنا کہ کئی پشتیں گزر جانے کے بعد اس کی اولاد بھی اب تک شاعر ہی کہلا رہی ہے۔ حالانکہ اس کے بعد اس خاندان میں شاید ہی کوئی شاعر گزرا ہو اس کی اولاد کو مناسب تھا کہ وہ اپنے خاندان کے بزرگ اور بانی شاعر کا کلام جمع کرتی اور اس کو طبع کرا کر اس کا اور اپنا نام روشن کرتی۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تاب ماند نام نیکت برقرار

پنڈت سردانند شاعر جو سری نگر کے مشہور تاجر ہیں اور پنڈت واسد یو کول شاعر جو اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل ہیں اس خاندان کے ممتاز افراد میں سے ہیں اسی خاندان کے دولڑکوں بدری ناتھ اور پرتھوی ناتھ نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان ایف ایس سی ۳۳ء میں پاس کیا تھا۔

(۶۶) چکا:

ایک شخص کے ہاں دس بارہ لڑکے تھے آخری لڑکا شاید بارہویں نمبر پر تھا۔ کثیر اولاد ہونے کی وجہ سے عوام نے آخری لڑکے کا نام چکا یعنی تلچھٹ رکھ دیا اس کی اولاد اب چکا کے نام سے مشہور ہے۔

(٦٧) ملا یا ملہ:

پنڈتوں کی ایک مشہور ذات ہے بعض کہتے ہیں ملیار سے یہ لفظ نکلا ہے بعض کہتے ہیں جولوگ ملہ پوری محلہ کے رہنے والے ہیں وہ ملا کہلاتے ہیں۔ یہ محلہ گنپت یار کے پاس سری نگر میں واقعہ ہے۔ ہندوستان کے صوبہ متحدہ (یوپی) میں اس قوم کے لوگوں نے بڑا نام پایا ہے۔ یوپی کے مشہور مقنن پنڈت جگت نرائن ملا سابق منسٹر صوبہ یوپی و وائس چانسلر لکھنؤ یونیورسٹی جن کو ۳۴ء میں ڈاکٹر آف لاء کی ڈگری بھی ملی ہے اور ریاست ناگور سنٹرل انڈیا کے سابق دیوان حال اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اندور اور پنڈت رام نرائن ملہ خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملا علم و فضل کی بھی علامت ہے۔

(٦٨) سبو:

سری نگر (کشمیر) میں پروہتائی کا کام کرتے ہیں۔ غالباً پنجاب اور یوپی وغیرہ میں بھی باستنائے چند یہی کام کرتے ہوں گے۔ ان کی گوت بھوکا پشٹل ہے۔ آل انڈیا کشمیری پنڈت سبھا دہلی کے سیکرٹری پنڈت رام کشن سبو ہی ہیں۔ پنڈت بی۔ کے سبو ہائیڈ و الیکٹرک سکیم کے تحت الیکٹریکل انجینئر بھی سبو خاندان سے ہی ہیں۔

(٦٩) ممبئی یا مبعئی:

کشمیر میں اس نام کی کوئی ذات کشمیری پنڈتوں میں نہیں ہے۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل ریٹائرڈ تحصیل دار و رئیس سری نگر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ان کے بچپن کے زمانہ میں کشمیری پنڈتوں کا ایک رسالہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس میں چند اہل برادری اپنے نام کے ساتھ اپنا عرف ممبئی لکھا کرتے تھے۔ اس وقت سنا تھا کہ کوئی کشمیری خاندان بمبئی (Bombay) گیا تھا وہاں رہنے کی وجہ سے بمبئی کی بجائے ممبئی کہلایا۔ دوسری روایت اس حرف کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ محمد نام کا کوئی شخص جو ایسا شریف تھا کہ گالی گلوچ پر بھی چوں چرانہ کیا کرتا تھا اس کا نام مومہ بایو (مومہ یعنی محمد) بھائی مشہور ہو گیا جو اس طبیعت یا مزاج کا ہوتا تھا عوام اس کو مومہ بایو کہا کرتے تھے۔ پنڈتوں میں بھی کوئی ایسا ہی شخص گزرا ہوگا اس کا نام پہلے مومہ بایو اور پھر عرف عام ہو جانے کی وجہ سے بگڑ کر ممبئی ہو گیا ہوگا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ خاندان موضع بومے علاقہ رینہ گیر کار ہنے والا تھا۔ اس

لیے بھی یا بومے سے ممبئ یا بمبئ مشہور ہو گیا۔ آخری روایت یہ ہے کہ کسی بمبہ راجہ کی نوکری کے باعث یہ لوگ بمبے کہلائے۔ رفتہ رفتہ ممبئ یا مبعئی کہلانے لگے۔

(۷۰) پوربی:

رائے بہادر پنڈت امرناتھ پوربی سابق انسپکٹر جنرل کسٹم گورنمنٹ جموں و کشمیر نے پنڈتوں کے پوربی طبقہ کے متعلق جو کیفیت لکھی ہے وہ مختصر الفاظ میں ذیل میں درج ہے۔ میری دادی صاحبہ نے چھوٹی عمر میں بیوہ ہو جانے کی وجہ سے میرے والد بزرگوار پنڈت دلارام کو جو لکھنو کے بادشاہی عہد میں ایک اچھے عہدہ پر تھے اپنا متبنیٰ بنالیا تھا۔ وہ جب لکھنو سے دہلی آئے تو دلی والوں نے ان کو پوربی کے عرف سے پکارنا شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں لکھنو کی ریل کو پورب کی ریل کہتے تھے۔ اس طرح یہ عرف ہمارے خاندان کا جزولانیفک بن گیا۔ ورنہ ہماری ذات شدگلو ہے اور گوت پات سامن کوشک۔

رائے بہادر کے والد صاحب ثروت تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں بہت سی جائیداد لٹ گئی اور تباہ ہو گئی۔ اس عرف پوربی کے علاوہ پنڈتوں میں چند اور گھر بھی ہیں جو بھیے یا پوربی کہلاتے ہیں۔ اس کی وجہ بقول مصنف رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء یہ ہے کہ کسی بیوہ کشمیری پنڈتانی نے کسی پوریئے رئیس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ اس کی اولاد بھیے بھیا پوربی کہلاتی ہے۔

پوربیوں کے اس دوسرے طبقہ میں بھی بعض نہایت معزز عہدار اس وقت ہندوستان کے چند ایک محکموں میں موجود ہیں۔

(۷۱) نالہ:

سری نگر میں اس ذات کا کوئی پنڈت نہیں کہتے ہیں کہ اس خاندان کے چند افراد کسی نالہ کے محافظ تھے۔ اس نام پر مشہور ہو گئے۔ گوتر ان کا کول دتاتریہ بیان کیا جاتا ہے۔ یو پی میں پنڈت کنور پرشاد کول ڈسٹرکٹ جج نالہ ہی کہلاتے تھے۔

(۷۲) سُکھیا:

سری نگر میں اس نام سے کوئی کشمیری پنڈت خاندان موسوم نہیں۔ البتہ سکھ نام سے چند

گھر پروہتوں کے ضرور ہیں۔ ممکن ہے پنجاب یا یوپی وغیرہ میں اسی نام کو سکھیا بنا لیا گیا ہو۔ پنڈت تاراچند صاحب ترسل سری نگر سے لکھتے ہیں کہ میرے پروہت جی نے ایک دفعہ مجھ سے ذکر کیا تھا کہ سکھی خاندان کی بودوباش کنبہ کدل سری نگر کے قریب تھی۔ عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ سیلاب کی وجہ سے ان کا مکان گر پڑا اور وہ پنجاب کی طرف چلے گئے ممکن ہے یہ وہی خاندان ہو۔ ان کی گوت دتاتریہ کول ہے۔ اس خاندان میں پنڈت برج موہن ناتھ سکھیا خلف پنڈت دوار کا پرشاد سکھیا نامی شاعر گزرا ہے۔ پنڈت کنور کشن ایم اے ایل ٹی جو جرمن اور فرنچ زبانوں کے ماہر ہیں اور ٹریننگ کالج الہ آباد میں پروفیسر ہیں سکھیا ہی ہیں۔

سکھیا کی وجہ تسمیہ میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ کرشن لیلا کی نقل میں جو لڑکے عورتوں کا پارٹ ادا کیا کرتے ہیں ان کو سکھی کہتے ہیں۔ اس طرح اس خاندان کا کوئی لڑکا سکھی بنا ہوگا اس کی اولاد اسی نام سے پکاری جاتی رہی جب ہندوستان میں اس خاندان کے افراد نے رہائش اختیار کی تو سکھی کا سکھیا بن گیا ہوگا۔

(۷۳) کاچریا کاچرو:

اس کو کاہچر بھی کہتے ہیں لیکن وہ غلط ہے اس خاندان میں منشی بھوانی داس ایک نامی مصنف اور شاعر گزرا ہے۔ اس کی اہلیہ کشمیری زبان کی نامی شاعرہ تھیں۔ اور ان کے اشعار لوگ فخر کے ساتھ گاتے اور پڑھتے ہیں۔ پنڈت بیربل کاچرو رینہ داری بھی فارسی زبان میں جن کی تاریخ کشمیر بہت مشہور ہے اسی خاندان کے درخشندہ ستارے ہیں۔

علاوہ ازیں پنڈت دیورام کاچرو تخلص حضوری، پنڈت دیارام کاچرو تخلص خوشدل اور پنڈت دامودر کاچرو اس خاندان کے مشہور شاعر اہل قلم تھے۔ ان کی گوت پت سوامن کوشکے ہے۔

(۷۴) اوگرہ:

دراصل دتاتریہ کول ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ایک سخت قحط کشمیر میں پڑا تھا۔ اس خاندان کے کسی بزرگ کے ذمہ خیرات کے سلسلہ میں کھانا تقسیم کرنے کا کام تھا۔ فاقہ کشوں اور قحط زدوں کی تعداد زیادہ تھی اور چاول کم تھے انہوں نے اوگرہ (جو لپچھ بھتہ جولئی (لیوی) کی قسم کا تھا اور بہت نرم تھا لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کیا تاکہ خیرات سے کوئی محروم نہ رہ جائے۔ اس طریق سے وہ اپنے کام میں کامیاب تو ہو گئے لیکن نام ان کا اوگرہ مشہور ہو گیا۔ پنڈت داسہ کول

اوگرہ فارسی زبان کے اچھے شاعر تھے۔ بلبل تخلص تھا۔ دیوان بلبل کے علاوہ فارسی میں چہار درویش۔ گلشن عندلیب۔ گلزار بلبل ہریش چندر نانک ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ پولیس میں سب انسپکٹر تھے ان کے صاحبزادہ پنڈت نندلال کول بھی پولیس کی سب انسپکٹری سے حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ یو۔ پی میں رائے بہادر پنڈت کیدار ناتھ ڈپٹی کلکٹر الہ آباد بھی اوگرہ خاندان ہی سے ہیں۔

(۷۶) کروایوں:

کشمیر میں کروایون گرم پانی کو بھی کہتے ہیں۔ اور مٹر بیچنے والے کو بھی۔ اصل گوت دیو شانڈلے ہے۔ ملماسی پنڈت ہیں معلوم نہیں یہ نام اس خاندان کو کس زمانہ میں اور کس بات پر ملا سری نگر میں اس خاندان کے چند ہی گھر حبہ کدل میں آباد ہیں۔ عرصہ ہوا پنڈت شنکر کروایوں جو محکمہ دھرم ارتھ میں نوکر تھے۔ پنجاب بھی آیا کرتے تھے ان کی اولاد میں سے دینا ناتھ کروایوں اور چند اور افراد سری نگر میں موجود ہیں۔

پنجاب میں کروایو عرف کے صرف دو ہی خاندان معلوم ہو سکے۔ ایک خاندان روالپنڈی میں ہے۔ ایک لاہور میں۔ کروایوں خاندان لاہور کے ایک بزرگ پنڈت کنول کرویوان نے سکھوں کے زمانہ میں پشمینہ کا کچھ سامان اپنے پروہت کے ہاتھ امرتسر میں فروخت کے لیے بھیجا اس زمانہ میں ڈاک تو تھی نہیں نہ آمدورفت کے ذرائع آج کل جیسے آسان تھے۔ جب کئی ماہ تک پنڈت کنول کو نہ پروہت کی خبر آئی۔ نہ مال کی فروخت ہونے کی۔ تو ان کے فرزند پنڈت ہمت رام ہمت کر کے خود امرتسر پہنچے لیکن ابھی دم نہ لینے پائے تھے کہ ایک قافلہ کے ذریعہ جو کشمیر سے آیا تھا۔ ان کو اپنے والد کی وفات کی خبر ملی۔ مگر یہاں آ کے تجارتی معاملات میں ایسے پھنسے پھر کشمیر دیکھنا نصیب نہ ہو سکا۔

کنول * اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانے کا
نصیبوں میں لکھا ہے خاک امرتسر کی ہو جانا

پنڈت ہمت رام کے تین فرزند تھے۔ منجھلے فرزند پنڈت گنگا رام کروایون نے جو پنڈت پران ناتھ کروایون ایم ایس سی پروفیسر دیال سنگھ کالج کے دادا یعنی پنڈت رام ناتھ کے والد تھے۔ وکالت کا امتحان پاس کیا۔ امرتسر ہی میں وکالت کرتے رہے جب راجہ سورج مل جموں و کشمیر میں ممبر

کونسل ہو گئے تو ان کی وساطت سے آپ جموں گئے اور صوبہ جموں کے مختلف اضلاع میں دس بارہ وزرات سال تک وزیر رہے۔ نہایت دیانت دار اور متدین افسر تھے۔ پنڈت ہمت رام کے سب سے بڑے بیٹے پنڈت امر چند داروغہ جیل رہے اور پنشن کے بعد حکمت کرتے رہے۔ آپ کی یاد میں آپ کے پوتے پنڈت ترنجن ناتھ (سیکرٹری ٹمبرز ایسوسی ایشن لاہور) اور ان کا خاندان شیرانوالہ دروازہ کے اندر رہتے ہیں پنڈت ہمت رام کی تیسرے فرزند پنڈت سورج بھان لاولد فوت ہو گئے تھے۔

(۷۷) دیشن:

دیشن نام سے اس وقت جو خاندان کشمیر میں ہے وہ اپنے بزرگ دیشن کے نام ہی پر مشہور ہے۔ ان کی اصل گوت ہے۔ پنڈت گوپی ناتھ دیشن بی اے۔ بی۔ ٹی اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز ضلع لداخ اسی خاندان سے ہیں۔

(۷۸) پشن:

دوپہر کے بعد کے وقت کو پشن کہتے ہیں۔ پیشین مسلمانوں کی نماز ظہر کو بھی کہتے ہیں اور وہ بھی دوپہر کے وقت کے بعد ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ پشن پیشین ہی سے نکلا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں کسی پنڈت کے ذمہ جو سرکاری کام تھا وہ پیشین یعنی ظہر کے وقت کے بعد ادا کیا جاتا تھا۔ اسی نام سے پشن اس کا اسم معرفہ ہوگیا اور اب پشن جو درحقیقت آل ہے۔ ایک ذات سمجھی جاتی ہے۔ پشن خاندان کی اصل گوت بُوت داس ادمینی لوکا کہیہ ہے۔

(۷۹) بزاز:

کشمیر میں بزاز طبقہ کی کافی تعداد ہے۔ بلکہ یو پی اور پنجاب میں بھی اس برادری کے اکثر افراد پائے جاتے ہیں۔ ان کے کسی بزرگ نے بزازی کا کام شروع کیا تھا۔ اس لیے بزاز ہی مشہور ہو گئے۔ سری نگر کے پنڈت پریم ناتھ بزاز بی اے کے بزرگوں کے تعلقات رشتہ داری بزاز خاندان سے تھے۔ اور اپنے محلّہ سے اٹھ کر اس محلّہ میں چلے آئے تھے۔ جہاں بزازوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس تعلق کی وجہ سے یہ بھی بزاز مشہور ہو گئے۔ ان کی اصل گوت ہے۔ کشمیر میں سب سے پہلے ۱۹۴۲ء میں پنڈت پریم ناتھ ہی نے وتستہ کے نام سے ایک اردو اخبار جاری کیا

---

* اصل شعر اس طرح ہے۔

ریاضؔ، اس شہر سے ہم کیا کریں اب قصد جانے کا　　نصیبوں میں لکھا ہے خاک گورکھپور ہو جانا

تھا۔ گیلینسی کمیشن میں آپ پنڈتوں کی مخالفت کے باوجود اخیر دم تک شامل رہے۔ پرنسپل گوالیار کالج پنڈت پران ناتھ بھی اسی گوت سے ہیں۔

مسلمانوں میں جن لوگوں نے ابتداء میں کپڑا بیچنے کا کام اختیار کیا وہ کپرہ کہلانے۔ حالانکہ ان کی بھی مختلف گوتیں ہیں۔ اس وقت سری نگر میں کپرہ ذات کے کئی مسلمان خاندان ہیں اور بالعموم اچھی حالت میں ہیں۔ کپرہ کے علاوہ بعض بزاز کے نام سے ہی مشہور ہیں۔

(۸۰) تیمنی:

لاہور کے مشہور علم دوست بزرگ رائے بہادر پنڈت شیونرائن شمیم کی ایک تحریر کے مطابق تیمنی کا اصل لفظ تائی منی بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے یہ نام ہندو یا بدھ عہد کا ہو۔ منی کے لفظ سے شبہ پڑتا ہے کہ یہ جماعت کسی رشی منی کی نسل سے ہوگی۔ کشمیر میں یہ ذات صرف پنڈتوں ہی میں ہے۔

افغانستان کے صوبجات کابل دہرات اور ملحقات میں افغان مسلمانوں کا جو قبیلہ تیمنی کے نام سے آباد ہے۔ اس کی تعداد تین چار لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔

جناب شمیم اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ تیمنی عرف کا کوئی بزرگ کسی تیمنی افغان کے ہاں ملازم ہوگا اور جس طرح درانی اور بامزئی پٹھانوں کے پنڈت ملازم اب درانی اور بامزئی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح تیمنی افغانوں کے پنڈت ملازم یا ملازموں کا عرف تیمنی مشہور ہوگیا ہوگا۔ پنجاب میں بھی بعض عرف اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ریلی برادرس جو پنجاب و ہندوستان کی گندم کے بادشاہ ہیں کے پارسی ملازم ریلی ہی کہلاتے ہیں۔ جیسا کہ لاہور میں اس وقت ایک پارسی بیرسٹر ریلی بیرسٹر کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن کشمیر میں تیمنی کی وجہ سے تسمیہ کے متعلق جو روایت مشہور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس خاندان کے کسی بزرگ کا رنگ کسی قدر کالا تھا۔ تُمن کشمیری زبان میں اس سیاہی کو کہتے ہیں جو برتنوں کو لگ جاتی ہے۔ اس لیے یہ بزرگ بھی تمنی کہلائے۔ اور باوجود گورا رنگ ہونے کے ان کی اولاد بھی تمنی ہی کہلائی۔ کشمیر سے باہر جا کر تمنی کا تیمنی بن گیا۔ اور وہی عرف مشہور ہوگیا۔ ان کی گوت دتاتریہ ہے۔ اور ذات کول ہے۔ یہ سوپوری پنڈت یا شیو پوری پنڈت کہلاتے ہیں۔

پنڈتوں کی اس شاخ میں پنجاب اور یوپی کی آزاد آب وہوا نے قابل فرزند پیدا کیے

ایڈیٹر بہار کشمیر۔ دیوان سری رام وزیر وزارت (کشمیر) جو راجہ سورج مل کول آنجہانی کے داماد ہیں۔ پنڈت جگت پرشاد تیمنی وائس پریذیڈنٹ کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور۔

(۸۱) زُتشی:

علم جوتش کے جاننے والے کو کہتے ہیں۔ کشمیر کے جوتشی جو زتشی کہلاتے تھے علم سنسکرت میں صاحب کمال ہونے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے ایسے جوتشیوں کی اولاد زمانہ کی روش کے مطابق نئے علوم وفنون میں صاحب کمال ہو رہی ہے۔ پنڈت منوہر لال زُتشی ایم اے (الہ آباد) اپنی اعلیٰ قابلیتوں کی بدولت ہندوستان کے علم دوست اور سیاست دان حلقوں میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ پنڈت کدار ناتھ زُتشی جو ہاکی کے مشہور کھلاڑی ہیں۔ جھانسی میں جی آئی پی انڈین انسٹی ٹیوٹ کے سیکرٹری ہیں۔ پنڈت کنور پرشاد صوبہ اجین (گوالیار) کے نائب ناظم پنڈت پورن ناتھ بی۔ ایس۔ سی مئو میں انجینئر اور پنڈت اونکار ناتھ ایم اے کرنال میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ وسیشن جج ہیں۔ آج کل لاہور میں ہیں۔

(۸۲) کلم:

کوئی خاص ذات نہیں ہے۔ کلم ایک گاؤں تحصیل کولگام میں ہے۔ پنڈت جیالال بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جو گوت سے کول ہیں اور کشمیر کے نامور ایڈووکیٹ بلکہ کشمیری پنڈتوں کے لیڈر اور کشمیری پنڈت پولیٹیکل کانفرنس کشمیر کے پریذیڈنٹ ہیں صرف کلم کا باشندہ ہونے کی وجہ سے کلم کہلا رہے ہیں۔ کشمیر میں پانپور۔ پویور وغیرہ مقامات کے ناموں پر بھی ذاتیں بن گئی ہیں۔ اس طرح کے نام پر ایک قلم قبیلہ بن گیا ہے۔ ایک کلم پنڈت کشمیر میں نائب تحصیل دار بھی ہیں۔

☆☆☆

فصل سوم

کشمیری پنڈتوں کے چند اور مشہور خاندان

کچلو:

کچلو کشمیری زبان میں لمبی داڑھی کو کہتے ہیں۔ کسی زمانہ میں کسی شخص کی بہت زیادہ لمبی داڑھی ہوگی اسی وجہ سے اس کا نام کچلو مشہور ہو گیا ہوگا۔ لاہور میں بھی دیوان کشن کور کا خاندان ایسا ہے جس کا داڑھی کے ساتھ تعلق ہے۔ چنانچہ دیوان رتن چند داڑھی والا مہاراجہ رنجیت سنگھ کے معزز درباریوں میں تھا اور لمبی داڑھی کی وجہ سے اس کا نام داڑھی والا ہی مشہور تھا۔

کشمیر کے کچلو خاندان سے جو شاخ مسلمان ہوگئی اس کا نام (تمثیلاً) کنول کچلو سے کمال کچلو ہو گیا۔ لیکن تبدیلی مذہب بھی اسم معرفہ یعنی کچلو کے لفظ پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ اب کشمیر اور پنجاب اور یو۔ پی وغیرہ کے کشمیری پنڈتوں میں بھی کچلو ہیں اور کشمیری مسلمانوں میں بھی کچلو خاندان موجود ہیں۔ اسی قبیلہ کے نام پر شمالی کشمیر (تحصیل ہندواڑہ) میں ایک گاؤں کچلو آباد ہے۔ اس کی ایک پتی کا نام کچلو قاضی پورہ اور دوسری پتی کا نام صرف کچلو ہے۔ پنجاب میں کشمیری مسلمانوں میں امرتسر کے ڈاکٹر سیف الدین کچلو بی اے بیرسٹر ایٹ لاء۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا نام بہت مشہور ہے۔ انہی کا ایک عزیز کچلو کے نام سے امریکہ میں اپنے تجارتی کاروبار کی بدولت اپنا اور ملک کا نام روشن کر رہا ہے۔ مسٹر زکریا کچلو امرتسر میں میونسپل کمشنر ہیں۔

کشمیری پنڈتوں میں بہت سے کچلو خاندان ملک کی اصلاحی تعلیمی اور تمدنی ترقیوں میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔ پنڈت پرودمن کشن کچلو جو عرصہ تک جموں و کشمیر میں چیف منسٹر کے سیکرٹری رہ چکے ہیں اور اب لاہور میں مقیم ہیں۔ ان کے بھائی پنڈت منوہر لعل کچلو ای اے۔ سی اور پنڈت منوہر لعل کے صاحبزادہ پنڈت کشن لعل کچلو سیشن جج جموں پنڈت مہاراج کشن کچلو پی۔ سی دیوان ریاست کلیسہ پنجاب کے ترقی یافتہ حلقوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

گوالیار میں کچلو خاندان کے افراد نے اور ملکی صیغوں کے علاوہ فوج میں بھی خاصہ نام پیدا کیا ہے۔اس سلسلہ میں میجر جانکی پرشاد کچلو افسر فوج اور کپتان پنڈت گوری پرشاد کچلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔صوبہ متحدہ (یوپی) کے ڈپٹی ڈائریکٹر تعلیم پنڈت کیلاس پرشاد بھی کچلو ہی تھے۔جو گزشتہ سال بحالئی صحت کے لیے یورپ گئے تھے اور جرمن میں وفات پا گئے تھے۔

غمخوار فیملی:

کشمیری پنڈتوں میں غمخوار فیملی کے نام سے صرف دہلی اور لاہور میں دو چار گھر ہیں اور ان سب کے بزرگ پنڈت سدانند ہیں۔جن کی گوت کول ہے۔اکبر کے ہمراہ کشمیر سے آگرہ آئے۔جہانگیر نے بھی قدر افزائی کی۔لاہور اور کشمیر میں ہمراہ رکھا۔شاہجہان نے تو ان کو مرتبہ کمال عروج کو پہنچا دیا۔منصب پنج ہزاری سوار، دہلی میں جاگیرداری اور مکان عطا کرنے کے علاوہ اعتماد السلطنت،مشیر الملک،مرزا راجہ،اور غمخوار کے خطابات مرحمت کیے یہیں سے ان کا لقب غمخوار شروع ہوتا ہے۔اور صدہا سال گزر جانے کے باوجود اب تک چلا آتا ہے۔

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں اس خاندان کا ایک نامور فرد راجہ پنڈت پچھمی نرائن کول متخلص بہ عالم گزرا ہے۔وہ بادشاہ کی عادات سے تنگ ہو کر بنارس (کاشی جی) چلے آئے۔نواب سعادت علی خان برہان الملک ان کے مرتبہ اور ان کے اتقا اور ان کی قابلیت سے آگاہ تھے وہ اپنے ہمراہ انہیں اودھ (فیض آباد) لے آئے۔ان کے فرزند راجہ صاحب رام نواب شجاع الدولہ کے دیوان رہے ہیں۔راجہ بھولا ناتھ عارف انہی کے فرزند تھے جنہوں نے اس خاندان میں بزمانہ نواب آصف الدولہ سب سے پہلے انگریزوں کی ملازمت قبول کی۔

شاہ عالم بادشاہ دہلی کے عہد میں راجہ پنڈت بدری ناتھ باطن اسی خاندان سے دہلی آتے ہیں اور ریاست ریواڑی میں نائب الریاست کا عہدہ پر متمکن ہوتے ہیں۔

دہلی کے مشہور صوفی شاعر جواہر ناتھ کول غمخوار متخلص بہ ساقی جو چند سال ہوئے فوت ہو چکے ہیں۔انہی کے پوتے تھے۔ساقی صاحب نے اور ان کے بھائیوں نے کبھی ملازمت نہیں کی۔مغل بادشاہوں کے زمانہ میں کئی گاؤں جاگیر میں ملے تھے۔انہی پر ان کے بزرگ گزارہ کرتے تھے۔اب صرف ایک گاؤں رہ گیا تھا۔نئی دہلی کی تعمیر کے دوران میں گورنمنٹ ہند نے معاوضہ دے کر وہ گاؤں بھی لے لیا۔ساقی صاحب نے بہت روپیہ اوقاف کے کاموں میں دیا

تھا۔ پانچ ہزار روپیہ کے سرمایہ سے غمخوار سکالرشپ کا ایک وظیفہ بھی قائم کر گئے تھے۔

لاہور کی غمخوار فیملی بھی دہلی کے غمخوار فیملی ہی کی شاخ ہے۔ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے عہد میں دیوان گنگا بشن غمخوار اور راجہ نریندر ناتھ رئیس لاہور کے دادا دیوان گنگا رام لاہور آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سرکار میں دونوں نے معزز عہدے حاصل کیے۔ دیوان گنگا بشن غمخوار کے بیٹے دیوان رادہا کشن غمخوار مولراج (ملتان) کی لڑائی میں دربار خالصہ کی طرف سے شامل ہوئے۔ اور جب ملتان اور علاقہ ڈیرہ جات فتح ہو گئے اور پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں آ گیا تو دیوان رادہا کشن کو رائے بہادر کا خطاب ملا اور ڈیرہ اسماعیل خاں میں جاگیر ملی۔ آپ پنجاب کے سب سے پہلے رائے بہادر تھے۔ بلکہ ڈیرہ ہی میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھی ہو گئے۔ لاہور کے لارنس ہال میں دیگر رؤسا کے ساتھ آپ کا نام بھی کندہ ہے۔ کرنل میکسی کی کتاب پنجاب چیفس رؤسائے پنجاب) میں اس خاندان کا ذکر موجود ہے۔

پنڈت مہاراج کشن غمخوار جو اخبار غمخوار ہند کے مالک وایڈیٹر اور لاہور کے رئیس تھے آپ ہی کے فرزند تھے۔ پنڈت مہاراج کشن آنجہانی سے راقم الحروف کی بھی معاصرانہ ودوستانہ ملاقات تھی۔ ایام محرم میں ہر سال وہ اپنی طرف سے ایک سبیل لگایا کرتے تھے۔ ان کے دوستوں میں ہندوؤں سے زیادہ مسلمان اور مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے۔ ۱۹۰۱ء میں آپ وفات پا گئے۔ رائے صاحب پنڈت سری کشن غمخوار ان کے اکلوتے فرزند ہیں جو آج کل گوجرانوالہ میں ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے معزز عہدہ پر ہیں۔ رائے صاحب کا بھی ایک ہی واحد لڑکا پنڈت تربھون کشن غمخوار (بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی) ہے جو لائل پور میں وکالت کرتا ہے۔ یہ خاندان پشت ہا پشت سے علم دوست، سخن فہم اور قدردان علوم وفنون اور مرتبہ شناس اہل علم رہا ہے اور اب بھی اس میں یہ اوصاف برابر موجود ہیں۔

کول:

کشمیری پنڈتوں کی یہ بہت قدیم گوت ہے۔ سنسکرت کتب میں اس گوت کے متعلق لکھا ہے کہ کول اسے کہتے ہیں جو دنیاوی خواہشات کو نیست ونابود کرنے والا ہو۔ یہ گوت دتاتریہ منشیر کی نسل ہے۔ یہ منشیر زمانہ سلف میں ایک نہایت متبرک ہستی کی شہرت رکھتا تھا اس بزرگ کے حالات ودتاتریہ خاندان میں درج ہیں۔

کول گوت کے کشمیری پنڈتوں میں ان کے نک ناموں (Nick Name) کی وجہ سے جو ان کے اجداد کے ناموں کے ساتھ مختلف اوقات میں ملازمت یا ذاتی اوصاف یا کاروبار کی بدولت آج تک چلے آتے ہیں ان کی ۳۶ شاخیں ہیں اور ان کے نک نیم یہاں تک رواج پا چکے اور شہرت حاصل کر چکے ہیں کہ بعض لوگوں کو ان کی اصل گوت ہی کا پتہ نہیں چلتا۔ کول گوت کی ۳۶ شاخوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ اور ہر شاخ کسی نہ کسی وجہ سے مشہور و نامزد ہے۔

(۱) ایمہ (۲) بابو (۳) بم چونٹ۔ (۴) بامزیئی۔

کول گوت کے جو بزرگ احمد شاہ ابدالی کے سردار نور الدین خان بامزیئی اور بلند خان بامزیئی ۱۷۶۲ء ناظمان صوبہ کشمیر کے ملازم اور معتبر رہے۔ وہ اپنے آقاؤں کے ناموں پر بامزیئی ہی مشہور ہو گئے۔ پنڈت انند کول * جنہوں نے زبان انگریزی کے ذریعہ اپنے ملک کی نمایاں تاریخی جغرافیائی اور تمدنی خدمت کی ہے۔ کول گوت کے بامزیئی قبیلہ ہی کے ایک سرکردہ ممبر ہیں۔ پنڈت انند کول نے کشمیر کے متعلق کئی انگریزی کتابیں لکھی ہیں جو بہت مقبول اور مشہور ہیں۔ (۵) بجو (۶) چودھری (۷) داندر (۸) ڈانگر (۹) درابی (۱۰) دونت (۱۱) ہاک (۱۲) جلالی (۱۳) جنسی (۱۴) جوتا (۱۵) کاک (۱۶) کمپتی (۱۷) کسو (۱۸) کوٹھیدار (۱۹) لداخی (۲۰) میجزین (۲۱) مندل (۲۲) موزہ (۲۳) مخنث (۲۴) نگاری۔

کول گوت کے جس بزرگ نے شاہان مغل کے عہد میں محکمہ شاہی نوبت و نقارہ کی افسری قبول کی۔ وہ نقاری اور بعد میں نگاری کہلائے۔ اسی شاخ کے ایک نامور فرد پنڈت لال کول افغانوں کے عہد میں کشمیر میں گزرے ہیں۔ جو پنڈت پرکاش ککر و رئیس کشمیر کے داماد تھے اور جو اپنے خسر کی اولاد نرینہ ہونے کی وجہ سے اس کی جائیداد کے مالک بنے۔ پنڈت لال کول کابل میں بھی رہے ہیں۔ وہ اپنے خسر کے انتقال کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں لاہور آگئے۔ جب رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے مصر دیوان چند کو روانہ کیا ہے۔ تو پنڈت لال کول بھی فوج میں شامل تھے۔ ملتان اور سبراؤں کی لڑائیوں میں بھی شامل رہے۔ کشمیر میں ان کی جاگیر بھی تھی۔ سکھوں کے عہد میں بحال رہی۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ نے پنڈت لال کول کی وفات پر ان کی جاگیر ضبط کر لی۔

راجہ پنڈت سورج کول آپ ہی کے فرزند تھے جو پنجاب و بلوچستان میں مختلف جلیل القدر عہدے حاصل کرنے کے بعد ۱۸۸۸ء سے ۱۸۹۶ء تک کشمیر کے مشیر مال رہے۔ ۱۹۰۱ء میں انتقال کر گئے۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں اور تینوں ہی عظیم الشان شہرت رکھتے ہیں۔ سب سے بڑے رائے بہادر پنڈت ڈاکٹر بال کشن کول ہیں۔ دوسرے کا نام سر راجہ ہری کشن کول سی آئی ای ہے۔ جو کمشنری تک پہنچ کر بھرت پور اور کشمیر میں چیف منسٹر بھی رہ چکے ہیں۔ سب سے چھوٹے سر راجہ دیا کشن کول سی آئی ای ہیں۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی کے عہد میں ان کے نامور پرائیویٹ سیکرٹری رہ چکے ہیں۔ اس خاندان کے پاس ضلع گوجرنوالہ میں ڈیڑھ ہزار ایکڑ زمین ہے۔ علاوہ ازیں ضلع شاہ پور، لائل پور اور کشمیر، جموں اور بہاولپور میں کئی مواضعات اور بے شمار اراضی ان کی ملکیت ہے۔ لاہور، امرتسر وغیرہ میں لاکھوں روپیہ کی ملکیت کے مکانات ہیں۔

(۲۵) پڈر (۲۶) پہلوان (۲۷) رافض یا رافز (۲۸) صاحب (۲۹) شرغا۔ کشمیر پرتاپ کالج کے سب سے پہلے پرنسپل شرغا صاحب ایک کشمیری پنڈت ہی تھے۔ (۳۰) شوگہ (۳۱) سنگارہ (۳۲) سلمان (۳۳) سلطان (۳۴) طوطا (۳۵) وگرہ (۳۶) زمیندار (۳۷) تل وان گول۔

سری نگر کشمیر کے کول خاندان میں پنڈت ہر گوپال کول وکیل و مصنف تاریخ گلدستہ کشمیر اور ان کے بھائی پنڈت سالگ رام کول وکیل مالک سالگرام پریس نہایت نامور گزرے ہیں۔ پنڈت ہر گوپال کول کی شہرت ان کی علمی فضیلت اور ان کی ابتدائی ملازمت کے تعلقات کی وجہ سے کشمیر سے باہر لاہور، پٹیالہ اور شملہ میں بھی تھی۔

کول خاندان کی عظمت اس خاندان کے تاریخی حالات ہی سے معلوم ہوگئی ہوگی۔ جہاں کہیں بھی کوئی کول ہے۔ اس نے اپنی قابلیت دکھانے میں اپنے خاندان اور ملک کا نام ہمیشہ روشن کیا ہے۔ ہم چند اصحاب کے نام یہاں درج کرتے ہیں جو کول خاندان سے ہیں۔

رائے بہادر پنڈت من موہن ناتھ کول آنجہانی جو کشمیر کے گورنر تھے۔ لاہور کے ڈاکٹر ایس۔ این کول جو آنکھوں کے علاج میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر پی۔ این کول بیرسٹر ایٹ لا جو کشمیر نیشنل بورڈ کے صدر رہ چکے ہیں۔ رائے بہادر پنڈت گنگا رام کول جو پنجاب کے اکاؤنٹنٹ جنرل تھے اور اب دہلی میں ایک معزز عہدہ پر ہیں۔ دیوان رادھے ناتھ کول جو لاہور و الہ آباد کے

رئیس ہیں اور اپنے ادبی علمی مشاغل اور ذوق شعر کی بدولت بہت مشہور ہیں۔ پنڈت لچھمی نرائن کول سابق ایڈیٹر رسالہ سفیر کشمیر، ڈاکٹر تیج کشن کول ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (لاہور) پنڈت رادھے لال کول (دفتر پی۔ ایم۔ جی) راؤ بہادر پنڈت گردہاری لعل کول سابق منسٹر اور لاہور کے علاوہ گوالیار کے پنڈت سورج نرائن کول جن کو ۳۳ء میں مہاراجہ بہادر گوالیار نے خلعت دیا ہے۔ پنڈت شوناتھ کول شاکر لشکر یوپی کے پنڈت پران ناتھ کول وکیل (فیض آباد) پنڈت کشن لال کول سیشن جج (سلطان پور) پنڈت کشن نرائن کول ایڈیشنل انکم ٹیکس آفیسر (کانپور) وغیرہ ممتاز عہدوں پر ہیں۔ سری نگر کے پنڈت گواشہ لال کول بی اے مصنف و جرنلسٹ بھی کول طبقہ ہی سے ہیں مکول برادری میں پنڈت سنگر کول ایم اے پبلسٹی افسر گورنمنٹ جموں و کشمیر بھی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

ریشی وار شگینہ گوتر کی کول ذات میں پنڈت صاحب رام سنسکرت کے نامور فاضل تھے۔ سنسکرت زبان میں ان کی تصنیف کشمیر تیرتھ سنگرہ کا حوالہ اکثر ہندوستانی و یورپین مورخوں نے اپنی کتابوں میں دیا ہے مہاراجہ زبیر سنگھ نے جو خود بھی اہل علم تھے۔ علمی و مذہبی خدمات کے صلہ میں آپ کو چند دیہات بطور جاگیر عطا کیے تھے جن کا مالیہ اب بھی بصورت نقدی آپ کی اولاد کو مل رہا ہے۔ آپ کے فرزند کلاں پنڈت دیارام کول اور دوسرے فرزند پنڈت دامودر کول بھی باپ کی طرح علم سنسکرت کے مشہور فاضل تھے۔ پنڈت دامودر جو متبنیٰ ہو کر دوسرے خاندان میں چلے گئے تھے باپ کے بعد سررشتہ سنسکرت کے انچارج تھے پنڈت دیارام سنسکرت میں صاحب کمال ہونے کے علاوہ جوتش میں بھی دسترس رکھتے تھے مہاراجہ پرتاب سنگھ کے خاص درباریوں میں تھے اور انہی کے عہد میں بعمر ۷۸ سال وفات پاگئے۔ پنڈت دیارام کے فرزندوں مین پنڈت مادھو لعل محکمہ خاطر تواضع میں عہدہ اکاؤنٹنٹ میں ملازم ہیں اور پنڈت دیوہ کاک جو پنڈت دیارام کے فرزند کلاں تھے۔ فارسی سنسکرت اور علم جوتش میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح مہارت رکھتے تھے۔ نہایت مدبر صلح کل اور فیاض تھے۔ کئی خاندانوں کو ان سے مالی امداد ملی ہے۔

پنڈت بشمبر ناتھ آپ کے فرزند کلاں ہیں۔ اور کشمیر کے سب سے پہلے گریجوایٹ ہیں۔ بی اے ہونے کے علاوہ لاء کالج لاہور میں آپ نے قانونی تعلیم بھی حاصل کی ہے ابتداء میں منصف اور ۱۸۸۹ء میں کچھ عرصہ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہے۔ اس وقت سری نگر میں سٹی مجسٹریٹ ہیں۔

(۴) چھچھ بلی:

چھچھ بلی ۔ چھتہ بل کو کہتے ہیں۔ جو سری نگر کا ایک مشہور محلہ ہے اس محلہ میں
رازدان پنڈتوں کی آبادی ہے۔ پنڈت کشن داس جنہوں نے ۱۷۵۷ء میں بعہد افاغنہ کشمیر
ہجرت کی ۔ چھتہ بل میں رہنے کی وجہ سے چھچھ بلی کہلائے۔ وہ پہلے لکھنو اور بنارس کی طر
گھومتے رہے۔ ان کے فرزند پنڈت گنگارام مرہٹوں کے زمانہ میں دہلی میں تھے اور فوج میں
معزز عہدہ پر تھے۔ ان کی تعمیر شدہ حویلی اب تک دہلی میں موجود ہے۔ جو راجہ نریندر ناتھ صا
کی ملکیت و ورثہ میں ہے۔ مارچ ۱۸۰۳ء میں پنڈت گنگارام بعہدہ یوان مہاراجہ رنجیت سنگھ
دربار میں چلے آئے۔ اسی زمانہ سے ان کا خاندان لاہور میں آباد ہے۔ راجہ دینا ناتھ مدن چھچھ
تو نہیں تھے لیکن راجہ نریندر ناتھ چھچھ بلی کے دادا دیوان اجودھیا پرشاد چھچھ بلی کے خالہ زاد
تھے۔ چھچھ بلی پنڈتوں کا ہندوستان میں غالباً ایک ہی خاندان ہے۔ جو لاہور میں ہے۔ اس کی
یہ ہے کہ اس محلّہ کے رہنے والے بہت کم لوگ کشمیر سے باہر آئے تھے۔ چھچھ بلی خاندان
مفصل حالات تواریخ رئیساں پنجاب میں جو سر کیپل گریفن کی تصنیف ہے۔ درج ہیں۔ ہم
اختصار یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں۔

پنڈت گنگارام کے ہمراہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کی ایک قابل جماعت تھی۔
لیے اس نے آتے ہی دربار میں رسوخ حاصل کر لیا۔ مہاراجہ کی مہر خاص اور دیوانی کا خطاب ا
تھوڑے ہی دنوں میں مل گیا۔ دیوان گنگارام نے اولاد نرینہ سے محروم ہونے کی وجہ سے اپنی
کے لڑکے اجودھیا ناتھ کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اجودھیا ناتھ ۱۸ سال کا تھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے
کی ایک ہزار سالانہ تنخواہ مقرر کی۔ اور کشمیر کی فوج میں اس کو ایک عہدہ عطا کر دیا اپنی قابلیت
بدولت اس نے اپنی خدمات لاہور میں فوج خاص یعنی مہاراجہ کے باڈی گارڈ میں مستقل کر
۔ جنرل دنتورا سی باڈی گارڈ کا افسر تھا۔ گنگارام کے انتقال کے بعد اجودھیا ناتھ کو باپ کی ج
سے ایک گاؤں اور دیوانی کا خطاب ملا۔ ایک وقت (جب جنرل دنتور رخصت پر فرانس گیا
آیا کہ دیوان اجودھیا ناتھ ہی فوج خاص کا کمانڈر بن گیا اور ۱۸۴۳ء میں اس نے مستقل ط
کمانڈری کا عہدہ حاصل کر لیا۔ اس فوج میں سواروں اور پیادوں کی تعداد ۵۶۹۸ اور توپوا
تعداد ۳۴ تھی۔

کچھ عرصہ بعد جاگیر میں بھی اضافہ ہوتا گیا اور ممتاز الدولہ کا خطاب بھی ملا۔ الحاق پنجاب کے بعد سرکار انگریزی نے پانچ ہزار سالانہ تنخواہ کے علاوہ ۱۹ ہزار کی جاگیر بھی ضبط کر لی۔ لیکن ۱۸۵۱ء میں ساڑھے سات ہزار کی سالانہ پنشن اور کچھ جاگیر مل گئی۔ دیوان بیچنا تھ آپ کے اکلوتے فرزند تھے۔ اس وقت اس خاندان کے سرکردہ رکن دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ ایم اے ہیں جو کمشنری کے جلیل القدر عہدے سے ریٹائر ہوئے ہیں اور پنجاب کے ہندوؤں کے لیڈر ہیں۔ دیوان انند کمار آپ کے صاحبزادہ کا نام ہے۔ پنڈت پیارے کشن واتل جو سر راجہ ہری کشن کول کی مدار المہامی کے ابتدائی ایام تک ریاست جموں وکشمیر کے فنانس منسٹر تھے آپ کے داماد تھے۔ پنجاب کے چھچھ بلی خاندان کی ذات رینہ راز دان ہے اور گوت سوامن گوتم۔

ڈاکٹر شب ناتھ چھچھ بلی ریٹائرڈ ڈوٹرزی سرجن لاہور نے کشمیری پنڈت لڑکوں کے تعلیمی وظائف کے لیے نقد پانچ ہزار اور پانچ ہزار کا مکان دے کر ڈاکٹر شب ناتھ چھچھ بلی سکالر شپ قائم کیا ہے۔

(۵) مدن:

سری نگر کے ضلع حبہ کدل سے ذرا نیچے مدن یار ایک محلّہ کا نام ہے۔ یہاں کے رہنے والے جو دراصل راز دان طبقہ سے ہیں۔ اپنے محلّہ کے نام سے مدن مشہور ہو گئے ہیں۔ ان کی گوت سوآن مد گلے ہے۔ اس فیملی نے کشمیر اور پنجاب میں نامی گرامی فرزند پیدا کیے ہیں۔ سری نگر مدن فیملی میں پنڈت بشن ناتھ اور دیوان بدری ناتھ مدن اور من موہن ناتھ تحصیل دار بہت مشہور ہیں۔ دیوان ارجن ناتھ مدن وزیر وزارت بھی رہے ہیں۔ لاہور کے کشمیری پنڈتوں میں راجہ دینا ناتھ مدن اور ان کے خاندان اور ان کی اولاد نے جو عزت وشہرت حاصل کی ہے وہ کشمیر کے اور کشمیر سے باہر کشمیری خاندانوں کو بہت کم نصیب ہو سکی ہے۔

راجہ دینا ناتھ کا خاندان محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ ۱۱۳۱ھ تا ۱۱۶۲ھ میں سخت آزمائی کے لیے اپنے وطن سے باہر نکلا اور سیدھا دہلی آیا۔ راجہ دینا ناتھ * کے والد پنڈت بخت مل سکھوں کے عروج کے زمانہ میں لاہور آئے اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دفتر خاص کے سر دفتر مقرر

* راجہ دینا ناتھ اور ان کے خاندان کے مفصل حالات پنجاب چیفس مؤلفہ سر لیپل گریفن اور مشاہیر کشمیر جلد اول سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

ہوئے۔ پنڈت گنگا رام کی کوشش سے جو دربار خالصہ میں ایک معزز عہدہ پر تھے۔ راجہ دینا ناتھ نے عین نوعمری میں ایک اچھا عہدہ حاصل کرلیا۔ گنگا رام کی وفات کے بعد ۱۸۲۶ء میں راجہ دینا ناتھ کو مہاراجہ کی مہر سپرد کردی گئی۔ اور ۱۸۳۸ء میں انہیں دیوانی کا خطاب ملا اور قریباً دس ہزار کی جاگیر ملی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد مہاراجہ کھڑک سنگھ اور ان کے بعد مہاراجہ شیر سنگھ اور اخیر میں مہاراجہ دلیپ سنگھ پنجاب کے حکمران بنے اور اس عرصہ میں پنجاب میں کئی انقلاب بھی پیش آئے۔ شہزادے اور وزراء اور خود مہاراجے قتل ہوتے رہے۔ مگر ان بدنظمیوں اور بدامنیوں کے باوجود راجہ دینا ناتھ کا اقتدار بڑھتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ جب ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ کے مطابق پنجاب جب سرکار انگریزی ہی کے حوالہ کیا گیا۔ تو اس عہد نامہ پر راجہ دینا ناتھ کے دستخط بھی کرائے گئے۔ پھر دسمبر ۱۸۴۶ء میں جو کونسل حکومت پنجاب کے لیے بنائی گئی۔ اس کے صدر راجہ دینا ناتھ تھے۔ سرکار انگریزی ہی نے آپ کو راجہ کلانور کا خطاب اور اسی علاقہ میں بیس ہزار کی جاگیر عطا کی۔

الحاق پنجاب کے بعد آپ کی کل جاگیر جو واگذار رہی وہ ۴۷ ہزار کے قریب تھی۔ ۱۸۵۷ء میں راجہ دینا ناتھ انتقال کر گئے۔ راجہ دینا ناتھ کے ایک بھائی کا نام دیوان کیدار ناتھ تھا وہ بھی ۶ ہزار کے جاگیردار تھے۔

راجہ دینا ناتھ کے دو فرزند تھے (۱) دیوان امر ناتھ تخلص اکبری (۲) دیوان نرنجن ناتھ دیوان امر ناتھ فارسی زبان کے اعلیٰ پایہ کے شاعر تھے۔ ان کے فرزندوں میں دیوان رام ناتھ کو جو لاہور میں آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے ان کے فرزند دیوان کیلاس ناتھ تھے اور ان کے فرزند دیوان سمیر ناتھ سرگودہا میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔

دیوان امر ناتھ اکبری کے دوسرے فرزند کا نام دیوان مان ناتھ تھا۔ وہ اصغری تخلص کرتے تھے۔ دیوان سوم ناتھ اور دیوان گیان ناتھ جنہوں نے اپنی قابلیتوں سے اپنے خاندان کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ افسوس ہے دیوان سوم ناتھ کا جو ڈسٹرکٹ جج تھے ۱۹۳۳ء میں انتقال ہو گیا۔ ان کے فرزند دیوان برہم ناتھ اس وقت ای اے سی کے معزز عہدہ پر ہیں۔ دیوان گیان ناتھ کو دیوان بہادر کا خطاب بھی ملا ہوا ہے اور پنجاب کی ریاستوں اور پنجاب کے پولیٹیکل حلقوں میں آپ کی قابلیت و ہردلعزیزی کی بڑی شہرت ہے۔ آپ نابھ سٹیٹ کے

ایڈمنسٹریٹر ہیں۔۳۴ء کے خطابات سال نوروز میں آپ کو سی۔آئی ای کا خطاب ملا ہے۔

راجہ دینا ناتھ کے دوسرے فرزند پنڈت منکا میشر اور پنڈت برج موہن ناتھ میں سے راقم الحروف نے اول الذکر کو دیکھا ہے۔وہ ایک ماہوار رسالہ کشمیر پرکاش کے نام سے شائع کیا کرتے تھے۔دہلی میں پنڈت دینا ناتھ مدن سنسکرت وانگریزی کے جید عالم اور اردو کے بہت اچھے شاعر ہیں۔

اس گوت کا یا محلّہ کا نام مدن کیوں مشہور ہو گیا اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ مدن دراصل پارسیوں کی ایک ذات ہے۔کسی پارسی کے تعلق کی وجہ سے یا اس کے کسی ملازم پنڈت کا عرف مدن مشہور ہو گیا۔اور جب وہ واپس کشمیر آیا تو جس محلّہ میں رہا اس کا نام بھی مدن یار ہی قرار پایا۔اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے کہ مدن تھیٹر ایک پارسی کی ملکیت ہے۔اور اسی کی ذات پر تھیٹر کا نام مدن تھیٹر ہے لیکن ہمارے خیال میں کوئی ایسا کشمیری پنڈت خاندان نہیں ملتا جو کشمیر سے باہر جا کر اور ترقی یافتہ آب و ہوا میں پرورش پا کر پھر کشمیر ہی میں ہمیشہ کے لیے مسکن گزین ہو گیا ہو اور نہ کشمیر والے اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔

دوسری روایت اس نام کی وجہ تسمیہ کی قرین قیاس معلوم ہوتی ہے جو یہ ہے کہ مدن کشمیری زبان میں عاشق مزاج اور وارفتہ طبیعت کو کہتے ہیں۔کوئی شخص اس خاندان کا اسی طبیعت کا ہو گا۔اس کے نام پر خاندان مدن مشہور ہو گیا۔جب انہوں نے سری نگر کے اس محلّہ سے جہاں وہ پہلے رہتے تھے نقل مکانی اختیار کر کے حبہ کدل کے متصل مکانات آباد کئے ہوں گے تو اس محلّہ کا نام اس کے نام پر مدن یار ہی مشہور ہو گیا۔ان کے علاوہ اب اس محلّہ میں اور بھی کئی گھر آباد ہیں۔

راج ترنگنی کے ترنگ نمبر ۷ میں مدن ایک نام آتا ہے جو راجہ ہرش والئی کشمیر کمانڈر انچیف تھا۔یہ آج سے تقریباً سات آٹھ سو سال پیشتر کا ذکر ہے*۔

(۶) ترسل فیملی:

وقت رائے صاحب پنڈت شیام سندر لال دراور پنڈت بلہ کاک در سر کردہ ممبر ہیں۔ پرشست پنڈت کے تیسرے فرزند نیکو پنڈت (برادر بلاقی پنڈت) کی اس شاخ کا شجرہ جس کا تعلق ترسل فیملی سے ہے حسب ذیل ہے۔

نیکو پنڈت کے فرزند درگا پنڈت کے دولڑکے تھے۔ ایک سردانند جولا ولد گزر گیا دوسرا منسارام جس کا مادھو پنڈت اور منہ کنٹھ بھی کہتے تھے۔ منسارام دراصل رازدان رینہ تھا جو چندر رینہ ساکن ترسل تحصیل پلوامہ کے خاندان سے نیکو پنڈت نے بطور متبنیٰ لیا تھا۔ منسارام کی اولاد اس کے وطن ترسل کی وجہ سے جو درگا پنڈت کی جاگیر میں تھا۔ ترسل کہلائی۔ چنانچہ آج تک کہ سات پشتیں گزر چکی ہیں۔ درخاندان کے درگا پنڈت کے متبنیٰ کی اولاد ترسل ہی کہلا رہی ہے۔

منسارام سے پانچویں پشت میں پنڈت سہج رام ترسل بہت مشہور گزرا ہے یہ اپنے زمانہ کا اچھا فارسی شاعر تھا۔ اس کے سات فرزندوں میں سے ایک لاولد فوت ہو گیا۔ باقی چھ فرزندوں کی اولاد موجود ہے۔ اس کے چوتھے فرزند پنڈت دشن جو کے تین فرزند ہیں۔ ایک پنڈت تارا چند دوسرے انند جو لاولد انتقال کر گئے تیسرے آفتاب جو پنڈت تارا چند ترسل تحصیل داری سے ریٹائر ہو کر اب وکالت کر رہے ہیں وہ ایک قابل ریونیو ایجنٹ ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز ہیں اور کشمیر اتحاد بورڈ کے آنریری سیکرٹری ہیں۔ سنٹرل کوآپریٹو بنک کے ڈائیریکٹر اور کمیٹی جبریہ تعلیم اور کمیٹی انسداد بردہ فروشی کے ممبر ہیں۔ سخن فہم اور سخن گو ہیں۔ علم دوست اور علم پرور ہیں کشمیری پنڈتوں کی ذاتوں اور گوتوں کی تفصیل اور ان کے متعلق دیگر حالات بتانے میں راقم الحروف کو انہوں نے بڑی مدد دی ہے۔

ایک جوان لڑکی اور تین نوعمر فرزندوں کی وفات سے آپ کو جو صدمات پہنچے ہیں ان کا اندازہ کوئی صاحب اولاد ہی کر سکتا ہے۔ بقول شاعر اولاد کا غم صاحب اولاد سے پوچھو۔ ان کے ایک ۲۱ سالہ فرزند کاشی ناتھ کو راقم الحروف نے بھی دیکھا ہے۔ نہایت موزوں طبع تھا۔ اب چو[illegible] لال ایک فرزند موجود ہے۔ جو اس وقت تعلیم حاصل کر رہا ہے توقع ہے کہ یہ ہونہار لڑکا خاندان کا نام روشن کرے گا۔

ترسل فیملی میں پنڈت تیکا رام۔ پنڈت سہج رام۔ پنڈت مہتاب جو روشن اور پنڈ[illegible] دشن جو بہت مشہور گزرے ہیں۔ سکھوں کے زمانہ میں پنڈت سہج رام اور پنڈت ٹیکا رام نے ا[illegible]

اعلیٰ دماغی وانتظامی قابلیتوں کی بدولت نمایاں شہرت حاصل کی ہے۔ بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ابتدا میں جب کشمیر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے چار ونڈ داروں کے سپرد کیا گیا تھا تو ان میں ایک ونڈ دار سہج رام ترسل * بھی تھے۔ پنڈت ایشر داس ترسل جو دومیل میں ڈپٹی انسپکٹر کسٹم ہیں۔ ترسل خاندان ہی سے ہیں۔

(۷) ہکسر:

ضلع بارہ مولا کی تحصیل اوتر مچھی پورہ میں ایک گاؤں ہا کچر پورہ کے نام سے آباد ہے۔ اسی موضع کے نام پر کشمیری پنڈتوں کی یہ گوت ہا کچر یا ہاکسر یا ہسکر کہلاتی ہے۔ جو لوگ دیہات سے آ کر سری نگر میں آباد ہوتے رہے ہیں۔ شہر والوں نے ان کی اصلی ذات یا گوت چھوڑ کر اس گاؤں کے نام پر ہی ان کو مشہور کر دیا ہے اور رفتہ رفتہ وہی گاؤں یا اس گاؤں کی وطنیت کی مناسبت ہی ان کی ذات بن گئی ہے۔ یہی حال ہا کچر پورہ سے شہر میں آ کر آباد ہونے والوں کا ہوا۔ اس (Nick Name) کا تعلق کشمیری پنڈتوں کی گوت سے ہے۔

ہاکسر طبقہ نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کیے ہیں۔ راجہ سر دیا کشن کول کے سمدھی ڈاکٹر روپ نرائن ہاکسر ہی تھے۔ ریاست گوالیار کے پولیٹکل ممبر کرنل سر کیلاش نرائن بی، اے سی آئی ای ہندوستان اور انگلستان میں اپنے نام کی بجائے کرنل ہکسر ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ایک ماہر آئین سیاست دان ہیں۔ نہ صرف گوالیار بلکہ ہندوستان کی تمام بڑی بڑی ریاستیں اور ہندوستان وانگلستان کی حکومتیں آپ کی عالی دماغی اور قابلیت کی مداح ومعترف ہیں۔ گول میز کانفرنس اور انجمن شاہزادگان ہند میں ایک سرگرم رکن کی حیثیت سے انہوں نے والیان ریاست ہائے ہند کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

رام کشن بسمل اور مہتاب رائے تاباں جو ہا کچر کہلاتے تھے۔ ہاکسر خاندان ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ لاہور میں اسی برادری سے پنڈت شام سندر بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہیں۔ جو سر راجہ دیا کشن کول کے داماد ہیں۔ انبالہ میں پنڈت ایس۔ این ہاکسر آئی۔ سی۔ ایس اسسٹنٹ کمشنر اور بھوپال میں پنڈت گوبند نرائن ہاکسر رجسٹرار کواپریٹو سوسائٹیز کے جلیل القدر عہدوں پر متمکن ہیں۔

---

* پنڈت سہج رام اور ترسل فیملی کے مفصل حالات مشاہیر کشمیر جلد اول کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں

(۸) تِکو:

اس نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ ایک تو ضعیف سی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ سری نگر کا کوئی برہمن لاولد تھا۔ اس نے راجپوت خاندان کا ایک لڑکا متبنیٰ بنایا۔ برہمنوں نے اس کی پیشانی پر ٹیکا (تلک) لگا کر کہا کہ یہ پیدائشی برہمن نہیں۔ بلکہ ٹیکا لگنے کی وجہ سے تکو برہمن ہے۔ اسی زمانہ سے اس کی اولاد ٹکو یا تیکو کہلاتی ہے۔ دوسری روایت اس سے زیادہ وزن دار بتائی جاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ تکو ترک (Truk) سے نکلا ہے۔ ترک (Turk) تارک ہے! یہ ایک تانترک مت ہے۔ جو شاکتک مت سے نکلا ہے۔ چونکہ یہ شاکتک مت کے مطابق بھگوتی کی اُپاسنا کرتے تھے اس لیے پہلے ترک اور پھر ترک (Truk) سے تکو کہلائے۔ چنانچہ پنڈت کمندرام تکو نے جو ایک مشہور سادھو گزرے ہیں۔ ایک ستوتی (مناجات) تصنیف کی ہے جس کے آخری شلوک میں وہ اپنا نام ''ترک مکند'' لکھتے ہیں۔

پٹھانوں کے زمانہ میں تکو خاندان نے بڑا عروج حاصل کیا ہے۔ رحمت اللہ خان الکوزیئی پسر جمعہ خان الکوزیئی کے عہد نظامت ۱۷۹۴ء میں جن دو کشمیریوں نے کابل میں کشمیری ذہانت ولیاقت کا سکہ بٹھایا تھا۔ ان میں ایک خواجہ عیسیٰ دیوانی تھے اور دوسرے اسی تکو خاندان کے پنڈت نندرام تکو۔ خواجہ عیسیٰ تو تھوڑے عرصہ کے بعد واپس کشمیر چلے آئے لیکن نندرام نے وہیں رہ کر زمان شاہ درانی شاہ افغانستان کے وزیر امیر الملک وفادار خان کی سرکار میں دیوانی کا رتبہ حاصل کر لیا۔ نندرام تکو کا اقتدار واعتماد اس درجہ تک تھا کہ جب عبداللہ الکوزیئی گورنر کشمیر اور نندرام کے بھائی ہیراداس تکو کے درمیان مخالفت مخاصمت کے درجہ تک پہنچ گئی۔ تو نندرام نے وزیر کو کہہ سن کر عبداللہ خان الکوزیئی کو کشمیر کی گورنری سے واپس بلوالیا۔ محمد عظیم خان گورنر کے زمانہ میں ہیراداس تکو صاحب کاری کے عہدہ پر تھا لیکن اسی گورنر کے ہاتھوں ۱۸۱۴ء میں ہیراداس کو اس بنا پر قتل کرادیا گیا کہ وہ چار لاکھ روپیہ بطور تاوان ادانہ کر سکا یا ادانہ کرنا چاہتا تھا۔ دیوان نندرام ہی کے متعلق یہ مصرع کابل وکشمیر میں زبان زدعوام ہے۔ سکہ زد در ملک افغاں نندرام۔ اس نامور خاندان نے کشمیر میں بالک جو تکو، مکند تکو، دشہ تکو۔ سورج رام تکو اور ریشہ کاک تکو جیسے رئیس پیدا کیے ہیں۔ اب بھی ڈاکٹر ہیرالال تکو سابقہ چیف میڈیکل افسر کشمیر اور ان کے بھائی پنڈت جیا لال تکو سابقہ جج اور پنڈت مہاراج کشن تکو مہتمم خزانہ اسی خاندان کے نونہال ہیں۔ گورداسپور

پنجاب میں پنڈت کرتا کشن تکو تحصیل دار آنجہانی اپنی علم دوستی کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ وہ تکو خاندان کی تاریخ بھی لکھنا چاہتے تھے۔اور راقم الحروف سے دیر تک ان کی خط و کتابت بھی رہی لیکن افسوس ان کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ حسرت وہ دل ہی میں لے گئے۔لاہور میں پنڈت ناتھ جی تکو جو ریلوے کے دفتر کنٹرولنگ سٹور میں ہیں۔قومی کاموں میں خوب دلچسپی لیتے ہیں۔

(۹)مٹو:

کاچرو،فوطہ دار اور مٹو خاندان کا گوتر (پت سامن کوشک) ایک ہی ہے۔فوطہ دار اور کاچرو شاخ کا ذکر علیحدہ کیا جا چکا ہے۔لفظ مٹو کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں جو قرین قیاس ہے وہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں جب کہ کشمیر میں سنسکرت کے دار العلوم تھے علمی درس گاہیں اور مذہبی عمارات مٹ یا مٹھ کہلائی جاتی تھیں۔اس طبقہ کے کوئی بزرگ ان ایام میں یا تو کسی بیت العلوم یعنی مٹ کے بانی ہوئے ہوں گے یا مذہبی عمارات کے مہتمم رہے ہوں گے۔

کشمیر کے مٹو خاندان نے پبلک میں ہر دلعزیزی اور قبولیت عامہ حاصل کرنے کے علاوہ سرکار دربار میں بھی بڑا اقتدار حاصل کیا ہے۔ پنڈت تاراچند مٹو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں اکاؤنٹنٹ جنرل،دیوان مال اور گورنری کے معزز عہدوں پر رہ چکے ہیں۔ان کے فرزند کلاں پنڈت رام چند مٹو اور فرزند خورد پنڈت سورج کاک مٹو مختلف وقتوں میں وزیر وزارت اور مہتمم خزانہ تھے۔

پنڈت سورج کاک آنجہانی سے جب وہ مہتمم خزانہ تھے۔راقم الحروف کی بھی ملاقات رہی ہے۔ابتدائے زمانہ میں جب وہ لنگیٹ کے تحصیل دار تھے۔اور شدت قحط سے لوگ بے حال ہو رہے تھے انہوں نے سرکاری اور غیر سرکاری حیثیت سے رعایا کے ساتھ بڑی ہمدردی کا اظہار کیا۔ایک مرتبہ دورہ کر رہے تھے کہ انہوں نے سڑک پر تین مسلمان لاوارث بچوں کو پڑے ہوئے دیکھا ان میں دو لڑکے تھے اور ایک لڑکی تھی وہ ان تینوں مسلمان بچوں کو جن کے والدین فاقہ کشی کی وجہ سے اپنے جگر کے ان ٹکڑوں کو سر راہ لاوارث چھوڑ گئے تھے اپنے گھر لائے اور اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کی۔ان کے جوان ہونے پر ان سب کی اپنی گرہ سے شادیاں کیں۔لڑکی تو اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی اور لڑکوں نے جن کے نام دین محمد اور رحمان تھے۔ پنڈت صاحب سے جدا ہونا گوارا نہ کیا اور آخر انہی کے پاس ملازم ہو گئے۔

۱۸۶۰ء میں پھر سیلاب کی وجہ سے کشمیر میں قحط پڑ گیا۔ آپ نے اپنے محلہ رینہ داری میں غلہ کی دو کانیں اپنی گرہ سے کھلوائیں۔ ان دو کانوں سے عوام بالخصوص غربا کو ارزاں نرخ پر غلہ ملا کرتا تھا۔ اور جو خسارہ ہوتا تھا وہ خود برداشت کرتے تھے۔

۱۹۱۱ء دربار دہلی میں کشمیر سے جو چار رئیس سرکاری طور پر شامل دربار ہوئے ان میں سے آپ بھی تھے۔

آپ کے فرزندوں میں پنڈت کنٹھ جو تحصیل داری ہی کی حالت میں عالم شباب میں انتقال کر گئے ان سے چھوٹے پنڈت نندلعل مٹو اس وقت سری نگر میں مجسٹریٹ درجہ اول ہیں۔ ۷۶،۱۸۷۵ء کے قحط کی خدمات میں مہارانی چاڑک صاحبہ نے آپ کو ایک گلاس اور سند عطا کی۔ آپ میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ کشمیر آل پارٹیز ایجوکیشنل بورڈ کے وائس پریذیڈنٹ اور کشمیری پنڈتس سوشل ریفارم کے پریذیڈنٹ ہیں۔ کشمیر کے اعلیٰ زمینداروں اور روسا میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ مردم شماری کی خدمات کے صلہ میں بھی آپ کو سند ملی ہے۔ ہمدردی عوام اور منفعت شعاری کا مادہ آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ آپ کے صاحبزادگان پنڈت پریم ناتھ مٹو اور پنڈت ترلوکی ناتھ مٹو سری نگر کے پرتاب کالج میں تعلیم پا رہے ہیں۔

آپ کے تیسرے فرزند پنڈت رگ ناتھ اپنی خدمات حسنہ کی وجہ سے سرکار میں اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بدولت پبلک کے دربار میں نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ گلگت کرناہ، بڈگام، گلمرگ۔ ہندواڑہ۔ اننت ناگ سری نگر میں تحصیل داری کے فرائض ادا کر کے آج کل صوبہ جموں کی تحصیل اکھنو* میں قبولیت عامہ حاصل کر رہے ہیں۔ ۱۹۳۳ء کے موسم سرما میں انجمن اسلامیہ اکھنورا نے اپنے ایک عظیم الشان جلسہ میں آپ کی رعایا نوازی کا شکریہ بصورت قرارداد پاس کیا تھا۔

رعایا کے مختلف مشیر مال صاحبان کے علاوہ کمشنر بندوبست مسٹر ڈلٹن اور مسٹر سٹو نے بھی آپ کے کام کی تعریف کی ہے۔ لارڈ النسن کمانڈر انچیف نے ایک گھڑی اور ایک سند آپ کو عطا کی۔ سر پیٹر کلٹر بک انسپکٹر جنرل جنگلات ہند (حال چیف کنسرویٹر جموں و کشمیر) نے کرناہ کے دورہ میں ایک سند عطا فرمائی۔ تحصیل داری گلمرگ کے ایام میں ریذیڈنسی نے ایک چٹھی کے ذریعے

---

* اپریل ۱۹۳۴ء میں آپ پہلگام کشمیر میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

آپ کی خدمات کا اعتراف کیا۔ اور سیکرٹری کلب نے مشیر مال کو لکھا کہ میں نے اپنے تیس سالہ قیام کشمیر کے دوران قیام میں گلمرگ میں ایسا مستعد تحصیل دار نہیں دیکھا۔ جب آپ پہلی مرتبہ اننت ناگ گئے تو مسلمانان قصبہ نے عطیہ ہائی سکول کے وسیع عمارت کا بنیادی پتھر آپ ہی کے ہاتھوں سے رکھوایا۔ کرناہ کے زمانہ میں آپ نے بکروالوں کو اس محصول کی ادائیگی سے ہمیشہ کے لیے نجات دلوادی۔ جوان سے بھکوں پر اپنا مال لے جانے کی وجہ سے لیا جاتا تھا۔ مسٹر مڈلٹن کے زمانہ میں سب سے پہلے آپ ہی نے اس محصول کے ختم کرنے کی تحریری اور زبانی رپورٹ کی تھی۔

پنجاب اور یو پی میں بھی اس خاندان کے اکثر افراد معزز عہدوں پر رہ چکے ہیں۔ اور اس وقت بھی ہیں۔

۱۲۵۳ھ میں اودھ کے بادشاہ محمد علی شاہ تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں ان کا جو مدار المہام تھا وہ ایک کشمیری مسلمان تھا اور اس کا نام معہ خطاب "مصلح الملک ظہیر الدولہ نواب غلام یحییٰ خان مقیم جنگ بہادر" تھا۔ ان کے باپ کا نام پہلے کمال مٹو اور پھر کمال الدین مٹو تھا اسی سال وبائے عام میں نواب ظہیر الدولہ انتقال کر گئے۔ بادشاہ نے ان سب کے فرزندوں کا ایک ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے۔ نواب ظہیر الدولہ کے بزرگ ابتدا میں کشمیری پنڈتوں کے مٹو خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قبول اسلام کے بعد مذہب تو تبدیل ہو گیا لیکن قومیت نہ بدل سکی۔ سچ ہے۔

خون آبائی رگ تن سے نکل سکتا ہے
رنگ قومیت تو مذہب سے بدل سکتا نہیں

یو پی اور پنجاب میں بھی کئی مٹو خاندان ہیں اور ان کے افراد اعلیٰ عہدوں پر ہیں جن میں پنڈت امرناتھ مٹو بی اے (ریٹائرڈ ای اے۔ سی۔ ماڈل ٹاؤن لاہور) اور ان کے فرزندان لیفٹیننٹ پنڈت راجندر ناتھ مٹو بی۔ ایس۔ سی۔ ایل۔ ایل۔ بی اور پنڈت کنور کشن مٹو ایم اے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل جہلم کے علاوہ پنڈت منوہر لعل مٹو ای اے۔ سی فارسٹ اور یو پی کے پنڈت رامیشو ناتھ مٹو انسپکٹر انکم ٹیکس (گورکھپور) اور پنڈت ارجن ناتھ صاحب مٹو پرنسپل خالصہ کالج امرتسر ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ پنڈت جیون لال جن کو پنجاب کے علاوہ پٹیالہ اور کشمیر

میں بھی شہرت خاص حاصل رہی ہے اور راجہ سرہری کشن کول کے زمانہ مدارالمہامی (جموں و کشمیر) میں جن کا ایسا طوطی بولتا رہا ہے کہ بڑے بڑے منہ زور زبان بند نظر آتے تھے۔ مٹو خاندان ہی کی ایک شاخ سے تھے۔

(۱۰) رازدان فیملی:

رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء میں صفحہ ۱۴۴ پر رازدان کے متعلق لکھا ہے کہ یہ لفظ دراصل راجا نک ہے بگڑتے بگڑتے راز دان ہو گیا۔ پنڈت انندکول بامزئی کی یادداشت مندرجہ و یلی آف کشمیر اور دیگر محقق اصحاب سے بھی یہ معلوم ہوا کہ رازدان کی اصل راجانک ہی سے نکلی ہے۔ چنانچہ ہندو عہد قدیم میں پنڈت رتن کنٹھ جو سنسکرت کا نامور عالم اور مصنف گزرا ہے۔ اور جس کا ذکر سبیٹن صاحب نے کشمیر کے جغرافیہ قدیم میں کئی جگہ کیا ہے راجانک رتن کنٹھ ہی کے نام سے مشہور رہا کہا جاتا ہے کہ راجانک کے بزرگ قدیم ہندو راجگان کشمیر کے زمانہ میں وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر ممتاز رہا کرتے تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے راجانک کا لفظ ہندو عہد قدیم تک قائم تھا جب کشمیر کا تخت و تاج مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کشمیر کی حکومت کے ساتھ ہی کشمیر کا مذہب بھی تبدیل ہو گیا۔ تو راجانک رفتہ رفتہ رازدان بن گیا یا بنا لیا گیا۔ جیسے آج کل بھی کئی ہندوستانی محض فیشن کی تقلید اور انگریزیت کے شوق میں اپنے اصل نام بگاڑ بگاڑ کر لکھا کرتے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب کا نام زین العابدین ہے۔ وہ ٹھیکہ داری کے زمانہ میں زید۔ اے ڈین کہلاتے اور مسٹر ڈین کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ یا جس طرح بعض کول۔ کولا صاحب اور واتل وائل صاحب کہلاتے ہیں۔

رازدان ہر چند راجانک کا بگڑا ہوا نام ہے۔ تاہم ایک معزز اور بامعنی لفظ معلوم ہوتا ہے لیکن اب تو اکثر اصحاب رازدان کو بھی انگریزی لباس پہنا کر راز ڈن بنا رہے ہیں۔

رازدانوں کے کئی قبیلے اور گروہ اپنے صفاتی ناموں یعنی (Nick Name) کی بدولت اب اپنی علیحدہ ہستی رکھتے ہیں۔ مگر ان سب کی اصل رازدان ہی ہے۔ رازدان جن کے نام ساتھ بولا جاتا ہے وہ کشمیر میں ہوں یا پنجاب اور یوپی وغیرہ میں سب پنڈت ہی ہیں۔ ان میں مسلمان کوئی نہیں ہے۔ رازدانوں میں اصحاب ذیل خاص طور پر مشہور ہیں۔ پنڈت رام چندر رازدان تحصیل دار بڈگام۔ پنڈت گوبند جو رازدان ہیڈ کلرک گورنر صاحب کشمیر۔

رائے صاحب پنڈت بشیشر ناتھ ہیڈ اکاؤنٹنٹ اور ان کے صاحبزادہ پنڈت من موہن ناتھ راز دان ای اے سی رہتک۔رائے صاحب پنڈت منوہر ناتھ راز دان۔ پنڈت کنہیا لال راز دان انسپکٹر جنرل سررشتہ تعلیم اور پنڈت کنہیا لال راز دان ایم اے سیکرٹری کشمیری سبھا گوالیار۔پنڈت بشیشر ناتھ جی راز دان گدی نشین دھونی صاحب قلعہ دار (گجرات)

(۱۱) رینہ:

اس لفظ کے متعلق دو روایتیں مشہور ہیں۔ایک تو یہ کہ یہ لفظ بھی راز دان کی طرح راجانک ہی سے نکلا ہے۔اور چونکہ کشمیری پنڈتوں میں جو رینہ ہیں وہ راز دان بھی کہلاتے ہیں۔ اس لیے پنڈتوں کے نزدیک راز دان اور رینہ کا منبع ایک ہی ہے۔دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جو لوگ رینہ داری سے نکل کر شہر (سری نگر) کے مختلف حصوں میں گئے یا کشمیر سے باہر جنہوں نے سکونت اختیار کر لی۔وہ رینہ داری کی مناسبت سے رینہ کہلائے۔

کشمیر میں ۴۳۶ء اور ۴۹۷ء کے درمیان ایک راجہ رانا دت کے نام سے گزرا ہے جس نے ۶۰ سال سے بھی کچھ زیادہ عرصہ تک نہایت جلال و جبروت اور عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی ہے اس کا دارالحکومت اسی جگہ تھا جہاں آج سری نگر کا یہ بارونق اور تعلیم یافتہ محلّہ رینہ داری ایک محلّہ نہیں بلکہ ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے۔بعض اصحاب کے خیال میں یہاں اس نامور راجہ کا عظیم الشان باغ تھا جو اسی کے نام پر رینہ داری یا رانا داری کہلاتا تھا۔وادی کشمیر میں باغ کو کہتے ہیں۔جیسا کہ راز دان طبقہ کے حالات میں لکھا گیا ہے کوئی راز دان مسلمان نہیں ہے۔البتہ رینہ قوم میں پنڈتوں کے نام بھی ملتے ہیں اور مسلمانوں کے بھی مثلاً۔رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم (لاہور) جن کی اصل ذات گرٹو ہے لیکن جن کے بزرگ لال رینہ اور ان

* کلہن نے راج ترنگنی میں بھی بار ہا راجانواٹکا کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔اور لکھا ہے۔جھیل ڈلی کی طرف سے اس علاقہ میں بہت سی نہریں آتی ہیں۔آج بھی اس علاقہ میں پانی کی کمی نہیں ہے بلکہ آبی نہروں کے ساتھ علمی نہریں بھی اس علاقہ میں جاری ہیں۔

اک محلّہ ہے سری نگر میں رینہ داری
ہیں ہر اک سمت جہاں علم کی نہریں جاری

زمانہ قدیم میں یہاں دیگر اقوام کی نسبت برہمنوں کی آبادی زیادہ چلی آتی ہے۔کشمیر کا مشہور منو خاندان بھی رینہ داری ہی میں آباد ہے۔

کے فرزند ایت رینہ صرف رینہ داری سے ترک وطن کرنے کی وجہ ہی سے رینہ کہلائے اور کئی پشتیں گزر جانے کے باوجود پنڈت شیونرائن صاحب اوران کی اولا د رینہ کہلا رہی ہے۔

آپ کے صاحبزادہ کلاں پنڈت کنورنرائن بیرسٹرایٹ لا ریاست منڈی میں ریونیو منسٹر ہیں اور چھوٹے صاحبزادہ پنڈت بشن نرائن ایم۔ بی او بیرسٹرایٹ لا ہائی کورٹ لاہور میں وکالت کرتے ہیں۔ مسلمانوں میں باباعلی رینہ کا نام مشہور ہے جو بقول مصنفین کشمیر حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے بھائی تھے۔ مولوی محمد عبداللہ وکیل کے صاحبزادہ مولوی عبدالرحیم ایم اے اور مسٹر محمد ایوب سابق مدیر صداقت لون اور رینہ بھی مشہور ہیں۔

پنڈتوں میں مشہور رینہ جو راقم الحروف کو معلوم ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔ پنڈت جگ موہن رینہ شوق جنہوں نے تذکرہ بہار گلشن کشمیر لکھ کر کشمیری پنڈتوں ہی سے نہیں بلکہ تمام علم دوست حلقوں سے بقائے دوام کا خلعت حاصل کرلیا ہے۔ پنڈت چاندنرائن رینہ جوانبالہ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں۔ راجہ نریندر ناتھ رینہ ایم اے جو لاہور میں چھچھ بلی خاندان کے بزرگ ہیں۔ پنڈت پرتھی ناتھ رینہ انسپکٹر مدارس ہوشنگ آباد۔ پنڈت جیالال رینہ اسسٹنٹ انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز میرپور (جموں)۔

(۱۲) دتاتریہ*:

کسی زمانہ میں جس کو جنگ مہابھارت سے بھی زیادہ قدامت حاصل ہے۔ بارہ مولا کے متصل کسی موضع میں سنسکرت کا ایک نامور عالم اور مصنف اور شاعر اتری نام گزرا ہے۔ اتریہ دھرم شاستر ان کی ایک بیش قیمت تصنیف اب بھی ملک میں موجود ہے۔ ان کی بیوی ان سویا بھی اپنے خاوند کی طرح سنسکرت کی عالمہ تھیں۔

ان کے تین فرزند تھے۔ دتاتریہ۔ درداسا اور سومیا۔ دتاتریہ کا نام دو الفاظ سے مشتق ہے۔ دت اور اتریہ۔ دت ان کے برہمن اور اتریہ فرزند اتری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ باپ کی طرح دتاتریہ اور درداوسا نے بھی علم وفضل کے لحاظ سے بڑی شہرت حاصل کی۔ خود اتری مہارشی ہو گزرے ہیں۔ سید طبیعت تھے۔ بیوی سمیت چترکوٹ (وسط ہند) کے نزدیک ایک پرفضا مقام پر پہنچے۔ یہ زمانہ رام چندر جی کے بن باس کا ابتدائی زمانہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مہارشی اتری نے اسی

* خلاصہ مضمون پنڈت دینا ناتھ مان بی اے معجز دہلوی مندرجہ بہار کشمیر جولائی ۱۹۳۳ء

زمانہ میں رام چندر جی کی میزبانی کا فخر حاصل کیا۔اوران کی بیوی سویا نے سیتاجی کی جوسری رام چندر جی کے ہمراہ تھیں ۔ایک باعصمت اور وفادار بیوی ہونے کی حیثیت سے تعریف کی اوران کو وفاداری پر ثابت قدم رہنے کے اور زیادہ فرائض بتائے۔

دتاتریہ نے تعلیم وتربیت کشمیر میں ہی پائی لیکن جوان ہوکر باپ کی طرح خود بھی سیرو سیاحت کے شوق میں کشمیر سے نکل کراور شمالی ہند کے مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے وسط ہند جاپہنچے۔صرف برسات کے چندایام کسی جگہ قیام کرتے تھے۔باقی ساراسال بادیہ پیمائی ہی میں گزاردیتے تھے ۔ناسک سے کچھ دور گوداوری کے کنارے پرایک قیام گاہ ان کے نام سے منسوب ہے جوناگڈھ سے تین میل کے فاصلہ پر گرنار پربت پر بھی ان کا ایک مقام بتایا جاتا ہے کشمیر میں بھی ہری پربت پروہ کچھ عرصہ ٹھہرے ہیں۔

وشنو پران کا مصنف پراشر جی لکھتا ہے کہ میری اوردام دیو کی ملاقات ان سے کوہ ہمالیہ میں بدرک آشرم کے مقام پر ہوئی ۔ایک مرتبہ وہ پرہلا دپوری (ملتان) میں بھی جاپہنچے تھے۔ جہاں اس زمانہ میں اپنے باپ ہرناکش کے بعد راجہ پرہلاد حکمران تھا۔اس کوحکمرانی کے فرائض، رعایاپروری کے گراورعدل وانصاف کی تلقین کرکے واپس آگئے۔

زمانہ نے ان کواودھوت دتاتریہ کا خطاب دیا۔اودھوت سنسکرت میں ''مجذوب کامل'' کو کہتے ہیں ۔راجہ پرہلاد کے علاوہ ایک اورراجہ بنام راجہ یدوان کے ارشادات سے مستفیض ہوا ہے۔ان کے علاوہ دیگر طالبان حق کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ان کی تصنیف اودھوت گیتا آج بھی صفائے باطن حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

دتاتریہ جسم میں قوی ہیکل اور طاقتور تھے انہوں نے عمر بھی پائی ۔وہ کثیراولاد ہوئے۔ اس وقت کشمیری برہمنوں کی قوم میں کول دتاتریہ بکثرت گوتر موجود ہیں۔ یہ امر ثابت کرتا ہے کہ وہ ان سب خاندانوں کے مورث اعلیٰ تھے۔

کہتے ہیں کہ وسط ہند یادکن میں ان کے نام کا کوئی مندر ہے۔ وہاں ان کی پوجا ہوتی ہے۔ان کی جواولاد کشمیر رہی اور پھر کشمیر سے باہر مختلف ممالک میں پھیلی وہ انہی کے نام پر دتاتریہ کہلاتی ہے۔ دتاتریہ برہمن مہاراشٹر اوردکن میں بھی ہیں۔ وہ طبعی انہی کی اولاد سے ہیں ۔وہ کہلاتے تو مرہٹہ برہمن ہیں۔لیکن ان کے نام سے پہلے دتاتریہ کا لفظ لکھا جاتا ہے اوران کے

مقابلہ میں کشمیر کے دتاتر یہ برہمن اپنے نام کے بعد یہ لفظ لکھتے ہیں۔ جیسے پنڈت برجموہن دتاتریہ۔

پنڈت برج موہن دتاتر یہ کیفی دہلی کے مشہور کشمیری خاندان کے نام لیوا ہیں ان کی شاعری اور ان کے اخلاق کی وجہ سے ہندوستان میں ان کو نمایاں شہرت حاصل ہے۔ اردو اور فارسی کے بدیہہ گوشاعر ہیں۔اوران کے شاگردوں میں ہندو مسلمان شامل ہیں۔ کشمیرو جموں گورنمنٹ میں کچھ عرصہ تک اسسٹنٹ فارن سیکرٹری اور جاگیر چینینی (جموں) میں وزیر رہے ہیں۔آپ کی شاعری اردوزبان ہندوستان میں مستند سمجھی جاتی ہے۔آپ آج کل ''خم خانہ جاوید'' کی پانچویں جلد مرتب کررہے ہیں کشمیری پنڈتوں کے ماہوار رسالہ بہار کشمیر کے آنریری ایڈیٹر تھے۔آپ کے قابل اور ہونہار فرزند پنڈت پیارے موہن دتاتر یہ لاہور کے روزنامہ انگریزی اخبار ٹریبیون کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں۔

(۱۴) کاک:

کشمیری زبان میں بڑے بھائی اور کسی بزرگ کو احتراماً کاک کہتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بھائی کے لیے لفظ کاک اور بھاوجہ کلاں کے لیے لفظ کاکن استعمال ہوتا ہے۔

عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ ایک عابد اور زاہد پنڈت جو اپنی عبادت اور نیک نفسی کی وجہ سے خاص شہرت رکھتا تھا۔ جب سادھو ہو گیا تو ملک کے تمام لوگ اس کو احتراماً کاک جی کہنے لگے یہاں تک کہ ان کا عرف ہی کاک جی مشہور ہو گیا۔ بلکہ ان کے پیرو اور چیلے بھی کاک ہی کہلائے جانے لگے۔ رینہ' کول، رازدان وغیرہ کئی ذاتوں اور گوتوں کے لوگ جن کے بزرگ کاک جی کے عقیدت مندوں میں تھے۔اب کاک ہی کہلاتے ہیں۔ بہت سی ذاتوں کا مجموعہ ہونے کے باوجود کاک اب ایک علیحدہ گوت شمار ہوتی ہے۔

کاک کا نام کب سے چلا آتا ہے اور وہ مرتاض بزرگ جن کے اسم معرفہ پر کاک قبیلہ مشہور ہے۔کس زمانہ میں پیدا ہوئے۔اس کے متعلق کشمیر اور پنجاب میں کسی نے کوئی صحیح پتہ نہیں بتایا۔البتہ راج ترنگنی مصنفہ پنڈت کلہن کے آٹھویں ترنگ میں دسویں اور گیارہویں صدی کے درمیان کاک خاندان کا کئی جگہ ذکر آتا ہے۔

ہم اس کا کچھ خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔جس سے معلوم ہو سکے گا کہ آج = ایک ہزار سال پیشتر یہ خاندان کس عروج پر تھا اور یہ کہ اس خاندان کے کئی افراد اعلیٰ فوجی عہدلر

پر ممتاز تھے۔راجہ سسل (حکومت ۱۱۱۲ء تا ۱۱۲۰ء) نے جب وزرائے دربار سے بگاڑ پیدا کر لیا یہاں تک کہ گرگ چندر جیسے ڈامر کو جواس کا خسر بھی تھا۔اور لہسر منگل کو جس کا ملک میں بڑا اقتدار تھا۔اس سے ناراض ہو کر دارالحکومت سے نکل جانا پڑا۔تو اس نے کاک خاندان کے ایک درباری افسر راج کو بھی جلاوطن کر کے سری نگر سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

یشوراج کاک لہسر منگل سے جاملا اور دونوں راجہ کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی افواج کو درست کرنے لگے۔لہسر منگل کا بیٹا پراش اس وقت بھدرواہ میں تھا۔وہ بھی باپ کی مدد کے لیے بھدرواہ سے باہر نکلا اس دوران میں یشوراج شاہی افواج کے کسی سپاہی یا افسر کے تیر سے زخمی ہو چکا تھا۔جب یہ خبر یشوراج نے سنی تو وہ راستے ہی سے واپس چلا گیا۔

راجہ سسل کو اپنے دربار سے کچھ ایسی بدگمانیاں ہوگئیں کہ اس نے ایک ایک کر کے سب وزیر و مشیر بدل دیئے لیکن جب دیکھا کہ اس طریق سے ملک میں بدامنی اور بدنظمی کا دور دورہ ہو گیا ہے تو خاندان کاک کو مرہون منت اور زیر اثر رکھنے کے لیے تلک کاک کو جو شجاعت و دلیری میں شہرت رکھتا تھا اپنی فوج کی خاص کمان سپرد کر دی۔کلہن لکھتا ہے کہ تلک کے نام سے دشمن اس طرح تھر تھر کانپتے تھے جیسے درخت آندھی سے۔

بقول کلہن کاک خاندان کا اقتدار اس دربار میں اس قدر تھا کہ اس خاندان کا ایک نوکر اتمیلک نام راجہ تک رسائی حاصل کر کے رفتہ رفتہ قلم دان وزارت کا مالک بن گیا تھا۔

راجہ سسل نے اپنی بدگمانیوں اور بدزبانیوں کی وجہ سے امرائے دربار کو ناراض کر رکھا تھا آخر وہ معزول کر دیا گیا۔اور اسی کے خاندان سے بھکشا چر نام ایک شہزادہ جو راجہ ہرش کا پوتا اور راج کمار بھوج کا بیٹا تھا راجہ بنا۔لیکن سسل نے دوبارہ طاقت حاصل کر کے بھکشا چر کو نکال کر کشمیر کی حکومت پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔اسی زمانہ میں اس نے پھر خاندان کاک کے ایک نوجوان سریوک کاک کو جو یشوراج کا خسر پورہ تھا۔کھیری کا چارج دیا (کھیری یا تو کسی فوجی عہدہ کا نام ہے۔یا کسی علاقہ کا)۔

سسل نے ڈامرہ اور لونیوں سے بھی بگاڑ پیدا کر رکھا تھا لیکن سریوک کاک نے ان کو اپنی حکمت عملیوں سے رام کر لیا۔سسل کے بیٹے راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں جب پدم پور (حال) پام پور میں شاہی افواج اور ڈامروں میں جنگ ہوئی۔اور جب ڈامروں نے سریوک کی

گردن پر تیر مار کر اس کو گرا دیا تو ہر چند کہ انہوں نے اس کی فوج کا مال اسباب لوٹ لیا۔ لیکن اس کی سابقہ عنایتوں کی وجہ سے اس کی ذات کو کوئی گزند نہ پہنچایا۔

راجہ سسل نے اپنے دوبارہ عہد حکومت میں یشوراج کاک کو بھی فراموش نہ کیا۔ اس کو سری نگر کا منڈلیشن یعنی گورنر بنا دیا۔ راجہ نے اس کو زعفران ۔ چتر ۔ گھوڑے کا اعزاز دیا۔ اور اس کی ایسی عزت کی کہ گویا یشوراج ہی کشمیر کا راجہ ہے۔

لیکن حکومت سے معزول ہونے اور جان پر کھیل کر دوبارہ تخت حاصل کرنے سے بھی راجہ نے کوئی سبق حاصل نہ کیا۔ وہ گالیاں نکالنے اور ناشائستہ الفاظ بولنے کے وقت کسی کے مرتبہ و اعزاز کا خیال نہ رکھتا تھا۔ یشوراج کاک اپنی عالی نسبی اور علوئے مرتبت اور شرافت خاندانی کے لحاظ سے نہ ایسی باتیں کہنے کا عادی تھا نہ سننے کا۔ اس نے راجہ کی بدکلامیوں سے تنگ آکر معزول راجہ بھکشو یعنی بھکشا چر کو پھر تخت پر بٹھانے کے لیے اس سے ساز باز شروع کر دی اور آخر ڈامروں کے ساتھ مل کر اس نے ۱۱۲۳ء میں سری نگر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر تقدیر کو کچھ اور منظور تھا۔ لڑائی زور و شور سے جاری تھی کہ رات کے وقت کسی مغالطہ کی وجہ سے وہ اپنے ہی آدمیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

اساڑھ ۱۱۲۳ء کے بعد جب کہ راجہ سسل اپنے بیٹے راجہ جے سنگھ کو اپنے ہاتھوں سے تخت نشین کرتا ہے تو پھر ایک بار تاریخ میں کاک خاندان کا نام آتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سسل اور جے سنگھ میں دراندازوں نے بدگمانیاں پیدا کر کے ملک میں پھر فتنہ و فساد برپا کرا دیا تھا۔ ملک کو اس بدنظمی سے بچانے کے لیے جن ارکان دربار نے پھر بھکشا چر کو تخت نشین کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ان میں بقول مصنف راج ترنگنی خاندان کاک کا ایک مشہور رکن شو بھک بھی تھا۔

راجہ سسل بھکشا چر اور جے سنگھ سب لوہر خاندان کے راجے تھے۔ کشمیر میں اس خاندان کا عہد حکومت ۱۰۰۰ء سے ۱۱۷۰ء تک یا کم و بیش رہا ہے۔ اسی خاندان کے طویل عہد میں کاک خاندان کی اقبال مندی کے آثار بھی آخری چند راجاؤں کے عہد میں نظر آتے ہیں۔ ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ کاک خاندان کی بنا آج سے ایک ہزار سال پہلے پڑ چکی تھی۔ اور وہ مرتاض بزرگ جن کے نام پر یہ طبقہ کاک کا نام سے نامزد ہے۔ اس خاندان کے عروج سے کچھ عرصہ پہلے گزرے ہوں گے۔

کاک خاندان کا اصل وطن کشمیر میں کہاں تھا اس کے متعلق کشمیر سے ایک دوست لکھتے ہیں روایت یہ ہے کہ وہ تحصیل پلوامہ کے مشہور موضع کا کاپور کے رہنے والے ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ بتاتے ہیں کہ اس موضع کا نام شایدان کے نام پر دراصل کاک پور ہی ہو۔ اور بگڑ کر کاکاپور ہو گیا ہو۔ دوسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کاک خاندان کا گوتر بھی سوامن گوتر اور کاکاپوری پنڈتوں کی گوت بھی سوامن گوتم ہے۔

کاک خاندان کا اصل وطن دریافت کرنے کے لیے ہمیں تاریخ راج ترنگنی کی طرف رجوع کرنا پڑا ہے۔ اس تاریخ میں جو ۱۱۴۸ء ۱۱۴۹ء کی تصنیف ہے۔ اور سنسکرت* زبان میں ہے دو جگہ کاک خاندان کے وطن کا ذکر ہے۔

ایک جگہ اس موقعہ پر جب راجہ اوچل راجہ ہرش (عہد حکومت (۱۰۸۹ء تا ۱۱۰۱ء) پر حملہ کرنے کے لیے بارہ مولا کے راستے روانہ ہوتا ہے۔ اور ہشک** پورہ میں اس خیال سے کہ وہ کاک خاندان کا مسکن ہے ان سے کوئی مٹ بھیڑ نہ ہو جائے۔ یا وہ راستہ نہ روک دیں۔ ہشک پور کو چھوڑ کر سیدھا کامراج چلا جاتا ہے۔

دوسری جگہ ترجمہ راج ترنگنی کی آٹھویں ترنگ جلد دوم کے نوٹ ۲۱ ۷ء میں لکھا ہے کہ کاک خاندان کا وطن ہشک پور تھا۔

راج ترنگنی کی تاریخ کو آج ۱۹۳۴ء میں ۷۸۶ سال گزر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں بھی کاک خاندان کا وطن ہشک پور ہی تھا۔ آج ہشک پور اوشکرہ کے نام سے ایک معمولی سا گاؤں ہے۔۔ اس طویل عرصہ میں کشمیر میں جو انقلاب آئے ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہیں۔ کلہن نے اپنی تاریخ میں جن بڑے بڑے شہروں کا ذکر کیا ہے۔ آج ان کا کہیں نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں۔ اگر کاک خاندان اپنے اصل وطن سے نقل مکانی کر کے اس سرزمین پر چلے گئے

---

* اس کا ترجمہ انگریزی اور اردو میں ہو چکا ہے۔ **ہشک پورہ کا موجودہ نام اوشکرہ ہے۔ جو بارہ مولا کے متصل ہے۔

***پنڈت راجانک رتن کنٹھ نے اپنی کتاب کشیتر پال پدہتی میں لکھا ہے کہ کاک پور کا پرانا نام اُت پل پور تھا۔ یہ گاؤں سری نگر سے شوپیاں کی طرف جاتے ہوئے دریا کے کنارے راستہ ہی پر آتا ہے۔ اُت پل پور کی بنا ۹ویں صدی میں راجہ چپٹ جیاپیڈ کے چچا اُت پل نے رکھی تھی۔ یہاں کا مندر بھی وشنو اپتل سوامن کے نام سے مشہور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاک خاندان نے ہشک پور حال اوشکرہ سے دسویں اور گیارھویں صدی کے درمیان ہجرت کی کہ اُپتل پور میں اقامت اختیار کی ہوگی اور اسی زمانہ میں انہی کے نام پر اُت پل پور کاک پور اور بعد میں کاکاپور مشہور ہو گیا ہوگا۔

ہوں جس کا نام آج انہیں کے نام پر کا کا پور مشہور ہے۔

کاک خاندان نے راجہ اوچل کے زمانہ میں بھی بڑے بڑے عہدے حاصل کیے ہیں یہ تو بہت پرانے زمانہ کی باتیں ہیں۔ موجودہ صدی میں بھی اس خاندان میں بڑے بڑے شاعر عالم مصنف اور مدبر پیدا ہوئے ہیں۔ پنڈت برج ناتھ کاک جو پنڈت شو پرشاد کاک کے صاحبزادہ تھے۔ راجپوتانہ کے نواب ایجنٹ گورنر جنرل کے میر منشی تھے۔ اور شاعری میں دیوانہ تخلص کیا کرتے تھے۔

راجپوتانہ کے مشہور مدبر راؤ بہادر پنڈت سر سکھدیو پرشاد سی آئی ای رینہ ہونے کے باوجود کاک کہلاتے ہیں۔ جودھ پور اودے پور کی راجپوت ریاستوں میں برسوں تک وزیر اعظم رہ چکے ہیں اودے پور کے موجودہ وزیر اعظم پنڈت دھرم نرائن بی اے بیرسٹر ایٹ لا آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔ سری نگر کے پنڈت امر ناتھ کاک بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ کشمیر بار کے درخشندہ ستارے ہیں۔ رائے صاحب پنڈت رام چند کاک جو ہز ہائینس مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی طرف سے گول میز کانفرنس کے سلسلہ میں دو مرتبہ ولایت بھی جا چکے ہیں آپ کے برادر خورد ہیں۔ اور برسوں تک محکمہ آثار قدیمہ کے پولیٹکل سیکرٹری رہنے کے بعد اب محکمہ کسٹم ایکسائز کے انسپکٹر جنرل ہیں۔

الہ آباد کے رائے صاحب پنڈت بشن ناتھ کا تعلق بھی کاک خاندان ہی سے ہے۔

☆☆☆

در فیملی

در خاندان کے ابتدائی حالات کشمیر سے مہاجرت اور کشمیر میں مراجعت:

عہد اورنگ زیب میں مظفر آباد کی سرحد پر جو شاہی فوج رہا کرتی تھی اس کے کمانڈر جب اپنے ماتحت عہدہ دار شیو پنڈت سے اس کے خاندانی حالات دریافت کیے تو اس نے لا ظاہر کرتے ہوئے اپنے بڑے بھائی پرشست پنڈت کو جو سری نگر میں تھا۔ خاندانی حالات لکھنے طرف توجہ دلائی۔ لیکن خاندانی حالات چونکہ موجود نہ تھے اس لیے بڑے بھائی نے بھی فروگزاشت کو محسوس کیا اور میرو پنڈت تک جو جہانگیر کے زمانہ میں نور جہاں کی فوج کے ساتھ کش آیا تھا۔ اپنے بھائی کو خاندانی حالات لکھ بھیجے۔ اور آئندہ کے لیے اپنے خاندان میں یہ وصیت کر کہ ہمارے بعد ہماری اولاد خاندانی حالات کو ضبط تحریر میں لاتی رہا کرے۔ چنانچہ کشمیر میں صر یہی خاندان ہے جس میں خاندانی حالات نسلاً بعد نسلاً لکھنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

کشمیر کے ہندو مسلمانوں میں ایسی گوتیں اور ذاتیں بہت تھوڑی تعداد میں ہیں جو آل (Nick Name) سے خالی ہوں۔ انہی میں کشمیری پنڈتوں کی مشہور گوت در بھی ہے کسی آل کی بجائے اپنے اصلی نام سے مشہور ہے۔

اس خاندان کا مورث اعلیٰ ایک بہت بڑا رشی گزرا ہے۔ جس کا نام در بہاردواج کہتے ہیں اس کی دو عورتیں تھیں جن میں ایک برہمن زادی بھی تھی۔ اس کے بطن سے جو اولاد ہو وہ برہمن کہلائی۔

در بہاردواج ہی کے نام پر یہ قوم در کہلاتی ہے۔ اور در بہادواج کی اولاد ہی در بہاردورا برہمن کے نام سے مشہور ہے۔

کشمیر کا کوئی پنڈت خاندان اس خاندان سے زیادہ کشمیر بلکہ ہندوستان میں نامو ممتاز نہیں ہے۔ فیروز شاہ گنگو بہمنی کے زمانہ میں اس خاندان کا ایک بزرگ میرو پنڈت شرح دکن میں قلعہ گولکندہ کا ایک جنگی افسر تھا۔

درخاندان کے کاغذات میں درج ہے کہ میر د پنڈت کا کوئی بزرگ کشمیر سے ہجرت کر کے دکن چلا گیا تھا۔ان کاغذات میں نہ ہجرت کے اسباب پر کوئی بحث ہے اور نہ اس بزرگ کا نام درج ہے۔مگر ہمارا خیال ہے کہ میر د پنڈت کے بزرگ سکندر بت شکن بادشاہ کشمیر کے زمانہ میں کشمیر سے باہر گئے ہوں گے اس زمانہ کو میر د پنڈت اور سکندر بت شکن تک قریباً ڈیڑھ سو سال گزرتا ہے۔

جب ایک جنگ میں فیروز شاہ بہمنی نے جہانگیر سے شکست کھائی تو میر د پنڈت نے بھی قلعہ گولکنڈہ بادشاہی افواج کے سپرد کر دیا۔اس واقعہ کے بعد میر د پنڈت دہلی چلا آیا۔اور حکیم ابوالفتح شیرازی کی وساطت سے جس سے جنگ دکن ہی کے زمانہ میں اس کی شناسائی ہو چکی تھی۔ بادشاہ تک پہنچا۔ جہانگیر نے اسے ایک رسالہ کا کمان افسر بنا دیا۔

اس سے کچھ عرصہ بعد جب انقلاب زمانہ نے بمقام جہلم جہانگیر کو اس کے اپنے ایک جنگی افسر مہابت خان کے پاس قید کرا دیا تو نور جہاں کی جس فوج نے مہابت خان کی قید سے بادشاہ کو چھڑا دیا تھا اس کے ایک حصہ کا افسر میر د پنڈت ہی تھا۔ بادشاہ نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اس کو خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔

بادشاہ جب کشمیر آیا تو میر د پنڈت نے جو نور جہاں کے ہمراہ تھا اپنے وطن مالوف کو دیکھ کر یہیں رہنے کی خواہش ظاہر کی ۔ بادشاہ نے اس کی خدمات اس کی حب وطنی اور اس کے بڑھاپے کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ صرف اسے کشمیر میں رہنے کی اجازت ہی دی بلکہ راموہ اور ایمز نہ داری دو گاؤں بھی جاگیر میں دیئے۔ میر د پنڈت اس کے بعد فوراً دکن گیا اور اپنے اہل و عیال ہمراہ لے کر کشمیر آ گیا۔آخر ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

میرو پنڈت کی شاخ کلاں امن پنڈت تاچتر پنڈت:

میرو پنڈت کے دو بیٹے تھے ایک امن پنڈت اور دوسرا ٹمن پنڈت ۔ جہانگیر نے امر پنڈت کو جو بڑا تھا۔علاقہ کامراج کا ناظم مقرر کر دیا۔۔ شیو پنڈت اور پرشست پنڈت جن کا ابتدا سطور میں ذکر آ چکا ہے۔امن پنڈت کے پوتے اور درلت پنڈت کے بیٹے تھے۔ پرشست پنڈ ۔ کے بڑے لڑکے بلاقی پنڈت یا بالک پنڈت نے یاغستانیوں کو جو کرناہ اور اوتر مچھی پورہ کے علا

تک لوٹ مار کرتے تھے۔شمالی کشمیر کی فوج کے ذریعہ کرناہ جا کر ایسی سرزنش کی کہ وہ سالہا سال تک پھر ادھر کا رخ نہ کر سکے۔یہ زمانہ غالباً اورنگ زیب کی حکومت کا تھا۔

اسی ہلاقی پنڈت کا بیٹا مکند پنڈت محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں کشمیر کے شاہی قلعوں کا منتظم تھا۔صوبیدار سے کسی بات پر اس کا بگاڑ ہو گیا اور وہ بھاگ کر سری نگر سے کشتواڑ اور وہاں سے دہلی پہنچا۔بادشاہ تک پہلے بھی صوبیدار کی شکایات پہنچ چکی تھیں اس کی بدنظمی و بدوضعی کی مزید باتیں مکند پنڈت سے سن کر اس نے ایک نیا صوبیدار کشمیر کے لیے نامزد کیا اور مکند پنڈت کو تین ہزار کا خلعت دے کر اس کا وزیر مال مقرر کیا۔

زوال مغلیہ کے بعد احمد شاہ درانی کے زمانہ میں مکند پنڈت کے بیٹے چتر پنڈت اور اس کے یک جدی چچیرے بھائیوں مہانند پنڈت و کیلاس پنڈت کا خاندانی تنازعہ شروع ہو گیا۔بالآخر میر محمد مقیم کنٹھ نائب صوبیدار کی امداد سے چتر پنڈت بمشکل نصف جاگیر پر قابض ہو سکا۔ان ایام ۱۷۶۴ء میں کیلاس پنڈت در نورالدین خان بامزئی گورنر کشمیر کا صاحب کار تھا۔خرم خان گورنر کے زمانہ میں بھی وہ اسی رتبہ پر رہا۔۱۷۶۰ء میں کابل گیا اور ۱۷۷۰ء میں جب خرم خان دوسری مرتبہ کشمیر پر صوبیداری کے لیے نامزد ہوا تو کیلاس ور اس کے ساتھ ہی کشمیر واپس آ گیا۔

مہانند پنڈت راجہ سکھ جیون گورنر کشمیر کا مدار المہام تھا اور اختیارات کلی رکھتا تھا۔محمد جان بیگ سامی نے جو سکھ جیون مل کا درباری شاعر اور سرکاری مشاعرہ میں اقتدار خاص رکھتا تھا۔راجہ سکھ جیون مل کے ایک قصیدہ میں مہانند کی بھی تعریف کی ہے اور جس خوبی سے اس میں سعدی کے لفظ در کو نباہا ہے اس کی بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے۔سامی لکھتا ہے۔

کار پرداز تو مہانند است — آنکہ ہست زقبیلہ درہا
مے نمائی بنام او تنخواہ — نقد و جنس و برات وچاکرہا
گفت درباب جستن روزی — سعدی آگاہ از مقدرہا
رزق ہرچند بے گماں برسد — شرط عقل است جستن از درہا

چتر پنڈت کے فرزند گلاب جو پنڈت در کی اولاد رائے صاحب پنڈت شام سندر لال در:

چتر پنڈت در کے دو بیٹے تھے۔ایک گلاب جو دوسرا کنول پنڈت ہم پہلے گلاب جو اور

اس کی اولاد کا حال لکھتے ہیں۔

عہد افاغنہ کے آخری تین گورنروں کے زمانہ میں درخاندان کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑا ہے چونکہ ان کی وجہ سے افغانوں کی سلطنت بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اس لیے ان مصائب کو ہم ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

ان مصائب کی ابتدا آزاد خان گورنر کشمیر (از ۱۱۹۷ء تا ۱۲۰۰ء) کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔ آزاد خان بڑا جابر و ظالم گورنر تھا۔ روپیہ حاصل کرنے میں وہ ہندو مسلمان کی تمیز و تفریق سے بالاتر تھا۔ بمبہ خاندان کے بڑے بڑے شہزور جوانوں کے اس نے ہاتھ پاؤں بندھوا کر ڈل میں غرق کرا دیئے۔ اس نے بادشاہ (تیمور شاہ درانی) سے بھی روگردانی اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے آپ کو نادر شاہ ثانی کہا کرتا تھا۔ گلاب جو پنڈت جینا جیسا صاحب اقتدار رئیس اس کی نظروں میں تھا۔ چنانچہ آزاد خان نے کسی نہ کسی بہانے سے اس کو تنگ کرنا شروع کیا۔ گلاب جو پہلے تو آزاد خان کے ظلم برداشت کرتا رہا لیکن جب اس کے ظلم حد سے زیادہ ہو گئے۔ تو کشتوار کی طرف بھاگ گیا۔ آزاد خان نے اس کی جاگیر ضبط کر لی۔ مگر جب نظام حکومت بگڑتے دیکھا تو جان بخشی اور جاگیر کی واگزاری کا وعدہ دے کر اسے واپس بلوالیا۔

خان اور جار خان گورنران کشمیر کے زمانے میں یوں تمام رعایائے کشمیر بدامنی و بدنظمی کے ہاتھوں تباہ ہو رہی تھی۔ لیکن پنڈتوں میں تکو اور درخاندان خاص طور پر مصائب وشدائد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ پنڈت بیر بل در سے جو گلاب جو پنڈت کا بیٹا تھا سردار محمد عظیم خان گورنر نے پہلے تو چھ لاکھ روپے بطور قرض وصول کیے لیکن جب اس پر بھی عظیم خان کا جور عظیم کم نہ ہوا * تو پنڈت بیر بل در اپنے برادران عم زاد پنڈت کج رام و میرزا پنڈت اور بعض دوسرے معزز پنڈتوں کے مشورہ سے اپنے فرزند راجہ کاک اور دو اور نامور پنڈتوں بیر بل کا چرو اور بیر بل وانگنو کو ہمراہ لے کر منزگام کے راستہ جہاں اس کی جاگیر کے ملک ذوالفقار و ملک کامگار نے اس کو کشمیر سے پار کرنے میں بڑی مدد دی۔ لاہور پہنچ گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ اس وقت پنجاب کا حکمران تھا۔ لیکن وہ اس سے قبل چونکہ دو تین

---

* تاریخ کشمیر مصنفہ ہر گوپال کول صفحہ ۱۶۲ پر درج ہے اور درخاندان کے کاغذات میں بھی یہی مذکور ہے کہ گورنر اس کو جبر مسلمان کرنا چاہتا تھا لیکن بیر بل نے چھ لاکھ روپے دیئے اور جاگیرات ضبط کرانے کے باوجود مذہب تبدیل نہ کیا۔

مرتبہ کشمیر کو فتح کرنے میں ناکام رہ چکا تھا۔اس لیے اس نے پہلے تو کشمیر پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا لیکن جب پنڈت بیربل در نے پٹھان حاکموں کے ظلم اور رعایا کے مصائب اور خصوصاً ہندوؤں کی تکالیف کا تفصیل سے ذکر کیا۔اور اپنے اکلوتے نابالغ بیٹے راجہ کاک کو تا فتح کشمیر بطور یرغمال لاہور میں رکھنا منظور کیا۔تو مہاراجہ نے یہ رہبری پنڈت بیربل در و بسرداری مصر دیوان چند ظفر جنگ جس کے ساتھ سردار ہری سنگھ نلوہ اور شہزادہ کھڑک سنگھ اور کئی نامی سردار تھے۔ایک عظیم لشکر پیر پنجال (تھنہ پوشیانہ) کے راستے کشمیر روانہ کیا۔سردار محمد عظیم خان اس حملہ سے پیشتر ہی اپنے بھائی جبار خان کو کشمیر کی حکومت سپرد کر کے کابل چلا گیا تھا۔ جبار خان نے اپنی فوج لے کر شوپیاں سے کچھ اوپر جا کر مقابلہ کیا لیکن اپنے نامی سردار کٹوا کر اور خود شکست کھا کر پونچھ کی طرف بھاگ گیا جہاں اس نے خودکشی کر لی۔

فتح کشمیر (۱۸۱۹ء) کے بعد پنڈت بیربل در ہی ایک جمعیت کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس فتح کی خبر سنانے کے لیے بھیجا گیا۔مہاراجہ نے پنڈت بیربل کو ایک ہاتھی اور ایک مالائے مروارید او دیگر انعامات سے مالا مال کر دیا۔اس کے فرزند راجہ کاک در اور اس کو بڑی عزت کے ساتھ کشمیر واپس کیا۔پنڈت بیربل در جب تک زندہ رہا۔ناظمان کشمیر کا مشیر خاص رہا۔

سکھ سلطنت کے بعد جب کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کا دور آیا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے جو پنڈت بیربل در اور مصر دیوان چند کے ساتھ ۱۸۱۹ء میں راجہ گلاب سنگھ اور خالصہ فوج کے ایک نامور سردار ہونے کی حیثیت سے حملہ کشمیر میں شامل تھے۔اور جو خالصہ حکومت کے بعد کشمیر کے سب سے پہلے ڈوگرہ حکمران تھے۔راجہ کاک در کو پیشکاری کا منصب عطا کیا۔پھر وہ محکمہ داغ شال کے افسر بنائے گئے۔اس محکمہ کی آمدنی انہوں نے ۲۴ لاکھ سالانہ تک پہنچا دی جس میں سے نصف رقم بعوض خدمات تنخواہ انہیں ملا کرتی تھی۔

جب ۱۸۴۹ء میں سرکار انگریزی کی طرف سے مسٹر ٹیلر کشمیر میں اس غرض سے آئے کہ وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے نظام حکومت کے متعلق رعایائے کشمیر کے خیالات معلوم کریں تو راجہ کاک در ہی تھے جنہوں تمام پیشہ وروں اور کاریگروں اور دیگر رعایا سے مسٹر ٹیلر کے سامنے یہ کہلوا دیا کہ ہم سب ڈوگرہ حکومت کے انتظام سے مطمئن ہیں۔ یہ خدمت ایسی نہ تھی کہ مہاراجہ گلاب سنگھ اس کو فراموش کر دیتے۔ چنانچہ مہاراجہ نے پنڈت راجہ کاک در کو ۳۵ ہزار کی نقد جاگیر اور بارہ ہزار

خردار جنس کے سالانہ عطیہ سے سرفراز فرمایا۔ راجہ کاک در جو ۱۸۰۶ء پیدا ہوئے تھے۔ ۱۸۶۶ء میں انتقال کر گئے۔

پنڈت راجہ کاک در فارسی زبان کے مشہور و مقبول شاعر تھے۔ فرخ تخلص تھا اپنے ہم عصر شعرائے کشمیر کے ساتھ ان کی بذلہ سنجیاں اور بدیہہ گوئیاں مشہور ہیں۔ شعرا اور اہل علم اصحاب کی قدر کرتے تھے۔ راقم الحروف نے پنڈت بلہ کاک در کے کتب خانہ میں ان کا غیر مطبوعہ دیوان دیکھا ہے۔

پنڈت رام جو دران کے فرزند تھے۔ بڑے عالم و فاضل اور مدبر اہل قلم تھے۔ یہ پہلے کشمیری ہیں جنہوں نے انگریزی کے علاوہ لاطینی اور فرانسیسی اور یونانی وغیرہ سے بھی واقفیت پیدا کی۔ محکمہ ابریشم، محکمہ جنگلات پرمٹ و آبکاری۔ محکمہ تعلیم اور محکمہ زراعت اور کئی اور محکموں کی باضابطہ بنیاد ڈالی۔ باپ کی وفات کے بعد کچھ عرصہ تک افسر داغ شال رہے۔ پھر وزیر وزارت اور آخر میں دیوان مال یعنی مشیر مال مقرر ہو گئے تھے۔ ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے اور بعمر ۳۵ سال ۱۸۸۳ء میں وفات پا گئے۔ اس وقت آپ کے فرزند داسہ کاک در بارہ تیرہ سال کی عمر کے تھے۔ وہ بعہدہ گورنر لداخ عالم شباب ہی میں خدمات سرکار انجام دیتے ہوئے لداخ ہی میں انتقال کر گئے۔

رائے صاحب پنڈت شیام سندر لال در اپنے باپ پنڈت داسہ کاک در کی وفات کے وقت صرف پانچ سال کے تھے۔ ۱۹۱۵ء میں جب کہ آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے بی اے پاس کر لیا۔ بحیثیت معتمد دربار جنگ عظیم میں جو خدمات آپ نے انجام دیں۔ سرکار انگلشیہ نے ان کے صلہ میں رائے صاحب کا خطاب عطا کیا۔ آپ اس وقت بحیثیت معتمد دربار یعنی (Director Visitor Bureau) گورنمنٹ جموں و کشمیر کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

چتر پنڈت کے فرزند کنول پنڈت کی اولاد تا پنڈت بلہ کاک در:

چتر پنڈت کے دوسرے بیٹے کا نام کنول پنڈت تھا جو اپنے یک جدی بھائیوں مہانند پنڈت در اور کیلاس پنڈت در کی سازش سے حاجی کریم خان داد خان بامزئی ناظم کشمیر کے زمانہ میں قتل ہو چکا تھا۔ گلاب جو نے جو کہ کنول پنڈت کا بڑا بھائی تھا کنول پنڈت کے فرزندوں یعنی اپنے بھتیجوں میرزا پنڈت و سہج رام در کی پرورش کی۔

پنڈت گلاب جو کے فرزند پنڈت بیربل در کے متعلق لکھا جاچکا ہے کہ وہ سردار محمد عظیم خان کے مظالم سے تنگ آکر اور ایک مختصر سی جماعت ہمراہ لے کر پنجاب چلا گیا تھا۔ جب سردار نے بیربل کے بھاگ جانے کی خبر سنی تو فوراً اس کے عمزاد بھائیوں پنڈت سہج رام در و میرزا پنڈت در کو بلوایا اور ان سے پوچھا ''بیربل کجا رفت'' میرزا پنڈت نے کہا۔ ''گریخیت'' سردار بولا کجا۔ جواب ملا گر از دنیا سیر شدہ باشد بہ گنگ رود۔ ورنہ سنکاں بر تو خواہد آورد۔ صوبیدار نے کہا۔ پس علاج چسیت۔ میرزا پنڈت نے کہا کشتن میرزا پنڈت۔

ان سوال و جواب کے بعد بیربل در کا عیال شاہی دربار میں طلب کیا گیا۔ بیربل کی بیوی نے گورنر کا حکم سنتے ہی اپنی انگوٹھی سے اماس چاٹ لیا۔ اور جب دربار میں آئی تو محمد عظیم خان سے کہا۔ ہمارے خاندان کی تباہی اور ہماری بے حرمتی اور ہماری موت حاکم کشمیر کے عیال واطفال اور اس کے مشیروں اور بالآخر افغان حکومت کی تباہی اور موت کا باعث ہوگی *۔ ابھی وہ اتنا کہہ ہی رہی تھی کہ الماس نے اپنا اثر دکھایا اور وہ دھڑام سے نیچے گر پڑی دیکھا تو اس کا روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ اس اچانک موت سے جس کے اصل سبب کا کسی کو علم نہ تھا۔ سب درباری حیران رہ گئے۔ راجہ کاک کی بیوی جو ابھی خورد سال تھی مسلمان بنالی گئی اور لاش میرزا پنڈت کے حوالے کر کے درخاندان کے باقی افراد کو نشاط باغ میں بطور شاہی قیدی نظر بند کر دیا گیا۔ افغانوں کا آخری دور جس میں متذکرہ صدر واقعات پیش آئے تھے عجب شاہی دور تھا۔ بیربل کی وساطت سے مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حملہ کر کے کشمیر سے اس اسلامی سلطنت کا جو قریباً پانچ سو سال سے وہاں قائم تھی خاتمہ کر دیا چونکہ سکھوں کی سلطنت درخاندان ہی کے ذریعہ قائم ہوئی تھی اس لیے سکھوں کے عہد میں اس خاندان کو بہت بڑا عروج حاصل رہا۔

سہج رام کے بیٹے گنیش پنڈت نے ۱۸۳۱ء میں مظفر آباد اور اوتر مچھی پورہ کے مسلمان فوج میں بھرتی کر کے سکردو کی فتح میں شہزادہ شیر سنگھ ناظم کشمیر (بعد میں مہاراجہ شیر سنگھ) کو جو مدد دی اس کے صلہ میں رآمو اور سیر جاگیر میں ملے۔

مہانند جو در نے مہاراجہ گلاب سنگھ اور مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں کامراج کی حکومت محکمہ ڈول جنس۔ داغ شال۔ محاسب اعلیٰ مہتمم بندوبستی۔ دیوان مال اور گورنری جموں کے فرائض بڑی قابلیت سے ادا کیے۔ جب ان کے والد گنیش پنڈت نے وفات پائی تو شیخ غلام محی

* جو الفاظ ہمیں بتائے گئے ہیں ہم نے بخوف طوالت صرف ان کا خلاصہ لکھ دیا ہے۔

الدین سکھوں کی طرف سے کشمیر کے گورنر تھے۔ چنانچہ خالصہ حکومت نے بعہد مہاراجہ شیر سنگھ گنیش
پنڈت کی جاگیر کے انتقال کا جوارشاد گورنر کے نام لکھا۔اس کی نقل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

بفضل سری اکال پور کھہ جی۔

مشیخت وشرافت پناہ خیر خواہ باصفا دیانت دار دولت عالیہ امین الملک شیخ غلام محی الدین
سرور باشند۔

چوں خیر اندیش گنیش پنڈت در سر گباشی شدہ لہٰذا بنام شما نفاذ حکم است۔ آنچہ موضع
سیر درکامراج و مورخہ راموہ در پتہ چھرات درجہ پنڈت مسطور بصلۂ خدمات جلیلہ فتوحات
سرحدات نسلاً بعد نسلاً از حضور عالی بیکلٹہ باشی بہ اُوعطیہ شدہ است۔ مے باید کہ مواضعات مذکور
درجہ پنڈت مہانند فرزند پنڈت مسطور برائے دوام واگذار۔ نوعے مداخلت نہ سازد۔ جانب عمل
خالصہ سرکار۔ تحریر۔ ۱۸ بھادوں ۱۸۹۸ بکرمی۔

مہانند در کے پانچ بیٹے تھے دولا ولد رہے۔ باقی تین میں سے پنڈت ست رام کا ایک
ہی صاحبزادہ ہے۔ سری کینٹھ نام ہے۔ پہلے سب رجسٹرار تھے۔ اس وقت ہائی کورٹ میں ہیڈ
اسسٹنٹ ہیں۔ پنڈت مادھولال کے دو فرزند تھے ایک عین عالم شباب میں انتقال کر گئے
دوسرے کا نام پنڈت امرناتھ درایم اے ہے۔ مہانند کے تیسرے فرزند کا نام پنڈت ودہ لال تھا
جو اپنے بڑے بھائی پنڈت زنہ کاک (لاولد) کے متبنیٰ بھی تھے۔ پنڈت زنہ کاک چونکہ خاندان
کے رکن اعظم تھے۔ اس لیے ان کی وفات کے بعد پنڈت ودہ لال ہی خاندان کے رکن اعظم اور
جاگیر دار مقرر ہوئے۔ پنڈت ودہ لال مختلف عہدوں کے بعد عرصہ دراز تک مہاراجہ پرتاب سنگھ
کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ جب ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کو بے اختیار کر دیا گیا۔
ایک معرکہ کا مقدمہ شروع ہو گیا جس کے مفصل حالات اس زمانہ میں کلکتہ کا مشہور اخبار امرتا بازار
پتر کا چھاپتا رہا*۔ اس مقدمہ کی پیروی پنڈت ودہ لال ہی کے سپرد تھی۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے
بے اختیار ہونے کی وجہ سے اس خاندان کو لاہور میں تین سال بحالت جلاوطنی بسر کرنے پڑے۔
جب مہاراجہ پرتاب سنگھ کو دوبارہ اختیارات ملے۔ تو یہ خاندان بھی کشمیر میں واپس آ گیا۔ پنڈت
ودہ لال پھر پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہو گئے اور عرصہ دراز تک اسی عہدہ پر رہ کر آخر مستعفی ہو گئے اور

* اسی مشہور مقدمہ کے حالات مسٹر ڈگبی نے ایک کتاب (Condemnedium heard) کی صورت
چھاپ دیئے تھے۔

بقیہ عمر خانگی کاروبار کی انجام دہی اور یاد الٰہی میں بسر کرتے رہے۔ فارسی زبان کے بہت اچھے شاعر تھے۔ طالع تخلص تھا اور واقعی خوش طالع تھے۔ بہار گلشن میں آپ کے اشعار درج ہیں۔

پنڈت بلہ کاک در پنڈت ودہ لال کے فرزند اس وقت جاگیردار ہیں۔ آپ نائب تحصیل دار، تحصیل دار، اسسٹنٹ مہتمم بندوبست۔ افسر خزانہ۔ سپیشل افسر کے عہدوں کی خدمات ادا کرنے کے بعد اس وقت وزیر وزارت ہیں۔ آپ نے بندوبست مظفر آباد کی رپورٹ بڑی محنت سے لکھی۔ شاملات جس سے اب مالکان دیہہ مستفیض ہو رہے ہیں اس کی ابتدائی رپورٹ آپ ہی نے لکھی تھی۔

پرائیویٹ حیثیت میں آپ سناتن دھرم سبھا اور ایسوسی ایشن علاقہ داران و جاگیرداران جموں و کشمیر کے پریذیڈنٹ ہیں۔ در خاندان کے ایک بزرگ پنڈت مہانند در کے متعلق شیخ سعدی کے ایک شعر کو جس قابلیت کے ساتھ محمد جان بیگ سامی نے تضمین کیا ہے وہ سابقہ سطور میں درج ہو چکا ہے۔ اسی شعر کو سری نگر کے ایک شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور ٹنگی کدل نے آپ کی شان میں بھی تضمین کیا ہے اور حق یہ ہے کہ بلحاظ شاعری خوب لکھا ہے۔ کہتے ہیں۔

اے سرِ سرداران عالی جاہ ! ‏ یادگار قبیلۂ درہا
آمدی باہزار جاہ و حشم ‏ ما فگندیم دررہت سرہا
از وجود گروہِ رہزناں ‏ بوداین سر زمیں پر از شرہا
جملہ غارت گران امن شکن ‏ شر پسندان وفتنہ پرورہا
آمدندآں ہمہ گرفتہ بکف ‏ تبر و تیغ و چوب و خنجر ہا
سوئے زنداں بحکم تو رفتند ‏ ایں ہمہ سارقان و لیڈر ہا
وقت تو خوش کہ وقت ماہم خوش ‏ کر دی اے دشمن ستم کرہا
گفت درباب جستن روزی ‏ سعدی آگاہ از مقدر ہا

رزق ہر چند بیگماں برسد
شرط عقل است جستن از درہا

میر د پنڈت کی شاخ خورد یعنی ٹمن پنڈت کی اولاد تا پنڈت مہاراج کشن در وغیرہ:

پنڈت بلہ کاک در کے تین صاحبزادے ہیں۔ شمیشر ناتھ۔ سری کرشن۔ بنسی لال۔ میر د پنڈت کے فرزند کلاں ٹمن پنڈت کی اولاد کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس کے دوسرے بھائی ٹمن پنڈت کی اولاد نے سیاسی معاملات میں بہت کم حصہ لیا ہے۔ ورنہ ان میں سے بھی چند ایک کا ذکر کشمیر کی تاریخوں میں ضرور ہوتا۔ ٹمن پنڈت کی تیسری پشت میں مادھو پنڈت ہوا ہے جس کی پانچویں پشت میں دو بھائی گلاب رائے در اور محبوب رائے نامور گزرے ہیں۔ گلاب رائے کے دو بیٹے تھے۔ ایک رام نرائن در جو لاہور چیف کورٹ (حال ہائی کورٹ) کے سب سے پہلے جج تھے۔ اور جن کے نام سے لاہوری دروازہ کے اندر اب بھی گلی رام نرائن مشہور ہے۔

ٹمن پنڈت کی تیسری چوتھی پشت میں روپہ بھوانی کے نام سے ایک زاہدہ و عابدہ عورت کشمیر میں گزری ہے۔ جس کا احترام نہ صرف در خاندان ہی کرتا ہے بلکہ کشمیر اور بالخصوص سری نگر کے تمام پنڈت اس کے استھان اور اس کے نام پر فخر کرتے ہیں۔

مادھو پنڈت سے جو ٹمن پنڈت کا پوتا تھا۔ آٹھویں پشت میں دامودر در کشمیر سے ہندوستان گیا اس کے پوتے پنڈت اقبال کشن در نے جو جواہر لال در کا بیٹا تھا ریاست کشمیر میں اکاؤنٹنٹ جنرل کی اسسٹنٹی حاصل کی۔ پنڈت مہاراج کشن در بی اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جو آج کل بارہ مولا میں وزیر وزارت ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔

در خاندان کے متفرق نامور معزز اصحاب:

غرض کشمیر کے قبیلہ در نے جن کے افراد کی تعداد بھی کشمیر کے دیگر پنڈت قبائل سے زیادہ ہوگی۔ کشمیر میں اور کشمیر سے باہر بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کیے ہیں پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی جو اودھ اخبار لکھنو کے برسوں تک ایڈیٹر رہے ہیں۔ اور جنہوں نے اپنی متعدد تصانیف بالخصوص فسانہ آزاد کی بدولت ہندوستان کی علمی دنیا میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا رکھا ہے اور پنڈت بشن نرائن در آبر تخلص بیرسٹرایٹ لا جو نیشنل کانگرس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ در خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اب بھی در خاندان میں پنڈت رگھونندن لعل ڈپٹی کلکٹر بنارس۔ رائے صاحب پنڈت جیون ناتھ اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل لکھنو۔ پنڈت بشن نرائن در سرکل انسپکٹر پولیس چھندواڑہ۔ پنڈت پران ناتھ دکھشنی در (سابق ڈی۔ ایف۔ او کشمیر) وغیرہ کئی اصحاب نہایت ذی عزت اور ممتاز عہدوں پر ہیں۔

باب دوم

کشمیر کی غیر برہمن اقوام

فصل اول

ڈوگرہ راجپوت

برہمن قوم جس کا مصدر برہمہ ہے۔ زمانہ قدیم میں صرف مذہبی کاموں کے لیے وقف تھی۔ اس زمانہ میں جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں کوئی راجہ عالمگیر سلطنت نہ رکھتا تھا۔ بلکہ گاؤں گاؤں میں علیحدہ راج تھا۔ اور جو ذرا زیادہ طاقت حاصل کر لیتا تھا وہ اپنے سے چھوٹے اور کم طاقت راجاؤں کو مطیع کر کے بڑا راجہ کہلاتا تھا۔ جو لوگ والیان ملک یا فوج کے افسر ہوتے تھے وہ ہندوؤں کی دوسری قوم کشتری یا چھتری سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی قوم اپنے ملک کو غیر ملک کے حملہ آوروں سے بچانے کی ذمہ دار تھی۔ اسی قوم کے لوگ فوجوں میں بھرتی ہو کر بیرونی حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے تھے اور ملک کے اندر بھی جنگی طاقت کے یہی مالک تھے۔

تاریخ راجور میں لکھا ہے کہ چھتری اصل لفظ شتری ہے جس کے معنی ہتھیار بند ہیں یا حسب لغت چھت معنی زخم دتری بمعنی محافظ یعنی چھتری وہ لوگ ہیں جو رعایا کو زخموں سے بچاتے ہیں۔ چھتری یا کشتری لفظ کا اطلاق عمومیت رکھتا تھا۔ یعنی راجے ہوں یا افسر یا فوج کے سپاہی قومیت کے لحاظ سے سب چھتری کہلاتے تھے ان میں چھوٹے بڑے کا امتیاز اور شاہی اولاد کا افتخار قائم رکھنے کے لیے راجپوت کا لفظ وضع کیا گیا۔

راجپوت ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی اور ہندوؤں میں ہوں یا مسلمانوں میں۔ یہ ایک معزز گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ پنجاب میں یہ قوم ہوشیار پور۔ کانگڑہ اور شملہ کے اضلاع اور جموں کے صوبہ میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ اور ڈوگرہ راجپوت کہلاتی ہے۔ آج سے قریباً چوتھائی صدی پیشتر ان سب کو میاں * کہتے تھے۔ مگر اب عام طور پر یہ لوگ ٹھاکر کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

* ضلع کانگڑہ میں ابھی تک میاں لفظ کا وجود موجود ہے۔ راجپوت راجاؤں کے متعلقین میاں کے لفظ ہی سے مشہور ہیں۔

یہ لوگ بالعموم بہادر محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی افواج میں ڈوگرہ راجپوتوں کی جو سب کے سب ہندو ہیں کثرت ہے۔ موجودہ مہاراجہ بہادر کو ڈوگرہ راجپوتوں کی ترقی وفلاح کا خاص طور پر خیال ہے۔ چنانچہ جموں میں جو ملٹری سکول چند سال سے کھلا ہوا ہے اور جہاں فوجی ٹریننگ حاصل کرنے والے ہر امیدوار کو معقول وظیفہ ملتا ہے اس میں ہندو راجپوتوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں جوڈیشنل۔ مال۔ فارسٹ۔ پولیس وغیرہ محکمہ جات میں راجپوتوں کی خاص طور پر قدر افزائی ہوتی رہتی ہے۔ اور اس وقت ریاست کا جو فنانس منسٹر ہے وہ بھی ڈوگرہ راجپوت ہی ہے۔

راجپوتوں میں یہ بد رسم عرصہ سے جاری تھی کہ اپنی نوزائیدہ لڑکیوں کو کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیا کرتے تھے۔ یا ان کی تعلیم وتربیت اور علالت میں ان سے لاپروائی کا سلوک روا رکھتے تھے۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر موجودہ فرمانروا نے ڈوگرہ راجپوتوں سے یہ بد رسم ترک کرانے کے لیے چند سال سے یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب کسی راجپوت کی گھر کوئی لڑکی پیدا ہو تو اس کے نام اسی دن سے ایک ایکڑ زمین بطور عطیہ سرکار لکھ دی جائے۔

جموں کے ایک راجپوت لیڈر کے بیان کے مطابق ریاست کے راجپوتوں میں دختر کشی کی قبیح رسم ابھی تک موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ صوبہ جموں کے راجپوت حلقوں میں ستر (۷۰) فی صدیا اس سے بھی زیادہ گھروں میں کوئی لڑکی نہیں۔ اور اگر ہوتی ہے تو زندہ دبا دی جاتی ہے۔

احمد شاہ ابدالی* ۱۷۶۲ء مطابق ۱۱۷۵ھ میں جب لاہور آیا تو اس نے اپنے ناظم راسکھ جیون مل کی خودسری و بغاوت اور اس کے مدار المہام پنڈت مہانند در کی بے اعتدالیوں مفصل کیفیت سنی۔ اسی وقت نورالدین خان بامزیئی کو پچاس ہزار فوج دے کر اس کی گوشمالی۔ لیے روانہ کیا۔ اور راجہ رنجیت دیو والئی جموں کو لکھا کہ وہ بھی اس کی اعانت کر کے سکھ جیون مل۔ فتنہ کو دور کرے۔

راجہ رنجیت دیو کی ڈوگرہ فوج اور نورالدین خان کی افغان فوج ۷ ذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو اوڈر کے کریوہ پر جا پہنچی۔ سکھ جیون مل بھی ساٹھ ہزار فوج لیکر مقابلہ کو نکلا لیکن جب اس کی فو. افسر بخت مل افغانوں کے ساتھ جاملا تو راجہ بے حوصلہ ہو کر بھاگ گیا۔ مگر کسی آسیاہان نے گر

* عہد حکومت کشمیر ۱۹ سال ۲ ماہ ۲۷ یوم از ۱۷۵۳ لغایت ۱۷۷۲ء

کرادیا۔نورالدین خان نے اس کی آنکھیں نکلوا کر اور اندھا کر کے بادشاہ کے پاس بھجوادیا۔ بادشاہ نے اس کو ہاتھی کے پاؤں تلے ڈال کر مرواڈالا۔

راجہ رنجیت دیو نے اس جنگ میں بادشاہ کو جو مدد دی تھی اس کے صلہ میں بادشاہ نے راجہ کو نسلاً بعد نسلاً کشمیر سے ساٹھ ہزار خردار شالی عطا کیے جانے کا فرمان لکھ دیا۔ یہ شالی یا اس کی قیمت سکھوں کے عہد تک جموں کے راجگان کو برابر ملتی رہی۔ چونکہ یہ جنسی جاگیر تھی اس لیے کوئی ڈوگرہ نہ صرف درانیوں کے عہد حکومت بلکہ سکھوں کے زمانہ تک بھی کشمیر میں آباد نہ ہوسکا۔

جب ۱۸۴۶ء کے عہد نامہ امرتسر کے مطابق کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں آگیا تو اس نے جیسا کہ ہر نئی حکومت کا قاعدہ ہوتا ہے۔سابقہ حکمران قوم یعنی سکھ حکومت کے رعب و دبدبہ کو نابود کرنے کے لیے راجپوتوں کو کشمیر میں آباد کرنا شروع کیا۔اور چونکہ کولگام کا علاقہ حدود جموں سے نزدیک تھا اس لیے پرگنہ دیوسر میں ان کو چھوٹی چھوٹی جاگیریں دے کر آباد کیا گیا۔اس زمانہ میں ڈوگرہ راجپوتوں کو لفظ ٹھاکر سے چنداں اُنس نہ تھا نہ راجپوت ہی اس لفظ کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتے تھے اور نہ ڈوگرہ فرمانروا ہی اس کو کوئی اہمیت دیتے تھے۔چنانچہ ولی عہد ریاست کو سرکاری کاغذات میں میاں لکھا جاتا تھا جیسے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ولی عہد میاں رنبیر سنگھ جو بعد میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کہلائے اور ڈوگرہ راجپوتوں کو عوام اور سرکاری کاغذات میاں قوم کہتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ میں جو ریاست نے سرکاری طور پر چھاپی ہے۔ڈوگرہ راجپوتوں کو میاں قوم ہی لکھا گیا ہے۔

غرض میاں قوم جو آج ۱۹۳۴ء میں سب کی سب ٹھاکر کہلا رہی ہے۔ عطائے جاگیرات کی بدولت کشمیر میں آباد ہے۔اور اس کی اکثریت کولگام کی تحصیل اور اننت ناگ کے علاقہ میں ہے۔حال ہی میں مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر موجودہ فرمانروائے جموں و کشمیر نے چند اور ڈوگرہ راجپوتوں کو کشمیر میں جاگیریں دے کر ان کی طاقت میں اضافہ کردیا ہے ان میں ایک جاگیر دار تو جونیر مہارانی صاحبہ کے والد ٹھاکر بیلی چند ہیں اور ایک جاگیردار راؤ بہادر ٹھاکر کرتار سنگھ فنانس منسٹر ہیں جن کو سوپور کے متصل موضع وارہ پورہ و دو آبگاہ میں قریباً چار ہزار روپے سالانہ کی جاگیر عطا ہوئی۔اور غالباً شمالی کشمیر میں ٹھاکر کرتار سنگھ سب سے پہلے ڈوگرہ راجپوت جاگیردار ہیں۔

ٹھاکر کرتار سنگھ جموال خاندان سوہل والہ سے ہیں۔سوہل کسی گاؤں کا نام نہیں ہے بلکہ

یہ نام سولہ گاؤں اور سولہ ہزار کی جاگیر کی وجہ سے پڑ گیا ہے۔ ٹھاکر کرتار سنگھ جموال خاندا
مشہور راجہ چندن دیو (مہاراجہ رنجیت دیو کے سپہ سالار) کی چھٹی پشت میں ہیں۔ آپ کے
جرنیل پنجاب سنگھ نے مہاراجہ پرتاب سنگھ سے پرانا قلعہ گڑھی لے کر وہاں جدید مکانا
کرائے اور جاگیر کو وسعت دی۔ ٹھاکر کرتار سنگھ پہلے پہل ایک سب رجسٹرار کی حیثیت
سرکاری ملازمت میں آئے۔ آج کل ریاست کے وزیر خزانہ ہیں۔ گورنمنٹ ہند نے آپ
بہادر کا خطاب دیا ہے۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے بصلہ حسن خدمات جاگیر ہی نہیں دی
تعظیمی سردار بھی بنایا ہے۔ قومی حیثیت سے آپ عرصہ تک راجپوت امر سبھا جموں کے سیکرٹر
پریذیڈنٹ رہے ہیں۔

خاندان جموال سوہل والہ کے ایک اور معزز رکن ٹھاکر پورن سنگھ کشمیر میں چار ہزا
جاگیردار ہیں۔ جو ٹھاکر کرتار سنگھ کے والد جرنیل پنجاب سنگھ کے بھائی ٹھاکر اوتم سنگھ کے
اور جرنیل جگت سنگھ کے متبنیٰ ہیں۔ مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کے راج تلک کی رسم ٹھاکر پورا
کے ہاتھ سے ہی ادا ہوئی تھی۔ مہاراجہ نے ان کو نسلاً بعد نسلاً تعظیمی سردار کا اعزاز اور جا
روپیہ کے دو گاؤں کشمیر میں عطا کیے ہیں۔

علاوہ ازیں جنرل کھجور سنگھ اور کرنل ہوشیار سنگھ بھی کشمیر کے نامور ڈوگرہ راجپوت
داروں میں ہیں۔

ڈوگرہ راجپوتوں کی سب سے بڑی دو شاخیں ہیں ایک شاخ جیکاریہ راجپوت
ہے۔ جیکاریہ راجپوت ہل نہیں چلاتے۔ وہ بوقت ملاقات آپس میں دعا سلام کے لیے
دیو ابولتے ہیں۔ لیکن اگر سلامیہ راجپوتوں نے ان کی ملاقات ہو جائے تو ان کو جے دیو کے
میں رام رام بولتے ہیں۔

سلامیہ راجپوت وہ ہے جو ہل چلاتا ہے اور اپنے ہاتھ سے زراعت کا کام کر
ڈوگرہ راجپوت ہل چلانے کو نحس کام تصور کرتے ہیں۔ لیکن اب زمانہ کی ضرورتوں کے مد
خیال مٹتا جارہا ہے۔ سلامیہ راجپوت آپس میں ملاقات کے وقت جے دیو نہیں کہتے بلکہ
بولتے ہیں۔ گو جیکاریہ اور سلامیہ راجپوتوں کا حسب نسب ایک ہی ہے لیکن جیکاریہ جوا
کو دوسرے راجپوتوں سے بلند مرتبت سمجھتے ہیں۔ سلامیہ راجپوتوں کی لڑکیاں لے لیتے ہ

ان کو دیتے نہیں ہیں۔اسی بنا پر سلامیہ راجپوتوں کو اکہرہ یعنی یک طرفہ راجپوت بھی کہتے ہیں۔

ڈوگرہ راجپوتوں میں فرقہ جموال سب سے زیادہ مشہور اور مقتدر ہے۔ یہ خاندان سورج بنسی ہے اور سری رام چندر جی کے بیٹے کش سے بتایا جا رہا ہے۔تواریخ راجپوتان پنجاب جلد اول مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلادریہ میں لکھا ہے کہ راجہ اگنی برن جو راجہ اجودھیا کا چھوٹا بھائی تھا فقیر بن کر اور اگنی گر نام رکھ کر کانگڑہ سے ہوتا ہوا کھٹوعہ کے نواح میں آیا۔ وہاں اس وقت طوائف الملو کی دیکھ کر شاہی ولولہ نے پھر حرارت پیدا کی۔اور چند دیہات پر قبضہ کر کے اس نے اپنی ایک علیحدہ ریاست بنالی۔ اس کی چھٹی پشت میں اگن گرپ دوم پیدا۔جس کے ۱۸ بیٹوں میں جن میں سے ہر ایک کے نام کے آخر لوچن کا لفظ آتا تھا۔ باہو لوچن بڑا ہونے کی وجہ سے وارث بنا۔اور اس نے توی کے کنارے قلعہ اور شہر آباد کر کے اس کا نام ماہو رکھا۔راجہ پنجاب کے ساتھ جب وہ ایک لڑائی میں لاولد مارا گیا تو اس کا چھوٹا بھائی جامبولوچن گدی پر بیٹھا شہر جموں اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔جموں وکشمیر کا شاہی خاندان جو جموں میں رہنے کی وجہ سے جموال کہلاتا ہے۔اسی کی نسل سے ہے۔اس خاندان کی تین قسمیں ہیں اور وہ درجہ اول کی راجپوت کہلاتی ہیں۔

راجپوت درجہ اول:

جموال خاندان جموں وکشمیر کی حدود میں درجہ اول کا خاندان ہے۔اس کی تین شاخیں ہیں۔جبروٹیہ۔منگوٹیہ۔اور جموال۔ان تینوں فرقوں کی پھر اور کئی شاخیں ہیں جن کی تفصیل ٹھاکر کاہن سنگھ بلادریہ کی تاریخ راجپوتان پنجاب سے معلوم ہوسکتی ہے۔ یہاں ان کی توضیح بے محل ہے۔

راجپوت درجہ دوم:

منہاس[1] انبارائی[2] چب[3] چرال[4] بہاؤ[5] اور چند اور راجپوت درجہ دوم میں شمار کیے

---

[1] راجہ جوگ راج والئی ملک جموں کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ملن ہنس یا من پرکاش دوسرا سورج ہنس۔ملن ہنس کے متعلق ایک روایت ہے کہ اس کی اولاد نے راج کرنے سے انکار کر دیا اور ہل پکڑ لیا۔دوسری روایت یہ ہے کہ خاندان جموال میں ہل چلانا منع ہے اس لیے ملن ہنس اور اس کی اولاد سے جس جس نے ہل چلایا وہ منہاس مشہور ہوگیا۔ مہاراجہ سر ہری سنگھ والئی جموں وکشمیر جوگ راج سے ۳۷ویں پشت میں ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جاتے ہیں۔اور یہ سب آپس ہی میں شادی بیاہ کرتے ہیں۔

جپ راجپوتوں کی تعداد ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق ہندوؤں میں ۴۸۶۵ او
مسلمانوں میں ۶۸۹۱ اور کل ۵۶ ۱۱۷ تھی۔۱۹۳۱ء میں مردم شماری میں ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	4304	3201	7505
			9033
مسلمان	4565	4468	16538

بہ الفاظ دیگر چالیس سال کے عرصہ میں ہندو جپ راجپوتوں میں ۲۶۴۰ اور مسلمان
جپ راجپوتوں میں ۲۱۴۲ اور کل تعداد میں ۴۷۸۲ نفوس کا اضافہ ہے۔

جرال راجپوتوں کی کل تعداد ۱۲۴۸۵ ہے۔جن کی تفصیل فرقہ وار حسب ذیل ہے۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ

۲ یہ قوم چندر بنسی پنوار یا پرمار قوم کی ایک شاخ ہے۔مہاراجہ بھوج اسی خاندان سے تھے۔خاندان ابنار ایان کا مورث اعلیٰ وہارانگری سے آکر اکھنور میں آباد ہوا۔راجہ رنجیت دیو والئی جموں کے عہد میں اس خاندان کا آخری راجہ بجے پال تھا۔یہ خاندان اکھنوریہ بھی مشہور ہے۔ابندان گاؤں میں اس کی رہائش ہے۔از تاریخ راجپوتان پنجاب صفحہ ۸۰۵

۳ راجہ میگ چند والئی کانگڑہ کے چار فرزندوں میں ایک کا نام پرتاب چند تھا۔یہ اپنے وطن سے باہر نکل کر جہلم کے قریب آیا اور یہاں اس نے چند گاؤں اپنے قبضہ میں کر لیے اس کے دو بیٹے جپ چند اور کھڑک چند تھے۔جپ چند نے بڑا تھا بمقام بھمبر اپنی راجدہانی قائم کی۔اسی کے نام پر علاقہ کا نام چبال اور اس کی اولاد کا نام جپ مشہور ہو گیا کھڑک چند نے کھڑی آباد کیا جو کھڑی کڑیالی کے نام سے موسوم ہے۔اکبر اور اس کے بعد مغل بادشاہوں کے زمانہ میں ان کی اولاد کا کثیر حصہ مسلمان ہو گیا۔از تاریخ راجپوتان صفحہ ۴۹۴

۴ رانا بھیٹ بانئ خاندان پٹھانیہ اٹھارہ بھائی تھے۔ہر بھائی علیحدہ علیحدہ قوم کا بانی ہوا۔جرا ستراھوں بھائی تھا۔جرال راجپوت اسی کے نام سے مشہور ہیں یہ مسلمان ہو گئے تھے۔راجوری میں کئی سو سال تک ان کی حکومت رہی۔اب بھی تھنہ دراجوری اور رہلو اور روز یر آباد میں ان کی آبادی کافی تعداد میں موجود ہے۔

۵ ٹھاکر کاہن سنگھ بلاور یہ مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب نے راجہ بہاؤ دیو کو راجہ دیا کرن جموال والئی کشمیر کی اولاد ظاہر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے محل رینہ داری میں تھے لیکن کشمیر کی کوئی قدیم وجدید تاریخ دیا کرن کی اولاد بہاؤ کے نام کی تصدیق نہیں کرتی۔اسی راجہ کے نام پر بہاؤ راجپوت مشہور ہیں ان کی کثیر تعداد ہل چلانے کی وجہ سے اکثر راجپوت سمجھی جاتی ہے۔لیکن جو برادری ان میں ہل نہیں چلاتی وہ جیسکار یہ ہی سمجھی جاتی ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	459	399	
مسلمان	6141	5486	12485

منہاس راجپوتوں کی کل تعداد ۱۸۷۴۲ ہے تفصیل حسب ذیل ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	5900	4160	
مسلمان	4415	4267	18742

راجپوت درجہ سوم:

یہ لوگ اپنی لڑکیاں راجپوتان درجہ اول و دوم کو دیتے ہیں لیکن ان سے لے نہیں سکتے۔ البتہ درجہ چہارم کی لڑکیاں ان کے گھروں میں آباد ہو سکتی ہیں۔ ان کی شاخیں حسب ذیل ہیں۔

رکوال ۔سلہریہ۔ چاہڑک۔ باگل۔ بجیال۔ چوہدریاں کھٹوعہ۔ پٹرول ۔ جاج یا جج۔

چاہڑک قوم کے متعلق رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں لکھا ہے کہ اس فرقہ کا مورث اعلیٰ چابک سواری کا کام کرتا تھا۔ اس سے اس کا اور اس کی اولاد کا نام چاڑک مشہور ہو گیا۔ لیکن ٹھاکر کاہن سنگھ بلاوریہ کو جنہوں نے راجپوت اقوام کے تفصیلی حالات لکھے ہیں ۔ راجپوت قوم کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ راجہ سورج بنس جموال (۲۶۴ بکرمی) نے منت مانی تھی کہ اگر اس کے دو بیٹے ہوئے تو ایک مندر میں چڑھا دیا جائے گا۔ چنانچہ خدا نے اس کو دو ہی بیٹے دیئے ۔ بڑا بیٹا گنگادھر ولی عہد بنا۔ اور چھوٹا بیٹا سوجلا دھر قلعہ باہو میں بھگوتی کالکا کے مندر میں بطور منت چڑھا دیا گیا۔ اس لڑکے کو عوام چاہڑک یعنی چڑھایا ہوا کہتے تھے۔ اس کی اولاد بھی چاہڑک کے نام ہی سے موسوم ہے۔

اس فرقہ کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۲۱۶۳ تھی ۔۱۹۳۳ء میں حسب ذیل ہے۔

۱۹۷۵ مرد ۔۱۳۹۹ عورت ۔کل ۳۳۷۴ ۔ یہ لوگ سورج بنسی راجپوت ہیں۔ اور عمدہ کاشتکار ہیں۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کی مہارانی جو اس وقت بقید حیات ہے۔ چاہڑک خاندان کی وجہ سے مہارانی چاہڑک کہلاتی ہے۔ چوہدری چتر سنگھ سابق گورنر جموں مہارانی چاہڑک کے بھائی

ہیں۔مسلمان کوئی چاہڑک نہیں ہے۔

سلہریہ راجپوتوں میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی ۱۹۳۳ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد بہ تفصیل ذیل ۹۹۹۶ ہے۔

	مرد	عورت	
ہندو	1093	742	
مسلمان	4709	3452	9996

یہ خاندان چندر بنسی پٹھانیہ راجپوتوں کی ایک شاخ ہے راجہ جسپال (۳۷۰ بکرمی) کے پانچویں بیٹے کا نام سیسو تھا۔اس کی اولاد سلاہر * ضلع گورداسپور میں رہنے کی وجہ سے سلاریہ؛ سلہریہ مشہور ہوگئی۔جو سلہریہ تحصیل نور پور کے موضع نواں شہر میں رہتے ہیں۔وہ نوشہریہ اور جو اسی تحصیل کے موضع بٹی میں رہتے ہیں۔وہ بٹیال کے نام سے مشہور ہیں۔ان کی کثیر تعداد مسلمان ہوگئی ہے۔ضلع جموں میں بھی ان کی کافی آبادی ہے۔

جج راجپوتوں کا خاندان راجگان چینی کی ایک شاخ ہے۔یہ قوم اپنے بزرگ جج چند کے نام پر جج کہلائی۔اس کی تعداد بہت تھوڑی ہے اور جس قدر ہے تحصیل اودہم پور میں ہے۔باگل یا باغل راجپوت۔مسلمان بھی ہیں اور ہندو بھی۔بگلہ میں رہنے کی وجہ سے باگل مشہور ہوگئے۔

راجپوت درجہ چہارم:

یہ لوگ اپنی لڑکیاں راجپوتان درجہ سوم کو دیتے ہیں۔اور سوائے ٹھکروں کے جو درجہ پنجم کے نیم راجپوت کہلاتے ہیں کسی اور راجپوت سے لڑکیاں نہیں لے سکتے۔آپس میں بھی بیاہ شادی کر لیتے ہیں۔ان کی ذاتیں حسب ذیل ہیں۔

مانڈل۔رسیال۔کرتار کھتری۔سمسال۔چگی۔ملوترے۔کٹال بھلوال۔ہنس۔بجو۔ بموال۔گورے۔سروچ۔

رسیال اور بلوال خاندان بھی راجہ اگنی برن دوم کی اولاد ہی سے ہیں۔ان میں بجے د

---

* تاریخ راجپوتاں پنجاب مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ

(بانی بجالتہ گاؤں) کے تین بیٹوں سس پال۔ ڈی پال اور رسپال کے نام علیحدہ علیحدہ قبیلے ہوئے ہیں۔ سسپال سے بوجہ رہائش بجالتہ بجیال اور رسپال (بانی ریاسی) سے رسیال اور ڈیپال کے پوتے بلو (بانی بلوالتہ عرف اودھم پور) سے بلوالتہ کے نام پر بلوال خاندان نے شہرت پائی۔

راجپوت درجہ پنجم:

جن کو ٹھکر کہتے ہیں۔ راجپوتان درجہ چہارم کو لڑکیاں دیتے ہیں اور باہمد گر بھی شادی کر لیتے ہیں۔ ان میں چادر ڈالنے کی رسم یعنی طریقہ بیوگان رائج ہے۔ یہ لوگ زنار بندی کرتے ہیں اور اس لحاظ سے کہ بعض اور اقوام بھی ان میں خلط ملط ہوگئی ہیں اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ راجپوت بھی ان کو لڑکی نہیں دیتا۔ ان کو راجپوت کہنا مشکل ہے۔ بلکہ یہ ایک علیحدہ قوم شمار ہوتی ہے۔ جو راجپوتوں سے بہت کمتر اور جاٹوں اور گجروں سے افضل سمجھی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا خیالات جو ۱۸۹۱ء کی رپورٹ مردم شماری کے صفحات ۱۵۷، ۱۵۸ پر ظاہر کیے گئے ہیں۔ آج سے ۴۲ سال اور اس سے قبل کے ہیں لیکن اب بعض سیاسی مصلحتوں نے ہندوؤں میں سوشل اصلاحات نے انقلاب عظیم پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ شادی بیوگان جس کا صرف مسلمانوں میں رواج تھا۔ اب کشمیر میں ناپسندیدہ نہیں سمجھی جاتی۔ اور گو ابھی اس پر زیادہ عمل نہیں ہوتا تاہم مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح ٹھکر جو اعلیٰ درجہ کے راجپوتوں کے نزدیک ایک قسم کے ادنیٰ خدمتگار سمجھے جاتے تھے بلکہ جس کو ادنیٰ درجہ کے راجپوت بھی لڑکیاں دینا کسر شان سمجھتے تھے۔ اب ۱۹۳۲ء کے ایک شاہی اعلان کے بموجب ٹھاکروں یعنی راجپوتوں میں شمار کر لیے گئے ہیں۔ ۱۸۹۱ء میں ہندو ٹھکروں کی تعداد ۱۰۹۹۱۲ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد سوا لاکھ کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اب ٹھکروں سمیت ڈوگرہ راجپوتوں کی تعداد دو لاکھ کے قریب ہوگئی ہے۔ ٹھکروں کی مشہور ذاتیں حسب ذیل ہیں۔

دانگری۔ بجئی۔ گنگی۔ سلہوترے (سلہوڑ کے کراڑ کھتری) جریال۔ کول۔ لال۔ چولن پال۔ مگوترے۔ آگری۔ گلاس۔ بھگو۔ ناڑ۔ لدٹھکر۔ جاگیر چینی میں زیادہ ہیں۔ کہتے ہیں ان کے مورث اعلیٰ نے چینی میں ایک نالہ کی گزرگاہ میں زراعت کے لیے کوئی زمین ڈھونڈھ نکالی تھی۔ پانا یا حاصل کرنا لد کے معنوں میں اس طرف مستعمل ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے نام پر اس کی اولاد کا نام ہی لد مشہور ہوگیا۔

چولن پال ٹھکروں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک بیکس حاملہ عورت نے جو باہر سے جموں میں آئی تھی۔ کسی جگہ ایک چولہا بنایا۔ اس کے فوراً بعد اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا چولہا یعنی دیگ دان کے نام پر چولن پال رکھا گیا۔

ناڑ فرقہ کا مورث اعلیٰ ایک جاہل سا شخص تھا۔ اس کو ناڑی کہتے تھے اس سے اس کا نام ہی ناڑ ہو گیا اور اس کی اولاد بھی اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ ٹھکر بالعموم کاشتکار اور زراعت پیشہ ہیں۔ مسلمان ٹھکروں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۱۳۹۰۸ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۴۲ سال کی مدت نے اس تعداد میں تقریباً بہت سا اضافہ کر دیا ہوگا۔

راجپوتوں کی زیادہ تعداد صوبہ جموں ہی میں ہے۔ کشمیر میں ان کی تعداد سرحدی اضلاع سمیت ۱۹۱۱ء میں صرف ۱۰۸۹ تھی۔ ۱۹۱۱ء کے بعد دو اور مردم شماریاں ہو چکی ہیں۔ ممکن ہے اب ہندو راجپوتوں کی تعداد صوبہ کشمیری میں ڈیڑھ ہزار تک ہوگئی ہے۔ افسوس ہے صحیح اعداد و شمار نہیں مل سکے۔

سر والٹر لارنس نے راجپوتان کشمیر کے متعلق جو کچھ اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں لکھا ہے سالہا سال گزر جانے کے بعد ابھی تک اس میں تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کچھ عرصہ سے یہ لوگ سست سے ہو رہے ہیں۔ اور اس کاہلی نے ان کے اخلاق اور ان کی صورت و سیرت پر بھی نمایاں اثر ڈالا ہے۔ صوبہ جموں کے ڈوگرے اور علاقہ دیوسر کشمیر کے راجپوت ایک ہی نسل سے ہونے کے باوجود بہت بڑا فرق رکھتے ہیں۔ یہ کشمیری راجپوت جن کو کشمیر میں رہتے ہوئے قریباً ستر (۱۹۳۴ء میں ۷۶) سال ہو چکے ہیں۔ کشمیر کی سردی کو ایسا ہی محسوس کرتے ہیں جیسا کہ خود اہل کشمیر۔ کانگڑی ان کو ویسی ہی عزیز ہے جیسی کشمیریوں کو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کو اب انہوں نے مستقل وطن بنا لیا ہے۔ ان کے مکانات بھی کشمیری مکانات کے نمونہ پر ہوتے ہیں۔ پردہ کا رواج ان میں سختی سے ہے۔ تعلیم کی ان میں بہت کمی ہے اور چونکہ تعلیم نہیں ہے یا کم ہے اس لیے ان میں اور بھی بہت سی سوشل برائیاں ہیں۔

کشمیر کے ڈوگرے راجپوت گھروں میں پنجابی اور ڈوگری زبان بولتے ہیں اور کشمیریوں سے گفتگو کے وقت کشمیری زبان استعمال کرتے ہیں۔ لباس ان کا ڈوگرہ (چست پاجامہ) ہے۔

☆☆☆

فصل دوم

سکھ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ۱۸۱۹ء یعنی سکھوں کے حملہ کشمیر سے پیشتر کشمیر میں کوئی سکھ نہ تھا لیکن تاریخ اور واقعات اس کی تردید کرتے ہیں جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں ۱۷۵۱ء، ۱۷۶۲ء کے مابین راجہ سکھ جیون لال کشمیر کا گورنر تھا پہلے تو وہ افغان بادشاہوں کی متابعت کرتا رہا لیکن جب ۱۷۵۷ء میں پنڈت مہانند جو اس کا مدارالمہام بنا تو گورنر نے خودسری بلکہ خودمختاری اختیار کرنے کے لیے پنجاب کے علاقہ پوٹھوہار اور کوہستان ملحقہ سے پنجابی برہمنوں کو کشمیر میں بلوا کر فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ ان برہمنوں میں سکھ اور کئی غیر سکھ تھے مسلمان ان ایام میں سخت اذیت و مصیبت کی زندگی بسر کرتے تھے ایک بلخی شہزادہ راجہ سکھ جیون کے زیرسایہ سری نگر میں اپنی جماعت کے ہمراہ زندگی بسر کررہا تھا اس کو بھی راجہ سے شکایات ہونے لگیں۔ چنانچہ ایک دفعہ شہزادہ اپنے چند ہمراہیوں سمیت راجہ کے پاس خلوت میں تھا کہ اس نے چھری کے وار سے راجہ کو زخمی کر دیا۔ اسی اثنا میں اتفاق سے راجہ کے چند سکھ سپاہی آ گئے انہوں نے یہ کیفیت دیکھ کر شہزادہ اور اس کے ہمراہیوں کو وہیں قتل کر دیا اور زالڈگر (نواب بازار) سے پاندان تک تباہی مچادی۔

۱۷۸۱ء میں حاجی کریم داد خان کشمیر کا گورنر تھا اس کی فوج کا ایک افسر کا نام سردار دیوان سنگھ تھا۔ بہادر خان کھکھ کے مقابلہ میں حاجی کریم داد خان نے جو فوج بھیجی تھی اس کا افسر دیوان سنگھ ہی تھا جو اس جنگ میں مارا گیا تھا۔

افغانی عہد میں کشمیری پنڈتوں کی طرح سکھوں کو بھی بڑا عروج رہا ہے۔ فوجوں کے علاوہ ملک کے نظم ونسق میں بھی ان کا بڑا دخل تھا۔ جب نورالدین خان بامزئی گورنر کشمیر کو ۱۷۶۶ء میں بادشاہ نے کابل میں بلوا بھیجا تو اس نے انتظام حکومت کے لیے دو آدمیوں کی ایک کونسل بنائی جن میں ایک اس کا بھانجا جان محمد خان تھا اور دوسرا سردار گورکھ سنگھ تھا جس کی

قابلیت پر گورنر کو بڑا اعتماد تھا۔

اس کے بعد سکھوں کا نام تاریخ کشمیر میں ۱۸۱۹ء میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حملہ کیا اور افغانوں کو شکست دی ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں پنجابی برہمنوں اور پنجابی سکھوں کو جو فوج یا دوسرے محکموں میں ملازم تھے نقدی کی بجائے تنخواہ جنس میں ملا کرتی تھی۔ جب سکھوں کے زمانہ میں پنجابی برہمنوں نے جو عموماً قوم پال اور دت، بالی قوم سے تھے۔ سکھ مذہب قبول کر لیا تو جنس میں تنخواہ لینے کی رعایت سے یہ سب جنسی سکھ کہلانے لگے۔ ان کا اصل وطن راولپنڈی اور جہلم کے اضلاع میں ہے۔ ان کی آبادی کشمیر میں زیادہ تر پرگنہ تراں۔ حمل۔ کروہن۔ مٹن اور بڈگام میں پائی جاتی ہے۔

جنسی سکھوں کے متعلق لارنس صاحب نے خوب تحقیقات کی ہے وہ کہتے ہیں۔ پنجاب کے یہ سکھ برہمن جن کو کشمیر میں رہتے ہوئے ایک صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اپنے بالوں کی آراستگی کی باعث کشمیر کے برہمنوں سے بہت جلد پہچان لیے جاتے ہیں۔ نیز ان کا کشمیری لہجہ بھی ایسا صاف اور عام نہیں ہے جیسا کشمیری پنڈتوں کا ہے۔

کشمیر کا سکھ جنسی ہے یا غیر جنسی وہ بالعموم زمیندار ہے لیکن لارنس صاحب لکھتے ہیں وہ اور فصلیں تو اچھی پیدا کر لیتے ہیں۔ مگر عمدہ چاولوں کے پیدا کرنے میں کشمیری زمینداروں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کشمیر کا سکھ سکھوں کی حکومت کے زمانہ اور اس سے قبل افغانی عہد میں ایک مقتدر قوم کا ایک فرد تھا افغان حاکموں اور سکھ حکومت کے ناظموں کے زمانہ میں وہ فوج کا ایک ضروری جزو سمجھا جاتا تھا لیکن ڈوگرہ عہد حکومت میں اس کی حیثیت ایک مزدور یا چپڑاسی سے زیادہ نہیں دیکھی گئی۔ راقم الحروف نے خود دیہاتی سکھوں کو سرخ پگڑیاں باندھے سڑکوں پر روڑی کوٹتے اور پنڈتوں اور پنجابی ہندوؤں کے ہاں برتن صاف کرتے دیکھا ہے اور اب بھی جہلم ویلی روڈ پر اس کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ مگر اب کچھ عرصہ سے تعلیم کی بدولت سکھوں نے دفتروں میں بھی جگہ حاصل کر لی ہے۔ بارہ مولا اور سری نگر میں ان کے بہت بڑے دیوان ہیں۔ سنگھ سبھائیں موجود ہیں کشمیر کے دوسرے فرقوں کی طرح یہ فرقہ بھی اب بیدار ہو چکا ہے۔ ان میں ذیلدار بھی ہیں نمبردار بھی ہیں ان کا جسم اگرچہ پنجابی سکھوں کی طرح مضبوط نہیں رہا تاہم وہ بدنما نہیں ہے اور اس

کے خدوخال اوراس کی رنگت سے اس کی کشمیریت ٹپکتی ہوئی صاف معلوم ہورہی ہے جنسی سکھوں کے متعلق لارنس صاحب لکھتے ہیں کشمیری مسلمانوں سے یہ اکثر جھگڑتے رہتے ہیں۔اور چونکہ عموماً جاہل ہوتے ہیں۔اس لیے کاشتکار جنسی سکھ اپنے مالک کو بہت تکلیف دیتا ہے بلکہ یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کا قافیہ تنگ کرتے رہتے ہیں۔

زمینداری سکھ ان سکھوں کو کہتے ہیں جو مہاراجہ رنجیت سنگھ اوران کے جانشینوں کے عہد میں کشمیر میں آئے۔ان کی آبادی زیادہ ترمٹن (جنوبی کشمیر) اور چوگل (شمالی کشمیر) کے علاقوں میں ہے جنسی سکھوں اور زمینداری سکھوں کی سوشل رسومات میں بہت کچھ اختلاف ہے۔بلکہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ میں رشتہ داری بھی نہیں کرتا۔بعض زمینداری سکھ اپنے لڑکے لڑکیوں کی شادیاں اب تک پنجاب میں ہی کرتے ہیں۔

زمینداری سکھوں نے پنجابی لباس اور پنجابی زبان کو برابر برتا تاکہ اوزندہ رکھا۔اور ہر چند کہ ان کی کاروباری زبان کشمیری ہے لیکن گھروں میں وہ پنجابی زبان ہی بولتے ہیں۔ان کا لباس بھی پنجابی ہی ہے۔البتہ جنسی سکھوں کی عورتوں نے پنجابی کرتہ کی بجائے پھرن کا کشمیری لمبا کرتہ اختیار کرلیا ہے اور سکھ عورت سدتانیوں اور کشمیری مسلمان عورت سے اپنی علیحدہ امتیازی شان کی بدولت جلد پہچان لی جاتی ہے۔

سکھوں کی تعداد ۱۸۹۱ء میں حسب ذیل تھی۔صوبہ جموں میں ۵۹۵۶۔صوبہ کشمیر میں ۵۴۷۳ ان میں سکھ ڈوم ۱۲ اور سکھ چمار ۳۱ تھے۔کل تعداد ۱۱۳۹۹ تھی۔لداخ سکردو اور گلگت میں کوئی سکھ نہ تھا۔۱۹۱۱ء میں سکھوں کی تعداد فرقہ وار حسب ذیل تھی۔

نام فرقہ	کشمیر	اضلاع سرحد	نام فرقہ	کشمیر	اضلاع سرحد
اروڑہ	۱۴	۰	مذہبی سکھ	۸۸	۰
مسوسیال	۴۶۹	۰	راجپوت	۳۸	۶
دت بالی وغیرہ	۲۰۱۹	۳	سانسی	۳۸	۰
جٹ	۴	۲	ترکھان	۰	۲
جھیور	۹	۰	زرگر	۶	۰

کھتری سکھ	۵۷	۴۲	متفرق سکھ	۱۱۹۸۰	۶۲
میزان		...		۱۴۷۷۲	۱۴۸۹۴_۲۲

سکھوں کی ۱۸۹۱ء اور ۱۹۱۱ء کی مردم شماری ظاہر کرتی ہے کہ بیس سال کے عرصہ میں سکھوں کی تعداد میں ۳۴۹۵ نفوس کا اضافہ ہو چکا تھا۔

تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء نے ریاست جموں و کشمیر کے سکھوں کی تعداد حسب ذیل بتائی ہے۔

نام فرقہ	مرد	عورت	کل تعداد
سکھ راجپوت	۳۳۷	۲۹۸	۶۳۵
سکھ کائستھ	۱۱۴۷	۹۲۲	۲۰۶۹
لبانہ سکھ	۲۷۱۵	۲۵۱۷	۵۲۳۲
کمہار سکھ	۱۶	۲۶	۴۲
مذہبی سکھ	۱	۰	۱
میگھ سکھ	۶۶	۷۳	۱۴۲
لوہار سکھ	۱۱۰	۱۱۱	۲۲۱
مہاجن سکھ	۶۳	۴۱	۱۰۴
برہمن سکھ	۵۹۵۶	۵۷۶۷	۱۱۷۲۳
بستھ سکھ	۱۶۲	۱۵۹	۳۲۱
بٹوال	۲	۱	۳
کل تعداد	۱۱۵۷۸	۹۹۱۵	۲۱۴۵۳*

۱۹۱۱ء مردم شماری ۱۴۸۹۴ کے بعد ۱۹۳۱ء میں یعنی بیس سال کی مدت نے سکھوں میں ۵۵۹۴ نفوس کا اضافہ کر کے ان کی تعداد ساڑھے بیس ہزار کے قریب کر دی ہے۔

---

* واقف کار سکھوں کے بیان کے مطابق ان کی تعداد ریاست جموں و کشمیر و پونچھ میں ۴۰۰۰۵ سے کم نہیں ہے۔

فصل سوم

بوہرہ

کشمیراور وزارت مظفر آباد کے اکثر قصبات اور خاص پونچھ میں ہندوؤں کی ایک قوم آباد ہے جو بوہرہ کے نام سے موسوم ہے۔ سری نگری خاص میں بوہری کدل اسی قوم کے نام پر ہے۔اس قوم کی اصلیت کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں۔ یہاں تک کہ خود بوہروں میں بھی اختلاف ہے۔کشمیر کے متعلق انگریزی، فارسی اور اردو میں کئی درجن تواریخیں موجود ہیں لیکن اس قوم کا ذکر دو کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں ملتا۔ایک گلدستہ کشمیر میں جو پنڈت ہرگوپال کول خستہ نے ۱۸۸۳ء میں چھپوائی اور دوسری رپورٹ مردم شماری ریاست جموں وکشمیر بابت ۱۸۹۱ء میں جوگلدستہ کشمیر کے بعد طبع ہوئی ہے۔

خود بوہروں میں اور دوسری جماعتوں میں ان کی اصلیت کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کا مختصر سا ذکر ہم بیان کرتے ہیں۔ایک جماعت کا خیال ہے کہ ''بڈشاہ پادشاہ کشمیر کے زمانہ میں اس کے باپ سلطان سکندر بت شکن کے عہد کے بہت سے جلاوطن کشمیری پنڈت جب اپنے وطن واپس آئے تو بڈشاہ کے عدل وانصاف اور حسن سلوک کا چرچا سن کر جہاں پنجاب کی اور بہت سی قومیں کشمیر میں آکر آباد ہوگئیں وہاں پنجاب کے کھتریوں کی ایک تجارت پیشہ جماعت بھیرہ اور اس کے گردونواح سے کشمیر میں وارد ہوئی اور بھیرہ کے نام پر ہی بوہرہ مشہور ہوگئی۔

مصنف گلدستہ کشمیر نے بھی جو ایک کشمیری پنڈت ہے اسی روایت کے ایک حصہ کی تصدیق کرتی ہے اور لکھا ہے کہ ''بوہرے ایک قسم کی ہندو ذات ہے جو قدیمی چھتریوں میں سے یہاں باقی ہیں اور اکثر دوکانداری کا کام کرتے ہیں۔'' مصنف گلدستہ کشمیر اور مندرجہ صدر روایت میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ صاحب گلدستہ نے ان کو قدیم چھتری تو ظاہر کیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ یہیں کے رہنے والے تھے یا باہر سے آئے تھے۔

ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری رپورٹ مردم شماری بابت ۱۸۹۱ء میں بوہروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی رسومات و عادات سے پایا جاتا ہے کہ وہ کشمیر میں مسلمانوں کے عہد سے بھی بیشتر سے آباد ہیں۔ یہ تحریر بتاتی ہے کہ بوہرہ قوم نہ سکندر بت شکن کے زمانہ میں کشمیر سے باہر گئی اور نہ اس کے بیٹے بڈ شاہ کے عہد میں واپس آئی۔ بلکہ اس کا وجود کشمیر میں ہندوؤں کے زمانہ سے پایا جاتا ہے۔

میں نے بوہرہ قوم کی اصلیت دریافت کرنے کے لیے ۳۴ء کے قیام سری نگر کے زمانہ میں بہت کوشش کی لیکن جو جوابات مجھے دیئے گئے ان سے میری تسلی نہ ہوسکی۔ کشمیر سے واپس آ کر میں نے سری نگر، سوپورہ، بارہ مولا اور پونچھ کی بوہرہ سدھار سبھاؤں کے سیکرٹری صاحبان کو بوہرہ قوم کے متعلق کچھ واقفیت بہم پہنچانے کے لیے خطوط لکھے۔ افسوس ہے بوہرہ سدھار سبھا سری نگر کے سوا کسی نے جواب نہیں دیا۔

سری نگر اور کشمیر کے دیگر مقامات کے پنڈت صاحبان بوہرہ قوم کو پنجاب کی کھتری قوم تصور کرتے ہیں۔ اور بوہروں کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ ہم کشمیری پنڈت ہیں۔ اور طماسی فرقہ سے ہیں اس کا فیصلہ جب تک پرانی تاریخیں اور قدیم روایات کوئی مدد نہ دیں بہت مشکل ہے تاہم بعض اوقات قیاسات سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی وہ قیاسات کسی صحیح نتیجہ تک بھی پہنچا دیتے ہیں۔

سیکرٹری صاحب بوہرہ سدھار سبھا سری نگر سے بوہرہ قوم کی جو ذاتیں اور گوتیں لکھی ہیں وہ گوتیں حسب ذیل ہیں۔ بھاردواج۔ وشِشٹ۔ کپل۔ کشپ دیو۔ شانڈلی وغیرہ وغیرہ۔ ذاتیں حسب ذیل بتائی گئی ہیں۔ کاچرو۔ ہاکسر۔ مٹو۔ کلہ۔ ٹاک۔ مام۔ باچو۔ ڈرانی۔ کاؤ۔ ککرو۔ رابو۔ گرسو۔ گنجو۔ روغنی۔ لنگو۔ بزاز۔ بقایا۔

ان کے علاوہ بوہرہ قوم کی مندرجہ ذیل ذاتیں بھی ہیں۔ بندرو۔ ندزوہ ناتھو۔ منٹو۔ جیوری۔ جیو۔ مٹھو۔ خاہ۔ بھنڈاری۔ سوری۔ ٹڈن۔ کپور۔ پوری۔

مندرجہ ذیل صدر ذاتیں اور گوتیں وہی ہیں جو کشمیری پنڈتوں میں بھی موجود ہیں لیکن آخری پانچ ذاتوں میں بھنڈاری ایک ایسی ذات ہے جو برہمنوں میں بھی ہے۔ اور کھتریوں میں بھی۔ اور آخرالذکر چار ذاتیں سوری ٹنٹین پوڑی اور کپور تو خالص کھتری ذاتیں ہیں۔ برہمنوں

میں اس نام کی کوئی ذات نہیں ہے۔

پنڈت انہی ذاتوں اور ان کے بعض رسم و رواج کی وجہ ہی سے ان کو کھتری یا چھتری تصور کرتے ہیں۔ اور بوہرے اپنی ان ذاتوں کی وجہ سے جو پنڈتوں کی ذاتوں اور گوتوں سے ملتی ہیں۔ اپنے آپ کو پنڈت بتاتے ہیں اس الجھن کو دو کرنے کے لیے ہمیں یہاں تین تحریروں سے مدد لینی پڑے گی۔

اول البیرونی کی کتاب الہند سے جس میں لکھا ہے کہ ہمارے حملہ پنجاب کے وقت بہت سے ہندو دور دراز کے مقامات پر چلے جایا کرتے تھے۔ اور ان مقامات میں کشمیر کا نام اس نے خاص طور پر لکھا ہے۔ دوسری تحریر راج ترنگنی کے انگریزی مترجم سٹین صاحب کی ہے۔ جنہوں نے کشمیر کے جغرافیہ قدیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ہندوؤں کے زمانہ میں بھی ملک کشمیر اکثر غیر ملکی حکومتوں کے ماتحت رہ چکا ہے۔ غیر ملکی نسلوں کی حکومتوں کے ایام میں ان کی قوموں کے لوگ یقیناً ترک وطن کر کے کشمیر میں آباد ہو گئے ہوں گے۔ جن کا اب جداگانہ ہستی میں سراغ ملنا مشکل ہے۔ سٹین صاحب اس نظریہ کی مثال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اس کی زندہ مثال ان مغلوں پٹھانوں، سیدوں، پنجابیوں اور افغانوں کی ہے جنہوں نے باہر سے آ کر اس ملک میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ لیکن اب وہ سب رشتہ داریوں اور دیگر ذرائع سے ایک ہی ہوتے جا رہے ہیں۔

مندرجہ صدر دو تحریروں سے ثابت ہوتا ہے اور راج ترنگنی اور کشمیر کی دیگر تاریخیں بھی اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ کشمیر غیر ملکی حکومتوں کے ماتحت بھی رہا ہے۔ اور غیر ملکی قومیں یہاں وقتاً فوقتاً آباد ہوتی رہی ہیں۔

ان سطور کے ساتھ جب ہم سیکرٹری بوہرہ سدھار سبھا سری نگر کے فرستادہ ''قوم بوہرہ کے تواریخی حالات'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندو عہد قدیم میں کشمیری پنڈتوں کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے کشمیر سے باہر جایا کرتی تھی اور ضرورتاً انہیں باہر کے ہندوؤں کے ساتھ کھانے پینے رکھنا پڑتا تھا نیز باہر کے غیر کشمیری ہندو بھی خصوصاً جن سے ان پنڈتوں کے تجارتی تعلقات تھے کشمیر آیا کرتے تھے اور اپنے واقف کار اور ہم پیشہ پنڈتوں ہی کے ہاں قیام کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے پنڈت بھی ''کھانے پینے'' کے ان تعلقات کو اچھا نہ سمجھتے تھے اس لیے

انہوں نے اس وقت کے راجہ مہاراج بھوج * کے پاس ان کے خلاف شکایت کی۔ مہاراجہ نے ان کو بلایا اور جو روش انہوں نے اختیار کر رکھی تھی۔ اس سے ان کو منع کیا انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم کو تجارت کی غرض سے کشمیر سے باہر جانا پڑتا ہے اور وہاں کے ہندوؤں کے ہاں کھانے پینے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

راجہ بھوج نے کچھ دنوں کے غور وخوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ان پنڈتوں کے لیے جو محض تجارت کی وجہ سے بیرون کشمیر کے ہندوؤں کے ساتھ کھانے پینے کا سلسلہ رکھتے ہیں۔ علیحدہ جگہ کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ بیرونی ممالک سے تعلق رکھنے والے پنڈتوں کے لیے علیحدہ جگہ مقرر کی گئی۔ اور ان کے لیے لفظ بکھشر وضع کیا گیا جس کے معنی سنسکرت میں کھانے والے کے بیان کیے جاتے ہیں۔ اور جس طرح مرور ایام سے بعض اشخاص اور بعض مقامات اور بعض اقوام کے ناموں میں تغیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بکھشر سے بُشر اور بُشر سے بوہرہ ہو گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی نئی بستی کا نام بکھشر داری تھا جس کو اب بچھوارہ کہتے ہیں جو درگجن میں واقعہ ہے۔

بکھشروں میں صرف پنڈت ہی تھے یا کوئی اور قوم بھی تھی۔ خیال یہ ہے کہ اس جماعت میں پنڈتوں کے علاوہ سری نگر کی کوئی اور تاجر قوم بھی تھی۔ یہ ثابت ہے کہ کشمیر میں صرف پنڈت ہی آباد نہیں تھے بلکہ دوسری ہندو اقوام بھی تھیں۔ ممکن ہے جو لوگ بیرون کشمیر کے ساتھ تجارت کیا کرتے تھے۔ ان میں پنڈتوں کے علاوہ کشمیر کی کوئی اور ہندو قوم بھی شامل ہو۔ یا ممکن ہے بیرون کشمیر سے جو ہندو تجارتی تعلقات کے باعث اپنے ہم پیشہ پنڈتوں کے پاس آمد و رفت رکھتے ہوں ان میں سے بعض نے کشمیر ہی کو وطن بنا لیا ہو اور وہ بھی ان کے ساتھ کھشتریوں میں شامل ہو کر رفتہ رفتہ بعد میں بوہرہ کے نام سے منسوب ہو گئے ہوں اس کا ثبوت ہم بوہروں کی ان ذاتوں سے ملتا ہے جو پنڈتوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کھشتریوں میں بھی اور جن کا قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

---

* کشمیر میں بھوج کے نام سے کوئی مستقل راجہ نہیں گزرا البتہ بھوج نام ایک شہزادہ تھا جو راجہ ہرش (وفات ۱۱۰۱ء) کا بیٹا تھا۔ اور راجہ کلش کے بعد کبھی کبھی لڑ بھڑ کر راجہ بھی بن جایا کرتا تھا۔ البتہ اس کے دو بھائیوں راجہ ات کرش و راجہ ہرش نے کچھ عرصہ تک مسلسل راج کیا ہے۔ یوراج بھوج آخر میں قتل کر دیا گیا۔ ممکن ہے اسی بھوج کے پاس پنڈتوں نے تاجر پنڈتوں کے خلاف باہر کے ہندوؤں سے کھان پان کرنے کی شکایت کی ہو۔

بڈ شاہ کے عہد سے قبل اسلامی حکومت کے ابتدا میں ہندوؤں پر ایک ایسا دور بھی آیا ہے جسے وہ ''دور ظلم وتشدد'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سیکرٹری بوہرہ سدھا سبھا سری نگر کی تحریر کے مطابق ظلم وستم کے خوف سے بہت سے کشمیری ہندو کشمیر سے باہر چلے گئے۔ بہت سے مسلمان ہوگئے۔ مسلمانوں میں کچھ ایسے بھی غیر مسلم تھے جو محض جان بچانے کے لیے مسلمان ہوگئے۔ انہی نقلی مسلمانوں نے کشمیری پنڈتوں اور ودیا دانوں کے ان گیارہ گھروں کو پناہ دی جن کے متعلق یہ ضرب المثل زبان زدعوام ہے کہ ''کشمیر گاہ گرہ'' یعنی کشمیر میں پنڈتوں کے صرف گیارہ گھر رہ گئے۔ چونکہ بقول سیکرٹری بوہرہ سدھار سبھا سری نگر ان گیارہ گھروں میں بھشکر بھی شامل تھے۔ غالبًا اسی بنا پر بوہرہ قوم اپنے آپ کو ملماسی پنڈت تصور کرتی ہے۔ گو پنڈتوں کو اس سے اختلاف ہے۔

بڈ شاہ نے اپنے عہد میں ان کشمیری نومسلموں کے لیے جو اپنے آپ کو جبر یہ مسلمان سمجھتے تھے اپنے مذہب میں واپس آنے کا اعلان عام کر دیا تھا۔ اور ہر چند کہ کئی ہندوؤں نے جن میں بھکشر یا بوہرے بھی تھے پھر ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن پنڈتوں نے بوہروں کو پھر بھی اپنے ساتھ نہ ملایا۔ اور ان سے ویسی ہی بیگانگی روا رکھی جیسی کہ وہ عرصہ دراز سے رکھ رہے تھے۔ چنانچہ اب بوہرہ ایک علیحدہ قوم شمار ہو رہی ہے *۔

''بوہرہ قوم کے تاریخی حالات'' کے رو سے ان کا وطن قدیم کھوارہ ہے لیکن اب وہاں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں جیسا کہ بٹ پورہ میں جو حضرت بل کے پاس ہے۔ زمانہ قدیم میں پنڈت آباد تھے۔ مگر اب وہاں بھی مسلمانوں کی ہی آبادی ہے بوہرے آج کل سری نگر کی گنجان آبادی میں رہتے ہیں۔ انہی کے محلّہ میں ایک پل بوہری کدل کے نام سے مشہور ہے۔ جو بہت پرانا ہے۔ ان کی معاشرتی تمدنی ** اور مذہبی زندگی ایسی ہے جیسی پنڈتوں کی۔

کشمیر میں ان کی آبادی سری نگر کے علاوہ انت ناگ، ڈورو، چھتہ بل، ماگام، سوپور،

---

* بوہرہ قوم کی عورتیں پنڈتانیوں کی طرح کمر بند نہیں باندھتیں بلکہ نتھ ناک میں پہنتی ہیں۔

** کشمیری پنڈت سوشل و پولیٹیکل کانفرنس سری نگر ہر چند یہ قرارداد پاس کر چکی ہے کہ بوہروں اور لجہ بٹ پنڈتوں اور چودھریوں اور ضلع کانگڑہ کے کشمیری پنڈتوں کو بھی ساتھ لینا چاہیے لیکن کشمیر میں ابھی ایسے پنڈت موجود ہیں جو اس قراراداد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ چنانچہ شاخ سبھا بڈ گام (کشمیر) نے شوپیاں کے ان کشمیری پنڈتوں کے خلاف جنہوں نے کانفرنس کے اس ریزولیوشن کی خلاف ورزی کی ہے۔ پرزور مذمت کا ایک ریزولیوشن پاس کیا ہے (از روزانہ مارتنڈ سری نگر کشمیر مورخہ ۲۷ ماگھ ۱۹۹۰ بکرمی)

لنگیٹ ، ہندواڑہ، رچار ناگ، بارہ مولا، ہٹیان، دو پٹہ، مظفر آباد، اور پونچھ میں ہے اس قوم کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب ہے۔ان کے کچھ افراد زمانہ قدیم ہی سے نیپال، لداخ وغیرہ ممالک میں بوجہ تجارت آباد ہیں۔ چنانچہ رپورٹ مردم شماری ریاست جموں وکشمیر بابت ۱۸۹۱ء کے باب ششم میں صفحہ ۱۳۴ پر اس قوم کا ذکر لداخ کی تجارت پیشہ قوموں میں بھی ہے۔اسی رپورٹ کے صفحہ نمبر ۱۶۷ پر لکھا ہے کہ بوہرہ قوم کے افراد نیپال میں بھی پائے جاتے ہیں۔اور جو قوم تجارت پیشہ ہو اس قدر دور دراز مقامات تک پہنچنا ان کے لیے کوئی مشکل امر نہیں۔

ابوالعرفان دانش مند جب کرنے پہ آتے ہیں　　سمندر چیرتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

پنڈتوں سے ان کے رشتے ناطے نہیں ہوتے بلکہ شادی بیاہ کے معاملات یہ آپس میں ہی طے کرتے ہیں۔

اس قوم نے ابتدا ہی سے ملکی کاموں میں کبھی حصہ نہیں لیا۔یہ سیاسیات اور ملکی انقلابات کی سازشوں سے ہمیشہ الگ رہی۔تجارتی کاروبار میں یہ اس سرگرمی سے منہمک رہی ہے اور اب تک ہے کہ سرکار دربار اور پبلک کاموں سے اس نے کبھی کوئی تعلق نہیں رکھا۔یہی وجہ ہے کہ یہ قوم صدیوں کی رہائش کے باوجود اب تک کشمیر یا پونچھ میں اپنی سیاسی اہمیت تسلیم نہیں کرا سکی۔لیکن اب اس قوم کے بعض افراد بھی اپنی غفلت و کس مپرسی کا احساس کر کے زمانہ کا ساتھ دینے کی تیاریوں میں مصروف نظر آتے ہیں۔ جو اپنی تمدنی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے وسائل کے ساتھ اپنے ملکی حقوق حاصل کرنے کی تدابیر پر بھی غور کرتی رہتی ہے۔

سری نگر میں اس قوم نے جنا دھن عطار لچھمن عطار۔راگھو عطار۔زمانہ قدیم میں نامی حکیم اور عطار اور متمول فرزند پیدا کیے ہیں۔آج سے قریباً بیس بائیس سال پیشتر شنکر حکیم وعطار اس قوم میں ایک نامور رئیس گزرا ہے۔

مظفر آباد کے ضلع میں اس قوم نے تعلیم کی طرف توجہ کر کے چند ایک ایسے نوجوان پیدا کیے ہیں جن پر یہ قوم بجا طور پر فخر سکتی ہے۔لالہ بودھراج ٹنڈن بی اے۔ ایل ۔ایل ۔بی لالہ لچھمن داس سوری ایم اے جنہوں نے انگلستان میں ماسٹر آف ایجوکیشن کی اعلیٰ ڈگری حاصل کی ہے اور جو اس وقت نارمل سکول سری نگر کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔اسی قوم کے نونہال ہیں۔ ہٹیاں اور دو پٹہ میں بھی بوہرہ قوم تعلیم کی طرف مائل ہو رہی ہے۔مظفر آبادی بلکہ پونچھی بوہروں کا تمدن ان

کا لباس ان کی زبان کشمیری بوہروں سے اب بالکل ہی مختلف ہے۔ پونچھ اور مظفر آباد کے بوہرے کشمیری زبان کی بجائے پہاڑی اور پنجابی زبان بولتے ہیں۔

پونچھ کے بوہروں میں زیادہ تر عطاری پیشہ اور تاجر ہیں۔ ملازموں کی تعداد قلیل ہے جن میں لال چند ہیڈ کلرک پبلک ورکس بابو شام لال ہیڈ کلرک وزارت۔ ماسٹر دینا ناتھ سند یافتہ ٹیچر ہائی سکول خاص کر قابل ذکر ہیں۔

چودھری فقیر چند عطار ایک اچھے تجربہ کار حکیم ہیں۔ چودھری کیلاش رام بازار کے چودھری ہیں۔

لالہ دیانند کپور جو پونچھ کے مشہور تاجر اور اردو کے ادیب فاضل ہیں اپنے علمی ذوق کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ پونچھ کے دیہات میں کوئی بوہرہ آباد نہیں ہے۔

لالہ دیانند کپور نے مئی ۱۹۳۴ء سے پونچھ ایک اخبار بنام پر بھارت اور ایک پریس بھی جاری کیا ہے۔

☆☆☆

مسلمان اقوام

کشمیر میں مسلمانوں کی آمد اور کشمیر کا سب سے پہلا نومسلم:

ہندوستان میں مسلمان ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ ایران اور افریقہ بلکہ یورپ تک میں بھی اپنی عالمگیری فتوحات کا سکہ بٹھاتے گئے۔ چین میں اسلام عربی تاجروں اور سیاحوں کے ذریعہ اس خاموشی کے ساتھ پھیلا کہ آج وہاں مسلمانوں کی تعداد چار پانچ کروڑ تک بیان کی جاتی ہے۔

لیکن کشمیر میں جو مسلمان سب سے پہلے داخل ہوا اس کی شان اور اس کی آمد بالکل نرالی تھی۔ وہ نہ تاجر تھا نہ سیاح، نہ سپاہی نہ سپاہی زادہ بلکہ وہ ایک صوفی منش بزرگ تھا اس بزرگ کا نام سیّد عبدالرحمٰن عرف بلبل * شاہ یا شاہ بلاول تھا جس نے کشمیر میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے کسی معمولی ایرے غیرے کو نہیں بلکہ بادشاہ وقت یعنی رینچن شاہ والئ کشمیر کو اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل کرلیا۔ چنانچہ نظم ذیل سے اس واقعہ کی کچھ کیفیت معلوم ہوگی۔

بات میں دم لے ٹھہر اے موجہ آب رواں
تھا لب ساحل وہ جب محو عبادت یاد ہے
اے ہری پربت کی چوٹی اے ڈلرائے ڈل کی موج
کی جو غاروں مرغزاروں میں ریاضت یاد ہے
اے دتستہ اے ندی امرت کی اے آب حیات
وہ قیام شاہ بلبل خضر صورت یاد ہے

---

* سری نگر میں آپ کے نام پر محلّہ ''بلبل لنگر اور مسجد بلبل شاہ اب تک موجود ہے۔ مسجد سکھوں نے ضبط کر رکھی تھی۔ ڈوگرہ حکمرانوں نے بھی ضبط کی ہوئی تھی۔ مگر ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد کشمیر میں جو ایجی ٹیشن شروع ہوا۔ اس کی بدولت ۱۹۳۱ء کے اواخر میں بعض دیگر مساجد کے ساتھ اس مسجد کو بھی موجودہ حکومت نے واگزار کر دیا۔

بُلبل اسلام جب آیا ترے گلزار میں
اے گل کشمیر کیا وہ دن وہ ساعت یاد ہے
دیکھنا شاہی محل سے راجۂ ذی جاہ کا
گھر بلا کر پھر تجھے دینا وہ دعوت یاد ہے
مسلم بیکس سے ملنا وہ شہ کشمیر کا
کفر اسلام سے صاحب سامت یاد ہے
صفحہ دل سے مٹا دینا وہ نقش کفرو شرک
سیکھنا اسلام کی طرز عبادت یاد ہے
اِک بدیسی سے کیا تھا جس محبت کا سلوک
اے رینچن شاہ وہ اب تک محبت یاد ہے
کلمۂ توحید پڑھ لینا وہ دل کے شوق سے
وہ دست شاہ بلبل پروہ بیعت یاد ہے
جنت الدنیا میں اول تو ہی نو مسلم ہوا
رفتہ رفتہ ہو گئی تیری رغبت یاد ہے
آگیا اسلام کے قبضہ میں آخر تخت بھی
اکثریت پر یہ وحدت کی حکومت یاد ہے

سیدعبدالرحمٰن صاحب کے بعد حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی عرف شاہ ہمدان ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی اور بہت سے سادات عالی درجات کشمیر میں آئے۔ شیخ نورالدین ولی اوران کے خلفائے عظام۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ اوران کے برگزیدہ نام لیوا اور شیخ بہاؤ الدین گنج بخش اورکئی بزرگ خاک کشمیر نے پیدا کیے۔ جن کی بابرکت صحبتوں جن کے علم وعمل جن کے اخلاق فاضلہ جن کے اتقاء وزہد اور جن کے موعظہ حسنہ نے اس ملک میں جہاں کسی ایک مسلمان

کی شکل بھی نظر نہ آتی تھی ۔ لاکھوں کی تعداد پیدا کردی *۔ بلکہ پانچ سو سال تک مسلمان وہاں حکمران بھی رہے۔

کشمیر میں مردم شماری کے رُو سے بیس سال میں قریباً پونے تین لاکھ کا اضافہ

اسلام کو کشمیر میں داخل ہوئے آج ۱۹۱۱ میں سوا چھ سو سال ہو چکے ہیں ۔ اس عرصہ میں قریباً پانچ سو سال تک کشمیر میں اسلام ایک حکمران کی حیثیت سے رہا ہے۔

رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر ۱۹۱۱ء کے مطابق تمام ریاست کی آبادی جو ۸۴ ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۳۱۵۸۱۲۶ نفوس کی تھی۔ جن میں مسلمان ۲۳۹۸۳۱۹ تھے۔ ان میں جو مسلمان کشمیر کی وادی میں آباد ہیں ان کی تعداد ۱۲۱۷۷۶۷ اور سرحدی اضلاع لداخ و گلگت میں ۲۲۷۲۵۹ تھی۔

۱۹۲۱ء میں یعنی دس سال کے بعد تمام ریاست اور صوبہ کشمیر اور سرحدی اضلاع میں مردم شماری کے محکمہ نے جو تعداد بتائی وہ حسب ذیل تھی۔ ریاست کے دونوں صوبوں کی کل آبادی ۳۲۲۰۵۱۸۔ صوبہ کشمیر کی آبادی ۱۴۰۰۰۸۶۔ سرحدی اضلاع ۲۷۳۱۷۳۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں یعنی مزید دس سال کے بعد آبادی میں جو زیادتی یا کمی ہوئی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

کل آبادی دونوں صوبوں کی ۳۶۴۵۳۳۹ جن میں مرد ۱۹۳۸۰۱۰ اور عورتیں ۱۷۰۷۳۲۹ ہیں ۔ صوبہ کشمیر کی آبادی ۱۵۶۹۳۹۴ اور سرحدی اضلاع کی آبادی ۲۵۷۵۵۲ نفوس کی ہے۔

گویا سرحدی اضلاع کے علاوہ جن میں صرف بدھ مذہب کے لوگ ہیں جن کی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب ہے۔ غیر مسلم ہیں۔ صوبہ کشمیر کے مسلمانوں کی تعداد ۱۹۱۱ء میں ۱۲۱۷۷۶۷ تھی۔ ۱۹۲۱ء میں کشمیری آبادی ۱۴۰۷۰۶۸ بتائی گئی ہے۔ ان میں ۷۵ ہزار کے قریب پنڈت سکھ اور متفرق ہندو تھے۔ ان کو وضع کرنے کے بعد خاص مسلمانوں کی آبادی ۱۹۲۱ء میں ۱۳۳۲۰۶۸ رہ

* سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں ان کے نو مسلم مدار الہمام کی وجہ سے بعض بے اعتدالیاں بھی جن کو اسلام نے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کہہ کر اجازت نہیں دی ہوئیں۔ لیکن ان کی کسر سلطان بت شکن کے بیٹے زین العابدین بڈ شاہ نے جو ہندوؤں پر حد سے زیادہ مہربان تھا۔ اپنی شاہانہ عنایات سے پوری کردی۔

جاتی ہے۔ ۱۹۴۱ء میں کشمیر کی آبادی ۱۵۶۹۳۹۴ میں سے مسلمانوں کی تعداد ۱۴۸۴۳۹۴ ہے۔

بہ الفاظ دیگر بیس سال کے عرصہ میں جب کہ کشمیر ایک غیر اسلامی حکومت کے ماتحت ہے اور جہاں کسی کو اسلام قبول کر لینے کے بعد اپنی جائیداد سے محروم ہونا پڑتا ہے بغیر کسی تشدد و جبر بلکہ بہت سی مجبوریوں اور رکاوٹوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں ۲۶۶۶۲۷ نفوس کا اضافہ ہو گیا ہے۔

کشمیر کے ہندو جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ خواہ ان کی کوئی ذات اور گوت تھی یعنی وہ چھتری تھے یا برہمن۔ دیش تھے یا کچھ اور سب شیخ کہلائے۔

چنانچہ ہم اگلی فصلوں میں سلسلہ وار کشمیر کی تمام اقوام کی ذاتوں اور گوتوں اور ان کی وجوہات اور ان کا کاروبار اور پیشہ وغیرہ کا بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ان اقوام کا ذکر کریں گے۔ جو بیرونجات سے کشمیر میں آئی ہیں۔ یعنی سادات مغل اور پٹھان ان کے بعد کشمیر کی شیوخ کی شاخوں اور گوتوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

☆☆☆

فصل اول

مسلمانوں کی مفقود الکیفیت ذاتیں

کشمیر کے مسلمانوں کی کچھ ذاتیں جن کی تعداد ۱۴۲ ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ ذاتوں میں درج ہیں۔ ان کے علاوہ جن ذاتوں کی فہرست نیچے درج ہے ایسی ہیں جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوؤں میں ہیں۔ ریاست کی ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں مسلمانوں کی ذاتوں کی جو فہرست چھپی تھی اس میں ڈیڑھ ہزار ذات سے بھی زیادہ تھی اور کم سے کم اس فہرست میں ایک ہزار ایسی تھی اس میں میں ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ تھی اور کم سے کم اس فہرست میں ایک ہزار ذات ایسی تھی جس کا تعلق وادئ کشمیر ہی سے تھا۔ اس قدر بحر ذخار میں غوطہ لگانا جوکھوں کا کام اور اتنی چھان بین کے لیے عمر نوح درکار ہے تاہم ایک نامکمل سی فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے اس میں وہ ذاتیں ہیں جن کی وجہ تسمیہ اور کیفیت نہیں معلوم ہو سکی۔ پھر بھی اس طویل فہرست

میں بعض ذاتیں ایسی ہیں جو اپنے ناموں ہی سے بقول مشہور ہیں مشک آنست کو خود بوئد کہ عطار بگرید۔ اپنے خصائل و عادات اور وجہ تسمیہ کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہے۔ مثلاً رکار۔ زنگی۔ جیٹی۔ جورہ بردار۔ گشابا کلچہ تماکو۔ پیزا۔ بدور۔ حوشرو۔ کچاچو ہاوانڈ رو غیرہ۔

یہ فہرست رائے بہادر پنڈت شیونرائن صاحب رینہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ پنجاب نے کسی انگریزی کتاب سے نقل کر کے ارسال کی ہے۔ اس میں سے بعض ذاتیں جن کی تعداد صرف ۱۴ ہے۔ اور جن کی وجہ تسمیہ ان کی ذاتوں کے آگے اقوام شیخ میں درج ہے۔ خارج کر دی گئی ہیں

شالی	تور	نہرو	پالا	مہر	پکش دال
جدال	دار	لچر	بدر	کرنائی	کس کر
زوار	سدگلی	بتاس	شونٹھ	مارفن	الما
گل	مہتر	بلے	بسو	بیبر	کشو
سپ	ڈیوٹو	لٹھ	پین	لیبر	بج
واندر	برزہ	مشیر	نول	گابر	کمیار
پچلو	غرض	اٹ ہل	بکرو	ہب	بت کن
بنگی	رک	سبرکو	دو	ہیبی	کٹھان
چرخ	منڈ	نرمائن	زز	قیاس	بازان
چرس	شگر	ہار	بدر	حجاج	خلق
پکھہ	جوار	شہل	کوال	جاگیر	نافل
زنگی	کلوال	جید	مکار	چکرو	شکرہ
شورا	نلچہ بند	داج	دانن	لیلو	سن
کانچلو	وٹ	ہاج	کوچھے	فترو	اولاد
کہانجی	گرٹا	عارف	کنز	کش کاٹھ	گوہل

کمر	بدرد	سراج	داز	شرف	ہریتر
کریا	کلاں	کرب	کہس	خربہ	لہہ
مغازن	خوشرو	آبے	پلنگ	عزم یا اعظم	چوکا
یالد	پنج تو ند	سلاچ	ٹنگا	سر	گوگل
کوکل	کنیر	مگر	برہ	ڈگے	مصری
بتس	عابد	ایلما	انار	موندہ	نانتھ یا نانٹ
غنی	مہر	ہائی	ہانز	وگے	کلال دوری
ہاوس	قربان	ہاوا	کانز	بکروال	تنبولی
بازر	مقتن	قبولی	دوسیہ	خوبہ	زنگیری
ملدہ	بیر	فلک	جگرو	تمل	کاشغری
عالی کدل	لُن	پگا	شای	پلو	خندہ بونی
باقر	سلات	الوان	داگرو	پکھلی	پالا
دوسن	آرسی	درویش	قادر	ککو	کادر
داج	کلاش	مساف	کمال	تربنو	کوتاش
ہری	لالی		جور برادر	بہائی	چرکا
مشک	رامان	غازی	حمال	چھچھوبلی	کرنائی
سک	دادہو	کلچہ	مندہ	لنگر	کنڈاجی
ڈگر	گشتابا	تمن	ملک خاش	بایو	کوٹ یا کٹ
ٹنڈا	ردم	تماکو	نور	حقانی	بتکو
شمشیر	حن	مشیر	لمبا	گندسو	پیزار

چھان	دور	ہنسبہ	چاکند	طلائی	پلوا
شیشہ	بید	بادن	ٹھول	کانکرہ	رنگا
سوٹا	مرچ	رو	دباب گر	رادھو	تیرا
اٹاں	یادی	حبشی	کالگ	کنگال	لیوا
برن	شامر	کرہ	کنبے	پشو	منگری
پرا	بامبری	دیوا	صمدانی	رس	خان قاشی
کنوا	سدھ	ہیرا	گفت	امیر	ودگیا
دونو	رکا	تیتو	مشکو	گھکرو	فیرا
چاپری	دارل	آتو	فلتو	کراز	شنکر
فرمی گودہ	چھیہ او	بوہرو	نواب	کاشر	ورما
پتلو	ہزار	شاہ تبر	سونکا	لٹھ	ناگوبڈیاری

فصل دوم

سادات

کشمیر میں اسلام کی بنا سادات ہی نے ڈالی ہے۔ سب سے پہلے حضرت بابا بلبل شاہ کہ بعض تاریخوں میں شاہ بلبل اور شاہ بلاول بھی ان کو لکھا گیا ہے۔ کشمیر میں اشاعت اسلام کی غرض سے آئے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں صفحہ نمبر ۳۱ پر ان کے متعلق لکھا ہے۔ میگویند سید شرف الدین نام اصلی ایشان است اکمل عرفاوقت بوonد در تجرید و تجرید و توکل نادرہ روزگار مشہور است ریخجن شاہ یار متخجن شاہ کو جو کشمیر کا راجہ تھا آپ ہی نے مسلمان کیا اور سلطان صدر الدین نام رکھا۔ یہی شخص کشمیر کا سب سے پہلا نومسلم تھا۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں لکھا ہے۔

وردز دیگر رادن چند و دیگر سرداران سلطنت و عامہ خلائق فوج فوج بردست حق پرست آن قدوہ کرام بہ شرف اسلام تشریف کرامت یافتند''

یہ واقعہ ۷۲۵ھ کا ہے۔ ۷۲۷ھ میں آپ سری نگر ہی میں وفات پا گئے۔ کشمیر میں سب سے پہلی مسجد آپ ہی نے تعمیر کرائی جو عرصہ تک ضبط سرکار رہنے کے بعد ۱۹۳۱ء میں واگذار ہوئی ہے محلّہ بلبل لنگر میں آپ کا مزار ہے۔

آپ کے بعد دوسرے بزرگ سید جو کشمیر میں وارد ہوئے۔ وہ سید حسین سمنانی تھے جن کا مزار کولگام میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے متعلق تاریخ خواجہ اعظمی میں لکھا ہے کہ ''سید حسین سمنانی بابزرگواران دیگر از سادات کرام کہ قرابت تام بہ آنجناب داشتند بہ امر حضرت علی ثانی بہ جہت تحقیق راہ و احوال سیرت وملت بادشاہ بہ کشمیر تشریف آوردند''۔ یہ زمانہ سلطان شہاب الدین والئی کشمیر کا تھا۔

گو تاریخ خواجہ اعظمی کی عبارت صدر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے قرابت دار سادات کی ایک معقول جماعت تھی لیکن سب سے بڑی تعداد سادات کرام کی حضرت امیر کبیر سید علی ثانی عرف حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ بعہد سلطان قطب الدین ۷۸۱ھ میں وارد کشمیر ہوئی۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ ''بہ تحقیق پیوست کہ از رفقا و سادات و خدمہ قریب ہفت صد کس ہمراہ آنجناب بودند و خاص و عام این ولایت را بہ ارشاد و ہدایت رہنمائی نمودند۔''

ہمدان و سمنان کے علاوہ کشمیر میں ممالک ذیل کے سادات بھی تشریف لائے اور وہ کشمیر ہی کی خاک میں مل گئے۔

سیستان۔ خراسان۔ خوارزم۔ مدینہ۔ کرمان۔ ختلان مکہ۔ کاسان (نزد ماورالنہر شیراز۔ سرخاب (متصل تبریز) بغداد۔ روم۔ شام۔ اندراب۔ ترکستان۔ بخارا۔ بلخ۔ قم۔ (ایران) بیہق۔ ہرات۔ پشاور۔ بصرہ وغیرہ وغیرہ۔

سادات قادریہ گیلانیہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ سادات نقشبندیہ خواجہ عبدالرحیم نقشبندی و حضرت خواجہ علاؤالدین عطاری۔ سادات اندرابیہ۔ میر مرک اندرابی اور منطقی بیہقی سید حسین تاج الدین بیہقی کی اولاد سے ہیں۔

سادات دوار کی سید داؤد دوار کی اور سادات ہمدانیہ جو پیرزادہ کہلاتے ہیں۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے برادرزادہ سید تاج الدین اور ان کے قرابت داروں کی اولاد و احفاء سے ہیں۔ یہ سب بزرگ اور دیگر سادات جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔ بیرونی ممالک سے کشمیر میں آئے ہیں۔

سادات جو ابتدا میں صرف صوفی منش تھے اور عبادت و ریاضت اور درس و تدریس کے سوا سیاسی امور میں کوئی حصہ نہ لیتے تھے۔ رفتہ رفتہ حکومت کے معاملات میں دخل دینے لگے۔

موجودہ زمانہ میں اکثر پیری مریدی کا کام کرتے ہیں کئی ایک جاگیردار اور درباری ہیں سرکاری ملازمتوں میں بھی اسسٹنٹ گورنری۔ ڈپٹی کمشنری۔ ہائی کورٹ کی ججی اور منسٹری وغیرہ تک پہنچے ہیں۔ جو دیہات میں ہیں وہ زراعتی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اب سادات کے چند طبقوں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے۔

سادات ہمدانیہ

دیباچہ سادات میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ ۷۸۱ھ میں بزمانہ سلطان قطب الدین حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی ایک جماعت کثیر کے ساتھ کشمیر تشریف لائے۔ ۷۸۶ھ میں آپ واپس ہمدان جاتے ہوئے نواح ہزارہ میں کہ اس کو پکھلی بھی کہتے ہیں۔ ۶ ذی الحجہ کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی تاریخ وفات آپ کے آخری کلمہ بوقت انقطاع نفس بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نکلتی ہے۔

آپ کی وفات پر ایک فتنہ پیدا ہو گیا۔ کشمیر کے لوگ چاہتے تھے کہ نعش ہمارے سپرد ہو۔ جو جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ وہ نعش کو اپنے ساتھ ہمدان لے جانے پر مصر تھی۔ سلطان محمد والئ پکھلی کی تمنا تھی کہ نعش پکھلی میں دفن ہو۔ آخر شیخ قوام الدین بدخشی نے جو بقول صاحب تاریخ اعظمی ''از محرمان خاص و ملازمان با اختصاص بود'' یہ فیصلہ کیا کہ جو فریق تابوت مبارک کو اٹھالے وہ ان کا مزار جہاں چاہے بنا سکتا ہے۔ لیکن نعش کا تابوت کسی سے نہ اُٹھ سکا۔ اور آخر شیخ قوام الدین بدخشی ہی نے تنہا اٹھایا۔ چنانچہ تابوت یہی جماعت اپنے ہمراہ لے گئی۔ اسی سال ۵ جمادی الآخر کو آپ کی نعش مبارک ختلان میں دفن کی گئی۔

علم مبارک جو کئی بار سفر حرمین میں بھی حضرات امیر کبیر کے ہمراہ رہا ہے۔ لدے

ما گرے کی عرض داشت پر اہل کشمیر کو عنایت کیا گیا۔ سلطان قطب الدین اور اکثر عیان سلطنت اس صفہ پر کہ فی الحال وہ حجرہ خاص کے نام سے موسوم ہے اور جو آپ کا عبادت گاہ خمس الاوقات تھا۔ آپ کی زیارت کے لیے آتے رہے ہیں۔

آپ ۷۸۱ھ میں تشریف لائے۔ اور ۷۸۶ھ میں مراجعت فرمائے وطن ہو کر راستے ہی میں وفات پا گئے۔ لیکن سری نگر میں جس جگہ آپ کا قیام تھا اور اس وقت خانقاہ معلیٰ کے نام سے کشمیر کی ایک بے نظیر عمارت ہے۔ صرف آپ کی عبادت گاہ شیرازی ؎

بر زمینے کہ نشان کفِ پائے تو بود

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں حضرت امیر کبیرؒ کے خلف حضرت میر محمد ہمدانی کشمیر میں تشریف لائے۔ ملک سیہہ بٹ جس کا اسلامی نام ملک سیف الدین تھا۔ اور جو سلطان کا وزیر و سپہ سالار تھا۔ بادشاہ کے حکم سے ایک جمعیت کے ساتھ آپ کے استقبال کو گیا۔ میر محمد ہمدانی کی عمر اس وقت ۲۲ سال تھی۔ آپ کے ہمراہیوں کی تعداد جن میں سادات کی بھی ایک معقول تعداد تھی۔ تین سو بیان کی جاتی ہے۔ ملک سیف الدین وزیر و سپہ سالار نے اپنی لڑکی کا جو دیدی باجی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے ساتھ عقد کر دیا۔

غرض ہمدانی سادات جو سری نگر اور اس کی مضافات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں اسی زمانہ سے کشمیر میں آباد ہیں۔ ان میں پیری مریدی کا سلسلہ بھی ہے اور دیہات میں اکثر لوگ زمین داری بھی کرتے ہیں۔ کچھ ہمدانی پیرزادے کشمیر سے پنجاب میں بھی چلے آئے تھے۔ انہیں امرتسر کے پیر عبدالسلام ہمدانی اپنی قوم و اسلامی جذبات کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں۔

سادات منطقی وبیہقی

اس سلسلہ کو بزرگ حق شناس سید حسین منطقی سے نسبت ہے۔ آپ شہر بیہق ملک خراسان سے سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کے عہد میں اپنے وطن قدیم سے کشمیر میں رونق

افروز ہوئے۔ چونکہ منطق میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ اس لیے نہ صرف آپ بلکہ آپ کی اولاد بھی منطقی ہی کہلائی جانے لگی۔ کشمیر میں جس علم پر کسی کو عبور ہو۔ اسی نام سے وہ مشہور ہو جاتا ہے۔ جیسے شیخ یعقوب گنائی جو شیخ یعقوب صرفی کے نام سے مشہور ہیں بلکہ انہوں نے اپنا تخلص بھی سرفی ہی رکھ لیا تھا۔ اسی طرح سری نگر میں ایک طبقہ نحوی بھی کہلاتا ہے۔ شیخ یعقوب صرفی کے خلیفہ میر محمد بھی میر محمد صرفی ہی کے نام سے مشہور تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ فرزند کلاں کا نام جن سے سلسلہ اولاد کو ترقی ہوئی سید حسن منطقی تھا۔ آپ صاحب علم وعمل بلکہ ولی اکمل تھے۔ ان کی شاعری تصوف کے جذبات کا آئینہ تھی۔ اونتی پورہ میں دریا کے کنارے سلطان بڈ شاہ کا ایک وسیع اور سرسبز وشاداب باغ تھا۔ وہاں عموماً رہا کرتے تھے۔ مزار مبارک بھی اسی جگہ ہے۔ جو سڑک سری نگر سے اسلام آباد جاتی ہے۔ اسی کے کنارے وانتی پورہ کے متصل جہاں پرانے زمانہ کے برتن اور مندر کھنڈروں سے نکلے ہیں۔ ایک بلند ٹیلہ پر دائیں ہاتھ پر مزار آتا ہے۔ لاریاں، موٹریں، تانگے اور کئی پیدال وسوار مزار کی دیوار کے پاس سے گزر جاتے ہیں۔ کسی کو کیا خبر؟ کہ یہاں خاک گور کی آغوش میں علم وفضل اور زہد واتقا کا ایک مجسمہ لیٹا ہوا ہے۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۵۲ پر) آپ کے متعلق لکھا ہے۔

''سید حسن منطقی فرزند کلاں حضرت سید حسین منطقی ست مظہر فیوض الٰہی ومصدر کمالات نامتناہی بود۔ درعہد او کسے برادر فوقیت نداشت علم وارشاد اور موضع ذنتی پورہ کہ درآں وقت ولایتے معمور بود افراشت وہماں جا مدفون شد۔''

دوسرے فرزند کا نام سید محمد امین منطقی بیہقی عرف حضرت میر بابا اویسی ہے۔ برگزیدہ سادات روزگار اور معروف الکرامات ومشہور الجذبات تھے۔ قدمانے ان کی شان میں بے شمار نظمیں لکھی ہیں۔ تاریخوں میں ان کے صاحب علم ظاہری وباطنی ہونے کا تفصیل سے ذکر ہے خود بھی شعر کہتے تھے۔ چنانچہ بزرگی وولایت کے باوجود اپنی انکساری ونیازمندی کے اظہار میں فرماتے ہیں۔

گناہِ ما زعدم گر نیامدے بہ وجود　　　وجود عفو در عالم عدم مے بُود

بچپن ہی میں ان کے اطوار ایسے محمودہ اور اوضاع ایسے مقبولہ اور اخلاق ایسے حسنہ تھے

کہ بڈشاہ بادشاہ کشمیر نے ان کے والد حضرت سید حسین منطقی بیہقی سے مانگ کر ان کو اپنی فرزندی میں لے لیا اور تمام لوازمات شاہی کی تعلیم دلائی۔ لیکن آپ نے تمام شاہانہ کروفر کو خیر باد کہہ کر ہری پربت کے نیچے اپنے باغ میں کہ اس کا نام میرواری یعنی باغ میر تھا۔ اقامت اختیار کر لی تھی۔ بادشاہ نے جب بہت زور دیا تو لکھ بھیجا۔

زماسوائے توانانکہ فارغ البال اند بعالمے نہ فرد شسند ذوق تنہائی

چونکہ اس زمانہ میں بیہقی بادشاہ کے مقربان خاص میں تھے۔ اور بادشاہ ان کے اثر میں تھا۔ بلکہ بقول تاریخ خواجہ اعظمی (صفحہ ۵۸) سید میرک میر مسمی سید حسین کہ از سادات بیہقی وزارت سلطان میکرد، امرائے کشمیر تاب حکومت او نیاوردہ باچہاردہ کس از فرزندان واقربا در خانہ بادشاہ برسر دیوان از دست این مرحوم شہادت یافت۔''

اسی رات کو حضرت محمد امین جو حضرت میر بابا اویسی کے نام سے مشہور تھے۔ اور بادشاہ کے لے پالک فرزند ہونے کی باوجود امورات سلطنت سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ ظالموں کے ہاتھوں سے صرف بیہقی سادات ہونے کی وجہ سے زخمی ہو کر شہادت پا گئے۔ اسی حالت میں آپ نے یہ شعر فرمائے۔

من فارغم ز مصلحت اہل روزگار میدان یقیں کہ کشتن من ہست بے گناہ
اکنوں بیاؤ شعر بخواں برمزار من تاروئے غالمان ستم گر شود سیاہ

شہید کشمیر (۸۸۸ھ) تاریخ وفات ہے۔ اسی خاندان میں ایک سید محمد منطقی گزرے ہیں جو حضرت بابا میر ویسی منطقی کے اقربا سے تھے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ ۶۲ پر) لکھا ہے کہ ان کی قبر کا پتہ لوگوں کو نسیاً منسیاً ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ چھچھہ بل (چھتہ بل) میں پانی کے زور سے کنار دریا منہدم ہو گیا آپ کسی بزرگ کے خواب میں آئے اور فرمایا کہ ''نشان گور من آنست کہ وقت باراں تر نخواہد شد۔ ازنجا جسد من بیروں آر'' صاحب تاریخ اگلی سطور میں لکھتے ہیں۔ جب بدن مبارک قبر سے نکالا گیا تو جسم اور کفن پر ''گرد کہنگی'' کا کوئی نشان نہ تھا اور ریش مبارک بھی اسی طرح منور تھی۔

امانت کی طرح رکھا زمین نے روز محشر تک
نہ اک مو پیرہن بگڑا نہ اک تار کفن بگڑا

اب آپ کا مزار چھتہ بل ہی میں ایک مسجد کے صحن میں ہے۔

انہی سادات میں سید تاج الدین بیہقی اور ان کے فرزند سید محمد بیہقی (بزمانہ سلطان قطب الدین (والد سکندر بُت شکن) اور سید مبارک خان بیہقی نامور گزرے ہیں۔ سید محمد بیہقی کی بیٹی سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کے نکاح میں تھی۔ سید مبارک خان بیہقی نے بزمانہ شاہان چک کشمیر کی سیاسی تاریخ میں بڑا نام پیدا کیا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ کچھ عرصہ تک کشمیر کی بادشاہی کے وہی مالک تھے۔ آپ شیخ بہاؤ الدین گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ مزار میں مدفون ہیں۔ سید مبارک خان کے بعد ان کی اولاد کا گو ویسا زور نہ رہا۔ تاہم سپہ سالاری اور فوج کی ہراولی تک ان کا عمل دخل برابر اقائم رہا۔ اس خاندان میں میر عبدالرشید بیہقی سید محمد بیہقی ثانی خلف سید حسن بیہقی اور میر عبداللہ بیہقی بہت نامور گزرے ہیں۔ میر عبداللہ بیہقی شاعر اور مصنف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد ساٹھ تک بیان کی جاتی ہے۔ سید احمد بیہقی ثانی سلطان محمد شاہ کے مدار المہام بھی رہے ہیں۔ سلطان فتح شاہ کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔ سید ابراہیم خان بیہقی ابن میر محمد بیہقی بھی چند سال تک سلطان محمد شاہ کے وزیر رہے ہیں۔ تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے۔ "وثلث کشمیر در اقطاع دے داشت صاحب جاہ وحشم بود"۔ ۹۷۳ھ سے وفات ہے۔ مزار السلاطین میں دفن ہیں۔

سادات اندرابیہ

حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام جگر گوشہ رسول مقبول صلعم کی چودھویں پشت میں * سید مسلم نام ایک بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے بعض وجوہات سے سرزمین حجاز کو خیر باد کہہ کر اندراب کا رخ کیا۔ جو کابل اور بلخ کے درمیان ایک مشہور قصبہ ہے۔

سید مسلم کی اولاد نو پشت تک اندراب میں رہی دسویں پشت سے سید احمد ** اندرابی جو سیادت پناہ امیر کبیر حضرت میر سید علی ہمدانی کے خواہر زادے تھے۔ حضرت کے ساتھ اپنے

---

* حضرت امام حسین۔ (۱) امام زین العابدین (۲) امام محمد باقر (۳) امام جعفر صادق (۴) امام موسیٰ کاظم (۵) سید حسین اصغر (۶) سید عبداللہ (۷) سید ابوالحسن علی (۸) سید عبداللہ ثانی (۹) سید علی اکبر (۱۰) سید عبداللہ ثالث (۱۱) سید اکبر ثانی (۱۲) سید محمد شید (۱۳) سید ابوعلی۔ سید مسلم اندرابی

** سید مسلم اندرابی۔ (۱) سید حسن (۲) سید ابوالقاسم (۳) سید ابوالحارث (۴) سید ابراہیم (۵) سید جلال الدین (۶) سید عبدالمطلب (۷) سید جلال الدین ثانی (۸) سید شرف الدین محمود (۹) سید شمس الدین بن (۱۰) سید احمد اندرابی۔

آبائی وطن سے کشمیر میں تشریف لائے۔اس زمانہ میں سلطان قطب الدین کی کشمیر میں حکومت تھی۔حضرت امیر کبیر تو واپس تشریف لے گئے لیکن ان کے بہت سے ہمراہی جن میں سادات کے علاوہ مشائخ بھی تھے۔کشمیر میں ہی رہ گئے۔سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد جب سلطان سکندر بت شکن نے ان کو مشیخیت وعلم کا اہل پایا۔تو محلّہ ملارٹہ میں ایک خانقاہ ان کے لیے تعمیر کرادی اور اس خاندان نیز خانقاہ اندرابیہ کے متعلقین کی خوردونوش اور ان کے اخراجات کے لیے چند دیہات بطور جاگیر نامزد کردیئے۔

حضرت بابا دواؤد خاکی اور بابا داؤد مشکواتی وغیرہ اصحاب نے اپنی تصنیفات اور ملا عبدالوہاب شائق نے اپنی مشہور تاریخ کشمیر میں باتشریح آپ کا ذکر کیا ہے۔اس تاریخ سے چند ابیات ذیل میں درج ہیں۔

حسینی لقب سید احمد بنام — کہ بود است از اولیائے کرام

زیاران میر کبیر است او — بزہد وورع بے نظیر است او

حسینی نسب بود آں پاک فن — حسب داشتش چوں امام حسن

چونکہ سید احمد اندراب سے کشمیر آئے تھے اس لیے اندرابی کے نام ہی سے مشہور رہے۔ اور آپ کی اولاد ہر چند کہ اب وہ کشمیر اور کشمیر سے باہر مختلف مقامات پر ہے۔سادات اندرابیہ ہی کہلا رہی ہے۔

آپ کی چوتھی پشت میں سید محمد میر میرک اندرابی منبع السادات سید السادات اور جامع علوم ظاہری وباطنی بزرگ گزرے ہیں ان کے حالات ومقالات سے کشمیر کی کتب سیر وتواریخ مالا مال ہیں۔آپ کے حسب ذیل تین فرزند تھے۔

سب سے بڑے سید * محمود دوسرے سید احمد قاسم، تیسرے سید یوسف۔اب تینوں کی اولادوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

---

* صاحب ''واقعات کشمیر'' یعنی خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری نے اپنی تاریخ میں میر شاہ بابا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔کہ وہ خلف حضرت میر سید میرک شاہ اندرابی تھے۔غالباً یہ عرف عام آپ کے فرزند کلاں سید محمد کا ان کے احترام وادب اور ان کے علم وفضل کی وجہ سے ہوگا اس لیے کہ اندرابی خاندان آپ کے متذکرہ صدر تین ہی فرزند تسلیم کرتے ہیں۔

سید محمد میرک کے فرزند اول سید محمد کی اولاد بہت پھلی پھولی ہے اور مقامات ذیل میں پائی جاتی ہے۔

کشمیر:

سری نگر میں۔ لولاب کے موضع کانٹھ پورہ میں۔ علاقہ پلوامہ کے موضع پوچھل دیار گام میں۔ تکیہ بہرام صاحب متصل آباد میں نار اندر۔ آرمی گام۔ سیل علاقہ ترال میں۔ سید پورہ کچی علاقہ مار میں۔ کرزہ ویل علاقہ ناگام میں۔ بارہ مولا اور علاقہ پونچھ میں۔

پنجاب:

لاہور۔ دھونکل۔ وزیر آباد۔ امرتسر۔ سیالکوٹ۔ کھرال علاقہ جہلم۔ سوجان پور (پٹھانکوٹ) موضع مینہ مانگی متصل ایمن آباد۔

بہار و بنگال:

کلکتہ و پٹنہ میں۔ یارقند میں نیپال میں۔

سید محمد میرک کے فرزند اول سید محمد کی شاخ سری نگر میں جو سب سے سرکردہ اور مشہور دیار دامصار بزرگ ہیں۔ وہ جوان صالح جوان ہمت اور ہمدرد ملت اسلامیہ مولانا سید میرک شاہ مولوی فاضل ہیں۔ جن کا دارالعلوم دیوبند کے بہترین بلکہ قابل فخر فرزندوں میں شمار ہوتا ہے شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ لولابی کشمیری (مرحوم) سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند سے آپ کو شرف تلمذ ہے۔ آپ سری نگر میں خانقاہ اندرابیہ کے بالکل متصل ملارٹہ میں رہتے ہیں آپ عرصہ تک تبلیغ کالج کرنال کے پروفیسر رہے۔ اب ایک سال سے مراد آباد میں قیام فرما ہیں *۔ سری نگر خاص، علاقہ گویز اور سوپور میں آپ کی تعلیمی و مذہبی خدمات نے ہمیشہ مسلمانوں کو مرہون منت رکھا ہے۔ اس خاندان کا مرکزی مقام سری نگر کے محلہ ملارٹہ میں ہے۔ جہاں خانقاہ اندرابیہ کے پاس حضرت سید محمد میرک اندرابی کا مزار شریف بھی ہے۔ خانقاہ مذکورہ کے سجادہ نشین اس وقت مولوی عنایت اللہ مولوی فاضل کے والد محترم سید احمد سعید اندرابی ہیں۔

سید محمد میر میرک اندرابی کے دوسرے فرزند سید احمد قاسم ** کی اولاد کشمیر کے مندرجہ

---

* مراد آباد میں مدرسہ امدادیہ عالیہ عربیہ کے صدر مدرس ہیں۔ ** آپ کا مزار بھی پوچھل ہی میں ہے۔

ذیل مواضعات میں پائی جاتی ہے۔ پوچھل کز دیر۔ وند ہامہ۔

وند ہامہ میں جو شاخ ہے وہ کزویر ہی سے گئی ہے۔ سید قاسم کی ساتویں پشت سے سید میر حسن سب سے پہلے وند ہامہ گئے۔ میر سید سیف الدین اندرابی جن کو اپنے مریدوں کا جائزہ لینے کے لیے کشمیر سے باہر قریباً ہر سال لاہور اور ملتان تک جانا پڑتا ہے۔ آپ ہی کے فرزند بیان کیے جاتے ہیں۔

میر سید احمد قاسم کی اولاد کا کثیر حصہ پوچھل ہی میں ہے۔ بلکہ یہ سالم گاؤں سادات اندرابیہ کی ملکیت ہے۔ سید میر ثناء اللہ اندرابی جو راقم الحروف کے ملنے والوں میں تھے۔ ذیلدار بھی تھے۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ سید میر محمد حفیظ اندرابی ان کے جانشین ہیں۔

پوچھل کے سید پیر محمد صاحب عرف پیر شاہ جو سید میر غلام عرف لسہ پیر کے والد تھے۔ اپنے علاقہ میں بہت مشہور تھے۔

سید احمد قاسم سے ان کی چند پشتوں کے بعد سید میر محمد اکبر شاہ پوچھل کی سکونت ترک کر کے نامب علاقہ چھراٹ میں چلے گئے۔ جو پوچھل اور رتنی پورہ سے چند میل کے فاصلہ پر راجپور (بوہ) کے متصل واقع ہے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے سید میر علی شاہ جن کا چند سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بزرگی کا آج تک لوگ احترام کرتے ہیں۔ دوسرے سید میر محی الدین جو پنجاب میں سید غلام رسول کے نام سے مشہور تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ ابن گلان متصل امرتسر میں بسر ہوا ہے۔ چند سال ہوئے کشمیر میں آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔

سید عبداللہ شاہ اندرابی ایل اے۔ جی جو ایگریکلچرل کالج لائل پور پنجاب میں اسسٹنٹ ریسرچ کے عہدہ پر ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ارجمند ہیں۔ سید عبداللہ شاہ اندرابی خاندان بلکہ تمام سنی سادات کشمیر سے پہلے نوجوان ہیں۔ جنہوں نے بھاری مخالفت کے باوجود سٹیٹ ہائی سکول میں انگریزی تعلیم پائی اور میٹرک کا امتحان پاس کیا۔

سید عبداللہ شاہ کشمیر میں سب سے پہلے مسلمان ہیں جن کو دربار کشمیر نے ۴۰ روپیہ ماہوار وظیفہ دے کر لائل پور کے زراعتی کالج میں حصول تعلیم کے روانہ کیا۔

جن دنوں آپ لائل پور (حال فیصل آباد) سے زراعتی گریجوایٹ L.A.G ہو کر واپس کشمیر آئے۔ ان ایام میں کشمیر میں زمیندار بینکوں کے اجرا کی ابتدا تھی اور زمینداران کشمیر اپنی

نافہمیوں کی وجہ ان کے قبول کرنے میں پس وپیش کرر ہے تھے۔ خان بہادر چودھری خوشی محمد اس زمانہ میں گورنر اور رجسٹرار تھے۔ وہ خود زمیندار تھے اور زمیندارہ بینکوں کے فوائد سے آگاہ تھے۔ انہوں نے سید عبداللہ شاہ کی واپسی کو غنیمت سمجھا۔ اور ان کو آتے ہی زمیندارہ بینکوں کے کام پر لگادیا۔ چنانچہ آپ نے ایک ہی سال کے اندر فضا ایسی کردی کہ ہندواڑہ۔ بارہ مولا۔ اور اسلام آباد کی تحصیلوں میں بہت سے بینک جاری ہو گئے۔ اور آپ کی ان خدمات کا اعتراف گورنر رجسٹرار اور ڈائیریکٹر محکمہ زراعت کے علاوہ مسٹر ٹالبٹ کمشنر بندوبست نے بھی کیا۔ اس کے بعد آپ چھ سال تک ریاست میں مختلف عہدوں پر رہے۔ لیکن آپ کی قابلیت چونکہ پر لگا کراڑ رہی اور کسی ایسے قدردان کی تلاش کرر ہی تھی جو قولاً ہی نہیں بلکہ عملاً وفعلاً بھی آپ کی حوصلہ افزائی کرے۔ اس لیے آپ ریاست کی ملازمت سے مستعفی ہو کر لائل پور چلے آئے جہاں اس وقت آپ ایک معقول مشاہرہ لے رہے ہیں۔

لائل پور میں آپ فصلوں اور میوہ دار درختوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑوں کی روک تھام وغیرہ کی تحقیقات کے فرائض بجالا رہے ہیں۔ آپ نے اس بارہ میں جو امورات تحقیقات کی ہیں دنیا کے بڑے بڑے سائنس دانوں نے ان کی تعریف کی ہے اور سائنس کے مقتدر رسالوں نے آپ کی تحقیقات کے اقتباس شائع کیے ہیں۔

غلام محمد خان اسسٹنٹ انسپکٹر زراعتی مدارس شمال مغربی پنجاب نے جو کتاب سبزی ترکاری پر لکھی ہے۔ اس کے تیسرے ایڈیشن میں لال بھونڈی کا جو تذکرہ ہے وہ آپ ہی کی تصنیف سے لیا گیا ہے۔

پوچھل اور کزویر کے اندرابیوں کی ایک شاخ لاہور میں ہے جس کے ایک بزرگ سید عبدالقادر اندرابی سب سے پہلے کشمیر سے لاہور تشریف لائے جو ۱۳۵۱ھ میں لاہور ہی میں وفات پا گئے۔ ان کے خلف اکبر میں سید عبدالغنی نے لاہور میں سلسلہ قادریہ کو بہت رونق دی۔ ۲۷۔۲۸ سال کا عرصہ گزرتا ہے کہ آپ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ آپ کے ایک صاحبزادہ سید غلام علی شاہ اندرابی کا انتقال ہو چکا ہے۔ دوسرے صاحبزادہ مولانا سید محمد امین اندرابی کا لاہور کے ناموراور ممتاز وکلاء میں شمار ہوتا ہے۔ کئی سال تک لاہور کے میونسپل کمشنر رہ چکے ہیں۔ ہر سال آپ کے ہاں ''عرس شاہ جیلاں'' نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ سید محمد میرک کے تیسرے فرزند سید

میر یوسف جوتخت سلیمان کے دامن میں مدفون ہیں کی اولاد کشمیر کے مختلف دیہات مثلاً جدر۔ نارہ واؤ اور سیل ترال کے علاقہ میں پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنی دوسری برادری کی طرح زراعت کا کام بھی کرتے ہیں اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رکھتے ہیں کشمیر کے سادات اندرابیہ کا ایک اور گھر لاہور میں ہے۔ میر سید اسحاق اندرابی اس کے ہیڈ ہیں اور میونسپلٹی لاہور میں ملازم ہیں۔

سادات نقشبندیہ

نقشبندیہ خاندان کشمیر میں دو ہیں۔ اور دونوں جلیل القدر ہیں۔ ایک خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی عطاری ہیں جو جہانگیر کے عہد میں ہندوستان اور کشمیر میں تشریف لائے۔ دوسرے خاندان کے بانی حضرت خواجہ عبدالرحیم نقشبندی احراری المعروف بہ شیخ کمان ہیں۔ جو محمد شاہ بادشاہ غازی کے زمانہ میں کشمیر میں تشریف لائے تھے۔ یہاں دونوں خاندانوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) اولاد حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی

حضرت خواجہ خاوند محمود کے حالات تاریخ خواجہ اعظمی نظام الوقائع، تاریخ حسن اسرار لابرار، تاریخ کبیر، تحقیقات امیری تحفہ نقشبندیہ، ذکر الصادقین اور لاہور و پنجاب کی تاریخوں میں تفصیل سے درج ہے۔

آپ اکابر سادات بخارا سے تھے۔ والد بزرگ کا نام میر سید شریف تھا۔ جن کا سلسلہ نسب پنج واسطوں سے حضرت قطب الاحرار خواجہ سید علاء الدین عطار خوارزمی سے ملتا ہے۔ جو قطب الاقطاب خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبندی بخاری کے داماد تھے۔ حضرت خواجہ خاوند محمود کہ تاریخوں میں ان کا نام بالعموم حضرت ایشاں درج ہے اور لاہور میں ان کا مزار بھی روضہ حضرت ایشاں ہی کے نام سے موسوم ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں بخارا سے کشمیر میں وارد

ہوئے۔اس حساب سے آپ کی اولاد دو احفاد کو کشمیر میں سکونت پذیر ہوئے تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔

آپ پہلی مرتبہ کشمیر آئے۔تو تھوڑا عرصہ رہ کر براستہ گجرات ہندوستان واپس چلے گئے۔لیکن وہاں طبیعت نہ جمی پھر کشمیر آ گئے۔اور محلّہ سکندر پورہ میں جہاں حسین شاہ بادشاہ کشمیر کے مکانات و باغات تھے۔قیام کیا۔یہیں آپ نے ۱۰۱۷ھ میں ایک خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی۔ خانقاہ کا نام خانقاہ فیض پناہ نقشبندیہ ہے۔آپ ہی کی وجہ سے محلّہ سکندر پورہ کا نام بازار خواجگان پڑا۔جو رفتہ رفتہ خواجہ بازار کے نام سے تبدیل ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں خانقاہ کی تعمیر پر ۴۵ ہزار روپیہ لاگت آئی تھی۔خانقاہ ہے عجب لطیف آمد۔تاریخ ہے۔کشمیر میں سب سے پہلے جناب ہی کی بدولت طریقہ نقشبندیہ کا رواج ہوا۔

شاہ جہاں بادشاہ کے زمانہ میں جب کہ ظفر خان گورنر کشمیر تھا سری نگر کے مشہور جنگی محلّہ مائی سومہ میں سنیوں وشعیوں کے درمیان فساد عظیم ہوا۔حضرت خواجہ خاوند محمود نے حاکم شرع اور ناظم صوبہ کو مفسدوں کی تنبیہ کی طرف توجہ دلائی جب ناظم کو حضرت نے اس معاملہ میں لیت ولعل کرتے ہوئے پایا۔تو بطور اظہار ناراضگی شہر سے نکل کر مقام ہفت چنار میں آ گئے۔ ہزار ہا لوگ آپ کے ہمراہ تھے۔ظفر خان مفسدوں کو سزا دے کر بہ منت آپ کو واپس لایا۔لیکن شاہجہاں کو اطلاع دے دی کہ ان کا اثر ورسوخ کشمیر میں اس قدر ہے کہ حکومت کو ان کے سامنے مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ بادشاہ نے اس اطلاع پر مصلحتاً آپ کو لاہور بلوا لیا۔ جہاں آپ شعبان ۱۰۵۰ھ میں انتقال فرما گئے۔آپ کا مزار سعید خان نے کہ امرائے شاہجہانی میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ اعلیٰ پیمانہ پر تعمیر کرایا۔جو اب تک شالامار باغ لاہور کی سڑک پر بیگم پورہ کے متصل موجود ہے۔

وفات سے پیشتر بہ اجازت بادشاہ شاہجہاں آپ اپنے فرزند ارجمند خواجہ سید معین الدین کو کشمیر میں روانہ کر چکے تھے۔چنانچہ صاحب ''واقعات کشمیر'' صفحہ ۱۳۹ پر لکھتے ہیں۔''بامر سلطان در لاہور توطن فرمودند و مرشد السالکین خواجہ معین الدین راجہ جہت ترویج طریقہ و خانقاہ بہ اجازت پادشاہ پادشاہ کشمیر فرستادہ۔''

خواجہ معین الدین ہادی نقشبندی اپنے والد کے ہمراہ بخارا سے ہندوستان آئے تھے۔ آپ اعلیٰ پایہ کے بزرگ اور عالم دین اور مصنف گزرے ہیں۔ان کی تصنیفات میں سے کنز

السعادت ،مراۃ القلوب ۔ سیر محمدی ۔ مراۃ الطیبہ بہت مشہور ہیں ۔ فضائل پناہ ملا محمد ظاہر (خلف مولانا حیدر علامہ) ملا ابوالفتح کلو ۔ ملا یوسف مدرس ۔ ملا محمد ظاہر مفتی ۔ ملا عبدالنبی اور ملا شیخ احمد مفتی جیسے فضلا و علمائے دہر آپ کے ہم نشینوں میں تھے ۔ ایسے ہی جید علماء کے مشورہ اور ان کی مدد سے آپ نے فقہ کی کتاب فتاویٰ نقشبندیہ تالیف کی ۔ آپ ستر سال سے زیادہ عمر پا کر ۲۹ محرم ۱۰۸۵ھ کو رحلت فرما گئے ۔ آپ کے فرزند خواجہ شرف الدین نقشبندی کی اولاد سری نگر کے علاوہ مضافات کشمیر میں بھی معقول تعداد میں پھیلی ہوئی ہے ۔ خانقاہ نقشبندیہ کے صحن میں درگاہ حضرت نقشبند کے نام سے آپ کا روضہ موجود ہے ۔ بیرون روضہ آپ کی اولاد و احفاد کی قبریں ہیں ۔

لاہور اور کشمیر میں نواب میر عبدالصمد خان دلیر جنگ جو ایک نامور گورنر محمد شاہ بادشاہ غازی کے عہد میں گزرا ہے ۔ حضرت خواجہ خاوند محمود ہی کی ذریات میں تھا ۔ اس نے بھی حضرت کے روضہ کو بہت رونق دی ہے ۔ کشمیر اور لاہور میں اس خاندان نے کئی اہل دل بزرگ پیدا کیے ہیں ۔ چنانچہ صاحب تاریخ اعظمی (کہ اس تاریخ کا دوسرا نام واقعات کشمیر ہے) صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں " دہم یاران صاحب معنے دریں صوبہ و در صوبہ لاہور از خواجہ کلاں مرحوم بودند ۔ از آنجملہ در لاہور حافظ خادم مروے مشہور بود صاحب ظاہر و باطن ۔"

شاہان مغلیہ نے اس خاندان کو بغرض مدد معاش جاگیرات عطا کر رکھی تھیں ۔ وہ خالصہ حکومت کے عہد میں ضبط ہو گئیں ۔ یہ خاندان مغلیہ عہد سے لے کر افغانوں کے عہد تک کیا روحانی اعتبار سے اور کیا دنیوی اقتدار سے عروج پر تھا ۔ آج سے قریباً پچاس سال پیشتر اس خاندان کے ایک رکن خواجہ عزیز شاہ نقشبندی خانقاہ نقشبندیہ کے سجادہ نشین تھے ۔ انہوں نے نواب سر احسن نواب ڈھاکہ سے خواجہ ثناءاللہ شال رئیس کشمیر کی معرفت رقم کثیر حاصل کر کے ۱۳۰۳ھ میں خانقاہ نقشبندیہ کی تجدید تعمیر کی ۔ ان کی وفات (۲۳ رمضان ۱۳۲۰ھ) کے بعد ان کے فرزند خواجہ حبیب شاہ نقشبندی (سال وفات ۱۳۲۸ھ) کے ہاں صرف ایک ہی لڑکی تھی ۔ جو خواجہ نور شاہ نقشبندی خلف خواجہ حسن شاہ نقشبندی کے نکاح میں آئی ۔ خواجہ نور شاہ اس طریق سے درگاہ نقشبندیہ کے متولی و منتظم قرار پائے ۔ ان کا نسبتی تعلق حضرت خواجہ عبدالرحیم نقشبندی کے خاندان سے ہے ۔ موجودہ وقت میں اولاد حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی کو کشمیر میں کوئی خاص دنیوی اقتدار نہیں ہے ۔ خواجہ سید غلام محی الدین نقشبندی جو خواجہ محمد یوسف نقشبندی کے فرزند اور حضرت خواجہ خاوند محمود کی ذریات سے ہیں ۔ علمی مذاق سے آشنا ہیں اور مولانا شریف الدین مفتی اعظم کشمیر کے خواہر زادے ہیں ۔

(۲)اولاد حضرت خواجہ سید عبدالرحیم نقشبندی

حضرت خواجہ سید علاء الدین عطار جو حضرت خواجہ سید بہاؤ الدین محمد نقشبندی کے داماد و خلیفہ تھے کے دو فرزندوں خواجہ حسن عطار و خواجہ حسین عطار میں سے اول الذکر کی نویں پشت کلاہ فقیرانہ کی جگہ تاج شاہی زیب سر کرتی ہے۔

تاشقند جو آج سویت روس (بالشویکوں) کے ماتحت ہے اس خاندان کی نویں پشت میں خواجہ محمد فاضل کا دارالحکومت تھا۔ اور آپ بادشاہ تاشقند کے نام سے موسوم تھے۔ آپ کی تیسری پشت میں ایک نامور فرزند پیدا ہوا جس نے تاشقند کی بادشاہی پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گدائی کو ترجیح دی۔ آپ کا نام خواجہ سید عبدالرحیم نقشبندی المعروف بہ خواجہ شیخ کمان بادشاہ تاشقند اور والد کا نام خواجہ محمد شریف تھا۔ خواجہ عبدالرحیم ۱۰۹۹ھ مطابق ۱۶۸۷ء میں بعہد عالمگیر تاشقند میں پیدا ہوئے اور ۱۱۲۳ھ میں بعمر ۲۴ سال حج کا ارادہ کیا اور باجازت والد بخارا۔ کابل۔ پشاور، لاہور، دہلی، عرب وعجم اور ترکی کی سیاحت کی۔ ہندوستان میں بہ اوقات مختلفہ شاہ عالم بہادر شاہ سے لے کر محمد شاہ اور احمد شاہ تک کا زمانہ تھا۔

محمد شاہ نے جو خطاب آپ کو ۲۵ ہزار روپیہ کے ماہوار نذرانہ اور جاگیر وغیرہ کے متعلق لکھا اس کے چند الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

"ایں ہمہ جاہ وجلال پادشاہی از بدو راعلیٰ حضرت فردوس منزلت آنجہانی حضرت امیر تیمور گورگانی بہ برکت خاک نعلین جد امجد آنحضرت مسلم است پس ایں سلطنت راز خود تصور فرمانید۔ آنکہ بکمال عقیدت جگر گوشہ ہائے خود دریغ نداشتیم۔ بایں واسطہ بہ تعلق شاہی ہم حقدار ید۔ اگر از اخذ عنان حکومت متفرند اما در عدم تجمل آنحضرت اگر اختیار ہم باشد۔ ما نیاز مندان را تحمل آن نیست بابت اخراجات خادمان در ماہ بسیت و پنجہزار از خزانہ عامرہ مقرر شد۔ و نیز گر در لاہور یا در کشمیر بہ نظر آب وہوائے سرد توقف فرمانید بہر شہر و ہر قدر کہ مواصفات آن شہر بطور جاگیر مستمرہ مقرر شوند۔ امید قبولی است"۔

آپ سرہند میں جا کر شیخ محمد عابد رحمۃ اللہ علیہ سے جو حضرت مجد دالف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے۔ بیعت ہوئے۔ ۱۱۵۰ھ میں شادی کی۔ امین آباد آپ کو جاگیر میں ملا *۔ یہ زمانہ پنجاب میں سکھا شاہی دور کا تھا اور احمد شاہ ابدالی ان کے استیصال کے لیے بار بار پنجاب میں آیا کرتا تھا۔ آخر ایک لڑائی میں حضرت خواجہ صاحب کے بھائی خواجہ سید شاہ نیاز جب شہید ہو گئے۔ تو آپ ایمن آباد کی جاگیر کو ترک کر کے جموں کے راستے کشمیر اور کشمیر سے اپنے وطن ترکستان چلے گئے۔ وہاں سے پھر تبت سے پھر کشمیر آئے۔ سب سے پہلے بابا محمود نبیرہ میاں محمد ہاشم چشتی خانیاری اور بعد ازاں میاں محمد ولی دار کے گھر قیام کیا اس زمانہ میں کشمیر میں خواجہ سید کمال الدین نقشبندی کا بڑا چرچا تھا۔ میاں محمد ولی دار اور خواجہ شہید جو حضرت خواجہ خاوند محمود نقشبندی کی اولاد سے اور درگاہ نقشبندیہ کے سجادہ نشین تھے۔ اہل وعیال بلکہ موخر الذکر مریدوں سمیت حلقہ بیعت وارادت میں داخل ہو گئے۔

سری نگر میں آپ نے دولت چک جو شاہان چک کی یادگار تھا کی بہت سے اراضیات خریدیں۔ جو خانیار کے متصل اور برارہ نمبل کی جھیل کے پاس تھیں۔ آپ ہی کی سیادت کی وجہ سے اس محلّہ کا نام بھی سید داری محلّہ مشہور ہو گیا۔ ۱۱۵۵ھ میں بعہد نورالدین خان صوبہ کشمیر آپ پھر تاشقند چلے گئے۔ وہاں سے چند تبرکات اپنے ہمراہ لائے ** جو اب تک آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔ آپ نے کشمیر میں خورم خان۔ جوان شیر امیر خان۔ حاجی کریم داد خان اور آزاد خان کی نظامتوں کے زمانے دیکھے ہیں۔ آپ کے موعظہ حسنہ، تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، اکل حلال اور صدق حال کی تاکید پر ہوتے تھے۔ آخر آپ ایک سو ایک سال کی عمر پا کر ۱۲ جمادی الاول

* مسٹر ولیم مور کرافٹ اور مسٹر جارج ڈیرےبک نے ۱۸۱۹ء سے ۱۸۲۵ء تک پنجاب لداخ کشمیر، پشاور، کابل، قندھار اور بخارا کا جو سفر کیا تھا اس کو ایچ ایچ ولسن نے سفر نامہ مور کرافٹ کے نام سے چھاپ دیا ہے۔ اس کی جلد اول کے صفحہ ۲۴۱ پر لکھا ہے جب آپ لاہور آئے تو نواب قمرالدین وزیر محمد شاہ بادشاہ دہلی اور لاہور کے گورنر میر مام نے (صحیح نام میر مومن اور وہ گورنر نہیں بلکہ نائب گورنر تھا۔ مولف) پرخلوص استقبال کیا۔ اور اس کی گزر اوقات کے لیے آماد آباد (صحیح نام ایمن آباد۔ مولف) کا قصبہ اس کی جاگیر میں کر دیا)

** کشمیر کی قدیم تاریخوں اور سفر نامہ مور کرافٹ میں لکھا ہے۔ جب آپ تاشقند واپس آ گئے۔ تو آپ کے والد وفات پا چکے تھے اور ان کے بھانجے خواجہ محمد یوسف ملک پر قابض تھے۔ جب خواجہ عبدالرحیم نے ملک کی تباہی کے خوف سے کوئی جماعت کھڑی کرنی مناسب نہ سمجھی۔ تو تاشقند کی رہائش پر دائمی ہجرت کو ترجیح دی اور کشمیر چلے آئے۔

۱۲۰۰ھ کو اعلیٰ علیین میں چلے گئے۔ رضی اللہ عنہ تاریخ وفات ہے۔ مولانا صدر الدین مصنف ذکر الصادقین اور شیخ الاسلام مولانا قوام الدین آپ کے نامور خلفا میں سے تھے۔

آپ کے دو فرزند تھے اول خواجہ شاہ نواز جو عین شباب ہی میں لاولد انتقال کر گئے تھے۔ دوم خواجہ شاہ نیاز جنہوں نے اپنا اپنے خاندان کا اور کشمیر کا نام دنیا میں روشن کیا ہے خانقاہ نقشبندیہ کی بنیاد ۱۲۱۲ھ میں آپ ہی نے ڈالی تھی۔ آپ نے کئی مساجد مہمان سرائے درسگاہیں، حمام اور پل تعمیر کرائے۔ آپ نے بھی اپنے والد محترم کی طرح سیر و فی الارض پر خوب عمل کیا ہے آپ نے خانقاہ اور مسجد تک مسلمانوں کے تطہیر اور وضو وغسل کے لیے نالۂ مار سے ایک نہر نکالی جو آپ کے صحن اور مکانات سے ہو کر پھر نالۂ مار کے ساتھ جا ملتی تھی۔ چونکہ اس پر دولت کشمیر خرچ ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا نام دولت سل رکھا۔ آپ نے افغان گورنروں کے زمانہ میں بہت وسیع اور قیمتی اراضیات حاصل کیں۔ جن کی آمدنی خیرات اور سخاوت میں صرف کر دی جاتی تھی۔ انہی ایام میں ترکستان سے ایک وفد آپ کو لینے آیا۔ عرضداست پر بڑے بڑے روسائے ترکستان کی مواہیر ثبت تھیں۔ آپ نے اہل وفد کی دلشکنی نہ کرنی چاہی اور کچھ حب وطن کا بھی تقاضا تھا چنانچہ آپ تاشقند کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ کی غیر حاضری میں افاغنہ کی حکومت کشمیر کا تختہ الٹ گیا۔ سکھوں نے کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ ہر ایک مسلمان خاندان پر وبال وزوال آیا۔ چونکہ آپ کا سلسلہ ارادت بہت وسیع تھا اور مکانات واراضیات کی بھی کافی تعداد تھی۔ اس لیے آپ کا خاندان خاص طور پر سکھوں کے زیر عتاب آیا۔ وہ جاگیریں جو شاہان مغلیہ وافاغنہ نے دی ہوئی تھیں۔ ضبط کر لی گئیں۔ بلکہ ایک لاکھ روپیہ تاوان ڈالا گیا۔ جو آپ کی عدم موجودگی میں اس بے دردی و بے رحمی سے وصول کیا گیا کہ اس کی کیفیت لکھتے ہوئے قلم لرزتا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ نیاز نے جب ترکستان سے واپس آ کر جائیداد و املاک کی کیفیت دیکھی تو اِنَّ اللّٰہ مع الصّٰبِرِین کہہ کر خاموش ہو گئے۔

اسی اثنا میں کرنیل ولیم مور کرافٹ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے چند پولیٹیکل وجوہات کے باعث ترکستان جانے کے لیے کشمیر آئے۔ حکومت خالصہ نے ان کی ہر طرح خاطر تواضع کی۔ صاحب بہادر کے میر منشی کا نام سلیم اللہ خان تھا اور وہ خواجہ شاہ نیاز کے والد بزرگ

حضرت خواجہ عبدالرحیم کے مریدان خاص میں تھے۔ اس لیے صاحب بہادر ان سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اور انہیں بطور سفیر اپنے ہمراہ لے گئے *۔

صاحب بہادر نے جب کشمیر میں اور کشمیر سے باہر ترکستان تک حضرت خواجہ کی وجاہت ومقبولیت کا عالم دیکھا اور سکھوں کی چیرہ دستیوں کی بدولت ان کی جاگیر کی ضبطی سنی۔ تو واپس آ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس میں ان کی شہزادگی کی کیفیت لکھی اور ان کی جاگیرات کی واگزاری کی سفارش کی۔ ہم اس مراسلہ کا کچھ خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

اگر این قسم شخص از مسلمانان در ممالک محروسہ سرکار انگریزی مے بود۔ در اکرام و تعظیم او از ہر وجوہ امداد و معاش زیادہ بہتر میکردند لیکن دریں وقت این دولت خداداد یعنی بودن اشخاص خوب مثل خواجہ صاحب موصوف در ملکِ آن مشفق نعمت غیر مترقبہ است۔ قدر این نعمت دانستن بہتر از فتح ہزار ملک است .... و نیز میدانم کہ خواجہ شاہ نیاز صاحب۔ استغنائے ذاتی کہ لازمہ فقر است باں متفق تحلیف دہ یاد آوری نخواہد شد۔ لہٰذا بوجوہات مرقوم الصدر الطلوع کردن ہچوامر در عالم دوستی واجب دانستم دعائے درویشاں موجب حشمت و جاہ سیاشد خواہد شد .... بہ صمیم مودت قلبی آنچہ شنیدم و مصلحت و دیدم بے مبالغہ اغراق بہ سمع شریف رسانیدم .... بنام ناظم کشمیر حکم صادر شود کہ اعزاز و اکرام مرعی داشتہ وجہے کہ مقرر شود۔ بموجب امر عالی برسانند دسندے کہ دریں باب لازم باشد۔ بخواجہ صاحب موصوف ارسال فرمانید۔

صاحب بہادر کی سفارش سے صرف پانچ دیہات واگزار ہوئے اور باقی جاگیرات کے لیے کہا گیا کہ بتدریج تمام دیہات وگزار کر دیئے جائیں گے۔

---

* مورکرافٹ کے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ سکھوں نے خواجہ شاہ نیاز کی جاگیریں ضبط کر لیں۔ تو وہ اپنی جان بچا کر ہمسایہ علاقہ میں چلا گیا۔ چنانچہ وہ اس وقت لداخ میں بارسوخ زندگی بسر کر رہا ہے۔ مسلمانان یارقند کے دعوتی پیغام بھی اس کو آ رہے ہیں اور والئی کابل نے بھی اس کو جاگیر کا وعدہ دے کر بلایا ہے۔ مورکرافٹ لکھتا ہے۔ ہم نے ندی کی دو شاخیں عبور کر کے خواجہ کے لیے ایک خیمہ نصیب کرایا۔ اور وہیں ان سے ملاقات کی۔ وہ شصت سالہ پست قد مضبوط جسم اور خوش شکل اور بارعب تھے۔ سر پر بھاری عمامہ تھا۔ خدوخال اُزبکوں سے ملتے تھے۔ جونہی کہ ہم بیٹھ گئے۔ نمکین چاء گندمی کلچے یارقندی بسکٹ۔ لداخ کے سیب اور اخروٹ اور کشمیر کا انجیر چنا گیا۔ مورکرافٹ کے سفرنامہ میں صفحہ ۲۵۶ پر پھر خواجہ شاہ نیاز کا ذکر ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ ''یہاں بھی ہمارے دیرینہ دوست خواجہ نے میری مدد کی اور بتدریج لاما کو ہماری مخالفت سے باز کیا۔''

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جس معذرت نامہ کی رو سے یہ دیہات واگزار کیے وہ گو طویل ہے لیکن اس کی تاریخی عظمت واہمیت سے اس کو بجنسہ درج کیا جاتا ہے۔

''زبدۃ الوصلین قدوۃ العارفین نقادہ دودمان عظمیٰ۔ سلالہ خاندان کبریٰ سیادت پناہ شاہزادہ خواجہ نیاز نقشبندی سلامت۔ دریافت شد تکالیفے کہ بائصاحب بناپر ناواقفیت دنا آشنائی اہلکاران بوقت تسخیر کشمیر بوقوع آمدہ است۔ موجب سخت تاسف است۔ مردمان فوجی بوقت تسخیر بعدم واقفیت معزور بیاشد۔ مابدولت بہر وجہ خواہان جبر نقصان تکلیف آن خاندان است۔ وہات منضبط کل رفتہ رفتہ واگزار خواہند شد۔ سر دست پنج موضع دیات بطور جاگیرات دوامی تبعین حدود واگزار شدند۔ بمعہ عطائے کل حقوق از خالصہ جی ہاں دیہات کدام مداخلت نخواہد شد۔ واز ہمہ پرگنات دہات مذکور منہا خواہند بود مابعد۔ دیگر دہات جاگیر بردر ایام واگزار خواہند شد معہ کل حقوق وتعین حدود واگزار خواہند بود وقدر ر ومنزلت آن در قلمرد مابدولت از ہمہ مافوق ملحوظ خواہد بود والقاب وآداب در سلسلہ خط وکتابت بلحاظ خاندان شاہی و بزرگی خاندان سیادت قرار ذیل مقرر شد۔ ''نقادہ دودمان عظمیٰ۔ سلالہ، خاندان کبریٰ'۔ بہمیں الفاظ از سرکا، خط وکتابت جاری میشود۔ وجائے نشست آنصاحب ومتعلقان آن خاندان از ہمہ بالا بوجہ بودن آنصاحب از خاندان شاہی، در سرکار مابدولت خواہد ماند و در ضروریات امور آنصاحب دیا خالصہ جی وکیل دربار آنصاحب در سرکار حاضر خواہد ماند عزت و توقیر او ملحوظ خواہد بود۔ واز علاقہ آنصاحب یعنی از دہات جاگیر دیا از علاقہ یارقند وغیرہ ہر چہ کہ در شہر آنصاحب از مال سرسولی مثل جنس وغلات وچوب جنگل جنگلات وغیرہ چائے تبتی دما میراں وغیرہ خواہد رسید۔ نصف محصول گرفتہ خواہد شد ونصف دیگر در معافی است واز چوپان و شاخ شماری وغیرہ آمدنی جنگلات ہمہ در مد معافی جاگیر حق آنصاحب است۔ کسے وجہ مداخلت نخواہد شد۔ اگر برائے سیر وطن بطرف ترکستان احیاناً خواہند رفت۔ یادہات جاگیر وزمینات و باغات ومکانات مداخلت بوجہے نخواہد شد۔ سر دست آنکہ دیہات واگزار شدہ اند پنج موضع بقدر بست وپنجہزار کہ واگذار شدند۔ در تصرف خود آوردہ باشند۔ ہمیشہ رابطہ خط وکتابت مربوط دارند دآمد ورفت در حضور مابدولت جاری دارند و پروانگی حضور بنام نامی خطہ کشمیر جرنیل میاں سنگھ جی علیحدہ ذریں خصوص بطور مفصل ارشاد جاری شد۔

''تحریر ۱۵۔ اسوج ۱۸۸۰ بکرمی۔ ڈیرہ دار السلطنت لاہور''۔

اس زمانہ میں امیر دوست محمد خان افغانستان کا بادشاہ تھا۔ اس نے آپ کی دلجوئی کے لیے آپ کو کابل بلوایا۔ ارباب حکومت افاغنہ نے ایک میل تک پیشوائی کی۔ امیر دوست محمد خان بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔ آپ اٹھارہ سال تک کابل ہی میں رہے۔ اور آخر اسی جگہ ۸ جمادی الثانی ۱۲۴۵ھ کو وصال فرمایا۔ خیر الابرار تاریخ وفات ہے۔ امیر دوست محمد خان تمام مراسم تعزیت بجالایا اور آپ کے فرزندان عالی منزلت خواجہ محمد شاہ واحمد شاہ کو تعزیت نامہ لکھا جس میں حضرت خواجہ شاہ نیاز کی وفات پر بے انتہا رنج والم کا اظہار کرتے ہوئے ارقم فرمایا۔

''واقعہ وفات حضرت خواجہ شاہ نیاز اگر چہ با ایشان سخت آمدہ اتا بر ما نیاز مندان سخت تر نیاز مندان راز خود جدا ندانستہ زیارت حضرت مرحوم را خالی نگذ ارند خواہ مخواہ این نواحے را بقدوم مبارک خود مشرف ساختہ با مریدان ومخلصاں ومحباں راسرافراز دارند کہ از انتقال آنحضرت نہایت محزون شدہ الم۔''

خواجہ شاہ نیاز صاحب دیوان ومصنف کتب کثیرہ تھے۔ دیوان اور چاہ نامہ جو تصوف کے رنگ میں لکھا گیا ہے۔ چھپ چکا ہے۔ باقی کتب آپ کے مختلف ورثاء کے قبضہ میں ہیں۔ فارسی وعربی علم وادب میں صاحب کمال تھے۔ آپ نے خانقاہ کے متصل محلہ سیدداری خانیار میں ایک خانقاہ بصرف زر کثیر تعمیر کرائی۔ جس کی تاریخ بنا تاریخ حسن میں ءعقل زیبا مسجد پُر فیض و گفت۔ درج ہے۔ یہ خانقاہ کشمیر میں خواجہ شاہ نیاز صاحب کی خانقاہ کے نام سے مشہور ہے۔ بانئ خانقاہ نے خانقاہ کے اخراجات ضروریہ کے لیے چھ سو روپیہ سالانہ مقرر کر رکھا ہے۔ جواب تک بدستور چلا آتا ہے۔ یہ رقم زیر تولیت خواجہ سلام شاہ نقشبندی باقاعدہ ہر مہینے بطور تنخواہ امام موذن۔ جاروب کش وغیرہ سب کو تقسیم ہوتی ہے۔

آپ کے فرزند اول خواجہ محمد شاہ جو علوم معقول ومنقول میں پایہ بلند رکھتے تھے۔ ۱۹ جمادی الثانی ۱۲۵۶ھ کو لاہور میں انتقال فرما گئے۔ آپ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درگاہ میں مدفون ہیں۔ آپ کے چار صاحبزادے تھے۔ خواجہ عبداللہ شاہ (لاولد) خواجہ عبدالشکور (لاولد) خواجہ عبدالرحمٰن جن کے فرزند خواجہ غلام شاہ نقشبندی مرحوم مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانہ میں تحصیل دار رہے ہیں۔ خواجہ سلام شاہ جو اس وقت کشمیر کے اسسٹنٹ گورنر ہیں۔ خواجہ غلام شاد

مرحوم ہی کے فرزند ہیں۔ خواجہ سلام شاہ کے فرزند کا نام حسام شاہ ہے۔ جو نہایت ہونہار نظر آتا ہے۔ خواجہ محمد شاہ مرحوم کے چوتھے فرزند کا نام خواجہ عبدالاحد تھا اور وہ ترکستانی بیگم کے بطن سے تھے۔ خواجہ عبدالغفور جو آپ کے برادرزادہ تھے آپ کے خانہ داماد تھے۔

خواجہ شاہ نیاز مرحوم کے دوسرے فرزند کا نام احمد شاہ تھا۔ ان کے دو فرزند تھے۔ (۱) خواجہ عبدالرسول (۲) خواجہ عبدالغفور۔

خواجہ عبدالرسول کے فرزند خواجہ حسن شاہ جاگیردار و متولی و سجادہ نشین خانقاہ نقشبندیہ نے کشمیر میں بہت عزت و شہرت حاصل کی ہے وہ کشمیر کے ان نمائندوں میں بھی شامل تھے جنہوں نے مہاراجہ پرتاب سنگھ کے آخری ایام میں مسلمانوں کے مطالبات لارڈ منٹو وائسرائے کے پاس پیش کیے تھے۔ ان کے دو فرزند خواجہ نور شاہ اور خواجہ غلام محمد شاہ بقید حیات ہیں۔ خواجہ نور شاہ صوبہ جموں میں وزیر وزارت ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ کا نام خواجہ غلام احمد ہے۔

خواجہ عبدالغفور کے تین فرزند تھے۔ خواجہ محمد شاہ۔ خواجہ احمد شاہ۔ خواجہ محمود شاہ۔ خواجہ محمد شاہ شاعر بھی تھے۔ ذوق تاریخ سے بھی آشنا تھے۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے تین فرزند ہیں۔ خواجہ غلام حسین، خواجہ غلام نبی، خواجہ احد شاہ تحصیل دار آبپاشی، یہ تینوں صاحب اولاد ہیں۔

خواجہ احمد شاہ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ غلام نبی خواجہ مبارک شاہ بی اے ایل ایل بی۔ خواجہ مبارک شاہ پبلسٹی گورنمنٹ جموں و کشمیر کے افسر اعلیٰ ہیں۔ خواجہ محمود شاہ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ سعدالدین و خواجہ غلام رسول۔

☆☆☆

سادات قادریہ گیلانیہ خانیاریہ

تاریخ خواجہ اعظمی اور تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ ابوالحسن وشاہ محمد فاضل قادری جو دونوں سگے بھائی تھے چھ واسطوں سے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ بقول خواجہ اعظم بدیں صورت شاہ ابوالحسن وشاہ محمد فاضل ابن سید شرف الدین یحییٰ بن سید شہاب الدین احمد بن قاضی القضاۃ سید عماد الدین ابن سید ابی صالح النصر ابن سید تاج الدین عبدالرزاق ابن حضرت غوث الاعظم۔

مندرجہ صدر شجرہ سطحی سے بھی نہایت مختصر بلکہ نامکمل معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے میں نے سری نگر میں سید محمد مبارک شاہ گیلانی فطرت کو اس شجرہ کی تکمیل کے لیے تکلیف دی۔

چنانچہ انہوں نے شاہ ابوالحسن وشاہ محمد فاضل سے لے کر حضرت غوث الاعظم تک جو نسبتی اسماء ارقم کیے ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

سید شاہ ابوالحسن پشاوری وسید شاہ محمد فاضل کاشمیری بن سید عبداللہ بن سید محمود الحموی بن سید عبدالقادر ثانی بن عبدالباسط بن شاہ حسین بن شہاب الدین احمد ثانی بن شرف الدین یحییٰ قاسم بن محی الدین یحییٰ ثالث ابن بدر الدین حسین ابن علاؤ الدین علی ابن شمس الدین ابوعبداللہ محمد ابن سیف الدین ابوذکریا یحییٰ ثانی من العبد ادلی حما ابن ظہیر الدین ابومسعود احمد بن محی الدین میر ابونصر محمد ابن عماد الدین میر ابوصالح نصر ابن سید عبدالرزاق الجیلی ابن قطب الکونین نور القمر بن الشیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی۔

یہی سلسلہ سید محبوب شاہ داتوی ہزاروی نے بھی اپنی کتاب بحرالجمان میں درج کیا ہے۔

۱۰۹۰ھ اس کے ایک دو سال بعد عالمگیر کے زمانہ میں دونوں بھائی پشاور سے ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر میں آئے۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ کے صفحہ ۲۰۱ پر لکھتے ہیں۔ ''در ہزار ونود چند بہ کشمیر رسیدند۔ قریب صد کس از اہل وعیال وخادمان ومسافران در سایہ عاطفتش مے گذرانیدند۔''

دونوں بھائی ایک نو وارد اور غریب الوطن کی حیثیت سے کشمیر میں آئے تھے لیکن بقول صاحب تاریخ اعظمی باوجود ازیں قلیل البغاعت احتیاج استکشاف نبود۔

شاہ ابوالحسن نے حضرت حاجہ بابا کے فرزند باباعثمان قادری کی طرف رجوع کیا۔ چنانچہ اعظمی و کبیر میں لکھا ہے کہ ''چوں حضرت شاہ ابوالحسن برادر کلاں شاہ محمد فاضل قادری دریں شہر نزدل فرمودند خدمت باباعثمان قادری رجوع بہ صحبتیں نمودند بلکہ رابطہ معنوی ہم حاصل کرد۔

اس زمانہ میں سری نگر میں ایک نامور اہل اللہ خواجہ محمد ہاشم پلو نام جو شہر (سری نگر) کے نامور تاجر ہونے کے باوجود صاحب ذوق وسماع تھے گزرے ہیں۔ وہ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے۔ شاہ محمد فاضل اور خواجہ محمد اعظم مصنف تاریخ اعظمی کے مرشد ان کی ملاقات کو اس وقت گئے جب وہ آخری سانس لے رہے تھے۔ اور ہم کلام ہونے سے معذور تھے۔ اسی رات شب قدر ۱۱۰۵ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔

دونوں بھائیوں کا اقتدار و احترام عوام کے دلوں پر جادو کا اثر کر رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نہ صرف محمد فاضل کی اپنی شادی کشمیر کے ایک اعلیٰ خاندان میں ہوگئی بلکہ میر خداداد پسر میر شمس الدین نوشہری نے جو کشمیر کے سادات عالی درجات میں سے تھے اپنی لڑکی شاہ محمد فاضل کے لڑکے سے بیاہ دی۔ میر خداداد ۱۱۰۹ھ میں وفات پا گئے۔

شاہ ابوالحسن بعمر ۵۲ سال ۱۱۱۵ھ میں انتقال کر گئے۔ مصنف اشجار الخلا لکھتے ہیں کہ شاہ ابوالحسن دریں جا وفات یافتہ است و برادرش شاہ محمد فاضل قادری جسم مبارکش را امانت سپردہ پس از شش ماہ در شہر پشاور در بردند۔ بعض کا خیال ہے کہ ان کا انتقال پشاور ہی میں ہوا تھا۔ بہر حال ان کا مزار پشاور میں ہے۔

شاہ ابوالحسن کے فرزند حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کشمیر میں بھی ہے۔ اور پشاور میں بھی۔ آپ بھی کشمیر بار ہا آتے رہے ہیں لیکن قیام زیادہ تر لاہور ہی میں رہا ہے۔ اور وہیں مدفون ہیں۔ مزار آپ کا مرجع خاص و عام ہے۔ کئی افغانی شہزادے آپ کے روضہ انور کے ایک گوشہ میں لیٹے ہوئے ہیں۔ رنجیت سنگھ کے بعد سکھوں نے اس مزار کی بنیادیں کھودنی شروع کر دی تھیں۔ لیکن ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ مہاراجہ کھڑک سنگھ اور اس کا فرزند کنور نونہال سنگھ جس کے حکم سے یہ کام ہو رہا تھا ایک ہی دن یکے بعد دیگرے مر گئے۔ اس لیے حضرت کا مزار

مبارک صدمہ انہدام سے بچ گیا۔

حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند میر سید عابد بڑے نامور گزرے ہیں۔ ان کا مزار کوہ ماراں (ہری پربت) کے دامن میں شیخ عبدالرشید چکنی کے غار کے متصل موجود ہے۔ ۱۱۸۵ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کی ذریات کشمیر اور پشاور میں بکثرت ہے۔ آپ کے نام بلکہ حضرت شاہ محمد غوث کے نام شاہانِ مغل کی طرف سے جاگیر و عطایات کی سندات راقم الحروف نے بھی سری نگر میں دیکھی ہیں۔ میر سید عابد ہی کی اولاد سے میر سید عبدالرسول کے نام افغان گورنروں اور سکھ ناظمان کشمیر اور سید محمود شاہ قادری اور سید اصغر شاہ قادری کے نام مہاراجہ گلاب سنگھ کے احکام جاگیروں کے متعلق دیکھے ہیں۔

خانیار کے متصل بیرہ باغ ایک محلہ ہے وہاں بھی سادات گیلانیہ کے کئی گھر آباد ہیں ان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں لیکن افسوس ہے ایسے جلیل القدر سلف کے خلف زمانہ کے انقلاب سے بالکل بے حس ہیں۔ بلکہ سنا ہے کہ انہوں نے اپنی مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنے خاندانی کاغذات (شجرے۔ جاگیروں کے پٹے۔ شاہی احکامات وغیرہ) اور کئی قلمی کتابیں کہیں فروخت کردی ہیں۔

لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث کے مزار کی آمدنی اور ان کا عرس اور دیگر انتظامات میر سید عبدالرسول کے فرزند کلاں مقبول شاہ کی اولاد کے سپرد ہیں۔ جن کی سکونت عرصہ دراز سے پشاور ہی میں ہے۔ ان میں پیر سید اکبر شاہ اور سید سکندر شاہ نہایت نامور گزرے ہیں۔

درگاہ حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین یا منتظم ہر سال ایک دو مرتبہ لاہور آتے ہیں۔ اور عرس کی رسومات دھوم دھام سے ادا کرتے ہیں۔ شاہ محمد فاضل قادری ۱۰ جمادی الثانی ۱۱۱۷ھ کو سری نگر میں وفات پاگئے۔ زیارت گاہ سوئے مبارک حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اندر آپ کا مزار ہے۔ تاریخ وفات ؎

زدہ سرز آسماں ہاتف بگفتا　　　　بگو سید محمد فاضل ما

(۱) سید عبدالقادر عرف سید بادشاہ یا میر بار بادشاہ (۲) سید عبداللہ عرف سید وزیر (لاولد) (۳) شاہ لطف اللہ (لاولد) (۴) سید فضل اللہ (لاولد) ان چاروں بھائیوں کا مدفن خانیار میں ہے۔ سید عبدالقادر عرف سید بادشاہ حضرت شاہ محمد غوث کے داماد تھے۔

آپ کے فرزند کا نام سید محمود * اور ان کے فرزند کا نام سید غلام شاد آزاد تھا۔ آزاد کشمیر کے شعراء و علماء میں درجہ امتیاز رکھتے تھے۔ ۱۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔ جد مادری حضرت شاہ محمد غوث سے بھی صغر سنی میں فیض حاصل کیا۔ افراسیاب خان گورنر کشمیر کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ اور ۱۲۰۳ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

سید غلام شاہ آزاد کے فرزند سید بزرگ شاہ قادری نے بہت عزت و دولت حاصل کی۔ سردار عبداللہ خان الکوزئی گورنر ان کا مرید و معتقد تھا۔ اور کمال اخلاص و اختصاص سے ہدیہ ونذران کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا۔ انہی ایام میں قندھار سے اور بقول بعض بغداد سے ایک بزرگ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کا موئے مبارک کشمیر میں لائے۔ اور سردار عبداللہ خان گورنر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بزرگ سقیم الحال تھا۔ ان کی پریشانیاں دیکھ کر سردار عبداللہ خان نے موئے مبارک ان سے لے لیا۔ اور ان کو گیارہ ہزار روپیہ دے کر خوش کر دیا۔ چونکہ خوش عقیدہ تھا اور سید بزرگ شاہ قادری سے ارادت قلبی رکھتا تھا۔ اس لیے وہ موئے مبارک اس نے سید بزرگ شاہ کو دے دیا۔ تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۵۷ پر موئے مبارک کے متعلق لکھا ہے کہ "سید صاحب موئے مبارک را در پالکی بہ کمال، اعزاز و اکرام بز میں نہاد، بہمراہی سردار در خانہ خود رسانید دہزار ہا روپیہ درراہ نثار کردند"۔

اپنے مکانات کے قریب میں موئے مبارک اور خانقاہ کے لیے زیارت گاہ کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ ۱۲۲۱ھ میں سب سے پہلی مرتبہ یہ موئے مبارک عوام کو دکھایا گیا۔ اور اب سال میں دو مرتبہ دکھایا جاتا ہے۔ ان تقریبوں میں خانیار میں ایک میلہ سا لگ جاتا ہے۔ جو کئی دن رہتا ہے۔ اور اتنا جم غفیر ہوتا ہے کہ رستہ چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔

سید بزرگ شاہ کے زمانہ ہی میں اس موئے مبارک کی بدولت زیارت خانہ دستگیر بنا۔ خانقاہ۔ مسجد اور حمام بھی اسی زمانہ میں تعمیر ہوئے۔ تین دیہات کی آمدنی جو بقدر گیارہ سو خروار تھی۔ زیارت خانقاہ قادریہ گیلانیہ کے ضروری مصارف کے لیے بطور جاگیر ملی۔

زوال افاغنہ کے بعد جب کشمیر میں سکھوں کا عمل درآمد ہوا۔ تو کئی جاگیریں اور معافیاں اور سرکاری وظائف خصوصاً مسلمانوں کے مسدود کر دیئے گئے لیکن سید بزرگ شاہ نے

* ان کے مندرجہ ذیل اور چار بھائی بھی تھے (۱) میر بہادر (۲) میر حسین شاہ (۳) امیر حمد شاہ (۴) امیر محسن شاہ

اپنے ذاتی رسوخ اور ذاتی کوششوں سے پھر بھی بہت کچھ بچالیا۔

سید بزرگ شاہ ۱۲۳۴ھ میں فوت ہو گئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سید حسن و سید علی صاحب تاریخ کشمیر صفحہ ۷۶ پر سید حسن شاہ قادری کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''خلف ارشد سید بزرگ شاہ قادری دختر راجہ تیغ سنگھ کہ والئی کشتوار بود مسلمان شدہ درعقد اُو داشت بمدت یازدہ سال سجادہ نشینی (مودہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۴۱ھ برحمت حق پیوستہ'' پھر لکھتا ہے کہ برارہ بمنل کے متصل جو ستھو ہے وہ انہی کا تعمیر کردہ ہے۔ یہ دونوں بھائی لاولد تھے۔ اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کے بہنوئی میر سید محمود قادری جو شاہ ابوالحسن قادری یعنی سادات قادریہ گیلانیہ کی شاخ کلاں کی اولاد سے تھے۔ سجادہ نشیں مقرر ہوئے۔ اور شاہ محمد فاضل کی اولاد کا سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔ میر سید محمود کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

میر سید محمود ابن میر ولی احمد ابن میر فقیر اللہ ابن میر زین العابدین ابن شاہ ابوالحسن قادری برادر شاہ محمد فاضل قادری۔ میر سید محمود سج کوٹ یا ساجیکوٹ علاقہ پھکلی ہزارہ میں سکونت پذیر تھے۔ میر یاسین شاہ انہی کے فرزند تھے۔ چنانچہ صاحب تاریخ کبیر کشمیر (صفحہ ۴۷ پر) لکھتے ہیں۔ ''میر یاسین قادری فرزند میر محمود کہ از احفاد شاہ ابوالحسن قادری است۔ نواسہ سید بزرگ شاہ قادری خانیاری بود۔'' سید محمود ۱۳ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ کو انتقال کر گئے نماز جنازہ پر دس ہزار سے زیادہ مخلوق تھی۔ تاریخ وفات حسب ذیل ہے۔

ہاتفے گفت از سر یرحسن خلق　　　　خاستہ یاسین و نبشستہ حسن

میر یاسین شاہ کے فرزند کا نام میر احمد شاہ تھا۔ لیکن قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ میر یاسین شاہ کے بعد سجادہ نشینی کی مسند پر سید حسن شاہ کو جگہ دی گئی ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ میر احمد شاہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ اور ان کی فوتیگی کے وقت ان کے فرزند سید حسن شاہ بالکل خورد سال تھے۔ آپ نہایت مردم شناس علم دوست اور علم نواز بزرگ تھے۔ راقم مؤلف کو ان سے شرف ملاقات حاصل تھا۔ حسب ذیل میں تین فرزند آپ کی یادگار ہیں۔

(۱) میر سید مقبول شاہ گیلانی جو سب سے بڑے ہیں اور زیارت کے متولی اور جاگیردار ہیں اور قومی و اسلامی معاملات میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

(۲) میر غلام حسین گیلانی جنرل سیکرٹری ینگ مینز ایسوسی ایشن سری نگر کشمیر۔

(۳) میر غلام محی الدین گیلانی۔

۱۹۳۰ء کی گرمیوں میں ایک مرتبہ راقم مؤلف کو میر سید مقبول شاہ اور ان کے ہمراہیوں پیر سید حسام الدین شاہ آف پونچھ و خان زبردست خان آف راجپور جاگیر کے ساتھ سری نگر سے ویری ناگ تک موٹر میں جانے کا اتفاق ہوا۔ جونہی ہم چشمہ ویری ناگ کے باغ میں پہنچے میر مقبول شاہ کو دیکھتے ہی ارادت مندوں کا ایک جم غفیر اظہار عقیدت کے لیے ٹوٹ پڑا کوئی ان کے ہاتھ چومتا تھا۔ کوئی ان کے ہاتھوں کو آنکھوں پر لگاتا اور بوسے دیتا تھا عوام کا یہ اخلاص دیکھ کر راقم مؤلف کو خیال آیا کہ ہمارے سجادہ نشین اور پیر صاحبان اور علمائے کرام اگر خدا ان کو ہمت اور توفیق دے اور ملت مصطفوی کا تھوڑا سا درد عطا کرے۔ تو وہ مسلمانوں کو چشم زدن میں قعر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچا سکتے ہیں۔

سادات قادریہ گیلانیہ ریٹنگ

شاہ محمد فاضل قادری کے سلسلہ میں ان کی چار صاحبزادیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں سے دو تو شادی سے قبل ہی انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری دو صاحبزادیوں کی شادیوں کے لیے آپ نے دو حقیقی بھائیوں سید محمد نقی و سید محمود کو جو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے اور آپ کے اعزہ میں تھے۔ ٹھٹھ علاقہ سندھ سے کشمیر بلوایا۔ اور دونوں لڑکیاں ان دونوں بھائیوں کے نکاح میں دے دیں۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کے مقبرے محلہ ریٹنگ میں موجود ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کا شجرہ نسب حسب ذیل ہے۔

سید عبدالقادر ثانی جو شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے پندرھویں پشت میں تھے کے تین حسب ذیل فرزند تھے۔

(۱) سید محمود الحموی۔ ان کے تین فرزند۔ سید عبداللہ۔ سید محمد حسن۔ سید احمد۔ یہ تینوں بھائی حما سے سکھر ٹھٹھ سندھ میں آئے۔

سید عبداللہ۔ عبداللہ الحموی کے نام سے بھی موسوم تھے اور شاہ ابوالحسن پشاوری وشاہ محمد فاضل کاشمیری انہی کے فرزند تھے۔

سید عبدالقادر ثانی کے دوسرے فرزند سید نورالدین الحموی وسید عبدالکریم تھے۔ سید عبدالکریم کی اولاد کا حال معلوم نہیں ہوسکا۔ سید نورالدین کے فرزند سید احمد الحموی ان کے فرزند سید یوسف ان کے سید عبدالمجید اور ان کے فرزند سید ابوالبرکات تھے۔ ان کے مقبرے ٹھٹھ اور سکھر وغیرہ میں موجود بتائے جاتے ہیں۔

سید ابوتراب، سید محمد محمود اور سید محمد تقی، سید ابوالبرکات کے فرزند اور شاہ محمد فاضل کے ہمشیرہ زادے تھے۔ اس لیے کفائت نسبی کے لحاظ سے حضرت شاہ محمد فاضل نے اپنے ہمشیرہ زادگان کو سندھ سے کشمیر بلوایا۔ اور سید محمد محمود اور سید محمد تقی سے اپنی دونوں صاحبزادیوں کی شادیاں کردیں۔ سید ابوتراب بھائیوں کی شادیوں سے فارغ ہوکر پھر سکھر واپس چلے گئے۔

سید محمد محمود خانیار اور سید محمد تقی محلہ ریٹنگ میں جو خانیار کے متصل ہی ہے مدفون ہیں۔

سید محمد محمود کے تین فرزند تھے۔ سید صفدر اور سید شیر علی کی اولاد تو سوپور میں ہے۔ بڑے فرزند سید محمد ملوک کے دو فرزند تھے۔ سید نورالدین وسید جمال الدین سید جمال الدین کے فرزند سید جلال الدین اپنے وقت کے نامور محدث اور شاعر تھے۔ تخلص ان کا مشتاق تھا۔

سید نورالدین کے فرزند سید نظام الدین ولی تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ سید حافظ حسین۔ سید وزیرالدین۔ سید حافظ حسین کی اولاد خانیار میں موجود ہے۔ سید وزیرالدین کے تین فرزند تھے۔ سید غلام الدین۔ سید حسن۔ سید میرک۔ سید میرک کے فرزند سید حاجی غلام محمد ہیں۔ جو یارقند میں جاگیردار ہیں۔

سید وزیرالدین اپنے بچوں کو عالم طفولیت ہی میں چھوڑ کر راہئی ملک بقا ہو گئے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد سید غلام الدین تو میر میرک کبردی (خانقاہ معلیٰ) کے ہاں بیاہے گئے۔ اور ۱۲۸۹ھ میں خانیار سے خانقاہ معلیٰ میں منتقل ہو گئے۔ ۱۳۳۶ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ آپ کا مزار بھی خانقاہ معلیٰ کے احاطہ ہی میں ہے۔ تمام عمر ریاضت شاقہ میں گزار دی۔ مثنوی مولانا رومؒ کے ایک دو دفتر ان کو زبانی یاد تھے۔ ان کے دو بیٹے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ بڑے لڑکے کا نام سید محمد یاسین اور دوسرے کا سید محمد مبارک ہے۔ آپ نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح یارقند میں اپنے

برادرزادہ حاجی غلام محمد کے ساتھ کیا۔

سید محمد مبارک فطرت اپنے عمزاد بھائی کی دعوت پر یارقند گئے۔ اور وہیں ان کی شادی سید حاجی غلام محمد جاگیردار یارقند کی صاحبزادی سے ہوگئی جس سے ایک لڑکا بھی محمد غوث نام موجود ہے۔ سید محمد مبارک تین سال تک یارقند میں رہے۔ اور اس عرصہ میں چینی ترکستان کے مشہور شہروں ختن۔ کاشغر۔ یارقند اور اتسو کی خوب سیاحت کی۔ فارسی شعر خوب کہتے ہیں۔ ایک غزل میں اسی سیر وسیاحت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

صحبت پاک نژادان ختن روزے چند | شد نصیب من مہجور وطن روزے چند
بہ مزارات شہیداں ہمہ شب تا بہ سحر | شمع ساں سوختہ بودم بہ "لگن" روزے چند
سنگ مویان خطا غالیۂ سامان ختن | تازہ کردند مرازخم کہن روزے چند
چہ مبارک نفسنے ہست وچہ فطرت منشے | کہ تبرکان ختن کردوطن روزے چند

سید محمد محمود کی اولاد دہیوارہ علاقہ شاہ آباد۔ خانیار۔ لگجہ پتھری حیدر پورہ میں آباد ہے۔

سید محمد محمود کے دوسرے بھائی سید محمد تقی کی اولاد سری نگر کے محلہ خانیار۔ ریٹنگ علاقہ شاہ آباد کے موضع نوگام۔ علاقہ کرناہ اور پونچھ میں آباد ہے۔ میر جی صاحب جاگیردار مرحوم انہی کی اولاد سے تھے۔ میر سید یوسف شاہ مرحوم جو برسوں تک گلگت کی مسجد جامعہ جنگی کے امام رہے ہیں۔ آپ ہی کی ذریات سے تھے۔ سید صدرالدین گیلانی مفتی شوپور جنہوں نے اپنے خاندان کا منظوم تاریخی شجرہ لکھا ہے۔ آپ ہی کی اولاد سے تھے۔ میر قدرت اللہ اور ان کے چھوٹے بھائی میر لطف اللہ کا مزار امرتسر میں ہے۔ ان کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے کہ "بتوجہ ایشاں بسیار کساں از قوم ہنود خلعت سلام در برنمود۔" ان کی عمر کا آخری حصہ ہندوستان بالخصوص امرتسر ہی میں گزرا ہے۔ ۱۲۷۰ھ ان کا سال وفات ہے۔ ان کے برادر کلاں میر قدرت اللہ کا مزار سری نگر کے محلہ ریٹنگ میں ہے۔ جہاں ان کا آبائی مزار ہے۔ حافظ میر مقبول * شاہ قادری ریٹنگی جن سے راقم الحروف کو بھی شرف ملاقات حاصل تھا۔ اور جو حضور نظام دکن کے وظیفہ خواروں میں تھے۔ سید محمد تقی ہی کی ذریات سے تھے۔ کشمیر کے علاوہ جموں۔ پنجاب اور حیدر آباد دکن میں ان کے بہت تعلقات تھے۔ سنا ہے ان کا وظیفہ ان کے فرزندوں کے نام منتقل ہو چکا ہے کاش مرحوم کی

* سید علی شاہ قادری آپ کے حقیقی بھائی تھے۔ جن کے دو صاحبزادے میر رسول شاہ، میر احمد شاہ موجود ہیں۔

خوبیاں ان کے اخلاق حسنہ اوران کے مردم شاسانہ اوصاف اوران کی علمی قدردانیاں بھی ان کے فرزندوں کے نام منتقل ہوسکتیں۔لیکن ؎

اس سعادت بزور بازو نیست　　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خواجہ سلام الدین نقشبندی کے بہنوئی سید رسول شاہ بھی اسی شاخ گیلانیہ میں سے ہیں۔

سادات قادریہ گیلانیہ نوگام شاہ آباد

شاہ محمد فاضل قادری کے چار فرزندوں میں جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوسرے فرزند سید عبداللہ عرف سید وزیر تھے۔ سادات قادریہ گیلانیہ کی جو شاخ نوگام شاہ آباد میں ہے وہ سید عبداللہ عرف سید وزیر کے فرزند سید غلام حسین کی ذریات سے ہے۔

سید غلام حسین روسائے شاہ آباد (علاقہ ویری ناگ) کے اصرار پر سری نگر سے شاہ آباد گئے اور وہاں کی خاک کچھ ایسی دامنگیر ہوئی کہ ان کو اپنا پیوند بنا کے ہی رہی۔ ان کے فرزند سید مظفر حسین کو حکومت وقت نے جاگیر و منصب کے علاوہ مرزا کا خطاب دیا۔ اس علاقہ میں جس قدر سادات قادریہ ہیں۔ ان میں زیادہ حصہ سید میرزا مظفر حسین عرف سید میرزا شاہ ہی اولاد کا ہے۔ اس وقت نوگام شاہ آباد کے سادات قادریہ میں سید نجم الدین حسن جو تاریخ کشتواڑ کے منصف ہیں اور علم تاریخ سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کے بھائی سید لطف اللہ شاہ و سید محمد شاہ اپنے اخلاق اور اپنے علمی و عملی کارناموں سے نہ صرف اپنے باپ سید محمد شاہ قادری کا بلکہ اپنے آباؤ اجداد کا نام روشن کر رہے ہیں۔ یہ تینوں بھائی سید عبداللہ عرف سید وزیر بن حضرت شاہ محمد فاضل سے چھٹی پشت میں ہیں

میر سید مظفر حسین میرزا کے فرزند کلاں سید سکندر شاہ کی اولاد سے سید نجم الدین مصنف تاریخ کشتواڑ وغیرہ ہیں اور فرزند خورد سید محمد وزیر شاہ قادری کی اولاد کشتواڑ و یارقند میں ہے۔ چنانچہ کشتواڑ میں سید حسن شاہ زیارت حضرت سید فرید رحمۃ اللہ علیہ کے متولی ہیں۔ اور یارقند چینی ترکستان میں سید احمد شاہ قادری اسی خاندان کے جواہر ریزہ ہیں۔

نوگام شاہ آباد میں حضرت سید محمد غوث کے ہمشیرہ زادوں کی اولاد بھی آباد ہے۔ مولانا سید نجم الدین قادری مصنف تاریخ کشتواڑ اپنی ایک تحریر میں راقم مؤلف کو ان کے وارد کشمیر ہونے کا قصہ الفاظ ذیل میں لکھتے ہیں۔ جب حضرت سید غلام شاہ آزاد لاہور سے کشمیر روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ شاہ محمد غوث کے دو ہمشیرہ زادے میر سید کلیم اللہ و میر سید عطاء اللہ بھی تھے ۔آپ لاہور سے سیدھے نوگام شاہ آباد پہنچے ۔ وہاں اس وقت سید غلام حسین خلف سید عبداللہ عرف سید وزیر فرزند شاہ محمد فاضل قادری موجود تھے۔ وہ اپنے عزیز رشتہ داروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اس وقت نوگام شاہ آباد میں سید عطاء اللہ و سید کلیم اللہ کی اولاد سے دس بارہ گھر موجود ہیں جن میں سر برآوردہ سید میر جی میر واعظ مفتی میر مقبول اور سید مبارک صاحبان وغیرہ ذی عزت اصحاب ہیں۔

سادات رضوی

سلطان زین العابدین بڈشاہ بادشاہ کشمیر کے عہد میں شہر قم ملک ایران سے ایک بزرگ سید حسین رضوی کشمیر تشریف لائے ۔ بادشاہ مردم شناس تھا۔ اس نے اس جوہر گرانمایہ کو سر آنکھوں پر جگہ دی اور اپنے آباد کردہ علاقہ زینہ گیر (نزیل سوپور) میں جو عالی شان باغ بنایا تھا ان کے رہنے کو عطا کیا۔ آپ حضرت امام علی الرضا کی ذریات میں ہونے کی وجہ سے رضوی کہلاتے ہیں ۔بڈشاہ کی زندگی ہی میں ۷ شعبان ۸۷۱ھ کو آپ زینہ گیر میں جہاں آپ ہی کے نام پر ایک موضع سید پورہ آباد کیا گیا تھا۔ انتقال فرما گئے ۔اور وہیں دفن ہوئے ۔مزار آپ کا موجود ہے۔ موضع سید پورہ میں نصف شیعہ اور نصف سنی آباد ہیں اور سب زمینداری کرتے ہیں۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ فرزند کلاں کا نام حاجی محمد سعید تھا۔ جن کا روضہ احمد پورہ (بارہ مولا) میں مرجع خلائق ہے۔ روضہ کے ساتھ ایک مسجد اور امام باڑہ بھی ہے آپ کی اولاد زیادہ تر اسی موضع میں آباد ہے اور یہ سب لوگ سادات احمد پورہ کہلاتے ہیں

شاخ کلاں کے ایک درخشندہ گوہر حاجی سید حسن چند سال ہوئے ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں

انتقال فرما گئے ہیں۔حجاز کے علاوہ عراق۔ایران۔شام وغیرہ ممالک کے بھی سیاح تھے۔

قریباً ساٹھ سال کا عرصہ گزرا ہے کہ سادات احمد پورہ سے ایک بزرگ اپنے جد امجد سید حسین رضوی کے ہم نام جو زمینداری کے علاوہ تجارت پشمینہ کا کام بھی کرتے تھے۔لکھنو وغیرہ کا سفر کرنے کے بعد نواب علی رضا خاں قزلباش کے زمانہ میں اپنے فرزند (سید قاسم،سید احمد،سید محمد) سمیت لاہور آگئے۔

سید قاسم اپنی علمی فضیلتوں کی وجہ سے نو عمری کے باوجود اس وقت ''فاضل ابو القاسم'' کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔شیعیان لاہور ہی نے نہیں بلکہ شیعیان پنجاب نے آپ کے علم و فضل سے آگاہ ہو کر آپ کی بے انتہا توقیر کی۔۱۳۲۴ء میں بعمر ۷۵ سال آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کے صاحبزادہ کلاں شمس العلما مولانا سید علی الحائری مجہد العصر پنجاب اور آپ کے چھوٹے صاحبزادہ ابوالفضل رضوی قمی ہیں۔

شمس العلما مولانا موصوف کا اپنے وطن قدیم کشمیر سے ابھی تک تعلق ہے۔ان کی برادری کے بیشتر افراد وہاں موجود ہیں۔اہل کشمیر کی فلاح و بہبود میں برابر دلچسپی لیتے ہیں۔چنانچہ ۱۹۲۹ء کے اجلاس کشمیری کانفرنس (گوجرانوالہ) کی دعوت کے جواب میں آپ نے جو گرامی نامہ ارقم فرمایا۔اس میں لکھا''میں جلسہ کی شرکت کے لیے بالکل تیار تھا۔لیکن ایک اشد ضرورت کی وجہ سے ارادہ فسخ کرنا پڑا۔باوجود اس کے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کشمیری کانفرنس کے ساتھ قومی حیثیت سے مجھے خاص انس اور دلی ہمدردی۔میں اس کی ہر ممکن خدمت کے لیے حاضر ہوں۔میرا یہ مخلصانہ پیغام میری معزز قوم کو سنایا جائے۔دعا کرتا ہوں کہ خدا اس جلسہ کو کامیاب کرے۔''

علامہ سید حسین قمی رضوی کے فرزند کا نام آغا سید احمد تھا۔ان کی اولاد کشمیر کے علاوہ مرشد آباد، پٹنہ، پشاور وغیرہ بلکہ عراق تک کے علاقوں میں موجود ہے۔عراق میں آغا سید حسن کاشیری آج سے کچھ عرصہ پیشتر مجتہد عراق کے نام سے مشہور تھے۔وہ اسی شاخ سے تھے۔

کشمیر میں سید حسین قمی رضوی بڈشاہی کے فرزند دوم کی ذریات سے اپنے جد اعلیٰ کے ہمنام سید حسین رضوی قمی نے جو اعزاز و مرتبہ ڈوگرہ حکومت کے عہد میں حاصل کیا ہے۔وہ آج تک کسی کشمیری کو کشمیر میں نصیب نہیں ہو سکا۔آپ ۱۹۳۳ بکرمی میں پیدا ہوئے۔آپ سب سے پہلے کشمیری مسلمان ہیں۔جنھوں نے علوم عربی و فارسی کے بعد کشمیر میں انگریزی علم حاصل کیا۔

۲۵ سال کی عمر ہی میں آپ نائب مہتمم بندوبست ہو گئے۔لداخ کا سب سے پہلا بندوبست آپ ہی کے ہاتھوں انجام کو پہنچا ہے۔ تحصیل داری، ڈپٹی کمشنری، اسسٹنٹ گورنری، گورنری، مہتمم بندوبستی، ہائیکورٹ کی ججی کے منازل ومراحل طے کر کے آخر گورنمنٹ جموں وکشمیر کے ہوم منسٹر و لا ممبر * مقرر ہوئے۔اب دو سال سے پنشن پر ہیں۔مہاراجہ ہری سنگھ نے آپ کو تین ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی دی ہے۔

خاندان رضویہ کی ایک شاخ بارہویں صدی ہجری کے وسط میں کشمیر سے پشاور پہنچی۔ جس کے رکن اعظم بلکہ بانی آغا سید تقی شاہ رضوی القمی الکاشمیری تھے۔آپ کے فرزند آغا سید فضل علی شاہ کو صوبہ سرحد میں بڑی عظمت واہمیت حاصل تھی۔آپ نے جب بعمر ۵۶ سال ۱۹۱۰ء میں انتقال فرمایا۔تو سرحد بلکہ دیگر مقامات کی شیعہ پبلک نے آپ کے فرزند کلاں سید اعجاز حسین رضوی کو مرحوم کا جانشین مقرر کیا۔

سادات رفاعی

سید محمد نام ایک بزرگ جو سید محمد رفاعی کے نام سے مشہور تھے۔اور بعضوں نے ان کو سید محمد اصفہانی بھی لکھا ہے۔بڈ شاہ کے عہد میں اصفہان سے کشمیر میں تشریف لائے۔اوائل میں سری نگر ہی میں قیام کیا۔لیکن جب کثرت ہجوم نے آپ کے مشاغل علمیہ و دینیہ میں مخل ہونا شروع کیا تو آپ بارہ مولا چلے آئے۔بادشاہ نے چند قریہ (بقول صاحب اسرار ابرار اور تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تین قریہ) آپ کے اور آپ کے خدام کے لیے نذر کیے۔اور آپ کے گھوڑوں کے لیے وہ چراگاہ جہاں آج آپ کے نام پر موضع جانباز پورہ لب دریا واقع ہے۔بطور چراگاہ عطا کیا۔خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔کہ ''صاحب ارشاد بودو بہ تجرید گذران مے نمود'' لیکن پھر ارشاد ہوتا ہے۔''وتوجہ بہ بارہ مولا فرمود ودر آں جا بہ اہل وعیال متوطن و متمکن شد۔'' تاریخ کبیر کشمیر میں بھی لکھا ہے کہ ''عمر در تجرید گذرانید۔'' لیکن کشمیر بھی پھر سادات رفاعیہ کہاں سے آ گئے؟ صاحب تاریخ اعظمی ایک ہی صفحہ میں ان کے تجدد اور ان کے اہل وعیال اور بارہ مولا

* اس عہدہ کی تنخواہ تیس ہزار روپیہ سالانہ تھی۔

میں ''باتوابع ولواحق'' ان کے دفن ہونے کا ذکر کے ان کے تجرد کو ایک عقدہ لاینحل بنا دیتے ہیں۔
کثرت عبادت وریاضت سے سید جانباز مشہور ہو گئے۔

بارہ مولا میں جہاں آپ کی قیام گاہ تھی۔اب موضع خانپورہ آباد ہے۔اور یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔خواجہ امیر شاہ ذیلدار مرحوم اس مزار کے متولی تھے۔

سادات دوارکی

بغداد شریف کے نواح میں ایک قصبہ دوارک کے نام سے ہے۔علامہ میر سید داؤد اس قصبہ کو خیر باد کہہ کر چندے ہرات میں رہے اور پھر وہاں سے سلطان زین العابدین کے زمانہ میں وارد کشمیر ہوئے۔تاریخ خواجہ اعظمی تاریخ کبیر کشمیر تحقیقات امیری اور ذکر السادات میں علامہ مذکور کے حالات درج ہیں۔مقبرہ آپ کا مزار السلاطین میں ہے۔

آپ کی اولاد میں میر لطف اللہ دوارکی میر شمس الدین دوارکی میر مصطفیٰ شاہ اور محمد شاہ دوارکی وغیرہ محلہ قلاشپورہ میں بہت مشہور گزرے ہیں۔میر لطف اللہ نے جو حضرت میر عبدالرشید سہروردی کے مرید تھے۔ہوش سنبھالنے کے بعد محض مخالفت ہوائے نفس امارہ کی غرض سے تمام عمر میں صرف ایک مرتبہ گوشت استعمال کیا ہے۔ابو البرکات خان گورنر کشمیر ان کا بڑا معتقد تھا۔ ۱۱۷۸ھ میں انتقال کر گئے۔میر شمس الدین آپ کے بھائی تھے۔علامہ سید داؤد دوارکی نے ایک مدرسہ بھی درس تدریس کے لیے تعمیر کرایا۔اور خانقاہ بھی بنوائی۔ جو خانقاہ دوارکیہ کے نام سے مشہور ہے۔میر مصطفیٰ شاہ سید حسن شاہ میر محمد شاہ اور لطف اللہ شاہ وغیرہ دوارکی کوچہ میں متصل خانقاہ معلیٰ اسی دوارکی خاندان کی یادگار ہیں۔

☆☆☆

سادات دہ بیدی

سادات دہ بیدی کا سلسلہ مخدوم اعظم سید احمد کاشانی الاصل خراسانی المدفن تک پہنچتا ہے۔ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا ہے کہ اس خاندان کو بہت عروج حاصل تھا۔ خواجہ محمد ہاشم، خواجہ صالح خواجہ سید وفا خواجہ محمد طاہر اسی خاندان میں سے تھے۔ آج کل اس طبقہ کے اکثر سادات صنعت وحرفت ورفو گری، جلد سازی وغیرہ کے کاروبار میں مصروف ہیں اور یہی ان کا ذریعہ معاش ہے۔ دہ بیدی سادات کا ایک قبیلہ لعل بازار میں متصل نوشہرہ موجود ہے۔ جہاں سید جہاں شاہ لعل بازاری کی اولاد ہے۔

سادات بخاری

مخدوم جہانیاں جہانگیر سید جلال الدین بخاری کی سیادت اور عُلوِ ولایت کی شہرت و رفعت ہندوستان پنجاب اور کشمیر کے علاوہ بخارا اور اطراف ترکستان وعرب میں روز روشن کی طرح تاباں ہے۔ سادات بخاری کا نسبی تعلق آپ ہی سے ہے۔

تاریخ خواجہ اعظمی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری سادات میں سب سے پہلے مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کی اولاد سے سید علاؤ الدین بخاری سلطان سکندر کے زمانہ میں اہل بیت سمیت کشمیر آئے۔ ان کے چار فرزند تھے۔ چاروں کثیر اولاد تھے۔ بادشاہ نے عطایات جاگیر کی بدولت ہر چند فکر معاش سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ تاہم آپ زراعت اور کاشتکاری کے ذریعہ اہل وعیال کا پیٹ پالتے تھے۔

سید حاجی مراد کریری سید قاسم بخاری سید محمد برخوردار بخاری سید بزرگ شاہ زینہ کدلی سید محمد بخاری سید احمد شاہ قدیری اور کئی اور بزرگ سادات بخاری میں نامور گزرے ہیں۔ سید عطا اللہ شاہ وسید عنایت اللہ شاہ مفتی سکنائے کریر اس وقت بھی سادات بخاریہ میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔

میر اسماعیل بخاری کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے کہ وہ میر سید علی ہمدانی کی اولاد سے تھے۔ ۱۱۱۴ھ میں کشمیر آئے۔ یہیں بیاہ کیا۔ یہیں اولاد ہوئی۔ اور یہیں سفر آخرت اختیار کر گئے۔

سید جمال الدین بخاری جو سلاطین کشمیر کے آخری ایام میں کشمیر آئے۔ ایسے بزرگ عالی جاہ تھے کہ محبوب العالم حضرت شیخ حمزہ کاشمیری سہروردی ۶ ماہ تک آپ سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ سید جمال الدین آخر عمر میں دہلی چلے گئے۔ اور ۹۹۸ھ میں وہیں انتقال کر گئے۔

سادات بخاری سری نگر کے علاوہ کشمیر کے دیہات جدکیل کمانگر پورہ اور چیوہ ڈارہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جس زمانہ میں دیگر اہل کشامرہ اپنے وطن سے قسمت آزمائی کے لیے باہر نکلے ہیں اس زمانہ میں سادات بخاری کے چند گھر بھی پنجاب چلے آئے تھے۔ جواب تک موجود ہیں۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں وکشمیر میں بخاری سیدوں کی تعداد ۹۲۳۷ ہے۔ اب ۱۹۳۱ء میں امید ہے اور بھی زیادہ ہوگئی ہوگی۔

تحصیل بڈگام (کشمیر) کے موضع چیوڈارہ میں سب بخاری سید رہتے ہیں۔ مؤلف کتاب ہذا کے خاندانی پیر سید عبدالغنی شاہ بخاری سہروردی بھی چیوڈارہ ہی کے رہنے والے ہیں جو دوسرے تیسرے سال پنجاب اور صوبہ سرحد میں نذر نیاز کے لیے آتے رہتے ہیں۔

کشمیر کے جن بخاری سیدوں نے ترک کشمیر کے بعد پنجاب میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ ان میں واعظ سحر البیان کے لحاظ سے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری جن کا وطن ضلع گجرات میں ہے۔ نہایت نامور اور مشہور ہیں۔ آپ پنجاب کے امیر الشریعت بھی ہیں۔ آپ کے وعظ میں مبداء فیاض نے کچھ اچھی تاثیر بخشی ہے جہاں ایک مرتبہ وعظ کہہ آتے ہیں۔ وہاں سے بار بار دعوتیں آتی رہتی ہیں۔

لٹریری دنیا میں جس شخص نے پطرس کے نام سے پنجاب و ہند میں دھوم مچا رکھی ہے۔ اُس کا نام سید احمد شاہ بخاری ہے۔ وہ ایم۔ اے ہیں۔ گورنمنٹ کالج کے پروفیسر اور ٹیکسٹ بک کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ ان کے مضامین بالخصوص مزاحیہ ہندوستان کے علمی طبقوں میں نہایت

مقبول ہیں۔

لاہور کے مشہور روزانہ اخبار ''سیاست'' کے مالک سید سعداللہ شاہ اور ان کے فرزندان مولانا سید حبیب شاہ مدیر اور سید عنایت شاہ منیجر ''سیاست'' کے آباؤ اجداد علاقہ مظفر آباد کشمیر کے سادات بخاری سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا سید حبیب کے پردادا عطا محمد شاہ بخاری تک عوام الناس کے رشد و ہدایت یعنی پیری مریدی کا سلسلہ جاری رہا۔ آپ کے خاندان کے افراد بنوں اور علاقہ مظفر آباد میں اس وقت بھی موجود ہیں۔ بنوں میں سید سعداللہ شاہ کے حقیقی بھائی سید رحمت اللہ شاہ * خاندان کے سرکردہ ہیں۔ مولانا سید حبیب نے سب سے پہلے اخبار کشمیری لاہور میں اسسٹنٹ و انچارج ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ پھر کلکتہ میں اخبارات جاری کیے۔ اب ۱۹۱۹ء سے اخبار ''سیاست'' کی وجہ سے مستقل طور پر لاہور ہی میں مقیم ہیں۔ آپ صرف اخبار نویس ہی نہیں ہیں بلکہ بہت اچھے لکچرار ہیں اور ہندوستان اور اسلام کی تاریخ سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔

سادات جلالی

جلالی سادات کے جد اعلیٰ سید حسین سبزواری ابن سید علی ہیں۔ جن کا سلسلہ کئی واسطوں سے امام زین العابدین تک پہنچتا ہے۔ سید حسین سبزواری کا مزار گپکار میں گگری بل کے کنارہ واقع ہے۔

سید حسین شاہ جلالی ذیلدار جڈی بل سید رسول شاہ میونسپل کمشنر سید عبداللہ شاہ۔ سید مرتضیٰ شاہ جلالی اس وقت سری نگر میں انہی بزرگوں کی یادگار ہیں۔

یہ سادات قریباً سب اہل تشیع ہیں۔ اہل سنت بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ قادریہ سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۲۲۴ھ میں ایک نامور اہل سنت جلالی سید جلال الدین خانیاری قادری کے نام سے گزرے ہیں۔ وہ شاعر تھے۔ فارسی شعر بہت اچھے کہتے تھے۔ مشتاق تخلص تھا۔

* افسوس ہے مولانا رحمت اللہ بخاری دولڑکیاں اور ایک لڑکا اپنی یادگار چھوڑ کر ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء کو اسی برس کی عمر میں چند ماہ علیل رہ کر بنوں ہی میں انتقال کر گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون ط

سادات متفرقہ

اس ذیل میں وہ سادات شامل ہیں جن کے اجداد و بزرگ سلاطین کشمیر یا مابعد کے زمانہ میں کرمان خوارزم تبریز بدخشاں گردیز وغیرہ دور دراز ممالک و مقامات سے کشمیر آئے۔ اور یہیں رہ گئے۔ اب یہ قبائل وخاندان سادات کرمانی خوارزمی ۔ شیرازی بدخشانی اور سمنانی وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں۔ زمانہ ماسبق میں ان قبائل کے سادات دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے ممتاز رہے ہیں۔ لیکن اس وقت ان کی اولاد واحفاد کا بیشتر حصہ زمینداری اور دستکاری اور ملازمت کے ذریعہ اپنی بسر اوقات کررہا ہے۔ ۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری میں ریاست وجموں کشمیر کے سادات متفرقہ کی تعداد ۳۲۶۲۹ بتائی گئی ہے۔ اور اب (۱۹۳۴ء میں) تو الا ماشاء اللہ اس میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہوگا۔

یسوی علوی

سری نگر کے محلّہ ملارٹہ میں اس خاندان کے نامور افراد گزر چکے ہیں۔ علوی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کے جداعلیٰ حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی کا نسب نامہ بوساطت امام محمد بن الحنفیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ اشجار الخلد وثمراۃ الاشجار وغیرہ کے حوالہ سے نسب نامہ ذیل میں ہے۔

خواجہ احمد بن ابراہیم شیخ بن محمد شیخ ابن محمود شیخ بن افتخار شیخ بن عمر شیخ بن عثمان شیخ بن قس شیخ بن اسمٰعیل شیخ بن موسیٰ شیخ بن یونس شیخ ابن ہارون شیخ ابن اسحاق ابن عبدالرحمان ابن عبدالجبار ابن عبدالفتاح ابن امام محمد بن الحنفیہ ابن سید بادشاہ ولایت علی المرتضیٰ۔

یسوی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یس یا یسو ترکستان میں کوئی شہر یا قصبہ ہے وہی ان کا اصل وطن تھا۔ یسوی خاندان سب سے پہلے حضرت خواجہ احمد یسوی نقشبندی اپنے وطن ترکستان

سے کشمیر میں تشریف لائے۔ چنانچہ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں (صفحہ ۲۰۰ پر) لکھتے ہیں ''خواجہ احمد یسوی نقشبندی از اولاد حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی ترکستانی قدس سرہ۔ خوش اوقات و اکابر منش بود۔ چوں بحسب تقدیر از وطن جدا شدہ اطراف و اکناف عرب و بیت المقدس و شام و بغداد وغیرہ سیر نمودہ ازاں طرف بہ ہندوستان رجوع نمودہ رفتہ رفتہ بہ کشمیر دلپذیر آمدہ۔'' خواجہ محمد اعظم لکھتے ہیں۔ میں اپنی صغر سنی کی وجہ سے خواجہ احمد کی صحبت سے تو مشرف نہ ہو سکا۔ البتہ سر راہ ایک دو مرتبہ جب کہ وہ سوار جا رہے تھے اور ان کی اردل میں کئی خواجگان تھے۔ ان کے دیدار نور بار سے آنکھوں کی طراوت بخشی ہے۔ حضرت خواجہ احمد ۱۱۱۴ھ میں ۳ ذی الحجہ کو جمعہ کے دن فوت ہو گئے۔

خواجہ نور الدین محمد آفتاب نقشبندی شغل باطنیہ وظائف معنویہ اور اجازت ارشاد میں حضرت خواجہ احمد یسوی کے مرید تھے۔ (وفات خواجہ نور الدین محمد آفتاب بعمر ۷۲ سال ۱۱۵۶ھ

شیخ اکمل الدین محمد کامل المشہور مرزا کامل بیگ بدخشی بھی حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے تھے۔ تاریخ اعظمی میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ ''جد ایشاں از تاشقند آمدہ در بدخشاں متوطن شدہ ازاں جہت بدخشی گفتند۔'' شیخ اکمل الدین اکبر کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ کچھ عرصہ ناظم کشمیر بھی رہے۔ ملک محمد خاں خطاب تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں انتقال کر گئے۔

تحائف الابرار تاریخ خواجہ اعظمی تاریخ کبیر کشمیر وغیرہ تاریخی کتابوں میں شیخ محمد مقیم یسوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ''دے از احفاد حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی ترکستانی بود۔'' شیخ محمد مقیم یسوی کو بعض تاریخوں میں بابا محمد مقیم سلطانی اور خواجہ محمد مقیم سلطانی بھی لکھا گیا ہے۔ شیخ اور بابا اور خواجہ کے ہر سہ الفاظ ان کے تقدس و احترام اور ان کی بزرگی کی زندہ علامت ہیں۔ تکملۃ التواریخ میں جو ملا ہدایت مفتی کی غیر مطبوعہ فارسی تاریخ ہے۔ شیخ محمد مقیم یسوی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''علم و عمل اور ورع و تقویٰ میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا الحاج عبد الحق تونائی ترکستانی کے تربیت یافتوں میں تھے۔'' ۱۱۷۴ھ میں فوت ہو گئے اور اپنے مسکن کے سامنے محلہ سازہ پورہ میں دفن ہوئے۔

انہی ایام میں شیخ محمد قائم یسوی کے فرزند بابا عبد اللہ یسوی جو ملا محمد ٹوپیگرو کے شاگرد تھے۔ اس خاندان کے ممتاز علماء میں تھے۔ وہ ۱۱۸۰ھ میں انتقال کر گئے۔

شیخ محمد قائم یسوی سید قاضی دولت شاہ حسینی بخاری یسوی کے مرید تھے۔ قاضی دولت شاہ بہ ارادہ حج ترکستان سے براہ کاشغر ۱۱۲۳ھ میں کشمیر آئے۔ تین سال تک یہیں رہے اور سلسلہ یسویہ کو ترقی دیتے رہے۔ ۱۱۲۶ھ میں بمقام دہلی فوت ہوئے۔

بابا محمد مقیم سلطانی کے فرزند بابا محمد ولی یسوی سن وفات ۱۱۹۶ھ اور ان کے فرزند بابا علی یسوی نے بھی اپنے علم و فضل سے سرزمین کشمیر کو بہت کچھ فیض پہنچایا ہے۔ بابا علی یسوی کا سال وفات ۱۲۵۰ھ ہے۔

شیخ احمد یسوی ملارٹی (سال پیدائش ۱۲۲۱ھ) جو بابا محمد مقیم سلطانی کے پڑپوتے اور شیخ علی یسوی کے فرزند تھے۔ صاحب علم و عمل ہونے کی وجہ سے کشمیر میں ایک متبرک ہستی سمجھے جاتے تھے۔ آپ پہلے مرتضیٰ اندرابی رشی پوری کے داماد تھے۔ پھر آپ نے میر احمد شاہ قدیری کی لڑکی سے شادی کی۔ ۱۲۸۴ھ میں رہگرائے عالم جاودانی ہو گئے۔

موجودہ زمانہ میں اس نامور خاندان کے چشم و چراغ سید احمد شاہ خاکی یسوی جو مولانا محمد عنایت اللہ یسوی *بن شیخ احمد یسوی کے فرزند ارجمند ہیں اپنی تبلیغی و اسلامی خدمات کی وجہ سے کشمیر سے باہر بھی مشہور ہیں۔ بنڈپورہ سے اوپر گریز اور تلیل کے افلاس زدہ پہاڑی علاقہ میں سری نگر کے پادریوں کی مالی فیاضیوں کی بدولت مسیحی جال بہت سے فرزندان توحید کو اسلامی برکات سے محروم کر چکا تھا۔ مگر پیر احمد شاہ خاکی کے رشد و ہدایت نے جن کا اس علاقہ میں کافی مذہبی اثر تھا۔ اپنی متواتر و مسلسل کوششوں سے اسلام کو وہاں از سر نو زندہ کیا۔

۲۶ جنوری ۱۹۳۴ء کے اخبار صداقت سری نگر کشمیر کی اشاعت میں اس کے ایک نامہ نگار نے خاندان خاکیہ کے متعلق چند سطریں لکھی تھیں ان کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ باشندگان آلوسہ بنڈپورہ صدہا سال سے خاندان حضرات خاکیہ کے مرید ہیں۔ پیر غلام مصطفیٰ خاکی ابن پیر محمد شاہ خاکی پچاس سال تک فرائض خلافت انجام دینے کے بعد ۱۳۲۹ھ میں فوت ہو گئے۔ وفات سے تین سال قبل انہوں نے پیر غلام احمد شاہ خاکی یسوی کو ارشاد و خلافت بخش کر اپنا جانشین بنایا ہے۔ اس وقت تلیل۔ استور اور کھولی لہامہ کا علاقہ ان کا ارادت مند ہے۔

ترتیب کتاب ہذا کے دوران میں ایک کتاب بنام حیات لودی عرف شوکت افغانی

* سال پیدائش ۱۲۷۹ھ سال وفات ۱۳۰۹ھ بعمر ۳۱ سال آپ کے برادر خورد پیر عبدالغنی یسوی ہنوز بقید حیات ہیں۔

میری نظر سے گزری اس کے حصہ سوم صفحہ ۴۵ پر مؤلف کتاب ہذا نواب سرامیر الدین خاں نواب لوہارو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''نواب سرامیر الدین خاں نواب لوہارو مغل بخارائی ہیں اور خواجہ احمد یسوی کی اولاد سے ہیں۔'' پھر لکھا ہے۔ بخارا میں خواجہ عبدالرحمٰن نام ایک عالی خاندان رئیس تھے ان کے تین فرزند قاسم جان عالم جان اور عارف جان * اوز بک سواروں کی ایک جمیعت لے کر بخارا سے ہندوستان آئے لاہور میں نواب میر معین الملک ناظم کی زندگی تک ان کے پاس رہے پھر شاہ عالم ثانی کے پاس گئے۔ قاسم جان نے بادشاہ کو اپنی خدمات سے خوش کر کے اشرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب پایا۔ دہلی میں قاسم خان کی گلی انہی کے نام پر مشہور ہے۔

مؤلف شوکت افغانی نے خواجہ احمد یسوی کو بخارا کا مغل لکھا ہے۔ اور نوابان لوہارو اور ان کے خاندان کو انہی کی ذریات بنا کر مغل قرار دیا ہے۔ لیکن یسوی خاندان جس کے کثیر افراد کشمیر میں موجود ہیں وہ اپنے آپ کو علوی بتاتے ہیں۔ ان حالات میں راقم مؤلف نے لوہارو میں بھی خطوط لکھے اور کشمیر میں بھی لوہارو سے تو سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہیں آیا۔ البتہ کشمیر کے ایک بزرگ محترم اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں۔ ''میری معلومات اور ہمارے خاندان اور یسوی حضرات کی خاندانی روایات جو مجھے معلوم ہیں۔ یہی ہیں کہ یسوی خاندان نسبتاً علوی ہے۔ اور علوی سے یہ مراد ہے کہ وہ سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ لیکن سیدۃ النسا فاطمۃ الزہراء علیہ السلام کے شکم مبارک سے نہیں ہیں۔ سید اور علوی میں عرفاً صرف خاتون جنت سیدۃ النسا علیہ السلام کے واسطہ کا فرق ہے۔ ورنہ سیدنا علی علیہ السلام کی اولاد ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔''

غالباً اسی بنا پر علوی بھی اپنے آپ کو سید لکھتے ہیں۔ جیسے صوبہ متحدہ لکھنو کے راجہ سید احمد علوی جو اپنے صوبہ کی کونسل کے ممبر بھی ہیں۔ اپنے آپ کو سید لکھا کرتے ہیں۔ اور اسی لیے بعض سادات اپنے آپ کو علوی سادات اور بعض فاطمی سادات لکھتے ہیں۔

یسوی اور خاکی کا کیا تعلق ہے۔ اس پر بھی کچھ روشنی ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوتی

* مؤلف شوکت افغانی نے قاسم جان اور عالم جان کی اولاد کا ذکر نہیں کیا۔ شاید وہ اولاد نرینہ سے محروم ہوں یا کوئی اور وجہ ہو۔ البتہ عارف جان کے فرزند نواب احمد بخش خاں اور ان کے فرزند نواب امین الدین خان اور ان کے فرزند نواب علاؤ الدین اور ان کے فرزند نواب سرامیر الدین خان والئی لوہارو کا ذکر کیا ہے۔ لوہارو کا رقبہ ۲۸ میل آبادی ۲۰ ہزار اور آمدنی ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ ہے

ہے۔ یسوی خاندان کا تو ذکر کیا جا چکا ہے۔ خاکی خاندان کی ابتدا شیخ المشائخ بابا داؤد خاکی گنائی خلیفہ اعظم حضرت سلطان العارفین شیخ مخدوم حمزہ کاشمیری سے شروع ہوتی ہے۔ جن کا تفصیلی ذکر گنائی طبقہ کے سلسلہ میں درج ہوگا۔ بابا داؤد خاکی کی تمام اولاد خاکی کہلاتی ہے۔ اور وہ سری نگر کے علاوہ اسلام آباد کھوئی ہامہ لولاب وغیرہ میں آباد ہے۔ اسی خاندان میں پیر مصطفیٰ شاہ خاکی جو پیر محمد شاہ خاکی کے فرزند تھے۔ پیری مریدی کے سلسلہ میں نہایت وسیع تعلقات رکھتے تھے۔ پیر احمد شاہ یسوی علوی ان کے نواسے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں پیر احمد شاہ یسوی کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد پیر احمد شاہ یسوی علوی ہونے کے علاوہ اپنے نانا کی طفیل اب خاکی بھی کہلا رہے ہیں۔ اور کھوئی ہامہ اور علاقہ گوریز وغیرہ میں اپنی مذہبی خدمات کی وجہ سے بہت مقبول ہیں۔ یسوی خاندان کے متعلق ایک نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کشمیر میں دو قسم کے یسوی خاندان ہیں۔ ایک وہ جن کا نسب نامہ حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی تک پہنچتا ہے جیسے بابا محمد مقیم یسوی علوی و شیخ احمد یسوی اور ان کی موجودہ ذریات پیر احمد شاہ علوی یسوی خاکی۔ دوسرے وہ بزرگ یسوی کہلاتے ہیں۔ جو سلطان خواجہ احمد یسوی سے تعلق بیعت وارادات رکھتے تھے۔ مثلاً بابا قائم اللیل یسوی بابا عبداللہ یسوی۔ بابا اسد اللہ یسوی وغیرہ گویا کشمیر میں ایک خاندان نسبی لحاظ سے یسوی ہے۔ ایک پیری مریدی کے لحاظ سے۔

☆☆☆

فصل سوم

قریشی

صاحب غیاث اللغات نے لفظ قرش کو قریش کی طرف منسوب کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام عرب کے ایک قبیلہ کا ہے جس کی جد نضر بن کنانہ تھا۔ اسی قبیلہ نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حتیٰ کہ فخر عالم و عالمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیے۔

قرش یا قریش ایک بحری جانور کا ہے۔ جو تمام دریائی جانوروں پر غالب اور زیر آب دنیا کا بادشاہ ہے۔ نضر بن کنانہ کے بیٹے بھی چونکہ اپنی تمام قوم پر غالب تھے اور اس قبیلہ کو چونکہ عرب کے تمام قبائل پر فضیلت و برتری حاصل تھی۔ اس لیے یہ قبیلہ بھی اپنی غیر معمولی شجاعت کی وجہ سے اسی بحری جانور کے نام پر قریشی مشہور ہو گیا۔

اس قوم کو اپنی فضیلت بلکہ خود پسندی پر ابتدا ہی سے بڑا ناز رہا ہے۔ چنانچہ معرکہ بدر کا ذکر ہے کہ دشمنوں کے امیر العسکر عتبہ بن ربیع نے جب لشکر اسلام کو للکارا کہ کوئی مرد میدان باہر نکلے تو انصار کہ جان نثاران رسول عربی تھے۔ دست بدست لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن عتبہ بن ربیع نے یہ کہہ کر لڑنے سے انکار کر دیا کہ ہم قریش کے سوا کسی اور قبیلہ سے جنگی مقابلہ کرنا باعث ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ اس پر حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کہ قریشی و ہاشمی تھے۔ مقابلہ کے لیے میدان میں آئے۔

ان سے عتبہ نے پوچھا نسب و نام و نشان بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لخت جگر

بولا عتبہ نہیں جنگ سے اب ہم کو گریز آؤ اب تیغ قریشی کے دکھائیں جوہر

آخر قبیلہ قریش دو گروہوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک قریشی ہاشمی کہلائے جن سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت عباس حضرت حمزہ اور حضرت علی وغیرہ قریشی ہاشمی ہی تھے۔

دوسرا فریق قریشی بنی امیہ کہلایا۔

سادات اور قریش میں درحقیقت نسلاً کوئی امتیاز نہیں۔

خاندان مولوی شریف الدین مفتی:

جس طرح سادات اور بعض دوسری اقوام بیرونی ممالک سے آکر کشمیر میں آباد ہوئی ہیں۔ اسی طرح قریش بھی باہر ہی سے آئے ہیں۔ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کشمیر میں سب سے پہلے جو قریشی آیا اس کا نام سید محمد قریشی تھا۔ اور وہ رفقائے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی سے تھا۔ چنانچہ صاحب تاریخ اعظمی صفحہ ۳۹ پر قطب الجد سید محمد قریشی کے حالات میں لکھتے ہیں۔ ''از رفقائے حضرت امیر بود۔ بسیار بزرگ وصاحب حالات۔ بہ امر حضرت امیر بت خانہ بج بہارہ راکہ بسیار مزین و مکلّف بود و مبلغ خطیر صرف آں شدہ ویران کردند۔ و سہ صد و شصت بت کلاں وخورد آں رابہ شکست دور آبخا مسجد جامع کلاں ساختند و متصل مسجد مقبرۂ ایشاں است۔''

سید محمد کے ہمراہ ان کا ایک بزرگ برادر زادہ سید احمد نام بھی تھا۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ ''برادر زادہ محمد قریشی بسیار عالی ہمت و مظہر قدرت وقوت بود۔''

'' تذکرہ خاندان شیخ الاسلام کشمیر'' کے عنوان سے مفتی محمد قوام الدین میونسپل کمشنر و اسیر عدالت نے اپنے خاندان کے جو حالات بھیجے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے جد اعلیٰ خواجہ بہاؤ الدین خوارزمی فاروقی تھے۔ جو ندمائے اکبری میں منسلک ہونے کے باوجود دین کو دنیا پر ترجیح دیتے تھے۔ اسی تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اعظم نے سادات بیہقی کے مکانات وغیرہ جو نردول میں تھے بطور عطیہ خواجہ بہاء الدین کو دے دیئے تھے۔ مولوی خیرالدین جو عہد خالصہ میں اسی خاندان کے چشم و چراغ گزرے ہیں۔ اور مفتی صدرالدین وفائی نے تذکرۃ الصادقین میں ان کے فاروقی ہونے اور نسباً حضرت عمر فاروق تک پہنچنے کی تصدیق کی ہے۔

خواجہ بہاء الدین خوارزمی ۹۹۲ھ میں کشمیر آئے۔ اور ۱۰۰۲ھ میں دہلی جا کر فوت ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند خواجہ عبدالبدیع ان کے بعد خواجہ محمد یوسف ان کے بعد خواجہ حبیب اور ان کے فرزند خواجہ موسیٰ اپنے اپنے زمانوں میں فضائل و مناقب علمیہ وعملیہ سے آراستہ رہے ہیں۔ مولوی خیر الدین ابوالخیر جو فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے والے علماؤں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ خواجہ موسیٰ کے فرزند تھے۔

مولانا ابوالخیر ۶ شوال ۱۱۲۲ھ کو دہلی میں فوت ہو گئے۔ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء

میں مدفون ہیں۔ مولانا معزالدین امان اللہ شہید آپ کے فرزند کلاں تھے۔ آپ نے باپ سے بھی زیادہ عزت وشہرت حاصل کی۔ اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے۔ صوبہ بنگال میں عرصہ تک قاضی القضاۃ رہے۔ ملا محب اللہ مصنف سلم العلوم آپ کے حلقۂ درس میں شامل رہتا تھا۔ نادری محمد شاہی جنگ میں شامل تھے۔ ۱۵ ذیقعد ۱۱۵۲ھ کو اسی جنگ میں شہید ہو گئے۔ آپ کے ایک قطعہ تاریخ وفات کے چند اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

معزالدین امان اللہ کہ او بود — ببرج علم و زہد و ورع چوں
چو اندر حرب نادر تشنہ لب شد — کشودہ لب بہ آب خنجر و
بگفتم بے سر اندیشہ تاریخ — شہید پاک شد علامہ

مولانا امان اللہ شہید کے دو اور بھائی تھے۔ ملا اکبر یار خاں، مفتی صدرالدین خاں آزردہ صدر الصدور دہلی انہی کے فرزند تھے۔ دوسرے مولوی حسام الدین آپ کے پوتے مولانا سعدالدین صادق کے فرزند تھے۔ آپ حضرت خواجہ سید عبدالرحیم شیخ کمان کے جو خواجگان نقشبندیہ احراریہ کے جد اعلیٰ ہیں۔ مرید تھے۔ ان کے فرزند اول شیخ الاسلام مولوی نظام الدین مصنف تاریخ نظام الوقائع (وفات ۱۲۱۹ھ بعمر ۶۶ سال) تھے۔

ان کے فرزند * دوم قاضی ناصر دین کے جو بزمانہ گورنری شیخ غلام محی الدین منصب پر فائز تھے کے تین فرزند تھے۔ مولوی نورالدین و مولوی عزیز الدین۔ مولوی صدرالدین مہاراجہ رنبیر سنگھ نے مولوی نورالدین کو ممبر داغ شال اور مولوی عزیز الدین کو نائب عدالت شہر کا عہدہ دیا۔ شہر کے تمام قاضی و مفتی اسی عہدہ کے ماتحت ہوتے تھے۔ ۲ ماہ صفر ۱۲۹۳ھ کو آپ انتقال کر گئے۔ مولوی عزیز الدین نے باپ کے نقش قدم پر چل کر درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ دیوان اننت رام پنڈت رام جو در پنڈت پرکاش جودر اور خان بہادر آغا جسٹس سید حسین رضوی وغیرہ اصحاب آپ ہی سے مستفید ہوتے رہے ہیں۔ ۱۰ اشوال ۱۳۱۴ھ کو فوت ہو گئے۔ قاضی مولوی شریف الدین جو اس وقت کشمیر کے مفتی اعظم کہلاتے ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ مذہبی و تاریخی علوم کا بحر ذخار ہیں۔ اور عربی و فارسی میں بے تکان اور بے تکلف گفتگو کرتے ہیں۔ مولوی عزیز الدین کی وفات اور مولوی شریف الدین کی جانشینی ذیل کے شعر سے معلوم ہو سکتی ہے۔

* فرزند اول مولوی عماد الدین تھے ان کے فرزند مولوی نجم الدین کی اولاد لکھنو میں ہے۔

۔ مسند گاہ حکم شرع بنشست   شریف الدین عزیز الدین چو بر خاست

سری نگر، ترال، سوپور، اسلام آباد وغیرہ کشمیر کے کئی مقامات میں آپ کے کثیر تلامذہ موجود ہیں۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ بڑے مولوی قوام الدین مفتی جو میونسپل کمشنر اور اسیسر عدالت ہیں۔ منجھلے مولوی رشید الدین مولوی فاضل، تیسرے مولوی غلام محمد۔

شیخ الاسلام مولوی نظام الدین مصنف نظام الوقائع کے دوسرے بھائی کا نام مولوی غلام نور الدین تھا۔ ان کے فرزند مولوی خیر الدین ان کے مولوی جلال الدین اور ان کے فرزند مولوی علاؤ الدین تھے۔ مولوی خیر الدین اولاد نرینہ سے محروم تھے مولوی جلال الدین کے دو لڑکے تھے۔ مولوی شمس الدین، مولوی اکبر شاہ۔ مولوی شمس الدین کا مولوی محی الدین اور مولوی اکبر شاہ کے چار فرزند ہیں۔ بدر الدین۔ سلام الدین۔ بنہ شاہ۔ غلام رسول۔ بدر الدین کے لڑکے کا نام نور الدین ہے۔ مولوی علاؤ الدین کا ایک فرزند ہے۔ میاں احمد الدین قریشی نام ہے اور وہ لاہور میں رہتا ہے۔

مولوی نور الدین برادر مولوی عزیز الدین مفتی اعظم کے چار فرزند تھے۔ قاضی مولوی سعد الدین، مولوی امان اللہ، مولوی حسام الدین، اور مولوی سیف الدین۔ چاروں کا انتقال ہو چکا ہے۔ مفتی سعد الدین کے دو فرزند ہیں۔ ڈاکٹر غلام محی الدین اسسٹنٹ سرجن اور مولوی رفیع الدین۔ مولوی امان اللہ کے دو فرزند ہیں۔ مولوی محمد امین و مولوی محمد یٰسین۔ مولوی حسام الدین بھی دو فرزندوں کے باپ تھے۔ ایک کا نام مولوی نظام الدین دوسرے کا نام مولوی محمد شفیع ہے۔ مولوی سیف الدین کی صرف ایک ہی لڑکی ہے جو مولوی نظام الدین فرزند مولوی حسام الدین کے عقد میں ہے۔

مولوی صدر الدین برادر حقیقی مفتی عزیز الدین ولد مولوی ناصر الدین کے فرزند مولوی ضیاء الدین مفتی کے حسب ذیل صاحبزادے ہیں۔ مفتی جلال الدین بی۔ اے پروفیسر پرتاپ کالج، مولوی محمد سعید اور مولوی سیف الدین۔

خاندان حکیم محمد امین و آزاد قریشی:

کشمیر میں یوں تو کئی قریشی خاندان ہیں لیکن جو مشہور ہیں۔ وہ تھوڑے ہی ہیں۔ حکیم محمد امین قریشی اور مولانا آزاد قریشی کا خاندان بھی اپنی قدامت کے لحاظ سے ایک ممتاز حیثیت

رکھتا ہے۔ ان کے ایک بزرگ چک بادشاہوں کے زمانہ میں مخدوم حاجی احمد قاری نام جو حضرت مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے نبیرہ بیان کیے جاتے ہیں۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کی خواہش کے مطابق علم تجوید و قرأت کی اشاعت کے لیے ملتان سے کشمیر تشریف لائے۔ اور جہاں آج پتھر مسجد واقع ہے۔ اس کے متصل دریائے جہلم کے کنارے آپ نے درس قرأت کے لیے ایک درسگاہ جاری فرمائی۔ جہاں ہزارہا مسلمانوں نے علم قرأت و تجوید حاصل کیا۔

آپ کی وفات (۸ رمضان ۹۶۹ھ) کے بعد آپ کے سب سے بڑے فرزند مخدوم خاجی موسیٰ قاری نے اپنے نامور باپ کی شہرت کو اور بھی جلا دی۔ تیرہویں صدی میں اس خاندان کے ایک اور بزرگ علامہ مخدوم غلام مصطفیٰ نے کشتوار کے علاوہ لداخ، یارقند، ختن تک اسلام کا نام روشن کیا۔ آپ ۱۲۸۵ھ میں بمقام نور پور ضلع کانگڑہ وفات پا گئے۔ مولانا محمد یحییٰ رفیق نور پوری نے آپ کی وفات پر جو مرثیہ لکھا۔ اس میں سے چند ابیات ذیل میں درج ہیں۔

بزرگِ زماں عالم با عمل — میانِ شریعت بسے مستقیم
شۂ عارفاں مولوی مصطفیٰ — قریشی لقب ہاشمی بس حلیم
رفیقِ بتاریخۂ قالِ او — اجلّ ذکی بفقہ عظیم

ان کے علاوہ اسی خاندان سے کشمیر میں مخدوم نصیر الدین قریشی مخدوم احمد قریشی مخدوم عبداللہ قریشی وغیرہ کئی نامور اصحاب گزرے ہیں۔ دورِ حاضرہ میں حکیم مولوی محمد امین قریشی ہاشمی حاذق الملک حکیم محمد اجمل خاں دہلوی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں ہیں آپ کا مطب بربرشاہ کے پُل کے پاس اعلیٰ پیمانہ پر جاری ہے۔

مولانا آزاد قریشی بھی اسی خاندان سے ہیں۔ جو ۱۹۳۳ء میں سرکاری طور پر میونسپلٹی سری نگر کے میونسپل کمشنر مقرر کیے گئے ہیں۔ کشمیر کے کئی قریشی خاندان کشمیر کی دوسری اقوام کی طرح مختلف وقتوں میں کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب میں آ کر مقیم ہو گئے ہیں جن میں گوجرانوالہ، راولپنڈی، جہلم وغیرہ کے چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں کیا جائے گا۔

☆☆☆

فصل چہارم

افغان

دیباچہ

افغان شاہان کشمیر کے زمانہ میں کشمیر کے اکثر پنڈت اور مسلمان کابل جاتے رہے ہیں۔ ان میں کئی کشمیری مسلمان ایسے تھے جو کابل سے پھر اپنے وطن میں واپس نہیں آئے۔ افغانستان میں یہ لوگ اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم والئی افغانستان نے بھی اپنی خودنوشتہ سوانح عمری میں ایک دو جگہ ان کا ذکر کیا ہے۔ اور اب بھی شاہ امان اللہ خان سابق فرمانروائے افغانستان اور غازی نادر خان شہید اور ان کے فرزند موجودہ بادشاہ افغانستان اعلیٰ حضرت محمد ظاہر شاہ کے عہد میں ہمارے لاہور کے ایک نامور اور ذی عزت کشمیری خاندان کے چشم و چراغ میر رحمت اللہ ہمایوں (خلف حاجی میر شمس الدین صاحب مرحوم) کو سابق دو بادشاہوں کے حضور میں اعزاز حاصل رہا ہے۔ اور اس وقت بھی وہ موجودہ بادشاہ غازی کے معتمدین میں ہیں۔

غازی عبدالرحمٰن بے کا نام ابھی مسلمانان ہندو پنجاب کو یاد ہوگا۔ آپ پشاور کے ایک معزز کاشمیری خاندان (حاجی غلام صمدانی مرحوم ساکن بارہ مولا کشمیر و رئیس پشاور) کے فرزند ارجمند اور مسٹر عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا پشاور کے برادر خورد تھے آپ نے ترکی کو اپنا وطن بنالیا تھا۔ اور حکومت ترکی کی طرف سے کابل میں سفیر بن کر آئے تھے۔

افغانستان کے علاوہ صوبہ سرحد * کے اکثر مقامات میں کشمیری مسلمانوں کی معقول تعداد ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ خاص پشاور کی آبادی میں ایسے مسلمانوں کی تعداد جن کے آباؤ

* چارسدہ، مردان، ایبٹ آباد، گڑھی حبیب اللہ خاں، ہری پور ہزارہ اور چارسدہ کی تحصیل میں راقم سطور کے خاندانی پیر سید عبدالغنی صاحب کاشمیری کئی سال تک متواتر اپنے کاشمیری مریدوں (قبیلہ ڈار) کے پاس جاتے رہے ہیں۔ وہ فرماتے تھے۔ وہاں ان کے مریدوں کے بارہ چودہ گھر آباد ہیں۔ ان کا لباس ان کی زبان ان کی معاشرت سب افغانی طریق پر ہے۔ نیپال میں کشمیریوں کا ایک محلہ کشمیری محلہ کے نام سے آباد ہے۔

اجداد کشمیر سے آئے تھے۔ نصف سے کچھ ہی کم ہوگی۔ اسی طرح نیپال، بنگال، آسام، بہار، ترکی اور امریکہ میں بھی کشمیری مسلمانوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن جس طرح ایک ملک کا باشندہ دوسرے ملک کو اپنا وطن بنا کر اپنے ملکی و قومی عادات و خصائل فراموش کر دیتا ہے۔ اسی طرح نووارد کشمیریوں کی آئندہ نسلوں نے جس ماحول میں پرورش پائی۔ اسی کی عادات اسی کی تربیت اور اسی کی زبان اختیار کر لی۔ چنانچہ افغانستان یا سرحد یا دوسرے ممالک کے کشمیری آج اچھے خاصے ''پٹھان'' نظر آرہے ہیں۔ بلکہ دو تین پشتوں میں اقامت نے ان کو فی الحقیقت پٹھان بنا دیا۔ اس طرح جو افغان افغانستان یا سرحد سے کشمیر میں آئے اور پھر یہیں کے ہو گئے۔ وہ بھی اپنی زبان اپنے لباس اور اپنے تمام افغانی عادات و خصائل کو تھوڑے عرصہ کے بعد فراموش کر بیٹھے۔ افغانوں کا تعلق کشمیر کے ساتھ مستقل طور پر ایک حکمران کی حیثیت سے ۱۷۵۳ء سے شروع ہوتا ہے۔ جب کہ احمد شاہ ابدالی نے زوال مغلیہ سے فائدہ اٹھا کر کشمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ قریباً چھیاسٹھ سال یعنی ابتدائے ۱۸۱۹ء تک کشمیر پر افغانوں کو غلبہ حاصل رہا۔

کشمیر میں افغان ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کی اکثریت نے کشمیر ہی میں طرح اقامت ڈال لی۔ اور اسی کو اپنا وطن بنالیا۔ تو ان کے تمام قومی و ملکی خصائل ان سے جاتے رہے۔ چنانچہ آج کشمیر کے قدیم مسلمانوں اور افغان مسلمانوں میں بظاہر کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ البتہ تحصیل اوتر مچھی پورہ کے خیبری اور خٹکی اپنے قد و قامت اور اپنے لباس سے کچھ نہ کچھ افغانی جھلک اپنے اندر رکھتے ہیں۔

اس وقت تک کشمیر میں پٹھانوں کی مندرجہ ذیل قومیں پائی گئی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر عہد افاغنہ کی یادگار ہیں۔

لکی خیل (جس کو کشمیری میں کاکا خیل کہتے ہیں) آفریدی، کنٹ یا کانٹھ، سدوزئی، یوسف زئی، سواتی، بنیری، خٹکی، بلوچ، بارک زئی، دُرانی، حسن زئی، خیبری، ہزارہ، کابلی، نیازی، ککے زئی، خان۔

پٹھانوں کی کل آبادی تمام ریاست میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۵۲۲۶۳ ہے۔ جن میں فرقہ خاں (جس میں مصنوعی خانوں کی کثرت ہے) سب سے زیادہ ہے۔ اس فرقہ کی تعداد ۳۰۴۳۸ ہے۔

میر پور قلمرو جموں کے بعض مسلمان راجپوتوں کو بھی پٹھان بننے کا شوق چرایا ہے۔
(دیکھو رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر ۱۹۱۱ء صفحہ حصہ اول)

کشمیر کے متذکرہ صدر افغان قبائل میں سے چند ایک کا ذکر علیحدہ علیحدہ اگلی سطور میں کیا جاتا ہے۔ ان میں چند ایک قبائل پنجاب میں آگئے ہیں۔ ان کا ذکر پنجاب کی تفصیلات میں آئے گا۔

نیازی

افغانوں کے ایک جلیل القدر قبیلہ کا نام ہے۔ شیخ بیٹن کے بڑے نواسہ کا نام ابراہیم تھا۔ ابراہیم کے دو اور بھائی تھے۔ غلزئی اور شروانی نام۔ نانا نے نواسوں کو اقبال مند دیکھنے کے لیے ایک دفعہ جو شگون لیا۔ تو ابراہیم کامیاب ہوا۔ اس پر نانا نے بے ساختہ کہا۔ ابراہیم لودی یعنی ابراہیم بڑا ہے۔ اس پر ابراہیم کا نام لودی مشہور ہوگیا۔ اس کے باپ کا نام شاہ حسین تھا۔ لودی کے تین بیٹے تھے۔ سیانی۔ نیازی۔ اور ڈومانی۔ سوری خاندان جس میں شیر شاہ سوری پیدا ہوا ہے۔ اسماعیل بن سیانی کے فرزند سور کے نام پر سُوری کہلاتا ہے۔ اسماعیل کے بڑے بھائی کا نام بزنگی تھا۔ اس کی اولاد لودی کے نام ہی سے مشہور ہے۔ سلطان بہلول لودی۔ سکندر لودی اور سلطان ابراہیم لودی جس کو بابر نے شکست دے کر ہندوستان سے افغان حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اپنے جدامجد ابراہیم عرف لودی بن شاہ حسین کے نام پر ہی لودی مشہور ہے۔

نیازی کی تین عورتیں تھیں۔ ان سے کئی اولادیں ہوئیں۔ اس کے ایک فرزند جمال کی چوتھی پشت میں اسماعیل کے نام پر اسماعیل زئی ایک قبیلہ موسوم ہے۔ اس قوم کے دو ہزار آدمیوں کو ایک مرتبہ ہیبت خاں نیازی نے صرف شیر شاہ سُوری کی بدگمانی دُور کرنے کے لیے ناحق قتل کرا دیا تھا۔ نیازی کی اولاد سے ایک بڑا قبیلہ نیازی ہی کے نام سے موسوم ہے۔ اس قبیلہ نے شیر شاہ سُوری اور اس کے فرزند سلیم شاہ سُوری کے زمانہ میں بڑا عروج پایا ہے۔ ہیبت خاں نیازی کو مسند عالی کا خطاب تھا اور پنجاب اس کی حکومت میں تھا۔ اعظم ہمایوں نیازی اور اس کے بھائی سعید خاں و شہباز خاں نیازی نے ہیبت خاں کے ساتھ مل کر جب سلیم شاہ سے بغاوت اختیار کر لی تو

سلیم شاہ کو حکومت ہی کے نہیں بلکہ جان کے لالے پڑ گئے تھے۔آخر نیازی شکست کھا کر کشمیر کی
طرف چلے گئے۔اس زمانہ میں ہمایوں کے خالہ زاد بھائی میر زا حیدر کا کشمیر میں بڑا زور تھا۔ بلکہ
کمزور چک بادشاہ کشمیر کے نام پر درحقیقت وہی کشمیر کا بادشاہ تھا۔ اس لیے اسے سلیم شاہ کو خوش
کرنے کے لیے نیازیوں کو حدود کشمیر میں داخل نہ ہونے دیا۔ نیازی حاکم راجوری کے ساتھ مل
گئے۔آخر متفق ہو کر انہوں نے کشمیر پر حملہ کرنا چاہا۔مرزا حیدر کو بھی خبر ہوئی اس نے اپنے امرا
میں سے حسین ماگرے اور بہرام چک کو کشمیریوں کا لشکر دے کر نیازیوں کے مقابلہ پر بھیجا
طرفین میں خوب جنگ ہوئی۔اعظم ہمایوں کی بیوی رابعہ بی بی بھی اس جنگ میں شامل تھی۔ اس
نے ایک کشمیری سردار لائی چک کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔لیکن بقول مصنف حیات لودی شوکت
افغانیہ (حصہ سوم صفحہ ۳۰۵) اس لڑائی میں کوئی نیازی زندہ نہ بچا۔قریباً دو ہزار نیازی موت کے
گھاٹ اتر گئے۔ہیبت خاں نیازی اعظم سعید خاں شہباز خاں سب کا خاتمہ ہو گیا۔مرزا حیدر نے
ان سب نیازی سرداروں کے سر سلیم شاہ کے پاس بھجوا دیئے۔

نیازیوں کا وطن قدیم شلگر نواح غزنی ہے۔سلطان بہلول لودی کے زمانہ میں یہ قوم
ہندوستان میں آئی۔اور افغان بادشاہ شیر شاہ و سلیم شاہ کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر پہنچی
عیسیٰ خیل، موشیانی، سرہنگ اس قوم کی بڑی بڑی شاخیں ہیں۔ان کی زیادہ آبادی عیسیٰ خیل ضلع
بنوں میں ہے۔

اکبر کے زمانہ میں میاں عبداللہ نیازی جو شیخ سلیم چشتی کے مرید تھے۔اس قوم کے ایک
نامور اہل اللہ بزرگ گزرے ہیں۔سرہند میں ان کا قیام تھا۔۹۹۳ھ میں جب اکبر اس طرف آیا
تو اس نے میاں عبداللہ کو مدد معاش کے طور پر کچھ جاگیر دینی چاہی۔جب استصواب کیا تو انہوں
نے انکار کر دیا۔آخر بادشاہ نے خود ہی ان کے اور ان کے فرزندوں کے نام سرہند میں ایک قطعہ
زمین کی سند لکھ دی (دربار اکبری صفحہ ۸۱۱) نیازی قبیلہ کا ایک الوالعزم فرد عیسیٰ خیل ضلع بنوں سے
۱۹۴۰ بکرمی کے قریب یعنی آج سے پچاس سال پیشتر اپنا آبائی وطن ترک کر کے کشمیر آیا۔اور
علاقہ کامراج کے ایک گاؤں پانجی شاٹھ میں آ کر آباد ہو گیا۔اس کا نام مولوی موسیٰ خاں ہے۔وہ
منشی فاضل ہیں۔اور زبردست اہل قلم ہیں۔ریاست کشمیر کے محکمہ تعلیم میں برسوں تک رہے ہیں
اسی محکمہ میں ترقی کر کے وہ لداخ میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس بھی ہو گئے تھے۔اور ڈی ۔اسلام آباد
اور کئی اور مقامات پر انہوں نے وکالت کا کام کیا ہے۔اور اس وقت بھی بھدرواہ کے قابل وکلا

میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ہانجی شاٹھ کے علاوہ موضع کلر میں بھی آپ کی زمینداری ہے اور اس وقت دو اڑہائی سو کنال زرخیز زمین کے مالک ہیں۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ عبدالرحمٰن خاں نیاز جس کو شعروشاعری کا بھی شوق ہے اور جو آزاد زندگی کو سرکاری ملازمت پر ترجیح دیتا ہے اور اس وقت مظفر آباد میں عرائض نویسی کر رہا ہے۔ سب سے چھوٹے کا نام بشیر احمد خاں ہے جو ایف۔ اے تک تعلیم حاصل کر کے تجارتی کاروبار میں مصروف ہے۔ منجھلے کا نام فضل الرحمٰن خاں ہے۔

یوسف زئی

افغانوں کا یہ فرقہ خرشبون یا خیر دین فرزند دوم سٹر بن ابن قیس عبدالرشید کی اولاد سے ہے۔ اتمان زئی۔ سیدوزئی (شاہان افغانستان) سالارزئی (فرمانروایان ٹونک) سب اسی فرقہ کی شاخیں ہیں۔

یوسف زئی پہلے کوہ سورغر (سرخ پہاڑ) اور غندان کے مابین نواح قندھار میں رہتے تھے۔ جب ترین* افغانوں نے ان پر غلبہ پالیا تو یہ کابل چلے آئے۔ پھر کئی لڑائیوں کے بعد رفتہ رفتہ سوات، بنیر، پنجکورہ اور دیر پر قابض ہو گئے۔ مصنف حیات لودی عرف شوکت افغانیہ یوسف زئی فرقہ کی تعداد ۹ لاکھ اور مصنف حیات افغانی اس کی تعداد دو لاکھ ۴۶ ہزار بتاتا ہے۔

۱۴۹۴ء میں جب بابر نے کابل پر قبضہ کیا ہے تو یوسف زئی فرقہ سے بھی جنگ کرنی پڑی۔ دونوں فریق لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ آخر یوسف زئی قبیلہ کے سردار شاہ منصور ولد سلیمان ملک نے بابر سے اپنی لڑکی کی شادی کر کے صلح کر لی۔

۹۹۵ھ مطابق ۱۵۸۶ء میں اکبر نے راجہ بیربل اور زین خاں کوکہ کو یوسف زئیوں کی تنبیہ کے لیے کابل بھیجا۔ وہاں ایک یوسف زئی نے راجہ کو دھوکہ دے کر اس کی سات ہزار فوج کو

* ماسٹر کھنڈے خاں سابق سیکرٹری بلدیہ سری نگر کشمیر سکنہ جموں ترین افغان ہی ہیں۔ ترین برادرس کے نام سے سری نگر میں ایک فرم ہے۔

چشم زدن میں قتل کرادیا۔ زین خان کوکہ جان بچا کر بھاگ آیا۔

جب ۱۱۶۲ء میں احمد شاہ درانی نے پنجاب پر حملہ کیا ہے۔ تو عمائد یوسف زئی کی ایک کثیر جماعت اس حملہ میں اس کی ممد و معاون تھی۔

کشمیر میں یوں تو افغانوں کی آمد و رفت مغلیہ عہد میں بھی رہی ہے لیکن احمد شاہ ابدالی کے کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد جب فوج میں افغانوں کی کثرت ہوگئی اور دوسرے عہدہ دار بھی خصوصاً ناظمان صوبہ افغانستان ہی سے آنے لگے۔ تو کئی افغانوں نے کشمیر ہی کو اپنا مستقل وطن بنالیا۔ انہی میں یوسف زئی فرقہ بھی ہے۔ جس کی کثرت تحصیل ہندواڑہ کے علاقہ حمل میں آباد ہے۔ اور جو عام طور پر معروف خانی پٹھان کہلاتا ہے۔ ان پٹھانوں میں سے آفریدیوں یا خیبریوں کے ۳۵ نوجوان سڑک گلگت کے لیے سرکاری طور پر لیے جاتے ہیں۔ اور مچھی پورہ کے پٹھانوں میں سے اسی مطلب کے لیے ۲۵ نوجوان حاصل کیے جاتے ہیں۔ ان خدمات کے معاوضہ میں ان لوگوں کو ریاست کی طرف سے کئی گاؤں ملے ہوئے ہیں۔ جن کا مالیہ ان کو معاف ہے۔ درنگہامہ کے پٹھانوں کی نسبت معروف خانی پٹھان مخلوط النسل ہوگئے ہیں۔ ان کے شادی بیاہ کشمیر کے عام مسلمانوں سے اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح اسلام نے اجازت دی ہے۔ یعنی ذات اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اور یہ وجہ ہے کہ ان کے آبائی خصائل اب ان سے جاتے رہے ہیں۔ وحشت اور جنگ جوئی اور اکھڑ پن کی عادت اب ان میں نہیں ہے۔ زبان پشتو گو ابھی تک قائم ہے۔ مگر اس کا قیام چراغ سحری سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ زبان کا اثر صرف بڑے بوڑھوں تک ہی ہے۔ موجودہ نسلیں خالص کشمیری ہیں اور کشمیری زبان بولتی ہیں۔ جس طرح کشمیریوں نے پنجاب میں آکر اپنی زبان کھودی ہے۔ اسی طرح افغانوں نے کشمیر میں جاکر اپنی زبان کو بھلا دیا ہے۔

خیبری اور خٹکی

سوات بنیر اور خیبر و خٹک علاقوں اور قوموں کا تعلق کشمیر کے ساتھ ابتدائے اسلام ہی کے زمانہ سے رہا ہے۔ شاہ میر جس کی اولاد نے قریباً سوا دو سو سال کشمیر میں حکومت کی ہے۔ انہی سرحدی علاقوں کا رہنے والا تھا۔ جو ۷۲۰ھ مطابق ۱۳۱۹ء میں وارد کشمیر ہوا تھا۔

خیبر اور خٹک قوموں نے کشمیر کی سیاسیات میں بڑا حصہ لیا ہے ہم سب سے پہلے خیبری قوم کا نام تاریخ میں الہ قلی خان آخری مغل گورنر کے عہد میں دیکھتے ہیں۔ اس زمانہ میں میر مقیم کنٹ نائب گورنر اور خواجہ ظہیر دیدہ مری مدار المہام تھا۔ جنگی اخراجات کو کم کرنے کے لیے جب سپاہیوں کی تنخواہیں گھٹا دی گئیں بلکہ اکثر پیدل اور سوار پلٹنوں کو علیحدہ کر دیا گیا تو یہ سب بیکار لوگ ابو القاسم سے جو ابو البرکات خاں سابق ناظم کا فرزند تھا۔ مل گئے اور اس کو کشمیر پر قبضہ دلانے میں کامیاب ہو لیے۔ ان لوگوں میں خیبری بھی تھے اور ابو القاسم کی افواج کا سپہ سالار گلا خاں خیبری تھا۔

انہی ایام میں احمد شاہ درانی لاہور میں مقیم تھا۔ اس نے اہالیان کشمیر کی تحریک سے کشمیر کی طوائف الملوکی کو مٹانے کے لیے اپنے ایک جرنیل عبداللہ خاں ایشک اقاصی کو پندرہ ہزار جرار فوج دے کر جس میں افغان اور سرحدی لوگ شامل تھے۔ کشمیر پر حملہ کی غرض سے بھیجا۔ گل خاں خیبری ابو القاسم کے سپہ سالار نے جب اپنے ملک اور اپنی قوم کے لوگوں کو حملہ آور دیکھا تو ابو القاسم کا ساتھ چھوڑ کر ان کے ساتھ مل گیا۔ اور تین ماہ کی آزاد حکومت کے بعد ابو القاسم بیچارا گرفتار ہو گیا۔

نور الدین خان بامزئی افغان گورنر کے زمانہ میں ایک شجاع و بہادر خٹکی لعل خاں نام پرگنہ بیروہ کا جاگیردار تھا۔ جہاں اس نے ایک مضبوط قلعہ بھی بنا رکھا تھا۔ جب نور الدین خان ۱۷۶۶ء میں بادشاہ کابل کے حکم سے کابل گیا اور اپنی جگہ اپنے بھانجے جان محمد خاں اور ایک سکھ سردار گورمکھ سنگھ کو اپنا قائم مقام بنایا گیا۔ تو لعل خاں خٹکی نے تھوڑی سی کوشش اور ایک معمولی لڑائی کے بعد دار الحکومت (سری نگر) کو فتح کر کے کشمیر کی حکومت حاصل کر لی۔

دوسرے سال جب خرم خاں کو کشمیر کی گورنری ملی اور وہ کابل سے بارہ مولا پہنچا تو لعل خاں (اس لحاظ سے کہ رعایا بالخصوص ہندو اس کے تشدد سے نالاں تھے) لڑائی کے بغیر ہی اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ لیکن جب میر فقیر اللہ کنٹ گورنر ہوا تو اس نے پہلے تو جواب طلبی کے لیے لعل خاں خٹکی کو دربار میں بلوا بھیجا۔ جب وہ نہ آیا تو میر فقیر اللہ نے میر فاضل کنٹ کو فوج دے کر اس کی تنبیہہ کے لیے روانہ کیا۔ لعل خاں پونچھ بھاگ گیا اور وہاں سے بادشاہ کے پاس کابل چلا گیا۔

میر فقیر اللہ ہر وقت شراب کے نشہ میں غرق رہتا تھا۔ اصل حکومت بمبہ قوم کے ہاتھ میں تھی۔ اور یہ سب اطلاعیں بادشاہ کو پہنچ رہی تھیں۔ لعل خاں نے بھی حاضر دربار ہو کر ان کی تائید کی۔ چنانچہ نورالدین خاں بامزئی دوبارہ نظامت کشمیر پر نامزد ہوا۔ اور لعل خاں خٹکی کو بھی اس کے ساتھ کشمیر جانے کا حکم دیا۔ میر فقیر اللہ اور قوم بمبہ سے قریباً ایک ماہ تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر نورالدین خاں کامیاب ہوا۔ اور لعل خان جو اب لعل محمد خاں بن گیا تھا۔ اپنی جاگیر میں چلا گیا۔

امیر خاں جوان شیر کے عہد ۱۷۷۱ء تا ۱۷۷۲ء میں اس نے اور اس کے بھائی سیف اللہ خاں خٹکی نے پھر بغاوت کی۔ شاہی لشکر کے کئی خیبری اور خٹکی سردار اور سپاہی لعل محمد خاں سے مل گئے۔ لیکن جب دوران جنگ ہی میں لعل محمد خاں کا کسی بیماری سے فوری انتقال ہو گیا تو اس کے اہل وعیال کے پونچھ بھاگ جانے پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ لعل محمد خاں پہلے قلعہ کے باہر دفن ہوا پھر امیر خاں جوان شیر نے اس کو خانقاہ معلیٰ میں دفن کرایا۔ اور نماز جنازہ دوبارہ پڑھوائی اور اس کے جوانمردانہ اوصاف کی تعریف کی۔

سکھوں کے زمانہ میں خیبری و خٹکی قوموں کا سیاسی اقتدار کم ہو چکا تھا۔ البتہ کہیں کہیں سکھوں کے اہل کاروں سے ان کی جھڑپ ہو جایا کرتی تھی۔ جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں آیا تو اس نے ان سرحدی پٹھانوں کے آئے دن کے فتنہ وفساد سے نجات حاصل کرنے کے لیے ان کو بہت سی مراعات عطا کیں اور ان کی وفادارانہ خدمات کے عوض ان کو کئی طرح کی جاگیریں دیں۔ چنانچہ اس وقت تحصیل اوتر مچھی پورہ میں کئی گاؤں سواتی بنیری اور خیبری پٹھانوں کی ملکیت ہیں۔ اس طرح علاقہ جلگو کھاریان (بدگام) میں خٹک نسل کے کئی پٹھان رہتے ہیں اور عام طور پر خان کہلاتے ہیں۔

عادت وخصائل اور رسم ورواج کے لحاظ سے پٹھانوں اور کشمیریوں میں اب کوئی فرق نظر نہیں آتا البتہ تحصیل اوتر مچھی پورہ کے خیبری اپنی بڑی بڑی لنگوٹیوں کی وجہ سے ایک امتیازی شان رکھتے ہیں۔ تعلیم ان لوگوں میں بہت کم ہے اس لیے کسی سرکاری محکمہ میں کوئی خیبری یا خٹکی دکھائی نہیں دیتا۔

کنٹ

شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں خواجہ محمد حسین کابلی ابن خواجہ کمال ابن خواجہ عارف کابلی اپنے وطن کابل سے وارد کشمیر ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اپنی خداداد قابلیت سے امرائے اکبری میں منسلک ہو گئے۔ جب اکبر دوسری مرتبہ کشمیر آیا تو اس نے ہری پربت کے گرد ایک وسیع شہر آباد کیا۔ خواجہ حسین کابلی قلعہ اور قلعہ کی شاہی عمارات کے میر عمارت مقرر ہوئے۔ دس سال یہ کام جاری رہا۔ اور ۱۰۰۶ھ میں خواجہ مذکور کی کوششوں نے اس کو تکمیل تک پہنچایا۔ جیسا کہ قطع تاریخ سے ظاہر ہے۔

بنائے قلعہ ناگر نگر کوٹ	بحکمِ پادشاہ داد گستر
کروڑو وہ لک از مخزن فرستاد	دو صد استاد ہندی جملہ چاکر
نکر دہ ہیچ کس بیگار آنجا	تمامی یافتند از فخر نسل زر
چہل چار از ظہور پادشاہی	ہزار دشش زتاریخ و تپیبر

یہ اشعار قلعہ ہری پربت کے سنگین دروازہ پر ابھی تک کندہ ہیں۔ اکبر نے خوش ہو کر خواجہ حسین کو ایک زیور کنٹھ طلائی معہ خلعت شاہی عطا فرمایا۔ اہل کشمیر جو بات بات پر صفاتی یا ذاتی نام رکھنے کے عادی ہیں اس موقعہ کو کس طرح ہاتھ سے چھوڑ سکتے تھے وہ نہ صرف حسین کابلی اور اس کی اولاد بلکہ ان کے محلّہ تک کے لوگوں کو زیور کنٹھا کے نام پر کنٹھ پکارنے لگے۔ بلکہ اس طرف کا دروازہ بھی کنٹھ دروازہ مشہور ہو گیا۔ جواب کاٹھی دروازہ کے نام سے موسوم ہے۔

تاریخ حسن کا مصنف اس قبیلہ کے متعلق لکھتا ہے۔ ''جد آنہا خواجہ حسین کابلی در عہد اکبری مہتمم ناگرنگر بود بادشاہ بر موقعہ ملاحظہ قلعہ یک عدد کنٹھا کہ زیور است شامل خلعت شاہی بے وے عطا فرمودہ موجب آن اورا کنٹ خطاب کردہ اند۔''

اس خاندان میں میر محمد مقیم۔ میر فقیر اللہ۔ میر جعفر۔ میر فاضل روسائے نامدار گزرے ہیں۔ بلکہ دواول الذکر جو علی الترتیب ۱۷۵۳ء و ۱۷۶۷ء میں کشمیر کی صوبیداری و نائب صوبیداری پر بھی فائز رہے ہیں۔

اس خاندان میں دو شاعروں کا پتہ بھی چلتا ہے۔ ایک تو عنایت اللہ ہے جس کے متعلق لکھا ہے۔ "کہ از فرزندان میر حسین کنٹ بود۔" اس کے دو شعر ذیل میں درج ہیں۔

ایں زخم دل زغمزہ چشم سیاہ کیست — ویں نیم کشتہ بسمل تیغ نگاہ کیست

دربزم بادہ بادہ نخوردن گناہ من — چوں جام بادہ خوردن خونم گناہ کیست

دوسرا شاعر محمد رضا کنٹ ہے جو ملا عبدالحکیم ساطع (وفات ۱۱۴۳ھ) کا شاگرد تھا۔

ملا قائم کنٹ رحمت اللہ کنٹ۔ ملا نور اللہ کنٹ۔ اور شیخ محمد یوسف اس خاندان کے نامور اہل علم تھے۔ ملا نور اللہ کنٹ لورہ بابا کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عین جوانی میں دہلی گئے اور وہیں تحصیل علوم کے بعد میرزا مظہر جان جانان کے طریقہ مجددیہ کا خط ارشاد حاصل کیا۔ اور کشمیر آ کر ۱۱۹۹ھ میں وفات پا گئے۔ میر رحمت اللہ کنٹ (وفات ۱۳۰۷ھ) شیخ طیب رفیقی اور شیخ ا... فرید کے مریدوں اور صحبت یافتوں میں تھے۔

اس خاندان کا فیض و کرم مسلمانوں تک ہی محدود تھا بلکہ ہر فرقہ و مذہب کے لوگ ا... کے خلق و فیوضات سے مستفید ہوتے رہے۔ کشمیر کے نامی خاندان در کے بزرگوں کے ساتھ ا... خاندان کے جو تعلقات تھے۔ اس کی کچھ کیفیت در خاندان کے حالات میں درج ہو چکی ہے۔

خواجہ حسین کابلی کی اولاد سے مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں میر محی الدین کنٹ ناخواندگی و بے علمی کے باوجود علم تاریخ پر بڑا عبور تھا۔

اس خاندان میں خواجہ، ملا، بابا و شیخ وغیرہ کے اعزازی و تعظیمی لفظ رائج رہے ہیں لیکن میر کے لفظ کی جو اس خاندان کے اکثر ناموں کے ساتھ رہا ہے اور اب بھی ہے کسی مورخ نے تشریح نہیں کی۔

☆☆☆

ککی خیل

یہ وہی قوم ہے جس کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر کے پہلے ایڈیشن میں کاکا خیل کے نام سے کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں * معلوم ہوا کہ اس قوم کا اصل نام کاکا خیل نہیں۔ (جیسا کہ وہ خود بتاتے ہیں۔ اور جیسا کہ سر والٹر لارنس نے بھی ان کی زبانی ان کو کاکا خیل ہی لکھا ہے) بلکہ ککی خیل یا ککے خیل ہے۔ جو آفریدی افغانوں کا ایک قبیلہ ہے۔

سر والٹر لارنس نے لکھا ہے کہ یہ لوگ آفریدی ہیں اور ان کی آبادی درنگہامہ تحصیل ہندواڑہ میں کثرت سے ہے۔ کاکا خیل آفریدی نہیں ہیں۔ بلکہ ککی خیل یا ککے خیل آفریدی ہیں۔

حضرت کاکا صاحب سید تھے۔ ان کا شجرہ نسب جو قریباً ہر کاکا خیل کے گھر میں موجود ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ تک ملتا ہے۔ شاہجہان کے زمانہ میں اس مقام پر آ کر مصروف عبادت ہوئے۔ جہاں آج موضع زیارت کاکا صاحب انہی کے نام پر آباد ہے۔ یہ موضع ضلع پشاور کی تحصیل نوشہرہ میں واقع ہے۔ تمام آفریدی افغان اور ان کے قبائل اور علاقہ یاغستان کے لوگ اس خاندان کے ارادت مندوں میں ہیں۔ حضرت کاکا صاحب کی اولاد انہی کے نام پر کاکا خیل مشہور ہوئی۔ کشمیر میں اس قوم کا کوئی آدمی نہیں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ''زیارت'' مزار حضرت کاکا صاحب کی سالانہ آمدنی تمام افراد کاکا خیل پر جہاں جہاں وہ ہوں تقسیم ہو جاتی ہے۔ موضع زیارت کاکا صاحب اسی قوم کی ملکیت ہے۔ اور ذیلدار نمبردار وغیرہ سب اسی قوم کے ہیں۔ زمینداری کے علاوہ ان کا پیشہ پیری مریدی بھی ہے۔

ککی خیل جو شمالی کشمیر یعنی تحصیل ہندواڑہ میں رہتے ہیں ان میں ابھی تک زبان پشتو بولی جاتی ہے۔ اور رسم و رواج وہی ہیں جو افغان کی قوم میں مروج ہیں۔ ویلی آف کشمیر میں سر والٹر لارنس لکھتے ہیں کہ ان کی پوشاک اہل کشمیر کی پوشاک پر خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ڈھال

* ڈاکٹر مرزا شیر علی بیگ صاحب مغل براس ایم۔ پی ڈھوک فضل پورہ ضلع راولپنڈی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے سوانح حضرت کاکا صاحب رحمۃ اللہ علیہ (فارسی) مطبوعہ ۱۳۱۸ھ کے مطالعہ کے بعد مجھے اس غلطی کے دور کرنے میں مدد دی۔ (مؤلف)۔

تلوار سے مسلح رہتے ہیں۔ جب ان کو ہر قسم کے تفکرات سے آزادی ہوتی ہے۔تو یہ لوگ ریچھ کا شکار کرتے ہیں اور اپنے چھوٹے ٹٹوؤں پر چڑھ کر اس کو زخمی کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

راقم مؤلف نے ان کو بارہا دیکھا ہے۔ زبان کشمیری خوب بولتے ہیں۔لیکن کشمیری لباس یعنی پھرن سے اب تک بچے ہوئے ہیں۔ان میں تعلیم کم بلکہ بہت کم اور جہالت زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ککی خیلوں ہی کا کیاذکر ہے۔کشمیر کے سارے پٹھانوں میں جن کی تعداد سب فرقوں سمیت باون ہزار سے بھی زیادہ ہے شاید ہی کسی نے بی۔اے پاس کیا ہو۔

یہ سب پٹھان ایک آزد ملک کے رہنے والے تھے۔غلام ملک میں آکر کچھ عرصہ تک خوب حکومت کرتے رہے۔لیکن آخر ہر کمالے راز والے کے مطابق اب خود بھی اسی غلام ملک میں ایک غلام قوم کی حیثیت سے زندگی بسر کررہے ہیں۔کاروباران کا زمینداری اور زراعت ہے۔ان کے دل اس احساس سے جو قوموں کو ابھارنے اور بیدار کرنے اور ترقی کی دوڑ کے ساتھ دینے کا باعث ہوا کرتا ہے۔قطعی خالی ہیں۔

افغانوں کے قبیلوں میں ککے نام سے کئی افراد ہوئے ہیں۔اور پھر ان کے نام پر خیلوں کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔

مثلاً ایک ککے کرران متبنّیٰ عبداللہ اڑمڑ کا فرزند دوم تھا۔آفریدی،سلیمانی،آتمان خیل، خوگیانی۔خٹک وغیرہ کئی قبیلے اس ککے کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں۔ایک ککہ خیل قبیلہ کجین فرزند سوم قیس عبدالرشید کے بیٹے بیٹن کی اولاد سے بھی ہے۔افغانی قبیلوں کے شجر ہائے انساب اس قدر خیل ہیں کہ ان کو پڑھ کر عقل چکرا جاتی ہے۔

☆☆☆

کھانڈ یا کھانڈے

اس قبیلہ کے لوگ زیادہ تر جنوبی کشمیر میں پائے جاتے ہیں۔ان کا پیشہ زراعت شتکاری ہے۔ان میں نمبردار اور ذیلدار بھی ہیں۔ چنانچہ نیابت ویری ناگ میں اکرم کھانڈ رذیلدار ہے۔کھانڈ اور کھانڈے ایک ہی ذات بتائی جاتی ہے۔کھانڈ کا اصل تلفظ خان ہے۔ میر میں صحیح تلفظ کا بگاڑنا بالکل معمولی بات ہے۔ بلکہ ہر ملک میں لفظوں کے بگڑنے اور بننے اج قائم ہے۔

جن لوگوں کو کشمیر جانے کا اتفاق ہوا ہے ان کو معلوم ہو گا کہ سری نگر کے کشتی بان ں) جب امیرا کدل کے گھاٹوں پر کسی پنجابی مسلمان کو دیکھتے ہیں تو خواہ وہ کسی قوم اور کسی فرقہ ہو۔ ہانجی اس کو دور ہی سے دیکھ کر'' کھان صاحب شکارہ *۔'' کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ'' خان صاحب شکارہ حاضر ہے۔کہیں جایئے گا''۔ خان کو ابھی تک کھان ہی کہتے ہیں ۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں اگر خان نے کھان اور کھان نے کھانڈ یا نڈے وغیرہ کی شکل اختیار کر لی ہو۔

کھانڈ یا کھانڈے کے علاوہ خان کشمیر میں ایک علیحدہ قوم بھی ہے۔۱۹۳۳ء کی مردم کے مطابق اس کی تعداد ریاست کشمیر میں ۳۳۹۶۵ ہے۔۱۹۱۱ء میں خان فرقہ کی تعداد ت میں ۳۰۳۳۸ تھی۔کھانڈ قوم کے کچھ گھر پنجاب میں بھی ہیں ۔ ان کا ذکر باب پنجم گا۔

☆☆☆

---

* اس کو برندہ بھی کہتے ہیں۔ایک ہلکی سی اور چھوٹی سی کشتی ہوتی ہے جو سیر وتفریح اور ایک کدل سے دوسرے کدل ے جانے کے کام آتی ہے۔

سدوزئی

افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جو دیگر افغان قبائل کی طرح قیس عبدالرشید کی اولاد سے ہے عبدالرشید سے چودھویں پشت میں عمر گزرا ہے۔ جس کے دو فرزند تھے۔ صالح وسدو دوسرے فرزند سدو کے نام پر سدوزئی قبیلہ ہے۔ جس نے ہندوستان اور افغانستان میں نامور بادشاہ پیدا کیے ہیں۔

افغانوں کی بہت بڑی تعداد ابراہیم لودی اور شیر شاہ سوری کے زمانہ میں ہندوستان آئی ہے۔ کشمیر میں ان کی آمد احمد شاہ درانی اور اس کے جانشینوں کے عہد میں ہوئی ہے بعد میں جس طرح اور اقوام کشمیر سے پنجاب کے مقامات میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح سدوزئی قبیلہ کے بعض افراد بھی سکھوں کے زمانہ پنجاب آ گئے۔ لیکن ان میں منشی ولی محمد خاں سدوزئی راولپنڈی اور ان کے بزرگوں نے کشمیر سے اپنے تعلقات برابر قائم رکھے۔ چنانچہ بارہ مولا کے متصل ایک گاؤں میں آپ کی کافی اراضی موجود ہے۔ آپ اپنی زراعت کی وجہ سے ایام گرما میں بالعموم کشمیر میں ہی رہا کرتے تھے۔ آپ کے فرزندان میں بابا غیور محمد پنجاب میں کسی معزز عہدے پر ہیں اور نظام الرحمان خاں بی۔ اے ایل ایل بی کشمیر میں تحصیل داری کی ٹریننگ لے چکے ہیں۔

☆☆☆

فصل پنجم

مغل اقوام

جیسا کہ طبقہ سادات کے بیان میں ذکر کیا گیا ہے۔ کشمیر میں سب سے پہلے مسلمانوں میں سادات کی جماعت آئی۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی اوران کے صاحبزادہ حضرت میر محمد ہمدانی کے ہمراہ سادات کے علاوہ مشائخ بھی تھے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ ان مشائخ میں مغل مشائخ بھی شامل تھے۔ لیکن یہ خیال اس لیے صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ سادات کی جماعت مغلوں ہی کی ستائی ہوئی کشمیر میں آئی تھی۔ مغلوں کی جماعت کس طرح ان کے ساتھ ہجرت پر آمادہ ہوسکتی تھی۔ البتہ سلطان سکندر اور اس کے فرزند بڈ شاہ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں مغلوں کی آمد کا پتہ چلتا ہے۔ جب کہ بڈ شاہ کی قدردانیوں اور اس کی فیاضیوں اور مردم شناسیوں کی شہرت سن کر اطراف واکناف سے لوگ کشمیر میں کھچے چلے آتے تھے انہی لوگوں میں مغل بھی تھے۔

مغلوں کی یہ آمد ایک مہمان کی حیثیت سے تھی۔ اور کچھ شک نہیں کہ سلاطین کشمیر نے علیٰ قدر مراتب ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی۔ چنانچہ ان میں قاضی میر علی بخاری بڈ شاہی جس کو کشمیر کے قاضی خاندان بلکہ مغلوں کا کشمیر کا باوا آدم کہا جاتا ہے کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر صفحہ ۲۹۱ پر لکھا ہے۔ ”از پادشاہ دیں پناہ (یعنی بڈ شاہ منصب قضائے ملک کشمیر ممتاز و سر بلند گردید۔ بحصول جاگیرات ووصول بعنایات جہاں پناہ معزز گردیدہ۔“

اس کے بعد کشمیر میں مغلوں کی آمد ہمیشہ ایک حملہ آور کی حیثیت سے رہی ہے۔ سب سے پہلے میرزا حیدر ترک آیا۔ جو سلطان نازک شاہ شہمیری کے نام پر کشمیر میں خودمختار حکومت کرتا رہا ہے۔ وہ بابر کا خالہ زاد بھائی تھا۔ اس نے کشمیر میں نہایت حسن لیاقت وتدبر کے ساتھ بادشاہی کی۔ لیکن اس کی بہت سی خوبیوں کے باوجود کشمیری اس کو غیر ملکی سمجھتے تھے۔ خصوصاً اس کی برادری کے لوگ جس رعایا آزاری سے کام لیتے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ایک عظیم شورش کا کام کر رہی تھی۔ آخر میرزا حیدر قتل کر دیا گیا۔ کشمیر پر مغلوں نے ایک اور حملہ شاہ ابوالمعالی کی سرکردگی میں کیا ہے۔

شاہ ابوالمعالی کے متعلق دربار اکبری میں (صفحہ ۳۴۷ پر) لکھا ہے۔ ''ایک خوبصورت دیدہ رو نوجوان خواجگان کاشغر کا گھرانہ سے تھا۔ جب ہمایوں ایران سے واپسی پر قندھار میں آیا۔ تو یہ بھی حاضر ہوا۔ بادشاہ نے فرزندی کا خطاب دیا۔ بیرم خاں بلکہ اکبر تک اس کی بے اعتدالیوں سے نالاں تھے۔ مگر بادشاہ کا محبوب تھا۔ اس لیے کسی کی کوئی پیش نہ جاتی تھی۔ انتہا یہ ہے کہ بیرم خاں جیسے امیر الامراء کو ابوالمعالی کی تعریف میں قصیدے لکھنے پڑے لیکن ہمایوں کے مرنے کے بعد بیرم خاں ہی نے سب سے پہلے اس کا کانٹا نکالنا چاہا۔ آخر قید خانہ میں ڈال دیا۔ لیکن یہ منچلا وہاں سے بھاگ کر راجوری آ گیا۔ اور چونکہ کشمیر میں اس وقت خانہ جنگی شروع تھی۔ اس کے دل میں میرزا حیدر کی طرح بادشاہ کشمیر بننے کی امنگیں پیدا ہوئیں۔ امرائے کشمیر میں شمس رینہ اور چند اور امراء جو غازی چک بادشاہ کشمیر کے خلاف تھے۔ ابوالمعالی کو مدد دے رہے تھے۔ مصنف تاریخ اعظمی مغلوں اور کشمیریوں کی جنگ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ ''درہمیں کشاکش اتفاق چنیں افتاد کہ غازی خاں غلبہ بر لشکر مغل یافت قریب یک ہزار و ہفت صد کس مغل را معہ شمس رینہ دستگیر نمود۔ و در حرب گاہ سہ چہار ہزار کس طرفین نیز بہ قتل رسیدہ بودند۔''

مغلوں نے آخری حملے کشمیر پر اکبر کے زمانہ میں کیے ہیں پہلا حملہ جو ۹۹۴ھ میں ہوا ہے۔ اس میں اکبر نے راجہ بھگوانداس کی زیر سرکردگی پچاس ہزار سوار و پیادہ فوج کشمیر کی فتح کے لیے بھیجی تھی۔ اور یعقوب شاہ بادشاہ کشمیر نے ۱۵ ہزار سوار اور ۲۵ ہزار پیادہ اور سات ہزار بندوقچی مقابلہ کے لیے تیار کیے تھے۔

لکھا ہے کہ مغل و کشمیر کے لشکروں میں گرانی اس قدر پڑی کہ ''یک سیر برنج بہ دو روپیہ رسید۔'' یعقوب شاہ از جاں رفتہ بر صف قتال قائم ماندہ نوعے قافیہ لشکر مغل تنگ کرد کہ از جاں بہ تنگ آمدند۔ بجائے غلہ گوشت اسپ و شتر مے خورند۔ راجہ مذکور لاعلاج شدہ طرح صلح با یعقوب شاہ انداختہ روئے بہ گریز نہادہ و طبل بازگشت۔''

اس واقعہ کے بعد یعقوب شاہ نے ڈیڑھ سال تک بادشاہی کی۔ اس دوران میں اس نے ایسی ایسی مذہبی بے اعتدالیاں کیں۔ کہ امرائے و فضلائے اہل سنت اس سے بیزار ہو گئے۔ خصوصاً قاضی موسیٰ شہید (جو قاضی میر علی بڈ شاہی کی اولاد سے تھے) کے واقعہ شہادت سے تمام ملک برافروختہ ہو گیا۔ حضرت بابا داؤد خاکی۔ حضرت شیخ یعقوب صوفی اور کئی اکابر ورؤسا اکبر

کے پاس گئے اور اس کے ساتھ عہد و پیمان کر کے اس کو تسخیر کشمیر پر آمادہ کیا۔ چنانچہ میر قاسم بجری اسی ہزار فوج لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ اور معمولی لڑائیوں کے بعد آخر کشمیر میں مغلوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

درحقیقت کشمیر میں مغلوں کی زیادہ تعداد مغلوں ہی کے زمانہ سے ہے۔ کشمیر میں مندرجہ ذیل سات ذاتیں مغل اقوام میں شمار ہوتی ہیں۔

میر، بیگ یا میرزا، بانڈے، بچھ، گانی، جان، عشائی اور رفیقی (رفیق درحقیقت عشائی طبقہ ہی کی ایک شاخ ہے)۔ اب کشمیر کی مغل اقوام کی تمام شاخوں کا علیحدہ علیحدہ بیان کیا جاتا ہے۔

میر

کشمیر میں دو قومیں ایسی ہیں جو اپنے ناموں کے اول یا آخر لفظ میر کا استعمال کرتی ہیں۔ جہاں یہ لفظ پہلے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً میر حسن شاہ وہاں میر کا لفظ حسن شاہ کی سیادت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جہاں میر کا لفظ نام کے بعد مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے عزیز میر وہ میر دراصل میرزا یا امیر کا مخفف ہے۔ بلکہ تاریخ ریاست حیدر آباد دکن کے مصنف علامہ محمد نجم الغنی خاں مرحوم رامپوری نے فرمانروایان حیدآباد کے ناموں کے ساتھ لفظ میر جو لکھا جاتا ہے۔ جیسے میر محبوب علی خاں، میر عثمان علی خاں، اس پر اپنی تاریخ کے صفحات ۴۹ وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فرمانروایان حیدر آباد تاتاری نسل سے ہیں۔ اور مذہب ان کا اہل سنت جماعت حنفیہ ہے۔ ان کے ناموں کے ساتھ میر کے لفظ کا وہ مفہوم نہیں ہے۔ جو شیعان لکھنو کی اصطلاح میں ہے۔ بلکہ یہ میر ترکی لفظ ہے اور اس کے معنی افسر اور سردار کے ہیں۔ جیسے میر لشکر، میر آتش، میر سامان وغیرہ۔

چنانچہ میر علی بخاری جو حدود ترکستان و مغولستان ہی سے بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر آئے تھے۔ ان کے نام کے ساتھ میر کا لفظ کشمیر آنے سے پیشتر ہی رائج تھا۔ میر بجائے خود ایک ترکی لفظ ہو۔ یا اس کا تعلق لفظ امیر یا میرزا سے ہو۔ بہر حال اس کو رائج کرنے والے مغولستان کے

لوگ ہی تھے۔

کشمیر اور پنجاب میں لفظ میر نے مغل اور سادات میں جو فرق و امتیاز قائم کر رکھا تھا۔ اس کو اب دونوں جگہ مٹایا جا رہا ہے۔ چنانچہ میر بمعنی مغل جو اقوام تھیں اور جن کی پہچان کی تمیز یہ تھی کہ میر کا لفظ ان کے نام کے آخر میں آتا تھا۔ اب وہ بھی اپنے نام کے شروع ہی میں میر کا لفظ لکھ رہی ہیں اور ہر چند ایسے قبائل کو سیادت کا دعویٰ نہیں ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ چند نسلوں کے بعد اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ البتہ پنجاب اور کشمیر کے دیہات میں میر قوم کے جو لوگ آباد ہیں۔ وہ ابھی تک اپنے امتیاز کو رحمان میر، جمال میر کی صورت میں قائم رکھے ہوئے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ میر مغل قوم نے میر کا لفظ بعد میں استعمال کرنے کی بجائے اپنے نام سے پہلے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن میرزا خاندان کے بعض افراد نے بالخصوص پنجاب میں لفظ میرزا کو جو نام سے پہلے لکھا جاتا تھا۔ اب نام کے بعد لکھنا شروع کر دیا ہے۔ جیسے میرزا کمال الدین کی جگہ کمال الدین میرزا، عزیز میرزا احمد میرزا وغیرہ۔

تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) میں میر قوم کی اصلیت کو میرزا یا امیر ظاہر کر کے لکھا ہے۔ کہ یہ لوگ مغل ہیں۔ مغول خان ابن نجہ خان کے زیر نگیں جس قدر ملک تھا وہ مغولستان کہلایا۔

ڈاکٹر میرزا شیر علی بیگ (ایم پی منگورہ) راولپنڈی اپنے ایک طویل خط میں لکھتے ہیں۔ ''مغول کے لغوی معنی شریف۔ صاف دل اور شہزادے کے ہیں۔ مغول خود واحد لفظ ہے۔ جمع نہیں۔ مغل اس کا خلاصہ یا مخفف سمجھنا چاہیے۔''

مغل میرزا یا میر کس طرح مشہور ہو گئے۔ اس کی تفصیل ذیل کے الفاظ سے معلوم ہوگی۔ مغول خاں کی اولاد میں کئی پشتوں کے بعد دو فرزند بنام قبل خاں و قالوچی بہادر پیدا ہوئے۔ قبل خاں اور اس کی اولاد کو یکے بعد دیگرے سلطنت نصیب ہوتی گئی۔ اور قالوچی بہادر اور اس کی اولاد کئی نسلوں تک سپہ سالاری کے منصب پر رہی۔ قالوچی بہادر نے اپنے لیے امیر کا لقب پسند کیا اور اس کی اولاد بھی اسی لقب سے مشہور ہوتی رہی۔ تیمور گورگانی بھی اسی کی نسل سے تھا۔ اور ہر چند کہ شہنشاہ تھا۔ لیکن امیر تیمور ہی کے نام سے مشہور رہا۔ اور اسی لفظ کو طرۂ امتیاز بنا کر ایک عالم کو فتح کر گیا۔ شہزادے امیر زادہ کے لقب سے ملقب ہوتے تھے۔ اور خاندان شاہی کے دوسرے افراد میرزا کہلاتے تھے۔ بابر کا باپ عمر شیخ، عمر شیخ میرزا کہلاتا تھا۔ جب بابر ہندوستان

میں آیا اس وقت وہ امیر نہیں بلکہ بادشاہ کہلاتا تھا۔اس کی اولاد بادشاہ سے شہنشاہ کہلائی۔ شاہزادے صاحب عالم کہلانے لگے۔اور افراد و خاندان کے لیے میرزا کا لفظ ہی بدستور قائم رہا۔ بادشاہوں نے اپنے عظیم القدر امراء و وزراء کو بھی میرزا کے خطابات ہی سے سرفراز کیا۔ ان میں سادات، مشائخ، افاغنہ بلکہ ہندو راجپوت راجے بھی شامل تھے۔ جیسے میرزا راجہ مان سنگھ۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری ریاست جموں و کشمیر میں میر قوم کی آبادی صوبہ جموں میں [illegible]۱ کشمیر میں ۱۶۰۰۸ سرحدی اضلاع کشمیر میں ۲۸ اور کل ریاست میں ۱۷۵۵۰۱ تھی۔

کشمیر کے میر طبقہ میں خواجہ عزیز میر تحصیل پلوامہ موضع راجپور کا رہائشی مکان کسی راجہ کا محل معلوم ہوتا تھا۔ راقم مؤلف کو بھی وہاں خواجہ عزیز میر کی زندگی میں ایک دو دن رہنے کا اتفاق ہوا ہے۔ سات آٹھ سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے ان کے جانشین اب میر غلام حسن ذیلدار ہیں۔

تحصیل بڈگام کے میروں میں جعفر میر ذیلدار (اچھرہ گام) ایک مردم شناس اور علم دوست رئیس ہے۔

تریگام (تحصیل ہندواڑہ) کے متصل علاقہ لُن ہرے میں رحمان میر کے فرزندوں نے خوب ترقی کی ہے۔ ان میں خلیل میر ذیلدار ہے۔ احمد میر ٹھیکہ دار ہے۔ غنی میر۔ حاجی عزیز میر، جبار میر بھی وسیع زمینداری رکھتے ہیں۔ جبار میر کا ایک بیٹا ضرور میر ہے غنی میر کا ایک بیٹا گلزار میر اور احمد میر ٹھیکہ دار کا ایک فرزند حبیب اللہ میر ہے۔

علاقہ لنگیٹ کا ذیلدار عبداللہ میر اور یارو کا ذیلدار علی میر قبیلہ ہی کے سربرآوردہ اصحاب میں ہیں۔ مسلمہ ضلع اسلام آباد کا عہد میر جنوبی کشمیر کا ایک مشہور زمیندار اور ذیلدار ہے۔

تحصیل ہندواڑہ کی آخری کرناہی حدود دنیز گام کا نمبردار اسد میر بھی میر قبیلہ ہی سے تھا۔ جس کے اس وقت دو فرزند موجود ہیں۔ احمد میر نمبردار۔ دوسرے کا نام مغل میر ہے۔

اسی علاقہ میں ایک زمانہ میں رستم میر ایک نامی رئیس گزرا ہے۔ وہ کرالہ پورہ نزل تریگام کا رہنے والا تھا۔ اس کا بیٹا زمان میر نمبردار تھا۔ اب زمان میر کا بیٹا عبد علی میر نمبردار ہے۔

صوبہ جموں کے مقامات رام بن بانہال، بنوت، ریاسی، ادھم پور، میر پور وغیرہ

کوہستانی علاقوں میں یوں تو ماگرے، بٹ، نائک، ڈار، لون، راتھر وغیرہ کئی اقوام آباد ہیں۔ لیکن میر قوم کی تعداد ان میں سب سے زیادہ ہے۔

بٹوت، بانہال، اودھم پور، ریاسی وغیرہ یہ تمام علاقہ جات پہاڑی ہیں۔ کشمیری مسلمان یہاں آٹھ آٹھ پشتوں سے آباد ہیں۔ زمینیں انہوں نے خود اپنی محنت سے کاشتکاری کے قابل بنائی ہیں۔ ان میں سعد اللہ میر بہت بڑا زمیندار اور اپنے علاقہ کا ذیلدار ہے۔ بٹوت میں منگتو میر کی اراضیات بٹوت کے علاوہ جاگیر چینی میں بھی ہیں۔ علاوہ ازیں ۱۹۳۰ء کے سفر بٹوت میں راقم مؤلف کو دوران سیر و سیاحت کئی متصلہ کوہستانی دیہات میں کئی کشمیری زمیندار ڈوگرہ لباس اور ڈوگرہ تمدن میں نظر آئے۔ ان کی زبان بھی ڈوگری تھی۔ ریاست جموں کے پانچ اضلاع ہیں جموں، میر پور، کٹھوعہ، ریاسی اودہم پور۔ ان میں آخر الذکر تین اضلاع میں کشمیری کھوجوں کے سوا باقی تمام کشمیریوں کو زراعت پیشہ افراد قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ضلع میر پور میں بھی کافی تعداد کشمیریوں کی ہے اور ان میں بیشتر حصہ زمینداروں کا ہے۔ تعجب ہے کہ ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پنجاب کی کاشمیری میر اقوام کے حالات باب پنجم میں درج ہوں گے۔

بانڈے

اس لفظ کی وجہ تسمیہ متعدد زبانوں پر مختلف ہے۔ رپورٹ مردم شماری ریاست جموں و کشمیر بابت ۱۹۱۱ء کے حصہ اول صفحہ ۲۰۵ کے فٹ نوٹ میں بھی اس کا ذکر ہے جہاں لکھا ہے کہ "یہ قوم مغلوں کا ایک فرقہ ہے۔ جس کو سرکش اور منہ زور ہونے کی وجہ سے قید کر دیا گیا تھا۔" کہاں قید کر دیا تھا۔ کس نے قید کیا تھا اس کے متعلق مصنف رپورٹ مذکورہ بالکل خاموش ہے۔

تاریخ حسن میں جو آج سے نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے اور ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ بانڈے طبقہ کے متعلق حسب ذیل سطور درج ہیں۔ "در عہد شاہان چغت از ترکستان آمدہ صاحب ثروت و حکومت بودہ اند و در کشمیر متوطن شدہ موضع بانڈ پور، جاگیر یافتند موجب آں آنہارا بانڈے میگویندر"۔ لیکن بانڈہ پورہ سے اگر مراد بنڈ پورہ ہے تو وہاں بانڈے قوم کی تعداد بھی بہت قلیل ہے۔

مصنف تاریخ اعظمی نے اس قوم کے مشہور شخص ملا عبدالرزاق بانڈے کا ذکر (صفحہ ۱۴۴) پر اور صاحب روضۃ الابرار نے خواجہ حسن بانڈے کا اور مصنف تاریخ کبیر کشمیر نے بانڈے طبقہ کے بعض مشہور افراد کا ذکر کیا ہے۔ لیکن بانڈے کے لفظ کی اصلیت پر کسی نے کچھ بحث نہیں کی۔ تاریخ اعظمی اور روضۃ الابرار میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ بڈشاہ کا بزمانہ شہزادگی امیر تیمور کے ہمراہ سمرقند جانے کا ذکر درج ہے۔ تاریخ اعظمی کا مصنف لکھتا ہے کہ امیر نے شاہی خاں عرف بڈشاہ کو خواجہ بدیع اللہ رئیس لاہور کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ خواجہ اور شہزادہ امیر تیمور کی زندگی تک سمرقند ہی میں رہے۔ اور اس کے مرنے کے بعد واپس آئے۔ اس زمانہ میں سلطان سکندر بت شکن کشمیر کا بادشاہ تھا۔ اس نے بیٹے کی واپسی پر اعزاز و اکرام کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور خواجہ بدیع اللہ یا بدیع الدین کو اپنے مقربوں میں جگہ دی۔

روضۃ الابرار میں اتنا اختلاف ہے کہ خواجہ اور شہزادہ کی واپسی امیر تیمور کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد تصور کرتا ہے۔ شباب کشمیر میں بھی جو بڈشاہ کی مفصل سوانح عمری ہے۔ یہ واقعہ درج ہے۔ وہ تاریخ اعظمی کی عبارت سے اتفاق کرتا رہا۔

بہرحال یہ ثابت ہے کہ خواجہ بدیع اللہ * یا بدیع الدین شہزادہ کے ساتھ ہی کشمیر آ گئے تھے۔ اور اس بات کو مصنف تاریخ اعظمی و روضۃ الابرار تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خواجہ بدیع اللہ کی اصل ترکستان سے ہے۔ اور وہ اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر سیدھے لاہور آ ٹھہرے تھے۔ یہاں سے کشمیر چلے گئے۔

کشمیر کے لوگ لفظوں کے بگاڑنے ان کا بے معنی خلاصہ کر لینے اور عجیب وغریب نام نکالنے اور رکھنے میں شہرہ آفاق ہیں۔ جب خواجہ بدیع اللہ کشمیر آئے۔ تو کشمیری ان کو خواجہ باندی یا باندے کہتے ہوں گے۔ اور باندی یا باندے سے یہ نام رفتہ رفتہ بانڈے مشہور ہو گیا۔ کشمیر میں شاہ بدیع الدین ایک بزرگ گزرے ہیں وہ شاہ بادی کے نام سے مشہور تھے۔

علاقہ بلند یمر میں بانڈے کوچہ اس خاندان کے پرانے عالیشان مکانات کے کھنڈروں کا پتہ دے رہا ہے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ (۱) خواجہ حاجی محمد بانڈے (۲) خواجہ محمد مومن

* خواجہ اکرم شاہ بانڈے فارسٹ رینجر کے والد بزرگوار خواجہ محمد مکرم شاہ بانڈے جن کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی ہے۔ اصل نام بدیع الزمان بتاتے ہیں۔

بانڈے۔ حاجی محمد نے خانیار میں طرح اقامت اختیار کی خدا نے ان کو تین فرزند دیئے۔ محمد کاظم۔ محمد قاسم۔ عبدالفتاح اس شاخ میں سے محمد کاظم، محمد جعفر، محمد اسلم، محمد اعظم، بدرالدین محمد معظم، محمد فاروق نامور گزرے ہیں۔ خواجہ محمد مکرم شاہ جن کی عمر اس وقت ۹۰ سال کی ہے اور جو خواجہ اکرم شاہ بانڈے فارسٹ رینجر کے والد ہیں۔ اسی شاخ سے ہیں۔

شاہجہاں کے زمانہ میں علامہ عبدالرزاق بانڈے کشمیر میں ایک نامور فاضل گزرا ہے۔ تاریخ خواجہ اعظمی میں اس کے متعلق لکھا ہے۔ (ترجمہ) علم معقولات میں یگانہ روزگار تھا۔ شاہجہان نے مدرسہ عالیہ کابل کا صدر المدرسین بنا دیا۔ علامہ عبدالرزاق دن کو تو درس تدریس کا شغل رکھتے اور رات کو دربار لگاتے اور احکامات شرعیہ جاری کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلل دماغ کی وجہ سے مستعفی ہو کر کشمیر آ گئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد واصل بحق ہو گئے۔

چکوں کے آخری دور میں ملا حاجی بانڈے ایک متبحر عالم کا نام تاریخوں میں دیکھا جاتا ہے۔ فتحیات کے حوالہ سے صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔ جب بابا داؤد خاکی، شیخ یعقوب صرفی، ملا کمال اور علماء مشائخ و روٗسا کے ۴۵ معززین یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر کے مظالم سے تنگ آ کر اکبر کے پاس جا رہے تھے تو راستہ میں خواجہ حاجی بانڈے نے جو صاحب علم ہونے کے علاوہ صاحب دولت بھی تھے۔ شانگس پرگنہ کوٹھار میں ان سب کی دعوت کی۔ اور ہر ایک کو سواری کے لیے گھوڑا بہم پہنچانا۔ اور لاہور روانہ کیا۔ یعقوب شاہ نے خبر پاتے ہی مشائخ و روٗسا کی اس جماعت کی گرفتاری کے لیے آدمی دوڑائے۔ وہ بھی خواجہ کے پاس آئے۔ خوبعہ نے سرکاری آدمیوں کو دعوت کے بہانے ایک دن قیام کرنے کا مشورہ دیا۔ اور سب کی پر تکلف دعوت کی۔ یہاں تک کہ مشائخ و روٗسا کی یہ جماعت بانہال کے راستے بابا عمر ابن بابا فتح اللہ شاہ حقانی مشائخ کاشمیری کی پاس بمقام سیالکوٹ پہنچ گئی۔

خواجہ حاجی محمد بانڈے کے دوسرے بھائی خواجہ محمد مومن بانڈے کی اولاد و خواجہ محمد * بلاقی کو موئے مبارک واقعہ حضرت بل کی نشان دہی کے رُو سے خاص شہرت و عزت حاصل رہی۔ خواجہ حسن خاں بانڈے جس کو ابوالحسن بانڈے بھی کہتے ہیں۔ خواجہ بلاقی ہی کا پوتا تھا۔ جو احمد شاہ

* خواجہ محمد بلاقی خواجہ عبدالحکیم بانڈے بلدیمری کی اولاد سے تھے۔ خواجہ عبدالحکیم نورالدین اشہری کے داماد تھے اس سلسلہ میں روٗسا و فضلائے شہر نے موئے مبارک کی خدمت پر ان کو مقرر کیا۔ خواجہ عبدالحکیم بانڈے علوم عقلیہ ونقلیہ میں صاحب کمال تھے ۱۲۔

ابدالی کے زمانہ میں کشمیر کے ممتاز ترین شخصوں میں تھا۔ ۱۷۵۳ء میں اس کا اقتدار یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ اس نے سردار عبداللہ خاں کابلی صوبہ کشمیر کو قتل کرا کر سکھ جیون مل کو کشمیر کے نظامت دلا دی تھی۔ ۱۷۵۴ء کے قحط میں خواجہ حسن خاں نے (خان کا خطاب احمد شاہ ابدلی کی طرف سے ملا تھا) جودوسخا کے دروازے کھول دیئے تھے۔ دواڑھائی برس کے بعد راجہ سکھ جیون مل اور خواجہ حسن خاں میں جو صاحب کار اور مدارالمہام کشمیر تھا۔ کسی بات پر کشیدگی پیدا ہوگئی۔ راجہ نے خواجہ کے مکانات جلا دیئے۔ وہ بیچارا جان بچا کر پونچھ کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہیں نذر اجل ہوگیا۔ درگاہ شریف حضرت بل کی تولیت خواجہ محمد بلاقی ہی کی اولاد کے پاس ہے۔ جن میں خواجہ ظہیرالدین خواجہ عبدالرحیم * خواجہ نظام الدین ** خواجہ حسن شاہ بانڈے *** خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان میں سے خواجہ حسن شاہ بانڈے سے راقم مؤلف کو بھی نیاز حاصل تھا۔ بڑے مردم شناس اور علم دوست تھے۔ آج کل ان کے فرزند خواجہ عبدالرحیم بانڈے درگاہ حضرت بل کے متولی ہیں۔

چک بادشاہان کشمیر کے زمانہ میں خواجہ قاسم بانڈے سری نگر کا ایک نامور رئیس گزرا ہے۔ مصنف تاریخ کبیر کشمیر لکھتا ہے۔ ''درحضور والئی شہر اور امد ملازمت وشرف خطاب میرزائی حاصل گردیدہ۔'' ایک دن میرزا خواجہ قاسم سلطان العارفین حضرت مخدوم حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ حضرت نے فرمایا۔ ''اے میرزا امروز بہ چہ داعیہ ومطلب آمدہ۔ میرزا عرض نمود۔ میخواہم کہ ازیں پس گوشہ گیرم راز حکومت وکامرانی وست خود دا باز پس گیرم کہ دود لی بجز بے حاصلی چیزے نیست۔ پس ہماں وقت دست انابت آورد۔ ترک دنیاو مافیہا کردہ بگوشہ گیری خورسند گردید۔''

قریشیوں کے باب میں بھی مفتی شریف الدین مفتی اعظم کشمیر کے خاندان کا ذکر ہے اس میں آپ کے صاحبزادے مفتی قوام الدین میونسپل کمشنر سری نگر نے لکھا ہے کہ مفتی محمد صدرالدین خاں صدر الصدور دہلی تخلص آزردہ ان کے خاندان سے تھے۔ لیکن صاحب روضۃ الابرار (مولانا محمد الدین فوقی مرحوم لاہوری) لکھتے ہیں۔ میر سید عبدالاحد قادری (لاہور) فرمایا کرتے تھے۔ کہ مولانا نے بارہا مجھ سے (دہلی میں) کہا ہے کہ ''من ہم از اولاد خواجہ حسن بانڈے کاشمیری ہستم۔'' روضۃ الابرار آج سے نصف صدی پیشتر کی تصنیف ہے۔ معلوم نہیں دونوں

---

* سن وفات ۱۲۸۸ھ ** سن وفات ۱۳۰۹ھ *** سن وفات ۱۳۲۶ھ

باتوں میں کون سی صحیح ہے۔

بانڈے خاندان سے کئی لوگ کشمیر سے پنجاب اور دیگر حصص ملک میں گئے ہیں خواجہ کمال الدین مشہور مسلم مشنری انگلستان اور نوابان ڈھاکہ بنگال کا خاندان بھی بانڈے ہی ہے۔ ان کے حالات پنجاب اور بنگال کے سلسلہ میں لکھے جائیں گے۔

بیگ، میرزا

ترکستان میں قدیم الایام سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ میدان کارزار میں جو شخص جان بازی وسرخروئی حاصل کرے۔ اور فوج کا سرلشکر اور ہراول رہے۔ اس کو بیگ کے خطاب سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ بیگ کے لغوی معنی سردار اور چیف کے ہیں۔ بیوگ، بگ، بک، بے اسی لفظ سے نکلے ہیں۔ ترکی میں صدیوں تک بے اور بک کا خطاب فوجی افسروں کو ملتا رہا ہے۔ غازی انور پاشا پہلے انور بے کے خطاب ہی سے ممتاز تھے۔ بعد میں انور پاشا ہو گئے۔ پشاور کے رئیس میاں غلام صمدانی (کاشمیری) مرحوم کا لڑکا جو جنگ عظیم میں ہندوستان سے ترکی چلا گیا تھا اس کو بھی بے کا خطاب ملا تھا۔ اس کا نام غازی عبدالرحمٰن بے تھا۔

بیگم کا لفظ بیگ ہی کا مؤنث ہے۔ بیگم ہی سے بیگی، بی بی، بی کے الفاظ نکلے ہیں۔

نامور فوجی افسروں کے علاوہ خلفائے مغول کے ممتاز افراد کو بھی ان کی خدمات کے لحاظ سے یہ خطاب ملا کرتا تھا۔ ترکستان میں اب بھی بیگ چیف اور سردار کے معنوں ہی میں بولا جاتا ہے۔

چونکہ میرزا کا لفظ افراد خاندان شاہی کے لیے وضع کیا گیا تھا۔ اور بیگ کا خطاب بھی خاص خاص سرفروشان سلطنت کے علاوہ خاندان مغول کے ممتاز ممبروں کو ملا کرتا تھا۔ اس لیے بیگ اور میرزا کا استعمال ہی مغل خطاب کے لیے لازم سمجھا گیا مثلاً میرزا رستم بیگ میرزا یعقوب بیگ وغیرہ۔

بیگ میرزا اور میرزا بیگ کہلاتے ہیں۔ مگر کشمیر میں بعض لوگوں کے ناموں کے پہلے خواجہ کا لفظ بھی دیکھا گیا ہے۔ مثلاً خواجہ مصطفیٰ بیگ متولی زیارت سورہ۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی

ہے کہ جس طرح بیگ ترکی لفظ ہے اور اس کا مونث بیگم ہے اسی طرح خواجہ بھی ترکی لفظ ہے اور اس کے مؤنث کو خوجم کہتے ہیں۔ اور چونکہ بیگ خاندان بھی یارقند کاشغر وغیرہ (ترکستان ومنگولیا) کی طرف سے آیا ہے اور بیگ اور خواجہ بھی انہی اطراف کے لفظ ہیں۔ اس لیے یہ لوگ میرزا اور خواجہ دونوں لفظوں کا استعمال کر لیتے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے ۱۹۱۱ء کی مردم شماری جموں کشمیر میں اپنی ذات بیگ لکھائی ہے۔ جموں میں ۲۸۰ کشمیر میں ۶۵۹۳ سرحدی اضلاع میں ۳۰ اور کل ۶۸۳۱ ہیں۔ اور میرزا لکھوانے والوں کی تعداد جموں میں ۵۱ کشمیر میں ۱۲۱۷ سرحدی اضلاع میں ۲۸ اور کل ۱۳۳۶ ہے۔

میرزا اور بیگ جو سری نگر میں رہتے ہیں ان میں زمینداری کا کم رواج ہے لیکن جو لوگ کشمیر کے دیہات میں رہتے ہیں۔ وہ زراعت ہی کو ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ یہاں سری نگر کے ایک نامور میرزا خاندان اور اسلام آباد کے ایک مشہور بیگ خاندان کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔

خاندان میرزایان * سری نگر:

۱۰۵۹ھ میں امرائے ترکستان سے ایک بزرگ قاسم بیگ نام بعض ملکی و خاندانی وجوہات کے باعث دہلی آئے۔ جہاں انہوں نے اپنی ذاتی لیاقت و شرافت اور خاندانی عظمت کی بدولت بہت رسوخ حاصل کرلیا۔ یہ شاہجہان کا زمانہ تھا۔

۱۰۷۵ھ میں جب اورنگ زیب پہلی اور آخری مرتبہ کشمیر آیا۔ اس وقت قاسم بیگ کے فرزند میرزا عنایت اللہ بیگ کو اس قدر قرب حضور حاصل تھا کہ شہنشاہ اسے اپنے ساتھ کشمیر لے آیا۔ چند دنوں کی سیر کے بعد اورنگ زیب تو واپس چلا گیا لیکن میرزا عنایت اللہ بیگ کو کشمیر کی آب و ہوا کچھ ایسی پسند آئی کہ وہ اسی خطہ دلپذیر کو اپنا وطن قرار دے کر کچھ عرصہ کے بعد اسی سر زمین میں پیوند خاک ہو گئے۔

اسی خاندان میں میرزا حیات بیگ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جو شیخ محمد علی دہلوی کے مرید تھے۔ ۲ ذی الحجہ ۱۱۲۰ھ کو انتقال کر گئے۔ باغ حسن آباد میں کہ ان کا اپنا خرید کردہ تھا دفن ہوئے۔

میرزا غلام بیگ نام ایک اور بزرگ کا تذکرہ تاریخ کبیر کشمیر میں نظر سے گزرا ہے۔ وہ

* سری نگر میں ایک خاندان مرزا ظفر حسن مرحوم اور ان کے بھائی میرزا غلام مصطفیٰ کا بھی بہت مشہور ہے۔

صاحب منصب و دولت تھے۔ لیکن اپنی بیوی کو طلاق دے کر تارک الدنیا ہوگئے انہوں
ساری عمر محلہ پیر آستان میں شاہ منور حقانی کے گھر گزار دی۔ دونوں میں اس قدر محبت تھی کہ را
اور دن کے ۲۴ گھنٹوں میں دو گھڑی بھی جدا نہ ہوتے تھے۔ دونوں دوست شام و عشا اور فج
اشراق کی نماز خانقاہ معلیٰ میں آ کر پڑھا کرتے تھے۔ ۱۲۷۵ھ میں انتقال کر گئے۔ اور مقبرہ
حقانی میں دفن ہوئے۔

خاندان میرزا ئیاں میں شاعری ان کی ادبی و علمی دلچسپیوں کا جزو اعظم رہی ہے۔ می
لطف اللہ بیگ صہبا، میرزا قلندر بیگ، میرزا داراب جویا، میرزا کامران بیگ گویا، میرزا عبدا
بیگ، میرزا گرامی اور میرزا مہدی مجرم اس خاندان میں نامور شاعر گزرے ہیں۔ ان میں بعض
شیعہ تھے۔ بعض سنی تھے۔ میرزا گرامی کا ایک شعر ہے۔

ہزار داغ فلک خود ز اختراں دارد   ترا توقع مرہم ز چرخ زنگاری است

میرزا مہدی مجرم کی بذلہ گوئیاں تو کشمیر میں بہت مشہور ہیں ایک شعر ذیل میں درج ہے

زہرہ طشت آوردہ از مہ آفتابہ ز آفتاب   چوں کنیزاں کردہ خم سراز بہ زپے پاشوئے تو

اس وقت خاں صاحب حاجی میرزا غلام مصطفیٰ سابق اسسٹنٹ گورنر کشمیر و رئیس کش
سری نگر کے خاندان بیگ (میرزا ئیاں) کی سب سے بڑی شاخ کے سب سے بڑے رکن ہیں
قدیم وضعداری کے پابند، علم دوست، دوست پرور، اخباری مذاق سے آشنا اور کئی اخباروں
قدیم معاون، سوشل ریفارمر، سب سے پہلے آپ ہی نے شادی غمی کی رسومات میں ایک پمفلٹ
کے ذریعہ اصلاحی کوششیں کیں۔ انجمن نصرت اسلام سری نگر کے رکن اور اسلامیہ ہائی سکول
مددگار، میرزا غلام جیلانی بی۔ اے جو بارہ مولا میں کوآپریٹو سوسائٹیز کے اسسٹنٹ رجسٹرار ہیں
آپ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ کشمیر کے مشہور دردرسیدہ شاعر میرزا اسعد الدین سعد مرحوم (و
وزارت) بھی اسی نامور خاندان سے تھے۔ میرزا صدر الدین اور میرزا جلال الدین مرحوم تحص
دار نے بھی اپنے خاندان کے وقار کو برابر قائم رکھا۔ میرزا کمال الدین بی۔ اے جو سری نگر میون
کے سیکرٹری ہیں میرزا جلال الدین مرحوم کی یادگار ہیں۔ اور اپنے والد مرحوم میرزا جلال الد
اور اپنے تایا مرحوم میرزا اسعد الدین کی طرح ذوق سخن سرائی سے مالا مال ہیں۔

میرزا انجم الدین مرحوم بھی اسی خاندان سے تھے جنہوں نے اپنی نائب تحصیلداری اس

آباد کے زمانہ میں جب کہ وہ انجمن حنفیہ کے سیکرٹری تھے۔ حنفیہ ہائی سکول کو بہت ترقی دی ہے۔
ان کے بھائی میرزا بہاؤالدین حال ہی میں پولیس کی سب انسپکٹری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

خاندان بیگ اسلام آباد:

اس خاندان کا نام جس کے مورث اعلیٰ مرزا گلزار بیگ ہے عرف ''گل بیگ شگائی'' مشہور ہے۔ اور اس عرف کی دو مندرجہ ذیل روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) سکھوں کے عہد میں جب سیاست کشمیر میں انقلابی بھونچال آیا۔ تو کئی خاندان تہ و بالا ہو گئے۔ میرزا گل بیگ کو بھی گزر اوقات کے لیے شال کی تجارت میں پناہ لینی پڑی۔ ان لوگوں کے رشتے اور تعلقات افغان لوگوں کے ساتھ تھے۔ انہوں نے شال کو شغال بنا کر میرزا گل بیگ کا عرف گل شغانی یا گل شگالی مشہور کر دیا۔

سری نگر کے قلعہ ناگر نگر میں ابھی تک باداموں کے درخت موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے گل شگالی یا اس کے خاندان کے افراد ہی نے بادام کی یہاں کاشت کی تھی۔ اکثر لوگ چیت بساکھ میں بادام کا شگوفہ دیکھنے کے لیے شغال باغ قلعہ کے اندر آ جایا کرتے ہیں

(۲) میرزا گل بیگ کے نام شال کا کچھ ٹھیکہ بھی تھا۔ امیر خاں برنج فروش یہ ٹھیکہ چھیننے کے لیے اپنے حامیوں اور حکومت کے کارندوں سے جوڑ توڑ کرتا رہتا تھا امیر خاں نے جب چاروں طرف سے مایوسی کے آثار دیکھے۔ تو چھ پٹھانوں کو اجرت دے کر گل بیگ کو قتل کے لیے اس کے مکان پر بھیج دیا۔ ایک پٹھان نے گل بیگ کو باہر سے آواز دی۔ اس نے دروازہ کھولا اور اپنے دشمنوں کو دیکھ کر پھر بند کرنا چاہتا تھا کہ ایک پٹھان نے کمند اس کی گردن میں ڈال دی۔ میرزا گل بیگ نے دروازہ کے کواڑوں کے ساتھ سہارا لیا۔ شور وغوغا سن کر میرزا وزیر بیگ اس کا بھتیجا دوڑا آیا۔ جلدی میں اور تو کچھ ہاتھ نہ لگا۔ ایک موسل (شالی کوٹنے کا ڈنڈا) اٹھالیا۔ اور دو دستی استعمال کر کے سب کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ برادری اور عوام کے استفسار پر گل بیگ نے بے اعتنائی کے ساتھ جواب دیا کہ ''شہ گال'' شہ بمعنی چھ اور گان بمعنی مارے یعنی آج میں نے ۶ آدمی قتل کر دئے۔ اس روز سے اس کا نام شگالی مشہور ہو گیا۔

میرزا وزیر بیگ کی شہ زوری اور بہادر کے افسانے کشمیر میں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں اس کی عام خوراک کے علاوہ ۱۱ سیر دودھ اور ۶ سیر گوشت اس کا روزانہ معمول تھا۔ ان کے وقت کے

پرانے آدمی ابھی موجود ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ میرزا وزیر بیگ اس قدر شہ زور تھے کہ انگوٹھے اور ا
کی رگڑ سے روپیہ کا سکہ مٹا دیتے تھے۔ گھوڑے کے پیٹ کے نیچے بازو ڈال کر اس کو زمین
اوپر اٹھا لیتے تھے۔ اس نے چیلاس اور انقلاب کی لڑائیوں میں جنگی خدمات انجام دی ہیں۔ مر
وزیر بیگ اپنی طبعی موت مرے ہیں۔ مگر چیلاس اور انقلاب کی تین گولیاں اپنے ساتھ قبر میں
گئے ہیں۔ اپنی خدمات کے صلہ میں سرکار سے پنشن پاتے تھے۔ پنشن کے بعد انہوں نے کر
مٹن کو آباد کیا۔ اور وہاں وسیع زراعت شروع کر دی۔

ان کے فرزند میرزا رسول خاں کو راقم مؤلف نے بھی دیکھا ہے۔ وہ سرکاری ملازم
کے کئی منازل طے کرنے کے بعد اپنی وسیع زمینداری کی بدولت اسلام آباد کے ذیلدار ہو
تھے۔ ان کے بڑے فرزند کا نام میرزا یعقوب بیگ تھا۔ کشمیر کی زراعت پیشہ آبادی میں غالباً
سب سے پہلے تھے۔ جنہوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ چھوٹی سی عمر میں نائب تحصیل
ہو گئے تھے۔ اگر وہ زندہ رہتے تو بہت جلد ترقی کے مدراج حاصل کرتے۔ لیکن ایک سال ہی
اندر بمرض ہیضہ انتقال کر گئے۔

میرزا غلام محمد انہی کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اور اسلام آباد میں ذیلدار ہیں۔ آپ کا
صاحبزادہ محمد افضل بیگ علی گڑھ میں ایم اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کی تعلیم پا رہا ہے توقع ہے کہ و
صرف اپنا بلکہ اپنے خاندان کا اور اپنے ملک کا نام روشن کرے گا۔ اسی خاندان کے
اور نوجوان میرزا غلام قادر بیگ محکمہ کوآپریٹو میں انسپکٹری کے عہدہ پر ہیں۔ اور رشتہ میں غلا
بیگ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔

گانی

مسٹر لارنس سابق مہتمم بندوبست کشمیر و مصنف کتاب ویلی آف کشمیر نے کشمیری مغا
کے صرف پانچ مندرجہ ذیل ذاتیں لکھی ہیں۔ (۱) میر بیگ یا (۲) میرزا (۳) بانڈے (۴)
اور (۵) عشائی۔ مگر کشمیر کی چند تاریخوں میں جو غیر مطبوعہ ہونے کے باوجود کشمیر میں ابھی نا
نہیں ہیں۔ گانی طبقہ کو بھی مغلوں ہی کی ایک شاخ قرار دیا گیا ہے۔

مجموعہ التواریخ میں درج ہے کہ گورگانی مشہور بہ گانی اند۔تاریخ حسن میں جونہایت ضخیم ہےاور چار جلدوں میں ہے۔گانی طبقہ کے متعلق سطور ذیل درج ہیں۔''جدآں ازمحال گورگان آمدہ دریں جا متوطن شدہ بود۔موجب آں گورگاں را مردم خطہ،کشمیر ترخیم کردہ گانی نام نہادہ اند۔گانی وگور گانی دونوں ناموں سے اس فرقہ کا وجود کشمیر اور کشمیری مسلمانان پنجاب میں پایا جاتا ہے۔

کشمیر کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طبقہ میں اکثر لوگ صاحب ریاست اور صاحب علم وعمل ہوگزرے ہیں۔ہم چند ایک کا یہاں بالا ختصار ذکر کرتے ہیں۔

خواجہ حبیب اللہ عطا،خواجہ ابراہیم گانی کے فرزند وحید العصر تھے۔کشمیر کے مورخوں نے ان کو منبع الاسرار لکھا ہے۔خواجہ یعقوب دارولی سے ان کو بیعت تھی۔خواجہ یعقوب کے انتقال کے بعد جب شاہ قاسم حقانی حرمین سے واپس آئے۔تو خواجہ گانی کو انہوں نے تعلیم وتربیت اور اپنے فیض صحبت سے ''صاحب ارشاد'' بنادیا۔خواجہ گانی لاہور میں بھی آئے ہیں۔حضرت میاں میرؒ سے ان کی اکثر ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بلکہ ان سے سلسلہ قادریہ کی سند بھی حاصل کی۔۱۰۸۰ھ اور بقول تاریخ خواجہ اعظمی ۱۰۸۴ھ میں بعہد عالمگیر سری نگر میں وفات پاگئے۔

خواجہ حبیب اللہ گانی کے فرزند ملا امین گانی اور پوتے ملا مقیم گانی علمائے کشمیر میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ملا امین کئی کتابوں کے مصنف تھے۔اکثر علمائے محققین ملا عنایت اللہ شال وملا محمد محسن کشو وغیرہ ان کے شاگرد تھے۔شب لیلۃ القدر ۱۰۰۹ھ کو انتقال کر گئے۔تاریخ خواجہ اعظمی میں (صفحہ۱۹۱پر) ملا محمد امین گانی بلدیمری کے متعلق حسب ذیل الفاظ درج ہیں۔''در اکثر علوم تالیفات مفیدہ دارد و بر کتب متداولہ حواشی نوشتہ دور علم فرائض بہ نظم ونثر رسائل موجز تصنیف نمودہ است،اکثر علمائے محققین مثل ملا عنایت اللہ شال وملا محمد محسن شاگرداو بودند۔''

اسی طبقہ میں حکیم عنایت اللہ گانی (خلف حافظ محمد شریف طبیب) نامی حکیم اور منجم گزرے ہیں۔خواجہ محمد اعظم مصنف تاریخ اعظمی کے زمانہ میں وہ زندہ تھے۔چنانچہ آپ حکیم عنایت اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے متعلق ذیل کا ایک دلچسپ واقعہ بھی لکھتے ہیں۔

حکیم عنایت اللہ ایک مرتبہ چند دوستوں کے ہمراہ کھوئی ہامہ کے علاقہ میں تھے۔محمد طاہر کنٹھ نے ایک شانہ گوسفند صاف کرکے ملاحظہ کے لیے پیش کیا۔حکیم نے کہا۔اس شانہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں بہت جلد شہر (سری نگر) واپس جانا پڑے گا اور ہم میں سے ایک شخص

گھوڑے پر سے گر پڑے گا۔ بارش بھی ہوگی۔ اور شہر کی کوئی نامور ہستی آج دنیا سے رخصت ہو جائے گی۔ چنانچہ اسی دن نماز پیشین کے بعد ایک جلودار حکیم کی طلبی میں آیا۔ جس نے جعفر خاں صوبیدار کشمیر کی سخت علالت کا رقعہ دیا۔ حکیم صاحب اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ترشح بھی شروع ہو گیا۔ حکیم صاحب خود راستہ میں گھوڑے پر سے گر پڑے۔ جب شہر میں داخل ہوئے تو سنا کہ جعفر خاں کا انتقال ہو گیا ہے۔

سری نگر کے ضلع مہاراج گنج بازار میں اسی فرقہ کے نام پر گانی اُٹھمز ایک بڑا محلہ آباد ہے۔ اسی محلہ میں حکیم عنایت اللہ گانی علی شاہ امام اور گانی خاندان کے بڑے بڑے مشاہیر کے فلک نما مکانات اور باغات تھے۔ حکیم عنایت اللہ کی تعمیر کردہ مسجد بھی اسی محلّہ میں تھی۔ تحصیل وانتی پورہ میں ایک چھوٹا سا گاؤں بھی باغ عنایت اللہ کے نام سے موجود ہے۔ جہاں باغ تو اب کوئی نہیں ہے البتہ چند گھر آباد ہیں۔

مولانا ابوالفتح گانی (سنہ وفات ۱۱۴۹ھ) بھی انہی میں سے ایک عالم باعمل بلکہ عارف کامل ہو گزرے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں حکیم غلام محمد گانی خواجہ صدرالدین گانی، حکیم علی شاہ گانی، خواجہ سیف الدین گانی، خواجہ بہادر شاہ گانی قلاشپوری۔ سری نگر میں اس طبقہ کے ممتاز اصحاب ہیں۔ اور لاہور میں خان صاحب منشی احمد الدین گورنمنٹ پنشنر اپنے وسیع حلقہ احباب میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ لدھیانہ میں بھی ایک خاندان ہے وہ اصل لفظ گورگانی ہی سے مشہور ہے۔ ان خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

بچھ

خواجہ حسن شعری * جو ایک نامور عالم فاضل اور کامل ادیب شاعر گزرا ہے اور جس کا دیوان بھی مطبوعہ بزبان فارسی موجود ہے۔ لکھتا ہے کہ خاندان مذکورہ کا شجرۂ نسب سلسلہ دار جہاں ستاں چنگیز خاں تک پہنچتا ہے۔ گلزار خلیل میں لکھا ہے کہ اس خاندان کا ایک نادر

* صاحب دیوان ہونے کے علاوہ زبدۃ الاخیار اور چار درویش منظوم کے مصنف تھے۔ صاحب تاریخ کبیر کشمیر لکھتے ہیں۔ ''درعہد خود درمیان شعرا مافوق بود۔'' ۱۲۹۸ھ میں بمقام امرتسر انتقال کر گئے۔

شخص میر محمد علی (جس کا نام میر علی بخاری بھی اکثر تاریخوں میں درج ہے بڈ شاہ کے زمانہ میں وارد کشمیر ہوا۔ میر محمد علی علم وفضل میں صاحب کمال تھے۔اور بڈ شاہ ایک مردم شناس اور قدردان بادشاہ تھا۔ اس نے میر بخاری کی جاگیر مقرر کردی اور مولانا نے قوت لایموت سے بے فکر ہوکر لوگوں کو استفادہ اور فیض پہنچانے میں کمی نہ کی۔ اس کی اولاد سے قاضی میر ابراہیم فرزند قاضی سکندر جو باپ دادا کی طرح منصب قضا پر سرافراز تھا۔ پہلا شخص تھا جو بچھ کے عرف سے معروف ہوا۔

صاحب روضۃ الابرار بھی لکھتے ہیں۔ کہ میر علی بخاری * جو میر نازک قادری اور قاضی میر موسیٰ شہید کے جدامجد تھے۔ خاندان بچھ کے بھی جداعلیٰ تھے۔ یہ خاندان مغل چنگیزی خانی ہے۔ گویا بچھ قبیلہ میر ہی کی جس کے جداعلیٰ کشمیر میں میر علی بخاری ہیں۔ ایک شاخ ہے۔ بچھ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ میر ابراہیم کی طبیعت بلغمی تھی اور وہ مادۂ غلیظ کو رفع کرکے بلغم کو جذب کرنے کے لیے ایک قسم کی گھاس جسے کشمیری زبان میں بچھ کہتے ہیں۔ چبایا کرتے تھے۔ اسی کثرت عادت کی وجہ سے بچھ کا لفظ اس خاندان کے ہر شخص کے نام کا جزو اعظم ہوگیا۔ بقول صاحب تاریخ حسن بچھ پورہ جو اسی قوم کے نام پر آباد ہے۔ مغلوں کے زمانہ میں بصلہ فوجی خدمات ان کی جاگیر میں شامل تھا۔

روضۃ الابرار اور تاریخ اعظمی اور تاریخ کبیر کشمیر اور تاریخ حسن وغیرہ میں اس خاندان کے بعض بزرگوں کے نام اور بعض کے مختصر سے حالات درج ہیں۔ روضۃ الابرار میں صفحہ ۴۸ پر درج ہے۔ ''از قبیلہ بچ اکثر مردم حکام و امراء رؤسا گزشتہ اند مثل نواب عنایت اللہ خان وزیر ** عالمگیر و ہدایت اللہ خاں و نواب عبداللہ خاں اکبرآبادی و نواب ابوالبرکات خاں صفدر جنگ و محتشم خان۔ و قاضی القضاۃ حیدر خاں و خواجہ عبداللہ صدارت خاں و امیر نجابت علی خاں وغیرہ۔'' قاضی حیدر معروف قاضی خاں کے متعلق ذرا تفصیل سے درج ہے۔ لکھا ہے۔ ''از قبیلہ بچان است در صغر سن تعلیم علوم از ملا عبدالرشید زرگر وغیرہ نمودہ عالم متبحر گردید۔ و بہ لشکر عالمگیر رسید و بہ سیادت خاں صدر الصدور آشنائی پیدا نمودہ باریاب ملازمت شاہی شد و چندے استاد شہزادہ عظیم الشان

* مسجد جامع سری نگر کے شمال رویہ گوجوارہ محلہ میں مدفون ہیں۔ قبر پختہ اور سنگین تھی۔ ۱۳۰۰ھ تک قبر کے نشان بھی موجود تھے۔

** وزیر سے مراد غالباً کشمیر کی گورنری ہے۔ میر عنایت اللہ، تین مرتبہ کشمیر کے گورنر رہے ہیں۔

وچندے قاضی شاہجہان آباد ماند۔ وسہ سادر بنگالہ قاضی ماندر وبعد وفات عالمگیر در دور بہادر شاہ قریب سہ سال بہ جانے۔ مختلف بہ ایں منصب قرار دماند۔ ودر ۱۱۲۰ھ بمرض اسہال مرتحل شدو نعش ویرا از دکن بہ کشمیر آوردہ دفن ساختند۔" میر نواب عنایت اللہ خاں بچھ کا ذکر یوں تو کشمیر کی تمام تاریخوں میں درج ہے لیکن ہم اس کا تھوڑا ذکر تاریخ حسن * ملک سے نقل کرتے ہیں۔ جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔

میر عنایت اللہ ولد میر شکر اللہ بن میر مومن قاضی موسیٰ شہید کی اولاد سے تھا۔ جب عالمگیر کشمیر میں آیا ہے تو میر عنایت اللہ کی ماں بی بی مریم اپنی والدہ کے ذریعہ سے جو ملا شریف میر عدل کی بیٹی تھی۔ زیب النساء کی تعلیم وتربیت اور مصاحبت کے لیے بادشاہی حرم سرا میں داخل ہوئی۔ اسی کے توسط سے اس کا بیٹا میر عنایت اللہ عالمگیر کے حضور میں پیش ہوا۔ اور نظامت کشمیر پر فائز ہوا۔ علم وادب، ضبط اوقات، ادراک معلومات، حسن صورت وسیرت، وقار وتدبر میں لاجواب تھا۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں جو عالمگیر کی وفات سے قریباً چوتھائی صدی بعد کی تصنیف ہے۔ میر عنایت اللہ کے اقبال وعروج کے متعلق لکھا ہے۔ "مثل او در اقبال ودولت وشعور وفطرت کم کسے از مردم کشمیر برخاستہ است۔ چنانچہ بر عالمیاں ظاہر است۔ امتیاز وقربے کہ خان معزی الیہ در جناب عالمگیر داشت۔ بر یکے پوشیدہ نیست۔"

بچھ خاندان کے افراد زیادہ تر تجارت پیشہ رہے ہیں۔ جہانگیر کے زمانہ میں خواجہ حسن بچھ ایک نامور تاجر زادہ کشمیر تھا۔ جو ترک دنیا کے بعد دہلی میں بھی عرصہ تک رہا ہے۔ اخوند ملا شاہ بدخشی وشیخ ابو المظفر دہلوی کا مرید تھا۔ افغانوں کے زمانہ میں ملا عبد المومن بچھ فرزند خواجہ احسن اللہ بچھ بعہد حاجی کریم داد خاں گورنر ایک فاضل اجل سرکاری مفتی تھا۔ ۱۱۹۷ھ اور بقول بعض ۱۱۹۹ھ میں انتقال کر گیا۔

بابا آئت اللہ بچھ اور بابا ظاہر بچھ اور مولانا حیدر بچھ بھی اسی خاندان کے نامور لوگوں میں تھے جب شیخ عبد الاحد سرہندی فاروقی سیف خاں ناظم کشمیر کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ تو دیگر علماء کے ساتھ مولانا حیدر بچھ بھی ان سے فیوض حاصل کرتے رہے۔

---

* صفحہ ۳۶۲ یہ کتاب سرکاری لائبریری سری نگر میں موجود ہے۔

اسی قبیلہ سے خواجہ احمد اللہ نچھ بن ابو القاسم (وفات ۱۱۹۰ھ) علم ظاہری و باطنی میں ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔

جان فیملی

قاضی میر علی بخاری کو بعض مؤرخوں نے قاضی میر محمد علی بخاری بھی لکھا ہے ان کی اولاد کشمیر میں بہت پھیلی ہے۔ پنجاب میں جو کشمیری میر خاندان ہیں ان کی اصل بھی قاضی میر علی بخاری کی طرف ہی جاتی ہے خاص سری نگر اور کشمیر کے دیہات میں بھی کئی میر خاندان قاضی بخاری کی ذریات سے ہیں۔

روضۃ الابرار، گلزار خلیل اور کشمیر کی دیگر تاریخوں میں مذکور ہے کہ میر علی بخاری اور ان کی ذریات میر نازک نیازی قادری اور قاضی موسیٰ شہید سب مغل تھے۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔ میر محمد علی بخاری چنگیز خاں کی نسل سے تھے۔ خدا نے ان کو اولاد احفاد کثرت سے دی اور مال و منال میں برکت فراواں عطا کی۔

ان کے رشتے ناطے ضرور سادات سے ہوتے رہے۔ چنانچہ قاضی موسیٰ شہید کے فرزند قاضی محمد صالح * جو باپ کی شہادت کے بعد مسند قضا پر مغلوں کے عہد میں بھی جلوہ گر رہے ایک سید کے داماد تھے۔ لیکن سیادت کا دعویٰ انہوں نے کبھی نہیں کیا۔

قاضی موسیٰ شہید جو حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے مرید تھے۔ یعقوب شاہ چک آخری بادشاہ کشمیر کے ناروا حکم سے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی چکوں کی بادشاہی کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ آپ کا قطعہ تاریخ وفات حسب ذیل ہے۔

قاضیٔ دیں در رہِ ربِّ مجید | بہر دیں جامِ شہادت درکشید
بہر تاریخ و صالش گفت دل | از تجلی آمد ایں موسیٰ شہید (۹۹۳ھ)

---

* ۱۰۰۲ھ میں انتقال کر گئے۔ تاریخ وفات ہ

میر صالح علامۂ یکتا | کرد رحلت ازیں سرائے فنا
بہر سالش ز رُوئے دینداری | قاضیٔ پاک دیں ملک گفتا

بعض کہتے ہیں کہ ان کے ایک فرزند باپ کی شہادت کے بعد سری نگر سے نکل کر کھوئی ہامہ کے علاقہ میں چلے آئے۔ اور بعض کے خیال میں ان کی اولاد جس طرح شہر سے نکل کر ملحقات میں پھیلی اسی طرح ان کی اولاد سے کوئی بزرگ علاقہ کوئی ہامہ میں بھی آ گئے۔

قاضی موسیٰ شہید کا خاندان سارے کشمیر میں مشہور تھا اور قاضی موسیٰ کی شہادت نے اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا ایک عام جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ اور جو بزرگ اس خاندان کے علاقہ کھوئی ہامہ میں آئے تھے۔ ان کے ذاتی اخلاق و اعمال بھی برگزیدہ تھے۔ اس لیے سب ان کو ''جان'' کہنے لگے۔ کشمیری زبان میں جان اچھے اور عمدہ کو کہتے ہیں۔ ان کی اولاد و احفاد بھی اسی نام سے موسوم ہو گئی۔ چنانچہ علاقہ کھوئی ہامہ اور سری نگر کی تحصیل کے ایک مقام جس میں جان ایک اچھا خاصہ قبیلہ ہے۔ قاضی موسیٰ شہید کے خاندان سے جو بزرگ کھوئی ہامہ میں آئے ان کی اولاد میں چار بھائیوں کی ذریات کھوئی ہامہ کے تمام علاقہ اور اجس تحصیل خاص میں پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے نام و نسب حسب ذیل ہیں اکبر جان ساکن کلوسہ جس کو حکومت وقت نے میر چودھری کے خطاب سے ملقب کر رکھا تھا۔ اس کے چار بیٹوں میں جبار جان لاولد فوت ہو گیا۔ باقی تین بیٹوں میں سے عزیز جان کے دو فرزند تھے۔ یحییٰ جان، لالہ جان، لالہ جان کا بیٹا مختہ جان ہے۔ یحییٰ جان کے دو فرزند ہیں۔ یوسف جان جو علاقہ کھوئی ہامہ کا ذیلدار ہے۔ اور اپنے علاقہ کا بہت بڑا زمیندار ہے یحییٰ جان کے دوسرے فرزند کا نام علی جان ہے۔

کبر جان کے دوسرے فرزند کا نام احمد جان ہے۔ اس کی اولاد سانرونی میں آباد ہے۔ تیسرے فرزند رُسول جان کا بیٹا مقبول جان کیونچ میں رہتا ہے۔

کبر جان کے دوسرے بھائی کا نام سرور جان ہے۔ وہ کھوئی ہامہ سے نقل مکانی کر کے اجس تحصیل سری نگر میں جا کر آباد ہو گیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ (۱) محمد جان (جو دو فرزندوں قطب جان و محمد جان کا باپ ہے) (۲) اسد جان اس کے چار بیٹے ہیں۔ مہدہ جان، احد جان، جبار جان، لالہ جان۔ اس میں خواجہ احد جان ٹھیکیداری کرتا ہے۔ اور قریباً آٹھ سو کنال زمین کا مالک ہے۔ قومی کاموں میں خواجہ جان اور اس کے بھائی دامے درمے سخنے قدمے ہر طرح عملی دلچسپی لیتے ہیں۔ احد جان اپنے چچا صمد جان مرحوم کا متبنیٰ پسر بھی ہے۔ عبداللہ جان لاولد۔ سونہ جان کے دو فرزند ہیں۔ ولی جان و گلہ جان۔

کبر جان کے تیسرے بھائی کا نام بنیر جان ہے۔اس کی اولاد قاضی پورہ میں رہتی ہے۔اس کے دو فرزند تھے (۱) مہدہ جان اس کے چھ فرزند ہیں (۲) احسن جان کے دو فرزند ہیں۔کبر جان کے چوتھے بھائی کا نام منور جان ہے۔اس کی اولاد بھی سدوزئی میں آباد ہے۔اس کے دو فرزند تھے۔دولت جان وانور جان۔ان دونوں کے بھی دو دو فرزند ہیں۔کبر جان کے پانچویں بھائی کا نام حبیب جان ہے۔وہ اُونگام میں رہتا ہے۔اس کے چار فرزند حسب ذیل تھے۔محمد جان۔عبداللہ جان۔راحت جان۔مختہ جان۔ان میں سے ہر ایک صاحب اولاد نرینہ ہے۔عبداللہ جان کا بیٹا صمد اللہ جان اُونگام سے آلوسہ چلا آیا ہے۔

عشائی

عشائی طبقہ کے مشاہیر کا ذکر تو اکثر تاریخوں میں موجود ہے۔لیکن عشائی نام کی وجہ تسمیہ پر بہت کم مؤرخوں نے خامہ فرسائی کی ہے۔خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ اعظمی میں مولانا محمد طاہر غنی ملک الشعراء کا ذکر کرتا ہوا صرف اس قدر بتاتا ہے کہ ''از قبیلہ اشائیاست کہ لقب معروفیت در کشمیر''۔

ریاست جموں و کشمیر کی رپورٹ مردم شماری ۱۹۱۱ء میں صفحہ ۲۰۵ کے فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ عشائی فرقہ موضع عشور واقع خراسان سے آیا ہے۔اصل نام عشاوری تھا۔عشاوری سے عشائی ہو گیا۔معلوم ہوتا ہے یہ تذکرہ تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) سے اخذ کیا گیا ہے۔جس میں لکھا ہے ''گویند جدِ آنہا از مقام عیشاور کہ دیہہ ممالک خراسان * آمدہ۔حالا مردم کشمیر عیشاور راعشائی مخفف کردہ اند''۔روضۃ الابرار میں حضرات اہل کشمیر کا ذکر ہے۔اس میں اس فرقہ کے متعلق لکھا ہے۔جد اعلیٰ اس طبقہ کے خواجہ سنگین شاہ ہمدان (حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی)

* موجودہ افغانستان میں ایک صوبہ مزار شریف کے نام سے مشہور ہے۔جو ترکستان اور بخارا اور روس کی سرحد سے ملا ہوا ہے۔گزشتہ زمانہ میں اسی کو خراسان کہتے تھے۔اور اس کا پایۂ تخت بلخ تھا جو شہر مزار شریف سے تین میل کے فاصلہ پر کھنڈر کی صورت میں ہے۔مزار شریف حضرت علی کے روضہ کی وجہ سے مزار شریف کہلاتا ہے۔خواجہ حسن نظامی ۸ مارچ ۱۹۳۴ء کے اخبار منادی دہلی میں اس روضہ کا فوٹو دے کر لکھتے ہیں کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت خارجیوں اور بنی امیہ کی شرارتوں کا بہت زور تھا۔اس لیے بظاہر تو یہ مشہور ہو گیا کہ ان کو نجف اشرف میں دفن کر دیا گیا ہے لیکن درحقیقت ان کی میت بلخ میں لے آئے تھے۔

کے ہمراہ آئے۔ اس کے فرزند اور وہ خود سب صالح و نیکوکار تھے اور تجارت کا کام کرتے تھے۔ اشراق سے تا نماز پیشین دوکان پر بیٹھا کرتے۔ پھر نماز عصر تک کارخانہ کھول کر دیکھ بھال کرتے اور نماز عصر مسجد میں پڑھ کر تا نماز عشا مسجد میں ہی رہا کرتے تھے۔ چونکہ عشائی نماز کے بعد مسجد سے باہر نکلا کرتے تھے۔ اس لیے ان کا نام ہی عشائی ہو گیا۔ اور مدت تک یہی طریق ان کے خاندان میں جاری رہا۔

اس کے علاوہ ایک اور بیان مشہور عام ہے جس کی کیفیت اس طرح ہے کہ خواجہ سنگین اول تو غذائے روزانہ ورنہ رات کا کھانا لازمی طور پر حضرت امیر کے دستر خوان پر کھایا کرتے تھے۔ حضرت کی اصطلاح میں رات کے کھانے کو غذائے عشا کہتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے خواجہ سنگین عشا کے وقت نہ آ سکا۔ حضرت نے پوچھا ہمارا عشائی کہاں گیا۔ حضرت کی زبان گویا زبان خلق تھی کہ جو کہا وہ پتھر کی لکیر ہو گیا۔ چنانچہ ساڑھے چھ سو سال گزر جانے پر بھی عشائی کا لفظ اب تک موجود ہے۔ تاریخ حسن اور روضۃ الابرار کے بیانات سے کم از کم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ سنگین بھی بعض دیگر اقوام کے طرح بیرونی ممالک ہی سے کشمیر میں آئے تھے۔

سر والٹر لارنس نے عشائی طبقہ کو مغلوں کا ایک فرقہ ظاہر کیا ہے۔ اور ممکن ہے ان کا یہ خیال تاریخ حسن وغیرہ کے بیانات کی بنا پر قائم ہو۔ کشمیر کے قریباً تمام مؤرخین (سوائے حسن شاہ تاریخ حسن مصنف) عشائی کو عین کی بجائے الف اسے اشائی لکھتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ عشائی الف سے درست ہے تو نماز عشاء کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔

ایک محترم عشائی معزز عہدہ دار راقم مؤلف کے استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ''خواجہ محمد سنگین کشمیری الاصل تھے۔ اور جناب امیر سید علی ہمدانی کی تشریف آوری سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اور اس کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ خواجہ مذکور اگر حضرت امیر ہی کے ہمراہیوں میں تھے اور ان کے ساتھ ہی بخارا یا ترکستان کے کسی اور مقام سے آئے تھے۔ تو لازماً ان کا قیام بھی حضرت امیر کے ساتھ ہی ہو گا۔ اور سب یاران ہم صحبت اکٹھے کھانا کھاتے ہوں گے۔ پھر علیحدہ صرف انہی کو ''عشائی کجا است'' کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواجہ محمد سنگین کشمیری الاصل ہی تھے اور چونکہ وہ اپنے کاروبار سے فارغ ہو کر عشا کو بزم جناب

* یہ کتاب آج سے تقریباً ۶۰۔۷۰ سال پیشتر کی تصنیف ہے۔

امیر میں شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ نہ گئے ہوں گے یا دیر سے گئے ہوں گے تو انہوں نے عشائی کجاست کہہ دیا ہوگا۔''

اس تفصیل کے بعد یہ بات قابل غور ہے کہ کیا ''عشائی کجاست'' کے الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خواجہ محمد سنگین کا عرف عشائی ان کے خراسانی وطن قدیم کے نام (عشور) پر حضرت امیر کے آنے سے پہلے ہی مشہور عام تھا۔ اور وہ خواجہ سنگین کو جس طرح ہر روز عشائی کے نام سے پکارا کرتے تھے ایک دن معمول کے موافق آپ نے ان کی عدم حاضری پر بھی ان کو عشائی کے نام سے پکار دیا۔

ایک اور بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ خواجہ محمد سنگین سری نگر کے نامور رؤسا میں تھے اور نہایت مخیّر اور فیاض تھے۔ ایسا جلیل القدر رئیس حضرت امیر کبیر کے دستر خوان پر جو باوجود اپنے علو مرتبت کے کشمیر میں ایک مہاجر و مہمان اور مبلغ کی حیثیت میں مقیم تھے۔ بلا ناغہ ہر رات کو کس طرح حاضر رہ سکتے تھے۔ بلکہ یہ بہت ممکن ہے کہ خواجہ سنگین نے اپنی عزت افزائی کے لیے حضرت امیر کو بارہا اپنے ہاں مدعو کیا ہو۔

اس لیے راقم مؤلف کے خیال میں سر والٹر لارنس اور حسن شاہ کھوئی ہامی نے جو کچھ عشائی فرقہ کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھا ہے۔ وہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس خاندان کے اب صرف چار پانچ گھر ہی ہیں جو سری نگر میں ہیں۔ ایک دو خاندان نجاب میں بھی آباد ہیں۔ ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔ ان کی رشتہ داریاں زیادہ تر کول خاندان کے ساتھ رہی ہیں۔

خواجہ سنگین کا اصل نام خواجہ جلال الدین تھا۔ محلّہ علاؤ الدین پورہ میں آپ نے متعدد انات تعمیر کرائے۔ ایک مسجد پتھروں کی بنوائی۔ اس سے پہلے خالص پتھروں کی کوئی مسجد سری نگر ،موجود نہ تھی۔ اس کا نام مسجد سنگین رکھا گیا۔ اور سنگین مسجد کا بانی ہونے کی وجہ ہی سے آپ بھی جہ سنگین کہلانے لگے۔

عشائی خاندان میں خواجہ نور محمد، خواجہ حکیم شیخ محمد چشتی، خواجہ محمد امین، خواجہ عباد اللہ، خواجہ ا اللہ، خواجہ ابراہیم، خواجہ طاہر رفیق * وغیرہ نامی عالمان باعمل گزرے ہیں۔ جو دینی امورات

کے علاوہ دنیاوی معاملات میں بھی برگزیدہ تھے۔

خواجہ زین علی عشائی زمانہ قدیم میں کشمیر کے نامور تاجروں میں تھے۔ جو کچھ کماتے تھے اس سے زیادہ راہ خدامیں خرچ کر دیتے تھے۔ گیارہویں صدی میں خواجہ محمد صالح عشائی اسی فرقہ کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ شاہ قاسم حقانی کے مرید تھے۔ آخر عمر میں زیارت حرمین کو گئے۔ کشمیر کے مؤرخوں نے ان کو صاحب کشف و کرامت لکھا ہے۔ بدوؤں نے ان کے قافلہ کو لوٹ کر گرفتار کرلیا۔ آپ بھی اسیروں میں تھے۔ آپ کے زہد و اتقا اور آپ کے اخلاق و عادات کا بدوؤں پر یہ اثر پڑا کہ انہوں نے تائب ہو کر لوٹا ہوا سب مال واپس کر دیا۔ آپ ۱۰۴۷ھ میں مدینہ میں وفات پا گئے۔

یہ عشائی طبقہ ہی کو فخر ہے کہ اس نے محمد زمان نافع اور اس کے بھائی مولانا محمد طاہر غنی جیسے قادر الکلام شاعر شاہجہاں کے زمانہ میں پیدا کئے ہیں۔ نافع نے کشمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ اس کی ایک غزل کا شعر ذیل میں درج ہے۔

شنیدم از لب فوارہ ایں صدائے بلند　　　کہ گریہ ہاست ثمر قندہ ہائے برزدہ را

غنی ملاں محسن فانی گنائی کے شاگرد تھے۔ لیکن بقول تاریخ اعظمی ''امّا اتفاق ارباب سخن است کہ از خطہ کشمیر بلکہ در تمام اقلیم ہند دراں عہد ہمچو او خوش خیال نازک بندے برنخاستہ۔'' میر حسین دوست سنبھلی، محمد بدیع الزمان نصیر آبادی، مرزا محمد افضل سرجوش، سراج الدین علی خان آرزو، مولوی غلام علی آزاد بلگرامی، نواب صدیق حسن خاں وغیرہ تذکرہ نویسوں نے مولانا غنی کو ایک قادر الکلام اور خوددار شاعر تسلیم کیا ہے۔

غنی کی پیدائش کا سال ۱۰۴۰ھ اور وفات کا سال ۱۰۷۹ھ ہے۔ ۱۰۶۰ھ میں اس نے شاعری کی اور ۱۹ سال میں ایک لاکھ شعر کہہ گیا اور ساری عمر اس نے کسی کا قصیدہ نہ لکھا۔ اس کی چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

(۱) حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر　　　دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

(۲) ہاستمگاران گیتی بد نمے گردد اسیر　　　عید قربان است دائم خانہ قصاب را

(۳) جواں را صحبت پیراں حصارِ عافیت باشد　　　بخاک وخوں نشیند تیر چوں دُور از کمال گردد

(۴) در مکرر بستن مضمون رنگیں لطف نیست　　کم دہد رنگ ار کسے بندد حنائے بستہ را
(۵) ہر کہ پابند وطن شد مے کشد آزار ہا　　پائے گل اندر چمن دائم پر است از خار ہا
(۶) غنی روزِ سیاہ پیر کنعاں راتما شا کن　　کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا
(۷) رفیق اہل غفلت ہر کہ شداز کار مے ماند　　چو پائے خفتہ پائے دیگر از رفتار مے ماند
(۸) فیض سخن بہ مرد سخن گو نمے رسد　　از نافہ بطوئے مُشک بہ آہو نمے رسد

چند سال ہی کا ذکر ہے۔عشائی طبقہ میں خواجہ قادر شاہ ایک بڑے پایہ کے تاجر شال تھے۔حاجی خواجہ محمد شاہ عشائی جو اس وقت بھی کشمیر کے مشہور تاجر ہیں۔آپ ہی کے جانشین ہیں۔خواجہ قادر شاہ مرحوم کے فرزند خواجہ غلام احمد عشائی نے اپنی اعلیٰ علمی قابلیتوں سے اپنے خاندان کا بلکہ سارے کشمیر کا نام روشن کر رکھا ہے۔آپ نے قریباً ۲۰، ۲۱ سال کی عمر میں بی۔اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔اور آنرز میں تمام یونیورسٹی میں اول رہ کر کشمیر کی ذہانت کا ایک دفعہ پھر سکہ بٹھا دیا۔پھر منشی فاضل اور بی۔ٹی کے امتحان پاس کیے۔بی۔ٹی میں سارے پنجاب میں دوم رہے۔1918ء میں جب کہ آپ کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی۔کلکتہ یونیورسٹی سے یم۔اے کا امتحان درجہ اول میں رہ کر پاس کیا اور اتنے نمبر حاصل کیے کہ آپ سے پہلے کوئی طالب علم ان نمبروں پر کامیاب نہ ہو سکا تھا۔اس صلہ میں آپ کو وائسرائے و گورنر جنرل آف انڈیا طلائی تمغہ اور دو سو روپیہ بطور انعام ملا۔

کشمیر ایجی ٹیشن ۱۹۳۱ء کے ایام میں جب تحقیقات کے لیے دلال کمیشن کا تقرر عمل میں آیا تو آپ نے قوم کی خواہش کے مطابق اس کمیشن کی شمولیت سے انکار کر دیا۔لیکن جب مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کا تصفیہ کرنے کے لیے گلانسی کمیشن کی تقرری ہوئی تو آپ نے اس کمیشن کے ساتھ اشتراک عمل کیا۔اس کمیشن نے مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کے دعاوی کو تسلیم کیا ہے۔

جب ۱۹۳۲ء میں کشمیر میں ہندو مسلم بدگمانیاں زوروں پر تھیں بلکہ ۱۹۳۲ء کے آخری ایام میں ہنگامہ و خونریزی تک بھی نوبت پہنچ گئی تھی۔تو شہر کے امن پسند طبقہ نے انجمن اتحاد کشمیر کے نام سے جو مجلس قائم کی اس کے ابتدائی سیکرٹری آپ ہی تھے۔

آج کل آپ فنانس منسٹر گورنمنٹ جموں و کشمیر کے اسسٹنٹ فنانشل سیکرٹری ہیں۔

خاندانِ رفیقی

کشمیر کے اس نامور خاندان کا سلسلہ خواجہ سنگین سے ملتا ہے۔ جو عشائی طبقہ کے بانی تھے۔ اس لحاظ سے عشائی اور رفیقی ایک ہی خاندان کی دو شاخیں ہیں۔

خواجہ طاہر رفیق عشائی سُہر وردی جن کی طرف سارا خاندان رفیقیہ منسوب ہے۔ خواجہ سنگین کے پڑپوتے تھے۔ بابا داؤد مشکاتی اسرار الابرار میں ان کا لقب شیخ اور ان کے والد ابراہیم عشائی کا لقب خواجہ لکھتے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں طاہر رفیق کو خواجہ اور ان کی اولاد کو شیخ لکھتے ہیں۔ روضۃ الابرار میں خواجہ رفیق کے ساتھ عشائی اور سُہر وردی دونوں لفظ درج نہیں۔ ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ طاہر رفیق بہت بڑے بزرگ تھے۔ تاریخوں میں ان کو صاحب کشف و کرامت بھی لکھا ہے۔ باوجود اس زہد و اتقا کے کسب معیشت تجارت تھا۔ ان کے والد خواجہ ابراہیم لاہور میں بغرض تجارت فروکش تھے۔ وہیں شیخ عبدالشکور لاہوری سے جو شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی اولاد سے تھے۔ بیعت ہوئے۔ شیخ عبدالشکور نے خواجہ طاہر رفیق کو ان کے فرزند کے لیے انہی کے ہاتھ تسبیح و خرقہ بھیجا۔ ۹۶۰ھ میں آپ نے خیر المساجد کے نام سے ایک مسجد تعمیر کی۔ لنگر خانہ بھی غربا و فقراء کے لیے جاری کیا۔ شیخ مخدوم حمزہ شیخ یعقوب صرفی بابا شیخ والی اور بابا ہردی ریشی کے ملنے والوں میں تھے۔ غرہ ذی الحجہ ۱۰۰۱ھ کو وفات پا گئے۔ شیخ کامل تاریخ وفات ہے۔

علماء و شرفا کی جس جماعت نے اکبر کو کشمیر آنے کی دعوت دی تھی۔ اس کا ایک حصہ تو اکبر کے پاس چلا گیا تھا۔ اور ایک حصہ کشمیر ہی میں رہ کر مغل حکومت کے لیے راستہ صاف کر رہا تھا۔ خواجہ رفیق سہروردی اسی جماعت میں تھے۔ جب اکبر نے اپنے ہوا خواہوں کو جاگیر دینی چاہی تو بعض علماء و رؤسا کی ہم نوائی میں خواجہ رفیق نے بھی جاگیر لینے سے انکار کر دیا۔ لیکن جہانگیر شاہجہاں اور عالمگیر نے وقتاً فوقتاً خواجہ رفیق کی اولاد کو جاگیریں عطا کیں۔ اصل سندات راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزریں۔ سنا ہے کہ خاندان رفیقی کے پاس موجود ہیں۔ یہ سب جاگیریں سکھوں کے زمانہ میں ضبط ہو گئیں اور بعد میں باوجود کوشش کے واگزار نہ ہو سکیں۔

خواجہ رفیق اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ان کی صرف ایک لڑکی مریم نام تھی۔جس کی شادی انہوں نے اپنے دادا خواجہ طاہر کے بھائی خواجہ عبدالقوی کے پوتے شیخ احمد سے کر دی تھی۔ شیخ ابومحمد شریف اسی لڑکی کی بطن سے تھے۔موجودہ رفیقی خاندان سب انہی کی اولاد سے ہے۔

شیخ ابومحمد شریف کا صرف ایک ہی لڑکا تھا۔شیخ محمد رفیقی نام۔ان کے دو صاحبزادے تھے۔ایک شیخ حمزہ دوسرے شیخ عبداللطیف۔تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۲۲۴ پر شیخ محمد مراد رفیقی کو بھی شیخ ہی کا فرزند لکھا گیا ہے۔

سری نگر کے دو رفیقی خاندان جو فتح کدل اور مفصلات اسلام آباد، بھدرواہ، بنڈ پورہ۔امرتسر وغیرہ میں آباد ہیں۔شیخ عبداللطیف ہی کی اولاد سے ہیں۔

شیخ حمزہ رفیقی کے فرزند شیخ معین الدین اور ان کے فرزند شیخ یحییٰ رفیقی اور ان کی اولاد سے شیخ طیب رفیقی بہت مشہور گزرے ہیں۔شیخ طیب کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے کہ وہ صاحب ثروت ہونے کے باوجود خود فاقہ میں رہتے اور اپنا سب کچھ خیرات میں دے دیا کرتے تھے۔رفقاء الفقراء ان کی ایک تصنیف بھی ہے۔۱۲۶۶ھ میں انتقال کر گئے۔تاریخ کبیر میں ان کے والد کا نام بابا احمد رفیقی اور ان کے والد کا نام بابا مصطفیٰ رفیقی درج ہے۔شیخ طیب کے ایک فرزند غلام مصطفیٰ رفیقی تھے۔جو ۱۰ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ کو وفات پا گئے۔اسی خاندان میں شیخ عماد الدین رفیقی (سن وفات ۱۳۰۰ھ) اور اسد شاہ رفیقی (وفات ۱۳۰۵ھ) سری نگر کا نام بھی لیا جاتا ہے۔

شیخ یحییٰ رفیقی کے ایک فرزند شیخ اسلم رفیقی اپنے زمانہ میں کشمیر کے مفتی اور شیخ الاسلام تھے ان کی مہر فتاویٰ پر یہ شعر کندہ تھا۔

حامئ شرعِ رسولِ اکرم — شیخ الاسلام محمد اسلم

ان کے فرزند شیخ محمد ابراہیم رفیقی کے پڑپوتے محمد سعید رفیقی فتح کدل کوچۂ رفیقاں میں اس وقت بقیدِ حیات موجود ہیں۔

شیخ اسلم کے فرزند اصغر حبیب اللہ رفیقی اپنے دو بیٹوں (بدرالدین و محمد یحییٰ) کے ہمراہ سکھوں کے ظلم سے تنگ آ کر نور پور پنجاب میں چلے گئے۔نور پور کے رفیقیوں میں بابا نور پیر رفیقی (اصل نام پیر نورالدین) اور پیر حبیب رفیقی اپنے جود وسخا اور علمی فضائل کی وجہ سے بہت

مشہور ہوئے ہیں۔ پیر محمد عثمان لاہوری آپ کے شاگرد مرید اور متبنیٰ تھے۔

پیر حبیب اللہ رفیقی کے دو بیٹے تھے ایک مولوی محمد یحییٰ جو جامع مسجد ڈلہوزی کے امام بھی تھے۔ اور واعظ بھی۔ محدث تابع سنت اور قاطع بدعت تھے۔ دہلی میں مولانا نذیر حسین دہلوی سے سند حاصل کی تھی۔ نواب صدیق حسن خان (بھوپال) سے بھی ان کے تعلقات تھے۔ شاعر اور مصنف بھی تھے۔ ان کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ جو ان کے بھائی پیر بدرالدین رفیقی کے لڑکے مولانا عبدالسلام رفیقی سے بیاہی گئی۔ پیر بدرالدین رفیقی مرتے دم تک نور پور کے میونسپل کمشنر اور مفتی رہے خاندان رفیقیہ کے کئی ممبر نور پور میں مدفون ہیں۔

پیر بدرالدین رفیقی کی وفات کے بعد مولوی عبدالسلام رفیقی اور ان کے بھائی مولوی محمد قاسم رفیقی اپنے اہل وعیال سمیت پھر کشمیر آ گئے۔ مولوی عبدالسلام رفیقی کئی سال تک نور پور کے میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔

مولانا عبدالسلام رفیقی راقم مؤلف کے کرم فرماؤں میں ہیں۔ لاہور میں بھی ان کی آمد و رفت رہی ہے۔ ہندوستان اور کشمیر میں ان کا حلقۂ احباب بہت وسیع ہے۔ برما جا کر اپنی ذکاوت و ذہانت اور تجارتی قابلیت سے انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ قیام برما ہی کے ایام میں آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی قبر واقعہ رنگون کی خستہ حالی کی طرف اپنی تحریروں اور تقریروں اور ملاقاتوں کے ذریعہ گورنمنٹ برما کو توجہ دلائی۔ ورنہ اب تک اس کی قبر کا نام ونشان بھی نہ ہوتا۔ کشمیری مسلمانوں اور عام مسلمانوں کی کوئی پولیٹیکل یا تعلیمی تحریک ایسی نہ تھی جس میں آپ نے حصہ نہ لیا ہو۔

اس وقت آپ کئی سال سے کو یانگ ڈچ کالونی میں رہتے ہیں۔ وہاں بھی اعلیٰ پیمانہ پر تجارتی کاروبار جاری کر رکھا ہے۔ وہیں شادی بھی کر لی ہے۔ جس سے ایک لڑکی یادگار ہے۔ آپ کی پہلی اہلیہ محترمہ سے جو کشمیر میں ہی رہتی ہیں دو فرزند ہیں۔ ایک محمد یحییٰ، دوسرا احمد اسحاق، دونوں کشمیر میں رہتے ہیں۔ لیکن کو یانگ جا کر اپنے والد محترم کے پاس بھی رہ چکے ہیں۔ دونوں بھائی اپنے نامور باپ کی طرح قومی واسلامی کاموں میں منہمک رہتے ہیں۔ بلکہ محمد یحییٰ تو سنت سجادیہ کے مطابق زندان خانہ کے مصائب بھی دیکھ چکا ہے اور اب دوسری مرتبہ پھر سری نگر کے سنٹرل جیل میں مقید ہے۔ کشمیر کی موجودہ سیاسی تحریک میں محمد یحییٰ ہمیشہ ایک سرفروش خادم

اسلام کی حیثیت سے شریک رہا ہے۔

اس خاندان کی پاس سری نگر میں بخط کوفی قرآن شریف کے سات سپارے موجود ہیں۔ جو امام جعفر صادق کے دست مبارک کے لکھے ہوئے بتائے جاتے ہیں۔اور چند اوراق امام باقر کے مکتوب کے ہیں۔ یہ قرآن شریف بسوہلی (قلمرو جموں) کے ایک خاندان سے اس خاندان میں منتقل ہوا ہے۔

☆☆☆

فصل ششم

کشمیر کی قدیم مسلمان راجپوت اقوام

دیباچہ

تواریخ ہائے کشمیر کو اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح سے کئی ہزار سال پیشتر اور قریباً ایک ہزار سال بعد تک کشمیر میں دو قوموں کا زور رہا ہے۔ ایک حکمران قوم جو راجپوت قبائل پر مشتمل تھی۔ دوسری قوم برہمن تھی جو فرمانرواؤں کی مشیر کار اور آبادی کا کثیر حصہ تھی۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ سے جس کو ۲۴ کلجگی یا حضرت مسیح سے قبل تین اور چار ہزار سال کا درمیانی عرصہ بتایا جاتا ہے۔ کشمیر کے کٹ راجوں * سے تنگ آ کر رعایائے کشمیر نے راجہ پورن ** کرن والئی جموں کو حکمرانئ کشمیر کی دعوت دی۔ راجہ نے اپنے فرزند اکبر دیا کرن کو فوج دے کر بھیجا اور اس نے فتح کشمیر کے بعد کشمیر ہی کو وطن بنالیا۔

دیا کرن کی اولاد نے جو سورج بنسی خاندان سے تھا۔ کشمیر میں دو مرتبہ حکومت کی ہے۔ ان کی مدت حکومت کو جس میں کہا جاتا ہے کہ باون راجے ہوئے ہیں۔ تاریخ راجپوتان پنجاب کا مصنف ایک ہزار سال بتاتا ہے۔ اور کشمیر کے مسلمان اور ہندو مؤرخ اس کو اس سے بہت کم عرصہ بتاتے ہیں۔ بہرحال اس بات کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ جموال راجپوتوں کے خاندان نے عرصہ دراز تک آج سے کئی ہزار سال قبل کشمیر میں حکومت کی ہے۔

ان کے بعد خاندان پانڈوؤں کی حکومت کشمیر میں ایک ہزار سال کے قریب رہی ہے یہ چندر بنسی خاندان کے راجگان تھے۔ ان کے بعد راجگان مالوہ نے بہ اوقات مختلف ڈیڑھ ہزار سال سے زیادہ عرصہ تک کشمیر میں حکومت کی ہے۔ راجگان اجین اور راجگان لوہر کوٹ یہ سب

---

* کٹ راجے ان جاگیرداروں کا عرف عام تھا جو گاؤں گاؤں کے سردار ہوا کرتے تھے۔

** یہ راجہ۔ راجہ جمبولو چنا بانئ جموں کا فرزند تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ولی عہد پورن کرن تھا۔ جو کشمیر چلا گیا۔ دوسرا فرزند دیا کرن تھا۔ جموں کی حکومت اس کو ملی۔ موجودہ مہاراجہ جموں و کشمیر ہز ہائی نس مہاراجہ سر ہری سنگھ اور پونچھ کے موجودہ حکمران راجہ جگت دیو سنگھ راجہ دیا کرن کی سوویں پشت میں ہیں۔

راجپوت راجے تھے۔ کشمیر کی تمام قدیم ہندو تاریخ میں جس کی مدت پانچ ہزار سال تک بتائی جاتی ہے۔ کشمیر کے آخری حکمران خاندان لوہر کوٹ کے سب سے آخری راجہ رام دیو نے ایک برہمن زادہ پچھمن دیو کو اپنا متبنیٰ بنا کر راجہ بنا دیا تھا۔ جس کی نسل میں قریباً پچاس سال تک حکومت رہنے کے بعد مسلمان کشمیر پر قابض ہو گئے۔ ان آخری تین راجگان کے سوا کشمیر میں کوئی برہمن راجہ نہیں گزرا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ برہمنوں کے مذہبی وسیاسی اقتدار کی بدولت کئی راجے تخت سے معزول ہوتے اور کئی تخت نشین ہوتے رہے۔

کشمیر کے آخری قدیم ہندو حکمران خاندان میں ایک راجہ ہرش گزرا ہے۔ راج ترنگنی میں اس کے مظالم اور اس کی اپنی بے رحمانہ موت کا تفصیل سے ذکر ہے۔ راجہ ہرش کے واقعہ قتل (۱۱۰۱ء) کا ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ راجہ کے قتل ہونے کے بعد اس کی رانیوں نے جو شاہی راجکماریاں تھیں۔ اپنے محلات کو آگ لگا دی اور اسی آگ میں اپنی چتا بنا کر بہادری و جوانمردی کے ساتھ ستی ہو گئیں۔ کلہن نے لکھا ہے کہ یہ اس عظیم شہرت و دلیری کا ایک ادنیٰ ثبوت ہے جو اس زمانہ میں کشمیر کے بے شمار کشتری قبیلوں میں موجود تھی۔ اور جو سب کے سب شاہی نسل سے ہونے کے مدعی تھے۔

کلہن پنڈت مصنف راج ترنگنی کے متذکرہ صدر ''بے شمار کشتری قبائل'' کے الفاظ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ کشمیر میں راجپوت قبیلے بہت بڑی تعداد میں موجود تھے اور وہ کسی نہ کسی حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

کشمیر کی وہ اقوام جن کی رگوں میں بقول سر والٹر لارنس و مصنف تاریخ حسن دیگر مصنفیں صدیوں تک جنگ جو خون جوش مارتا رہا ہے۔ انہی حکمران راجپوتوں کی ذریات سے ہیں جو مختلف عُرفوں اور ''الّو'' Nick Name کی وجہ سے آج مختلف ناموں سے موسوم ہیں۔ سر والٹر لارنس مصنف ویلی آف کشمیر اور مصنف تاریخ حسن شاہ کھوئی ہامی نے ان کی تعداد حسب ذیل بتائی ہے۔ (۱) ماگرے (۲) تانترے (۳) ڈار (۴) ڈانگر (۵) رینہ (۶) راتھر (۷) ٹھاکر (۸) نائک۔

راقم مؤلف نے بہت سی تواریخوں کا مطالعہ اور کشمیر کی ذاتوں اور گوتوں کی چھان بین کرنے کے بعد ان میں مندرجہ ذیل ذاتوں کا اور اضافہ کیا ہے۔ ''(۱) شہیری (۲) ٹھگ (۳)

پرے (۴) ککرو (۵) لون (٦) بھٹی (۷) پال

شہمیری خاندان دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک کشمیر کا حکمران رہا ہے۔ اور سب مؤرخ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ شاہ میر کے آباؤ اجداد جو پانڈو خاندان سے تھے۔ کسی وقت مسلمان ہو گئے تھے۔ ٹھگ قوم جو کشمیر اور بھدرواہ میں پھیلی ہوئی ہے اپنے آپ کو کوچینی کے راجپوتوں سے ظاہر کرتی ہے۔ لون اور پرے قوم کو رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں راجپوت تسلیم کیا گیا ہے۔ پال راجہ جیپال والئی لاہور کی ذریات سے ہیں۔ ان کا مفصل ذکر پال قوم کی تفصیلات میں ہے۔ ککرو قبیلہ کو سر والٹر لارنس اور دیگر مؤرخین کشمیر نے گکھڑ ظاہر کیا ہے۔ اور گکھڑ راجپوتوں کی ایک مشہور قوم ہے۔

اس لیے راقم مؤلف کے خیال میں آٹھ نہیں بلکہ کشمیر کی ۱۵ اقوام کشتری نسل سے ہیں اور اگر ڈار اور ڈانگر کو ایک ہی قوم تصور کیا جائے۔ جیسا کہ راقم مؤلف کے خیال میں وہ ایک ہی قوم ہے۔ تو کشتری نسل کی کل اقوام کی تعداد کشمیر میں ۱۴ رہ جاتی ہیں۔

راتھر یا راٹھور

کشمیر کی تاریخوں میں راتھر، راؤتھور، راتیور، راؤتھر کے نام سے جو لفظ درج ہے اس کی اصل ایک ہی ہے۔ اور یہ سب الفاظ دراصل لفظ راٹھور کے بگڑے ہوئے نام ہیں۔ راٹھور راجپوتوں کا ایک مشہور فرقہ ہے۔ جو پہلے ہندو ہی تھا۔ لیکن اب اس کا کثیر حصہ مسلمان ہے۔

سر والٹر لارنس نے اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں شیوخ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''راتھر بھی کشمیر کے ان شیوخ میں سے ہیں جو کھشتریوں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ چھتری کھتری اور کھشتری دراصل ایک ہی قوم کا نام ہے۔ اور ہندوؤں کے ممتاز اور جنگ جُو قوم راجپوت ہندوؤں کے اسی ورن سے نکلی ہے

راجپوت گوتوں کے متعلق ایک کتاب بنام راجپوت گوتیں چند سال ہوئے چھپی تھیں۔ اس کے صفحہ ۱۵ پر مرقوم ہے کہ ''جنجوعہ اور راٹھور ایک ہی خاندان سے ہیں۔ یہ قبیلے جادو بنسی راجپوتوں کی اولاد سے ہیں جو کرشن جی کی وفات کے بعد سلسلہ کوہستان نمک کی طرف چلے آئے

تھے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۹ پر لکھا ہے کہ ''راٹھوروں نے ایک مرتبہ بیکانیر کو فتح کر کے بھٹیوں کو فتح کر کے بھٹیوں کو پنجاب کے میدانوں کی طرف بھگا دیا تھا۔'' پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ پر درج ہے۔ راٹھوروں میں راجہ مل راٹھور بہت نامور راجہ گزرا ہے۔ اس نے ۹۸۰ء کے قریب جودھپور یا قنوج سے نقل مکانی کر کے جہلم کے قریب ملوٹ آباد کیا تھا۔ جوداجس کے نام پر قوم جنجوعہ ہے۔ اسی کا ایک بیٹا تھا۔ کسی زمانہ میں یہ قوم کوہستان نمک کے قریباً کل قطعہ پر قابض تھی۔ لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ گکھڑوں نے شمال سے اور اعوانوں نے مغرب سے آکران کو بے دخل کر دیا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۱ پر راٹھوروں کے متعلق درج ہے۔ ''یہ فرقہ ۳۶ نسلوں میں سے ایک ہے۔ سورج بنسی راجپوت ہے اس کا قدیم صدر مقام قنوج تھا۔ وہیں سے مارواڑ اور بیکانیر اور دیگر اطراف میں پھیلا۔''

کشمیر میں راٹھور قوم کے لوگ کب سے آباد ہیں۔ اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت بہم نہیں پہنچ سکی۔ وہ یقیناً ہندوراجگان قدیم کے زمانہ میں کشمیر میں موجود تھے۔ کشمیر میں اسلام کی آمد ۷۲۵ھ سے شروع ہوتی ہے۔ اور ۸۰۰ھ کے قریب ایک مسلمان راؤتھر * شیخ نصر کا نام تاریخ کشمیر میں ہماری نظر سے گزرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں دیگر اقوام ہنود کے ساتھ راٹھوروں نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔

مصنف تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) نے بھی راؤتھر کو راٹھور کا بگڑا ہوا نام بتایا ہے اور لکھا ہے۔ یہ لوگ راجپوت چھتری ہیں۔

---

* شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص اپنے بیٹے کو لایا اور التجا کی کہ اس کو کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ جو کھاتا ہے قے کر دیتا ہے۔ شیخ نے پوچھا کیا نام ہے۔ کہا نصر راؤتھر۔ (کشمیری زبان میں راؤتھر پہلوان اور شجاع کو بھی کہتے ہیں) شیخ نے کہا۔ پہلوان ہو تو پہلوانی کرو گے۔ عرض کیا۔ ''بوجہ پیرے توائم کرد۔'' شیخ نے کہا۔ اچھا آؤ اور خوب سیر ہو کر کھاؤ۔ چنانچہ نصر راؤتھر نے جو کچھ کھایا اور جس قدر کھایا سب ہضم کر لیا۔ نصر راؤتھر کے والدین نے آخر گھر جانے کی اجازت مانگی نصر نے اپنے والدین سے کہا تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ ''من طبیب خود یافتم واز خدمت مرشد گاہے جدا نشدم (از تذکرہ حضرات کشمیر معروف بہ روضۃ الابرار صفحہ ۳۳) چنانچہ جب تک شیخ زندہ رہے۔ نصر راؤتھر جو بابا نصر الدین کے نام سے شیخ کا خلیفہ اعظم بن چکا تھا۔ ان سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی انہی کے قدموں میں جگہ حاصل کی۔

تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۲۹۳ پر خواجہ حیدر راتیور کا ذکر ہے۔ لکھا ہے" ملا حبیب میر عدل (بزمانہ عالمگیر) کے شاگرد تھے۔ ہندوستان کے نامور علماء فضلاء سے بھی انہوں نے بہ دوران سیاحت ہند استفادہ کیا تھا۔ علامہ روزگار تھے۔" خواجہ حیدر کو راتھر کی بجائے اس تاریخ میں راتیور لکھا ہے۔ ۔ جو در حقیقت راٹھور ہی کا بگڑا ہوا تلفظ ہے۔

تاریخ حسن نے بھی اقوام شیخ یا طبقہ زمیندار ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔" ماگرے، ڈانگر، نائک، تانترے، ڈار، بٹ، لون، راتھر، ایں ہشت اقوام در عہد راجہا صاحب سیف وسنان جنگی و پہلوان از قوم کھتری بودند۔ چنانچہ تذکرۂ آں در تواریخ قدیم مشروح است۔ ودر عہد سلاطین کشمیر مسلمان شدہ لقب قدیمی بر قبیلہ آنہا بدستور موجود ماندہ است۔" ان الفاظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جو آج صرف زمیندار کہلا رہی ہے۔ ہندو راجگان قدیم کے زمانہ میں صاحبِ سیف وسنان بھی رہی ہے۔

جموں و کشمیر میں راتھروں کی تعداد ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں ۳۴۹۵۱ تھی۔ جن میں صوبہ جموں میں ۲۵۴۵ اور اضلاع سرحدی میں ۱۱۲۶ اور باقی ۳۱۲۸۰ خاص کشمیر میں تھے۔ بیس سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد ریاست میں ۳۹۷۲۵ ہے جن میں ۱۷۹۶۰ عورتیں اور ۲۱۷۶۵ مرد ہیں۔ گویا بیس سال میں اس قوم کے افراد میں ۴۷۷۴ نفوس کا اضافہ ہو گیا۔

کشمیر سے جن حالات میں مسلمانوں اور پنڈتوں کی دیگر اقوام پٹھانوں یا سکھوں کے زمانہ میں پنجاب یا دہلی و لکھنو میں آئیں۔ انہی حالات میں اس قوم کے لوگ بھی ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ اس قوم نے بھی کشمیر کی دیگر مہاجر اقوام کی طرح زمانہ کے ساتھ دینے میں نہایت دانش مندی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ حصول علم اور تجارت و ملازمت وغیرہ کی بدولت راؤ تھر یا راٹھور قوم کے لوگ معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ اور اپنی زندگی فارغ البالی سے بسر کر رہے ہیں۔ چند ایک خاندانوں کے حالات باب پنجم میں لکھے جائیں گے۔

کشمیر میں راؤ تھر قوم کی آبادی کا جزو اعظم دیہات میں ہے۔ اور وہ زراعت کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتا۔

ماگرے

بعض اقوام کی اصلیت پر ان کے عرفوں نے جو ذاتی یا صفاتی بنا پر ہوتے ہیں۔ اس قدر گہرا پردہ ڈال رکھا ہے کہ سعی و جستجو کے باوجود بھی اصلیت کا پتہ نہیں ملتا۔ ماگرے کے معانی و مطالب سے بھی آگاہی نہیں ہو سکی۔ البتہ تاریخوں سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ شاہ میر عرف سلطان شمس الدین کے زمانہ سے پہلے یعنی ہندو راجگان قدم کے عہد میں یہ نام موجود تھا۔ چنانچہ جب لون قبیلہ نے جو راجہ سہدیو کے خاندان کا حامی تھا۔ سلطان شمس الدین کی مخالفت شروع کی تو سلطان نے لون طبقہ کو مہمات سلطنت سے ہٹا کر ماگرے اور چک قوم کو اعلیٰ عہدے دینے شروع کر دیئے یہ ۱۳۴۳ء سے ۱۳۴۷ء تک کے درمیان زمانہ کا ذکر ہے یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر میں مسلمانوں کی تعداد ابھی چند صد سے زیادہ نہ تھی۔

ماگرے قوم میں سب سے پہلے لدے ماگرے نے جو ہندوؤں کے نامور رؤسا میں سے تھا۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے ہاتھ پر اہل و عیال کے ہمراہ اسلام قبول کیا۔ بلکہ جب حضرت امیر کبیر قیام کشمیر کے بعد مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو لدے ماگرے بھی جواب ملک لدے ماگرے ہو گیا تھا۔ پکھلی تک ہمراہ ہی رہا۔ وہیں حضرت امیر کبیر کا انتقال ہو گیا۔ انتقال سے قبل حضرت امیر نے آپ کو اپنا علم مبارک دے کر علمدار بنا دیا تھا۔ وہ علم مبارک اس وقت خانقاہ معلیٰ میں موجود ہے۔ لدے ماگرے کا مزار احمد پورہ بانگل میں ہے۔

ملک احمد ماگرے جس نے صغری سنی میں باپ کے ہمراہ ہی حضرت امیر کبیر کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا تھا۔ لدے ماگرے کا صاحب اقبال فرزند ہے۔ سلطان حسن شاہ نے اس کو اپنا مدار المہام بنایا۔ مسجد جامع کے جلنے کے بعد احمد ماگرے ہی نے اس کی مرمت و ترمیم میں حصہ لیا۔ مدفن اس کا بھی احمد پورہ بانگل میں ہے۔

اس خاندان میں ملک محمد حسین ماگرے، سید محمد پسر ابدال ماگرے، نوروز ماگرے، ابراہیم ماگرے، ملک لوہر ماگرے، ملک ابدال ماگرے بڑے نامور گزرے ہیں۔ سید محمد کی والدہ یعنی ابدال ماگرے کی عورت قبیلہ سادات سے تھا۔ جب میرزا حیدر ۹۰۷ھ میں شہید ہو گیا

تو سید محمد نے ہی جمعیت ماگریاں اور دیگر مردمان اہل سنت و جماعت کی مدد سے واقعہ شہادت سے پانچ دن کے بعد مرزا حیدر کی نعش کو مزار سلاطین میں دفن کیا اور اس کا مقبرہ محکم و سنگین * بنایا۔ ابدال ماگرے کے عروج و اقبال کی یہ ادنیٰ علامت ہے کہ اس کے فرزند سید محمد کی شادی نازی شاہ بادشاہ کشمیر کی خواہر سے ہوئی تھی۔ ملک محمد حسین ماجہانبانی و منصب داری کے باوجود معرفت الٰہی سے خالی نہ تھا۔ ۸۶۰ھ میں وفات پا گیا۔ محلہ کاٹھل ٹنکی پورہ میں اس کا مزار ہے سنگ تربت پر یہ دو بیت درج ہیں۔

جامیش کہ عقل آفریں مے زندش — صد بوسۂ مہر برجبیں مے زندش

آں کوزہ گر ازل چنان جامِ لطیف — میسا زدو باز بر زمیں مے زندش

ملک ابراہیم ماگرے بھی سلطان حسن شاہ ہی کے زمانہ میں رئیس و سردار وقت تھا مسجد جامع کا سقف و دیوار جو ابھی ناتمام تھا۔ ۹۰۹ھ میں اسی نے مکمل کرایا۔ چنانچہ جامع مسجد کے اشعار میں ذیل کا شعر ابراہیم ہی کے متعلق ہے۔

ولیکن از دو جانب نے ستوں آراست نے سقفش — زابراہیم احمد * ماگرے شد راست تا دانی

نوروز ماگرے رئیس شہر تھے۔ اور باوجود ریاست و امارت کے حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے کفش برداروں میں تھے۔

غرض یہ خاندان جو سلاطین کشمیر کے عہد میں وزارت و امارت کے لحاظ سے ممتاز رہا ہے۔ اور جس نے کشمیر کی سیاست پر دیر تک حکمرانی کی ہے۔ آج پراگندہ و منتشر ہو کر کشمیر کے دیہات وقصبات میں پھیلا ہوا ہے۔ اور زراعت و کاشتکاری پر گزارہ کر رہا ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست میں ان کی کل تعداد ۸۶۶۸ نفوس کی ہے۔ جس میں ۴۵۲۳ مرد اور ۴۱۴۵ عورتیں ہیں۔ کشمیر سے باہر بھی اضلاع جموں وصوبہ پنجاب میں اس قوم کے افراد پائے جاتے ہیں۔

---

* یہ مقبرہ بالکل مٹ چکا ہوتا۔ اس کا سنگ تعویذ اگر ولیم مورکرافٹ ۱۸۲۵ء میں نیا نصب نہ کراتا۔ جس پر مرزا حیدر کے حالات بھی فارسی میں درج ہیں۔ افسوس ہے وہ سنگ تعویذ بھی اب کئی جگہ سے شکستہ ہو گیا ہے۔ حروف بھی اچھی طرح نہیں پڑھے جاتے۔ مقبرہ کا تو کوئی وجود نہیں۔ البتہ شکستہ سنگِ تعویذ ابھی تک موجود ہے۔

** تاریخوں میں ملک احمد ماگرے اور ملک ابراہیم ماگرے دونوں کا نام مرمت مسجد کا سلسلہ میں درج ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں "زابراہیم احمد ماگرے" کی جگہ زابراہیم واحمد ماگرے درست ہوگا۔

تانترے

کشمیر کے کشمیری پنڈتوں کے خیال میں تانترے لفظ تانترک سے نکلا ہے۔ تانترک تنتر جاننے والے کو کہتے ہیں۔ تنتر۔ منتر اور جنتر تین لفظ مشہور ہیں منتر سے مراد درود وظیفہ لیتے ہیں۔ اور جنتر سے مراد تعویذ ہے منتر اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ جنتر بھی ہو اور کوئی عمل بھی ہو۔ کشمیری پنڈت اسی لحاظ سے تنتروں کو برہمن تصور کرتے ہیں۔

غالباً اسی بنا پر ۱۸۹۱ء کی مردم شماری ریاست جموں و کشمیر میں جن گیارہ ذاتوں کو صفحہ ۱۶۴، ۱۶۶ پر برہمن کاشتکار لکھا گیا ہے۔ ان میں ایک تانترے قوم بھی دکھائی گئی ہے۔ اس رپورٹ کی ان ۱۱ ذاتوں میں کچھ راجپوت ہیں۔ کچھ افغان ہیں۔ مگر سب کو برہمن ہی لکھ دیا گیا ہے۔

لیکن سر والٹر لارنس نے جو کشمیر میں عرصہ تک کمشنر بندوبست رہے ہیں اور جنہوں نے کشمیر کی ذاتوں اور گوتوں کے متعلق بھی تحقیقات کی ہے۔ اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں تانترے طبقہ کو کھشتری ظاہر کرتے اور اس کو انہی اقوام میں شمار کرتے ہیں۔ جو اپنی رگوں میں جنگجویانہ خون رکھتی ہیں۔

صاحب نے راج ترنگنی کے مختلف نوٹوں میں ویلی آف کشمیر کے مصنف کے نظریہ سے اختلاف تو نہیں کیا۔ البتہ یہ لکھا ہے کہ تانترے قبیلہ اور دوسرے مسلمان دیہاتوں کی شکل و شباہت اور رسم و رواج میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تانترے مسلمان دوسرے دیہاتی مسلمانوں کے ہاں آزادی سے شادی بیاہ کے تعلقات قائم کرسکتا ہے۔ صرف اس بات کا اطمینان کر لینا اس کے لیے ضروری ہے کہ لڑکی یا لڑکے کا خاندان زمیندار قبیلے سے تعلق رکھتا ہو۔

مصنف تاریخ حسن نے بھی کشمیر کے قبائل زمینداران کا ذکر کرتے ہوئے جن آٹھ قبیلوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک تانترے قوم بھی ہے۔ اور لکھتا ہے کہ "ایں ہشت اقوام در عہد راجہا صاحب سیف و سنان جنگی و پہلوان از قوم کھشتری بودند۔"

کشمیر میں لوہر خاندان نے قریباً ڈیڑھ سو سال تک جو حکومت کی ہے۔ اس میں لون۔ تانترے، ڈار، ماگرے، اور ڈانگر اقوام نے بڑا حصہ لیا ہے اور حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی جنگجو اور لڑاکا اقوام میں ممتاز درجہ رکھتی تھیں۔

تانترے کا اصل تلفظ زمانہ قدیم میں تنترن یا تنترین تھا۔ رانی سوگندھا کے عہد میں حکومت (۹۰۴ء تا ۹۰۶ء) کے عہد حکومت سے اس قوم کا عروج شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ کلہن اپنی تاریخ راج ترنگنی میں لکھتا ہے۔ جب راجہ گوپال ورمن (۹۰۲ء تا ۹۰۴ء) کے مرنے کے بعد تخت وارث سے خالی نظر آیا۔ تو تنتروں کی پیادہ فوج ہی کی مدد سے رانی سوگندھا دو سال تک حکمرانی کرتی رہی۔ اور جب تانتروں سے ذرا آزاد ہونے لگی۔ تو ۹۰۴ء میں انہی کے ہاتھوں معزول ہو کر قتل کر دی گئی۔

۱۰۱۱ء میں جب راجہ اوچل (اوچل) نے تانتروں کا زور توڑنے کے لیے ان کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو موقوف کر دیا۔ تو تانتروں نے راجہ کے خلاف ایسی زبردست سازش کی کہ آخر وہ بعمر ۴۱ سال ۱۱۰۱ء ہی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس راجہ کے بعد ایسی طوائف الملوکی شروع ہوئی کہ ایک دن اور ایک رات کے عرصہ میں چار پہر کے اندر تین راجے کشمیر کے تخت پر بیٹھے۔ شام کو راجہ اوچل صبح کو راجہ رڈ عرف سنکھراج اور دوپہر کو راجہ سلہن کشمیر کا حکمران تھا۔ گرگ چندر ڈامر اس زمانہ میں بادشاہ گر تھا۔ اور گو اس کی اپنی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ لیکن تانترے ہمیشہ اس کی پشت و پناہ بنے رہے۔

راجہ سسل کے عہد اول (۱۱۱۲ء سے ۱۱۲۰ء) میں گرگ چندر کی فوج کے بڑے بڑے تانترے جرنیل بادشاہی افواج کا مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ جب سسل کشمیر سے بھاگ کر لوہر (پونچھ کی طرف) چلا گیا ہے۔ تو وزراء، امراء، افواج اور جاگیرداروالیان ریاست نے آئندہ حکمران کے لیے تانترے قوم کے سرکردہ رہنماؤں ہی سے مشورہ کیا تھا۔

تانتروں کی فوج کا کشمیر میں وہی رویہ تھا۔ جو پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات (۱۸۳۹ء) کے بعد سکھ افواج نے روا رکھا تھا۔ یعنی خالصہ فوجیں جس راجہ وزیر کی مدد پر آمادہ ہو جاتی تھیں وہی کامیاب رہتا تھا۔ یہ خودسری تانتروں میں بھی تھی۔

بہر حال تانترے کشمیر کی وہ قوم ہے جو ہندو عہد قدیم میں برسوں تک سیاسی اہمیت کی

مالک رہی ہے۔اور جو بقول سر والٹر لارنس و مصنف تاریخ حسن خالص جنگجو قوم تھی۔اور جو غیر ملکی حکمرانوں کی محکوم کش حکمت عملیوں کی بدولت اپنے قومی اور ذاتی امتیاز مٹا کر آج کل صرف زراعت پر گزارہ کررہی ہے۔

۱۸۹۱ء میں اس قوم کی تعداد ۵۴۷۸ تھی۔۱۹۱۱ء میں ۸۰۵۶ اور اب ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کی مطابق ۱۲۲۵۳ ہے۔جس میں ۶۱۵۸ مرد اور ۶۰۹۵ عورتیں ہیں۔

ٹھگ

قلمرو جموں کے ضلع اودھم پور میں چنینی *ایک جاگیر ہے۔جس کے راجگان چندربنسی خاندان سے ہیں۔اس جاگیر میں دس ہزار کی آبادی ہے۔نو ہزار ہندو اور ایک ہزر مسلمان۔ ہندوؤں میں زیادہ تعداد چندربنسی راجپوتوں ہی کی ہے۔

ٹھگ قوم کے افراد کا بیان ہے کہ ہم بھی چندربنسی راجپوتوں کی اولاد ہیں۔ٹھگ نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ بڈشاہ کے زمانہ میں چنینی کا ایک ہندو راجپوت بادشاہ کے انصاف وقدردانیوں کی شہرت سن کر کشمیر گیا۔ابھی راستہ ہی میں تھا کہ ایک مسلمان درویش کامل کی صحبت چند روزہ سے مسلمان ہوگیا۔درویش نے دینی فتوحات کے ساتھ دنیاوی ترقیوں کی خوشخبری بھی سنائی۔چنانچہ بادشاہ نے اس کی شجاعت و جسامت دیکھ کر فوج میں اس کو ایک ممتاز عہدہ دیا۔اسی دوران میں اس نومسلم راجپوت نے کشمیر میں شادی بھی کرلی تھی۔اس سے اولاد بھی تھی۔لیکن اس قدر کنبہ کی موجودگی کے باوجود اس نے بادشاہ کی ملازمت ترک کر کے عبادت و ریاضت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

بادشاہ نے از راہ قدردانی کہا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔نومسلم نے جواب دیا۔مصلیٰ بچھانے اور نماز پڑھنے کے لیے تھوڑی سی جگہ؟ بیوی اپنے خاوند کی یہ سادگی دیکھ کر تلملائی۔اس نے بادشاہ کو ایک لمبی چوڑی درخواست میں خاوند کے استعفیٰ،اپنی ضروریات اولاد کی پرورش اور

* یہ جاگیر ۱۳ میل لمبی ۱۴ میل چوڑی ہے۔آمدنی سالانہ جنگلات سمیت ۲۵ ہزار کے قریب ہے۔جموں سے براستہ بانہال کشمیر کو جاتے ہوئے اودھم پور اور کد کے درمیان دائیں طرف واقعہ ہے۔

خاوند کی خدمات کا حوالہ دیا۔ بادشاہ نے متبسم ہو کر فرمایا، یہ شخص بڑا ٹھگ نکلا۔ آپ تو خاموش ہے۔ اور اپنی بیوی سے درخواست بھجوا رہا ہے۔ آخر حکم دیا کہ جس گاؤں میں وہ مقیم ہے وہی ان کی جاگیر سمجھا جائے۔ یہ تو سینہ بہ سینہ روایت کا خلاصہ ہے۔ لیکن اسی روایت سے ملتا جلتا کشمیر کی تاریخوں میں ایک بزرگ شیخ ابراہیم کا ذکر آتا ہے۔ جو ٹھگ بابا کے نام سے مشہور تھے۔ وہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ۱۰۹۰ھ تک زندہ تھے۔ ۱۰۹۱ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کی اور ان کے مرشد ملا طیب بدخشانی کی زیارت علاقہ نوکدل میں برلب دریا وائل کدل کے پاس واقع ہے۔

ان کے مرشد نے ایک دفعہ اپنے ایک مرید سے فرمایا کہ تم فلاں مسجد میں آنا بعد ادائے نماز عصر تمہاری طرف خاص توجہ کروں گا۔ شیخ ابراہیم نے ایک گوشہ سے یہ الفاظ سن لیے۔ وہ دوسرے مرید سے پیشتر ہی اس موعودہ مسجد میں پہنچ گئے اور اپنے آپ کو ایک بوریے میں لپیٹ کر ایک گوشہ میں پڑ رہے۔ وقت موعودہ پر حضرت اخوند ملا طیب اور ان کے مرید مسجد میں آ گئے۔ ملا طیب نے کامل توجہ کے ساتھ اپنے مرید میں روحانیت کا پرتو ڈالنا چاہا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ دوسری دفعہ بھی یہی حال ہوا۔ تیسری دفعہ آپ نے اس کمال جوش کے ساتھ توجہ شروع کی کہ دہن مبارک سے نور کے شعلے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ لیکن بقول صاحب تاریخ کبیر کشمیر "درد ے چیز ے اثر نہ شد"۔ ملا طیب نے یہ بے اثری دیکھ کر مسجد میں اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ آخر ایک بوریا سے شیخ ابراہیم کو نکالا۔ اور "از روئے عتاب فرمودند کہ اے ٹھگ بازی کردی و فیض معنوئی ما بہ یک حملہ بُردی"۔ لکھا ہے کہ شیخ ابراہیم اسی وقت ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ آداب شریعہ ہاتھ سے جاتے رہے۔ مبہوت و مسکوت ہو کر دریا کے کنارے بیٹھے رہتے تھے۔ نو سال تک اسی حال میں رہے۔ آخر بابا عبداللہ پانپوری کی توجہ سے ہوش میں آئے۔ لیکن ان کا نام اس عرصہ میں ہر مرد و زن اور کوچہ و بازار تک شیخ ابراہیم کی بجائے ٹھگ بابا مشہور ہو چکا تھا۔

ان دونوں روایتوں میں ایک فرق یہ ہے کہ پہلی روایت بڈ شاہ کے زمانہ کی ہے دوسری عالمگیر کے عہد کی۔ اور دونوں بادشاہوں کے سنہ ہائے وفات اگر لیے جائیں تو ان کے درمیان عرصہ کی مدت سوا دو سو سال ہوتی ہے۔ دوسرا فرق ان روائیوں میں یہ ہے کہ ایک کا نام ٹھگ کسی اور وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرے کا کسی اور واقعہ کے باعث۔ اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ ٹھگ بابا جو شیوخ کشمیر سے تھے۔ ہندوؤں کی شاخ راجپوت سے مسلمان ہوئے تھے۔ یا پنڈت تھے۔ یا

کسی اور قبیلہ سے تھے۔

تاریخ کبیر کشمیر میں تذکرہ ریشیاں کے سلسلہ میں صفحہ ۱۳۵ پر ٹھگ قوم کے دو اور افراد کا نام آتا ہے۔ یہ دونوں رشی تھے۔ ایک کا نام لالہ ریشی عرف ٹھگ ہے۔ دوسرا اسی کا بھائی ریبہ ریشی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ یہ اپنے بھائی لالہ ریشی ٹھگ کی وفات کے بعد (موضع کہنہ موہ پرگنہ اولر) سے اپنے دو مریدوں خواجہ علی سود و خواجہ محمد سو کی تحریک سے سری نگر میں آ گیا۔ اور چچہ بل (چھتہ بل) میں اس نے سکونت اختیار کی اور وہیں دفن ہوا۔ افسوس ہے ان دونوں ٹھگ برادران کے ذکر میں صاحب تاریخ نے کسی سن کا ذکر نہیں کیا۔

چونکہ ٹھگ قوم اپنی قدیمی روایات کی بنیاد پر راجپوت ہونے کی مدعی ہے اور اس کا یہ بھی بیان ہے کہ عالمگیر کے بعد کمال ٹھگ اور ریشو ٹھگ دو بھائی کشمیر سے بھدر وہ کے علاقہ میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بڈشاہ کے زمانہ کے ٹھگ کے واقعہ کو غلط بھی سمجھا جائے تو عالمگیر عہد میں جو ٹھگ بابا ہوا ہے ممکن ہے کمال ٹھگ اور ریشو ٹھگ اسی کی اولاد سے ہوں۔ اور چونکہ قوم کی قوم اپنے آپ کو راجپوت سمجھتی ہے۔ اس لیے کیا تعجب ہے اگر شیخ ابراہیم کے بزرگ چھینی ہی سے کشمیر آئے ہوں۔ اور راجپوت ہی ہوں۔

بہر حال ٹھگ قوم جس کی تعداد تین چار ہزار کے قریب ہے۔ اس وقت بھدر روہ کشتواڑ، سری نگر، اسلام آباد، پاڈر، راجوری وغیرہ مقامات میں پائی جاتی ہے۔

بھدرواہ کی جامع مسجد جس کو ۱۹۲۸ء کے سیلاب نے منہدم کر دیا ہے۔ کمال ٹھگ ہی کی ذریات سے اسماعیل ٹھگ نے تعمیر کرائی تھی۔ عبدالصمد جس نے اس وقت کشمیر پرتاپ کالج سے بی۔اے کا امتحان دیا ہے۔ اسماعیل جو ٹھگ کا پوتا اور احمد جو کا فرزند ہے۔

بھدرواہ کے ٹھگ خاندان کی یہی ایک شاخ ہے جس نے تعلق مناکحت بھدرواہ سے باہر کیا ہے۔ چنانچہ عبدالصمد کی ہمشیرہ منشی محمد الدین بٹ جموں کے ساتھ بیاہی گئی ہیں

بھدرواہ پاڈر کشتواڑ راجوری وغیرہ میں ٹھگ قوم کا پیشہ زراعت و کاشتکاری ہے۔

☆☆☆

پَرے

جموں و کشمیر میں رائے بہادر پنڈت بھاگ رام مشہور ممبر کونسل گزرے ہیں۔ وہ پنجابی تھے۔ اور جالندھر کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۹۱ء میں جب پہلی بار کشمیر میں مردم شماری ہوئی اس کی رپورٹ انہی کے اہتمام و حکم سے چھپی تھی۔ کیونکہ مشیر مال ہونے کی حیثیت سے مردم شماری کے اعلیٰ افسر بھی وہی تھے۔

رائے بہادر اپنی مرتبہ رپورٹ مردم شماری میں کئی مقامات پر پرے، گوت کا جو اکثر دیگر مسلمان اقوام کی طرح پہلے ہندو ہی تھی۔ ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۱۳۱ پر لون کو راجپوتوں کی شاخ ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''پرے ذات بھی راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔'' صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے۔ ''پرے ذات بھی دیگر ذاتوں لون واشائی وغیرہ کی طرح زراعت پیشہ اور ملٹری قابلیت رکھنے والی ہے۔'' صفحہ ۱۴۸ پر پھر کشمیر کی ذات لون کا ذکر کرتے ہوئے رقم فرمایا ہے۔ کہ ''پرے اور لون کشمیر کی مسلمان قوموں میں جو پہلے راجپوت تھے۔''

الفاظ متذکرہ صدر سے معلوم ہوتا ہے کہ پرے قوم جو پہلے ہندو تھی۔ راجپوت طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور زمانہ قدیم میں زراعتی کاروبار کے علاوہ فوجی ملازمت بھی کیا کرتی تھی۔ اور ہر چند کہ اب یہ قوم بھی کشمیر کی دیگر اقوام کی طرح مسلسل غیر ملکی حکومتوں کی تنگ نظریوں کی وجہ سے جنگی ملازمت کے قابل نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن کیا یہ اس قوم کی فطری سپاہیانہ سپرٹ کی ادنیٰ دلیل نہیں ہے کہ عالمگیر جنگ یورپ کے ایام میں جب کہ ہم نے بچشم خود اکثر پنجابیوں کی فوجی بھرتی میں جاتے ہوئے ریلوے سٹیشنوں پر روتے اور دھاڑیں مارتے دیکھا ہے۔ کشمیر سے پرے قوم کا ایک فرزند کشمیر کے ایک فوجی دستہ کے ہمراہ میڈیکل افسر ہو کر بغداد اور بصرہ اور ایسٹ افریقہ کی لڑائیوں میں شامل رہا*۔ آج مادر کشمیر کا وہی نامور فرزند میجر عبدالقادر کے نام سے موسوم ہے۔ اور محکمہ جنگی میں نہایت عزت و وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ اس ملک کی فوجی سپرٹ کا حال ہے جس کی ہر قوم کے لیے وہ ہندو ہے۔ یا مسلمان چار سو سال سے کشمیر کی ہر

* افسوس ہے ڈاکٹر میجر عبدالقادر جن کا وطن کشمیر میں سوپور تھا کچھ عرصہ کے علالت کے بعد بمقام جموں ۱۹۳۲ء میں انتقال فرما گئے۔

غیر ملکی حکومت نے فوجی ملازمت کا دروازہ بند کر رکھا ہے۔

میجر عبدالقادر کے چھوٹے بھائی منشی محمد اسماعیل سوپوری نے ۱۶،۱۵،۱۹۱۴ء کے ایام میں فوجی رنگروٹوں کی بھرتی میں نمایاں مدد دی۔ حکومت نے بھی حوصلہ افزائی کر کے نائب تحصیل دار بنا دیا۔ چنانچہ اس وقت آپ بڈگام میں تعینات ہیں۔

شیخ عبدالقادر کے فرزند مسٹر عبدالرشید بی۔اے محکمہ کسٹم میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں۔ یہ قوم زراعت پیشہ ہے اور شمالی کشمیر کی تحصیلات بارہ مولا و ہندواڑہ میں پائی جاتی ہے۔

پرے قوم کی کل تعداد کشمیر میں ۱۵۴۹۷ ہے۔ جس میں ۸۳۱۷ مرد اور ۷۱۸۰ عورتیں ہیں۔

پرے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ پرے ہست پورہ یا پرسپورہ میں عموماً قدیم راجپوتوں ہی کی آبادی تھی۔ جب وہ لوگ مختلف وجوہات سے اپنے گاؤں سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر منتشر ہوئے تو اپنے گاؤں کے نام پر پرے ہی کہلائے۔ کشمیر میں دیہاتوں کے نام پر بھی کئی قبیلے اور طبقے مشہور ہیں جیسے ہاکسر، ہکچر پورہ سے کاکا پور سے کاکا پوری، سوپور سے سوپوری، اسی طرح مرازی، کمرازی، ترسل، کلم، بانہالی، دیدہ مری وغیرہ۔

رینہ

راجہ میگھ چند ملک کانگڑہ کا ایک نامور راجہ گزرا ہے۔ اس کے چار فرزند تھے۔ راجہ ہری چند راجہ کرم چند *۔ راجہ پرتاب چند **۔ راجہ پراگ چند۔ راجہ ہری چند نے ایک قصبہ ہری پورا اپنے نام پر آباد کر کے خاندان ہری پور گلیر یہ کی بنیاد ڈالی اور ایک چھوٹی سی ریاست علیحدہ قائم کر لی۔ راجہ سوبرن چند جس کو سیوان چند بھی کہتے ہیں اور جس کو مورخین کشمیر نے سوپرم چند لکھا ہے اسی راجہ کا بڑا پوتا تھا۔ اس راجہ کے بھی چار بیٹے تھے۔ اس زمانہ میں نور پور کا راجہ طاقتور ہو رہا

---

* راجہ کرم چند کی اولاد سے لمبہ گراؤن کانگڑہ کے راجہ لیفٹیننٹ کرنل راجہ جے چند والئی حال ۲۴ ویں پشت میں ہیں۔

** ضلع میر پور علاقہ جموں کے چِب خاندان اسی راجہ کے لڑکے چِب چند کی اولاد سے ہیں جن کے نام پر میر پور و بھمبر کا بہت بڑا حصہ علاقہ چبھال کے نام سے موسوم ہے۔ جموں کے موجودہ گورنر خانصاحب راجہ محمد افضل خاں اور ضلع میر پور کے نامی جاگیردار راجہ مومن علی خان چِب راجپوت ہی ہیں۔

تھا۔ اس نے یکے بعد دیگرے سو پرم چند کے بیٹوں بلبندر چند اور بلدیو چند عرف مولچند پر حملے کیے۔ بلبندر چند تو لڑائی میں کام آ گیا۔ اور مولچند جان بچا کر کشمیر چلا آ گیا۔

اس زمانہ میں کشمیر پر راجہ جے سنگھ حکمران تھا اور وہ راجہ سو پرم چند کا ہمشیر زادہ اور رشتہ میں مولچند کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ راجہ جے سنگھ نے اپنے ماموں کے لڑکے مولچند کو سپہ سالاری کا عہدہ دے دیا۔

تاریخ خواجہ اعظمی میں بھی مولچند کے کشمیر آنے کا قصہ درج ہے لکھا ہے کہ وہ چندر بنسی خاندان کے راجاؤں میں تھا۔ اپنے باپ وشرم چند (یعنی سو پرم چندر) کے بعد مغلوب ہو کر راجہ جے سنگھ کے پاس جس سے اس کی سابقہ راہ و رسم بھی تھی چلا آیا۔ جے سنگھ نے اس کو علاقہ لار میں جاگیر دے کر سپہ سالاری کا عہدہ عطا کیا۔ اسی تاریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ کشمیر آیا تو اہل و عیال سمیت اس کے ساتھ پانچ سو سوار بھی تھے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ وہ سب راجپوت تھے۔

راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں جب چنگیز خاں نے پنجاب پر حملہ کرنے کے لیے دریائے اٹک کے کنارے اپنے ڈیرے ڈالے ہیں تو یہی رانا مولچند سپہ سالار کشمیر تھا۔ جس نے بڑی حکمت عملی سے جس کا کشمیر کی تواریخوں میں تفصیل سے ذکر ہے اس کو صلح کر کے واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مولچند کا خاندان کشمیر میں ہمیشہ با اقتدار رہا ہے۔ چنانچہ راجہ راج دیو (۱۲۱۸ء لغایت ۱۲۴۲ء) نے اس کے بیٹے چندیا گگ چند یا کہکہ چند کو اس کا باپ کے منصب سپہ سالاری عطا کیا۔ گگ چندر کا بیٹا بلاد چندر راجہ راج دیو کے بعد راجہ سنگرام دیو کے عہد میں سپہ سالار تھا۔ اس کے مرنے کے بعد راجہ سنگرام دیو نے بلاد چندر کے بیٹے اور اپنے ہمنام سنگرام کو اپنا سپہ سالار بنا دیا۔

راجہ سنگرام کے بعد جب اس کا فرزند سہم دیو راجہ ہوا۔ تو سنگرام چندر امورات سلطنت سے کنارہ کش ہو کر اپنی جاگیر میں چلا گیا۔ رام چندر اسی کا بیٹا تھا۔ جس کو سہم دیو کے بیٹے راجہ سہدیو (۱۳۳۴ء لغایت ۱۳۶۳ء) نے جاگیر سے بلوا کر از سر نو سپہ سالاری کا عہدہ دیا۔

جب تبتی شاہزادہ رینچن جو بعد میں ملک صدر الدین کے نام سے کشمیر کا بادشاہ ہوا ہے اپنے چچا کے خوف سے کشمیر بھاگ آیا۔ تو سب سے پہلے وہ رام چندر ہی کے پاس آیا تھا۔ جس

نے اس کو اپنی جاگیر علاقہ لار میں پناہ دی تھی۔ اور بعد میں اسی کی سفارش سے راجہ سہدیو نے رنچن کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا تھا۔

ذوالقدر خاں عرف ذاولچو کا حملہ اسی زمانہ میں ہوا ہے۔ رنچن کا جب اقتدار بہت بڑھ گیا۔ اور ملک کی ایک کثیر جماعت اس کی طرف دار ہوگئی تو اس نے رام چندر کو قتل کر کے اس کے بیٹے راون چندر اور اس کے اہل وعیال کو گرفتار کر لیا اور خود کشمیر کا بادشاہ بن کر رام چندر کی لڑکی کوتہ رانی سے عقد کر کے اس کے بھائی راون چندر کو پرگنہ لار کے علاوہ تبت (سکردو ولداخ) بھی بطور جاگیر عطا کر دیئے۔ اور اس کو اپنے لشکر کا سردار بھی بنایا تاکہ اس کے دل سے پدر کشی کا خیال دور ہو جائے۔

اسی زمانہ (۵۲۵ھ) میں حضرت بابا بُلبُل شاہ کشمیر آئے۔ اور رنچن اور کوٹہ رانی اور راون چندر اور ان کے اعزہ واقربا نے اسلام قبول کر لیا۔

رینہ لفظ کا تعلق اس خاندان کے ساتھ کیا ہے؟ اس کے متعلق بعض کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں سپہ سالاری یا مدار المہامی کے عہد کا نام ہی رینہ تھا۔ چونکہ یہ عہدہ کئی پشتوں تک اسی خاندان میں رہا تھا۔ اس لیے ان کی اولاد کا نام ہی رینہ ہو گیا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ کانگڑہ وشملہ کے اضلاع میں اب بھی جو ریاستیں ہیں ان کو راجہ اور رانا کہتے ہیں۔ چنانچہ جھالا واڑ۔ اودے پور وغیرہ کی ریاستوں کے فرمانروا مہارانا کہلاتے ہیں۔ راجہ سو پرم چند کی اولاد بھی چونکہ شاہی نسل سے تھی اس لیے ممکن ہے جب مولچند کی ذریات میں اکثریت ہوگئی ہو تو وہ رانا ہی کہلاتی ہو۔ اور رانا سے رینہ ہو جانا چنداں تعجب انگیز نہیں ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے ان کی بود وباش شہر کے محلّہ رینہ داری میں رہی ہو۔ جو راجہ رینادت کے نام پر آباد ہے۔ وہاں سے جس طرح اور اقوام منتقل ہو کر بعض اور مقامات پر جا کر رینہ کہلائیں۔ اسی طرح اس خاندان کے افراد بھی رینہ کے نام سے موسوم ہو گئے۔ لیکن صرف اول الذکر دو وجوہات ہی قابل تصدیق معلوم ہوتی ہیں۔

قبول اسلام کے بعد بھی مولچند اور اس کے بیٹے راون چند کی اولاد نے بڑے بڑے نامور فرزند پیدا کیے ہیں۔

تاریخ میں سب سے پہلے رینہ کا لفظ راون چند کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ چنانچہ تاریخ

کبیر کشمیر میں (صفحہ ۱۴۵) پر جہانگیر رینہ کے ذکر میں لکھا ہے ''ملک جہانگیر رینہ بن ہلمت رینہ بنیرۂ راون رینہ از احفاد راجہ ہائے چندر بنسی بود''۔ جہانگیر رینہ سلطان حسن شاہ والئ کشمیر کی طرف سے ملک کا خطاب ملنے کی وجہ سے ملک جہانگیر رینہ کہلاتا تھا۔ صاحب سیاست و اقتدار رئیس گزرا ہے۔

جہانگیر رینہ کے دو اور بھائی بھی تھے ملک کز رینہ ملک جوگی رینہ۔ اول الذکر کا مزار بنڈ پورہ میں ہے اور دوسرے کا مزار کھوئی ہامہ کے علاقہ میں ہے۔

ملک احمد ایتو جو حضرت بابا اسماعیل کے مرید تھے۔ بقول صاحب تاریخ اعظمی سنجر * رینہ کی اولاد سے تھے۔ پہلے بڈ شاہ کے فرزند سلطان حیدر کے وزیر رہے پھر سلطان حسن شاہ نے بھی مدار المہام بنایا لیکن سلطان کے سپہ سالار تازی بٹ اور ملک احمد ایتو کی باہمی مخالفت جب ملک کی بدامنی کا باعث ہونے لگی۔ تو سلطان نے دونوں کو محبوس کر دیا۔ ملک احمد رینہ جو ملک احمد ایتو کے نام سے بھی مشہور ہے۔ قید شاہی میں ۱۵ شعبان ۸۸۷ھ کو ہی انتقال کر گئے۔ آپ نے اپنا مقبرہ اپنی زندگی میں محلّہ دیدہ میر میں بنوا رکھا تھا۔ وہیں دفن ہوئے۔ قبر پر یہ شعر بھی درج ہے۔

زیں جہاں رفتیم و دل برداشتیم	با جہاں داراں جہاں گذا ہشتم
ایمنے جستیم از دست اجل	اے دریغا ما غلط پنداشتیم

سلطان محمد شاہ نے قسمت کے ہیر پھیر سے کشمیر میں چار مرتبہ حکومت کی۔ اس کے مدار المہاموں میں کاجی چک اور غازی چک کے علاوہ رینہ خاندان کے ایک نامور و ممتاز شخص موسیٰ رینہ بھی تھے۔

ملک جہانگیر رینہ کے فرزند زیتی رینہ اور ان کے فرزند ملک عثمان رینہ تھے۔ جو حضرت محبوب العالم شیخ حمزہ کاشمیری اور بابا علی رینہ کے والد بزرگوار تھے۔ عثمان رینہ شیخ بابا اسماعیل جو شیخ فتح اللہ خوشخو اس کے خلف وخلیفہ تھے کے مرید تھے۔ جب چک بادشاہوں کے زمانہ میں شیعہ اصحاب نے ان کو تکالیف پہنچانی شروع کیں تو یہ شہر سے ہجرت کر کے موضع تجر علاقہ زینہ گیر میں چلے گئے۔ جو ان کی جاگیر میں تھا۔ جب تک زندہ رہے اسی موضع کی آمدنی پر گزارہ کرتے رہے۔ آپ کا مزار بھی تجر ہی میں ہے۔ شیخ العالم شیخ حمزہ تمام عمر حالت تجرد ہی میں رہے۔ ان کے بھائی

* سنجر رینہ راون چندر رینہ کی اولاد میں سے کوئی بزرگ ہوں گے۔

بابا علی رینہ صاحب اولاد تھے تین مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہو چکے تھے۔ایک مرتبہ جب صاحب علم وفضل ہوکر بارہ برس کے بعد کشمیر میں آئے۔تو سلطان العارفین حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے میر حیدر لاری اور خواجہ اسحاق قاری وغیرہ مشائخ کے ہمراہ ہیرہ پور تک استقبال کیا تذکرہ العارفین جس میں حضرت مخدوم صاحب کے حالات ہیں۔آپ ہی کی تصنیف ہے۔آپ کا مزار بھی تبجر میں ہے۔حضرت مخدوم صاحب کا مزار سری نگر میں مرجع خلائق ہے۔

مہدی ملک جو بابا علی رینہ کے ہمراہ ایک مرتبہ زیارت بیت اللہ کو بھی گئے علی رینہ کی عم زاد بھائی تھے۔اور دولت ملک آپ کے خالوزاد بھائی تھے۔اس خاندان میں ملک کا لقب دیر تک جاری رہا ہے۔بابا علی رینہ کے فرزند کا نام بابا ابوالحسن مخدومی ہے۔رینہ قوم کی تعداد کشمیر میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق جموں (۱۳۶) وفرنٹیر (۴) سمیت ۳۲۶۴ تھی۔بیس سال کے بعد یعنی ۱۹۳۱ء میں اس قوم میں ۶۰۹ نفوس کا اضافہ ہوکر اب کل تعداد ریاست میں ۳۸۷۳ افراد کی ہے جس میں ۲۱۱۱ مرد اور ۱۷۶۲ عورتیں ہیں۔جو لوگ حضرت مخدوم صاحب کے بھائی بابا علی رینہ کی اولاد سے ہیں۔وہ اب مخدومی کہلاتے ہیں۔اور ان کی رہائش بالعموم ہری پربت کی دامن ہی میں ہے۔ان کے چند قبائل پنجاب میں بھی آباد ہیں۔ان کا ذکر باب پنجم میں درج ہوگا۔

کھٹان

مہاراجہ گلاب سنگھ فرمانروائے جموں وکشمیر کو صوبہ جموں کے پہاڑی اور بہادر جنگ جو قبائل پر ہمیشہ ناز رہا ہے۔اور ان لوگوں نے بھی ہر نازک موقعہ پر اپنے آقا کا پورا ساتھ دیا ہے۔

ان قبائل میں یا تو افغان اقوام شامل تھیں۔یا ہندو اور مسلمان راجپوت تھے اور مسلمان راجپوتوں میں ضلع میرپور کے چب راجپوت سب سے زیادہ تھے۔

جب وزیر زور آور سنگھ سپہ سالار افواج ڈوگرہ فاتح لداخ کا رزار لاسہ میں فتح پائی ہے۔تو اس لڑائی میں جہاں اور صدہا فوجی سپاہی کام آئے تھے۔وہاں چب قوم کی ایک شاخ کے ایک بزرگ اور ان کے چند تعلق دار بھی نذر اجل ہو گئے تھے۔اس شاخ یا اس خاندان کا عرف کھٹان تھا۔جس کی وجہ تسمیہ اب تک معلوم نہیں ہوسکی۔یہ خاندان خالص فوجی خاندان

تھا۔ جب اس خاندان کا معرکۂ لداخ میں خاتمہ ہوا ہے۔ تو اس کے باقیات الصالحات !
صرف اپنے وطن میں ایک جوان زندہ تھا جس کا نام شیر علی خاں تھا۔ مہاراجہ کو اس خاندان
خدمات کا جب علم ہوا تو شیر علی کو جو سارے خاندان کا ایک ہی روشن چراغ تھا۔ بلایا اور اس
اصطبل خانہ کا افسر بنا دیا۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کشمیر آئے۔ تو شیر علی خان بھی ہمراہ تھا۔ اس نے کشمیر
میں مستقل طور پر رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ مہاراجہ نے اس کی خاندانی خدمات کے لحاظ
تحصیل ناگام (موجودہ تحصیل بڈگام) میں اس کو چار سوا یکڑ رقبہ عطا فرمایا۔ شیر علی خاں کا صر
ایک ہی بیٹا تھا، میر علی خاں نام۔ چونکہ اب ان کی برادری یہیں کے لوگ تھے۔ اس لیے میر
خاں کی شادی ایک معزز کشمیری خاندان کے لڑکی سے یہیں کر دی گئی۔

اس شادی کے بعد اس خاندان میں ایک تمدنی انقلاب آتا ہے۔ نہ وہ زبان رہتی
نہ وہ لباس رہتا ہے۔ کشمیریت غالب اور دوگریت مغلوب ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ج
اس خاندان کا موجودہ ہیرو غلام محی الدین خاں پیدا ہوتا ہے۔ تو کشمیری ماں کی آغوش میں
پرورش پاتا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ غلام محی الدین خاں میں جو اس خاندان کا سب سے
بزرگ ہے۔ اور موضع یگہ بوگ تحصیل بڈگام میں سکونت پذیر ہے۔ اور دوسرے کشا
میں لباس زبان رسم ورواج طرز معاشرت کسی بات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اس کے دادا شیر علی خاں کی اراضی سات گاؤں میں موجود ہے۔ وہ ایک سالم گاؤ
چک شیرا کا جو اس کے دادا کا آباد کردہ ہے۔ واحد مالک ہے۔ اور وہاں نمبر دار بھی ہے۔
ہے تحصیل بڈگام میں کوئی دوسرا شخص غلام محی الدین خان کے برابر نہ مالک اراضی ہے او
اس سے بڑا اس علاقہ میں کوئی مال گزار ہے۔ ذیلداری کے لیے ان کے کاغذات اعلیٰ ح
مال کے زیر غور ہیں۔

غلام محی الدین خاں بہت بڑی اراضی کے مالک ہی نہیں بلکہ وہ دولت اخلاق سے

ان کے علاوہ دیگر غیر ملکی اقوام نے یہاں کے لوگوں کے ساتھ رشتہ داریاں قائم کر کے اپنے تمدن کو بالکل مٹا دیا۔ سادات نقشبندیہ سادات قادریہ۔ خاندان میرزایاں۔ افغان قبائل اور بعض دوسری اقوام اس کی زندہ نظیریں موجود ہیں۔

یہی حال راجپوت قوم کے کھٹان خاندان کا بھی ہوا ہے۔ کوئی شخص ان کو اب غیر کشمیری تصور نہیں کر سکتا۔

شہمیری

شاہ میر اس خوش نصیب شخص کا نام تھا جو سواد کنیر (سرحد) سے مع اہل وعیال نقل مکانی کر کے براہ پھکلی وغیرہ راجہ سہدیو والئی کشمیر کے عہد حکومت (۲۰ ۷ھ مطابق ۱۳۱۹ء*) میں کشمیر پہنچا۔

ایک غریب الوطن سیلانی فقیر کے زہد واتقا اور شائستہ گفتار واقوال اور نیک عادات واطوار سے خوش ہو کر راجہ نے اسے ایک موضع جاگیر میں عطا کر کے اپنے مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

۱۳۲۴ء میں ایک تبتی شہزادہ رینچن نے راجہ سہدیو کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے بعد دین اسلام قبول کر کے اور ملک صدرالدین نام رکھ کر تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ ۱۳۲۶ء میں ملک صدرالدین کے انتقال پر اس کی بیوہ کوتہ رانی نے جو رام چندر کی لڑکی تھی۔ راجہ سہدیو کے بھائی اودیان دیو کو جو حدود پھکلی میں پناہ گزیں تھا۔ وہاں سے بلا کر تخت کشمیر پر بٹھایا اور خود اس سے سلک زوجیت میں منسلک ہو کر اس کے نام حکمرانی کرنے لگی۔ رانی نے شاہ میر کو جو رفتہ رفتہ ملک میں اقتدار حاصل کر رہا تھا۔ وزارت کا عہدہ دیا۔ چار سال تک تو خوب کام چلتا رہا۔ لیکن ۱۳۳۱ء میں ترکوں نے پھر ہیرہ پور کے راستے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ ترکوں کا نام سنتے ہی اودیان دیو تو تبت کی

---

* زونراج ترنگی مصنفہ پنڈت زونراج نے سنا کا سمت ۱۲۳۵ بکرمی لکھا ہے۔ جس کے مطابق عیسوی ۳۴ ہوتا ہے۔

طرف بھاگ گیا۔ لیکن رانی اور شاہ میر نے ہمت نہ ہاری نامہ و پیام، پند و نصائح وغیرہ سے کشمیریوں کے دلوں میں مقابلہ کا وہ جوش پیدا کیا کہ سب کفن سر سے باندھ کر مرنے مارنے کو تیار ہو گئے۔ اور اس جوانمردی سے لڑے کہ ترکوں کو منہ کی کھا کر آخر واپس جانا پڑا۔

رانی نے شاہ میر کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کے دونوں بیٹوں جمشید اور علاؤ الدین کو کامراج میں اعلیٰ منصب دیئے۔ شاہ میر اب کشمیر کے سیاہ وسفید کا مالک تھا امن و امان کے بعد بزدل اودیان دیو کو رانی نے پھر بلایا۔ اور شاہ میر کے مشورہ سے تخت پر بیٹھا۔ ۱۳۴۱ء میں اودیان دیو کے مرنے پر رانی نے اپنے بھائیوں کی مدد سے خود تاج پہن لیا۔

ارکان سلطنت کو رانی یہ حرکت جو اس نے اپنے بھائیوں کے ایما سے کی تھی پسند نہ آئی۔ شاہ میر بھی رانی کے خلاف ہو گیا۔ اور اپنے جد امجد قور شاہ کی اس پیشن گوئی کا منتظر رہنے لگا۔ جو اس نے شاہ میر کی پیدائش پر اس کے باپ ظاہر کی تھی کہ یہ لڑکا صاحب اقبال ہو گا۔ اور کشمیر میں جہاں اس وقت ہندو حکومت ہے اس کو تخت شاہی نصیب ہو گا۔ اور صدیوں تک اس کی اولاد وہاں حکومت کرے گی۔

آخر ۱۳۴۳ء میں شاہ میر نے اپنے دشمنوں کا قلع قمع کر کے کشمیر کے تخت شاہی پر قدم رکھا۔ گو اس کی حکومت قریباً ساڑھے تین سال ہی رہی۔ لیکن اس نے ملک میں کامل طور پر امن و امان قائم کر دیا۔ بادشاہ ہو کر اس نے اپنا نام سلطان شمس الدین رکھا۔ کشمیری سنہ سب سے پہلے اسی نے جاری کیا۔ جس کی ابتداء اس نے دور اسلام کے آغاز یعنی رنچن شاہ عرف ملک صدر الدین کی تاجپوشی سے رکھی۔ یہ سنہ مغل بادشاہوں کے زمانہ تک کشمیر سنہ کے نام سے کشمیر میں جاری رہا ہے۔

تاریخ فرشتہ میں شاہ میر کا مختصر سا نسب نامہ بھی درج ہے۔ جو اس طرح ہے۔ شاہ میر بن شاہ طاہر بن آل بن کرشاسپ بن نیکودرو۔ نیک درو کا سلسلہ ارجن کے ساتھ ملایا ہے۔ جو پانڈو کا بیٹا تھا اور چندر بنسی خاندان سے تھا۔

مکمل تاریخ کشمیر جلد دوم میں بھی نسب نامہ اسی طرح درج ہے لیکن وہاں شاہ میر بن شاہ طاہر بن قور شاہ بن آل بن گرشت بن نیکودرو ردج ہے۔ گویا تاریخ فرشتہ میں قور شاہ کا لفظ درج نہیں ہے۔ جس کی پیشین گوئی نے شاہ میر کو فقیری سے بادشاہی کے مرتبہ تک پہنچا دیا تھا۔

مولانا الف دین نفیس وکیل ڈسکہ نے بھی اپنی تصنیف ''اسلام اور کشمیر'' (مطبوعہ ۱۹۱۷ء) میں شاہ میر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''سلاطین کشمیر کا سلسلہ شاہ میر ہی سے شروع ہوتا ہے۔ پانڈو نسل سے تھا۔ اس کے آباؤ اجداد کسی وقت مسلمان ہو گئے تھے۔'' تصنیف تاریخ ہذا کے دوران میں زونراج ترنگنی کے انگریزی * ترجمہ سے اسی خاندان کے متعلق ذیل کی سطور معلوم ہوئی ہیں۔ ''قور شاہ ایک شریف خاندان سے تھا۔ اس کا فرزند طاراج (طاہر) تھا۔ اسی کا بیٹا شاہ میر تھا۔ شاہ میر کو جب کہ وہ شکار میں مصروف تھا۔ اور جہاں چند ساعت کے لیے اس کو غنودگی آ گئی۔ مہادیو نے امرت کے لفظوں میں اس کو بادشاہت کشمیر کی بشارت دی۔ چنانچہ وہ اپنے عزیزوں سمیت اپنے وطن سے کشمیر چلا آیا۔ جہاں راجہ کشمیر نے اس کی بہت عزت کی اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔''

شاہ میر کی اولاد بہت پھلی پھولی۔ اس میں ۱۷۔ ۱۸ بادشاہ ہوئے۔ جنہوں نے ۲۱۱ برس تک کشمیر میں راج کیا۔ ان میں سلطان قطب الدین۔ سلطان شہاب الدین۔ سلطان سکندر بت شکن، زین العابدین عرف بڈ شاہ بڑے نامور بادشاہ گزرے ہیں۔

شاہ میر ۱۳۴۷ء میں انتقال کر گیا۔ مقبرہ اس کا سلطان بادشاہ کے نام سے سنبل میں موجود ہے۔ جس کو اندر کوٹ کہتے تھے۔ ؎ آمدہ شمس زیر سحاب تاریخ وفات ہے۔

اس کی اولاد شہمیری خاندان کے عرف سے اسی کے نام سے مشہور ہے۔ بڈ شاہ کے نام پر بڈ شاہی خاندان بھی اسی طبقہ کا نام ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ کشمیر میں جہاں اس قوم نے دو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی ہے۔ کسی شہمیری کا نام نظر نہیں آتا۔ البتہ پنجاب میں دو تین خاندان نظر آتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاندان کے تعلقات گو پنجاب کے ساتھ بھی ہیں لیکن اس کی اقامت کشمیر ہی میں ہے۔ دوسرا خاندان نیپال میں تھا۔ پھر الہ آباد میں آیا اس کا ذکر یوپی کے برادران خط کے سلسلہ میں ہوگا۔

دو خاندان امرتسر میں بھی ہیں۔ ایک میاں نصیر الدین جن کے فرزند میاں غلام محمد امرتسر کے کسی سکول میں ملازم ہیں۔ ایک خاندان خلیفہ عزیز الدین مرحوم کا ہے۔ جن کے فرزند خلیفہ فخر الدین شیخ غلام صادق مرحوم کے کارخانہ امرتسر میں ملازم ہیں۔

خان بہادر خواجہ محمد غلام صادق اگزیکٹو افسر امرتسر کی دادی صاحبہ بھی شہمیری خاندان

* ۱۲۷ پریل ۳۴ء کے گرامی نامہ میں جناب محقق کاشمیری نے سری نگر سے متذکرہ صدر الفاظ تحریر کیے ہیں۔

سے تھیں۔

خاندان خواجہ مظفر الدین احمد شہمیری:

جب لاہور میں راجہ دھیان سنگھ، راجہ گلاب سنگھ، راجہ سوچیت سنگھ، آسمان ترقی پر درخشندہ ستاروں کی مانند چمک رہے تھے۔ انہی ایام میں کشمیر کے ایک بزرگ میاں صدرالدین شہمیری نام راجہ سوچیت سنگھ والئی رام نگر (جموں) کے وزیر تھے۔ جب راجہ سوچیت سنگھ لاہور میں مارے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد راجہ گلاب سنگھ جموں وکشمیر کے فرمانروا ہو کر مہاراجہ گلاب سنگھ بن گئے تو میاں صدرالدین کو مہاراجہ نے اپنے مقربوں اور مصاحبوں میں رکھ لیا۔ ایک مرتبہ راجہ گلاب سنگھ نے ان کو اپنا کمشنر حد بندی بھی مقرر کیا تھا۔ ان کے فرزند مولوی عمیرالدین نے تجارت کو اپنا شغل بنایا۔ ان کی کاروباری کوٹھیاں نور پور ضلع کانگڑہ بسوہلی۔ رام نگر وغیرہ میں تھیں۔ مولوی فیروز الدین مرحوم ان کے صاحبزادے تھے۔ وہ ابتدائے عمر میں ریاست ہی میں تحصیل دار رہے۔ اور غالباً ریاست کے دونوں صوبوں میں سب سے پہلے وکیل تھے۔ بار ایسوسی ایشن کشمیر انہی کی قائم کردہ ہے۔ شعروسخن میں آپ کو خاص شغف رکھتے تھے۔ فائز تخلص تھا۔ مسدس حالی کو آپ ہی نے کشمیری میں نظم کیا۔ تاریخ سے خاص دلچسپی تھی۔ راقم الحروف کے ملنے والوں میں تھے۔ خان بہادر شیخ غلام صادق اور خان بہادر شیخ غلام حسین مرحومین روسائے امرتسر رشتہ میں آپ کے ماموں تھے۔ ۱۱ فروی ۱۹۳۳ء مطابق یکم پھاگن ۱۹۸۹ب کو نوشہرہ (متصل بھمبر) میں جہاں ان کے فرزند سشن جج تھے۔ ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

خواجہ مظفر الدین احمد شہمیری آپ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں آپ نے بی۔ اے آنرز کیا۔ ۱۹۲۳ء میں ایل۔ ایل۔ بی ۱۹۳۱ء میں لندن (انگلستان) جا کر لندن یونیورسٹی سے ایل۔ ایل۔ ایم ماسٹر آف لاز کی ڈگری حاصل کی۔ جو اس وقت تک نہ ریاست میں اور نہ پنجاب میں کسی نے حاصل کی ہے۔ اسی سال آپ نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔

ریاست میں سات سال تک ہائی کورٹ میں وکالت کرنے کے بعد پبلک پراسیکیوٹر اور منصف و مجسٹریٹ درجہ اول اور ڈیڑھ سال تک سیشن ججی کے فرائض ادا کرنے کے بعد آج کل گورنمنٹ جموں وکشمیر کے ڈپٹی جنرل سیکرٹری ہیں۔

کتاب بنام راجپوت گوتیں کا منصف لکھتا ہے کہ گھکرو، کھوکھر، اعوان وغیرہ چند اقوام کی نسبت مورخوں میں اختلاف ہے۔ بعض ان کو ہندو راجپوت ظاہر کرتے ہیں۔ بعض عرب و ایران کی جداگانہ اقوام بتاتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کے مصنف نے ذاتی طور پر ان اقوام کو راجپوت ہی تسلیم کیا ہے۔

کھوکھر اور اعوان ہندوستان کی راجپوت اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا عرب و ایران سے ان کا تعلق ہے۔ اس کا ذکر ان اقوام کے حالات کے تحت درج کیا جائے گا۔ البتہ گکھڑ قوم کے متعلق لکھا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان ہی کی ایک قوم ہے۔ اور محمود غزنوی کے زمانہ میں وہ ہندو ہی تھی۔ چنانچہ ۳۹۳ھ میں جب محمود نے انگ پال یا انند پال پسر راجہ جے پال لاہور کی گوشمالی کے لیے پنجاب پر حملہ کیا ہے۔ تو اوجین، گوالیار، کالنجر، قنوج، دہلی کے راجپوت لشکروں کے علاوہ پنجاب کے گکھڑ بھی جو راجپوتوں ہی کی ایک شاخ تھے۔ اس فوج میں شامل تھے۔ تاریخ فرشتہ کا مصنف اس لڑائی کا ذکر کرتے ہوا لکھتا ہے یہ کہ گکھڑ کفار بھی اس لڑائی میں موجود تھے۔ پیادہ فوج میں گکھڑوں کی کثیر تعداد تھی۔ اور انگ پال کا مقصد یہ تھا کہ یہ جم غفیر دیکھ کر سلطان محمود جنگ سے کنارہ کش ہو جائے اس لڑائی میں پشاور کے متصل تین چار ہزار مسلمان طرفۃ العین میں گکھڑوں اور دوسرے راجپوتوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے۔

دوسری مرتبہ ۵۸۰ھ میں جب شہاب الدین غوری بزمانہ خسرو ملک غزنوی بادشاہ لاہور نواح لاہور کو تاراج کر کے واپس جاتا ہے تو خسرو ملک کے اس ناکام حملہ میں جو اس نے شہاب الدین غوری کے تعمیر کردہ قلعہ سیالکوٹ پر کیا پھر گکھڑوں کا نام اس کے معاون کے طور پر آتا ہے۔ چنانچہ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ خسرو ملک نے گکھڑوں اور دوسرے قبائل کفار کی مدد سے حصار سیالکوٹ کا محاصرہ کیا۔ لیکن اس کو بغیر فتح کرنے کے واپس آنا پڑا۔

۶۰۲ھ میں بقول تاریخ فرشتہ شہاب الدین غوری بقصد جہاد کفار گکھڑان ہند غزنی سے لاہور آیا۔ گکھڑوں کا ملک آب نیلاب سے لے کر کوہ شوالک کے دامن تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ فرقہ مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ خصوصاً ان مسلمانوں کی ایذا رسانی میں کمی نہ کرتا تھا۔ جو شہاب

الدین غوری کی طرف سے پشاور اور اس کے نواح میں متعین تھے۔ سلطان نے جب ان کا قافیہ تنگ کیا تو رئیس گکھڑ اس نے بادشاہ کے پاس قبولیت اسلام کی عرض داشت پیش کی بادشاہ نے خلعت فاخرہ اور کمربند مرصع ارسال فرما کر اس کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ اور اس کی باتیں سن کر اور عنایت خسروانہ سے سرفراز کر کے اس کو مسلمان کیا۔ اور اس کی حکومت اسی کو بخش دی۔ اس رئیس کی تقلید میں اس کی قوم کے ہزار ہا لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مصنف تاریخ فرشتہ لکھتا ہے۔ اس وقت ۱۰۱۸ھ ہے یعنی گکھڑوں کے قبول اسلام کو چار سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن وہ دین اسلام پر سختی کے ساتھ ثابت قدم ہیں۔ اور راقم مؤلف کتاب ہذا کی رائے میں بھی اس وقت کہ ۱۳۵۲ھ ہے۔ یعنی گکھڑوں کے قبول اسلام کو ساڑھے سات سو سال گزر چکے ہیں۔ شیدائیان اسلام میں ان کا درجہ کسی اور مسلمان سے کم نہیں۔

شہاب الدین غوری اس فتنہ سے فراغت پا کر ۱۶ رجب ۶۰۲ھ کو لاہور سے غزنی کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا خیمہ دریائے اٹک کے کنارہ تھا کہ بیس غیر مسلم گکھڑوں نے جن کے عزیز واقارب اور فرزند شہاب الدین غوری کی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ اس کے خیمہ میں داخل ہو کر نیند کی حالت ہی میں اسے شہید کر دیا۔

۷۸۹ء سے ۷۹۶ء کے درمیان (بعہد سلطان ناصر الدین محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ باربک گکھڑ قوم کے سردار شیخا اور اس کے بھائی جسرت گکھڑ کا نام تاریخ میں نظر آتا ہے۔ جنہوں نے قلعہ لاہور پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ پھر تیموری حملہ (۸۰۰ھ) میں جسرت امیر تیمور کا مقابلہ کر کے اور شکست کھا کر اپنے مفرور بھائی شیخا گکھڑ کے پاس کوہستان جموں میں چلا جاتا ہے۔ شیخا گکھڑ امیر تیمور ہی کے ہاتھ سے جب کہ وہ جموں سے نکل کر لاہور پر قبضہ کر لیتا ہے۔ قتل ہو جاتا ہے اس کے بعد اس کا بھائی جسرت گکھڑ دہلی کے بادشاہوں لاہور و پنجاب کے حاکموں۔ جموں کے راجہ بھیم دیو وغیرہ کو اپنی فتنہ انگیزیوں سے ۸۵۵ھ تک پریشان کرتا رہا ہے۔

اسی جسرت خان گکھڑ نے سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کو جب وہ اپنے بھائی سلطان علی شاہ کا وزیر تھا۔ مدد دے کر کشمیر کی بادشاہی دلائی ہے۔ اس کے معاوضہ میں بڈشاہ بھی بادشاہ ہو کر پنجاب کے حملوں میں جسرت گکھڑ کو ہمیشہ مدد دیتا رہا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب گکھڑوں کی قوم پہلی مرتبہ کشمیر میں داخل ہوئی۔ گکھڑ کشمیر میں دیر تک

اقامت گزیں رہے۔ اور کئی لوگ وہیں رہ گئے۔ کمال خاں گکھڑ اور ابراہیم خاں گکھڑ نے سلطان کشمیر کی نمک حلالی میں بڑا نام پیدا کیا۔ اسی خاندان سے خواجہ احمد گکھڑ ایک نامی شخص گزرا ہے۔ وہ تارک الدنیا ہو کر پنجاب جارہے تھے کہ راستہ ہی میں سید شاہ روشن پگلی والہ کے مریدوں میں منسلک ہو گئے۔ اور انہی کے ارشاد کے مطابق کشمیر واپس آکر بارہ مولا میں اقامت گزیں ہو گئے۔ اور تجارت اور بیوپار کا کام کرنے لگے۔ وہیں ان کی شادی بھی ہو گئی۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ خواجہ احمد گکھڑ راجہ جسرت خاں کی اولاد سے تھے۔

لارنس صاحب ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں اور صحیح لکھتے ہیں۔ کہ "بارہ مولا کے ککڑو شیوخ کشمیر کے ہندوؤں سے نہیں ہیں بلکہ ان کا نسبی تعلق پنجاب کے گکھڑوں کے ساتھ ہے۔ یہ لوگ زیادہ تر علاقہ بارہ مولا میں پائے جاتے ہیں"۔ گکھڑ سے ککڑو کس طرح ہو گیا۔ اس کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک شخص نے پنجاب سے خواجہ احمد گکھڑ کے نام پر ایک چٹھی تحریر کی۔ وہ چٹھی پہلے پہل ایک نیم مُلا کے ہاتھ میں آئی۔ جس نے اس لفظ کو کہکر پڑھا۔ کہکڑ سے ککڑ ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد ککڑ نے ککڑو کی شکل اختیار کر لی۔

بارہ مولا کا ککڑو خاندان:

بارہ مُولا کا ککڑو خاندان کسی زمانہ میں بڑے عروج پر رہا ہے۔ اس عروج کی آخری جھلک راقم مؤلف نے بھی بارہ مُولا میں دیکھی ہے۔ حاجی خواجہ عبدالصمد جو ککڑو کا دیوان خانہ، ان کا باغ، مہمان خانہ، سری نگر میں ان کے جو بنگلے۔ خواجہ غفار جو ککڑو اور ان کے برادران خواجہ امیر الدین ککڑو اور قادر جو ککڑو کی مہمان نوازیاں ان کے عالی شان مکانات اور ان کی بزم آرائیاں اب تک آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ خواجہ امیر الدین مرحوم نے لنگیٹ میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ عرصہ دراز تک تحصیل داری کی ہے۔ حاجی عبدالصمد ککڑو کے حلقہ احباب کی وسعت کشمیر کے علاوہ پنجاب ہندوستان اور برہما تک پھیلی ہوئی تھی۔ لاہور اور علی گڑھ کے اسلامی جلسوں میں وہ قریباً ہر سال شامل ہوتے رہے ہیں۔ جامع مسجد بارہ مُولا گو بہت قدیم تھی۔ لیکن بہت خستہ حال تھی۔ انہی کی سعی جمیلہ سے ۱۳۱۳ھ میں از سر نو تعمیر ہوئی۔ ان کا فرزند کلاں خواجہ غلام نبی دو سال سے آنکھوں سے معذور ہو چکا ہے۔ اس کے دو اور صاحبزادے ہیں۔ (۱) خواجہ عنایت اللہ ککڑو (۲) خواجہ حبیب اللہ ککڑو دونوں بارہ مولا میں ابھی زیر تعلیم ہیں۔

خواجہ عزیز جو لکڑ واس خاندان کے متمول بزرگوں میں تھے۔ لاہور میں حضرت شاہ محمد غوث رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے ساتھ جو عالیشان مسجد ہے وہ اسی بزرگ کی دینی حمیت کی یادگار ہے۔

آج کل اس خاندان میں صرف خواجہ محمد مقبول ہی قابل ذکر ہیں۔ جو قومی اسلامی اور اصلاحی کاموں میں خوب دلچسپی لیتا رہتا ہے۔

نایک

تاریخ گلشن کشمیر (غیر مطبوعہ) میں لکھا ہے۔ کہ ''نایک برہمنوں کے ایک مقتدر طبقہ کا نام ہے۔ بعض اس کو تایک کہتے ہیں۔ بعض نیایک یہ بھی لکھا ہے۔ کہ ''نائیک سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی منطقی دانشمند کے ہیں۔ منطق سنسکرت میں نیا اور منطقی کو نیایک کہتے ہیں۔''

لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو شخص علم منطق میں صاحب کمال ہو۔ وہ ضرور برہمن قوم ہی سے ہو۔ اور چونکہ کشمیر کے طویل قدیم ہندو عہد حکومت میں برہمنوں نے سوائے اس زمانہ کے جس کو خاندان ادیپا* دیو کی حکومت کا زمانہ کہتے ہیں۔ کشمیر میں کبھی بادشاہی نہیں کی۔ اور اسی تاریخ گلشن کشمیر میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ قدیم راجگان ہنود کے زمانہ میں چھوٹے چھوٹے سرداروں کو بھی نایک کہتے تھے۔ اور یہ عہدہ موروثی ہوتا تھا۔ اور معمولی مقدمات میں ان کو کامل اختیارات بھی حاصل تھے۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ لارنس صاحب نے ویلی آف کشمیر میں اس قوم کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ اس قوم کے لوگ قبول اسلام سے پیشتر کھشتری تھے وہی درحقیقت صحیح ہے۔

نایک طبقہ کے افراد ہندو عہد حکومت اور اسلامی دور میں بھی ہمیشہ ملکی انقلابات میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔ چنانچہ سوگندا رانی کے عہد حکومت ۹۲۱ء لغایت ۹۳۳ء میں نایکوں نے تانتروں کے ساتھ مل کر ملک میں وہ طوفان پیدا کر دیا۔ کہ رانی کو مجبوراً حکومت سے دست بردار ہونے کے بغیر کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

---

* یہ خاندان قدیم ہندو حکمرانوں کا آخری خاندان تھا۔ جو ۱۱۷۷ء سے ۱۳۲۶ء تک کشمیر پر حکمران رہا ہے۔ اسی خاندان کے بعد کشمیر میں اسلامی حکومت شروع ہوتی ہے۔ اور مہادیو سے پانچویں پشت میں جو راجہ رام دیو ہوا ہے۔ اس نے ایک برہمن زادہ لچھمن دیو کو متبنیٰ کر لیا تھا جس کی تیسری پشت راجہ اودیان دیو کے بعد شاہ میر عرف سلطان شمس الدین کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔

زین العابدین عرف بڈشاہ کے زمانہ (۱۴۲۳ءلغائت ۱۴۷۴ء) میں تاریخ کشمیر میں پھر اس قوم کا ذکر آتا ہے۔جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نائیکوں نے پانڈو چک سکنہ زنیگام کی اولاد سے تعلق خویشاوندی قائم کرلیا تھا۔ چک وہی قوم ہے جو قسمت کی یاوری سے شاہ میری خاندان کے بعد کشمیر میں کئی سال تک حکمران رہی ہے۔

سلاطین کشمیر کے دور آخر (۱۵۸۵ءلغائت ۱۵۸۶ء) میں جب کہ جلال الدین اکبر بادشاہ کی فوجیں کشمیر پر دوسرا حملہ کررہی تھیں۔اس قوم کا پھر ذکر آتا ہے۔یعقوب شاہ چک ان دنوں حکمران کشمیر تھا۔لڑائی کا رخ بدلتا دیکھ کر ابراہیم نائیک اور شنگی نائیک اپنے اپنے لشکروں سمیت غنیم سے جاملے۔مگر قاسم نائیک اپنے ہمنام دشمن میرزا قاسم میر بحری سے برابر لڑتا رہا۔تاریخ میں لکھا ہے کہ قاسم نائیک ہر چند اس لڑائی میں مارا گیا مگر اس کا لڑکا ظفر نائیک مغلوں کے ساتھ اس جوش وخروش سے لڑا کہ اکبری افواج میں کئی دفعہ متزلزل پیدا ہو گیا۔

اس فرقہ کے اولیائے کرام کی خدمت کرانے اور اس خدمت سے فیض اٹھانے میں خاصہ نام پیدا کیا ہے۔اس سلسلہ میں حضرت شمس الدین نائیک خلیفہ حضرت بابا نصیب الدین غازی صاحب کشف وکرامات بیان کیے جاتے ہیں۔

اس طبقہ کے افراد آج کل کشمیر کے دیہات میں کثرت سے آباد ہیں۔اور زراعت پر گزراوقات کرتے ہیں۔ان کے چند گھر امرتسر وسیالکوٹ میں بھی ہیں۔جن کا ذکر پنجاب کے برادران اہل خطہ میں درج ہوگا۔

بھٹی

اس امر کوتو تمام مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ کشمیر میں عرصہ دراز تک راجپوتوں کے مختلف خاندانوں نے حکومت کی ہے اور اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان خاندانوں کی ذریات بھی کسی نہ کسی عرف یا اَل کی صورت میں کشمیر میں اب تک موجود ہیں۔اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ بھٹی راجپوت بھی کشمیر میں موجود نہ ہوں۔گو یہ صحیح ہے کہ صدیوں کی وطنیت کشمیر نے خدوخال اور طرز تمدن اور لباس وزبان کی تبدیلی سے ان کی شناخت محال کردی ہے۔

سر والٹر لارنس اور دیگر مؤرخین نے کشمیر میں قدیم کھشتریوں کے خاندانوں کی موجودگی تسلیم کی ہے۔ پنڈت کلہن کی راج ترنگنی نے بھی جو آج سے ۸۰۰ سال پیشتر کی تصنیف ہے۔ کشمیر میں کھشتری خاندانوں کی حکومت کو تسلیم کیا ہے لیکن مختلف عرفوں اور مختلف اُلوں نے اصل گوتوں پر اس قدر پردہ ڈال رکھا ہے کہ کسی قدیم کھشتری خاندان کی اصل ذات معلوم کرنا عقدۂ لاینحل ثابت ہو رہا ہے۔ ڈانگر ڈار، تانترے، ماگرے وغیرہ کئی اقوام جن کو سب نے کھشتری تسلیم کیا ہے۔ اپنی اصل گوت بتانے سے عاری ہیں۔ ڈانگر کی ابتداء ڈامر سے ہوتی ہے۔ ڈامر کو کسی نے خطاب بتایا ہے۔ کسی نے سرکش اور خودسر ہونے کی وجہ سے اس گروہ کا یہ نام رکھا ہے۔ ڈامر ہی ڈانگر بن گیا ہے۔ ڈانگر سے اب ڈار عرف عام ہے۔ اور چونکہ تاریخ کشمیر لفظ ڈامر کا استعمال دو ہزار سال سے بھی پیشتر کا بتا رہی ہے۔ اس لیے گوت یا بنس کی اصلیت کا پتہ چلانا فی الواقعہ بہت دشوار ہے۔

صرف ایک گروہ ایسا ہے جو اب تک اپنی اصلی گوت سے کشمیر میں نہیں۔ بلکہ پنجاب میں مشہور ہے۔ اس کا نام بھٹی ہے۔ بھٹی چندر بنسی خاندان سے ہیں۔ سری کرشن بھی کی نویں پشت میں راجہ گج ہوا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ غزنی اسی کا بسایا ہوا ہے۔ اصل نام گجنی تھا۔ پھر غزنی ہو گیا۔ کوئی راولپنڈی کو گنجی پورہ بتاتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس کا دارالحکومت یہی تھا۔

مردم شماری کی رپورٹوں اور انگریز مؤرخوں اور ان کی تقلید میں ہندوستانی مصنفین نے بھٹی راجپوتوں کی حکومت کا پتہ کشمیر تک چلایا ہے۔ چنانچہ مصنف ''راجپوت گوتیں'' لکھتا ہے کہ بھٹی حکومت چونکہ کشمیر میں بہت عرصہ تک رہی ہے اس لیے ہم راجپوتوں کے اکثر قبیلوں کو بھٹی سمجھتے ہیں۔ (یہ نہیں واضح کیا گیا کہ کشمیر کے راجپوتوں کے قبیلوں کو بھٹی سمجھتے ہیں۔ یا پنجاب کے راجپوتوں کے قبیلوں کو) اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر درج ہے۔ کہ ''جنرل کنگھم کی رائے کی بموجب بھٹی ابتداء میں کوہستان نمک اور کشمیر پر قابض تھے۔ (پنجاب میں ان کا صدر مقام گجنی پورہ (راولپنڈی) تھا۔ ۱۳۳۹ء تک کشمیر میں ان کی حکومت رہی۔''

جنرل کنگھم کی رائے سے کشمیر کے تاریخی واقعات کا بھی اتفاق ہے یا نہیں اس کے لیے ہمیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ کشمیر کا آخری قدیم ہندو حکمران خاندان ''خاندان اودیادیو'' کہلاتا ہے۔ اودیادیو کون تھا۔ اس کے متعلق بعض تواریخوں میں لکھا ہے کہ اس کے حسب نسب کا

کوئی پتہ نہیں تھا۔ بعض تاریخوں میں لکھا ہے وہ بھی کسی شاہی خاندان سے تھا۔ اس راجہ کی اولاد کشمیر میں زمانہ بے استقلالی سمیت ۱۱۷۷ سے ۱۳۴۳ء تک حکمران رہی ہے۔ بلکہ اس خاندان کے آخری چار راجے ۱۲۷۹ء سے ۱۳۴۳ء تک متبنیٰ ہونے کی وجہ سے برہمن قوم سے تھے۔ بہر حال تاریخ نے چونکہ ان سب راجاؤں کو ایک ہی خاندان تصور کیا ہے اس لیے کوئی تعجب نہیں۔ اگر چہ خاندان بقول جنرل کننگھم بھٹی راجپوتوں ہی کا ہو۔

''مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب *'' نے راجہ گنج کے حملہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔''یہی راجہ گج تھا جس نے گندھرپ کپل والئی کشمیر پر چڑھائی کی اور اس کی دختر بیاہی جس سے راجہ سالباہن اول پیدا ہوا۔'' اس کی تصدیق وتکذیب کے لیے جب ہم کشمیر کی مشہور تاریخ راج ترنگنی دیکھتے ہیں۔ تو وہاں ہمیں کوئی راجہ گندھرپ کپل کے نام سے نظر نہیں آتا۔ البتہ راج ترنگنی کے تیسرے ترنگ کے راجاؤں میں گندھرپ سین ایک راجہ گزرا ہے۔ جس کا زمانہ ۳۰۵ء سے ۳۴۲ء مطابق ۳۶۲ بکرمی لغایت ۳۹۹ بکرمی تھا۔ اس راجہ کے عہد میں کشمیر میں ضرور بدامنی وابتری تھی۔ بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ پنجاب وغیرہ کئی ممالک اس کے ہاتھ سے نکل گئے لیکن کسی بیرونی راجہ نے نہیں بلکہ کشمیر ہی کے ایک پناہ گزیں شہزادہ کچھمن نے اس بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر اس کو شکست دی اور آپ قابض ہوگیا۔ تاریخ کشمیر میں راجہ گندھرپ سین پر ندراجہ گج کے حملہ کا ذکر ہے نہ اس کی راجکماری راجہ گج سے بیاہی گئی ہے۔ راجہ گج کے سات پڑپوتے تھے سب سے بڑے کا نام بھٹی تھا۔ راجپوتوں کا بھٹی یا بھاٹی خاندان اسی کے نام سے شروع ہوتا ہے۔

حکومت جموں وکشمیر نے ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں مسلمان اقوام کے صرف چند ہی نام بتائے ہیں۔ اگر تمام اقوام کی نام بنام مردم شماری بتائی جاتی۔ تو شاید بھٹی کا وجود بھی نظر آجاتا۔ چند اقوام کے نام بتا کر آخر میں ''مسلمانوں کی دیگر اقوام'' لکھ کر ان کی مردم شماری ۴۱۱۹۲۴ بتا دی گئی ہے۔ حالانکہ چار لاکھ بارہ ہزار مسلمانوں میں کئی ذاتیں کئی قومیں شامل ہوں گی۔ لیکن ''تفصیل'' کو ''تکلیف'' سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ البتہ ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں وکشمیر میں کشمیر کے بھٹی راجپوتوں کا وجود تسلیم کیا ہے۔ اس نے پنجاب کی بڑی بڑی کشمیری قوموں کا ذکر کرتے ہوئے بٹی یا باٹی (Batti) کا نام بھی لکھا ہے۔ جو یقیناً بھٹی یا بھاٹی کا مترادف ہے۔

---

* مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ بلادریہ جلد اول صفحہ ۴۶۸

کشمیر میں جس طرح اور اقوام آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوگئی تھیں ۔ اسی طرح یہ قوم بھی جس کی سیاسی وزرعی حیثیت دیگر زمیندارہ اقوام سے کم نہ تھی ۔ انہی ایام میں مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی ۔ اس کے اکثر افراد پنجاب کے مختلف اضلاع میں مختلف حالات کی وجہ سے مختلف اوقات میں کشمیر سے آکر آباد ہو چکے ہیں ۔ ان میں سے بعض خاندانوں کی ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

لون

سر والٹر لارنس مصنف ویلی آف کشمیر سابق کمشنر بندوبست کشمیر کے خیال میں لون طبقہ ہندوؤں کے فرقۂ ویش سے تعلق رکھتا ہے ۔ سر لارنس نے اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک دیہاتی زمیندار کی زبانی یہ بھی لکھا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ اپنے آپ کو چیلاس سے آیا ہوا ظاہر کرتے ہیں ۔ سر لارنس نے دونوں دعوؤں کے لیے کوئی دلیل نہیں دی ۔ لون طبقہ کے چیلاس سے آنے کو تو راج ترنگنی کے مترجم سٹائن صاحب نے بھی تسلیم نہیں کیا ۔ جنہوں نے کئی سال کشمیر کے قدیم دیہاتوں اور قبیلوں کی اصلیت کی چھان بین ہی میں صرف کر دیئے ۔ اور پھر ایک دیہاتی کی روایت اعتبار واعتماد کے لحاظ سے جو پایہ رکھتی ہے وہ بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے ۔

سر لارنس کے اس خیال سے کہ لون طبقہ کا تعلق فرقہ ویش سے ہے ۔ راقم مؤلف کو تاریخی نکتہ نگاہ سے قطعاً اختلاف ہے ۔ ویش ہندو عہد قدیم میں (اور اب بھی) ایک خالص تجارتی گروہ ہے ۔ لیکن سر لارنس کشمیر کے لون طبقہ کی تجارت کا کوئی ثبوت نہیں دے سکے ۔ برعکس اس کے جب سے اس قوم کا ذکر تاریخ کشمیر کے صفحات پر آیا ہے ۔ اس قوم کا ہم نے ہمیشہ ملی نظم ونسق اور سیاسی اتار چڑھاؤ میں حصہ لیتے دیکھا ہے ۔

آج سے تقریباً ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر سب سے پہلے اس قوم کا نام راج ترنگنی میں بعہد راجہ ہرش (۱۱۰۱ء) لونیا نام سے آتا ہے ۔ چنانچہ راج ترنگنی حصہ اول کے صفحہ ۳۴۷ پر فٹ نوٹ نمبر ۵۹۹ میں سٹین صاحب لکھتے ہیں ۔ ''لونیا قوم کے لوگ جن کا ذکر اس جگہ پہلی مرتبہ آیا ہے ۔ ان ملکی تکالیف میں بہت سا حصہ لیتے رہے ہیں جن کا ذکر راج ترنگنی کلہن کے ترنگ نمبر ۷ و نمبر ۸ میں آیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی دیہاتی آبادی کا نہایت اہم حصہ

تھے۔ چنانچہ تنتر نیوں (موجودہ نام تانترے) کے نام کی طرح ان کا نام بھی آج تک لونی (یا لون) کی صورت میں برابر قائم ہے۔ ان کی ابتدا کا کچھ حال معلوم نہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ لونیا مالکان اراضی اور ایک سرکردہ قبیلہ کی حیثیت میں نہایت اہم درجہ رکھتے ہوں گے۔''

راجہ ہرش دیو تین طبقوں کا دشمن تھا۔ ڈامر اور لونیہ قبائل کا اس لیے کہ ان کا سیاسی اقتدار اس کے تخت و تاج کے لیے خطرہ کا باعث تھا۔ اور برہمنوں کا اس لیے کہ ان کا مذہبی رسوخ جو سارے ملک پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے لیے سوہان روح تھا۔ چنانچہ اس راجہ نے اپنے ظالم گورنر نندا کے ذریعہ تینوں قوموں کے سرکردہ لوگوں کو چن چن کر مروا دیا۔ راج ترنگنی کی جلد اول کے صفحہ ۳۸۷ پر اس کے مظالم کی تفصیل درج ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس نے کسی بااثر برہمن کو زندہ نہ چھوڑا۔ مدوراجیہ ڈامرون کو اس طرح ہلاک کیا جیسے کوئی شکاری کسی پرندہ کو اس کے گھونسلہ ہی میں مار دیتا ہے۔ لونیا* قوم سے اس راجہ کو اس درجہ عداوت تھی کہ جو مسافران کے علاقہ میں جایا کرتے تھے وہ بھی قتل کر دیئے جاتے تھے۔ گورنر راجہ کے پاس لونیا سرداروں کے سر کاٹ کر بطور تحفہ بھیجا کرتا تھا۔ جب راجہ کہیں جاتا تھا تو راجہ کے استقبال کے لیے لونیا قوم کے کاٹے ہوئے سروں کو مصنوعی دروازوں پر لٹکایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ لونیا قوم کی عورتوں کو بھی پھانسی کی سزائیں ملنے لگیں۔ یہ حالت دیکھ کر لونیا قوم کے کئی لوگوں نے ملیچھوں (یہ الفاظ راج ترنگنی کے ہیں) کے ملک میں جا کر مذہب تبدیل کر لیا۔ اور بعض رہٹوں اور چکیوں میں مزدوری کر کے پیٹ پالنے لگے۔

پنڈت کلہن راج ترنگنی (ترجمہ جلد اول صفحہ ۴۰۷) میں شہزادگان اوچل و سسل کی فراری (۱۱۰۰ء) کے موقع پر لونیا قوم کے دو سرداروں کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ ''پرشست راج اور سسل راج لونیا قوم کے دو بااثر بھائی ان شہزادوں کو باہر لے گئے۔'' بابو جوگیش چندر دت بنگالی نے سٹین صاحب سے بھی پہلے راج ترنگنی کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ اپنے ترجمہ میں ان الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''پرشست راج لونیا نے راجہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرنے کے ارادہ سے اپنے چھوٹے بھائی سسل راج کے ذریعہ ان دونوں شہزادوں کو اپنے ہاں طلب کیا۔'' سطور بالا کے اندراج سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ لونیا تجارتی گروہ نہ تھا۔ اور نہ فرقہ ویش سے اس کا تعلق تھا وہ

* سٹین صاحب نے ایک جگہ اپنے نوٹوں میں لکھا ہے کہ کلہن کے بعض شلوکوں سے واضح ہوتا ہے کہ لون بھی ڈامر ہی ہے لیکن سطور بالا سے جو راج ترنگنی ہی سے لی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ لون اور ڈامر علیحدہ علیحدہ قبیلے تھے۔

ایک خالص جنگ جو طبقہ تھا اور اس کا ثبوت کشمیر کی ہر تاریخ اپنے ہر صفحہ سے دے رہی ہے۔

راجہ ہرش کو آخر لونیا (لون) قوم اور طبقہ ڈامران (ڈانگر) ہی نے نابود کیا۔ اور انہی
مدد سے راجہ اوچل تخت پر بیٹھا۔ یہ دونوں قومیں راجہ اوچل راجہ سوسل راجہ ورتی دیو وغیرہ ـ
عہد میں برسر اقتدار رہیں۔ بلکہ خاندان راجہ جے سنگھ کا خاتمہ (۱۱۷۷ء میں) فرقہ لون ہی ـ
ہاتھ سے ہوا۔ اور اسی گروہ کی استعانت و مدد سے اوپیادیو کشمیر کا راجہ بنا۔ اس راجہ کے عہد میں ا
قوم کا بڑا عروج تھا۔ راجہ ان کے سامنے بُت بے جان کی طرح کھڑا رہتا تھا۔ تمام سول اور فو
محکمے اسی قوم کے زیر اثر تھے۔ راجہ کی وفات (۱۱۸۶ء) کے بعد اس کا بھائی رسہ دیو راجہ بنا اور وہ
لون سرداروں کے مشورہ کے بغیر کوئی حکم احکام جاری نہ کر سکتا تھا۔ غرض ہندو عہد قدیم ـ
اواخر تک لونیا فرقہ کے سیاسی اقتدار کا پتہ چلتا ہے۔

جب کشمیر میں مسلمانوں کا دور دورہ ہوا تو سلطان شمس الدین شہمیری کے عہد حکوم
(۱۳۴۳ء لغائت ۱۳۴۷ء) میں اس فرقہ نے جو اس وقت تک ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ ہندوؤ
کی تحریک سے یا خود ہی ہندوؤں کا اور بالخصوص اپنا کھویا ہوا عروج و اقتدار دوبارہ حاصل کر
کے لیے ملک میں ایک عام شورش برپا کر دی۔ اس وقت تک مسلمانوں کی زیادہ تعداد دارالحکوم
(سری نگر) ہی میں تھی۔ اور دیہات میں کہیں کوئی خال خال ہی مسلمان نظر آتا تھا۔ لیکن سلطان
ذاتی شجاعت اور اس کی سیاسی تدبیروں کے بے پناہ سمندر کے آگے یہ تمام شورش خس و خاشا
کی طرح بہہ گئی۔ بغاوت فرد کرنے کے بعد سلطان نے رفتہ رفتہ لون طبقہ کو ملکی اور فوجی امور ا
سے ہٹانا شروع کیا اور اپنی حکومت اور اسلام کے استحکام کی مصلحت اس میں سوچی کہ کسی ایک ق
کو امورات ملکی و مالی میں زیادہ اقتدار نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ماگرے اور چک قوم کو بڑھ
شروع کر دیا۔ اور اقوام کی باہمی رقابت سے اس کی یہ چال بڑی کارگر ثابت ہوئی۔

یوسف شاہ چک بادشاہ کشمیر کے زمانہ اول (۹۸۶ھ) میں جب کہ یوسف شاہ اور ا
کے چچا ابدال خاں میں تخت و تاج کے لیے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ تو فرقۂ لون کے ایک رئی
جہانگیر کا نام تاریخ میں نظر آتا ہے۔ جو ابدال خان برادر علی شاہ چک بادشاہ کشمیر کا معتبر خاص تھ
ابدال خان اپنے بھائی کے مراسم تکفین و تدفین میں شامل ہونے کے لیے عہد و پیمان جہانگیر لو
ہی کے ذریعہ طے کرتا ہے۔

لون طبقہ کس زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوا؟ اس کے متعلق قیاساً یہی کہا جاسکتا ہے کہ کچھ لوگ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کی کشمیر آنے سے پیشتر اور بہت زیادہ ان کے قیام کشمیر کے دوران میں دیگر اقوام کے ساتھ مسلمان ہو گئے ہوں گے۔

زونراج کی راج ترنگنی میں بھی جو بڈشاہ کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ لونیہ فرقہ کا کئی جگہ ذکر آتا ہے۔ شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنی میں اس قوم کی سیاسیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرصہ دراز تک کشمیر میں اس طبقہ کی خاصی اہمیت قائم رہی ہے۔ ایسی قوم جس کی قریباً آٹھ نو سالہ تاریخی زندگی اس کے سیاسی و زرعی مشاغل کے سوا اس کا کوئی اور شغل ہمارے سامنے پیش نہیں کرتی۔ یقیناً کسی کھشتری خاندان ہی کی یادگار ہو سکتی ہے۔ اور ہر چند کہ کشمیر میں غیر ملکی حکومتوں نے اقوام کشمیر کی فوجی سپرٹ کو کچل دینے کی جو پالیسی سدہا سال سے قائم کر رکھی ہے اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ لیکن کشمیر کی جن مہاجر اقوام کو پنجاب میں اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کا موقع دیا گیا ہے۔ انہوں نے بیسیوں صوبیدار، صوبیدار میجر، لفٹیننٹ، کپتان اور کئی فوجی جاگیردار پیدا کر دیئے ہیں۔

رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر بابت ۱۸۹۱ء بھی ہمارے دعویٰ کی تائید کرتی ہے۔ جہاں پرے قوم کے حالات میں ایک جگہ نہیں بلکہ دو تین جگہ لون اور پرے اور چند اور اقوام کو راجپوت اور لڑا کا قوم ظاہر کیا گیا ہے۔ اور مردم شماری صوبہ سرحد پنجاب بابت ۱۹۱۱ء میں لون طبقہ کے ۲۲۹ افراد کو راجپوت کشمیریوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔

کشمیر کی دیگر مشہور اقوام کی طرح اب لون قوم بھی زراعت ہی کا کاروبار کرتی ہے۔ چنانچہ راج ترنگنی کے حواشی صفحہ ۹۴ پر سٹین صاحب لکھتے ہیں کہ رینہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اور اب تک لون کا نام کشمیر کے کثیر التعداد مزارعین کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں لون اور رینہ ایک ہی قبیلہ کا نام ہے۔ اس کا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ اصل لفظ رینہ تھا۔ رینہ سے بگڑ کر رُن ہو گیا۔ اور رُن یا رُون نے بتدریج لُن یا لون کا جامہ پہن لیا۔ چنانچہ اس وقت بھی تحصیل پلوامہ کا ایک ذیلدار خواجہ مختار لون (سکنہ موضع ٹکن بٹ پورہ) مختہ رون بھی اور مختہ رینہ بھی کہلاتا ہے۔ اور تحصیل کولگام کے ایک ذیلدار سید اللہ رُون کو سید اللہ رینہ بھی کہتے ہیں۔ لیکن راقم مؤلف کے خیال لون اور رینہ دو علیحدہ علیحدہ قبیلے ہیں۔

مصنف تاریخ حسن بھی لکھتا ہے۔ ''قوم لون خطاب رینہ گی با خود شامل مے دارد غلط است و آں قبیلہ علیحدہ است۔'' کشمیر کی تاریخوں سے لون یا لونیہ قبیلہ کی موجودگی کا ثبوت قریباً ایک ہزار سال سے مل رہا ہے۔ اور رینہ قوم کا بانی راجہ مولچند کا نام کانگڑہ کے ضلع سے راجہ جے سنگھ (۱۱۳۵ تا ۱۱۶۵ء) کے عہد میں کشمیر میں آتا ہے جس کی تفصیلات رینہ قوم کے حالات میں بیان کر دی گئی ہیں۔

کشمیر میں لون طبقہ کے کئی مشہور خاندان ہیں اور سب زراعت پیشہ ہیں۔ جنوبی کشمیر میں تاسنور (متصل شوپیاں) میں مولوی محمد عبداللہ وکیل سری نگر اس قبیلہ کے ایک سرکردہ رکن ہیں۔ ان کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالرحیم ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی جو کشمیر کے سب سے پہلے مسلم اخبار صداقت کے مالک و ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور سیاسیات کشمیر میں بھی شیخ محمد عبداللہ صدر مسلم کانفرنس جموں و کشمیر کے دوش بدوش حصہ لیتے رہے ہیں۔ آج کل ریاست میں تحصیل دار ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادہ مسٹر محمد ایوب صابر کوآپریٹو سوسائیٹیز کشمیر میں سب انسپکٹر تھے۔ تحریک کشمیر ان کو بھی سیاسیات میں لے آئی۔ عرصہ تک صداقت کے ایڈیٹر رہے۔ اب دو ماہ سے جلاوطن ہیں۔ اور دیگر جلاوطنوں کے ساتھ لاہور میں مقیم ہیں۔ یہ خاندان جو احمدی عقائد کا پابند ہے۔ اپنے آپ کو رینہ بھی لکھا کرتا ہے۔

لون طبقہ کا ایک نامور خاندان کشمیر میں ہے جس کے دو معزز رکن خواجہ عزیز لون اور ان کے بھائی خواجہ صدیق لون خاص شہرت رکھتے ہیں۔ خواجہ عزیز لون اپنے علاقہ کے ذیلدار بھی ہیں۔ ان کا ایک صاحبزادہ عبدالاحد لون اس وقت سری نگر کے ایس۔ پی کالج میں تعلیم پا رہا ہے لڑکا ہونہار ہے اور توقع ہے کہ وہ فارغ التحصیل ہو کر اپنی سرکاری یا غیر سرکاری خدمات سے ملک کی نیک نامی و ناموری کا باعث ہوگا۔ اس خاندان کا ہیڈ کوارٹر ماگام ہے۔ جو ہندواڑہ سے بجانب شمال چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

لون طبقہ کے کئی خاندان کشمیر سے ہجرت کر کے اس وقت پنجاب میں مستقل طور پر سالہا سال سے مقیم ہیں۔ ان میں سے چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں کیا جائے گا۔

۱۹۱۱ء کی ریاستی مردم شماری کے مطابق لون فرقہ کی تعداد صوبہ جموں میں ۸۱۲۶ سرحدی اضلاع میں ۳۵۴ قلمرو کشمیر میں ۴۸۴۵۱ اور کل ریاست میں ۵۱۹۳۱ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں اس فرقہ

کل تعداد ۶۹۳۶۷ ہے۔ جس میں ۳۴۳۱۲ مرد اور ۳۰۰۵۵ عورتیں ہیں۔ گویا بیس سال میں اس قوم میں ۷۴۳۶ انفوس کا اضافہ ہوگیا ہے۔

تحصیل بڈگام میں خواجہ رمضان لون ذیلدار بڈگام اپنی تحصیل کے مشہور ذیلدار ہیں۔

ڈار

جموں و کشمیر کی سب سے پہلی مردم شماری (۱۸۹۱ء) کے صفحہ ۱۳۱۔۱۶۴ اور ۱۶۶ پر کشمیر کی جن مشہور زراعت پیشہ اقوام کا ذکر ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ پنڈت صوفی، بٹ، ایتو، تانترے، ڈار، راتھر، رشی، رینہ، کھانڈی، گنائی۔

رپورٹ ہذا میں متذکرہ صدر گیارہ ذاتوں کو جہاں زراعت پیشہ لکھا گیا ہے۔ وہاں ان کو بار بار ''برہمن کاشتکار'' کی حیثیت سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ہمیں ان گیارہ ذاتوں میں دو ذاتوں کے سوا باقی ذاتوں کے برہمن ہونے میں کلام ہے۔ اور خود سپرنٹنڈنٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء کو بھی اپنی اس تحقیقات پر چنداں اعتماد نہیں ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۴۲ پر وہ لکھتا ہے کہ ''ریاست کی آیندہ مردم شماری میں اگر بموجب ان قواعد کے عمل درآمد ہوا۔ جو مابعد تجویز کیے جائیں گے۔ تو صرف نقشہ جات ہی دلچسپ نہ ہوں گے۔ بلکہ ذاتوں کی اصل نسل کا حال بھی خالی از لطف نہ ہوگا۔''

سر والٹر لارنس ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں۔ ''وہ شیوخ جو کھشتریوں سے مسلمان ہوئے ہیں۔ اپنی رگوں میں جنگ جُو خون رکھتے ہیں۔ اور ان کی اعلیٰ ذاتیں حسب ذیل ہیں۔ ''ماگرے تانترے، ڈار، ڈانگر، رینہ، راتھر، ٹھاکر *، نایک۔'' تاریخ حسن کے مصنف نے بھی ان ذاتوں کو ہندوؤں کے طبقہ دوم یعنی کھشتریوں کی جنگ جُو شاخ ظاہر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ اقوام قدیم راجگان کشمیر کے عہد سے لے کر سلاطین مغلیہ کے زمانہ تک صاحب ریاست وحکومت

* کشمیر میں قدیم ٹھاکر مسلمان راقم الحروف کو تو کوئی معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ مہاراجہ ہری سنگھ موجودہ فرمانروائے کشمیر نے حال ہی میں دو جلیل فرزند توحید کو جاگیر وغیرہ دے کر ٹھاکر کا خطاب دے دیا ہے۔ ایک کرنیل سردار ٹھاکر رحمت اللہ خاں جو مہارانہ بہادر کی فوج کے افسر اعلیٰ ہیں۔ دوسرے خان بہادر جسٹس آغا ٹھاکر سید حسین جو رضوی سادات ہیں۔ کشمیر کی تاریخوں میں ٹھکور قبیلہ کے ملک مسعود، ملک جلال وغیرہ نامور روسا کا ذکر ہے۔ لیکن وہ کوہ غو (افغانستان) کے رہنے والے تھے معلوم نہیں وہ غوری سے ٹھکور کس طرح ہو گئے۔ اور ٹھکور کا مفہوم کیا ہے؟

گزری ہے۔اسی طرح مولوی محمد سعادت مفتی نے بھی اپنی (غیر مطبوعہ) تاریخ گلشن کشمیر میں ڈار طبقہ کو کھشتری لکھا ہے۔اور اس قوم نے قدیم ہندو راجگان وسلاطین کشمیر کے زمانہ میں جس جنگی قابلیت کا ثبوت دیا ہے وہ بھی ان کو کھشتری ہی ثابت کرتی ہے۔

کلہن علاقہ لہر (لار) کے ایک مشہور ڈامر کوشٹھک کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ جب وہ ایک جنگ میں مہلک طور پر زخمی ہو گیا۔تو اس کی بیوی نے اس کے مرنے سے پیشتر ہی اس کی زندگی سے مایوس ہو کر اورستی ہونے کے لیے چتا پر بیٹھ کر اپنی راجپوتی آن کو قائم رکھا، پھر لکھا ہے۔کہ ڈامرون کی لڑکیوں کی شادیاں شاہی خاندان کے افراد کے ساتھ ہوا کرتی تھیں۔ گرگ چند ڈامر کی دونوں لڑکیاں راجہ سوسل کی رانیاں تھیں۔اسی گرگ چندر کے ہاں جب ایک دفعہ راجہ سلہن نے جس کو گرگ چندر نے خود تخت پر بٹھایا تھا۔مہاتما سہل کی معرفت اپنی شادی کا پیغام بھیجا تو گرگ چندر نے غصہ سے لال پیلے ہو کر جواب دیا تھا کہ میں کسی بزدل راجہ کو اپنی بیٹی نہیں دے سکتا۔

کشمندر نے (بعہد راجہ انت وکلش) اپنی کتاب سمے مائزہ ولوک پرکاش میں جن کے حوالے سٹین نے بھی دیئے ہیں۔ڈامرون کا ذکر کرتے ہوئے سمر سنگھ ڈامر جوتا پر میں رہا کرتا تھا کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اسم بامسمیٰ تھا یعنی "شیر میدان جنگ" اور یہی سمر سنگھ کے معنی ہیں۔

ڈامر کی تعریف وتشریح میں مؤرخوں کی مختلف رائیں ہیں۔ولسن صاحب لکھتے ہیں کہ ڈامر ایک تند اور ناقابل مطیع قبیلہ تھا۔جو کشمیر کے شمالی پہاڑوں میں آباد تھا۔سینٹ پیٹرز برگ ڈکشنری کے مصنفوں نے ولسن صاحب ہی کے خیالات کو مدنظر رکھ کر ڈامر کے معنی سرکش اور فسادی بتائے ہیں۔ایک اور یورپین پروفیسر ایچ کرن نے ڈامر کو اعلیٰ مالگزار اراضی داریا پرن (نواب) بتایا ہے۔سٹین صاحب نے جوراج ترنگنی کے انگریز مترجم ہیں لکھا ہے کہ میرے خیال میں میری تحقیقات کے مطابق ڈامر کا لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔لفظ ڈامر کا رواج کشمیر میں بہت عرصہ سے ہے۔چنانچہ راجہ للتادیتہ (۷۰۰ء تا ۷۳۶ء) اپنے جانشینوں کو ہدایات دیتا ہوا کہتا ہے کہ کاشتکاروں کے پاس ایک سال سے زیادہ عرصہ تک کے گزارہ کی زمین نہ رہنے دو ورنہ وہ خوفناک ڈامر بن کر تمہارے لیے مصیبت کا باعث ہو جائیں گے۔

سنگرام ڈامر کمزور راجگان کشمیر کے طویل عہد حکومت میں ایک زبردست اور ناقابل تسخیر ہستی کا مالک تھا۔ گرگ چندر یا گگن چندر ڈامر کو تو پنڈت کلہن نے بھی اپنے زمانہ کا ''بادشاہ گر'' لکھا ہے۔ وہ جس کو چاہتا تھا تخت پر بٹھاتا تھا اور جسے چاہتا تھا معزول کر دیتا تھا۔ پرگنہ دیوسر (دیوہ سر) کے ڈامر برہت تک سوکستم تک اور وجے اجو گگن چندر بانی موضع گگنہ گیر کا خسر پورہ تھا) بہت شجاع اور بہادر گزرے ہیں۔ راج ترنگنی ان کے شجاعانہ کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ راجہ انت، راجہ ہرش، راجہ سلہن، راجہ اوچل، راجہ سوسل اور ان کے بعد کے کئی راجے اس قوم کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح حرکتیں کرتے رہے ہیں۔

ہندو عہد قدیم کے آخری پانچ چھ سو سالوں میں کشمیر میں چند ایک اور اقوام لون وغیرہ کے علاوہ ڈامروں، ایگانگیوں اور تانتروں کا بڑا زور رہا ہے۔ ہر حکمران ان تینوں قوموں میں سے کسی نہ کسی قوم کے ساتھ ساز باز رکھنے ہی سے زندہ رہ سکتا تھا۔ ان اقوام میں سے ڈامر قوم کی فوجی طاقت اور زرعی اہمیت کی وجہ سے کشمیر کا ایک نیم آزاد قبیلہ تسلیم کیا گیا ہے۔

اس قبیلہ کے سردار اپنے علیحدہ سوار اور پیادہ فوجیں رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مسلح رہتے تھے۔ چنانچہ راجہ اونتی ورمانے جب علاقہ لار کے ایک زبردست ڈامر کو تنبیہ کرنے کے لیے اپنے دربار میں بلایا۔ اور وہ بڑے اصرار کے بعد آیا۔ تو بقول پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی اس کے جتنے ہمراہی تھے وہ سب مسلح تھے۔ راجہ ہرش نے اپنے زمانہ میں ان لوگوں سے ہتھیار چھین لینے کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے ان کی شورش اور ان کے انکار پر ان کے کئی سرداروں کو قتل کرا دیا۔ لیکن جب راجہ ہرش کے زوال کے دن آئے۔ تو بقول پنڈت کلہن یہی ڈامر جن کا اس نے اپنی طرف سے قلع قمع کر دیا تھا۔ راجہ اوچل کو تخت پر بٹھانے کے لیے تمام علاقوں سے اس طرح نکل آئے جیسے برف پگھلنے کے بعد شہد کی مکھیاں اپنے سوراخوں سے نکل آتی ہیں۔ راجہ اوچل نے تخت پر بیٹھ کر گرگ چندر کے بھائی جنک چندر اور دوسرے ڈامروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

پنڈت کلہن راج ترنگنی میں جیک نامی ایک ڈامر کی دولتمندی * کے متعلق لکھتا ہے کہ اس کے پاس اس قدر غیر معمولی دولت تھی کہ جب راجہ کلش نے اس کے دفینہ پر قبضہ کر لیا۔ تو اس کی ساری مالی مشکلات دُور ہو گئیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''ان کے قبضہ میں مضبوط قسم

اب ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ڈامر سے ڈانگر لفظ کا کیا تعلق ہے۔ راجہ ہرش (۱۱۱۲ء سے ۱۱۲۰ء) کے زمانہ میں ڈامر لفظ بھی موجود تھا لیکن اسی زمانہ میں یہ لفظ ڈانگر کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ جیسا کہ گلدستہ کشمیر کا ہندو مصنف پنڈت ہر گوپال کول (صفحہ ۴۷ پر) راجہ ہرش اور اس کے وزیر بجے مل کی لڑائی کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "بجے مل جو راجہ سے شکست کھا کر دردستان میں پناہ گزیں تھا۔ آغاز بہار میں ڈانگر قوم کی مدد لے کر لڑائی کو نکلا۔" کشمیر کے مسلمان مؤرخین نے بھی راجہ ہرش کے زمانہ ہی میں ڈانگر کے لفظ کا استعمال کیا ہے۔ راجہ سلہن کے زمانہ میں بھی جہاں گرگ چندر یا گگن چندر مشہور بادشاہ گر ڈامر کا ذکر آتا ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ اس نے مشیر سلطنت ہو کر اپنی ہی قوم کے ان ڈانگر افراد کو چُن چُن کر قتل کرایا۔ جن کو وہ اپنے لیے خارِ راہ سمجھتا تھا۔

راجہ سوسل بار ثانی کے عہد میں لون قوم کے اقتدار کے ساتھ جس دوسری قوم کی طاقتور بتایا گیا ہے۔ وہ ڈانگر قوم ہی ہے۔ کشمیر کے آخری قدیم ہندو حکمران خاندان او پیادیو (حکومت قریباً ۱۵۰ سال) کے عہد میں کشمیر کی مشہور لڑاکا اقوام نائک۔ ایگانگی یا وانگی۔ ڈانگر۔ لون وغیرہ کا جہاں ذکر آتا ہے۔ وہاں ڈامر لفظ کو مؤرخین نے بالکل بھلا دیا ہے۔ گویا اس زمانہ میں ڈامر کا لفظ ڈانگر کی مستقل شکل اختیار کر چکا تھا۔

اب ڈامر لفظ پر تیسرا دور آتا ہے۔ یعنی ڈامر سے ڈانگر تو بن گیا۔ اب ڈامر سے ڈار کب بنا۔

راجگان قدیم کشمیر کے بعد جب مسلمان سلاطین کا زمانہ (۱۳۲۵ء مطابق ۷۲۵ھ) آیا تو اس قوم نے بھی دیگر اقوام کے ساتھ مذہب اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے پولیٹیکل کارناموں اور ذاتی شجاعانہ اوصاف کے باعث اپنا اقتدار و رسوخ برابر قائم رکھا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ رفتہ رفتہ جدید حکومت کے ارکان کا ایک ضروری جزو سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ سلطان فتح شاہ جب اول مرتبہ (۸۹۵ھ تا ۸۹۸ھ) کشمیر کا بادشاہ ہوا ہے۔ تو کاروبار مملکت ملک سیف ڈار کے مشورہ کے بغیر انجام نہ دے سکتا تھا۔ بلکہ اگر سیف ڈار اس کی معاونت نہ کرتا تو وہ کبھی تخت و تاج بھی حاصل نہ کر سکتا۔

* راج ترنگنی میں لکھا ہے کہ جیک وسیع زمینداری کا مالک تھا وہ ایک باجگذار رئیس تھا۔ مالگزاری کے علاوہ ممالک میں اجناس خوردنی کی برآمد کر کے وہ غیر معمولی دولت اور ایک زبردست مسلح فوج کا مالک تھا۔ راجہ کلش سے ... کے دوران میں مارا گیا۔

اسلامی عہد حکومت میں سب سے پہلے ملک سیف ڈار کے نام کے ساتھ ہی ڈار کا لفظ نظر آتا ہے۔ جس طرح ہندو عہد حکومت کے آخری ایام میں ڈامر کو کبھی ڈانگر لکھا جاتا رہا ہے اور کبھی ڈامر۔ اسی طرح ملک سیف ڈار کے بعد بھی کبھی ڈار اس قوم کے لیے لکھا گیا ہے اور کبھی ڈانگر۔ مثلاً سلطان فتح شاہ بار دوم * کے زمانہ میں جب ملک شمس چک ملک سیف ڈار کو قتل کرنے کے بعد خود مدار المہام بنا۔ تو اس نے نشہ غرور و تکبر میں دوسری اقوام کے امرائے دولت کو دربار سے نکالنا شروع کر دیا۔ موسیٰ رینہ اور ابراہیم ماگرے جو اس کے قدیم ساتھیوں میں تھے۔ اس ذلت کو برداشت نہ کر سکے۔ آخر ان کے اشارہ سے ملک سیف ڈار کے متعلقین اور ابراہیم ڈار اور ان کی قوم ڈانگر کے چند افراد جو ملک سیف ڈار کا قصاص لینے کے لیے موقع کی تاڑ میں تھے۔ ملک شمس چک پر ٹوٹ پڑے۔ اور گو ان میں سے کئی ایک مارے گئے لیکن آخر اس کو قتل کر کے ہی واپس آئے۔"

سطور بالا میں اس قوم کے لیے ڈار اور ڈانگر دونوں لفظ موجود ہیں۔

معلوم ہوتا ہے اسی زمانہ میں ڈار قوم کے اقتدار کا تنزل شروع ہو گیا تھا۔ تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ سلطان فتح شاہ بار دوم کے عہد میں شمس چک کے بعد جب موسیٰ رینہ وزیر سلطنت بنا تو اس نے بھی اپنے سابقہ وزیر کی روش اختیار کر کے چکوں اور ڈانگروں کو پامال اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان اقوام کے بڑے بڑے رئیس اور رئیس زادے اور نامی ارکان موسیٰ رینہ کے بیٹے علی رینہ کے اردل میں پیدل چلا کرتے تھے۔ ۱۵۱۰ء میں ابراہیم ماگرے نے بادشاہ تک رسائی و اعتماد حاصل کر کے موسیٰ رینہ کا قصہ ختم کر دیا۔ اسی زمانہ میں قوم ڈانگر نے اپنا کھویا ہوا اقتدار حاصل کرنے کے لیے ایک دفعہ پھر ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔

ملک سیف ڈار کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اس کو بعہد سلاطین حسن شاہ، محمد شاہ اور فتح شاہ عروج کامل حاصل رہا ہے۔ اس نے ٹنکی پورہ کے قریب بر لب دریا ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا۔ جو عرصہ تک باغ سیف ڈار کے نام سے موسوم رہا۔ پٹھانوں کے زمانہ میں ڈار قوم کے نام پر اس باغ کا نام ڈارہ باغ تھا۔ امیر خان جوان شیر ناظم کشمیر نے اس باغ میں ایک وسیع دیوان خانہ تعمیر کرایا۔ اور باغ کی عمارات ہی میں اس نے اپنی عدالت گاہ بھی قائم کی۔ اور پھر ڈارہ باغ کے گرد ایک سنگین فصیل تعمیر کرا کر اور اسے ایک قلعہ کی صورت دے کر آئے دن کے سیلابوں سے بھی

* ۹۰۷ھ لغائت ۹۲۰ھ مطابق ۱۵۰۱ء لغائت ۱۵۱۴ء

محفوظ کر دیا۔ اور اس کے اندر اور کئی عمارتوں کا اضافہ کر کے اپنے نام پر اس کا نام شیر گڈھی * رکھا۔ یعقوب شاہ چک کا نائب السلطنت علی ڈار ۱۵۸۰ء میں تھا۔ علی ڈار کے بعد ہی یعقوب شاہ نے محمد بٹ شیعہ کو وزیر بنایا تھا۔ کشمیر کی دیگر اقوام کی طرح ڈار قوم بھی اب کشمیر کے مفصلات و دیہات میں پھیلی ہوئی ہے۔ دیہاتی آبادی کا شغل زراعت ہے۔ ان قوم میں کئی ذیلدار اور بے شمار نمبر دار اور سفید پوش مالکان اراضی موجود ہیں۔

ڈار قوم کی آبادی ریاست جموں و کشمیر میں ۱۸۹۱ء میں ۶۸۹۴۹ نفوس پر مشتمل تھی۔ بیس سال کے بعد ۱۹۱۱ء میں اس قوم کی تعداد ۹۸۳۲۱ ہوگئی۔ اب تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء کے رُو سے ڈار قوم کی آبادی ۱۱۸۳۶۶ ہے۔ جس مین ۶۴۴۶۰ مرد اور ۵۳۹۰۶ عورتیں ہیں۔ بہ الفاظ دیگر چالیس سال کے عرصہ میں اس قوم میں قریباً دگنا اضافہ ہوگیا۔

کشمیر میں ڈاروں اور ڈانگروں کے نام پر کئی مواضعات آباد ہیں۔ جن کی تفصیل تحصیل وار حسب ذیل ہے۔

تحصیل بڈگام:

(۱) چندو ڈانگر پورہ۔ آبادی ۳۴۵ نفوس (۲) ڈانگر پورہ آبادی ۱۰۲ نفوس (۳) گنڈیمہ ڈار آبادی ۶۳ نفوس (۴) ڈانگر پورہ آبادی ۵۴ نفوس۔

تحصیل بارہ مولا:

(۱) سرروڈانگر پورہ آبادی ۲۲۱ نفوس (۲) سرائے ڈانگر پورہ ۸۱۰ نفوس۔

تحصیل اوتر مچھی پورہ:

(۱) مکان شریف ڈار۔ ۱۰۰ نفوس (۲) ہب ڈانگر پورہ ۴۸۰ نفوس (۳) ڈانگر پورہ زینہ گیر ۱۷۴ نفوس۔

* مہاراجہ گلاب سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاب سنگھ کے محلات اور شاہی دفاتر اسی شیر گڈھی میں رہے ہیں۔ اب مہاراجہ سر ہری سنگھ موجودہ فرمانروائے کشمیر نے محلات گوپیکار میں تعمیر کرائے ہیں۔ اور شیر گڈھی کے زمانہ محلات بھی دفاتر ہی بنا دیئے ہیں۔

تحصیل کولگام:

(۱) مکان ڈانگر پورہ نفوس ۳۲ (۲) ڈانگر پورہ (شوپیاں) ۱۲۷ نفوس (۳) حاجی ڈار پورہ ۱۴۱ نفوس۔

تحصیل خاص:

(۱) ڈانگر پورہ ۷۸ نفوس

کشمیر میں اس قوم کے نام پر ۱۳ مواضعات آباد ہیں۔ اور ان میں ڈانگر پورہ زینہ گیر جو راقم مؤلف کے وطن ہر دو شیوہ نزیل سو پور کے راستہ میں ہے۔ سب سے بڑا ہے۔

معلوم ہوا ہے کہ اس موضع کا نام بٹوں کی آبادی کی وجہ سے پہلے بٹ نگ تھا۔ پھر شاہ سید محمد خاں کی زیارت اور ان کے باغ کی وجہ سے اس موضع کا نام خانہ باغ مشہور ہو گیا۔ ان کے دو خادم تھے۔ ایک گنائی قبیلہ سے تھا۔ ایک تلیل * کے علاقہ کا ڈار یا ڈانگر تھا۔ جو اپنے علاقہ میں کُٹ راج مشہور تھا۔ رعایا پر حکمرانی نہیں بلکہ ظلم رانی کرتا تھا۔ رعایا نے تنگ آمد بہ جنگ آمد کے مقولہ کے مطابق جب اس کا گھر بار جلا دیا۔ تو یہ خانہ باغ میں آ کر خان صاحب کا خادم ہو گیا۔ اب اس کی اولاد و ذریات گاؤں کی قریباً نصف آبادی پر مشتمل ہے۔ اس گاؤں کے دو نمبردار ہیں۔ ایک احسن ڈار اور دوسرا مہدر راتھر۔ اس موضع میں گنائی، پنڈت، راتھر، بیگ، نائک، میر، وانی، بٹ، تانترے، خان، سید، چوپان، لون، پرے، ڈار یا ڈانگر وغیرہ کئی اقوام آباد ہیں۔ اور ڈار سب سے زیادہ ہیں اور سب زراعت کرتے ہیں۔

اس گاؤں کی ڈیڑھ ہزار آبادی میں سے تیس سے زیادہ لڑکے پرائمری پاس نہیں ہیں۔

خاندان رمضان ڈار ذیلدار:

بڈگام کی تحصیل میں ایک قدیم موضع سوئی بگ کے نام سے ہے۔ جہاں سنا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں ملک سیف ڈار کی اولاد کثیر تعداد میں تھی۔ لیکن انقلاب زمانہ میں جب

---

* ہندو عہد قدیم میں بھی اس علاقہ میں ڈامروں کا زور رہا ہے۔ گگن چندر ڈامر کا قلعہ وگدہ گھاٹ اسی علاقہ میں گریز کی حدود میں تھا۔

سوئی بگ * کے طبقہ ڈاراں پر بھی اپنا اثر ڈالا ۔ تو بہت سے گھرانے کشمیر کے دیگر دیہات ومفصلات میں پھیل گئے ۔ چنانچہ بارہ مولا کے متصلہ موضع ہوئیں کے محمد ڈار نمبردار ** کا قدیم وطن سوئی بگ ہی ہے۔ اکبر ڈار ذیلدار دربہ گام کے بزرگ بھی سوئی بگہ ہی سے تعلق رکھتے تھے ۔ لنگیٹ اور ہانگا میں چند گھر ایسے ڈاروں کے ہیں جن کے بزرگوں کا قدیم وطن ہردوشیوہ ترک کرنے سے پیشتر سوئی بگ ہی تھا

سوئی بگ کے ڈاروں میں ایک نوح ڈار تھا جس نے ہردوشیوہ نزیل سوپور میں خانہ داماد ہو کر نقل مکانی کر لی۔ ہند ڈار اس کا بیٹا اور عید ڈار اس کا پوتا تھا۔ عید ڈار کے دو فرزند تھے۔ ایک صد ڈار اور دوسرا شیہی ڈار۔

صِد ڈار کے دو فرزند تھے ۔ بڑا اسماعیل ڈار جس کی کچھ اولاد ہی ہردوشیوہ میں ہے۔ اور چونکہ اس کا فرزند جمال ڈار موضع ہانگا متصل لنگیٹ میں خانہ داماد ہو کر آباد ہو گیا تھا۔ اس لیے اسماعیل ڈار کی کچھ ذریت ہانگہ ولنگیٹ میں ہے۔ صِد ڈار کے چھوٹے بیٹے کا نام حسن ڈار تھا۔ اس کی اولاد کا کثیر حصہ پنجاب میں آباد ہے۔ اس کا علیحدہ ذکر ہوگا۔ سیہہ ڈار یا شیہی ڈار کی اولاد مستقل طور پر ہردوشیوہ میں آباد ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ ابراہیم اور کریم۔ ابراہیم کی چوتھی پشت میں رمضان ڈار زینہ گیر کا نامور ذیلدار گزرا ہے ۔ جس کو راقم مؤلف نے بھی دیکھا تھا اور جس کا خاندانی شجرہ راقم مؤلف کے ساتھ عید ڈار اور نوح ڈار تک برابر چلا جاتا ہے۔ ۱۹۱۵ء یا ۱۹۱۶ء میں رمضان ڈار حسب ذیل تین فرزند عبداللہ ڈار، منور ڈار، انور ڈار چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ اب اس کے فرزندوں میں منور ڈار ذیلدار اور عبداللہ ڈار نمبردار ہے۔ عبداللہ ڈار کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ گلہ ڈار، احسن ڈار، لسی ڈار، سلطان ڈار، منور ڈار کے فرزندان حسب ذیل ہیں۔ محمد مقبول ڈار، عبدالرحمٰن ڈار، غلام احمد ڈار، غلام محمد ڈار، انور ڈار کا صرف ایک ہی فرزند غلام نبی ڈار ہے۔

---

* ۱۹۳۲ء کے سفر کشمیر میں راقم مؤلف نے جب بڈگام میں محمد میر ذیلدار سوئی بگ سے سوئی بگ کے طبقہ ڈاران کے متعلق کچھ دریافت کیا۔ تو اس نے کہا کہ اب اس موضع میں ڈار قوم کے صرف چند ہی گھر آباد ہیں اور وہ بھی معمولی حالت میں ہیں۔ یہ سب لوگ اور ڈار قوم کے وہ لوگ جو یہاں سے نقل مکانی کر کے دیگر مواضعات میں گئے ہیں۔ ملک سیف ڈار ہی کی اولاد سے ہیں۔

** ۱۹۳۲ء کے سفر کشمیر میں راقم موضع ہوئیں گیا تھا اور محمد ڈار نے سے خود بتایا تھا کہ اس کے بزرگوں کا تعلق سوئی بگ کے ڈاروں سے ہے۔

خاندان منشی غلام محمد خادم ڈار:

آپ کا سلسلہ نسب رمضان ڈار ذیلدار مرحوم سکنہ ہردوشیوہ زینہ گیر کے ساتھ چند پشت اوپر جا کر ملتا ہے۔آپ کے دادا احسن ڈار پٹھانوں کے عہد میں پنجاب چلے گئے تھے۔حسن ڈار کی اولاد کی کثیر تعداد پنجاب کے مختلف مقامات میں آباد ہے۔آپ قریباً پچاس ساٹھ سال سے کشمیر ہی میں متمکن ہیں۔ایک شادی علاقہ زینہ گیر کے موضع گوری پورہ ہی میں کی جس سے تین لڑکیوں کے علاوہ حسب ذیل چار فرزند بھی ہیں۔(۱) محمد عبداللہ (۲) منظور الحق (۳) محمد ریاض (۴) ظفر السلام۔آپ یہاں وسیع زمینوں کے مالک ہیں اور اپنے علاقہ کے سفید پوش بھی ہیں۔کشمیر کے مواضعات ہردوشیوہ امرزلواری اور چیئر ہار کے علاوہ پنجاب میں بھی آپ کی اراضی موجود ہے۔اصلاحی، قومی، تعلیمی اور سیاسی جلسوں کی شمولیت میں آپ نمایاں حصہ لیتے رہتے ہیں۔آپ کی عمر اس وقت ۷۵ سال کے قریب ہے۔آپ کا سب سے بڑا لڑکا مظفر دین پنجاب میں زمینداری کرتا ہے۔راقم مؤلف (محمد الدین فوق) آپ کا حقیقی برادر زادہ ہے۔ ہردوشیوہ میں قریباً ۴۰ گھر ڈار قوم کے ہیں جن میں پندرہ یک جدی ہیں۔

خاندان اکبر ڈار ذیلدار دربہ گام:

دربہ گام علاقہ شوپیاں کا یہ معزز خاندان بھی سوئی بگ کے طبقہ ڈاران کی ایک شاخ ہے۔قریباً چودہ پندرہ سال کا عرصہ گزرا ہے۔راقم مؤلف دربہ گام میں خواجہ اکبر ڈار ذیلدار کے ہاں مقیم تھا۔وہیں انہوں نے اپنا سلسلہ نسب بیان کیا۔اور بتایا کہ ہمارے بزرگ کئی پشتوں سے سوئی بگ سے آ کر یہاں مقیم ہوئے ہیں۔۱۹۱۳ء میں ان کے والد خلیل ڈار ذیلدار تھے۔

دربہ گام میں ایک شاعر ملا عطاء اللہ عطائی کے نام سے ہوئے ہیں۔''انشائے عطائی'' جو ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔اور خواجہ اکبر ڈار کے کتب خانہ میں موجود ہے۔انہی کی تصنیف ہے جیسا کہ اس انشاء کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے۔یہ انشاء خواجہ خلیل ڈار ذیلدار مرحوم کے دادا اشرف ڈار نے اپنے فرزند عبدالرسول معروف بہ رشی ڈار جو خلیل ڈار کے والد تھے، کے لیے لکھوایا تھا۔گویا یہ خاندان پشت ہا پشت ہی سے علم کا حامی و سرپرست چلا آتا ہے۔ترغیب حصول کے علم کے لیے ملا عطائی نے اس میں ایک نظم بھی لکھی ہے۔چونکہ یہ نظم مفید عام ہے، اور آج تک غیر طبع ہونے کی وجہ سے گوشہ گمنامی میں ہے۔اس لیے اس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

علم است رہبر ترترا	علم است یادر ترترا	علم است تاج سرترا	بالہجہ والحاں بخواں
بےعلم داں گاؤخرے	بے علم دانی ابترے	باعلم شدخوش گوہرے	بالہجہ والحاں بخواں
فرمودۂ علم لدُن	ہر جا کمال علم کُن	با جاہلاں صحبت مکن	بالہجہ والحاں بخواں
مشقِ خط و درس وسبق	کُن روز وشب از بہرحق	مے خواں کتابہ ہرورق	بالہجہ والحاں بخواں
آخر زدنیا اے جواں	ہرکس شود بے خانماں	علم است اودار الاماں	بالہجہ والحاں بخواں
پند عطائی گوش کُن	ساغر ز دانش نوش کُن	درہر کلامے ہوش کُن	بالہجہ والحاں بخواں

خواجہ اکبر ڈار اپنے آباؤ اجداد کی طرف نہایت علم دوست، علم پرور اور قومی درد رکھنے والا نوجوان ہیں۔ آپ بلاد اسلامیہ، عراق، بغداد شریف، بصرہ، کربلائے معلّٰی، کاظمین اشرف۔ نجف اشرف کی زیارت کر چکے ہیں۔ مذہباً سنی الحنفی ہیں۔ اپنی ذیل (جس میں قریباً ۳۰ دیہات ہیں) کے جملہ مقدمات وتنازعات کا بالعموم خود ہی فیصلہ کرتے ہیں۔ امیر ہونے کے باوجود منکسر المزاج ہیں۔ اور صحیح معنوں میں محبّ الفقراء ہیں۔ جنوری ۱۹۳۲ء میں خداوند کریم نے آپ کو ایک فرزند بھی (محمد شفیع نام) دیا ہے۔

خاندان سنگرام ڈار چرار شریف:

شیخ العالم شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں زمیندار قوم سے ایک نامی شخص سنگرام ڈار چرار شریف میں گزرا ہے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۱۰۸ پر اس کی حیثیت وشخصیت کے متعلق ذیل کے الفاظ درج ہیں۔ ''سنگرام ڈار از قوم زمینداراں مالدار و نامدار کامگار و رئیس موضع چرار بود۔''

سنگرام ڈار شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ حضرت شیخ سات سال تک چرار شریف میں انہی کے مکان پر فروکش رہے۔ سنگرام ڈار کا مدفن چرار شریف ہی میں برسر بازار ہے۔ اسی تاریخ میں جو ۱۳۱۰ھ سے ۱۳۲۱ھ کے درمیان تصنیف ہوئی ہے۔ یہ بھی لکھا ہے ''داز نسل و ذریات او ہنوز درآں جایادگار موجود اند''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی سنگرام ڈار کی اولاد احفاد چرار شریف موجود ہے۔

اسی تاریخ کے صفحہ ۱۱۴ پر پھر سنگرام ڈار کا ذکر ہے کہ جوگی رشی جو شیخ نصیر الدین رشی

کے مریدوں اور ہم نسبوں میں تھے۔ سنگرام ڈار کو خانہ داماد بنا کر گھر لے آئے۔ اور اپنی صبیہ کا اس سے نکاح کر دیا۔ اس سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ بابا اسماعیل ڈار و بابا یوسف ڈار۔

اس کے بعد جوگی رشی کو بھی خدا نے تین فرزند دیئے، حسن رشی، حسین رشی، صالح رشی، ان سب کی اولاد بابا کہلاتی ہے۔ مثلاً ہاشم بابا، نظام بابا، الیاس بابا، کریم بابا، رستم بابا، قادر بابا وغیرہ۔ چنانچہ اس وقت چرار شریف کا جو ذیلدار ہے وہ بھی اسی خاندان سے ہے۔ اور اس کا نام لسہ بابا ہے۔ جوگی رشی اولاد کے ساتھ سنگرام ڈار کی اولاد بھی زیارت کے حقوق مجاورت میں حصہ دار ہیں۔ تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف کے زمانہ حیات میں اس درگاہ کی آمدنی کے ۸۱ حصہ دار تھے۔

سنگرام ڈار کا نام ہندو ہے۔ اس کی وفات پر لکھا گیا ہے کہ اس کو دفن کیا گیا اس کے فرزندوں کے نام اسماعیل و یوسف ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو یا تو اس کا اسلامی نام معلوم ہی نہ تھا۔ یا قبول اسلام کے بعد بھی سنگرام ڈار یا اپنے قدیم نام ہی سے مشہور رہا ہے۔ پنجاب کے چند ڈار خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہے۔

دار

کشمیر میں بہت سی ایسی ذاتیں اور گوتیں ہیں کہ ان کے ناموں ہی سے ان کی کیفیت اور وجہ تسمیہ معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض ایسی ہیں کہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تاریخوں اور بعض تذکروں کا مطالعہ بھی ان کی اصلیت پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈال سکتا ہے لیکن بعض ایسی ذاتیں اور ایسے قبیلے بھی ہیں جن کی کیفیت نہ ان کے ناموں سے معلوم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی تاریخ اور تذکرہ ان کی حقیقت کو بے نقاب کر سکتا ہے۔ ایسے ہی قبیلوں میں ایک قبیلہ دار بھی ہے۔

بعض لوگوں کے خیال میں دار تنہا لفظ نہیں تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ تھانہ کلید، حلقہ، تحصیل، کار وغیرہ کے الفاظ بھی تھے۔ جن کی شمولیت ان کو تھانہ دار، کلید دار، حلقہ دار، تحصیل دار اور کاردار وغیرہ بنا دیا کرتی تھی۔ مرور ایام سے باقی الفاظ اڑ گئے۔ اور صرف دار رہ گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دار کا لفظ تاریخوں میں قریباً ۴۵۰ سال سے رائج ہے۔ اور گو کشمیر میں وہ زمانہ اسلامی

حکومت ہی کا تھا لیکن متذکرہ صدر الفاظ کے رواج کا اس زمانہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ہندو عہد قدیم میں ان کے بزرگ داردستان * کے علاقہ سے آئے تھے۔ جہاں اس زمانہ میں بدھ قوم ہی آباد تھی۔ کشمیر میں جب اسلام کا چرچا ہو۔اور تخت و مذہب دونوں اس کے قبضہ میں آگئے۔تو اس طبقہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔اور اپنے وطن کے نام پر دار کے نام سے موسوم ہوگیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قوم کا تعلق کشمیری پنڈتوں کے مشہور قبیلہ در سے ہے لیکن کشمیر میں دروں کا خاندان اس کی تصدیق نہیں کرتا۔نہ کشمیر کا کوئی اور محقق اس کو تسلیم کرتا ہے۔

اس نام کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دار اور ڈار دراصل ایک ہی نام ہے کسی زمانہ میں کسی بزرگ کے نام کے ساتھ ڈار کی جگہ غلطی سے دار لکھا گیا۔پھر نقل درنقل ہوتے ہوئے ڈار کا دار ہی رہ گیا۔کشمیر میں نقل نویسی کا مفہوم بھی مکھی پر مکھی مارنے ہی کو کہتے ہیں۔دار قوم کی آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی علیحدہ قبیلہ نہیں ہے۔ بلکہ کسی قبیلہ کی شاخ ہے۔ جو کسی نامعلوم وجہ سے اپنے مرکز سے علیحدہ ہوگئی ہے۔کشمیر کے دیہات وقصبات میں اس قوم کا کوئی پتہ نہیں ملتا۔سری نگر خاص میں عالی کدل اور راجوری کدل میں ان کے چند گھر پائے جاتے ہیں۔

روضۃ الابرار اہل کشمیر کے حالات میں ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ اس میں صفحہ (۱۴۹) کے حاشیہ پر قبیلۂ دار کے متعلق مندرجہ ذیل سطور درج ہیں۔ ''قبیلۂ دار بہ دال مہملہ فارسی مشہور وشریف است۔ و دار ہائے عالی کدل از اولاد ریگی دار ہستند کہ در عہد سلاطین کشمیر از اعیان روزگار بود۔واعتبار دنیا بکمال داشت۔'' ریگی دار کو مصنفین کشمیر نے

ازاحفاد ملک سیف   داریا ملک سیف ڈار است

لکھا ہے اور کئی تاریخوں میں سیف دار کہیں ڈار درج ہے۔کہیں ڈار ہے۔ چنانچہ اس وقت راقم مؤلف کے سامنے تاریخ کبیر کشمیر موجود ہے۔جس کی فہرست صفحہ ۹ اور پھر صفحہ ۱۴۶ پر ملک سیف ڈار کو کہیں ڈار اور کہیں دار لکھا ہوا ہے۔

---

* دار قوم کا وطن بھی ایک مصنف کشمیر نے داردستان بتایا ہے لیکن وہ دار ہے تو ڈاہر اور ڈانگر کیسے مشہور ہوگئے۔ نیز داردستان کی قوم پہلے ہی دار نہیں بلکہ درد کے نام سے مشہور ہے۔

سیف ڈار کا ذکر طبقہ ڈار میں درج ہو چکا ہے۔ آج بھی جن لوگوں کو مبداء خاص نے تاریخی ذوق عطا کر رکھا ہے۔ وہ شیر گڈھی کے وسیع محلات کو "باغ سیف ڈار" "یا ڈارہ باغ" ہی سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ ملک سیف ڈار نے اپنے زمانہ عروج و اقبال میں یہاں ایک عالیشان باغ تعمیر کرایا تھا۔ شیر گڈھی کے محلات جن کو آج دربار گڑھ کہا جاتا ہے اور زیارت سید قمر الدین اسی باغ کے کھنڈروں پر آباد ہیں۔

غرض کوئی وجہ ہو۔ دار اب ڈار قبیلہ سے ایک علیحدہ گروہ تسلیم کرلیا گیا ہے۔ اور تاریخ کشمیر میں سب سے پہلے جس دار کا نام آتا ہے۔ وہ ملک رنگی دار ہے۔ ملک رنگی دار دینی و دنیوی نعمتوں سے مالا مال تھا۔ اس کی قبر اس کے اپنے باغ واقعہ سورہ میں اب تک موجود ہے۔ محلّہ سورہ کے کریوہ پر اس نے باغ کے علاوہ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی۔ باغ میں چمن بندیاں تھیں۔ روشیں تھیں۔ عمارات تھیں۔ لیکن آج باغ کا نام ہی نام ہے۔ حضرت شیخ مخدوم حمزہ کے ارادت مندوں میں تھا۔

سلطان فتح شاہ کے آخری ایام (۱۵۱۴ء) میں جب کہ میر شمس الدین عراقی نے مذہبی ہنگامہ برپا کر دیا۔ تو ملک رنگی دار نے دربارداری اور ملک داری کے کاموں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور تادم زیست پھر سیاسی کاموں سے کوئی تعلق نہیں رکھا۔

محلّہ عالی کدل میں اس نے شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں۔ ایک مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی۔ جس کے مصارف خود برداشت کیے۔

دار خاندان میں خواجہ یعقوب دار (وفات ۱۰۳۰ھ بعمر ۳۳ سال) خواجہ زین الدین دار وفات ۱۰۴۲ھ بعمر ۴۰ سال) میاں محمد امین دار (وفات ۱۱ رمضان ۱۰۹۸ھ) حاجی عبدالسلام قلندر (وفات ۱۱۷۲ھ عمر ۶۱ سال) میاں حضور اللہ دار میاں محمد ولی دار مرزا محتشم خاں دار (وفات ۱۲۳۵ھ بعمر ۹۷ سال) خواجہ منور شاہ دار (وفات ۱۲۴۲ھ) میاں ضیاء الدین دار (۱۲۴۵ھ) اور کئی بزرگ نامی علماء فضلاء اور اغنیاء شمار ہوتے رہے ہیں۔ ان کے حالات تاریخوں میں بکثرت درج ہیں۔

سری نگر کے محلّہ عالی کدل وراجوری کدل میں اب بھی اس نامی خاندان کی ذریات موجود ہیں۔ جن میں خواجہ غلام حسن دار اور چند اور بزرگ بوجہ تجارت اپنی خاندانی سیرچشمی و

وجاہت کی زندہ یادگار ہیں۔

ایک دار خاندان جموں میں بھی آباد ہے۔جس کے بزرگ مولانا محمد اعظم بفضلہٖ موجود ہیں۔مولانا کے فرزندوں نے اپنی اعلیٰ قابلیتوں سے اپنے خاندان کا نام روشن کر رکھا ہے۔سب سے بڑے مولوی محمد حسن۔بی۔اے۔بی۔ٹی ضلع اسلام آباد کشمیر میں اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز کے معزز عہدہ پر ہیں۔ان سے چھوٹے ڈاکٹر نور حسین اسسٹنٹ سرجن سری نگر کے صدر ہسپتال میں تعینات ہیں۔تیسرے مولوی محمد عبداللہ بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی جو کچھ عرصہ تک منصف بھی رہ چکے ہیں۔آج کل صوبہ جموں میں اسسٹنٹ کورٹ انسپکٹری کی اسامی پر ہیں۔

لدھیانہ کے دار خاندان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

پال

سر والٹر لارنس نے اپنی مشہور کتاب ''ویلی آف کشمیر'' میں پال قبیلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔''پال ایک ذات ہے۔جو برہمنوں سے نکلی ہے۔اور جو آج کل مسلمان ہے۔''

لیکن پال ذات کی اصلیت کے متعلق جو ہماری تحقیقات ہے وہ اس سے بالکل مختلف ہے۔سر لارنس نے یا تو سنی سنائی بات لکھ دی ہے یا ممکن ہے۔تاریخ فرشتہ کے ان الفاظ سے مدد لی ہو۔کہ ''جے پال بن اسنپال قوم براہمہ سے تھا۔'' لیکن تاریخ فرشتہ ہی میں سبکتگین اور راجہ جے پال کے حالات میں لکھا ہے کہ لاہور کے راجہ جے پال بن اسنپال نے جو راجہ اجمیر سے قرابت رکھتا تھا۔اپنے بھتیجا کو دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ دے کر افغانوں کے سیلاب کو روکنے کے لیے پشاور روانہ کیا۔

اب تحقیق طلب یہ ہے کہ راجہ اجمیر کون تھا۔کیا وہ برہمن تھا؟ تاریخوں سے ثابت ہے کہ اجمیر دہلی،کالنجر وغیرہ تمام ممالک کے راجے راجپوت خاندان سے تھے۔چنانچہ راجہ جے پال نے سبکتگین یا محمود کے سیلاب کے روک تھام کے لیے جب کبھی ہندوستان کے راجگان سے مدد طلب کی ہے تو سب سے پہلے اس کے اپنے قرابت دار راجے دہلی و اجمیر ہی میدان میں نکلے ہیں۔اور پھر ان کی تحریک سے دوسرے راجوں نے بھی مدد دی ہے۔

راجہ جے پال جو بقول مصنف تاریخ فرشتہ راجہ اجمیر سے جو نسلاً بعد نسلاً راجپوت تھا۔ قرابت رکھتا تھا کبھی برہمن نہیں ہوسکتا اور راجہ جے پال برہمن ہو کر ایک راجپوت راجہ سے کبھی قرابت (رشتہ داری) نہیں کرسکتا۔ اس لیے ماننا پڑتا ہے کہ راجہ جے پال راجپوت ہی تھا۔

جب سبکتگین اور راجہ جے پال کی لڑائی میں جے پال صلح کی درخواست کرتا ہے اور سبکتگین کا بیٹا سلطان محمود صلح سے پہلوتہی کرتا ہے تو جے پال محمود کے پاس اپنا ایک ایلچی بھیج کر التماس کرتا ہے کہ اہل ہند بالخصوص راجپوت جب دشمن سے جنگ کرنے کے بعد جان و مال اور آبرو کی حفاظت سے ناامید ہو جاتے ہیں۔ تو مال دنیوی اور عورتوں کو آگ میں جھونک کر اور خاکستر بنا کر دشمن سے ایک آخری جنگ کرتے ہیں۔ جس میں واپس ہٹنے کا وہ نام نہیں جانتے۔ اس لیے صلح کر کے ہم پر احسان کیجئے۔ ورنہ ہمارے بعد سوائے خاکستر کے کچھ میسر نہ ہوگا۔ ان الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جے پال نے اپنے پیغام میں بھی جنگ کی آخری راجپوتی رسم ہی کا حوالہ دیا تھا۔

تاریخ راجپوتان پنجاب میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ ''راجہ سالباہن اول بن راجہ گنج چندربنسی کے پندرہ بیٹے تھے۔ اس کے ایک بیٹے کی شادی لاہور کے راجہ جے پال کی دختر سے ہوئی تھی۔ سالباہن چندربنسی راجپوت تھا۔'' ان الفاظ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ راجہ جے پال برہمن نہ تھا بلکہ راجپوت تھا۔

پال کا لفظ سب سے پہلے دریودھن پسر راجہ دھرتراشٹ مشیر خاص راجہ کرن عرف بسوکھین جو اپنے چھ بیٹوں سمیت جنگ مہابھارت میں مارا گیا تھا۔ کی چوتھی پشت میں راجہ دھرونت پال کے نام کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی ۲۳ ویں پشت میں راجہ لنگ پال ہوا ہے جس کے نام پر لنگئیہ راجپوت مشہور ہیں۔ لنگ پال کا باپ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتا ہوا مارا گیا تھا اور خود یہ کشمیر بھاگ گیا تھا۔ اس کی بارھویں پشت میں سس پال کشمیر سے ۱۴۰۰ بکرمی میں جموں آیا۔ اور راجہ ارجن دیو جموال کی سرکار سے اس کو مہتہ کوتوال کا خطاب ملا۔

سلہریہ راجپوتوں میں بھی پال نام کے کئی راجے ہوئے ہیں۔ خاندان چوہان میں بھی بجھ پال، دھرم پال، کرن پال، رتن پال، پرتھی پال۔ وغیرہ بیسیوں راجے پال کے نام سے گزرے ہیں۔ راجگان چبنی کے آخری نام کا جزو کئی پشتوں تک پال رہا ہے۔ راجہ رام

چندر جی کی ۶۲ ویں پشت میں راجہ اودک پال ہوا ہے۔ اس کی آٹھ پشتوں تک پال ہی پال قطار دہ قطار چلے گئے ہیں۔ راجہ کلش پال بسوہلی والے کی اولاد میں ۱۹ پشتوں تک ہر راجہ کے نام کا آخری جزو پال تھا۔

راجوری کے راجگان بھی راجپوت جرال ہیں ان میں بھی پال نام سالہا سال تک راجپوتوں کے نام کا جزو رہا ہے۔ چنانچہ کشمیر کے راجہ اوچل یا اوچل (۱۰۱۱ء لغائت ۱۰۱۲ء) کو شکست دے کر جب راجہ کلش کا بیٹا بھوج راجہ بن گیا اور جب اس کی مدد پر راجہ دردستان اور کئی اور رئیس تیار ہو گئے تو اس کے حامیوں میں راجوری (جموں) کے دو راجکمار درشن پال و سنج پال بھی اس کی مدد پر آمادہ پائے جاتے ہیں۔

راجوری کے علاقہ میں چند دیہات کا ایک علاقہ پودہل کے نام سے مشہور ہے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں اس علاقہ کا حاکم ٹھاکر نامدار خاں راجگان راجور کے ماتحت تھا لیکن فتح کشمیر کے موقع پر ٹھاکر نامدار نے مہاراجہ کو جو مدد دی۔ اس کے صلہ میں اس کو اس علاقہ کا خودمختار حاکم بنا دیا گیا۔ مصنف تاریخ راجور لکھتا ہے۔ ''یہ ٹھاکر قوم پال سے تھا۔ جو راجپوتوں کی ایک قوم ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں یہ قوم مسلمان ہو گئی تھی۔

اس وقت کشمیر یا پنجاب میں جو پال خاندان موجود ہیں ان میں سے بھی واقف کار اصحاب کا یہ بیان ہے کہ ''وہ راجپوت ہیں اور ان کے بزرگ شمالی ہند میں راج کیا کرتے تھے۔'' شمالی ہند سے مراد یقیناً پنجاب ہی ہے۔ اور پنجاب میں راجہ جے پال بن اسنپال کے خاندان ہی نے اسلامی عہد سے پہلے حکومت کی تھی۔

اب یہ مرحلہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ خاندان اسلام میں کب داخل ہوا ہے۔ شوکت افغانیہ عرف حیات لودی حصہ اول کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ راجہ جے پال کا ایک نواسہ سکھپال نام تھا۔ محمود نے ۱۰۰۱ء اور ۱۰۰۵ء میں جو حملے پنجاب پر کیے ہیں ان میں سے کسی ایک میں سکھپال بھی مسلمانوں کی قید میں آ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ ۱۰۰۵ء میں راجہ انگ پال یا انند پال کی مزاحمت کے باوجود ابوالفتح والئی ملتان نے جب خراج دے کر محمود سے صلح کر لی۔ تو اسی اثناء میں محمود کو خبر ملی کہ ایلک خاں حاکم کاشغر نے خراسان پر حملہ کر دیا ہے۔ سلطان کو سکھپال پر اس قدر اعتماد تھا کہ یہ مہم وہ سکھپال ہی کے سپرد کر کے آپ واپس چلا گیا۔ لیکن ۱۰۰۷ء یعنی ۳۹۸ھ میں جب اسے

سکھپال کے مرتد ہوکر سرکشی اختیار کرنے کی خبر ملی تو وہ پھر ہندوستان آیا اور سکھپال کو اپنے ہمراہ غزنی لے گیا۔

تاریخ فرشتہ اور دوسری تاریخوں سے راجہ جے پال کی اولاد اور اس کے اعزہ و اقارب کا محمود کے خوف سے بھاگ کر کشمیر جانا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ۱۰۰۵ء کے حملہ ہند میں جس کا سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے۔ انگ پال محمود سے شکست کھا کر کشمیر ہی کی طرف بھاگ گیا تھا۔ ۴۰۴ھ میں راجہ انگ پال مر چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا حکمران تھا۔ جب اس سال محمود نے پھر پنجاب پر حملہ کیا تو انگ پال کے بیٹے نے بھی باپ کی طرح کشمیر ہی کا رخ کیا۔

البیرونی نے بھی جو محمود کے اکثر حملوں میں اس کے ساتھ رہا ہے۔ اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ہمارے حملوں کے زمانہ میں کئی لوگ کشمیر وغیرہ کی طرف فرار ہو جاتے تھے۔ البیرونی نے راجہ انگ پال کے بیٹے کا نام ترلوچن پال بتایا ہے۔ اور لکھا ہے وہ ہندو شاہی خاندان کا آخری راجہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کے عہد میں محمود کے حملوں کو بہت کچھ روکنا چاہا۔ مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ البیرونی لکھتا ہے۔ ۴۱۲ھ میں مطابق ۱۰۲۱ء، ۱۰۲۲ء میں ترلوچن پال انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا بھیم پال پانچ سال تک زندہ رہا لیکن آزاد حکمران کی حیثیت سے اس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔

کشمیر اور لاہور کا آپس میں تعلق بھی رہا ہے۔ چنانچہ محمود کے حملوں کو روکنے کے لیے راجہ جے پال۔ راجہ انگ پال اور راجہ ترلوچن پال نے جن کو فارسی مورخوں نے پورجیپال لکھا ہے اپنے اپنے عہد میں جہاں ہندوستان کے راجوں سے مدد طلب کی ہے۔ وہاں کشمیر سے بھی انہوں نے مدد مانگی ہے۔ چنانچہ راجہ ترلوچن پال کے مدد طلب کرنے پر راجہ سنگرام راج (۱۰۰۳ء تا ۱۰۲۸ء) نے اپنے ایک جرنیل تنگ کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج لاہور بھیجی۔ جس میں بقول مصنف راج ترنگنی پنڈت کلہن کئی ایک راج پتر کئی باج گزار راجے اور کئی مشیران خاص تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے بھی لاہور کے شہزادے اور شاہی خاندان کے افراد کشمیر میں آکر پناہ گزیں ہو جایا کرتے تھے۔

راج ترنگنی میں دو پناہ گزیں شہزادوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ایک رُدر پال ایک دوا پال۔ یہ شہزادے راجہ اننت دیو (۱۰۲۸ء تا ۱۰۶۳ء) کے زمانہ میں کشمیر میں موجود تھے۔ رودر پال کو روزانہ

ڈیڑھ لاکھ دینار (موجودہ زمانہ کے ۹۳۷ روپے) رودر پال کو اسی ہزار دینار روزانہ (۵۰۰ رو
ملا کرتے تھے۔ لیکن اتنے بڑے بڑے وظیفہ لے کر بھی جن سے سلطنت کا خزانہ خالی ہو رہا
بقول مصنف تاریخ راج ترنگنی یہ شہزادے ہمیشہ تنگدست اور مالی مشکلات ہی میں مبتلا رہے۔

ان شہزادوں کے متعلق راج ترنگنی جلد اول کے صفحہ ۵۹۶ کے نوٹ ۴۹۰ میں لکھا ہے
یہ "شہزادے کشمیر میں پناہ کی غرض سے چلے آئے ہوں گے۔ ان کے ناموں رودر پال او دوا
کی ساخت آخری چار راجاؤں جے پال تر لوچن پال وغیرہ ہی سے ملتی ہے۔"

غرض راجہ جے پال کی ذریات سے کئی شہزادوں اور ان کے اعزہ کا کشمیر میں آنا ثا
ہوتا ہے۔ اور وہ غالباً پال ہی کے نام سے موسوم رہے ہوں گے۔ راجہ جے پال کے نوا
سکھپال کا مسلمان ہونا تو محمود ہی کے زمانہ سے ثابت ہے۔ جے پال کی جو اولاد احفاد کشمیر میر
وہ مسلمانوں کے عہد میں مسلمان ہو گئی۔ چنانچہ ۹۴۰ھ میں خواجہ شمس الدین پال سب سے
مسلمان پال تاریخ میں نظر آتا ہے۔

خان بہادر مرزا سلطان احمد مرحوم ڈپٹی کمشنر نے پنجاب کی ذاتوں اور گوتوں پر ۲۷
میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں ثابت کیا تھا کہ پنجاب میں کئی ایسی ذاتیں اور گوتیں ہیں جو لا
کے شاہی خاندان پال کی یادگار ہیں۔ اور صدیوں سے مسلمان ہیں۔

کشمیر میں پال طبقہ کے گھر بہت تھوڑے ہیں۔ مولانا خواجہ شمس الدین پال ج
بادشاہوں کے زمانہ میں کشمیر کے ایک نامور عالم گزرے ہیں۔ مولانا حافظ بصیر کے شاگرد تھے
لیکن کئی نامور شاگردوں کے خود استاد تھے۔ ملا داؤد طوسی جو علوم باطنی میں حضرت مخدوم شیخ
کے مرید تھے۔ علوم ظاہری میں ملا شمس الدین پال ہی کے شاگرد تھے۔ حضرت بابا داؤد خاکی
مولانا حافظ بصیر خندہ بونی اور مولانا رضی الدین کے علاوہ مولانا شمس الدین پال سے بھی علوم
و نقلی کا استفادہ کیا ہے۔ مصنف تاریخ اعظمی (۱۰۸ صفحہ پر) آپ کے متعلق لکھتا ہے۔ "اعلم علما
دہر و مرجع فضلائے شہر بود۔ درزمان میرزا حیدر بہ سبب حق گوئی از میان علماء امتیاز داشت
بحث ہائے با علمائے میرزا کردو غالب شد۔" میرزا حیدر کی شہادت کے بعد حرمین چلے گئے۔
وہیں وفات پا گئے۔

میرزا حیدر نے اپنے اوائل عہد حکومت میں مولانا پال کو قطب الدین پورہ کے سرکا

دارالعلوم کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا تھا۔

ملا زین الدین پال جو حضرت شیخ داؤد بٹہ مالو رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ مولانا خواجہ شمس الدین پال ہی کی ذریات سے تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ان کے متعلق (صفحہ ۲۱۶ پر) لکھا ہے۔ "صاحب کمال و برجستہ احوال بود۔" ملا زین الدین شاعر بھی تھے۔ ایک رُباعی آپ کی یادگار ہے۔ ؎

دمبدم دست و رُوچہ مے شوئی | آب جوئی و آب مے جوئی
نقش اللہ از رُخت پیداست | توچہ در بند ذِکریا ہُوئی

کشمیر کے چند ایک پال خاندان پنجاب میں بھی ہیں ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔ لاہور کے اخبار راجپوت گزٹ میں ٹھاکر نگینہ رام پرمار سیکرٹری راجپوت اتہاس کمیٹی کا ایک طویل مضمون راجپوتوں کی سیاسی اہمیت" کے عنوان سے چھپتا رہا ہے۔ اس میں لاہور کے حکمران پال خاندان کا بھی ذکر بھی ہے ۳ فروری ۳۴ء کے راجپوت گزٹ میں اس مضمون کی ساتویں قسط میں درج ہے۔ اس میں لکھا ہے۔ "چندر بنسی راجپوتوں کے سلہریہ خاندان نے لاہور کے تخت پر قابض ہوکر پانچ سو سال تک ہندوستان کے پھاٹک (پنجاب) کی حفاظت کی۔ لیکن محمود غزنوی نے اس پھاٹک کو بزور توڑ کر پنجاب کے راجہ جے پال سلہریہ اور اس کی اولاد کی تمام مدافعانہ طاقتوں اور کوششوں کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔ اس مضمون میں دوسری جگہ لکھا ہے کہ سبکتگین کے زمانہ میں جے پال نے عہد نامہ کر کے صلح کر لی۔ لیکن جب وہ لاہور واپس آیا تو برہمنوں کے مشورہ سے اس نے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ دیا۔" راجپوت اتہاس کمیٹی کے سیکرٹری کے مضمون کے مندرجہ صدر اقتباسات راجہ جے پال کے برہمن نہ ہونے اور راجپوت ہونے کی زبردست شہادت ہیں۔

☆☆☆

فصل ہفتم

اقوام شیوخ کشمیر

لفظ شیخ عرب والوں کی اصطلاح میں کسی معزز شخص کے لیے ادب و احترام کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔علی الخصوص علمائے دین کو شیخ ہی کے نام سے خطاب کرتے ہیں۔ بلکہ ملک الشعرائے اسلام حسان بن ثابت انصاری نے اپنے بعض اشعار میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اسی لقب سے ملقب کیا ہے۔اسی بنا پر وہ ہندوستانی مسلمان جن کے بزرگ عربی النسل اور حضرت عمر فاروق و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اولاد سے ہیں۔ فاروقی یا عثمانی شیخ کہلاتے ہیں۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیخ سنوسی جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔اور جن کے لاکھوں مرید تھے۔شیخ ہی کے لقب سے ملقب تھے۔کویت کے فرمانروا کو بھی شیخ کویت کہتے ہیں۔اور جنوبی ہندوستان میں ایک ریاست منگرول ہے۔اس کے فرمانروا بھی ہز ہائیس شیخ منگرول ہی کہلاتے ہیں۔

یہی محترم خطاب ان خوش نصیب لوگوں کے حصہ میں بھی آیا۔ جو غیر مذاہب سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے۔چنانچہ انگلستان (لورپول) کے سب سے پہلے نومسلم مسٹر کوئیلم نے جب اسلام قبول کیا۔تو ان کا نام شیخ عبداللہ کوئیلم رکھا گیا۔حال ہی میں لاہور میں لالہ ساگر چند بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء اور مسٹر گابا فرزند لالہ ہرکشن لعل بیرسٹرایٹ لاء کے نام قبول اسلام کے بعد شیخ محمد امین اور شیخ خالد عبداللطیف گارکھے گئے ہیں۔

ہندو قوم میں چار ورن ہیں۔ برہمن، چھتری، ویش، شودر۔ان میں سے جو طبقہ اسلام کی آغوش میں آیا ہے۔وہ شیخ ہی کہلایا ہے۔کشمیر میں بھی جب پنڈتوں اور کشمیر کے دیگر ہندوؤں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ بھی شیخ ہی کہلائے۔ان میں شیخ سالار دین۔شیخ نورالدین ولی۔ بابا بام الدین (بوسہ سادو) شیخ زین العابدین (زیا سنگھ) بابا لطیف الدین (آدت رینہ) بابا قطب

الدین (کٹی پنڈت) بابا وریار تشی (برہمن زادہ) شیخ سلیمان (شیرہ کنٹ) ملک سیف الدین (سیہ بٹ وزیر اعظم سلطان سکندر بت شکن) شیخ سلطان کاشمیری۔ شیخ بہاء الدین گنج بخش۔ شیخ بابا اسماعیل زاہد۔ حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ وغیرہ صد ہا شیوخ ایسے گزرے ہیں۔ جن کے عمل صالح اور اخلاق حسنہ نے کشمیر میں اسلام کو تقویت دے رکھی تھی۔

لیکن کشمیر کی بعض برہمن اور راجپوت اور دوسری ذاتوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اپنی قدیم ذاتوں کو برابر قائم رکھا۔ چنانچہ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے۔ "در عہد سلاطین کشمیر مسلمان شدہ لقب قدیمی بر قبیلہ آنہا بدستور موجودہ ماندہ است۔" اور اس کا ثبوت اب تک مل رہا ہے۔ مثلاً تانترے۔ ماگرے۔ لون۔ ڈار وغیرہ کشمیر کی کئی اقوام قبائل شیوخ میں شامل ہونے کے باوجود اپنی قدیم ذاتوں سے منسوب ہیں۔ اور مردم شماری میں اپنی علیحدہ علیحدہ ذاتیں لکھوائی ہیں۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں شیخ قبائل کے افراد کی تعداد ۱۰۵۲۸۵ تھی اور اب ۱۹۳۱ء میں ان لوگوں کی تعداد جنہوں نے اپنے آپ کو شیوخ لکھوایا ہے۔ ۴۹۷۵ ہے۔ جس میں ۴۰۲۶۴ مرد اور ۳۴۷۱۱ عورتیں ہیں۔

لفظ شیخ جیسا کہ قبل ازیں لکھا گیا ہے۔ بڑا وقیع لفظ ہے۔ حضرت شیخ داؤد مشکواتی لکھتے ہیں۔ "شیخ آنست کہ او راز غیب درہائے وقائع کشادہ شدند و از بہر یک بشارتے و اشارتے دریابد۔ و از صفات زمیمہ مجتنب و بہ اوصاف حمیدہ متصف باشد۔" حضرت بابا داؤد خاکی دستور السالکین میں لفظ شیخ کے متعلق رقم فرماتے ہیں۔ "شیخ ہمانست کہ در مکالمہ و مکاشفہ بسیار نیکو بود و باہر صنف آدمی ہر نوع اسرار معرفت بیان کند۔ خدارا مشفق بندگان سازد و بہ نصیحت بندگان خدا را دوست دار خدا گرداند۔"

شیخ کو مرشد کے معنوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ اسی لیے فرقۂ صوفیاء تصور شیخ کو لازمی قرار دیتا ہے۔ زمانۂ حال میں اسی فرقۂ شیخ کے ایک نوجوان نے صدیوں کے سوئے ہوئے کشمیریوں کے جمود و سکون میں بیداری و حرارت پیدا کر دی ہے۔ اس نوجوان کا نام شیخ محمد عبداللہ ہے۔ علی گڑھ کالج کے ایم۔ ایس۔ سی ہیں۔ جموں کشمیر مسلم پولیٹیکل کانفرنس کے پریذیڈنٹ ہیں۔

اب ہم چند قبائل شیخ کی ذاتوں اور گوتوں کا ذکر کرتے ہیں۔

پنڈت شیخ

۱۹۰۸ء اور ۱۹۰۹ء کے کشمیری میگزین میں پنڈت اور پنڈت کے موضوع پر خان بہادر شیخ محمد کاظم مرحوم نے جو خود بھی پنڈت تھے۔ ایک دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ مختصر الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کشمیر میں ظہور اسلام سے قبل سب ہندو ہی ہندو تھے۔ اور ان میں برہمن بھی تھے۔ کھشتر بھی اور ان کے دوسرے ورن بھی۔ لیکن برہمنوں میں ایک فرقہ ایسا تھا جس کا پیشہ قدیم سے بیدنویسی اور درس و تدریس تھا۔ قبول اسلام کے بعد اس فرقہ نے لفظ پنڈت کو امتیاز خاص کے طور پر برابر قائم رکھا۔ اس لیے یہ گروہ باوجود مسلمان ہو جانے کے اب تک پنڈت کہلا رہا ہے۔ اور چونکہ ہر ملک میں تمام نومسلم خواہ وہ کسی گوت سے ہوں۔ شیخ کے معزز لفظ سے پکارے جاتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کا پنڈت فرقہ شیخ بھی کہلاتا ہے۔ اور احتراماً ان کو خواجہ بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ چک بادشاہوں کے زمانہ میں خواجہ عطار پنڈت صوفی اکمل گزرے ہیں۔ جو حضرت بابا داؤد خاکی کے مرید تھے۔ جہانگیر کے عہد میں اوتر پنڈت نام ایک بیدنویس برہمن تھے۔ بڑے صوفی مشرب اور نیک طبیعت۔ ان کو خواب میں ایک مرتبہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ صبح ہوتے ہی مسلمان ہو گئے۔ ان کے علاوہ خرم پنڈت۔ مولانا ابو الفتح پنڈت اور خواجہ عبدالکریم پنڈت سری نگر کے مسلمان پنڈتوں میں بڑے اہل اللہ اور صاحب علم و عمل بزرگ ہوئے ہیں۔

اس وقت بھی کشمیر کے مسلمان پنڈتوں میں خواجہ عزیز پنڈت دوآبگاہ کے مشہور ٹھیکیدار اور زمیندار اور ہر دلعزیز رئیس ہیں۔ خواجہ محمد مقبول پنڈت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بارہ مولا میں تحصیل دار ہیں۔ اور خواجہ نورالدین پنڈت اور خواجہ غلام محمد پنڈت سری نگر کے مشہور رؤسا ہیں۔

مسلمان پنڈتوں کی زیادہ آبادی کشمیر کے دیہات ہی میں ہے۔ چنانچہ یاڑی پورہ تحصیل کولگام میں قدوس پنڈت اور اس کے بھائیوں کی اولاد نہ صرف زراعت پیشہ ہے۔ بلکہ اسی خاندان کا ایک ممبر یاڑی پورہ میں نمبردار بھی ہے۔

۱۹۱۱ء میں مسلمان پنڈتوں کی تعداد کشمیر صوبہ جموں اور پونچھ میں ۳۳۲۶ تھی۔ ۱۹۱۳ء کی مردم شماری میں ان کی آبادی ۳۵۸۴ ہوگئی ہے۔ جس میں مرد ۱۹۱۱ اور عورتیں ۱۶۷۲ ہیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کے اوائل عہد میں بعض ناگوار وجوہ سے شیخ پنڈتوں کے چند افراد کو کشمیر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ اس گروہ کے کچھ افراد امرتسر، سیالکوٹ، لاہور، پسرور وغیرہ مقامات پر آکر آباد ہوگئے۔ جن کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

وائیں یا وانی

وائیں یا وانی ایک ہی نام ہے اور ان کی اصل بھی ایک ہی ہے۔ جو لوگ وانی کے نام سے ابتداء میں مشہور ہوگئے۔ ان کی ذریات وانی اور جن کے بزرگ وائیں کہلاتے رہے۔ ان کی اولاد وائیں کے عرف عام سے نامزد ہوگئی۔ وائیں سے وانی نکلا ہے یا وانی سے وائیں۔ اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن مشہور یہی ہے کہ وائیں کے بعد وانی کا لفظ ایجاد ہوا ہے۔

تاریخ حسن اور ریاست کی رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء نے وائیں قوم کو علی الترتیب ''شیوخ کشمیر کی ایک شریف'' اور نجیب الطرفین اور عالی نسب ذات'' لکھا ہے۔

وائیں یا وانی ہندوؤں کے کس فرقہ سے نکلے ہیں۔ اس کے متعلق گو روایتیں مختلف ہیں۔ لیکن اتفاق اسی پر ہے کہ یہ فرقہ قبول اسلام سے پہلے ویش تھا۔ بلکہ بعض اصحاب کے خیال میں تو لفظ وائیں یا وانی بھی ویش ہی سے نکلا ہے۔ ویش ہندوؤں کا تجارتی فرقہ ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اس طبقہ نے تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ یہ لوگ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تجارت بھی کر لیتے ہیں۔ غالباً اسی بنا پر رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں صفحہ ۱۶۸ پر اس قوم کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں۔ ''وائیں اور وانی علی الترتیب کشمیر و لداخ کے بنیے ہیں۔''

وائیں طبقہ کئی اقسام پر منقسم ہے۔ جیسے تال وائیں (تیل بیچنے والے) پوئی وائیں (پشم بیچنے والے) بانڈو وائیں۔ بس وائیں ترنگڑ وائیں۔ کلڑو وائیں۔ پر وائیں۔ مختلف کاروبار اختیار کرنے کی وجہ سے اس طبقہ میں مختلف شاخیں ہوگئی ہیں۔

۱۸۹۱ء کی ریاستی مردم شماری کے سپرنٹنڈنٹ صفحہ ۱۵۳ پر وائیں قوم کی حسب ذیل ذاتیں بتاتے ہیں۔ ''کانٹھ۔ گندرُد۔ بچھ۔ بانڈے۔ گونہ۔ گانی۔ ڈار۔ پکشی۔ وال۔ وکیل۔ اشائی۔ شال۔ کنزو۔ استو۔ دیوانی'' معلوم نہیں سپرنٹنڈنٹ نے یہ مضحکہ خیز عجیب اور سرتاپا غلط معلومات کہاں سے حاصل کیں۔ اسی رپورٹ کے صفحہ ۶۹ پر جن سابق برہمن اور حال مسلمان زمیندار اقوام کا ذکر ہے۔ ان میں بھی ڈار قوم کا نام موجود ہے۔ حالانکہ ڈار نہ تو وائیں ہیں۔ نہ برہمن ہیں۔ بلکہ وہ کھشتری ہیں۔ جیسا کہ طبقۂ ڈار کے حالات میں لکھا گیا ہے۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں اس قوم کی تعداد وانی کے نام سے ریاست کے دونوں صوبوں میں ۵۹۴۸۷ بتائی گئی ہے۔ ۱۹۳۱ء کے مردم شماری میں وانی کی بجائے وائیں قوم کا نام لکھ کر اس کی تعداد ۷۲۱۱۳ نفوس لکھی گئی ہے۔ جس میں ۳۶۹۷۰ مرد اور ۳۲۴۴۶ عورتیں ہیں۔

دیہات میں جس قدر وائیں ہیں۔ وہ سب زراعت پیشہ ہیں۔

اس قوم کے جو افراد پنجاب میں ہیں۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے ترقی کی ہر صنف میں قابل رشک شہرت حاصل کی ہے۔ چند خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہے۔

کول

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ فرقہ کشمیر کی بعض اور اقوام کی طرح اپنے قدیم نام کول ہی سے ملقب چلا آتا ہے۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ یہ قوم جمیع اقوام برہمنان سے افضل ہے۔ کول پنڈتوں میں تو بڑے بڑے نامور افراد پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا ذکر پنڈتوں کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن کول مسلمانوں میں بھی کئی نامی گرامی آدمی ہو چکے ہیں۔ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے زمانہ میں خواجہ ابراہیم کول۔ خواجہ عثمان کول، خواجہ علی کول، خواجہ محمد امین اور شیخ عبداللطیف کول سری نگر کے نامی رئیس تھے۔ اور سب حضرت مخدوم کے ارادت مندوں میں تھے۔ خواجہ ابراہیم کول کے متعلق لکھا ہے کہ ''از اکابر زادہ ہائے اہل دیار بود'' خواجہ عثمان کول اپنے عہد کے ملک التجار تھے۔ صاحب علوم عقلیہ و نقلیہ تھے۔ حضرت بابا شیخ داؤد خاکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بھی تلمذ کیا ہے۔ حرمین میں وفات پائی ملا رٹہ کے کول انہی کی اولاد

سے ہیں۔خواجہ علی کول نے اپنی ساری دولت حضرت مخدوم حمزہ کے لنگر خانہ کے لیے وقف کر کے اپنے لیے فقر و فاقہ قبول کیا۔ان کے علاوہ شیخ غازی کول اور خواجہ ابوالفتح کول بھی اس طبقہ میں روشن ضمیر بزرگ گزرے ہیں۔شیخ غازی کول کا اصل نام گنیش کول تھا۔قانونگوئی کے عہدہ پر تھے۔ مخدوم صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔اور ۱۰۴۰ھ مین وفات پا گئے۔

کُٹ راج

کشمیر میں یہ نام ہندو عہد قدیم سے چلا آتا ہے۔کہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ملتان میں صاحب حکومت تھا۔انقلاب روزگار کی وجہ سے کشمیر چلا آیا۔اس شخص نے کشمیر کی خانہ جنگیوں سے فائدہ اٹھا کر اس حصہ ملک پر جسے اب تحصیل بڈگام کہتے ہیں۔قبضہ کر لیا۔لیکن کچھ عرصہ تک بعد شکست کھا کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا۔اور وہاں یہ اپنی اولاد اور جمیعت سمیت چھوٹی چھوٹی کٹیا بنا کر رہنے لگا۔اسی کٹیا کی بدولت ان کا نام کُٹ راج یا کُٹے مشہور ہو گیا۔اور مسلمان ہونے پر بھی ان کا یہی نام رہا۔

بنڈ پورہ سے اوپر علاقہ گریز و تلیل میں ڈامر کُٹ راجوں کا بھی تاریخوں میں ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کُٹ راج کا لفظ بعد میں دیگر اقوام کے چھوٹے چھوٹے با اختیار رئیسوں کے لیے بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

کشمیر میں اب بھی کُٹ راج موجود ہیں۔ان کی آبادی عموماً دیہات ہی میں ہے اور زراعتی کاروبار میں مصروف رہتی ہے۔چند گھر کُٹ راجوں کے پنجاب میں بھی ہیں۔ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

ٹاک

ٹاک مسلمانوں کی ایک مشہور اور متمول تجارت پیشہ قوم ہے۔لفظ ٹاک کے متعلق کئی روایتیں مشہور ہیں۔ہم چند ایک کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔(۱) سری نگر میں ایک متمول کشمیری ہندو کے تین بیٹے تھے۔تینوں قابل اور لائق اور عالم و فاضل تھے۔چونکہ تین کا عدد طاق ہوتا

ہے۔اس لیے وہ طاق مشہور ہو گئے۔اوران کی اولاد بھی طاق ہی کہلائی۔ یہ لفظ رفتہ رفتہ ٹاک بن گیا۔ (۲) سری نگر کے دو کشمیری ہندو مسلمان ہو گئے۔ایک تو بج بہادر میں چلا آیا۔ چونکہ تنہا آیا اس لیے طاق مشہور ہو گیا۔ دوسرا بھائی کاشغر چلا گیا۔ایک مدت کے بعد بہ تقاضائے حب وطن جب واپس آیا۔تو شوپیاں میں رہائش اختیار کی۔ وہ کاشغر طاق کے نام سے موسوم ہو گیا۔اس کے اولاد اب تک شوپیان میں موجود ہے۔ (۳) ٹاک ان لوگوں کی اَل ہے جن کے کسی بزرگ نے امیر کبیر ہونے کے باوجود دعوت عام میں ٹاکوؤں (یعنی مٹی کے پلیٹوں) کا استعمال کیا تھا۔ (۴) ایک صاحب نے جو سری نگر سے باہر کسی قصبہ میں رہتے تھے۔اپنے رہائشی مکان کے ساتھ انگوروں کا باغ لگایا۔انگور کو کشمیر میں تاک بھی کہتے ہیں۔اس لیے ان کا نام تاک اور رفتہ رفتہ ٹاک مشہور ہو گیا۔غرض ان مختلف روایتوں نے کثرت تعبیر ہا سے خواب کو پریشان کر دیا ہے۔اس قوم کی زیادہ تعداد جنوبی کشمیر میں ہے۔اور اس میں بھی بج بہارہ۔ شوپیاں اور اسلام آباد اس کے بڑے بڑے مرکز ہیں۔اور چونکہ یہ قوم بالعموم تجارت پیشہ ہے اور ساہوکارہ بھی کرتی ہے۔اس لیے کوئی تعجب نہیں۔اگر قبول اسلام سے پیشتر اس کا ہندوؤں کے فرقۂ ویش سے تعلق ہو۔سری نگر اور کشتوار اور بھدرواہ میں بھی چند گھر ٹاک قبیلہ کے موجود ہیں۔ بلکہ سری نگر کے کشمیری ہندوؤں میں بھی ٹاک کے چند افراد پائے جاتے ہیں۔ ٹاک طبقہ میں خواجہ امین ٹاک خواجہ عبدالسلام ٹاک اور خواجہ عباس ٹاک اور کئی اصحاب ایسے گزرے ہیں جو دنیوی نعمتوں کے ساتھ دینی برکات سے بھی مالا مال تھے۔ خواجہ عباس ٹاک چک بادشاہان کشمیر کے آخری ایام میں ہوئے ہیں۔ وہ حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ تھے۔ بادشاہ کے دربار میں ہمیشہ پالکی میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔اس اقتدار وتمول کے باوجود حال یہ تھا کہ اپنی تنخواہ کے تین حصے کرتے تھے۔ایک عیال واطفال کے لیے ایک اپنے ملازموں کے لیے اور تیسرا حصہ فقراء وغربا کے لیے۔

آخون یا مُلّا یا ملّہ

تاریخ حسن کے مصنف نے مُلاؤں کی چار اقسام لکھی ہیں۔ایک ملائے مسجد جو امامت کراتے ،لڑکے پڑھاتے اور مساجد کی آمدنیوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ درس وتدریس کی وجہ سے

آخون بھی انہی کو کہتے ہیں۔ دوسرے گورکن، تیسرے غسال، جومیت کو نہلاتے ہیں۔ چوتھے ایسے لوگ بھی ہیں، جو زمیندارہ کام کرتے ہیں۔ فتاویٰ اسلامیہ کی تدوین و تکمیل اور اشاعت علوم دینیہ میں حصہ لینے کی وجہ سے مولوی، قاضی، مفتی اور آخون مُلاؤں کی پہلی قسم ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل اور عالمگیر کے استاد مُلا جیون جونپوری اور حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے ہم درس عبدالحکیم سیالکوٹی یہ سب لوگ مُلا ہی کہلاتے تھے۔ نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان بھی جب تک وزارت پر نہ پہنچا تھا۔ مُلا ہی کہلاتا تھا۔ لیکن انقلاب روزگار کی بدولت آج مُلا کا لفظ ہر کس و ناکس کی ٹھوکریں کھا رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس غریب کا تلفظ بھی بگاڑ کر مُلا سے ملّہ کر دیا گیا ہے۔

پنڈتوں میں بھی ایک قوم ملّہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ پنڈت جگت نرائن ملّہ یا مُلّا یو۔ پی گورنمنٹ میں وزیر بھی رہ چکے ہیں۔ سنٹرل انڈیا کی ریاست ناگور کے ایک دیوان بھی پنڈتوں کی قوم مُلا ہی سے تھے۔ یہ لفظ ان کے خاندانی علم و فضل پر دلالت کرتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں جو پنڈت درس و تدریس کے کام پر ہوں۔ وہ بھی مُلا یا آخون ہی کہلاتے ہیں۔

علاقہ کامراج میں ایک نامور ملہ خاندان ہے۔ جو اپنا آبائی کام درس و تدریس چھوڑ کر عرصہ سے زراعت پیشہ ہو چکا ہے۔ خواجہ ملّہ رزاق اسی خاندان کے بزرگ تھے۔ جو چند سال ہوئے انتقال کر چکے ہیں۔ وہ اپنے علاقہ میں نامور تاجر اور بہت بڑے زمیندار تھے۔ خواجہ خضر سکنہ وترگام جو ایک دین دار رئیس اور خیر خواہ زمیندار ذیلدار رہے۔ آپ ہی کا فرزند کلاں ہے۔ اس خاندان کے رشتے ناطے دیگر زمیندارہ اقوام ملک، لون، شاہ، بٹ، وغیرہ سے ہوتے رہتے ہیں۔ دیوان امرناتھ آنجہانی چیف منسٹر جموں و کشمیر کی جاگیرات کا انتظام عرصہ دراز تک اسی خاندان کے پاس رہا ہے۔ وترگام کے علاوہ سوپور میں بھی خواجہ ملّہ خضر کی بہت سی سکنی و زرعی جائیداد ہے۔ یہ خاندان مساکین وغیرہ کی دلجوئی اور اہل علم کی قدر افزائی میں شہرہ آفاق ہے۔ آپ صاحب اولاد ہیں۔ ایک فرزند نرینہ بھی ہے۔ نام اس کا غلام محمد ہے۔ خواجہ ملّہ خضر کا ایک چھوٹا بھائی غلام احمد بھی ہے جو امسال زیارت حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکا ہے۔

بَٹ

کشمیر میں کول، سپرو، نہرو، وغیرہ ذاتوں کی طرح بٹ بھی ایسا گروہ ہے جس میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ سر والٹر لارنس اپنی تاریخ میں ان کی اصل برہمنوں سے ثابت کرتے ہیں۔ مصنف تاریخ گلشن کشمیر نے بھی ان کو برہمن ہی لکھا ہے۔ اور تاریخ گلدستہ کشمیر کے برہمن مصنف (پنڈت ہرگوپال کول) نے بھی صفحہ ۷۷ حصہ دوم پر یہ الفاظ لکھ کر کہ ''راجہ است دیو کی رانی شریمتی نے برہتہ گیتا کا جو وشاج بھاشا میں تھی۔ سوم بٹ برہمن نامور عالم کے ذریعہ سنسکرت میں ترجمہ کرایا۔'' بٹ قوم کو برہمن ہی ثابت کیا ہے کشمیر کے جغرافیہ ملحقہ راج ترنگنی کلہن کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دراصل برہمن ہی تھے۔ اس سلسلہ میں جھیل ڈل کے متصل موضع بٹ پورہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ جہاں سدا تیرتھ کی یاترا کے لیے زمانہ قدیم میں بکثرت ہندو آیا کرتے تھے۔ اور جہاں بٹ قوم کی آبادی تھی۔ بٹ کی اصل شکل سنسکرت زبان میں لفظ بھٹ ہی ہے اور بھٹ بٹھارک کا مخفف ہے۔ ۱۸۹۱ء کی ریاستی رپورٹ مردم شماری میں بھی بٹ فرقہ کا اصل نام کارکن پنڈتوں کی ایک ذات بٹھارک کا مخفف بھٹ ہی بتایا گیا ہے۔ بلکہ راج ترنگنی کلہن کے فٹ نوٹ نمبر ۱۰۳ میں دراس، لداخ، سکردو وغیرہ پہاڑی اضلاع کی بھٹ یا بھوٹ اقوام کو بھی بٹ ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ آج کل یہ اقوام بُھٹہ کے نام سے مشہور ہیں اور صدیوں سے مسلمان ہیں۔

کارکن فرقہ ہونے کی وجہ سے بٹ یا بھٹ فرقہ کو ہندو عہد قدیم ہی سے ملکی کاموں میں بڑا رسوخ رہا ہے اور انہوں نے اپنے مذہبی اقتدار سے بھی حکمرانان کشمیر کو ہمیشہ مرعوب رکھا ہے۔ چنانچہ پروہ گپت (۹۶۶ء) نے جب راجہ سنگرام سے تخت چھینا تو اس سے پہلے اس کے پانچ وزراء کو جن میں ایک بو بٹ بھی تھا۔ زہر دلوا کر ہلاک کرا دیا تھا۔ لیکن ہندو عہد قدیم کے آخری ایام میں بزمانہ راجہ راج دیو (1218ء لغائت 1242ء) جب لون اور دیگر فرقوں کا زور کم ہوگیا۔ تو فرقہ بٹ نے راجہ کے خلاف شورش برپا کردی۔ اور ان کی شورش سے ملک میں اس قدر بد نظمی و بدامنی پھیلی کہ راجہ نے مجبور ہوکر اس برہمن فرقہ کے قتل عام کا حکم دے دیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ چاروں طرف خون کی ندیاں بہ گئیں۔ بٹوں نے اپنی ذات تبدیل کرلی۔ شکلیں بدل لیں۔ کئی

لوگ ملک سے باہر چلے گئے۔ اور بقول مصنف تاریخ گلدستہ کشمیر وغیرہ اب تک کشمیر میں یہ مثل زبان زدعوام ہے کہ نہ بڈوام یعنی میں بٹ نہیں ہوں۔

سلطان سکندر بت شکن (۱۳۹۴ء لغائت ۱۴۱۷ء) کشمیر کا مشہور بادشاہ تھا۔ اس کا وزیر اعظم ایک ہندو تھا۔ اور بٹ برہمن فرقہ سے تھا۔ نام اس کا سیہ بٹ تھا۔ جب اس نے اسلام قبول کرلیا تو نام اس کا سیف الدین رکھا گیا اور بادشاہ کی طرف سے ملک کے خطاب سے مخاطب کیا گیا۔

سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کے زمانہ میں بودی بٹ نام ایک برہمن نے عجیب دماغ پایا تھا اس کو شاہنامہ فردوسی شروع سے اخیر تک از بر تھا۔ اور جب وہ پڑھتا تھا تو بادشاہ وجد میں آجاتا تھا۔ علم موسیقی میں اس نے ایک کتاب زین نام سے بادشاہ کے نام بھی لکھی تھی۔

سلطان حسن شاہ (۱۴۷۵ء لغائت ۱۴۸۷ء کا سپہ سالار تازی بٹ ایک مسلمان بٹ ہی تھا۔ یہ وہی تازی بٹ ہے جس کو بادشاہ نے راجہ جموں کی استدعا پر اس کی امداد کے لیے فوج دے کر جموں بھیجا تھا اور جس نے تاتار خاں حاکم پنجاب کو شکست دے کر سیالکوٹ کو تباہ کر دیا تھا۔

۱۵۸۱ء میں بعہد یوسف شاہ چک بٹ قوم کا ایک اور نامور فرد محمد بٹ نظر آتا ہے جو اپنے بادشاہ کا وزیر اعظم تھا۔ اکبر کی فتح کشمیر کے بعد یہی محمد بٹ تھا جس نے اپنے رسوخ ۱۵۸۶ء میں فتنہ وفساد کو رفع کرا دیا تھا۔

ریاستی مردم شماری ۱۸۹۱ء میں بٹ فرقہ کی تعداد ۱۴۴۱۹۴ ان کی قومیت برہمن اور ان کا پیشہ کاشت کاری درج ہے۔ ۱۹۱۱ء میں ان کی تعداد دونوں صوبوں میں ۱۴۹۳۱۷ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں ان کی تعداد ۱۶۸۲۲۸ نفوس ہے۔ جس میں ۹۰۴۷۷ مرد اور ۵۱۷۷ عورتیں ہیں

دیگر کشمیری اقوام کی طرح بٹ قوم بھی کشمیر سے باہر نکل کر پنجاب * کے مختلف اضلاع میں پھیل ہوئی ہے۔ پنجاب کے بعض بٹ خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں درج ہوگا۔

صوبہ جموں میں بھی کشمیریوں کی ایک معقول تعداد آباد ہے۔ ان میں بٹ، ملک، میر، ڈار کئی ذاتیں ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں صرف بٹ فرقہ کی تعداد صوبہ جموں میں ۱۴۴۱۵ تھی۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کو جموں میں بھی شالبافی کے کارخانوں کے اجراء کی ضرورت محسوس ہوئی تو کشمیر سے شالبافی کے جن کاریگروں کو جموں بلایا گیا۔ ان میں ایک خواجہ کریم جو

بٹ بھی تھے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان لوگوں کو محلّہ دلپتیاں میں بہت سے زمینیں آباد ہونے کے لیے عطا کیں۔ چنانچہ جموں میں محلّہ دلپتیاں ہی میں کشمیریوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔

خواجہ کریم جو کی اولاد سے عبدالوہاب کریم بٹ اور قائم دین نے اپنے اخلاق کی وجہ سے بہت مقبولیت حاصل کی۔ خواجہ عبدالوہاب محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ قائم الدین مہاراجہ پرتاب سنگھ کو فن تیراکی سکھانے کے استاد تھے۔ مہاراجہ زبیر سنگھ وقتاً فوقتاً قائم الدین کے ساتھ مراعات شاہانہ کا سلوک کرتے رہے۔ خواجہ کریم بٹ یا کریم بخش شالبافی کے کام میں صاحب کمال تھے۔ انہی کے ذریات سے منشی محمد الدین اس وقت جموں میں موجود ہیں۔ جو عرصۂ دراز تک انجمن اسلامیہ جموں کے کامیاب سپرنٹنڈنٹ اور بعدازاں جموں وکشمیر میں محکمہ انسداد بردہ فروشی کے نیک نام اور مستعد افسر رہے ہیں اور آج کل میونسپلٹی سری نگر کشمیر کے پیروکار ہیں اور اپنے اخلاق کی وجہ سے اپنے احباب کا حلقہ بہت وسیع رکھتے ہیں۔

گنائی

گنائی کے متعلق مصنف تاریخ اعظمی لکھتے ہیں۔ ''گنائی عرف آں وقت نویسندہ را مے گفتند راز مفتی گرفتہ تا بہ پٹواری ہمیں لقب بود۔'' یہ سطور بابا عثمان اوچپ گنائی کے حالات میں درج ہیں۔ جو حضرت شیخ نورالدین ولی کے ہم صحبت تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان سطور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لقب یا عرف بڈشاہ سے بھی قبل رائج تھا۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے ''گنائی بزبان فارسی منشی راگویند۔'' اور جب ہم گنائی خاندان کے نامی اہل علم بلکہ اولیائے کبار کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو فی الواقعہ یہ گروہ اس لقب کا صحیح اہل پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر کشمیر میں یہ شعر فرقہ گنائی کے متعلق مشہور ہے۔

گنائی بہ کشمیر دانا بود　　　خداوند تدبیر و خامہ بود

مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے ''قبیلہ گنائی ہا از قوم برہمن نیکوکار و ذوالاقتدار بودہ است۔'' لیکن گنائی جب ایک لقب اور عرف ہے تو صرف برہمن کے افراد ہی اس خطاب یا

* پنجاب میں کئی بٹ مسلمان خاندانوں نے نسلی انقلاب کی بدولت بھٹی کا لباس تبدیل کرلیا ہے۔

لقب کے مستحق کس طرح ہو سکتے ہیں۔ دوسرے فرقوں سے بھی جو اس کے قابل ہوتا ہوگا اس کو یہ خطاب بادشاہ وقت کی طرف سے ملتا ہوگا۔ مثلاً شیخ یعقوب صرفی گنائی کے متعلق تاریخ اعظمی تاریخ کبیر کشمیر اور کشمیر کی دوسری تاریخوں بلکہ خود تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ وہ بایزید عاصمی کی اولاد سے تھے اور بایزید حضرت عاصم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد و احفاد سے تھے۔ اور شیخ یعقوب صرفی سات بھائی تھے اور ساتوں ہی کثیر التعداد تھے۔ اور ان کی سب ذریاتِ گنائی ہی کہلائی۔ شائق نے بھی جو بعہد راجہ سکھ جیون ایک نامور شاعر گزرا ہے۔ اپنی تاریخ میں ان کا عاصمی ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے چند اشعار۔

ز شیخ حسن بود ایں خوش نسب	زد اعیان کشمیر بودش لقب
گنائی لقب داشت ایں عاصمی	کشادہ خدائش در محرمی
گنائی ست دانا بعرفِ دیار	بہ عثماں گنائی شد او یارِ غار

اس لیے گنائی طبقہ میں وہ مسلمان بھی شامل ہیں جو بیرونی ممالک سے آئے اور وہ شیوخ کشمیر میں بھی شامل ہیں۔ جو کشمیر کے برہمنوں اور ہندوؤں کے دیگر فرقوں سے مسلمان ہوگئے تھے۔ شیخ یعقوب صرفی میر حسن گنائی کے فرزند تھے۔ وہ میر علی کے اور وہ بایزید عاصمی کے۔ گویا بزید عاصمی سب سے پہلے کشمیر آئے۔ مصنف تاریخ گلشن کشمیر کی تحریر کے مطابق بایزید کو گنائی کا خطاب ملا۔ اس لیے کہ وہ نہایت خوشنویش اور زبردست منشی تھے۔ گنائی اہل قلم کو کہتے ہیں۔

کشمیر میں گنائی فرقہ چار طبقوں پر منقسم ہے۔ ایک وہ جو حضرت عاصم بن حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد سے ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو سید تھے یا مغل یا پٹھان یا قریشی جن کو یہ خطاب ملا۔ ان کی اولاد بھی گنائی ہی کہلاتی رہی۔ تیسرے کشمیر کے نومسلم جن میں برہمن، کھشتری، ویش سب شامل ہیں۔ چوتھے وہ گنائی جو قصابوں کا کام کرتے ہیں۔

گنائی کے تین طبقوں کے متعلق تو تشریح کے ضرورت نہیں۔ ان کے مطالب و معانی خود بخود ظاہر ہو رہے ہیں۔ قصاب گنائیوں کے متعلق تاریخ حسن کا مصنف لکھتا ہے۔ ''ہلمت گنائی نام شخص نیکو کار مشہور روز گار است۔ دے کار گوسفنداں قصابی بر خود مقبول نمودہ۔ اکنوں ذریت او تمام کار گوسفنداں قصابی لے سازند۔'' غرض اسی زمانہ سے اس قوم کا ایک گروہ قصابوں

کا کام اور اپنے آپ کو ہلمت گنائی کی ذات سے منسوب کرتا ہے لیکن اس وقت کشمیر کے سارے قصاب گنائی طبقہ اور ہمت گنائی کی ذریت ہی سے نہیں ہے بلکہ راقم حروف کی تحقیقات کے مطابق کشمیر کے قصابوں میں کول، بٹ، ڈار، چک اور بعض اور اقوام بھی شامل ہیں۔ اور قصابوں میں شامل ہو کر سب گنائی کے نام سے موسوم ہیں۔

کشمیر کے بعض مواضعات میں جو لوگ چوکیدارہ کا کام پر سرکار کی طرف سے مقرر ہیں۔ آج کل وہ بھی بالعموم گنائی کہلاتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے کہ وہ گنائی طبقہ ہی سے ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امتداد زمانہ سے جب ان کا سابقہ عروج جاتا رہا۔ تو ان میں سے بعض نے چوکیدارہ پیشہ اختیار کر لیا ہوگا۔

تاریخیں شاہد ہیں کہ گنائی کشمیر کا نامور ذی علم طبقہ رہا ہے۔ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے۔ ''اکثر ہا رئیس نامدار و اولیائے کبار'' خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ ''اکثر احفاد و ذریت ایشاں را کار بار فضیلت و علم افتاد۔'' بابا عثمان او چپ گنائی شیخ یعقوب صرفی گنائی شیخ بابا داؤد خاکی گنائی، حاجی مُلا فیروز گنائی، ملا عبدالوہاب گنائی، مُلا محسن گنائی فانی (استاد غنی ملک الشعرائے) شیخ عبدالوہاب * نوری بن خواجہ رشید گنائی، شیخ احمد تارہ بلی شیخ حسن لالو، ملا حاجی جوہر گنائی، مولانا شنگرف گنائی، شیخ محمد طیب گنائی ملا محمد مراد گنائی فرزند محمود اشرف بن مُلا شمس الدین گنائی مُلا حسین گنائی یہ وہ لوگ تھے جن کے علم و فضل اور جن کے اتقاو زہد پر کشمیر کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ ان بزرگوں کے تفصیلی حالات کشمیر کی تاریخوں میں درج ہیں۔ شیخ یعقوب صرفی کے خاندان کے کچھ افراد قصبہ ترال میں بھی رہتے ہیں۔ اسی گنائی خاندان میں ابھی تھوڑا عرصہ ہوا عبدالعلی گنائی تخلص عاشق کشمیری و فارسی زبان میں اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا۔ عہد حاضرہ کا مشہور کشمیری شاعر پیرزادہ غلام احمد مہجور عاشق ترالی ہی کا شاگرد ہے۔

سری نگر میں ملا عنایت اللہ شال جو ایک نامور عالم دین تھے۔ اور بعہد مہاراجہ زبیر سنگھ خواجہ ثناء اللہ شال نامی رئیس گزرے ہیں۔ وہ بھی گنائی تھے۔ اور اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جو ترکستان یا خراسان کی طرف سے کشمیر میں آیا تھا۔ خواجہ سعد الدین شال انہی کے ذریات سے ہیں۔ ان کے زیادہ حالات شال طبقہ کے سلسلہ میں درج ہوں گے۔

* شیخ وہاب نوری کی اولاد اب نوری عرف ہی سے مشہور ہے۔ زینہ کدل میں آباد ہے۔ پیری مریدی اس کا پیشہ ہے۔ اور مزار حضرت شیخ یعقوب صرفی کی تولیت بھی اسی خاندان کے پاس ہے۔

گنائی طبقہ کا ایک مقتدر خاندان موضع مچھ بھون (مٹن) میں رہتا ہے جو تحصیل اسلام آباد کے مشہور ترین مقام پہلگام کے رستہ میں ہے۔مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی کے ابتدائے عہد میں اس خاندان کا ایک نامور شخص قادر گنائی تحصیلداری کے عہدہ پر رہا ہے۔سر والٹر لارنس مصنف کتاب ویلی آف کشمیر و سابق کمشنر بندوبست کشمیر نے ان کی خدمات اور خاندانی وجاہت کا ان کو سرٹیفکیٹ بھی دیا تھا۔زیارت بابا بام الدین بومہ زور کی تعمیر و مرمت آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔۱۹۵۳ بکرمی میں وفات پا گئے۔ٹن کے مشہور علم دوست خواجہ مختار گنائی جو حال ہی میں ذیلدار ہوئے ہیں۔آپ ہی کے فرزند ہیں۔خواجہ سعداللہ گنائی ذیلدار،خواجہ قدوس گنائی نمبردار اور خواجہ سیف الدین گنائی انسپکٹر پولیس اس خاندان کے رخشندہ ممبر ہیں اور وسیع زمینداری رکھتے ہیں۔موضع ساگام تحصیل اننت ناگ میں محمد گنائی نمبردار و سفید پوش کا خاندان بہت مشہور ہے۔ سیر میں بھی ایک گنائی خاندان نمبردار ہے۔

۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں گنائی فرقہ کی تعداد ۷۹۸۷ تھی۔اور اس کو برہمن کاشتکار فرقہ لکھا گیا ہے۔لیکن راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ گنائی برہمن ہی نہیں تھے بلکہ اس طبقہ میں اور کئی قومیں بھی شامل ہیں۔۱۹۱۱ء میں اسی فرقہ کی تعداد صوبہ جموں و کشمیر میں ۴۶۴۲۴ تھی۔اور ۱۹۳۱ء میں اب یہی تعداد ۵۹۲۴۱ ہے جس میں ۲۲۴۴۱ مرد اور ۲۶۸۰۰ عورتیں ہیں۔

اس طبقہ کے چند گھر لاہور وغیرہ مقامات بھی ہیں۔ان کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

ٹوپ گرُ و یا ٹوپیگرو

کشمیر میں یہ ایک ایسا گروہ ہے جس میں قاضیوں اور صوفیوں کے فرقوں کی طرح کئی گوتیں اور ذاتیں شامل ہیں۔آج ٹوپ گرُ و یا ٹپ گر اس کو کہا جاتا ہے۔جو ٹوپیاں بنائے۔ مثلاً ایک شخص کی ذات لون یا بٹ ہے۔وہ اکثر ٹپ گر کا کام کرتا ہے۔تو وہ اسی نام سے مشہور ہوگیا ہے۔اسی طرح ڈار، ملک، سپرو، رینہ وغیرہ کئی ذاتوں کی لوگ جو ٹوپیگرو کا کام کرتے ہیں۔ ٹپ گر ہی کہلاتے ہیں۔

لیکن صاحب روضۃ الابرار نے دیگر تواریخوں کے حوالہ سے اس نام کی اصل وجہ پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں مولانا محمد عابد سری نگر کے ایک متقی بزرگ تھے۔ ان کے سر کی ٹوپی عام دستور کے مطابق سر سے اونچی ہوتی تھی۔ یہ ٹوپی پہنے ہوئے ایک مرتبہ اپنے مرشد کے پاس گئے۔ چونکہ ٹوپی نئی قسم کی تھی۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا ''ٹوپیگرُو آمد۔

دوسری وجہ میں لکھتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک فاضل کو حاکم وقت نے سبز چوغہ اور کلاہ بطور علامت بزرگانہ عطا کیے۔ کلاہ چونکہ کشمیری ٹوپی سے مختلف قسم کا تھا۔ جب آپ نے پہنا تو کلاہ کی وجہ سے عرف عام میں ٹوپیگرُو کے نام سے مشہور ہو گئے۔

ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ ٹوپ کشمیری زبان میں نئے غنچہ یا پھول کو گرو پہننے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ''بزرگے از یشاں غنچہ شگوفہ را بر سر کلاہ خود داشت بنا بریں بہ ایں عرف اشتہار یافت۔ *

چوتھی وجہ اس نام کی یہ بتائی جاتی ہے کہ چونکہ اس خاندان میں نسلاً بعد نسلاً بزرگ اور فاضل بزرگ بلکہ علامہ دہر پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اور وہ اپنے مرشدوں کے عطیہ جات کلاہ کلاں کا استعمال کیا کرتے ہیں۔ وہ کلاہ ایسے تھے جیسے قزلباش پہنا کرتے ہیں۔ اس لیے ٹوپیگرُو کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ٹوپیگرُو کا لفظ بلکہ لقب خالص کشمیری اصطلاح ہے۔

ٹوپیگرُو خاندان کو بقول روضۃ الابرار کوئی شیخ صدیقی کہتا ہے۔ کسی کے خیال میں وہ بچھ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی قاضی موسیٰ شہید کی اولاد بتاتا ہے لیکن تحقیق اور صحیح یہ ہے کہ محمد عابد خود یا ان کے کوئی بزرگ کشمیری پنڈت تھے کسی مسلمان اہل اللہ کی توجہات سے اسلام قبول کر لیا اور دینی و دنیوی ایسی برکات حاصل کیں کہ ان کی اولاد ''علم و فضل'' کا گہوارہ بنی رہی۔

اس خاندان نے بڑے بڑے نامور علما پیدا کیے ہیں۔ آج سے قریباً پونے تین سو سال پہلے خواجہ محمد ٹوپیگرُو بہت مشہور عالم گزرے ہیں۔ صرف ونحو میں استاد کامل تھے۔ کشمیر بلکہ بیرون جات کے اکثر اہل علم ان کی درس گاہ میں حصول تعلیم کے لیے آتے تھے۔ اور صرفی ونحوی بن کر واپس جاتے تھے۔ انہوں نے بہت سی عربی و فارسی کتابوں کی شرح لکھی ہے۔ آج سے پچاس

---

* روضۃ الابرار صفحہ ۶۶ مطبوعہ ۱۳۰۲ھ

سال پیشتر امرتسر میں مسجد میاں محمد جان مرحوم کے امام بابا غلام رسول (قاسمی) تھے۔ ان کے کتب خانہ میں شرح ملا جامی بہت پرانے اوراق پر مصنف روضۃ الابرار * نے دیکھی تھی جس پر اخیر میں ''در ۹۸۷ھ خود مصنف نوشتہ بُود۔'' کے الفاظ درج تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ۲۶۳ سال پیشتر خواجہ محمد ٹوپیگرؔ وزندہ تھے۔ اور محمد عابد جو اس خاندان کا پہلا مشہور بزرگ ہے وہ تو ان سے بھی پیشتر گزرا ہے۔

بارہویں صدی ہجری ایک اور مشہور ٹوپیگرؔ واخوند ملا مقیم کا نام پیش کرتی ہے ان کا اصل نام عبداللہ تھا۔ باپ کا نام خواجہ محمد فاضل ٹوپیگرؔ و تھا۔ جن کے متعلق وقائع ** نظامی باغ سلیمان ***۔ تاریخ اعظمی ****وغیرہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ محمد فاضل کشمیر کے مشہور تاجر تھے۔ مال و دولت اور علم و فضلیت میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔ حج کو جاتے ہوئے اورنگ آباد دکن میں وفات پا گئے۔ ملا مقیم ان کے فرزند علامہ دہر تھے۔ حضرت قاضی شاہ دولت حسینی بخاری نقشبندی چشتی کے مرید اور شیخ نور الدین ولی سے نسبت اویسی رکھتے تھے۔ نواب عبدالصمد خاں دلیر جنگ ناظم کشمیر کے زمانہ میں براہ پکلی پشاور گئے۔ پھر دوسری دفعہ عنایت اللہ خاں نائب ناظم کے عہد میں براہ جموں لاہور تک پہنچے۔ اور ۱۱۷۱ھ میں سری نگر میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند اخوند نور الہدیٰ بھی وحید العصر اور فرید الدہر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ الوقت بابا محمد اشرف فتح کدلی ٹوپیگرؔ و اور خواجہ مختار شاہ ٹوپیگرؔ و بھی اسی خاندان کے جواہر بے بہا گزرے ہیں۔ غرض یہ خاندان ''ایں خانہ تمام آفتاب است'' کا صحیح مصداق تھا۔

پُتلُو

ابتدائی عروج اسلام میں کشمیر کے دیگر فرقوں کی طرح یہ فرقہ بھی مسلمان ہو گیا۔ جب یہ فرقہ ہندو تھا۔ اس وقت بھی اس کا نام پتلو ہی تھا۔ پتلو کشمیری میں بُت کو کہتے ہیں۔ اُردو کا لفظ ''پُتلا'' بھی بُت کے معنوں میں ہی بالعموم مستقل ہوتا ہے۔ چونکہ اس طبقہ کا تعلق بتوں سے رہا

---

* مصنف روضۃ الابرار مولانا محمد الدین فوقی مرحوم نے خود اپنی کتاب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

** مصنفہ مفتی نظام الدین محمد *** مصنفہ میر سعد اللہ شاہ آبادی

****مصنفہ خواجہ بہاء الدین متو ***** مصنفہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری

ہے۔ یا تو یہ بُت خانوں کا پجاری ہوگا۔ یا مسلمانوں کے عہد سے قبل مورتیاں بنا کر بُت فروشی کرتا ہوگا۔ظہور اسلام کے ساتھ ہی کسی ابراہیم نما پتلو نے بُت فروشی پر بُت شکنی کو ترجیح دے کر اسلام قبول کرلیا ہوگا۔

سری نگر میں پتلو خاندان کے چند افراد کشمیری مسلمانوں میں اور ویری ناگ میں چند گھر کشمیری پنڈتوں کے ایسے ہیں ۔ جو پتلو کہلاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرقہ ہندوؤں کے ورن اول برہمن سے نکلا ہے۔

امرتسر میں کشمیری مسلمان اس کثرت سے آباد ہیں ۔ کہ ایک مرتبہ نواب خواجہ سلیم اللہ مرحوم نواب ڈھاکہ نے امرتسر کے جلسہ مسلم ایجوکیشنل کانفرس علی گڑھ میں اس کو کشمیر ثانی کا خطاب دیا تھا۔ ولیم مور کرافٹ * اپنے سفرنامہ میں امرتسری کشمیریوں کے متعلق لکھتا ہے۔ ''سکھوں کے کشمیر میں آنے سے پیشتر ہی (یعنی ۱۸۱۹ء سے پہلے ہی) بعض کشمیرک خاندان افغانوں کے ظلم سے تنگ آکر پنجاب میں چلے آئے تھے ۔ جنہوں نے پنجاب میں شال کی صنعت کو فروغ دیا۔''

انہی ایام میں پتلو خاندان کی جو شاخ افغانی مظالم سے تنگ آکر امرتسر آئی۔ اس نے بہت قلیل عرصہ میں اپنی نجابت و شرافت اور تجارت و قابلیت سے بڑا اقتدار حاصل کرلیا۔ اس شاخ کے کچھ حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

کشمیر میں خواجہ عبداللہ احمد احراری کے مریدوں میں خواجہ فیروز ایک نامور مرید تھا۔ خواجہ حیدر چرخی اس کے فرزند تھے۔ تحصیل علوم کے بعد جب درجہ کمال پر پہنچے تو (بعہد جہانگیر) گورنر کشمیر نے قضا کا عہدہ ان کے سپرد کیا۔ آپ نے معذرت چاہی جب اس نے جبر کیا تو بھاگ گئے اور جب دوسرا گورنر آیا تو پھر کشمیر آئے ۔ بزمانہ شاہجہاں ۱۰۵۰ھ میں سری نگر میں وفات پاگئے۔

ایسے حق گو اور حق پرست جید عالم کے مریدوں میں ملا عبدالشکور پتلو بھی تھے جن کے متعلق روضۃ الابرار میں درج ہے۔

---

* سفرنامہ مورکرافٹ جلد اول صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ ۱۸۳۷ء بمقام لندن

بُود در علم عقلی و نقلی ملاّ عبدالشکور علاّمہ

ملاّ عبدالشکور نامی گرامی تاجر تھے۔ اس پر بھی دینیات کا یہ شوق تھا کہ کئی طلباء کو ہر روز منقولات وفقہ کا باقاعدہ درس دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ عالمگیر نے علمائے کشمیر کے لیے صوبیدار کے پاس کثیر رقم ارسال کی۔ آپ کو بھی عالم دین ہونے کی حیثیت سے بلایا گیا۔ آپ چونکہ خود امیر تھے اور مستغنی المزاج بلکہ اپنی گرہ سے لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔

۱۱۱۳ء میں آپ انتقال کر گئے۔ ملا اشرف نے جو آپ کا استادزادہ اور خواجہ حیدر چرخی کا فرزند تھا۔ عربی میں آپ کا ایک دردناک مرثیہ لکھا۔ انہی کی اولاد سے شیخ عبدالوہاب وخواجہ محمد خلیل شاہ ۱۲۳۰ھ میں کشمیر سے امرتسر آئے۔ جہاں انہوں نے تجارت پشمینہ کو وہ رونق دی کہ ولایت تک اس کا چرچا ہو گیا۔

پی پرنٹ نام ایک فرانسیسی تاجر نے وہاب شاہی پشم کو شیخ عبدالوہاب ہی کے کارخانے کے معرفت فرانس تک پہنچایا۔ چونکہ یہ کارخانہ بہت مشہور ہو رہا تھا۔ آغا قمر علی کرمانی (ایران) نے بھی اپنے ملک سے پشم کا نمونہ آپ کے کارخانہ میں بھیجا۔ آپ نے پٹ کرمانی کے نام سے اس پشم کو بہت فروغ دیا۔ یہی پٹ کرمانی بعد میں وہاب شاہی پشم کے نام سے مشہور رہی ہے۔

شیخ عبدالوہاب کے فرزند اول خان بہادر شیخ غلام حسن لاولد فوت ہو گئے وہ امرتسر کے آنریری مجسٹریٹ ومیونسپل کمشنر بھی تھے۔ دوسرے فرزند شیخ غلام صادق بھی خان بہادر کے خطاب یافتہ تھے۔ اخیر عمر تک آنریری مجسٹریٹ ومیونسپل کمشنر رہے۔ امرتسر کی اسلامیہ انجمن، انجمن حمایت اسلام، مسلم کشمیری کانفرنس اور دیگر کئی اسلامی وقومی انجمنوں کے ہمیشہ معاون رہے۔ یتامیٰ و بیوگاں کے مربی ومحسن تھے۔ تجارت کے ذریعہ انہوں نے عزت وشہرت حاصل کی۔ اور مسلمانوں کو ہمیشہ تجارت ہی کا شوق دلاتے رہے۔ ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ اور بعمر ۶۷ سال ۱۹۲۱ء میں اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں آپ سے یادگار ہیں۔ فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

شیخ صادق حسن بی۔ اے بیرسٹرایٹ لاء ممبر پر لجسلیٹو اسمبلی۔ شیخ محمد صادق بیرسٹرایٹ

لاءممبر پنجاب کونسل۔ شیخ احمد صادق میونسپل کمشنر و ڈائریکٹر فرم خان بہادر شیخ غلام حسن اینڈ کمپنی۔

شیخ عبدالوہاب مرحوم کے بھائی خواجہ محمد خلیل شاہ کا صرف ایک ہی فرزند تھا۔ شیخ محمد شاہ نام۔ ان کی دو صاحبزادیاں ہیں۔ جن کی شادیاں شیخ صادق حسن و شیخ محمد صادق سے ہو چکی ہیں۔

اِشبری

اِشبری یا ایشہ بری جھیل ڈل کے کنارے شمال کی طرف نشاط باغ سے تھوڑی دور ایک گاؤں ہے۔ جس سے قریباً تین ہزار فٹ کی اونچائی پر درگا سریشوری کا تیرتھ ہے۔ کلہن اور کشمیر کے دوسرے مصنفوں نے اس تیرتھ کو غیر معمولی طور پر ہندوؤں کا مقدس مقام قرار دیا ہے۔

جس بلندی پر دیوی کا استھان ہے۔ وہاں چونکہ اور کوئی جگہ نہیں ہے اس لیے گاؤں کے پاس بہت سے مندر بنا دیئے گئے۔ انہی میں ایک مندر ایشیشور کے نام سے ہے جس کو راجہ سندیمت اپنے گرو ایشان کے لیے بنوایا تھا۔ اس کا ابتدائی نام ایش بردر تھا۔ اب مرور ایام سے بگڑ کر اشبری ہو گیا ہے۔ یہاں بساکھی کے دن پنڈتوں کا ایک عظیم میلہ لگتا ہے۔

ہندوؤں کا زمانہ تھا۔ اس لیے گاؤں میں سب ہندو ہی رہتے تھے۔ اور چونکہ مندروں کی یہاں کثرت تھی جن کے آثار اب بھی گاؤں کے نواح میں پائے جاتے ہیں۔ اور پھر یہ گاؤں بھی ایک دیوی کے استھان کے ساتھ ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے قیاس غالب یہ ہے کہ یہاں پجاری پنڈتوں کی آبادی زیادہ ہوگی۔

اِشبری سے نقل مکانی کر کے جو لوگ شہر میں آ گئے۔ وہ پنڈت تھے یا ہندوؤں کے کسی اور فرقہ سے سب اشبری کہلانے لگے۔ چنانچہ اب اشبری ایک علیحدہ قبیلہ ہے جس میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی۔

جب کشمیر میں اسلام کا دور آیا۔ تو اشبری قبیلہ سے بھی کئی لوگ مسلمان ہو گئے لیکن مسلمان ہو جانے پر بھی ان کا عرف عام اشبری ہی قائم رہا۔

مسلمان اشبریوں نے تجارت کے ذریعہ خوب نام پیدا کیا۔ خواجہ نورالدین اشبری کی تجارتی کوٹھی کشمیر کے علاوہ دہلی میں بھی تھی۔ جو اس وقت مغل حکومت کا دارالسلطنت تھا۔ کشمیر میں موئے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو زیارت ہے اس کی بنا اسی خواجہ نورالدین اشبری سے شروع ہوتی ہے۔

خواجہ قاسم شاہ اشبری بھی اس طبقہ میں نامور گزرا ہے۔ اس قبیلہ کے ایک اور نامور تاجر خواجہ اکبر شاہ مرحوم سری نگر کے رئیس آج (۱۹۳۴ء) سے قریباً دس سال پیشتر زندہ تھے۔ جو شال مہاراجہ کشمیر کی طرف سے گورنمنٹ ہند کو بطور خراج دیئے جاتے ہیں۔ ان کا ٹھیکہ انہی کو ہر سال ملا کرتا تھا۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں ایک خواجہ انور شاہ جو اپنے والد مرحوم کی طرح تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ دوسرے خواجہ غلام محمد جو محکمہ پولیس میں ملازم ہیں۔

شال

• شال پشمینہ کا رواج کشمیر میں ہندو عہد قدیم سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ کشمیری زبان میں شال کو پومبر کہتے ہیں۔ جو سنسکرت کے دو الفاظ اُپ اور اَمبر کا مرکب ہے۔ اُپ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو پوشاک کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ اور اَمبر کے معنی پوشاک ہے۔ اوپ آمبر کا لفظ مرور ایام کی بدولت اب پومبر ہو گیا ہے۔

شال کا لفظ کشمیر میں ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۲ء میں میرزا حیدر دوغلاٗت کے زمانہ میں اس کے ایک ہمراہی نغز بیگ (جس کو اہل کشمیر نقد بیگ کہتے ہیں) کی وساطت سے آیا ہے۔ یہ شخص اور خوبیوں کے علاوہ صنعت وحرفت میں بھی صاحب کمال تھا۔ اس نے ایک مرتبہ میرزا حیدر کے لیے ایک جوڑہ پشمینہ سادہ جن کا عرض ڈیڑھ گز تھا۔ تیار کر کے میرزا کی نذر کیا۔

میرزا نے کہا یہ کیا ہے۔ وہ بولا شال ہے۔ میرزا نے کہا شال یا دوشال نغز بیگ نے کہا۔ حضور دوشال لفظ شال کے معنی کاشغری زبان میں تختہ کلاں (Sheat) کے ہیں۔ اور دو

شال دوتختہ کو کہتے ہیں۔ شال یا دوشال کی یہی وجہ تسمیہ * ہے۔

جن لوگوں نے شال پشمینہ کی تجارت میں نام پیدا کیا۔ وہ بھی شال ہی کہلانے لگے۔ ایسے تاجروں نے خواجہ ثناء اللہ شاہ شال ملک التجار گزرے ہیں۔ ان کی اصل ذات گنائی ہے۔ جس نے کشمیر میں شیخ یعقوب صرفی۔ ملا فیروز گنائی اور بابا داؤد خاکی جیسے فاضل اجل اور عالم متبحر صلحا پیدا کئے ہیں۔

خواجہ سعدالدین شال جو اس وقت شال فیملی کے سرکردہ بزرگ ہیں۔ خواجہ ثناء اللہ شاہ مرحوم ہی کے فرزند ہیں۔ خواجہ ** ثناء اللہ مرحوم کی تجارتی کوٹھیوں کا جال کشمیر کے علاوہ پنجاب اور کلکتہ و بمبئی تک پھیلا ہوا تھا۔

سُود

کہا جاتا ہے کہ یہ خاندان آسودہ حال تھا۔ اس سے آسود اور آسود سے سُود نام ہو گیا۔ لیکن یہ وجہ قابل اعتماد معلوم نہیں ہوتی۔ ہندوؤں میں ایک ذات سُود ہے۔ راقم الحروف نے چند ہندو سُود اصحاب کو خطوط لکھے اور اس نام کی وجہ دریافت کی۔ لیکن کوئی اطمینان بخش جواب نہ ملا بہر حال علم اس خاندان کی میراث تھا۔ اس خاندان کے بعض افراد حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔ خوارق السالکین میں شیخ محمد صادق سود کی حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ خط و کتابت بھی رہی ہے۔ چنانچہ مکتوبات امام ربانی میں اکثر مکتوبات شیخ محمد صادق سُود کے نام درج ہیں۔ علوم عقلیہ و فنون نقلیہ میں آپ کو کامل دسترس تھی۔ باوجود دنیاوی وجاہت کے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈال کر طلباء کو خود درس دیا کرتے تھے۔ ۱۰۶۵ء میں بعہد شاہجہان انتقال فرما گئے۔ ان کے علاوہ خواجہ محمد عارف سُود بھی جو بابا علی پانپوری اور شیخ ابراہیم عرف ٹھگ بابا کے مرید تھے۔ روحانی فیوضات کا گوہر بے بہا گزرے ہیں۔

خواجہ قائم سود، خواجہ محمد عابد، عبدالعظیم، عبدالکریم، وغیرہ کئی مشاہیر اس خاندان میں گزر چکے ہیں۔ پٹھانوں، سکھوں اور ڈوگروں کے زمانہ میں بھی علی الترتیب شیخ فخر الدین اور مولا

---

* ملاحظہ ہو رسالہ شال مصنفہ پنڈت تاراچند رتر سل رئیس سری نگر کشمیر۔

** ان کے حالات کے لیے مشاہیر کشمیر مصنفہ راقم الحروف ملاحظہ ہو۔

صدرالدین نے اپنے علم و ورع کے لحاظ سے اپنے خاندان کے عالم باعمل ہونے کا ثبوت دیا ہے۔شیخ فخرالدین کے مزار پر جو کتبہ ہے اس کا پہلا شعر یہ ہے۔

قطب اقطاب شیخ فخرالدین رفت زیں خاک داں بہ خُلد بریں

اپنے زمانہ کے ولی اللہ اور عارف باللہ تھے۔مولانا صدرالدین کے شاگردوں میں سری نگر، شاہ آباد، ترال اور دیگر ملحقات کشمیر کے کئی نامور لوگ ہیں۔ مثلاً میر واعظ صاحب ہمدانی، میر واعظ اسلام آباد مولوی غلام محی الدین مرحوم، مولوی حسین شاہ زیرک وکیل اسلام آباد حسین شاہ وفائی وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے تین فرزند اس وقت موجود ہیں۔ اور تینوں علمائے ورثہ کو سنبھالے ہوئے ہیں۔یعنی درس تدریس کا کام کرتے ہیں۔لیکن سب سے بڑے فرزند مولوی نورالدین متخلص بہ قاری فارسی، عربی، کشمیر اور اردو میں مہارت نامہ رکھتے ہیں۔اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ افسوس ہے کہ مولوی نورالدین ستمبر ۱۹۳۲ء میں ایک ماہ کی بیماری کے بعد انتقال کر گئے۔مولانا قاری کے باقی دو بھائیوں کے نام مولوی بدرالدین اور مولوی نجم الدین ہیں۔

مَلک

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ ''یہ کسی خاص قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ ملک خطاب شاہی ہے۔ سلاطین کشمیر کے عہد میں تمام روسا، مصاحب، جاگیردار اور افسران فوج بالعموم اسی خطاب سے مخاطب کیے جاتے تھے۔محافظانِ راہ ہندوستان وترکستان کو بھی سرکار کشمیر سے یہی خطاب ملا کرتا تھا۔یہ قبیلہ بھی اقوام شیخ کی شاخ ہے جو مشرف بہ اسلام ہونے سے پہلے ہندو تھا۔

تاریخ گلشن کشمیر نے بھی اس معزز گروہ کے فرائض وحقوق کے سوا اور کسی بات پر روشنی نہیں ڈالی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ یہ لوگ زمانہ قدیم میں نہ صرف راستوں کی نگرانی کرتے تھے بلکہ ادشاہوں کے پاس حالات ضروری بھی پیش کیا کرتے تھے۔شاہ آباد کے موجودہ ملک خاندان کے آباؤ اجداد (حبیب اللہ ملک ونوز شاہ ملک وغیرہ) اس وجہ سے کہ شاہی راستہ انہی کے علاقہ ل سے ہو کر گزرتا تھا۔مغل بادشاہوں کے حضور میں تقرب ورسوخ کامل رکھتے تھے۔شاہ آباد

ویری ناگ کا موجودہ ذیلدار ملک غلام قادر ذیلدار انہی کی ذریات سے ہے۔ کشتواڑ اور بانہال کے علاقوں کی حفاظت انہی کے اجداد کے سپرد تھی۔ شوپیاں کے ملک محمد ملک ومحمد علی خاں وغیرہ شوپیاں کی شاہی سڑک اور بادشاہی فوج اور لاؤ لشکر کی رسد رسانی اور رعایائے ملحقات کی محافظت کے ذمہ دار تھے۔ کھل نارہ داؤ کے ملک (اسد اللہ ملک وکامگار ملک وغیرہ) اور علاقہ آڈون کے ملک (مختار ملک وغیرہ) اپنے اپنے علاقوں کے ذمہ دار تھے۔ اور بونہ کوٹ کھوئی ہامہ کے ملک (صابر ملک، دلاور ملک وغیرہ) لداخ وسکردو میں امن قائم رکھنے پر مامور تھے۔ جاگیرداران بونہ کوٹ اب بھی بہ حیثیت جاگیردار موجود ہیں۔ کامگار ملک کا انتقال ہو چکا ہے۔ دلاور ملک موجود ہے۔ ملک اس خاندان کا قدیمی خطاب ہے۔

پونچھ کا راستہ جو پنجاب کو جاتا ہے۔ ان چھوٹے راجوں کے سپرد تھا۔ جو اس کے گردونواح میں رہتے ہیں۔ کرناہ اور مظفر آباد کی طرف جو جاگیردار اور وظیفہ خوار تھے۔ وہ راجہ یا سلطان کہلاتے تھے۔ ان سب میں راجگان وچھنہ دکھاورہ جن کو راجگان بمبہ دکھکھ بھی کہتے ہیں۔ مستقل منصب دار اور نیم آزاد حکمران خیال کیے جاتے تھے۔ ملک اقوام کا کام صرف حفاظت راہ ہی نہ تھا۔ بلکہ ان کے ذمے اس علاقہ کے وقائع واخبار کی اطلاع حکام کو دینا بھی ضروری تھی۔ چنانچہ مصنف لب التواریخ لکھتا ہے۔ ''درسیدن اخبار ووقائع آں راہ ہا بہ سرکار مقرر اند ملک بہ ملک مے باشند۔'' بلکہ آئندہ وروندہ کو پروانہ رہداری بھی انہی سے ملا کرتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ملک فی الواقعہ کسی ذات یا گوت کا نام نہیں تھا۔ بلکہ دراصل یہ ایک خطاب ہے اور اس کی مزید اور مستند اور مصدقہ تحقیقات کے لیے ہم کو ساڑھے تیرہ سو سال پیچھے جانا پڑے گا۔ چنانچہ اس خطاب کی روایت اس طرح ہے کہ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے بنی اسرائیل کو ملک شام سے جلاوطن کر دیا۔ تو ان کی نسل کا کچھ حصہ عرب میں اور کچھ کوہ غور اور کوہ فیروز (خراسان وافغانستان کے علاقہ) میں آباد ہو گیا اور اپنی کثیر تعداد کی وجہ سے تمام ملک میں پھیل گیا اور رفتہ رفتہ تمام کوہستانی ملک پر قابض ہو گیا۔ عرب کے بنی اسرائیلوں میں سے ایک مدت کے بعد خالد بن ولید پیدا ہوئے۔ شارع اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شجاعت صولت کے کارنامے دیکھ کر ان کو سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ چونکہ کفار مکہ مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ اس لیے اپنی جمعیت کو طاقت دینے کے لیے خالد نے اپنے مدت کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کو جو کوہ غور اور کوہ فیروز میں جا کر آباد ہو گئے تھے یاد کیا اور ہر چند خالد اب عربی تھے

اوران کے دوسرے بھائی افغان وغیرہ اور مذہب میں بھی اختلاف تھا یعنی خالد مسلمان تھے۔
اور وہ بنی اسرائیل مگر بقول ڈاکٹر اقبال، خون آبائی رگ تن سے نکل سکتا نہیں۔

نسل اور قوم سے چونکہ دونوں فرقے ایک تھے۔ اس لیے خون آبائی نے باوجود مذہب کے اختلاف کے جوش مارا اور قیس ابن عیص اپنے ہم قوم افغان بھائیوں کی ایک کثیر تعداد لے کر مدینہ پہنچے۔ قیس کا نسب ۳۶ واسطوں سے بنی اسرائیل کے بادشاہ ساول تک پہنچتا ہے۔ ساول حضرت مسیح سے قریباً ایک ہزار سال پیشتر بنی اسرائیلیوں کا بادشاہ تھا۔ غرض قیس مدینہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کا اسلامی نام عبدالرشید رکھا۔ اور فرمایا تم طالوت یعنی ساول کی اولاد سے ہو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ملک کے خطاب سے یاد کیا ہے۔ ہم بھی تم کو آئندہ ملک کے خطاب سے مخاطب کریں گے۔ اس روایت کے مطابق جس کو مصنف تاریخ ریاست پالن پور نے کئی مستند حوالوں سے نقل کر کے لکھا ہے۔ جس شخص کو دنیا میں سب سے پہلے ملک کا خطاب ملا۔ وہ قیس تھے۔ اور جنہوں نے اس دنیاوی اعزاز کی بنا ڈالی ہے وہ ہمارے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

ریاست پالن پور (ملک کاٹھیا واڑ) کے اکثر مسلمان رئیس ملک کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ خطاب ان کے آباؤ اجداد کو سلاطین گجرات نے دیا تھا۔ علاقہ پالن پور کے مقام وساڑہ کے رئیس حال کا نام ملک رستم خاں ہے۔ پنجاب میں ککے زئی قوم کے افراد اپنے آپ کو ملک کہتے ہیں۔ اور پنجاب کے ہندوؤں میں بھی ملک کے لفظ کا رواج ہے۔ چنانچہ آج سے دس بارہ سال پیشتر جموں میں ملک جوالا سہائے ایک نامی آدمی ہوگزرے ہیں اور اس وقت بھی سری نگر کشمیر میں لالہ داس رام ملک بی۔ اے ہیڈ ماسٹر موجود ہیں۔ پنجاب کے ضلع شاہ پور کی ٹوانہ قوم بھی ملک کہلاتی ہے۔ مثلاً ملک عمر حیات خاں، ملک خدا بخش خاں، ملک مبارز خاں وغیرہ وغیرہ بنگال کے ہندو بنگالیوں میں بھی ایک قوم ملک کہلاتی ہے۔ جیسا راجہ سبودھ چندر ملک اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک ایک اعزازی لفظ ہے جس کی ابتدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں انہی کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی۔ اور بعد میں بادشاہان وقت کی طرف سے خوش نصیب اور کارکن لوگوں کو بلا امتیاز مذہب وملت یہ اعزاز ملتا رہا اور پھر ان اعزازی اور خطاب یافتہ لوگوں کی نسل اسی نام سے مشہور ہوگئی۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ملک مسلمانوں کی تعداد ریاست جموں وکشمیر میں ۵۵۰۰۹ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں اس کی تعداد ۵۷۹۵۹ ہے جس میں ۳۱۲۲۱ مرد اور ۲۶۷۴۸ عورتیں ہیں۔ کشمیر میں ملک بھی دیگر اقوام کی طرح دیہات میں کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ ان میں راجپوت بھی ہیں۔ افغان بھی ہیں۔ بٹ بھی ہیں۔ ڈار بھی ہیں۔ اور کشمیر کی اور کئی معزز اقوام بھی ہیں۔ لیکن اب ملک خطاب کی وجہ سے سب ملک کہلا رہی ہیں۔ کشمیر کے علاوہ جموں، کشتوار بھدرواہ راجوری کے علاقوں میں بھی اس طبقہ کی معقول تعداد ہے۔ جموں میں ملک مقبول احمد جو محکمہ زمیندار بنک میں اسسٹنٹ رجسٹراری کے معزز عہدہ پر ہیں۔ ملک طبقہ ہی سے ہیں۔ پنجاب کے بعض ملک خاندانوں کا ذکر باب پنجم میں ہوگا۔

متّو *

نقل ہے کہ خواجہ داؤد جو علوم ظاہری سے آراستہ تھے۔ سماع اور وجد کے قائل نہ تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ کسی تقریب پر نوشہرہ (سری نگر) کے حدود میں خواجہ حبیب اللہ نوشہروی کے پاس گئے۔ جو ایک روشن ضمیر بزرگ اور سماع وسرود کے سخت پابند تھے۔ خواجہ نوشہروی نے خواجہ داؤد پر ایک نظر مرحمت ونگاہ مکرمت ڈال کر بے ہوش و بے خود بنا دیا۔ جب تھوڑی دیر کے بعد اس کو ہوش آیا تو حرکات دیوانگی اس سے ظاہر ہونے لگیں۔ اسی دن سے اس کا اور اس کی اولاد کا نام متّو مشہور ہو گیا۔ متّو کشمیری زبان میں دیوانہ کو کہتے ہیں۔ اس خاندان میں سے مولوی عبدالحلیم۔ ملّا عبدالکریم، مولوی وہاب اللہ، ملّا میر الدین، مولوی عبدالقدوس اور مولوی غلام محی الدین درع و تقویٰ۔ فتویٰ نویسی اور درس وتدریس میں خاص طور پر مشہور تھے۔ ان میں ملّا امیر الدین اور ملّا ہدایت اللہ صاحب تصانیف کثیرہ گزرے ہیں۔

زمانہ حال میں بھی مولوی محمد شاہ سعادت مفتی متو خاندان کے ایک مشہور اہل علم بزرگ ہیں۔ برسوں تک میونسپل کمشنر رہے ہیں۔ عدالت سیشن کے اسیر ہیں۔ سری نگر کے عربی مدرسہ میں استاد ہیں۔ لیکن اہل علم طبقہ میں ان کی تصانیف خصوصاً ان کے مورخ ہونے کی وجہ سے ہے

*اس عرف کی اصل کوئی قریشی بتاتا ہے کوئی برہمن۔ کسی کے خیال میں متو و منو ایک ہی بات ہے۔ لیکن اتفاق کسی پر نہیں۔ البتہ یہ تحقیق ہے کہ اس خاندان کی رشتہ داریاں اعلیٰ خاندانوں بلکہ حضرت سادات سے بھی چلی آتی ہیں۔

آپ نے ایک مضبوط تاریخ کشمیر گلشن کشمیر کے نام سے لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور کئی چھوٹی چھوٹی تاریخی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان میں سے چند ایک طبع بھی ہو چکی ہیں۔ لیکن تاریخ گلشن کشمیر سوانح سکندر بت شکن، حالات شیخ یعقوب صرفی اور کئی اور کتب ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکیں۔ راقم مولف نے آپ کی علم دوستی کی بدولت آپ کے کتب خانہ سے بہت کچھ علمی و تاریخی مواد حاصل کیا ہے۔ اسلاف کو زندہ رکھنے والے اس قسم کے لوگ بار بار پیدا نہیں ہوتے۔

یادگار زمانہ ہیں یہ لوگ　　　　یاد رکھو فسانہ ہیں یہ لوگ

مانٹجو یا مانجی

علم وعمل افضل وکمال اور دینی و دنیوی ترقیوں کے لحاظ سے مانٹجو کشمیر کا ایک نامور خاندان ہے۔ اس خاندان کے جد اعلیٰ میر سید محمد ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مسلمان ہوئے۔ مولوی محمد شاہ سعادت مفتی نے چشمہ نور کے نام سے مانٹجو خاندان کے حالات میں ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے خواجہ رفیع اور اس کے خاندان کے دوسرے نامور لوگوں کے ساتھ مانٹجو اور مولوی محی الدین سرائے بلی نے اپنی کتاب تاریخ کشمیر میں خواجہ رفیع کے ساتھ مانجی کا لفظ لکھا ہے۔ امرتسر میں ایک کشمیری خاندان ہے جس کے ایک نوجوان فرزند خواجہ غلام غوث سوز اپنے آپ کو ماٹھجی لکھا کرتے تھے۔ قریباً بیس سال ہوئے۔ عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ ماٹھجی یا مانجی کی وجہ تسمیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی اصل مہنت جی ہے یہ مہنت جی کالی دیوی کے استھان پر خانقاہ معلیٰ کی دیوار کے نیچے لب دریا بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت امیر ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی نشست گاہ بھی یہیں تھی۔ آخر کشش روحانی سے ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ انہی مہنت جی کی اولاد مانجی یا ماٹھجی یا مانٹجو کہلاتی ہے۔

کشمیر کی طرح امرتسر میں بھی اس قوم کے افراد نے تجارت کو سب سے افضل روزگار سمجھا ہے۔ خواجہ غلام غوث سوز مرحوم بھی تاجر ہی تھے۔ یہ قوم عرف عام میں ماٹھجی کہلاتی ہے۔

بزمانہ مخدوم شیخ حمزہ خواجہ علی ماٹجو بزمانہ شیخ یعقوب صرفی خواجہ یوسف ماٹجو (وفات ۱۰۱۱ھ بمقام بارہ مولا) خواجہ موسیٰ ماٹجو مرید خواجہ محمد طاہر رفیق عشائی، لالہ ماٹجو مرید شاہ قاسم

حقانی (وفات ۱۰۶۲ھ) خواجہ عبدالرحیم ماٹجو (بزمانہ جہانگیر) وفات ۱۰۹۷ھ۔ خواجہ عبدالرشید ماٹجو (وفات بعمر ۸۱ سال ۱۱۳۶ھ) خواجہ محمد صادق ماٹجو (وفات ۱۱۵۰ھ بعمر ۶۶ سال) خواجہ محمد رفیع ماٹجو خواجہ احسن اللہ ماٹجو (وفات ۱۲۹۸ھ) اس خاندان کے وہ درخشندہ ستارے تھے۔ جن کی چمک آج بھی ان کی ذریات میں موجود ہے۔ ان میں کئی نامور تاجر تھے۔ کئی ذی علم شاعر تھے۔ کئی صاحب کمال صوفیا تھے۔ خواجہ محمد رفیع ماٹجو علامہ امان اللہ شہید کاشمیری کی وساطت سے دہلی آئے۔ اور خان دوران نواب صمصام الدولہ کے حضور پہنچے۔ اور یہ شعر پڑھا۔

بہ ایں محیط کرم گرچہ آشنا شدہ ام کفم چو کاسۂ گرداب از گہر خالی ست

خان دوران نے ایک ہزار روپیہ نقد اسی وقت انعام میں دیا۔ خواجہ رفیع بعہد راجہ سکھ جیون ناظم کشمیر اپنے وطن واپس آ گئے۔ اور ۱۲۰۷ھ میں انتقال کر گئے۔

بعہد مہاراجہ زبیر سنگھ و بہ نظامت وزیر پنون ۱۲۸۰ھ میں اسی خاندان میں مولوی نورالدین پیدا ہوئے۔ جنہوں نے علم الفقہ مولوی مقبول شاہ مفتی فتح کدلی ابن ملا محمد انور ماٹجو اور علم الفرائض وفتویٰ نویسی مولوی غلام محی الدین مفتی اور قرآن شریف ایک بزرگ درویش عزیز بٹ، علم فارسی خواجہ غلام احمد امام خانقاہ نقشبندیہ اور خوشنویسی کا علم خواجہ ولی الدین عشائی سے حاصل کیا۔ مولوی نورالدین ماٹجو بعمر ۷۱ سال ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۵۰ھ کو سری نگر میں فوت ہو گئے۔ تاریخ وفات کا ایک مصرع یہ ہے ء نوردیں از روئے احسن درارم مسکن گزید۔

آپ کے تین فرزندوں میں دو فرزند صاحب حیات ہیں۔ سب سے بڑے مولوی احمد شاہ (پیدائش ۱۳۰۸ھ) جو عربی و فارسی تعلیم کے بعد اپنی خداداد صلاحیت سے ایم۔ اے۔ ایل ٹی اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے ہیں۔ اور اس وقت سری نگر ڈویژن کے اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام غلام محی الدین ہے۔ ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بی اے پاس ہیں۔

پیرزادہ

پیر یا پیرزادہ کسی خاص فرقہ یا قوم کا نام نہ تھا۔ بلکہ اگر ایک سید ہے اور اس کے کچھ مرید ہیں تو وہ بھی پیر ہی کہلاتے ہیں۔ جیسے پونچھ کے سید حسام الدین شاہ وہ پیر حسام الدین شاہ کہلاتے ہیں۔ یا مظفر آبادی سید حسام الدین شاہ وہ بھی پیر حسام الدین شاہ کے نام ہی سے مشہور ہیں۔ ایک قریشی بھی اگر کچھ مرید رکھتا ہے تو وہ بھی پیر ہے۔ دیگر اقوام کے لوگ شیخ یا مغل کوئی ہوں۔ وہ بھی اگر اپنے عقیدت مندوں کی کچھ جماعت رکھتے ہیں۔ اور حلقہ اور بیعت کا سلسلہ ان کے ہاں جاری ہے۔ تو وہ بھی پیر ہی کہلاتے ہیں۔ گویا فرقہ پیراں یا پیرزادگان کسی خاص نسل یا ذات سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ اس میں بہت سی اقوام شامل ہوتی ہیں۔

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ قبولیت اسلام کے بعد جو لوگ درود وظائف اور ریاضت شاقہ میں منہمک رہے اور جن کے ارادتمندوں اور عقیدت کیشوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ وہی پیر کہلانے لگے۔ ان بزرگوں کی اولادوں نے کاروباری دنیوی سے بے نیاز ہو کر مریدوں کی نذر و نیاز کو ہی اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ ایک قوم کہلانے لگے۔ چنانچہ اب کئی اصحاب اپنی قوم کی جگہ پیر یا پیرزادہ کا لفظ لکھوایا کرتے ہیں۔ پیرزادگان کشمیر میں چند خاندان ایسے بھی ہیں۔ جو اخبار کشمیری کے مضامین، کشمیری کانفرنس کے وظائف، انجمن نصرت الاسلام و دیگر اسلامی انجمنوں کے مدارس کی برکات اور ہمدردان ملت کی تقریروں اور تحریروں کی بدولت اس پیری مریدی کو جو ارادت و ہمت کے اوصاف سے محروم ہو۔ اسلام کی ذلت و بدنامی کا باعث اور علم و تجارت * ہی کو مسلمانوں کی ترقی و فلاح کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔ اس وقت بیشتر پیرزادے سرکاری مدارس میں عربی مدرس ہیں۔ کئی دوسرے سرکاری محکموں میں ملازم ہیں۔ سررشتہ تعلیم میں جو پیرزادگان مشہور ہیں۔ ان میں چند نام حسب ذیل ہیں۔ پیرزادہ غلام رسول بی اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول سری نگر، پیر محمد یوسف قادری ہیڈ ماسٹر اسلامیہ مڈل سکول اسلام آباد، پیر غلام رسول منشی فاضل سکنہ ڈورزینہ گیر ہائی سکول سری نگر۔ پیرزادہ نجم الدین دیوانی منشی فاضل

---

* امیرا کدل سری نگر کے پیر حسام الدین اور مائسمہ بازار کے پیر علی محمد اور ہری سنگھ ہائی سٹریٹ کے پیر قمر الدین کامیاب جنرل مرچنٹ ہیں۔

مڈل سکول بنڈ پورہ۔ سری نگر کے پیرزادگان میں ٹنگی کدل کے پیرزادہ منشی غلام احمد مہجور پیری مریدی کا سلسلہ ترک کر کے ایک عرصہ سے محکمہ بندوبست میں نامور پٹواری کی حیثیت سے مشہور ہیں۔نہایت علم دوست اور ذی علم ہیں۔فارسی شاعری کے علاوہ اردو شاعری میں بھی بہت اچھا شعر کہتے ہیں۔ذوق سخن کے علاوہ فن تاریخ سے بھی آپ کو دلچسپی ہے۔کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔جن میں ''حیات رحیم'' چھپ چکی ہے۔ایک کتاب آپ نے پٹواریوں کے متعلق پٹواری کے نام سے لکھی ہے۔جو ابھی غیر مطبوعہ ہے لیکن ان سب سے فائق تر اور مفید تر کتاب جو آپ نے ترتیب دی ہے۔وہ شعرائے کشمیر کا تذکرہ ہے جس کی دو تین جلدیں راقم مؤلف کی نظر سے بھی گزر چکی ہیں۔افسوس ہے یہ کتاب بھی اب تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی۔آپ کے پاس پرانی قلمی کتابوں کا بھی کافی ذخیرہ ہے۔انہیں قدیم کتب اور اسی تذکرہ کے سلسلہ میں ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر اقبال ایم پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا (لاہور) اور نواب حبیب الرحمان خان شیروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی (حیدر آباد دکن) سے بھی آپ کی خط و کتابت رہی ہے۔بلکہ علامہ سر اقبال نے آپ کو ایک مرتبہ لاہور بلوایا بھی تھا۔لیکن آپ بوجہ عدیم الفرصتی جا نہ سکے تھے۔ان پیرزادگان کشمیر کی تعداد جنہوں نے اپنی ذات پیر یا پیرزادہ لکھوائی ہے۔۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق صوبہ جموں میں ۳۳۔صوبہ کشمیر میں ۶۰۴۶ فرانٹیر میں ۱۸۶۔اور کل ریاست میں ۶۱۶۵ تھی۔اب ۱۹۳۱ء میں فرقہ پیرزادگان کی تعداد ۶۱۶۵ کی بجائے ریاست میں ۸۴۴۷ ہے جس میں ۴۴۵۲ مرد اور ۳۹۹۵ عورتیں ہیں۔

بابا یا شاہ

بابا یا شاہ کشمیر میں کسی خاص قبیلہ کا نام نہ تھا بلکہ یہ عرف عام تھا۔جو اعمال و افعال پر موقوف سمجھا جاتا تھا ۔اعمال صالحہ اور افعال شائستہ ہوتے تو بابا اور بعض لوگ شاہ بھی کہلائے جاتے تھے۔بلکہ بقول صاحب تاریخ حسن ''احفاد و ذریت آنہا نیز بہمیں لقب نامزد مے شوند۔''

کشمیر کی تاریخوں میں اکثر مشائخ و سادات کے ساتھ بابا کا لفظ درج ہے۔جو ان کی بزرگی پر دلالت کرتا ہے۔لیکن پیر حسن شاہ مصنف تاریخ حسن لکھتے ہیں۔''اکنوں شاہ گفتن بہ نسبت پیرزادہ مروج شدہ است۔فی الحال شاہ لقب عام است۔''

جس طرح فرقہ پیرزادگان میں قریشی سید اور مسلمانوں کی دیگر اقوام کے پیرزادے شامل ہیں۔ اور وہ سب پیر ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح بابا یا شاہ طبقہ میں مسلمانوں کی قریباً تمام اقوام، بٹ، گنائی، سید قریشی، افغان وغیرہ شامل ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بابا شاہ گروہ میں جو سید ہے وہ سیدوں میں اور جو قریشی ہے وہ قریشیوں میں شامل ہو رہا ہے۔ باوجود اس کے کشمیر میں ان کی مردم شماری ۱۹۱۱ء کے مطابق ۱۱۲۶۷ تھی۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں بابا کے نام کی بجائے شاہ طبقہ کی مردم شماری بتائی گئی ہے۔ جس کی کل تعداد ۱۰۳۴۳ مردوں اور ۹۰۲۷ عورتوں سمیت ۱۹۳۶۰ ظاہر کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابا کی جگہ اب شاہ کا لفظ زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

سری نگر میں بابا مسعود نروری کی ذریات کشمیر کے علاوہ پنجاب اور ہندوستان میں بھی ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا انور شاہ مرحوم جو دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل (سورت) کے صدر مدرس اور کئی کتابوں کے مصنف تھے اور لاہور کے پیر عبدالغفار شاہ مرحوم بابا مسعود نروری کی ذریات ہی سے تھے۔ گو بابا ان کا عرف عام ہی تھا۔

سوپور میں محمد احسن قاضی جو اس علاقہ میں مشہور عرائض نویس ہے۔ بابا خاندان ہی سے ہے۔ ان کے داماد مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں عہدہ قضا پر تھے اس زمانہ سے بابا کا لفظ جاتا رہا۔ اب قاضی کے نام سے مشہور ہیں۔

سوپور میں بھی ایک بابا خاندان ہے۔ اس کے مورث اعلیٰ ملا حسین بخاری آزاد خاں حاکم کشمیر کے زمانہ میں آئے۔ اور مسلمانان سوپور نے ان کو سید محمد یوسف بخاری کے مزار کی گدی سپرد کر کے پھر واپس نہ جانے دیا۔ ملا آیت اللہ اور ملا قدرت اللہ شاہ اوران کے نامور فرزند تھے۔ بابا کا لقب اس خاندان میں سب سے پہلے ملا عبداللہ کو ملا۔ پیر عبدالغنی بابا جو زیارت گاہ یوسفی کے متولی ہونے کی وجہ سے یوسفی بھی کہلاتے ہیں۔ انہی کی اولاد سے ہیں۔ مدرسہ معین الاسلام کے بانیوں میں ہیں۔ بڑے خلیق اور خدمت گزار اسلام کے حقیقی خادم اشاعت علوم کے حامی۔ محمد یوسف آپ کا ایک فرزند ہے۔ جو محکمہ تعلیم میں ملازم ہے۔ زیارت بابا یوسف بخاری کی مسجد کی آمدنی میں آپ نے بہت اضافہ کر دیا ہے۔

بابا فرقہ کی نسبت لارنس صاحب اپنی کتاب وادی کشمیر میں لکھتے ہیں کہ اس فرقہ کے

لوگوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ حضرت مخدوم شیخ علی ہجویری عرف داتا گنج بخش عرف بابا کی نسبت لکھتے ہیں۔ ''بابا شیخ کلاں را گویند۔'' اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ بڑی عمر کے بزرگ کو بھی بابا کہتے ہیں۔ جیسے کہ سالہا سال سے اب تک رواج چلا آتا ہے۔ اور شیخ کلاں سے شیخ الشیوخ کا مطلب بھی لیا جا سکتا ہے۔ یعنی بہت بڑے بزرگ۔ بہر حال یہ صاف ظاہر ہے کہ بابا نہایت قابل تعظیم لفظ ہے۔ لیکن آج اس ''نہایت قابل تعظیم لفظ'' کو جس کا تعلق دینی خدمات کے ساتھ تھا۔ ''خواجہ'' کے لفظ نے جو آج کل امارت و شرافت کا مظہر ہے شکست دے دی ہے۔

مخدومی

کشمیر کے مخدومی تین طبقوں میں منقسم ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہے جو حضرت مخدوم شیخ حمزہ سلطان العارفین کے بھائی بابا علی رینہ کی ذریات سے ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو حضرت مخدوم صاحب کا ارادت مند و معتقد چلا آتا ہے۔ تیسرا طبقہ محلّہ کلاشپورہ میں رہتا ہے۔ ہم یہاں ان تینوں طبقوں کے کچھ حالات لکھتے ہیں۔

گوت اور ذات کے لحاظ سے طبقہ اول کے مخدومی یعنی وہ جو بابا علی رینہ کی اولاد سے ہیں۔ رینہ کی تفصیلات کشمیر کے قدیم مسلمان راجپوتوں کے ذکر میں لکھی جا چکی ہیں۔

طبقہ دوم کسی خاص ذات یا گوت سے تعلق نہیں رکھتا۔ حضرت مخدوم صاحب کے ارادتمندوں میں بٹ، گنائی، ڈار، سید، قریشی، افغان سب قسم کے مسلمان شامل ہیں اور وہ بھی مخدومی کہلاتے ہیں۔ مثلاً راقم الحروف کے خاندانی پیر سید عبدالغنی بخاری چوڈارہ تحصیل بڈگام کے رہنے والے فرقہ سادات سے ہیں لیکن حضرت مخدوم صاحب کے سلسلہ مخدومیہ سہروردیہ میں چونکہ شامل ہیں اس لیے مخدومی کہلاتے ہیں۔ طبقہ اول زیارت حضرت مخدوم صاحب اردگرد قلعہ ہری پربت کی دیوار کے اندر رہتا ہے۔ جہاں اس کے اپنی سکنی مکانات ہیں۔ ان لوگوں کا کام یہ ہے کہ زیارت پر جا کر نوبت داری کرتے۔ اور زائرین سے نذر نیاز لیتے ہیں۔

بابا علی رینہ کے فرزند بابا ابوالحسن مخدومی اپنے باپ کے بعد بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں۔ کسب فیوضات آپ نے والد ہی سے حاصل کیا۔ شہر اور دیہات میں آپ کی ذریات کثرت

سے پھیلی ہوئی ہے۔مدفن آپ کا حضرت مخدوم صاحب کے احاطہ مزار ہی میں ہے۔

ایک اور بزرگ نور بابا مخدومی جو شیخ داؤد بٹہ مالو کے نواسہ تھے۔علوم ظاہری و باطنی میں کشمیر کی ممتاز ہستیوں میں تھے۔دہلی جا کر شیخ السلام علامہ امان اللہ شہید کاشمیری سے بھی استفادہ علوم کیا۔جب حج کو گئے تو وہیں شیخ ابوالحسن مہدی مدنی سے سند حدیث حاصل کی۔۱۱۹۵ھ سال وفات ہے۔اپنے نانا شیخ داؤد بٹہ مالو کے مزار میں دفن ہیں۔

بابا علی رینہ کی ذریات سے ایک اور بزرگ سری نگر میں بابا نظام الدین مخدومی کے نام سے تھے۔جنھوں نے آداب طریقت اپنے چچا بابا مقصود مخدومی سے سیکھے اور علم شریعت اخوند ملا سلیمان کلو سے پڑھا۔

فقیر اللہ کانٹھ گورنر کشمیر (بعہد افاغنہ) کے عہد میں شیخ عبداللہ مخدومی ایک نامور مصنف گزرے ہیں۔سکھوں کے زمانہ میں بھی طبقہ اول کے مخدومیوں میں شیخ عبداللہ ایک بزرگ تھے جن کی خدمت میں شیخ احمد تارہ بلی جیسے فاضل علماء اخذ فیوضات کے لیے جاتے رہے ہیں۔اسی صدی میں آج سے قریباً پچاس سال پیشتر بابا افضل مخدومی (سال وفات ۱۳۰۵ھ) مخدومی برادری کے ایک صاحب علم و بزرگ زندہ تھے۔غرض مخدومی قبائل میں ذی علم لوگ ہوتے رہے ہیں۔اب بھی پیر حفیظ اللہ مخدومی اور پیر شہاب الدین مخدومی اس طبقہ میں وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں۔راقم الحروف نے بابا علی رینہ کی تصنیف تذکرۃ الصالحین جو اب تک غیر مطبوعہ ہے سب سے پہلے پیر حفیظ اللہ مخدومی کے پاس ہی دیکھی تھی۔

مخدومیوں کا تیسرا طبقہ مخدوم منڈو محلّہ کلاشپورہ سری نگر میں رہتا ہے۔مخدوم منڈو اس مقام کا نام ہے جہاں قریباً بیس سال تک حضرت مخدوم نشست فرما رہے ہیں۔ان کی خلفاء میں خواجہ محمد امین کلو نام ایک دولت مند خلیفہ تھا۔جب اس نے اپنی تعمیرات اپنی اولاد میں تقسیم کیں۔تو وہ مکان جہاں اب منڈو ہے حضرت مخدوم کو لنگر کے لیے دے دیا۔لنگر کی خدمتیں مختلف خدام کے متعلق تھیں۔دیگ صاف کرنے اور اس کے دھونے کی خدمت ایک خادم بابا علی نام کے سپرد تھی جس کا نام اس خدمت کی وجہ سے بابا علی دیگ شوئی مشہور ہو گیا۔کلاشپورہ کے تمام مخدومی اپنے آپ کو بابا علی دیگ شوئی کی اولاد سے ظاہر کرتے ہیں۔اس طبقہ کا گزارہ بھی نذر نیاز کے حصول پر ہی ہے۔

خواجہ محمد امین کلو نے براری منبل کے متصل ایک باغ بھی آپ کی نذر کیا۔ جس کا نام حضرت کے نام پر بابا ڈیمب مشہور ہو گیا۔ حضرت مخدوم باغ میں سبزی وغیرہ کی کاشت کیا کرتے تھے۔ اور اس کی فروخت کی آمدنی ان کی ذاتی گزر اوقات کا ذریعہ تھی۔

کشمیر کے دیگر خاندانوں کی طرح طبقہ مخدومیاں کے بھی کئی لوگ انقلاب روزگار کی وجہ سے پنجاب چلے گئے۔ چنانچہ لاہور، امرتسر، گوجرانوالہ، فیروز پور میں چند ایک مخدومی خاندان موجود ہیں۔ جن کا ذکر پنجاب کے اہل خطہ کے سلسلہ میں ہو گا۔

رِیشی

کشمیر میں ریشی نامہ ایک بہت پرانی تصنیف ہے۔ اس میں کشمیر کے تمام مشہور رشی صاحبان کے حالات اور رشی کی وجہ تسمیہ درج ہے۔

رشی نامہ اور کشمیر کی مختلف تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رشی اصل لفظ رکھی ہے کہ ''دراصلاح * سنسکرت تارک الدنیا و مشغول بہ یاد خدارا گویند بجائے رکھی لفظ رشی در زبان کشمیری مستعمل است'' تاریخ خواجہ اعظمی میں اس کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں درج ہے۔ ''ریشی کسے را گویند کہ از زمرۂ زاہداں دعابداں در ریاضت سخت وصلب تر باشد۔ وخود را از اولاد ازدواج فارغ دارد۔ دست از جمیع آرزو ہا ہواؤ ہوس بردارد چہ جائے ملک و مال۔''

دوسرے لفظوں میں ریشی وہ ہے جو اس رباعی کا صحیح معنوں میں مصداق ہو۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند   فرزندو عیال وخانماں راچہ کند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی   دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

مصنف تاریخ حسن نے بھی لکھا ہے۔ رشی ابتدا میں کسی خاص قوم یا فرقہ کا نام نہ تھا۔ سر والٹر لارنس نے اتنا ہی لکھا ہے۔ یہ لوگ قدیم ہندوؤں سے نکلے ہوئے ہیں۔'' بعض تاریخوں میں رشی کی وجہ ریشہ ظاہر کر کے بتایا گیا ہے۔ کہ چونکہ یہ لوگ محاربہ نفس وشیاطین میں جہاد اکبر سے کام لیتے تھے۔ اس لیے رشی کہلائے۔ لیکن اصل وجہ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے یہی ہے کہ زمانہ قدیم میں ان کا نام رکھی تھا۔ جب اس فرقہ کے لوگ اسلام میں آئے تو رکھی کی بجائے رشی کہلانے لگے۔

---

* تاریخ کبیر کشمیر مصنفہ حاجی محی الدین صاحب مسکین سرائے بلی کاشمیری مرحوم۔

سلطان قطب الدین شہاب الدین او رسلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں بھی مسلمان رشئیوں کے تاریخوں میں نام ملتے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ الشیوخ شیخ نورالدین ولی عہد رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے سلطان سکندر بت شکن اور بڈ شاہ بادشاہ کشمیر دونوں کا زمانہ دیکھا ہے۔اس فرقہ کے پیشوا اور سرخیل تھے۔حضرت شیخ نورالدین ولی اور ان کے خلفاء سے کشمیر میں اشاعت اسلام کو بہت بڑی مدد ملی ہے۔

شیخ نورالدین ولی کے والد کا اسلامی نام شیخ سالاردین تھا۔ان کے متعلق تاریخوں میں لکھا ہے کہ وہ تپاسنز * کی چوتھی پشت میں تھے۔اور تپاسنز ''از احفاد راجہ ہائے کشتوار است۔'' شیخ سالاردین قبول اسلام کے بعد طبقہ ریشیاں کا مال مویشی چرایا کرتے اور اس طریق سے قوت لایموت حاصل کیا کرتے تھے۔

یاسمن نے ان کی شادی سدرہ ماجی ایک بیوہ عورت سے کروادی۔سدرہ ماجی بھی ایک خاندانی لڑکی تھی۔بلکہ لکھا ہے کہ ''وے ہم از نسل وقبیلہ راجپوتاں بودہ است۔'' پھر دوسری جگہ لکھا ہے کہ ''ایں ** دختر از قوم راجہ ہاست۔'' اس شادی کی وجہ سے شیخ سالاردین کیموہ میں رہنے لگے۔وہیں ۷۵۷ھ میں شیخ نورالدین پیدا ہوئے۔

ان کے سال انتقال بلکہ پیدائش کے سال میں بھی مورخین کا اتفاق نہیں ہے۔تاہم

---

* پتاسنز کا بیٹا رنگاسنز اس کا بیٹا ہنرسنز اس کا بیٹا اگرسنز اس کا فرزند سنز سلرسنز جس کا اسلامی نام سالاردین تھا۔رنگاسنز ذوالقدر خاں ذوالچو کے زمانہ (۱۳۲۳ء) میں تاتاریوں سے لڑائی کرتا ہوا مارا گیا۔ذوالچو نے اس کی جاگیر موضع روپہ ون کو خاک سیاہ کردیا۔اس کا فرزند منزسنز پہاڑوں میں چھپارہا۔سلرسنز اسی کا بیٹا تھا۔کشمیر میں اس خاندان میں سب سے پہلے تپاسنز ہی آیا تھا۔جس کو راجہ کشمیر نے اس لحاظ سے کہ وہ راجگان کشتوار کے متعلقین سے تھا۔جاگیر دی تھی۔کشمیر کی تاریخوں میں پتاسنز،رنگاسنز وغیرہ الفاظ درج ہیں۔لیکن صحیح لفظ سین ہے۔راجگان کشتوار سنڈی سکیت سب کا ایک ہی خاندان ہے۔یہ سب راجے چندربنسی خاندان گوڑ (بنگال) سے تعلق رکھتے ہیں۔راجہ شورسین کا بیٹا راجہ روپ سین (۱۲۵۹ بکرمی میں) پنجاب چلا آیا۔اور اس نے اپنے نام پر روپر آباد کیا۔کشتوار منڈی سکیت اسی کی ذریات سے ہیں۔ان سب راجگان کا خاندانی نام سین تھا۔سنڈی سکیت میں اب تک سین نام موجود ہے۔کشتواڑ میں راجہ رحیم اللہ سنگھ نے اسلام قبول کرکے سین کی جگہ سنگھ کا رواج دے دیا۔راجہ مختار خاں جو گورنر کے ریڈر ہیں۔راجہ رحیم اللہ سنگھ کی ساتویں اور راجہ اقبال خاں جو پولیس کشمیر میں ایک معزز عہدہ پر ہیں راجہ مذکورہ کی آٹھویں پشت میں ہیں۔اس خاندان کی ایک شاخ علاقہ کانگڑہ میں بھی رہتی ہے۔

** از تاریخ کبیر و تاریخ خواجہ اعظمی وغیرہ ۱۲

اس بات پر سب متفق ہیں کہ ان کی عمر ۶۳ سال تھی۔ اور سلطان زین العابدین بڈ شاہ معہ خدم وحشم وو زراء امراء ان کے جنازہ میں شامل ہوئے تھے۔ مزار آپ کا چرار شریف میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء و مریدین میں کئی قسم کے اصحاب شامل تھے۔

ایسے لوگ بھی تھے جو راجگان کشتواڑ کی اولاد سے تھے۔ مثلاً بابا زین الدین جو شیخ نورالدین ولی کے خلیفہ دوم تھے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ''ولادت دے از کشتوار است واز قوم راجپوتاں بود وزیا سنگھ (جیا سین ہوگا) نام داشت۔'' شیخ نورالدین ولی نے ان کا اسلامی نام زین الدین رکھا۔ اس مقام میں ان کا مزار ایک بلند جگہ پر واقع ہے۔ اور مٹن سے پہلگام جاتے ہوئے دائیں ہاتھ پر دُور ہی سے نظر آتا ہے۔

اسی طرح بابا لطیف الدین کا اصل نام لدے رینہ تھا۔ وہ قوم کے راجپوت تھے بلکہ تاریخ کبیر اعظمی میں لکھا ہے۔ ''سردار زادہ ہائے بُود۔'' شیخ نے ان کا اسلامی نام لطیف الدین رکھا۔ یہ خلیفہ ثالث تھے۔

ان کے مریدوں اور خلیفوں میں ایسے لوگ بھی شامل تھے۔ جو برہمن تھے۔ چنانچہ تاریخوں میں بومہ سادے نام ایک مرتاض برہمن کا ذکر درج ہے۔ جس کو عروج روحانی میں کمال حاصل تھا۔ عمر کے آخری حصہ میں شیخ کے دست مبارک پر مسلمان ہوا۔ نام اس کا بام الدین رکھا گیا۔ قبول اسلام کے بعد بارہ سال تک زندہ رہا۔ عمر اس کی سو سال کے قریب تھی۔ شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو میر اور بٹ اور دیگر اقوام زمیندارہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مثلاً بابا رجب دین ریشی (اصل نام شکور میر) بابا فخر الدین (اصل نام فخر میر برادر بابا رجب میر) بابا حسین ریشی (اصل نام میر حسین) بابا حنیف الدین (اصل نام حیدر بٹ وفات ۸۹۰ھ میر یا بٹ اقوام سے تھے۔ لیکن جب یہ حضرت شیخ کے دامن سے وابستہ ہوئے تو کیا راجپوت گیا سردار زادے اور کیا میر اور کیا بٹ سب ریشی کہلانے لگی۔ ان کے علاوہ گروہ ریشیاں میں بابا نصر الدین بابا دریا دین نہایت خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ یہ سب لوگ آبادیوں سے دور رہتے تھے اور جنگلوں اور بیابانوں کی پیداوار پر گزارہ کیا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ایک گروپ ریشیوں کا ایسا بھی ہے جو حضرت شیخ نورالدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت گاہ کا خادم اور منتظم اور متولی کہلاتا ہے۔

رشی فرقہ کی زیادہ تر آبادی جنوبی کشمیر یعنی ضلع اسلام آباد ہی میں ہے۔ اسی ضلع کی تحصیل کولگام میں رشی فرقہ کی کثیر تعداد زراعت پیشہ ہے۔ بلکہ کئی دیہات میں ان کی نمبرداریاں بھی ہیں۔ اور مجید رشی ذیلدار بھی اس تحصیل میں اسی گروہ کا ایک سرکردہ اور معزز شخص ہے۔

۱۸۹۱ء میں کشمیر میں رشی فرقہ کی آبادی ۶۲۹۰ تھی۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان کی کل تعداد ریاست کے دونوں صوبوں میں ۱۰۲۸۸ ہے جس میں ۵۶۷۲ مرد اور ۴۶۱۶ عورتیں ہیں۔

صوبہ جموں میں تو رشی فرقہ کی معقول تعداد ہے۔ البتہ پنجاب میں صرف چند ایک گھر ہی ہیں جن کا ذکر باب پنجم میں کیا جائے گا۔

قاسمی خاندان

کشمیر کے دارالحکومت سری نگر میں ایک بزرگ حضرت شیخ محمد کے نام سے گزرے ہیں۔ ان کے پانچویں فرزند شیخ اسماعیل بہائی * احمد اکدلی کے فرزند دوم شیخ قاسم بہائی کی اولاد قاسمی پیرزادگان کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ آپ کے فرزند پیر ہدایت اللہ اور آپ کے فرزند شیخ عنایت اللہ قاسمی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ قاسمی خاندان کا جو مختصر سا شجرہ ہمیں ملا ہے۔ اس میں شیخ عنایت اللہ قاسمی تک کو مدفون احمد اکدل سری نگر لکھا ہے۔ شیخ عنایت اللہ کے دو فرزند تھے۔ (۱) بابا پیر امیر الدین قاسمی (۲) بابا پیر صدیق اللہ قاسمی۔ ان دونوں کا مدفن امرتسر درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاسمی خاندان میں سب سے پہلے یہی دونوں بھائی کشمیر سے ہجرت کر کے امرت سر ** آئے تھے۔ یہ خاندان کیا کشمیر اور کیا امرتسر ہر جگہ علم و فضل کے گہوارہ میں پرورش پاتا

---

* ان کے ایک بھائی شیخ سعد الدین بہائی کے متعلق میر سعد اللہ شاہ آبادی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔ عارف وقت بود مرد ولی۔ سعد بابا احمد اکدلی۔ ابوالبرکات خان ناظم کشمیر ان کا عقید تمند تھا۔ اسی نے ان کے لیے دو طبقہ خانقاہ بنوائی۔ جو شیخ امام الدین گورنر خالصہ کے زمانہ میں توپ کے گولوں سے شہید ہوگئی۔ بہائی لفظ کی وجہ تسمیہ میں مختلف روایتیں بیان کی جاتی ہیں کوئی کہتا ہے ان سب بھائیوں کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی۔ اس لیے وہ بھائی کہلانے لگے۔ کوئی اس لفظ کو ان کی باہمی برادر محبت پر محمول کرتا ہے لیکن بہر حال وجہ کوئی ہو اصل لفظ بھائی یا بہائی نہیں۔ بلکہ بوئی ہوگا۔ جو کشمیری زبان میں بھائی کا مترادف ہے۔ بوئی سے بگڑ کر بہائی ہو گیا ہوگا۔

** تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔

رہا ہے۔ بابا پیر صدیق اللہ کے دونوں فرزند مولانا پیر احمد قاسمی و منشی عبدالرحمان قاسمی بھی اسلاف کا نمونہ تھے۔ لیکن جو شہرت بابا پیر امیر الدین قاسمی کے فرزندان مولانا پیر عبدالعزیز قاسمی اور مولانا مفتی پیر غلام رسول قاسمی اور پیر عبدالقدوس قاسمی نے حاصل کی ہے۔ اس نے قاسمی خاندان کی علمی فضیلت کی چار دانگ عالم میں مشہور کر رکھا تھا۔ مفتی پیر غلام رسول قاسمی کے تلامذہ میں پنجاب۔ کشمیر، سندھ، بنگال، افغانستان، ایران، بخارا، بدخشاں تک کے طلباء شامل تھے۔ آپ کے ایک شاگرد مولانا عطا اللہ کاشمیری مرحوم۔ مولانا محمد ہدایت اللہ خاں جونپوری کے ارشاد کے مطابق ان کے مدرسہ میں طلباء کو پڑھاتے رہے ہیں۔ ایک مرتبہ جب مولوی سید سبحان اللہ خاں رئیس گورکھپور کو صاحب کمال عربی استاد کی ضرورت پڑی اور انہوں نے مولانا محمد ہدایت اللہ خاں کو اسی مطلب کے لیے جونپور میں خط لکھا تو مولانا جونپوری نے مولانا قاسمی ہی کو وہاں بھیجا۔ جہاں وہ دوسو روپیہ ماہوار پر مولانا محمد سبحان اللہ کو پڑھاتے رہے۔ افسوس عین شباب ہی میں آپ ۱۳۳۱ھ میں وہیں انتقال کر گئے۔

مفتی غلام رسول قاسمی ۸ دسمبر ۱۹۰۲ء مطابق ۷ رمضان ۱۳۲۰ھ کو بعمر ۶۳ سال امرتسر میں رحلت فرما گئے۔ جنازہ کے ہمراہ ۴۰، ۵۰ ہزار مخلوق تھی۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ (۱) پیرزادہ محمد زبیر قاسمی (۲) پیرزادہ محمد ہادی قاسمی دونوں صاحب اولاد ہیں۔

مولانا کے برادر اعظم پیر عبدالعزیز قاسمی کے دو فرزند تھے۔ (۱) مولانا مفتی پیر غلام مصطفیٰ، جو نہ صرف آپ کے برادرزادے تھے۔ بلکہ عزیز شاگرد بھی تھے۔ اور آپ کے بعد سر افتاء کو سنبھالنے کی وجہ سے آپ کی جانشین بھی تھے۔ آپ نے بھی اپنے نامور چچا کی طرح فقہ د مسائل کی کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ پیرزادہ احمد حسن قاسمی دوسرے پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی جو صاحب تصانیف اور ایک زبردست واعظ بھی ہیں۔

پیر عبدالعزیز قاسمی مرحوم کے دو فرزند مولانا الحاج حکیم پیر غلام محی الدین قاسمی تھے۔ جن کے دو حسب ذیل فرزند شملہ فارن آفس میں ملازم ہیں (۱) پیرزادہ بابو محمد ابراہیم قاسمی منشی فاضل (۲) پیرزادہ بابو محمد یوسف قاسمی۔

مولانا مفتی پیر غلام رسول مغفور کے تیسرے بھائی پیر عبدالقدوس مرحوم کے ایک ہی فرزند ہیں۔ جن کا نام مولانا پیر سلام الدین قاسمی ہے۔ اور جو جامع مسجد میاں جان محمد مرحوم

امرتسر کے خطیب ہیں۔ پنجاب میں اس خاندان کے افراد صرف امرتسر و شملہ ہی میں ہیں۔

سری نگر میں بھی اس خاندان کا بہت کم نشان ملتا ہے۔ سری نگر کے متصل گاؤں سور میں مولوی جلال الدین واعظ ہیں وہ قاسمی ہیں۔ مولانا پیرزادہ محمد بہاؤ الحق قاسمی کے ننہیال کا سلسلہ حضرت بابا مسعود نروری کی اولاد سے ملتا ہے۔ چنانچہ ان کی والدہ مرحومہ کا ایک چچازاد بھائی محلہ زدرہ میں مسعودی خاندان سے اس وقت موجود ہے۔

درابو

سری نگر میں درابی یار ایک محلّہ کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں اس محلّہ سے جو کوئی کسی دوسرے محلّہ یا دوسرے گاؤں میں گیا۔ وہ درابو کہلایا۔ لیکن اس سے زیادہ مستند روایت یہ ہے کہ تحصیل بڈگام میں دربہ گام کے نام سے جو گاؤں ہے اس مقام کے رہنے والے جب شہر میں آئے تو وہ درابو کہلائے۔ درابی یار جس محلّہ کا نام ہے وہ محلّہ انہی لوگوں کے درابو کہلانے سے درابی یار مشہور ہے۔

درابی، دراب اور درابو کے انتساب سے کشمیر اور کشمیر سے باہر بہت لوگ مشہور ہیں۔ کشمیر کے دیہات میں یہ سب زمینداری کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ پٹھانوں کے عہد حکومت میں ایک شخص دربہ گام سے شہر، سری نگر، میں آیا۔ محلّہ نزورہ میں ایک پشمینہ فروش کے پاس وہ ملازم ہو گیا۔ رفتہ رفتہ وہ پنجاب میں اپنے آقا کا گماشتہ بن گیا۔ اور تجارت کو فروغ دے کر فرخ آباد تک پہنچا۔ اور آخر خود ایک عظیم کارخانہ کا مالک بن گیا۔

خواجہ خلیل درابو اور خواجہ سخی اس خاندان کے بانیوں میں تھے۔ خواجہ سخی جو شیخ طیب رفیقی کے عقیدت مندوں اور درویش کرم اللہ شاہ آبادی کے نظر یافتگان میں تھے۔ مشائخ علما کے بے حد قدر شناس تھے۔ ان کے فرزند خواجہ سعد الدین درابو نے تجارت کے علاوہ شاعری میں بھی بڑا نام پیدا کیا۔ سائل تخلص تھا۔ جب ۱۲۷۲ھ میں حضرت سلطان مخدوم شیخ حمزہ کی زیارت کے دروازے کی مرمت کی گئی تو آپ نے ایک بے عدیل تاریخی قطعہ لکھا۔ جس کے تین شعر حسب

ذیل ہیں۔

بہ تاب و آب آب و تاب برداز مہر عالتماب	تعال اللہ چنیں باید در عالی جناب
بحال ماکہ کحل دیدہ از خاک درت داریم	نگاہ بس بود اے ذرہ پرور آفتاب
ملک دست دعا برداشت من آمین کناں گفتم	الٰہی باددر ہر باب زیں درفتح باب

۱۲۷۲ھ

خواجہ سلام الدین درابو، خواجہ محمد امین درابو، خواجہ امیر الدین درابو، اس خاندان میں ذوق سخن سے مالا مال ہیں۔ لکھنو کے خواجہ عزیز الدین عزیز بھی جو فارسی زبان کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔ درابو خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا ذکر اسی کتاب میں یو۔ پی کے اہل خاندانوں کے سلسلہ میں درج ہے۔

ترنبو

ترنبو ایک پھل ہوتا ہے جو لوگ اس کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ ترنبہ کی نسبت سے ترنبو مشہور ہو گئے۔ یہ پھل گریز کی طرف پیدا ہوتا ہے۔ اور وہاں لوگوں کی بالعموم یہی خوراک ہے۔ سوپور میں خلیل جو ترنبو، لسہ جو ترنبو۔ حاجی اکبر جو ترنبو اس طبقہ کے مشہور آدمی ہیں۔ ترنبو قبیلہ کے لوگ بالعموم تجارت پیشہ ہیں۔

عالمگیر کے زمانہ میں خواجہ صابر ترنبو ایک نامور مالدار تاجر گزرا ہے کشمیر کے علاوہ اس کی ایک کوٹھی آگرہ میں بھی تھی۔ اور وہ کوٹھی دار کہلاتا تھا۔

ترنبو قبیلہ میں ایک شیخ نعمت اللہ ترنبو حضرت میرزا اکمل الدین کامل بیگ خاں بدخشی کے مرید گزرے ہیں۔ ان کا مقبرہ حضرت شیخ یعقوب صرفی کے مزار کے احاطہ میں ہے۔

سری نگر کے ترنبو طبقہ میں خواجہ خلیل ترنبو (سن وفات ۱۲۴۲ھ) اور عبدالصمد ترنبو (سن وفات ۱۳۱۷ھ) نامور اہل اللہ گزرے ہیں۔

واندر

واندر یا وندر کشمیر میں بندر کو کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اس قبیلہ کی کسی شخص سے کیا حرکت ہوگئی کہ نہ صرف وہ خود ہی اس نام سے موسوم ہوگیا بلکہ اس کی اولاد واحفار بھی واندر ہی کہلا رہی ہے۔ تاریخ میں جس شخص کا نام سب سے پہلے واندر کے عرف کی حیثیت سے آتا ہے۔ وہ خواجہ اسحاق وندر تھے۔ ان کا سن انتقال ۷ اصفر ۱۱۷۶ھ ہے۔ یہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر میں ان کے متعلق لکھا ہے۔ ''در علم قرأت عالمے بود فاضل وکامل و بہ یمن ہمتش علم قرأت تازگی ورونقے جدید پدآورد کہ پیش از وے مفقود شد بود'' ہدایۃ الفقراء وتحفۃ الفقراء ان کی دو منظوم کتابیں علم قرأت میں ہیں۔ مصنف تاریخ کبیر کشمیر لکھتے ہیں۔ ''چوں رحلت کرد در مزار وندروہا کہ مقبرہ اسلاف دے بود دفن کردہ شد۔'' ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وندر بہت قدیم نام ہے۔ جو ان کے اسلاف کے ساتھ چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی نام پر ان کا خاندانی قبرستان ''مزار وندرو'' مشہور ہے۔ خواجہ اسحٰق وندرو شیخ محمد اکبر ہادی نواسہ میر عبدالسلام اندرابی کے خسر تھے۔ شیخ ہادی ۱۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علم قرأت میں اپنے خسر کے شاگرد تھے۔

آج کل سوپورہ وبارہ مولا میں واندرو قبیلہ کے لوگ عزیز واندرو وغیرہ بزازی اور نان پزی کا کام کرتے ہیں

سادھو

سادھو کشمیر کے ایک ہوشیار زمانہ شناس اور زیرک طبقہ کا نام ہے۔ اس طبقہ میں کئی ذاتیں ہیں۔ مثلاً مور، بُد چی، مارو، شیخ، ماتک، قاضی، شاہ، مشہدی وغیرہ جس طرح سکھوں اور پٹھانوں کے عہد میں کشمیر سے اور کئی اقوام ترک وطن پر مجبور ہو کر پنجاب کے اکناف واطراف میں پھیل گئیں اسی طرح طبقہ سادھواں بھی سکھوں کے عہد میں لاہور چلا آیا۔

تکیہ سادھواں جس کا پہلا نام محلّہ علاؤل خاں تھا۔ انہی کے نام پر تکیہ سادھواں آج تک مشہور چلا آتا ہے۔ یہاں ایک وسیع قبرستان تھا۔ اس وقت بھی مسجد تکیہ سادھواں کے اردگرد چند ایک پرانی قبریں موجود ہیں۔ اور پیر عبدالغفار شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی یہیں ہے۔

جن کا ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ کو اسی مسجد میں وضو کرتے ہوئے انتقال ہو گیا تھا۔

لاہور میں طبقہ سادھواں کی آبادی صرف تکیہ سادھواں ہی میں ہے۔ یہاں ان کی تعداد ۲۰۰ نفوس کے قریب ہوگی۔ پشاور، امرتسر، گوالیار، بھوپال، کلکتہ اور دہلی میں بھی اس طبقہ کے لوگ کم وبیش پائے جاتے ہیں۔ لاہور کا مشہور شہ زور اسلام مورتی جس کا اصل نام تھا اسی طبقہ سے تھا۔ چند سال ہوئے اپنی شہ زوری کے کرتب دکھاتے ہوئے گورکھپور میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ہندوستان کی دور و دراز ریاستوں میں یہ لوگ نکل جاتے تھے۔ اور تجارت اور شہ زوری اور اپنے دوسرے علوم وفنون کے ذریعہ کافی روپیہ کما کر لاتے تھے۔

مولوی فقیر اللہ آج سے ۳۰۔۳۵ سال پیشتر لاہور کے نامور کتب فروش تھے اور جنہوں نے تاریخ خواجہ اعظمی چھاپ کر خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری کا نام ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔ اسی طبقہ سے تھے۔ حاجی نور محمد بھی اس گروہ میں ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ زعفران شیخ اور احمد شیخ بھی دو قابل اور خوشحال ہستیاں تھیں۔ اس طبقہ میں بعض من چلے اصحاب نے فقیری اور امیری دونوں میں خوب نام پیدا کیا ہے۔ قدرت اللہ شاہ کلکتہ اور لاہور میں شہزادوں کی سی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اور مدنے شاہ اور ٹاٹ شاہ ایسے لوگوں میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ٹاٹ شاہ کے نام کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ اپنے بدن پر ہمیشہ چیتے کی کھال پہنا کرتے تھے۔ گوالیار کا ایک جنگل ان کا مسکن تھا۔ مہاراجہ گوالیار ایک دفعہ اسی جنگل میں شکار کو گئے اور ٹاٹ شاہ کو دور سے چیتا سمجھ کو گولی چلا دی۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ مہاراجہ کو بہت افسوس ہوا اور ان کے بیٹے کو بہت سا روپیہ دے کر اپنے افسوس کا عملی اظہار کیا۔

یہ سب لوگ بالعموم کشمیری زبان جانتے ہیں۔ بلکہ اور بھی کئی مقامی وغیر مقامی زبانوں سے واقف ہوتے ہیں۔ انہوں نے خاص خاص استعارات کے لیے اپنی ایجاد کردہ زبان میں خاص خاص الفاظ مقرر کر رکھے ہیں۔ جو عوام کی سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن ان الفاظ کے ذریعے وہ تیسرے آدمی کے متعلق آپس میں کوئی رائے قائم کر لیتے ہیں۔

ان میں تعلیم بہت کم ہے۔ تاہم زمانہ کی روش کے مطابق اب ان میں بھی حصول علم کا چرچا ہے۔ اور جو چند ایک پڑھ گئے ہیں ان میں ایک دو نے اپنی فطری ذکاوت و ذہانت سے بہت جلد ترقی کے مدارج طے کر لیے ہیں۔

فصل ہشتم

چند مسلمان اقوام کا مختصر بیان

کاک:

ہندوؤں کی مشہور ذات ہے۔ جس کا ذکر باب اول میں کیا جا چکا ہے۔ مسلمانوں میں بھی اس قوم کے کئی نامور اہل علم و عمل بزرگ گزرے ہیں۔ جن میں میتی کاک، شمسی کا، شالہ کاک، ایبہ کاک یعنی شیخ ابراہیم کاک وغیرہ بہت مشہور تھے۔ ابراہیم کاک کو کاکا صاحب بھی کہتے ہیں۔ خواجہ طاہر رفیق عشائی فتح کدلی کے مرید تھے۔ کمالات علمی میں مرد یکتا اور بحث و مناظرہ میں فرد کامل تھے۔ تاریخ کبیر میں لکھا ہے۔ در بحث وقائق وحقائق معنوی چناں بود۔ کہ عاقلان عصر و فاضلان دہر از تقریر و بیانش حیران مے شدند۔'' لیکن جہاں بربط و عود اور ساز و سرود کا شور سنتے بہ ایں علم و فضل بے خود ہو کر ناچنا شروع کر دیتے۔ حضرت خواجہ اس بات سے ناراض رہتے۔ ایک مرتبہ شیخ ایبہ کاک کے ہمسایہ میں ساز و سرود کی محفل کسی تقریب پر تھی۔ شیخ پہلے تو مرشد کے خوف سے خاموش رہے لیکن بعد میں بے اختیار ہو کر حجرہ کے دریچہ ہی میں رقص کرنے اور شور مچانے لگے۔ حضرت خواجہ نے خفا ہو کر فرمایا۔ ''ایبہہ کاک را از خانقاہ بدر کنید۔'' ایبہ کاک یہ سنتے ہی جامہ کو پارہ پارہ کر کے خانقاہ سے باہر نکل گیا اور کہنے لگا۔ '' آزاد شدم آزاد شدم۔'' اس کے بعد اس نے ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں اور ویرانوں میں گزار دی۔ حضرت خواجہ نے اپنے مریدوں کو اس کی خبر گیری کی تاکید کر رکھی تھی۔ شالہ کاک کا اصل نام محمد صالح تھا۔ تاجر زادہ تھا۔ عیش و عشرت اور ناز و نعمت میں پلا تھا۔ حسن و صورت و سیرت میں لاجواب تھا۔ ایبہ کاک کی ''یک نظر پُر اثر'' نے تنعم و محبت دنیا اور اہل و عیال سے آزاد کر دیا۔ دونوں کی وفات ۲۹ صفر ۱۰۲۷ھ کو ایک ہی دن ہوئی۔

ایتو:

اصل ذات رینہ ہے ملک احمد ایتو رینہ میں اس قبیلہ کا مشہور شخص گزرا ہے۔ ایتو یا ایٹو

کے معانی معلوم نہیں ہو سکے ہیں۔ فرقہ کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۶۳۴۵، ۱۹۱۱ء میں جموں میں ۶۰۷ اور کشمیر میں ۲۰۵ ۷ اور کل ۶ ۷ ۴۷ تھی۔ ۱۹۳۱ء میں اس قوم کی کل تعداد ۹۹۲۹ ہے۔ ان میں ۵۳۰۷ مرد اور ۴۶۲۲ عورتیں ہیں۔

کاٹھجو:

یہ خاندان عالم اور علم نواز رہا ہے۔ تجارت اس کا خاص مشغلہ تھا۔ خواجہ محمد اسماعیل کاٹھجو سلطان العارفین حضرت مخدوم شیخ حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں تھے۔ اور صاحب ولائت تصور کیے جاتے تھے۔ خواجہ جمال الدین کاٹھجو نامی تاجر تھے۔ جن کی سر بفلک عمارتیں محلہ بلبل نگر میں دیر تک دستبرد ارزمانہ سے محفوظ تھیں۔ حاجی بابا محمد قادری کاٹھجو صاحب عزوجاہ تاجر تھے۔ یک لخت طبیعت نے پلٹا کھایا۔ اور سید شاہ نعمت اللہ قادری حصاری کے مریدوں میں داخل ہو کر روحانیت میں کمال حاصل کیا۔ اور چند سال تک مدینہ منورہ میں روضہ مبارک پر جاروب کشی کرتے رہے۔ بابا شیخ عثمان کاٹھجو سید شاہ ابوالحسن قادری سے فیض حاصل کر کے سلسلہ قادریہ کے نامور سجادہ نشین ہوئے۔ ان کے چار بیٹے تھے۔ چاروں صاحب سجادہ گزرے ہیں۔ ان کی کثیر التعداد اولادسری نگر کے محلہ بلبل نگر، صفا کدل اور چھتہ بل میں رہتی ہے۔ پیشہ پیری مریدی اور دیہات کی گرداوری ہے۔ خواجہ یوسف کاٹھجو ۱۰۷۰ھ میں کاٹھجو خاندان کے ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ وہ صاحب کشف و کرامات تھے۔ لیکن بسر اوقات کے لیے زراعتی کاروبار کیا کرتے تھے۔ شیخ داؤد عرف بتہ مالوان کے مریدوں میں تھے۔

جہاز:

کشمیر میں پشمینہ کی تجارت کبھی بڑے عروج پر رہی ہے۔ بلکہ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں کشمیر کے علاوہ لاہور میں بھی اس تجارت کا بڑا زور تھا۔ اور سکھوں کے عہد میں امرتسر، نورپور (کانگڑہ) اور جلال پور جٹاں (گجرات) اس تجارت کا خاص مرکز رہے ہیں۔

کشمیر کی تجارت صرف پنجاب اور ہندوستان ہی سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ بلکہ فرانس اور انگلستان میں بھی تاجران کشمیر کی کوٹھیاں موجود تھیں۔ انہی تاجروں میں ایک تاجر نے جب پشمینہ کا مال جہاز میں بھر کر فرانس بھیجا۔ تو جہاز ہوا کی ناموافقت اور طوفان کے زور کی وجہ سے اصلی راستہ ترک کر کے اور طرف چلا گیا۔ کشمیر میں جہاز کے غرق ہونے کی افواہ مشہور ہوگئی۔ لیکن کافی عرصہ

گزرنے کے بعد وہ جہاز طوفان باد کے تھپیڑے کھاتا ہوا فرانس کے کسی ساحل پر جالگا۔ وہاں سے جب کشمیر میں جہاز کے صحیح سلامت منزل مقصود پر پہنچ جانے کی اطلاع آئی تو بڑی مسرت کا اظہار کیا گیا۔

کشمیر نام رکھنے میں تو عجیب خطہ ہے۔ لوگوں نے اس تاجر کا نام جہاز والے رکھ دیا۔ اب صرف جہاز رہ گیا ہے۔ جہاز خاندان کے افراد سری نگر کے علاوہ امرتسر میں بھی ہیں۔ جن میں خواجہ عبدالرحیم جہاز ایک نامی تاجر اور رئیس تھے۔ ۱۹۳۰ء میں ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کے فرزند خواجہ عبدالرشید جہاز تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ سری نگر میں خواجہ خلیل جو جہاز افسر محلّہ کلال دوری اپنے نامور اسلاف کی یادگار ہے۔

کامگار:

کشتواڑ۔ بھدرواہ اور کشمیر کے بعض علاقوں میں جو قوم کامگار کے نام سے مشہور ہے۔ ان کے بزرگ ریاست کے کار پردازوں اور اہل کاروں میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔ اپنی کارکردگی اور اہل کاری کی وجہ سے کامگار مشہور ہو گئے۔ اب بھی اس گروہ کے لوگ اہل قلم مشہور ہیں۔

پستک:

جہانگیر کے زمانہ میں مُلا علی علوم عقلی و نقلی میں سرافراز و ممتاز تھے۔ جہانگیر جب کشمیر آتا تھا تو ملا علی بزم جہانگیری کا رکن اعظم ہوتا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں اس کا بڑا اعتبار و امتیاز تھا۔ چونکہ پست قد تھا۔ بادشاہ نے ایک دن مُلا پستک کہہ کر پکارا بس نام ہی پستک ہو گیا۔ مُلا علی شاعر بھی تھا اور برجستہ شعر کہتا تھا۔ ۱۰۳۶ھ میں انتقال کر گیا۔

کلُو:

اس قبیلہ کی اصل ذات عشائی ہے۔ کوئی بزرگ اوراد و اذکار میں رہنے کی وجہ سے بہت کم سخن تھے۔ بلکہ عموماً خاموش ہی رہتے تھے۔ اسی کم سخنی و خاموشی کی وجہ سے کلو (گونگے) مشہور ہو گئے۔ صاحب غیاث اللغات نے کلُو کے معنی کلاں تر اور رئیس محلّہ لکھے ہیں۔ سری نگر میں خواجہ نور محمد ملک التجار کلاشپوری، خواجہ ابوالفتح کلو کلاشپوری اخوند ملا سلیمان، ملا عبدالحق وغیرہ اس

خاندان کے نامی اہل علم وفضل گزرے ہیں۔ مولوی ہدایت اللہ متو ابن ملا کرم اللہ متو جو بعہد شاہان درانیہ ۱۱۷۵ھ سے ۱۲۰۶ھ تک کشمیر کے قاضی القضاۃ اور شیخ الاسلام تھے۔ اخوند ملا سلیمان کلو کی درسگاہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

سوپور میں کلو خاندان نے نامور طبیب پیدا کیے ہیں جن میں حکیم جمیل حکیم محمد حسن حکیم ولی اللہ حکیم غلام نبی وغیرہ کئی نامی طبیب تھے۔ اب بھی اس خاندان میں حکیم عبدالغنی حکیم غلام محمد کلو (صاحب تصانیف طبیہ غیر مطبوعہ) حکیم غلام محی الدین وحکیم احمد اللہ اپنے مشہور طبی خاندان کی یادگار ہیں۔

صوفی:

لارنس صاحب کی تحقیق کے مطابق ''اس طبقہ کے بزرگ برہمن تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے مختلف پیشے اختیار کر لیے۔'' شمالی کشمیر کے صوفیوں نے راقم الحروف کو بتایا ہے کہ ہمارے بزرگ صوفیائے کرام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے صوفی کہلائے۔ ہماری ذاتیں مختلف ہیں۔ لیکن اب لفظ صوفی نے سب ذاتوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

شمالی کشمیر کے صوفی زیادہ تر زراعت پیشہ ہیں اور اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے ہیں۔ موضع سم پورہ سب کا سب صوفی طبقہ سے آباد ہے۔ وہاں نمبر دار بھی سبحان صوفی ہے۔ موضع نیز پورہ میں نصف سے زیادہ صوفی آباد ہیں۔ اور سب زراعت کرتے ہیں۔ سوپور میں کئی لوگ تاجر پیشہ اور دکاندار ہیں۔ جن میں عبداللہ صوفی اور اکبر صوفی اخباری اور علمی مذاق رکھنے کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں۔

کشمیر میں نان بائیوں کو بھی صوفی کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی صوفی نے نان بائیوں (کلچہ بنانے اور فروخت کرنے) کا کام اختیار کر لیا۔ جس سے وہ بھی نان بائیوں میں شمار ہو گئے۔ لیکن نام ان کا صوفی ہی رہا۔ اب حالت یہ ہے کہ ہر نان بائی صوفی کہلاتا ہے۔

۱۸۹۱ء کی ریاستی مردم شماری نے صوفی طبقہ کو زمینداروں میں لکھا ہے اور اس کی تعداد ۱۰۰۳ بتائی ہے۔ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق یہ تعداد اب ساڑھے گیارہ ہزار سے کم ہو گی۔ پنجاب میں امرتسر، لدھیانہ، لاہور بلکہ پشاور تک بھی اس قبیلہ کے لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

ملیار۔واندراور ڈِم ہانز:

کشمیر میں جو لوگ (آلو بینگن ، ٹماٹر ، کدو ، خربوزہ ، تربوز ، مرچ ، ٹینڈے ، پیاز وغیرہ) سبزی کی کاشت کرتے ہیں۔ان کو ملیار کہتے ہیں۔ پنجاب میں ملیار کا ہم معنی اور ہم پیشہ لفظ راعین ہے۔سوپور میں ملیاروں کے محلّہ کا نام آرم پورہ ہے۔ سنسکرت زبان میں ملیار کو آرامک کہتے تھے۔اسی سے آرم پورہ بنا ہے۔

واندروہ لوگ کہلاتے ہیں جو سری نگر سے دوسرے مقامات پر سبزی بیچنے کے لیے جایا کرتے ہیں۔واندروں کے مرد سودا فروخت کرتے ہیں۔اور ملیاروں کی عورتیں ڈل میں جوزمین پانی پر بنائی جاتی ہے اس میں اس قدر سبزی پیدا ہوتی ہے کہ شہر کے علاوہ باہر بھی بھیجی جاتی ہے۔ ڈل کی آبی زمین میں جو لوگ سبزی کاشت کرتے ہیں۔ان کو ڈم ہانز کہتے ہیں۔ وہ سبزی خود فروخت نہیں کرتے بلک واندروں کے پاس بیچ دیا کرتے ہیں۔

طُوسی:

شاہنامہ کے مصنف فردوسی طوسی اور حسن بن صباح کے ہم سبق نظام الملک طوسی وزیر سلجوقیان کو سب جانتے ہیں۔وہ طُوس (ایران) کے رہنے والے تھے۔اسی طوس سے جو لوگ کشمیر آئے۔وہ بھی اپنے وطن کے نام پر طوسی ہی مشہور ہے ان میں مولانا داوٗد طوسی جو مولانا شمس الدین کاشمیری کے شاگرد تھے۔اور حضرت مخدوم حمزہ سلطان العارفین کے مریدوں میں تھے۔ نہایت عالم ہوئے ہیں۔شاہجہاں و جہانگیر کے زمانہ میں ملاّ حاجی طوسی نے تنجیم واصطراب کے علم میں بڑا نام پایا ہے آپ ملا جوہرنانت کے شاگرد اور حضرت ایشاں خواجہ خاوند محمود کے مرید تھے۔ طوسی کاشمیری خاندان امرتسر میں بھی موجود ہے۔

بنگالی:

شیخ ناصر بنگالی بابا نصیب الدین غازی کاشمیری کے صحبت یافتوں میں تھے۔علم وعمل میں شہرہ آفاق لیکن قہر وغضب میں مظہر جلال تھے زبان کج مج تھی۔ان کی گفتگو کم سمجھ میں آتی تھی۔ گردن پست اور دستار بہت بڑی باندھتے تھے۔مشکوٰۃ شریف ہمیشہ ہاتھ میں رکھتے تھے۔اہل تشیع کی مخالفت میں بہت مشہور تھے۔۳صفر۱۰۵۷ھ کو انتقال کر گئے۔ان کے فرزند عالم بابا بھی صاحب ورع وتقوے اور فرد یگانہ تھے۔اہل تشیع کی مخالفت ورثہ میں پائی تھی۔ تیراندازی اور

بندوق کے نشانہ میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ چونکہ بنگال کے رہنے والے تھے بنگالی مشہور ہو گئے۔ اب بھدرواہ اور سری نگر میں اسی نام پر بنگالی مسلمانوں کو ایک قوم مشہور ہے۔

مہتہ:

یہ خطاب یا لقب ہے۔ صوبہ جموں میں بعض ٹھاکر بھی مہتہ کہلاتے ہیں۔ جو ٹھاکر مہتہ مسلمان ہو گئے۔ وہ بھی اپنے خاندانی لقب مہتہ ہی سے مشہور ہیں۔ آج سے قریباً ایک سو سال پیشتر مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں مہتہ گگ بھدرواہ میں ایک مشہور شخص گزرا ہے۔ مہتہ صدرالدین جو پانچ چار گاؤں کا نمبر دار ہے۔ اور اچھی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی مہتہ گگ کی اولاد سے ہے۔

چہ او:

چہ او۔ چھو یا جھو کے تلفظ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ لیکن معانی کے لحاظ سے ان الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ چہ او کا مفہوم و مطلب جیو یا جی بتایا جاتا ہے۔ جو ادب و تہذیب کا ایک لفظ ہے۔ چہ او خاندان میں خواجہ عبدالقادر کلاشپوری خانیاری۔ قاضی خواجہ عبدالکریم کلاشپوری، فصاحت خاں راضی وغیرہ کئی نامور مشاہیر گزر چکے ہیں۔ جن کے حالات تذکروں میں مفصل درج ہیں۔

شالباف:

شال باف ان کو کہتے ہیں جو پشمینہ کی بافت کا کام کرتے ہیں۔ کشمیری زبان میں اس صنعتی و حرفتی گروہ کا نام کھنڈ واوَ ہے۔ کھنڈ حصہ یا ٹکڑہ کو کہتے ہیں۔ واوَ بنانے والا یعنی ٹکڑہ ٹکڑہ کو بافت کرنے والا۔ عام شالبافوں کے لیے شالباف یا کھنڈ واوَ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مگر مختلف قسم کی چیزوں کے بنانے والوں کے مختلف نام ہیں۔ مثلاً

سادہ باف: سادہ پشمینہ بنانے والا۔

حاشیہ باف: حاشیہ بیل بوٹے دار بنانے والا۔

رفو گر: عملی بیل بوٹے دار قسم کا کام شال پر کرنے والا۔

پُرزگر: پشمینہ کو صاف کرنے اور شکن نکالنے والا۔

پشمینہ دھوبی۔ یہ لوگ صرف پشمینہ ہی دھوتے ہیں۔ عام دھوبی پشمینہ کا دھونا نہیں

جانتے۔ ان لوگوں کی بھی مختلف ذاتیں اور گوتیں ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے کاروبار اور پیشہ کی وجہ سے ان کی اصل ذاتوں کی شہرت قائم نہیں رہتی۔

خطیب:

بھدواره اور علاقہ کشتوار میں کشمیری مسلمانوں کا ایک طبقہ خطیب کے نام سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کے بزرگ کاشغر سے آئے تھے۔ اور خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ یہاں آ کر بھی کچھ عرصہ تک یہی شغل رہا۔ لیکن بعد میں دوسرے کاروبار کی مصروفیتوں نے ادھر زیادہ توجہ نہ ہونے دی۔ اور اب یہ حالت ہے کہ کاروبار تجارت کا کرتے ہیں لیکن نام خطیب مشہور ہے۔ اس قوم نے تجارتی ترقی میں اچھا نام پیدا کیا ہے۔ خالد خطیب بھدرواہ میں ایک مشہور تاجر گزرا ہے۔ اب اس کا فرزند قدر خطیب اپنے خاندان کا سرگردہ ہے۔

ہاپت:

عرصہ ہوا اسلام آباد کے علاقہ میں ایک نہتے شخص نے ایک جنگل میں ایک ہی دن میں دو ہاپت مارے۔ ہاپت کشمیری زبان میں ریچھ کو کہتے ہیں۔ اس کی اس عدیم النظیر بہادری کی وجہ سے اس کا نام ہاپت پڑ گیا۔ اور جو اصل ذات تھی رفتہ رفتہ وہ نہ صرف اور لوگوں کو بلکہ اس کی اولاد کو بھی فراموش ہو گئی۔ اس واقعہ کے طویل عرصہ کے بعد ہاپتوں کے ایک گاؤں میں جب سرکاری اہل کار جنسی مالیہ کے لیے آیا تو سب نے کہا کہ ہماری فصلیں برباد ہو گئی ہیں۔ ہاپت ایک ایک دانہ تک کھا گئے ہیں۔ اب ہم مالیہ کے لیے جنس کہاں سے لائیں۔ اہل کار نے باقی لوگوں سے شہادتیں لیں۔ اس گاؤں میں تقریباً سب ہاپت قبیلہ کے لوگ ہی آباد تھے۔ سب نے شہادتیں اور قرآن کا حلف اٹھایا۔ کہ واقعی ہماری فصلیں ہاپت کھا گئے ہیں۔ ہم مالیہ ادا کرنے ناقابل ہیں۔ اہل کار اصل راز سے ناواقف تھا اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ سب لوگ خود ہی ہاپت ہیں۔ وہ اپنا سامنہ لے کر واپس چلا گیا۔ یہ قبیلہ اسلام آباد کے علاقہ شانگس نوگام میں رہتا ہے۔ اور زمینداری کرتا ہے۔

سینٹان:

بھدرواہ کے علاقہ میں ایک ایسا جانور پایا جاتا ہے۔ (ممکن ہے اور مقامات پر بھی ہو) جو بارش کے موقع پر بادل کے گرجنے اور رعد کے کڑنے پر اپنی ٹانگیں آسمان کی طرف اور سرزمین

کی طرف کر دیتا ہے۔ یہی حرکت بھدرواہ میں ایک کشمیری نے بھی خدا جانے مذاق کے طور پر یا بارش کے موقع پر کی۔ لوگوں نے دیکھ لیا اور اس کا نام سیٹان مشہور کر دیا۔ جو بارش کے موقع پر ٹانگیں آسمان کی طرف کر دینے والے جانور کا نام ہے۔ سیٹان کے نام پر بھدرواہ میں یہ ضرب المثل بھی مشہور ہے۔ ''امبر ہشے چھنٹیاں۔ دے ڈھک۔'' یہ ضرب المثل اس موقع پر بولتے ہیں جب کوئی چھوٹے درجے کا آدمی اپنی حیثیت کو فراموش کر کے کوئی متکبرانہ دعویٰ کرے۔

غرض اس شخص کی اس حرکت سے اب اس کی اولاد سیٹان کہلاتی ہے۔

مانچھو:

مانچھو کشمیر میں میٹھے شہد کو کہتے ہیں۔ اس خاندان کے ایک بزرگ باوجود صاحب ثروت ہونے کے نہایت حلیم الطبع اور شیریں زبان و شیریں کلام تھے۔ عوم الناس نے ان کو مانچھو کہنا شروع کر دیا۔ اب اصل ذات تو لوگ بھول گئے ہیں۔ صرف مانچھو کے نام ہی سے یہ قبیلہ مشہور ہے۔ سعد اللہ مانچھو اور امیر الدین مانچھو جو محلہ بلبل لنگر میں رہا کرتے تھے۔ اس خاندان کے نہایت فیاض رئیس گزرے ہیں۔

الماس:

یوسف نامی ایک شخص تھا وہ بہت جلد جلد گفتگو کیا کرتا تھا۔ اور اس کی زبان پر چند کلمات کے بعد بے ساختہ الماس الماس کے الفاظ آ جایا کرتے تھے۔ اس کا نام الماس ہی مشہور ہو گیا۔ اور اس کے بعد اس کی تمام اولاد کو سب لوگ الماس ہی کہنے لگے۔ چنانچہ اب الماس کے نام سے ایک اچھی خاصی قوم موجود ہے اصل ذات گنائی ہے۔

کلرو:

حاکم کشمیر نے ایک شخص کا اس کے سخت ترین گناہ کی پاداش میں اس کا پوست کھچوا دیا۔ یعنی اس کا چمڑا اس کے بدن سے اتروا دیا۔ پوست کو کشمیری زبان میں کلرو کہتے ہیں۔ اس شخص کی اولاد اب کلرو کے نام ہی سے مشہور ہے۔

شوُنٹھو:

اس خاندان کا کوئی بزرگ بڑے غور و فکر کے بعد اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی رائے کا

اظہار کیا کرتا تھا۔ اس لیے اس کا نام ہی شانتو مشہور ہو گیا۔ اور اس کی اولاد احفاد سالہا سال گزر جانے کے باوجود اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان میں میرزا بابا سونٹھو (یکے از خلفائے حاجی عبدالسلام قلندر) اور خواجہ احمد اللہ سونٹھو اور چند اور ہستیاں نہایت نامور تھیں۔

علامہ زمان ملا ہدایت اللہ متو بعہد شاہان درانیہ نے اپنی تاریخ میں بابا محمد میرزا یا میرزا بابا شونٹھو کے تذکرہ میں شونٹھو کے معنی یا اس کی وجہ تسمیہ احتیاط کرنے والا ہی بتائی ہے۔

کنُو:

کنُو ایک قسم کی گھاس ہے جس سے کشمیر کے زمیندار عموماً جوتے بناتے ہیں جن کو پولہ ہرو کہتے ہیں۔ اور شہر سری نگر میں ہندو عورتیں ان کو زیادہ پہنتی ہیں۔ اس خاندان میں محمد اشرف یکتا اور علامہ امان اللہ (وفات ۱۱۵۲ھ) اور خواجہ خیر الدین بلدیمری نامور عالم گزرے ہیں۔ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری خواجہ خیر الدین بلدیمری کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "از سوداگرزادہائے ایں شہر بود۔" اس سے معلوم ہوتا ہے۔ علم اور تجارت اس خاندان کا خاص جوہر تھا۔ ملا صدر الدین وفائی اور خواجہ اعظم نے اپنی اپنی تاریخوں میں کنُو کے متعلق لکھا ہے۔ "کنُو نام گیا ہے است کہ ہندوزناں از پولہ ہاے سازند۔

اس خاندان کا جد اعلیٰ بلدیمر میں رہتا تھا۔ اور یہی کنُو گھاس جس سے جوتے بنائے جاتے ہیں بیچ کر گزارہ کیا کرتا تھا لیکن اس خاندان کے افراد نے علم اور تجارت کی نعمت سے فیض یاب ہو کر ایسے ایسے نامور فرزند پیدا کئے کہ مورخوں نے اپنی تاریخوں اور تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں فخر ومباہات کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔

لالُو:

وجہ تسمیہ پر پردہ پڑا ہوا ہے لیکن یہ ایک مشہور قبیلہ ہے جس کے کثیر التعداد فراد محلّہ نائد کدل (سری نگر) میں سکونت پذیر ہیں۔ بلکہ لالُو محلّہ اور لالی مسجد میں اسی قوم کے نام سے موسوم ہے۔ خواجہ عطار گنائی کی نبیرہ شیخ حسن گنائی قبیلہ سے ہونے کے باوجود صرف اس وجہ سے شیخ لالُو کے نام سے مشہور ہو گئے۔ کہ وہ لالی مسجد کے امام تھے۔ شیخ حسن حضرت ابو الفقراء بابا نصیب الدین غازی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے۔ آپ نے ملا ابوالفتح کلو کلاشپوری کی درسگاہ سے دینیات، فقہ، ادب، حدیث کا علم حاصل کیا تھا۔ پیری مریدی کا سلسلہ لالُو قبیلہ میں آپ ہی سے

قائم ہوا۔ شیخ عبدالولی گنائی لالو پیر بزرگ شاہ گنائی کلال دوری لالو خاندان ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور شیخ حسن کی اولاد سے تھے۔

چرخی یا ٹٹو:

اس طبقہ کے مورث اعلیٰ خواجہ حیدر گو جواری خواجہ فیروز جیسے عالم باعمل اور فاضل اجل تھے۔ انہوں نے قوت حلال حاصل کرنے کے لیے چرخہ گردانی کا مشغلہ اختیار کیا۔ چرخہ چلانے کو کشمیر میں ٹٹو کہتے ہیں۔ اس لیے آپ کا اور آپ کی اولاد کا نام ہی ٹٹو مشہور ہو گیا۔ اس خاندان میں خواجہ حیدر علامہ کے علاوہ محمد افضل اسلم، ملا اشرف، عبدالشکور خطیب وغیرہ کے علمی وعملی کارنامے خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کی تاریخ واقعات کشمیر اور تکملۃ التواریخ میں بالتفصیل درج ہیں۔

وکیل:

عہد مغلیہ میں ملا عبدالسلام ایک نامور عالم کشمیر میں گزرے ہیں۔ مرادالدین خاں اس کا برادر عینی تھا۔ اس کی وساطت سے دربار میں منصب وکالت محکمہ جات حاصل کیا۔ و" جاہ وحشمے چناں بہم رسیدش کہ در محکمہ ہا پالکی سوار مے رفت۔" بعہد افاغنہ ۱۸ شوال ۱۱۷۱ھ کو انتقال کر گیا۔ اور وکیل کے نام سے موسوم رہا۔ اس کی اولاد و احفاد بھی وکیل ہی کہلائی۔

پختہ:

دھنی ہوئی روئی کو پختہ کہتے ہیں۔ جو لوگ اس کی تجارت کرتے تھے۔ وہ اسی نام سے موسوم ہو گئے۔ سوپور میں احسن جو پختہ اور قادر جو پختہ اس طبقہ کے نامی رئیس اور تاجر تھے۔ اب بھی غلام محمد پختہ تجارت اور زراعت کا کاروبار کر رہا ہے یہیں سے ایک شاخ عرصہ ہوا پونچھ چلی گئی تھی۔

حقانی:

شاہ قاسم حقانی پیر شمس الدین شامی (رفیق میر سید علی ہمدانیؒ) کی پانچویں پشت میں تھے۔ چونکہ بے خوف حق گو تھے۔ بلکہ چھاؤں میں تلوار کی وہ جا کے کہہ آتے تھے حق۔ اس لیے حقانی کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کے حالات میں بابا یعقوب حقانی نے کتاب معارف

الحقانی لکھی ہے، عالم، مفسر اور محدث تھے۔ شیخ یعقوب صرفی کے صحبت یافتوں میں سے تھے۔ شاہ قطب الدین حقانی بابا، یعقوب حقانی، ظفر بابا حقانی اس خاندان کے نامور عالم تھے۔

گنگو:

گنگو کی وجہ تسمیہ گنگو خاندان کے ایک معزز بزرگ نے یہ بتائی ہے کہ ہم مولانا خواجہ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہیں۔ جن کا انتقال بقول صاحب اخبارالاخیار ۹۴۵ھ اور بقول صاحب گلزار ابرار ۹۵۰ھ میں ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانہ میں مولانا گنگوہی کے خاندان سے کوئی بزرگ اہل وعیال سمیت کشمیر آئے۔ ان کی اولاد جو شہر میں ہے۔ وہ تجارت کرتی ہے۔ جو دیہات میں ہے وہ زراعت کا کام کرتی ہے۔ تحصیل بڈگام میں موضع گنگی پورہ اسی قوم کی نام پر آباد ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں خواجہ امیر دین گنگو ایک نامی رئیس و تاجر تھا۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ و موجودہ مہاراجہ ہری سنگھ کے عہد میں خواجہ غلام محی الدین گنگو اپنی قدیم وضعداری کے پابند تھے۔ فروری یا مارچ ۱۹۳۴ء میں لاولد انتقال کر گئے۔

کان چتو:

آزاد خاں حاکم کشمیر (۱۷۸۳ء لغایت ۱۷۸۵ء) نے کسی قصور پر اپنے ایک ملازم کے کان کاٹ کر اس کو سری نگر سے علاقہ کامرج میں جلاوطن کر دیا۔ اس کی اولاد اب کان چتو ہی کہلاتی ہے۔

گگرو:

چوہا، یہ طبقہ سوپور میں ہے۔ اور تجارت اور دکانداری کی وجہ سے آسودہ حال ہے۔

داند:

بیل۔ اصل ذات وائیں ہے۔ پیشہ بقالی اور دکانداری ہے۔ یہ طبقہ بھی صرف سوپور ہی میں ہے۔

برور:

بلی۔ اصل ذات بٹ ہے۔ تحصیل اوتر مچھی پورہ میں براری پورہ ایک خاص گاؤں بھی اس قوم کے نام پر آباد ہے۔ یہ لوگ زراعت پیشہ ہیں۔

سیہہ:

کشمیر میں شیر کو کہتے ہیں۔ کشمیر میں اس قوم کے لوگ کم اور بھدرواہ اور علاقہ بھدرواہ میں زیادہ ہیں۔۔ اس قوم کے ایک نہتے بزرگ نے شیر کو ہلاک کر دیا تھا۔ اسی پر اس کا نام سیہہ مشہور ہوگیا۔

دیو:

بھدرواہ اور کشتوار کے مسلمان کشمیریوں میں یہ طبقہ کافی شہرت رکھتا ہے بقول بعض کسی دیوہیکل کشمیری کی ذریات دیو کے نام سے مشہور ہے۔ دیو سنسکرت میں سورج کو بھی کہتے ہیں۔

پپلان:

ایک دوا کشمیر میں پپل کے نام سے نہایت تلخ اور ترش ہے۔ ایک شخص کے کلام میں اسی قسم کی تلخی و ترشی تھی۔ وہ پپلان کے نام ہی سے مشہور ہوگیا۔ یہ ذات بھدرواہ کے کشمیری مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔

زکو:

محلہ بابا یوسف سوپور میں چار پانچ گھر ہیں۔ اصل لفظ زکی ہے یعنی ذہین اور دانا۔

ٹھول:

کشمیری میں انڈے کو ٹھول کہتے ہیں۔ بھدرواہ کے مسلمانوں میں جس نے انڈے بیچنے کا کام شروع کیا۔ اس کی اولاد اب ٹھول کہلاتی ہے۔

کنجوال:

علاقہ کنڈی سے میدانی علاقوں میں آنے والے۔

حاجن:

علاقہ حاجن (متصل پٹن کے رہنے والے)

اینٹو:

اِنّ اُٹ یعنی مٹی کی ہنڈیا کے ڈھکنے بیچنے والے۔ سوپور میں چند ایک گھر ہیں۔

بچہ:

کشمیر میں ناچنے والے چھوٹے چھوٹے خوبصورت لڑکوں کو بچہ کہتے ہیں۔ اب اس نام سے سوپور میں ایک مشہور تاجر اور شریف خاندان موجود ہے۔

شوشہ:

بھیڑ بکری کا شوشہ یعنی پھیپھڑہ بیچنے والے۔

ریسرے۔ کانجل۔ شنائی۔ وار:

مسلمانوں کی زمیندارہ ذاتیں ہیں۔ اصل وجہ معلوم نہیں ان کی آبادی تحصیل بڈگام میں ہے۔

چنگ:

اس قبیلہ کا کوئی بزرگ یہودیوں کی قسم کا چنگ بجایا کرتا تھا۔ وہ اور اس کی اولاد چنگ کے نام ہی سے مشہور ہو گئے۔ چنگ اور چنگال غالباً ایک ہی طبقہ ہے۔

شورہ، شورگرڈ، پانپری، سانبری یا سامری اور کئی ایسے طبقے ہیں جن کے اصل حالات صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ اقوام سری نگر کے علاوہ بھدوارہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

☆☆☆

فصل نہم

کشمیر کی متفرق اقوام

دیدہ مری

اس خاندان سے خواجہ خیر الزمان خان کہ ملک التجار کشمیر تھا۔ اوصاف حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ اور جاہ وثروت اور نجابت وشرافت اور لیاقت وکارکردگی کے لحاظ سے عالمگیر کا منظور نظر تھا۔ ''خیر الزمان خاں'' عالمگیر ہی کا دیا ہوا خطاب ہے۔ اصل نام کچھ اور تھا۔ عالمگیر کے ساتھ اس کو مصاحبت ومجالست اور مکالمت ومخاطبت کا شرف حاصل تھا۔ خیر الزمان خاں نے اس عزت افزائی کے شکریہ میں اپنے مکان کے نزدیک ایک عالی شان مسجد معہ حمام تیار کی۔ وہ مسجد ۱۳۰۱ھ تک موجود تھی۔

خواجہ خیر الزمان خاں کے اسلاف جب پہلے پہل کشمیر * آئے تو سری نگر کے ضلع دیدہ مر میں اقامت گزین ہوئے۔ اور اسی نام سے دیدہ مری مشہور ہو گئے۔ دیدہ مر کی وجہ تسمیہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس مقام پر نور جہاں بیگم نے ایک باغ نور باغ کے نام سے اور ایک مسافر خانہ مسافروں کے قیام کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ چونکہ کشمیری زبان میں دیدی کسی بزرگ عورت کو کہتے ہیں۔ اور مر جگہ یا عمارت رفاہ عامہ کی جگہ کو۔ اس لیے یہ مقام دیدہ مر کے نام سے موسوم ہو گیا بعد میں اس خاندان کے کئی لوگ عالی کدل اور فتح کدل وغیرہ مقام پر چلے گئے لیکن وہ سب دیدہ مری کہلاتے رہے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں خواجہ محمد اعظم جو اپنی تصنیف تاریخ خواجہ اعظمی یا واقعات کشمیر اور اشجار الخلد اور ثمرات الاشجار وغیرہ کی وجہ سے بہت مشہور ہیں اسی خاندان کے ایک عالم باعمل بزرگ تھے۔ مولانا عبداللہ شہید، شیخ مراد بیگ، میرزا کامل بیگ، خواجہ مراد متو اور خلیفہ عبداللہ وغیرہ نامی علماء وصلحا سے علوم حاصل کرتے رہے۔ شاعر بھی تھے۔ ان کے کئی اشعار ان کی تاریخ اور ان کی دوسری تصانیف میں درج ہیں۔ یوم عاشورہ ۱۱۹۷ھ کو

سری نگر میں فوت ہو گئے۔

اس خاندان کے ایک نامور فرد خواجہ ظہیر دیدہ مری کا کشمیر میں یہاں تک سیاسی اقتدار تھا کہ احمد شاہ ابدالی (۱۱۵۳ھ لغایت ۱۱۶۶ھ) میں جن لوگوں کی کوشش سے تخت کشمیر حاصل کیا تھا۔ ان میں خواجہ ظہیر کسی اور سے کم نہ تھا۔ انہی خدمات کی وجہ سے خواجہ ظہیر کو ناظم کشمیر (علی قلی خان) کی مدارالمہامی بھی ملی۔

امرتسر کے رئیس الامراء خان بہادر حاجی خان محمد شاہ مرحوم آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر، فیلو پنجاب یونیورسٹی خواجہ احمد شاہ دیدہ مری کے فرزند تھے۔ ان کے حالات ''تذکرۃ حضرات کشمیر'' میں جو ۱۳۰۱ھ کی تصنیف ہے۔ درج ہیں امرتسر میں ایک وسیع در فیع سرائے ان کی یادگار ہے۔ خان بہادر حاجی غلام حسن جو امرتسر کے مشہور مخیرّ رئیس تھے۔ انہی کے خلف تھے۔ اس زمانہ کے لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلیس ایچسن نے ان کے مکان واقعہ امرتسر پر معہ اراکین و مصاحبین ان کی ضیافت قبول کی تھی۔

خان بہادر خواجہ غلام صادق بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء جو بلدیہ امرتسر کے اگزیکٹو افسر ہیں آپ ہی کی یادگار ہیں۔

تُرک

تُرک قوم اب کشمیر میں ایک معمولی زمیندارہ مفلوک الحال قوم ہے۔ لیکن ایک زمانہ میں تین ترکستانی شہزادے ۴۲ سال تک کشمیر میں حکومت کرتے رہے ہیں۔ پھر راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں کشمیر پر ترکوں کا حملہ ہوتا ہے۔ پھر راجہ سہدیور کے زمانہ میں ذوالقدر خاں عرف زوالچو کشمیر کو اس بیدردی سے تباہ کرتا ہے کہ قدرت آخر اس سے انتقام لینے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مسلمان حملہ آوروں مثلاً تیمور اور محمود غزنوی کو بھی کشمیر میں ترک ہی کہتے تھے۔ غرض

کعبہ سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دُور کی
گو واں نہیں پہ واں سے نکالے ہوئے تو ہیں

ترکوں کا ملازم یا گماشتہ رہنے کی وجہ سے پنڈتوں کا ایک طبقہ ابھی تک ترک یا ترکی کہلا رہا ہے۔ انہی ترکوں کی ذریات سے زمانہ قدیم میں پکھلی (ہزارہ) میں بھی ترکوں کی معقول

آبادی تھی۔ وہاں سے ایک شاخ دربندگئی۔ ایک پکھی سواہ ایک دھمتوڑ میں۔ اور ہر شاخ اپنے وطن کے نام پر مشہور ہوئی۔ چنانچہ دھمتوڑی ترک۔ سوچ ترک اور دربندی ترک کے نام سے ترکوں کی اب تین قسمیں ہیں۔ سوچ ترک کی شاخ کا کوئی شخص بھیڑی تحصیل مانسہرہ سے کرناہ میں چلا گیا۔ وہاں اس کی کافی اولاد موجود ہے۔ اسی کی نسل سے ہدایت اللہ نام ترک راجہ شیر احمد خاں والئی کرناہ کے ساتھ کولگام کی تحصیل میں جہاں راجہ مذکور کو جاگیر ملی تھی۔ اپنے چند اور ترک بھائیوں کے ہمراہ آیا۔ چنانچہ علاقہ مزار میں اس وقت ترکوں کے پانچ چھ گھر ہیں۔ جن میں سوچ ترکوں کا ایک گھر چک امرچھہ میں ایک بزازلو میں اور ایک گھر دربندی ترکوں کا نون مٹی میں ہے۔ جاگیر کٹھائی کے موضع مایاں اور موضع بجھامہ میں بھی ترکوں کی آبادی ہے بارہ مولا کے متصل ایک گاؤں لڑی ڈورہ کے نام سے ناڑواؤ میں ہے۔ وہاں سب ترک ہی آباد ہیں۔ یہاں کا نمبردار بھی (دوست محمد خاں) ترک ہی ہے۔ بنڈپورہ میں بھی ایک دو گھر ترکوں کے سنے جاتے ہیں۔ ان کی زیادہ تعداد ضلع مظفر آباد میں ہے جہاں ۲۲۷۱ نفوس کی تعداد ہے جن میں ۱۲۲۱ مرد اور ۱۰۵۰ عورتیں ہیں۔

اعوان

اعوان کی وجہ تسمیہ اس کے ابتدائی حالات اعوانوں کی اقسام ان باتوں کا ذکر ''اقوام پونچھ کی تحت میں کس قدر تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ یہاں تفصّل لاحاصل ہے۔ ناظرین ''تذکرہ اقوام پونچھ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں اعوانوں کی مردم شماری ۲۷۵۸۸ نفوس کی بتائی گئی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے اس میں زیادہ تعداد پونچھ و جموں کے اعوانوں کی ہے۔ کشمیر میں بھی اعوان پائے تو جاتے ہیں۔ لیکن اس قدر نہیں کہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہو۔

کشمیر میں جن مقامات پر اعوان پائے جاتے ہیں۔ ان میں سری نگر خاص کے علاوہ بڈیارہ اور کنچھتر خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان کا سلسلہ انساب مزمل علی کلکان بن عون قطب * شاہ کی اولاد سے ملتا ہے۔ یہ لوگ بہ لحاظ اقتدار ظاہری و باطنی اور حسب اصطلاح ملک ''صاحبزادہ''

کے لقب سے ملقب ہیں۔ سری نگر میں صاحبزادہ شاہ احمد فتح کدلی اور صاحبزادہ شاہ محمد میر عالم بڈیاردی اور صاحب زادہ محمد یونس ومحمد حنیف کن چھتریاں بہت بابرکت نفوس ہیں۔

سری نگر کے محلّہ ملک یارشاہ میں حافظ محمد یٰسین ہیں۔ ان کے متعلق باب الاعوان میں پر لکھا ہے۔ وہ اعلیٰ پایہ کے بزرگ ہیں۔ فارسی وعربی علوم میں وحید العصر اور تاریخ وقفہ کی واقفیت میں نادر المثال ہیں۔ متقدمین ومتاخرین ہردو کے متعلق ان کی تحقیق بے نظیر ہے۔

تحصیل اُوڑی (کشمیر) میں ایک معزز قطب شاہی اعوان خاندان عرصہ دراز سے آباد ہے۔ اوڑی سے پونچھ کو جاتے ہوئے لبِ سڑک ایک موضع بلکوٹ آتا ہے۔ وہاں مولوی غلام مرتضٰی بیگ رہتے ہیں۔ ایک چھوٹے سے پہاڑی موضع میں مولانا کے پاس ایک مختصر سا عربی فارسی اور اردو زبان کا کتب خانہ بھی ہے۔ سردار محمد رحیم بیگ شہید آپ کے پردادا تھے۔ جن کی اس علاقہ میں بہت شہرت ہے۔ اس خاندان کی ایک شاخ بارہ مولا کی تحصیل میں رہتی ہے۔ جن میں سردار غلام محی الدین بیگ سفید پوش سردار سعد اللہ بیگ سردار محمد سلیمان بیگ اور مولوی محمد اسحاق بیگ مولوی فاضل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس خاندان کی یہ خصوصیت ہے کہ زراعت پیشہ ہونے کے باوجود سب لکھے پڑھے بالخصوص پشت ہاپشت سے علوم دینی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ زمانہ سلف میں حکومت کی طرف سے اس خاندان کو سردار کا خطاب ملا تھا۔ اور مغل خاندان سے رشتہ داری کی وجہ سے بیگ بھی مشہور ہو گئے۔ اسی لیے یہ دونوں الفاظ آپ کے خاندان کی ساتھ شامل چلے آتے ہیں۔

خاندان خواجہ حیات مغل

مغل اقوام میں میر بیگ، میرزا، بچھ وغیرہ کئی اقوام شامل ہیں۔ لیکن کشمیر اور پنجاب میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کی قومیت مغل ہی کے نام سے مشہور ہے۔ اور یہ فرقہ اپنی ذات پاگوت مغل ہی لکھواتا اور بتاتا ہے۔ چنانچہ کشمیر کی تاریخوں میں دو بزرگ ایسے ملتے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ مغل کا لفظ موجود ہے مثلاً حاجی مغل اور صوفی موسیٰ مغل۔ حاجی مغل کے متعلق لکھا

باب الاعوان ایڈیشن سوم صفحہ ۲۱۲

ہے کہ وہ شیخ سیف الدین کے تربیت یافتوں میں ایک صاحب علم وعمل بزرگ تھے۔ سید محمد امین بخشی کا مدرسہ ان کی اقامت گاہ تھی۔ بعد وفات اسی مدرسہ کے صحن میں دفن ہوئے۔ صوفی موسیٰ مغل کے متعلق صاحب تاریخ کبیر کشمیر ۱۵۵ پر لکھتے ہیں۔ ''از قوم مغل بود۔ از خراسان آمدہ در کشمیر رسیدہ مرید حضرت مخدوم حمزہ شدہ۔ آوازے خوش و دلکش داشت۔ پس بخدمت موذنی مامور گشت۔ آواز خوشش ہر کرا از مرداں وزناں بگوش رسیدے بے اختیار یہ رقص اندر آمدہ بیہوش افتادے۔'' اسی مغل قوم میں سے عہد مغلیہ میں خواجہ حیات مغل کے نام سے ایک بزرگ تھے جن کے نام پر تحصیل اونتی پورہ میں موضع حیات * پورہ اب تک موجود ہے۔ ان کے والد یا دادا سب سے پہلے کشمیر آئے۔ ان کے فرزند اسلم مغل کے دو بیٹے تھے۔ ایک خواجہ اعظم دوسرے شکور المعروف مکلی مغل۔ خواجہ اعظم کے فرزند خواجہ قدوس کی اولاد سری نگر میں موجود ہے۔ خواجہ قدوس کے تین پوتے اسماعیل خواجہ۔ جمال خواجہ۔ رمضان خواجہ تھے۔ تینوں کی اولاد در اولاد موجود ہے۔ خواجہ غلام محمد رفیق اور ان کے بھائی خواجہ عبدالغنی رمضان خواجہ کے فرزند خواجہ بنیر کے صاحبزادے ہیں۔ خواجہ رفیق گورنر کشمیر کے دفتر میں ملازم ہے اور ملکی وقومی جذبات کی ساتھ علمی وتاریخی ذوق بھی رکھتا ہے۔

خواجہ اعظم کے دوسرے بھائی مکلی مغل کی اولاد اپنی قومیت کے نام پر مشہور ہے۔ اور وہ تحصیل وانتی پورہ کے علاوہ تحصیل بڈگام اور سری نگر وغیرہ میں موجود ہے۔ بلکہ مکلی مغل کے منجھلے فرزند صالح مغل کے بڑے لڑکے صدیق مغل کی اولاد ضلع راولپنڈی میں بھی آباد ہے۔

قاضی

قاضی کوئی ذات یا گوت نہیں بلکہ ایک عہدہ کا نام ہے۔ جو سابقہ زمانہ میں شاہان وقت کی طرف سے صاحبان علم وفضل کو ملا کرتا تھا۔ ان کی اولاد میں قضا کا کام رہے یا نہ رہے۔ لیکن قاضی کا لفظ ان کے ساتھ دائمی طور پر وابستہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ پنجاب اور کشمیر اور دوسرے ممالک میں جو خاندان قاضی کے لقب سے ملقب ہیں وہ اپنے بزرگوں کے کارناموں کی طفیل ہی قاضی کہلائے جا رہے ہیں۔

* تحصیل ہندواڑہ میں مغل قوم کے نام پر موضوع مغلپورہ اور تحصیل اننت ناگ میں مغل باغ موجود ہے

کشمیر میں بھی مختلف خاندانوں میں قاضی القضاۃ ہوتے رہے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ قاضی میر موسیٰ شہید کے خاندان کی شہرت ہے۔ اس خاندان کی کشمیر میں بھی بڑی کثرت ہے۔ اور پنجاب میں بھی اس کی ذریات سے بڑے بڑے خاندان موجود ہیں۔

سری نگر کے قاضی سیف الدین بی۔ اے۔ بی ٹی اور ان کے بھائی قاضی غلام الدین بی اے منشی فاضل نیز خواجہ مختار شاہ کوٹھی دار سری نگر کشمیر جن کے جانشین اس وقت قاضی غلام رسول ہیں۔ قاضی موسیٰ شہید کی ذریات سے ہیں۔ ولنہ تحصیل بارہ مولا میں قاضیوں کا ایک خاندان ہے۔ قاضی شمس الدین قاضی عبدالغنی اور قاضی قمر الدین تینوں بھائی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قاضی موسیٰ شہید کی اولاد و اخفاد سے ہیں۔

سری نگر میں پنڈتوں کے چند خاندان بھی قاضی کہلاتے ہیں۔ جیسے پنڈت دیا رام۔ قاضی، پنڈت گنیش کول قاضی، پنڈت ہمت رام قاضی۔ سکھا شاہی اور ڈوگرہ عملداری کے ابتدا میں زر قضایا کی اجارہ داری جب مسلمانوں سے چھین کر پنڈتوں کو دے دی گئی تو پنڈت بھی قاضی ہی کہلانے لگے۔

کشمیر کے قاضیوں کا ایک خاندان بھدرواہ میں ہے۔ اس کی ذات مغل ہے مگر وہ خاندان قاضی کے نام سے مشہور ہے۔ اس خاندان کے کئی افراد زرگری کا کام کرتے ہیں۔ بھدرواہ کے انہی قاضیوں کا ایک لڑکا غلام محمد نام ۱۹۳۱ء میں پرتاپ کالج کی سکینڈ ایئر کلاس میں پڑھا کرتا تھا۔

قاضیوں کا ایک خاندان کرناہ میں ہے۔ اس کی اولین سکونت سوپورہ میں تھی۔ پانچ پشتوں سے موضع کنڈی میں آباد ہے۔ اس کی اصل ذات قریشی بتائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے قاضی عبدالکریم کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں قضا کا عہدہ ملا۔ قاضی عبدالرحمٰن ذیلدار کرناہ اور قاضی احمد شفیع رئیس کرناہ انہی کے پوتے ہیں۔ کنڈی میں اس برادری کے پانچ چھ اور گھر ہیں اور سب زمیندار ہیں۔

جموں میں قاضیوں کا جو خاندان ہے وہ مسلمانان جموں کی بارہ تیرہ ہزار آبادی میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ قاضی امیر الدین اس خاندان کے بزرگ ہیں۔ ان کے فرزندوں میں قاضی فیروز الدین بی۔ اے۔ قاضی شمس الدین، قاضی تاج الدین اور قاضی حفیظ الدین بی۔

اے وغیرہ معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔اصل ذات ان کی بٹ ہے۔

رام نگر (جموں) قاضی خاندان کی گوت بٹ ہے۔اس خاندان میں قاضی امام الد
ربیع افسر نے سب سے پہلے نام پیدا کیا افسوس ہے وہ عین شباب ہی میں انتقال کر گئے۔ان
چھوٹے بھائی قاضی محمد نظام الدین بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی اس وقت راجوری میں منصف
درجہ اول ہیں۔

کشمیر کے متو خاندان میں شیخ السلام، علامہ امیر الدین قاضی ۱۲۲۱ھ سے ۱۲۳۵ھ تک
کے درمیان گزرے ہیں۔جن کے پاس عہدہ قاضی القضاۃ تھا۔۱۲۵۸ھ میں فوت ہو گئے۔م
ہدایت اللہ متو جنہوں نے کشمیر کی ایک تاریخ بھی لکھی ہے۔جو شیخ الاسلام کے عہدہ پر بھی تھے
علامہ امیر الدین قاضی کے والد تھے۔لیکن یہ خاندان چونکہ پہلے ہی ایک اور عرف متو کے نام
مشہور تھا۔اس لیے قاضی کا عرف اس خاندان کے نام پر آگے نہ چل سکا۔

بمبہ

عنوان صدر قوم کا نام کشمیر کے مورخوں اور مصنفوں کے مختلف قیاسات کی بدولت ا
تک ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

پیر حسن شاہ مؤلف تاریخ حسن اس قوم کی اصل بنی امیہ سے بتاتا ہے۔اور لکھتا ہے
بنی امیہ کے خاندان پر جب زوال آیا تو اس قوم کا ایک شخص بدخشاں سے ہوتا ہوا ذوالقدر خ
عرف ذوالجو) ۱۳۲۳ء کے ہمراہ کشمیر پہنچا۔چونکہ بنی امیہ کا لفظ زبانوں پر آسانی سے نہ چڑھ
تھا اس لیے بمبہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ایک اور جگہ مختصر طور پر یہ بھی لکھا ہے "بمبہ راجہ ہا
پہاڑ از قوم بنی امیہ اولاد مروان ہستند۔"

پنڈت ہر گوپال کول اپنی تاریخ گلدستہ کشمیر میں لکھتے ہیں۔"لفظ برہمن سے بمہ اور
کھتری سے کھکھہ نکلا ہے۔مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کے یہ نام بدستور قائم ہیں۔" دو
وجہ اس نام کی یہ لکھی ہے کہ "بملی خاں و کھکھہ خاں دو بھائی تھے۔ترکستان ان کا وطن تھا۔کشمیر
قدیمی باشندوں کو لوٹ مار کر مسلمان کرتے رہے۔"

ریاست جموں وکشمیر کے سرکاری کاغذات (رپورٹ ہائے مردم شماری ۱۸۹۱ء و ۱۹۱۱ء و ۱۹۳۱ء وغیرہ) میں بمبہ قوم کو مسلمان راجپوتوں کی بڑی بڑی ذاتوں میں شامل کیا گیا ہے۔

کشمیر کے قدیم مؤرخین نے بمبہ کا تلفظ ببہ۔ ببو و بمہ لکھا ہے۔ اس خاندان کو جو شجرہ * کتابی صورت میں چھپا ہوا ہے۔ اس میں بھی اس قوم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ظاہر کر کے بنی امیہ بتایا گیا ہے۔

مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب نے جلد اول کے ۴۲۶ صفحہ پر پٹھانیہ راجپوتوں کے خاندان کا جو شجرہ دیا ہے۔ اس کی چونتیسویں پشت میں راجہ کشتری پال گزرا ہے۔ اس کے اٹھارہ بیٹوں میں سے اس نے اس کے دو بیٹے بمبہ اور کھکھہ بھی درج کئے ہیں اور پھر کیفیت میں لکھا ہے۔ کہ بمبہ خاندان بمبہ اور کھکھ خاندان کھکھہ کا بانی ہوا ہے۔

خود بمبہ قوم کے افراد اپنی اصلیت کے متعلق سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتاتے کہ وہ بنی امیہ قوم سے ہیں۔ بنی امیہ سے بگڑ کر بمبہ بن گیا ہے۔ اور اس کے ثبوت میں تاریخ حسن اور اپنا شجرہ مطبوعہ پیش کرتے ہیں۔

لیکن ان سب مؤرخوں اور ان سب تاریخوں سے قدیم ایک مورخ پنڈت کلہن کشمیر میں گزرا ہے۔ جس نے بعہد راجہ جے سنگھ آج سے قریباً آٹھ نو سو سال پیشتر راج ترنگنی کے نام سے سنسکرت زبان میں کشمیر کی تاریخ لکھی ہے۔ جس کا ترجمہ انگریزی و اردو میں بھی ہو چکا ہے۔ اس میں اس نے بمبہ کو بولب لکھا ہے اور کھش قبیلہ کا قرابت دار بتایا ہے۔

اس قوم کے رؤسا اور جاگیرداروں کے پاس شاہان مغل اور شاہان افاغنہ وغیرہ کے فرامین ہیں لیکن ان میں بمبہ یا ببو کا لفظ ہی درج ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ فرامین اور سندات میں اس قسم کے ذکر اذکار ہوتے ہیں۔ تعجب ہے کہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے بھی جو بعہد محمد شاہ بادشاہ دہلی ۱۱۴۸ھ میں کشمیر کا نامور مورخ گزرا ہے۔ اور جس نے کئی اقوام کے حالات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس قوم کی اصلیت کے متعلق قطعی خاموشی اختیار کی ہے۔ اور اس قوم کے افراد کا ذکر کر کے صرف ''مشہور بہ قوم ببو ہستند'' پر ہی اکتفا کیا ہے۔

بمبہ قوم کے اخلاق و عادات اور اس کے جنگی و ملکی کارناموں کے طرف اگر دیکھا جائے

---

* مصنفہ میر محمد علی قانونگو پینشنر مظفر آباد و بابو خدا بخش خان بمبہ (راولپنڈی) مطبوعہ ۱۹۲۰ء

جن کی تفصیلات سے کشمیر کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ تو بلاشبہ یہ ایک شجاع عالی نسب ۔ بلند حوصلہ۔ سیر چشم ۔اولعزم اور وسیع الاخلاق قوم معلوم ہوتی ہے۔

راقم مؤلف نے ۱۹۳۳ء میں بمبہ قوم کے چند چیدہ رؤسا اور جاگیرداروں سے ملاقات کی ۔ ملاقات کے بعد کئی خطوط لکھے ۔ افسوس ہے کہ سلطان رحمت اللہ خاں جاگیردار کہوڑی کے سوا کسی نے جواب تک نہ بھی دیا۔ راقم مؤلف کو معلوم ہوا ہے کہ اس خاندان کے بعض افراد کے پاس اس قسم کی نہایت قدیم کاغذات ہیں جن سے بمبہ قوم کی اصلیت وحقیقت روشن ہو سکتی ہے۔اس لیے جب تک وہ کاغذ نظر سے نہ گزر جائیں۔ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنا دشوار ہے *۔

بمبہ قوم بارہ مولا کی حدود سے شروع ہو کر دریا کے دائیں کنارے ضلع ہزارہ اور علاقہ کاغان کی سرحد تک چلی جاتی ہے ۔ بلکہ اس کے کچھ افراد ضلع راولپنڈی اور علاقہ پونچھ میں بھی آباد ہیں۔ سلاطین شہمیری کے زوال پر جب چک قوم نے کشمیر کا قبضہ حاصل کرلیا تو سرحد پر بمبہ قوم کے سردار سلطان مظفر خان نے بھی ۹۶۲ ھ میں ایک نئے شہر مظفر آباد کا بانی بن کر اپنی علیحدہ پہاڑی حکومت قائم کر لی۔

کشمیر کو غیر ملکیوں کے حملوں سے بچانا یا ان کے ساتھ مل کر کشمیر کو تباہ کرنا بمبہ قوم کے اختیار میں تھا۔ اس لیے کہ ہر وہ حملہ آور جو پھکلی اور مظفر آباد کے راستے کشمیر آنا چاہتا تھا۔ بمبہ قوم کے سرداروں کے ساتھ ساز باز رکھنے پر مجبور تھا۔

موجودہ تمام بمبے جن کے سردار سلطان اور راجہ کہلاتے ہیں ۔ اور دیگر افراد خان کے لقب سے ملقب ہیں ۔ سب سلطان مظفر خاں بانئ مظفر آباد کے فرزند سلطان ہیبت خاں ثانی کی اولاد سے ہیں۔

بمبہ قوم میں ذیل کے سلاطین اور راجگان نہایت نامور گزرے ہیں ۔ ان میں بعض قطعی طور پر آزاد و خودمختار تھے۔

سلطان محمود خاں ۔ سلطان مرزا شہید ۔ سلطان حسن علی خاں ۔ سلطان زبردست خاں۔

---

* راقم مؤلف کو افسوس ہے کہ خط وکتابت کی ذریعہ بمبہ قوم کے اصلی کاغذات دستیاب نہ ہو سکے ۔ اس لیے ارادہ ہے کہ بشرط زندگی کمشیر جا کر ان کی اصلیت کے متعلق پھر کاغذات اور تاریخوں کی چھان بین کی جائے ۔ اس قوم کے جنگی و ملکی کارناموں نے کشمیر قدیم کے سیاسی انقلابات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

سلطان اکبر علی خاں۔ سلطان ناصر علی خاں۔ راجہ شیر احمد خاں۔ راجہ کام بخش خاں۔ راجہ صفدر علی خاں۔ سلطان ہدایت اللہ خاں۔ راجہ عنایت اللہ خاں۔ راجہ محمد سکندر خاں۔ سلطان قطب الدین خاں۔

اس خاندان میں موجودہ جاگیردار حسب ذیل ہیں۔

(۱) سلطان محمد رحمت اللہ خاں جاگیردار کھوڑی ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۲) سلطان محمد فیروز الدین خان جاگیردار دوپٹہ ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۳) سلطان محمد متولی خاں جاگیردار بجھامہ ضلع مظفر آباد کشمیر۔

(۴) سلطان حسن علی خاں جاگیردار بوئی ضلع ہزارہ۔

(۵) راجہ شیر علی خاں جاگیردار راجپور ضلع بارہ موالا کشمیر۔

(۶) راجہ غلام محمد خاں جاگیردار ز چلڈارہ ضلع بارہ مولا کشمیر۔

(۷) راجہ محمد فیروز الدین خاں جاگیردار یاڑی پورہ تحصیل کولگام کشمیر۔

ان سلاطین و راجگان کے ماتحت کئی گزارہ خوار اور معافی دار ہیں۔ بعض ملازمت پیشہ بھی ہیں۔ چند ایک تعلیم حاصل کر کے وکیل بھی بن گئے ہیں۔ لیکن اس قوم کے افراد کی عمومیت و اکثریت زراعت پر گزارہ کرتی ہے۔ بالعموم تمام برادری علم سے بے بہرہ ہے۔ تاہم چند نام جو قابل ذکر ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

(۱) خان مظفر خاں۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل مظفر آباد۔

(۲) راجہ امیر اللہ خاں وکیل مظفر آباد۔

(۳) راجہ احمد علی خاں وکیل بارہ مولا۔

(۴) خاں حبیب اللہ خاں برادر سلطان صاحب کھوڑی۔

(۵) خان زبردست خان و مظفر خاں گزارہ خواران جاگیر دوپٹہ۔

(۶) خان زبردست خاں برادر راجہ شیر علی خان جاگیردار راجپور۔

(۷) خان ولی محمد خاں برادر زادہ راجہ محمد فیروز الدین خان یاڑی پورہ۔

(۸) خان نصر اللہ خاں خلف خان ولی محمد خاں یاڑی پورہ۔

(۹) راجہ عبدالرحمٰن خان ریخ افسر برادرزادہ محمد فیروز الدین خان یاڑی پورہ۔

قوم بمبہ کی تعداد ۱۸۹۱ء میں ۹۹۹ تھی۔ ۱۹۱۱ء میں ۱۴۶۲ تھی جس میں ۸۲۳ مرد اور ۶۳۹ عورتیں تھیں۔ تازہ مردم شماری ۱۹۳۱ء کے مطابق بمبہ قوم کی تعداد صوبہ جموں میں ۶۶ اور صوبہ کشمیر میں ۳۵۳۶ کل ۳۶۰۲ ہے۔ جس میں ۱۸۳۶ مرد اور ۱۷۶۳ عورتیں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس قوم کی بہت زیادہ تعداد تھی۔ کیونکہ تاریخوں میں صاف لکھا ہے کہ ۱۷۹۹ء میں سردار عبداللہ خاں الکوزئی ناظم کشمیر نے ان کی تالیف قلوب اور اپنی طاقت بڑھانے کے لیے بمبہ قوم کے تین ہزار پیادہ وسوار جوان فوج میں بھرتی کیے۔ جس قوم کے جوانوں کی تعداد جو فوج میں بھرتی ہونے کے قابل ہوں تین ہزار ہو۔ اس کی کل تعداد زن و مرد سمیت پندرہ بیس ہزار سے کم نہیں ہوسکتی۔

خاندان میر واعظ

تاریخ کبیر کشمیر کے مصنف مولوی محی الدین سرائے بلی مرحوم نے جو خاندان میر واعظ کلاں کے فیض یافتہ تھے۔ اس خاندان کے بزرگ میر واعظ مولانا محمد یحیٰی کی زبانی اپنی تاریخ کے صفحہ ۳۰۰ پر واعظ صدیق اللہ کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ وہ سید غلام شاہ آزاد خانیازی کے مرید تھے۔ ان کے جد امجد حضرت میر محمد ہمدانی رحمۃ اللہ کے ہمراہ کشمیر میں آئے تھے۔ اور قصبہ ترال میں مقیم ہوگئے تھے۔'' کشمیر میں اسی امر کے متعلق چند اصحاب کو صحیح کیفیت کی تکلیف بھی دی گئی۔ بعض نے خاموشی اختیار کی اور دو ایک اصحاب نے جواب تو لکھے لیکن بالکل متضاد۔ اور پھر سارا بوجھ ''واللہ اعلم بالصواب'' پر ڈال دیا۔

بہر حال کشمیر کے میر واعظ کلاں کا خاندان اسی واعظ صدیق اللہ ترالی کی ذریات سے ہے۔ جواب ترال کی بجائے سری نگر کے محلّہ راجوری کدل میں رہتا ہے۔ واعظ صدیق اللہ کو ان کی کثرت عبادت وریاضت کی وجہ سے صدیق بائیو اور صدیق بابا بھی کہتے تھے۔ بائیو کا لفظ کشمیری میں مذہبی ادب واحترام کی علامت ہے۔ جیسے لل دو کے گرو کو بھی سدھ بائیو کہتے تھے۔ صدیق بائیو جب سری نگر آئے تو اپنے ارادت مندانہ تعلقات کی وجہ سے سید غلام شاہ آزاد سجادہ نشیں

زیارت خانیار کے پاس ہی ٹھہرے تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ بائیو کا لقب بھی سید غلام شاہ آزاد ہی نے ان کی خدمات (متعلقہ حمام، مسجد، خانقاہ) دیکھ کر عطا کیا تھا۔

اس خاندان کے بزرگ عرصہ دراز تک ترال میں زراعت پر بسر اوقات کرتے رہے ہیں۔اب بھی ان کے تعلقات وہاں موجود ہیں۔

عہد افاغنہ میں صدیق بائیو بمقام ترال ۱۱۵۵ھ میں انتقال کر گئے۔جس شخص نے اس خاندان میں سب سے پہلے ترال سے اور پھر پانپور سے ترک وطن کر کے سری نگر میں طرح اقامت ڈالی ہے وہ آپ کے فرزند واعظ عبدالسلام تھے۔محلّہ قلمدان پورہ میں آپ نے سکونت اختیار کی اور دیر تک مردمان شہر کو وعظ ونصیحت سے مستفیض کرتے رہے۔یہیں آپ نے انتقال کیا۔ان کے فرزند واعظ غلام رسول المعروف لسہ بابا اور ان کے فرزند واعظ مولوی محمد یحییٰ کشمیر میں ایک بارسوخ مذہبی پیشوا رہے ہیں۔ان کے فرزندوں میں مولانا رسول شاہ میر واعظ نے انجمن نصرت الاسلام اور اسلامیہ مڈل سکول (جو آج ہائی سکول ہے) جاری کر کے مسلمانان کشمیر پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

مولانا رسول شاہ میر واعظ اور ان کے بعد ان کے بھائی مولانا احمد اللہ میر واعظ کے انتقال پر ہزار ہا مسلمان جنازہ میں شامل ہوئے۔عربی، فارسی، اور اردو میں مرثیے لکھے گئے۔ اس وقت متذکرہ صدر دونوں مرحوم میر واعظوں کے چھوٹے بھائی مولوی عتیق اللہ جو سالہا سال تک انجمن نصرت الاسلام سری نگر میں مستعد سیکرٹری رہے ہیں۔میر واعظ ہیں۔لیکن وہ چونکہ دائم المریض ہیں۔اس لیے ان کے برادر زادے اور مولانا رسول شاہ مرحوم میر واعظ کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف میر واعظ ان کی نیابت ادا کر رہے ہیں۔

مولانا محمد امین جو سری نگر کے اخبار الاسلام کے ایڈیٹر ہیں۔اسی خاندان سے ہیں۔

مولانا احمد اللہ میر واعظ ہمدانی اور مولانا محمد یوسف میر واعظ کلاں آپس میں قرابت دار ہیں۔اور پانچ چار پشت اوپر جا کر ان کا ایک ہی خاندان ہے۔ پہلے ان دونوں میر واعظوں کے وعظ جامع مسجد میں ہوا کرتے تھے۔لیکن بعض مسائل میں جب ان کا اختلاف فسادات تک پہنچ گیا۔تو چوہدری خوشی محمد ناظر سابق گورنر کشمیر نے مولانا میر واعظ کلاں کے وعظ کے لیے جامع مسجد اور میر واعظ ہمدانی کی وعظ خوانی کے لیے صحن خانقاہ معلیٰ مقرر کر دیا۔ چنانچہ اس زمانہ سے

دونوں میر واعظوں کے الگ الگ مقامات پر الگ الگ وعظ ہوتے ہیں۔

دیوانی

خواجہ اسحاق ختلانی کو صاحب فتحیات کبرویہ نے دیوانی خاندان کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے۔ خواجہ اسحاق ۸۲۶ھ میں بعمر ۹۱ سال بحکم شاہرخ مرزا ابن تیمور شہید کر دیئے گئے۔ جسد مبارک ختلان میں ہے۔

ان کی تیسری پشت میں خواجہ صبغۃ اللہ کشمیر میں صاحب اقتدار بزرگ گزرے ہیں۔ صاحب جامع الادوار لکھتے ہیں۔ ہرات سے کشمیر آئے۔ سلطان سکندر کا زمانہ تھا۔ اس نے بڑی عزت کی۔ بلکہ کوئی منصب بھی عطا کیا۔ خانقاہ ہمدانیہ میں دفن ہیں۔ خواجہ فتح اللہ ان کے فرزند تھے۔ ان کو دفاتر سلطان اعلیٰ مقرر کیا۔ اسی دن سے اس خاندان کا لقب دیوانی چلا آتا ہے۔

زمانہ قدیم میں اس نامور خاندان میں خواجہ محمد ہاشم ان کے فرزند خواجہ ضیا اللہ دیوانی اور ان کے علاوہ خواجہ نوراللہ دیوانی، خواجہ قاسم، خواجہ نور شاہ، منور شاہ دیوانی اور خواجہ عیسیٰ رئیس الملک گزرے ہیں۔ اس خاندان کا تعلق خاندان نقشبندیہ اور خاندان میر واعظ کلاں سے بھی ہے۔ خواجہ عبدالرسول جو خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے پوتے تھے۔ خواجہ منور شاہ رئیس کشمیر کے داماد تھے۔ خواجہ حسن شاہ نقشبندی متولی و جاگیردار زیارت نقشبندیہ (والد خواجہ نور شاہ وزیر وزارت) خواجہ منور شاہ ہی کی بیٹی کے بطن سے تھے۔

دیوانی خاندان کا پٹھانوں کے عہد میں بڑا اقتدار رہا ہے۔ اس کا کچھ ذکر در خاندان کے حالات میں درج ہے۔ سری نگر کے دیوانی خاندان میں خواجہ قاسم شاہ دیوانی پولیس کے ڈپٹی انسپکٹر رہ چکے ہیں۔ اب پنشن پر ہیں۔ ڈاکٹر خواجہ منور شاہ دیوانی جو ۱۹۳۳ء میں شوپیاں میں تعینات تھے آپ ہی کے فرزند ہیں۔

اس خاندان کے ایک نامور بزرگ خواجہ طاہر دیوانی کے چار فرزند تھے۔ کچھ واقعات ایسے پیش آئے کہ چاروں بھائی سری نگر سے نقل مکانی کر کے کھوئی ہامہ چلے گئے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ خواجہ عبیداللہ، خواجہ سیف اللہ، خواجہ عبدالصمد، خواجہ حبیب اللہ، چاروں بھائی نہایت عابد و زاہد

اور صاحب روحانیت تھے۔یہیں سے ان کے ساتھ خواجہ کی بجائے پیر کا لفظ شروع ہوتا ہے۔

خواجہ عبیداللہ کے پانچ فرزند تھے ۔ مولوی نورالدین ۔ مولوی ولی الدین ۔ مولوی نصرالدین ۔ مولوی جلال دین ۔ مولوی جمال دین۔ ان میں مولوی نورالدین خوشنویس تھے۔ مولوی نصر دین کے بیٹے غلام دین کی شادی میر واعظ مولانا غلام رسول المعروف لسہ بابا کے ہاں ہوئی تھی۔یہیں سے ان کے تعلقات خاندان میر واعظ کلاں کے ساتھ شروع ہوتے ہیں۔مولوی جلال الدین بڑے نورانی بزرگ ہیں۔ درمختار اور خزینۃ الروایات کی شرحیں بھی آپ نے لکھی ہیں۔سب بھائیوں میں صرف یہی زندہ ہیں۔مولوی ولی الدین کے فرزند مولوی شمس الدین کے صاحبزادگان پیر ضاءالدین پیر حسام الدین اور پیر نجم الدین نے اپنی علمی خدمات اور اپنے اخلاق حسنہ سے اپنے خاندان کی وقعت کو اور بھی جلا دے دی ہے۔خصوصاً پیر نجم دین قومی و اصلاحی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ انجمن خدام الحق سری نگر اور انجمن فلاح المسلمین کے جنرل سیکرٹری ہیں۔شعر شاعری کا بھی شوق ہے۔عشرت تخلص ہے۔اپنے دوست نازک صاحب کو ان کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

بجا ہے گر کہوں نازک ہے قسمت نارسا میری	کہ میرا بے خطا ہونا ہی جب ٹھہرے خطا میری
عبث مصروف ہوا ہے چارہ ساز و فکر درماں میں	بڑھے گا درد جب حد سے بنے گا خود دوا میری
مرا نخل تمنا پھر زمانے میں پھلے پھولے	خبر پہنچائے اس گل تک اگر باد صبا میری

خواجہ سیف اللہ کے بزرگ ترین فرزند پیر حفیظ اللہ مرحوم کے صاحبزادے پیر بہاؤالدین جو اس وقت جامعہ بنڈ پورہ کے امام ہیں۔اور خواجہ عبدالصمد کی اولاد سے پیر محمد یحییٰ بقید حیات ہیں۔ خواجہ حبیب اللہ کے فرزند حافظ عزیز اللہ اور حافظ عبید اللہ تھے۔دونوں نہایت صالح بزرگ تھے۔اور اونہ گام میں رہتے تھے۔ حافظ عزیز اللہ کے دو فرزند ہیں۔پیر غلام محی الدین و پیر قطب الدین دونوں احمدی ہیں۔اور بڑے مرتاض اور عابد و زاہد۔پیر غلام محی الدین اب آنکھوں سے معذور ہیں۔ مولانا سید اسماعیل غزنوی امرتسری مولوی قاری نورالدین مرحوم مصنف کتب متعددہ اور پیر نجم الدین دیوانی عشرت آپ کے دامادوں میں ہیں۔منشی غلام محمد خادم آپ کے ہم زلف ہیں۔

حافظ عبید اللہ کے فرزندوں میں جو بوٹنگو زینہ گیر میں رہتے ہیں۔پیر احمد شاہ و پیر محمد شاہ قابل ذکر ہیں۔غرض اس خاندان نے سری نگر سے نکل کر اپنی خاندانی شہرت کو دینی و دنیوی لحاظ

سے برابر قائم رکھا ہے۔

کاؤسہ

اس قوم کے بزرگ کشمیر میں کب آئے۔اور کاؤسہ کی وجہ *تسمیہ کیا ہے۔اس پر کسی مؤرخ نے قلم فرسائی نہیں کی۔البتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس خاندان کے بزرگ باہر سے کشمیر میں آئے تھے۔اس خاندان کا عروج شاہجہاں کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے۔جس کی تفصیل کشمیر کی تاریخوں میں موجود ہے۔مختصر یہ ہے کہ ملا یوسف کاؤسہ کسی ندیم شاہجہانی کی وساطت سے بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور سلطان روم کے مراسلہ کا جواب لکھنے پر مامور ہوا۔ملا مذکور نے اس خوبی اور فصاحت و بلاغت سے جواب لکھا کہ بادشاہ نے خوش ہو کر منشیان حضور میں داخل کر لیا۔

کاؤسہ خاندان میں سربرآوردہ بزرگ زبردست علماء اور جلیل القدر افراد پیدا ہوتے رہے ہیں۔شیخ عابد کاؤس، اخوند ملا عبدالسلام، خواجہ حکیم کاؤسہ، خواجہ دین کاؤسہ اسی خاندان کے معزز اصحاب تھے۔سکھوں کے زمانہ میں گاؤکشی کا الزام لگا کر دیوان چونی لعل گورنر اور سردار گورمکھ سنگھ قلعہ دار نے باہمی عداوتوں کے باوجود خواجہ دین اور اس کے داماد امہ کلو کو عذاب شدید سے قتل کرا دیا۔ان کا گھر لوٹ لیا۔اور ان کی جاگیر ضبط کر لی۔حالانکہ خواجہ دین کا قصور صرف یہ تھا کہ دونوں افسروں کی باہمی چپقلش سے جو خلل ملک میں پیدا ہو رہا تھا اس کی اطلاع اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کو دے دی تھی۔خواجہ دین اور اس کے داماد کے دردناک واقعہ قتل کے بعد جب دربار خالصہ کو اصل حالات معلوم ہوئے تو بطور اظہار ناراضگی ناظم اور قلعہ دار دونوں کشمیر سے واپس بلوا لیے گئے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ مہاراجہ رنبیر سنگھ بلکہ مہاراجہ پرتاب سنگھ اس قدیمی خاندان کی عزت افزائی کرتے رہے۔زمانہ حال میں خواجہ صمد شاہ کوٹھی دار، خواجہ محمد شاہ کاؤسہ، خواجہ احمد شاہ کاؤسہ خواجہ عزیز دین کاؤسہ اس خاندان کے باوقعت رئیس ہو گزرے ہیں۔حال ہی میں خواجہ قمر الدین کاؤسہ خلف خواجہ احمد شاہ کاؤسہ مرحوم تحصیل داری سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔خواجہ صمد شاہ مرحوم کی

---

* کاؤسہ خاندان کے بعض افراد اپنے آپ کو کیکاؤس وغیرہ شاہان ایران کی اولاد سے بتاتے ہیں۔

** تحصیل پلوامہ میں کاؤسہ باغ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں بھی ہے۔

اولاد میں سے خواجہ غلام محی الدین کاؤسہ مرچنٹ اور بنکر ہیں۔

چک

لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں لکھتے ہیں ''چک ذات کے متعلق بہت سے شکوک موجود ہیں۔اور گو صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکتا کہ ان کی اصل کیا تھی۔مگر قرائن سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کشمیر کے ہندوؤں سے مسلمان نہیں ہوئے بلکہ ان کا نسب چیلاس کی دردقوم سے جا کر ملتا ہے۔

تاریخ حسن میں لکھا ہے کہ اس قوم کے بزرگ عہد سلاطین کشمیر میں علاقہ دردستان سے وارد کشمیر ہوئے۔ابتدا میں کوکہ بعد میں مدار المہامی کے عہدوں پر سرافراز رہے۔پھر ان کی طاقت یہاں تک بڑھ گئی کہ سلاطین سے رشتہ داریاں ہونے لگیں۔آخر ۹۶۰ھ میں یہ لوگ خودسر ہوگئے۔اور ۳۵ سال تک کشمیر میں حکومت کرتے رہے *۔تاریخ گلشن کشمیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ ''چک ایک قوم کا نام ہے جو قدیم الایام سے علاقہ دردستان اور گلگت میں بود و باش رکھتی تھی۔'' ان حوالوں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقعہ یہ لوگ کشمیر کے قدیم ہندوؤں سے کوئی نسلی اور مذہبی تعلق نہ رکھتے تھے۔دردستان میں جہاں دردقوم آباد ہے۔اس زمانہ میں بدھ مذہب کا زیادہ رواج تھا۔اور اب بھی مسلمان شیعوں کے علاوہ ان اطراف میں بدھ مذہب ہی کا زیادہ زور ہے۔اس قوم میں سب سے پہلے جو شخص وارد خطہ ہوا اس کا نام لنگر چک ہے۔جو قدیم راجگان کشمیر کی آخری یادگار راجہ سہدیو کے عہد (۱۳۰۷ءلغایت ۱۳۲۴ء میں کشمیر میں داخل ہوا۔یہ شخص موضع برشال علاقہ دردستان کا باشندہ تھا۔راجہ نے اس پر مہربانی کی،اور لنگر چک نے تریہہ گام (تحصیل اوتر مچھی پورہ) میں سکونت اختیار کی۔

پانڈو چک حسین چک اور کاجی چک جن کا نام نامی تاریخ کشمیر میں آفتاب کی طرح چمک رہا ہے۔اسی کی اولاد ہیں۔دوسرا قبیلہ ہمت چک کا ہے۔یہ لوگ لنگر چک کے بعد گلگت

* اصل عبارت تاریخ حسن۔جد آنہا لنگر چک از دردستان آمدہ در عہد سلاطین احفاد اور برکوکہ گی و مدار المہامی مستقل بودہ اندر در ۹۶۰ھ خودسر شدہ مدت سی و پنج سال در کشمیر شاہی کردہ اند

سے وارد کشمیر ہوئے۔ ان لوگوں نے موضع کوپہ وارہ میں سکونت اختیار کی۔ انہیں لنگر چک کے قبیلہ سے سوائے ہم قومی کے کوئی نزدیکی رشتہ نہ تھا بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کی مخالفت پر ڈٹے رہتے تھے۔ چک ابتداء سے ہی سپاہی پیشہ تھے۔ کشمیر پہنچ کر بھی انہوں نے جلادت وشجاعت کے پورے جوہر دکھلائے۔ یہاں تک کہ ان کی بہادری اور بے مثال شمشیر زنی کی تمام ملک میں دھاک بیٹھ گئی۔ سلطان حسن شاہ کے عہد میں یہ لوگ شاہی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ ذاتی قابلیت اور لگاتار کوششوں سے بادشاہوں کو اپنی لڑکیاں دے کر اس قوم نے وہ عروج پایا کہ رفتہ رفتہ شاہان کشمیر کو بھی معزول کر کے ۱۵۵۴ء میں خود سلطنت کی مالک بن گئی۔ لنگر چک کی اولاد نے اسلام قبول کرنے کے بعد شمس عراقی کی بیعت اختیار کر کے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ جس سے تاریخ کشمیر میں تغیر عظیم واقعہ ہوا۔ چکوں کے دوسرے فرقہ نے بھی مذہب اسلام تو اختیار کر لیا لیکن انہوں نے اہل سنت کا طریقہ ہمیشہ کے لیے قائم رکھا۔ تریہہ گام میں جو کشمیر میں اس قوم کا اصل وطن ہے۔ اب تک چک قوم کا کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ چکوں نے کشمیر کے شان وشوکت خصوصاً تحصیل ہندواڑہ کے علاقہ زینہ گیر اور متصلہ وملحقہ دیہات کو تباہ کرنے میں بڑا حصہ لیا ہے۔

کشمیر اور صوبہ جموں میں اس قوم کے خال خال آدمی پائے جاتے ہیں اور انہوں نے زندگی بسر کرنے کے لیے مختلف کاروبار اختیار کر رکھے ہیں۔ چنانچہ زراعت کے علاوہ بعض چک جموں میں قصابوں کا کام بھی کرتے ہیں۔ یہ اس قوم کا حال ہے جو سالہویں صدی عیسوی میں پہلے بادشاہ گر رہی۔ پھر خود بادشاہ بنی۔ اور اکبر جیسے جلیل القدر شہنشاہ کا مقابلہ کرتی رہی۔ آج سے بیس پچیس سال پیشتر جموں میں چودھری نظام الدین چودھری بازار قصاباں کے نام سے مشہور تھے۔ سنا ہے چک قوم کے ایک ہونہار لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا ہے۔

کھکھہ وہتمال

کشمیر کے ضلع مظفر آباد کی ان دو مشہور قوموں کے جو شجرہ ہائے نسب نظر سے گزرے ہیں ان میں باہم بہت کچھ فرق ہے۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان اقوام کو قریباً سب نے نومسلم اور راجپوت اور بنس کے لحاظ سے چندر بنسی تسلیم کیا ہے۔ راقم مؤلف کے سامنے اس وقت آٹھ قسم

کے شجرے اور حالات اس قوم کے موجود ہیں اور نسبی سلسلہ میں قریباً سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

ایک شجرہ جو راجہ مل (اسلامی نام مل خاں) سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں اس کے چار بیٹے دکھائے گئے ہیں۔ جوہد خاں، کھکھہ خاں، کالا خاں اس کے علاوہ ایک تحریر ایسی ہے جس میں لکھا ہے۔ ''اس قوم کا سلسلہ سکندر ذوالقرنین سے ملتا ہے۔ کھکھہ قوم کے لوگ ہتمال قوم کے بانی کے چھوٹے بھائی کی اولاد سے ہیں۔''

ایک شجرہ میں بتایا گیا ہے کہ راجہ مل خاں بابر کے زمانہ میں ہوا ہے۔ پنجاب میں نمک کی کانیں اسی نے دریافت کی تھیں۔ ملک دکن بھی اسی نے آباد کیا۔ اس کے پانچ بیٹے تھے۔ ترنولی خاں (تنولی قوم کا بانی) راجہ بیر خاں، راجہ کالا خاں، راجہ کھکھہ خاں، راجہ جوہد خاں کا ایک اور شجرہ میں راجہ مل کو پانڈو کی بارہویں پشت میں بیان کر کے اس کے چار بیٹے دبیر خاں، کالا، کھکھہ، جوہد) بیان کیے گئے ہیں۔

ایک اور شجرہ میں جو ہتمال راجگان کے پاس محفوظ ہے۔ راجہ مل کو پانڈو کی ۴۹ ویں پشت میں لکھ کر اور مسلمان بتا کر اس کے پانچ فرزند مندرجہ ذیل ظاہر کیے گئے ہیں۔ (۱) راجہ بیر خاں، راجہ موچہ خاں، راجہ حیدر خاں، راجہ تناولی یا ترنولی، راجہ کالا خاں۔ پھر اسی شجرہ میں راجہ حیدر خاں کی نانویں اور پانڈو کی ۵۹ ویں پشت میں راجہ نصر اللہ خاں کے دو فرزند راجہ ہتم خاں یا حاتم خاں اور راجہ کھکھہ خاں بتائے گئے ہیں۔ اخبار راجپوت گزٹ لاہور (۲۲ اپریل ۱۹۳۳ء کا ایک پرچہ بھی اس وقت زیر نظر ہے۔ جس کے صفحہ ۱۵ پر ایک استفسار کے جواب میں راجہ مل کو نو مسلم نہیں بلکہ ہندو بنا کر اس کے مندرجہ ذیل پانچ فرزند لکھے گئے ہیں۔ ترلونی (ترنولی) برم عرف دیر۔ جوند (جوہد) کھلا (کالا) کھکھہ اور ان پانچوں بھائیوں کی اولاد کو مسلمان بتایا گیا ہے۔

تاریخ راجپوتان پنجاب کے مصنف نے صفحہ ۴۲۶ پر سب سے زیادہ کمال کیا ہے۔ وہاں پانڈو کے بیٹے ارجن کے ۳۶ ویں پشت میں ایک راجہ کشتری پال گزرا ہے اس کے

* یہ شجرہ معہ مختصر حالات اقوام راجپوت جنجوعہ کی ایک قلمی تاریخ داستان پاستان سے لیا گیا ہے۔ یہ کتاب راقم کی نظر سے نہیں گزری۔ یہ خلاصہ ڈاکٹر مرزا شیر علی بیگ مغل برلاس مقام ڈھوک مغل پورہ ڈاک خانہ کلر تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی نے بھیجا ہے۔

۱۸ فرزند تھے جن میں ۹ فرزندوں کے نام پر نو قبیلے بن گئے۔ انہی میں دو فرزند کھکھہ و بمبہ بھی تھے۔ کھکھہ سے کھکھ اور بمبہ سے بمبہ خاندان کی ابتداء ہوئی۔ ایک مختصر سا شجرہ * کھکھہ خاندان کا اور ملا ہے جس میں پانڈو کی نسل سے راجہ چتر سین کا نام اور اس کے بعد راجہ کمتین کا نام لکھ کر دونوں میں ۳۲ راجگان (دہلی) کی سلطنت (۱۷۹۴ سال) کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان کے بعد راجہ اندر پال اور اس کی آٹھویں پشت میں راجہ سری پت کا نام لکھ کر اس کے حسب ذیل تین بیٹے دکھائے گئے ہیں۔

(۱) مہاجن (۲) کھیم کرن (۳) راجہ دھرو پت۔ اسی دھرو پت کا بیٹا راجہ مل تھا جس کی اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی اس طرح درج ہے۔

شہاب الدین غوری نے ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء میں راجہ سری پت کو معہ اس کے اہل و عیال کے متھرا سے بے دخل کر کے کوہستان نمک (پنجاب) میں آباد کیا۔ ۱۲۰۸ء میں یہ انتقال کر گیا۔ اس کے تین بیٹوں میں راجہ دھرو پت جو اولا دنرینہ کے لیے بے چین رہتا تھا۔ گدی پر بیٹھا۔ آخر ایک بزرگ درویش نے فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی۔ لیکن ساتھ ہی کہا کہ وہ لڑکا جوان ہو کر مسلمان ہو جائے گا۔ راجہ نے کہا۔ کچھ ہو۔ نام تو چلے گا۔ اور سلسلہ تو قائم رہے گا۔ چنانچہ راجہ کے ہاں جب ولی عہد پیدا ہوا تو نام اس کا مل رکھا گیا۔ جب باپ کی فوتیگی کے بعد گدی نشین ہو کر وہ ایک مکتب کے پاس سے گزرا تو استاد اپنے شاگردوں کو ذیل کے اشعار

بتے چوں بر آرد مہمات کس — کہ بتو انداز از خود براند مگس

نہ نیروئے دستش نہ افتد ز پار — اگر بفنگی برنہ خیزد زجاء

پڑھا رہا اور معانی و مطالب سمجھا رہا تھا۔

راجہ پر ان اشعار اور ان کے معانی کا بڑا اثر ہوا۔ اس نے اصنام پرستی چھوڑ کر توحید پرستی قبول کر لی۔ اور اسلام قبول کر کے اپنا نام راجہ مل کی جگہ راجہ مل خاں رکھا۔

لارنس صاحب نے بھی اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں کھکھہ اور ہتمال خاندانوں کا مختصر سا ذکر کر کے دونوں کو ایک قوم بتایا ہے۔ اور لکھا ہے کہ ان خاندانوں کا تعلق مناکحت خاندان بمبہ سے بھی ہے۔

البتہ راج ترنگنی میں جہاں کھش قبیلہ کا کہیں کہیں ذکر آیا ہے۔ وہاں سٹین صاحب

مترجم راج ترنگنی نے اپنی حاشیہ آرائیوں سے کھش قبیلہ کو کھکھہ ہی ثابت کیا ہے۔ پنڈت کلہن مصنف راج ترنگنی کے زمانہ میں اور اس سے پیشتر بھی کھش قوم راجپوری (راجوری) اور پرنوتس (پونچھ) اور کشمیر پر حکمران رہی ہے۔ بلکہ درہ پیر پنجال سے سے پار بانہال کی طرف دریائے چندر بھاگا (چناب) کی وادی میں بھی کھش قوم کے قلعہ اور مقبوضات تھے۔

آج سے آٹھ سو سال پیشتر بھی کھش قوم بارہ مولا سے پنجاب کو آتے ہوئے دریائے وتستہ (موجودہ نام جہلم) کے کنارے آباد تھی۔ چونکہ اس وقت تحصیل اوڑ کے اسی کنارہ پر اور پونچھ کی اطراف میں بھی کھکھہ قوم پھیلی ہوئی ہے۔ اس لیے سٹین صاحب کا خیال ہے کہ وہ قوم جس کا نام زمانہ قدیم میں کھش تھا۔ آج کل کھکھہ ہی کہلاتی ہے۔

کشمیر کی ضخیم قلمی تاریخ تاریخ حسن شاہ کھوئی ہامی اور دیگر تاریخی کتابوں کے حوالہ سے راقم مؤلف نے اپنی کتاب ''شباب کشمیر'' میں جو بڈ شاہ بادشاہ کشمیر کے متعلق ہے لکھا ہے کہ کھکھو خاں وہاتھو خاں دونوں مسلم راجپوت بھائیوں کو ان کی وفاداری کے صلہ میں بڈ شاہ نے جاگیریں عطا کیں ۔موجود کھکھہ وہتمال خاندان انہی دونوں بھائیوں کی اولاد سے ہیں۔ یہ ۸۲۶ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اور اس لحاظ سے اس واقعہ کو سوا پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ شباب کشمیر کا سن تصنیف ۱۹۲۹ء ہے لیکن اب ۱۹۳۴ء میں پنڈت زونراج کی زینہ* ترنگنی کا جو ترجمہ زین العابدین بڈ شاہ کی حکومت کے متعلق دیکھا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ اس میں کھکھہ وہتمال کسی کا بھی ذکر نہیں۔

قریباً تمام شجروں میں راجہ جوہد اور راجہ کھکھہ راجہ مل کی اولاد سے ظاہر کیا گیا ہے۔ راجہ مل کو تمام جنجوعہ قوم جو راجہ جوہد کی اولاد سے ہے۔ راٹھور تسلیم کرتی ہے۔ اس لیے یہ خاندان گوت کے لحاظ سے راٹھور ہے۔

راقم مؤلف کے نزدیک کھکھہ وہتمال خاندان کا کوئی شجرہ غلطیوں سے خالی نہیں۔ البتہ اس امر کے تسلیم کرنے میں واقعات تائید کرتے ہیں۔ کہ ہتم خاں اور کھکھہ خاں دونوں بھائی تھے۔ ہتم خاں کی اولاد ہتمال کہلائی اور کھکھہ خاں کی اولاد کھکھہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ ہتمال کھکھہ خاندان میں شادی کر لیتے ہیں۔ مگر کھکھوں کو لڑکیاں دینے سے اکثر گریز کرتے ہیں۔ تحصیل اوڑی میں ہتمال و کھکھہ خاندان کے جاگیرداروں و رئیسوں کی معقول تعداد ہے۔ جن

* زینہ ترنگنی سنسکرت زبان میں ہے۔ انگریزی میں اس کا ترجمہ چھپ چکا ہے۔ اس کا اور دیگر راج ترنگنیوں کا اردو ترجمہ کا ماحصل محقق کاشمیری ''دولت کشمیریہ'' کے نام سے لکھ رہے ہیں۔

میں سے چند نام درج ذیل ہیں۔

راجگان ہتمال (تحصیل اُوڑی کشمیر) (۱) راجہ محمد افضل خاں جاگیردار نامبلہ (۲) راجہ محمد زمان خاں جاگیردار (۳) راجہ محمد حسین خاں جاگیردار اُوڑی (۴) راجہ شاہ زمان خاں جاگیردار بونیار۔

راجگان کھکھہ (تحصیل اوڑی کشمیر۔ یہ سب راجگان چکار کہلاتے ہیں) راجہ محمد افضل خان جاگیردار سلما (۲) راجہ محمد خاں جاگیردار اندراسیری (۳) راجہ علی بہادر خاں جاگیردار اندراسیری (۴) راجہ رحمت اللہ خاں جاگیردار اندراسیری (۵) راجہ علی اکبر خاں جاگیردار اسلام آباد۔

راجگان و گزارہ خواران کھکھہ تحصیل مظفر آباد (۱) راجہ صفدر علی خاں جاگیردار کمار بانڈی (۲) راجہ فتح خاں جاگیردار ڈنہ کچیلی (۳) راجہ میر زمان خاں جاگیردار ڈنہ کچیلی (۴) راجہ بدرالزماں خاں جاگیردار بندروا (۵) راجہ محمد اکبر خاں جاگیردار کوٹ (۶) راجہ حسین خاں جاگیردار کچیلی (۷) راجہ محمد ایوب خاں و راجہ پہلوان خاں گزارہ خوارن کچیلی (۹) راجہ اکرم خاں جاگیردار کچیلی (۱۰) راجہ سید خاں جاگیردار سنواڑ پال (۱۱) راجہ سکندر خاں ڈنہ (۱۲) راجہ تہور خاں بگان (۱۳) راجہ محمد عظیم خاں ڈنہ (۱۴) راجہ غازی خاں نکران (۱۵) راجہ یارو خان نکران (۱۶) راجہ قطب الدین خاں شٹران (۱۷) راجہ ابراہیم خان مقام چنڈاں گراں (۱۸) راجہ فتح علی خاں مقام کوٹ کوین (۱۹) راجہ محمد نظیر خاں مقام چنال بگ (۲۰) راجہ محمد اکبر خاں کمار بانڈی (۲۱) راجہ رستم خاں گزارہ خوار شٹران (۲۲) راجہ سیف علی خاں مقام منائی۔

ان میں سب سے بڑی جاگیر راجہ محمد افضل خاں نامبلہ کی ہے۔ جو کاہچرائی اور نذرانہ

---

* راجہ سر بلند خاں کی اولاد سے موجودہ راجہ محمد افضل خاں ہے۔ ان کا نسب نامہ ان کے شجرہ کے مطابق حسب ذیل ہے۔ محمد افضل خاں بن راجہ بلند اقبال خاں بن راجہ فیروز دین خاں بن راجہ عطا محمد خاں بن راجہ مظفر خاں بن راجہ سر بلند خاں۔ راجہ محمد افضل خاں کے حسب ذیل اور تین بھائی ہیں۔ سر بلند خاں۔ زبردست خاں۔ امین اللہ خاں۔ راجہ عطا محمد خاں نامبلہ والا کے دو بھائی اور تھے۔ ایک راجہ جبار خاں جس کی اولاد سے۔ راجہ محمد حسین خاں موجودہ جاگیردار اوڑی اور ان کے بھائی ولی محمد خاں ہیں۔ دوسرے راجہ نواب خاں کھلانہ والے جن کا فرزند راجہ محمد زمان خاں کھلانہ کا موجودہ جاگیردار ہے۔ ان کے دو بھائی اور ہیں۔ پیر محمد خاں۔ محمد عظیم خاں۔

** ان کی اولاد و احفاد کثیر تعداد میں بونیار و مہورہ کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ راجہ شاہ زمان خاں موجودہ جاگیردار بونیار آپ کے فرزند راجہ محمود خاں کی چوتھی پشت میں ہے۔

سمیت ۸۹۹۰روپے اور بعد وضع نذرانہ ۷۵۷۹ روپے کی ہے۔سولہ دیہات آپ کی جاگیر میں ہیں۔ جو پونچھ اور مہورہ اور اوڑی کی حدود تک پھیلے ہوئے ہیں۔راجگان ہتمال و کھکھہ میں راجہ بیرہ خاں بعہد راجہ سکھ جیون اور اس کی اولاد سے سر بلند خاں *۔سرافراز خاں ** اور غلام علی خاں اپنے علاقوں میں خود مختار تھے بلکہ کشمیر کے پرگنہ کروہیں و بانگل میں بھی ۵۷ ہزار خرواران کی جاگیر تھی۔ کھکھہ اور ہتمال بھی ہمہ قوم کی طرح کسی زمانہ میں بڑے زوروں پر رہے ہیں۔

مردم شماری کے کاغذات میں ہتمال طبقہ کی آبادی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ممکن ہے ہتمال اور کھکھہ کو ایک ہی قبیلہ سمجھ کر صرف کھکھہ کے نام سے اس کی آبادی لکھ دی گئی ہو۔۱۸۹۱ء میں کھکھہ قوم کی تعداد ۶۱۴۰ اور ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں اس کی تعداد ۷۸۳۹ بتائی گئی ہے۔جس میں ۴۳۳۱ مرد اور ۳۵۰۸ عورتیں ہیں۔ان کی ذات سرکاری کاغذات میں راجپوت ہے اور جو اس قوم کے حالات کے رو سے بالکل صحیح ہے۔

کھکھہ و ہتمال قوم کے کئی خاندان ضلع مظفر آباد کے علاقہ پونچھ تحصیل کوٹلی (جموں) میں بھی آباد ہیں۔ پونچھ کے کھکھہ خاندان کا ذکر اقوام پونچھ کے سلسلہ میں ہوگا۔

گوجر

یہ قوم خاص کشمیر کی رہنے والی نہیں ہے۔اپنے پیشہ کی وجہ سے یہ لوگ ہمالیہ اور کوہ شوالک کے دامن میں بھیڑ بکریاں اور بھینسیں چراتے پھرتے ہیں۔اور اب کچھ عرصہ سے کشمیر کے خاص میدانی علاقوں میں بھی یہ لوگ جایا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک حیثیت سے تو انہوں نے کشمیر کو اب وطن ہی قرار دے لیا ہے۔جنگل کاٹ کر ان لوگوں نے بھینسوں کی پرورش اور اپنی رہائش کے لیے چھوٹے چھوٹے گھر بھی بنا لیے ہیں۔ یہ سب لوگ مسلمان ہیں۔ان کی زبان کا نام ہندکو ہے۔ جو کشمیری سے بالکل مختلف ہے۔ان کا قد لمبا ہوتا ہے۔ان کے خدوخال جیسا کہ لارنس صاحب لکھتے ہیں کچھ ایسے اچھے نہیں ہوتے۔ان کو بھینسوں کی پرورش کا خاص شوق ہے۔کبھی کبھی زمینداری بھی کر لیتے ہیں۔مگر سوائے مکی بافراط پیدا کرنے کے اور کسی اناج کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

گوجروں میں یہ ایک رسم ہے کہ جمعہ کے دن ان کے ہاں جس قدر دودھ ہوتا ہے وہ سب خیرات میں دے دیتے ہیں۔ یہ عموماً راست باز اور فیاض ہوتے ہیں۔ ان کی عورتوں میں مکھن کی فروخت کا حساب رکھنے کا یہ دستور ہے کہ جس قدر مکھن فروخت ہو اسی قدر گرہیں اپنے دوپٹہ میں ڈال لیتی ہیں۔ گوجروں کا سب سے پیارا نام محمد ہے۔ اور ان میں جو شخص اپنے قبیلہ میں ممتاز ہے۔ اس کو بھائی کا لقب دیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ عموماً بستیوں سے دور رہتے ہیں۔ اس لیے ان کے مستقبل کی نسبت بہت مایوسی ہے۔ اور غالباً ان میں کوئی بھی خواندہ نہیں ہے۔ کم از کم کشمیر اور پونچھ کے گوجروں میں علم بالکل نایاب ہے۔

لارنس صاحب فرقہ گوجراں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ یہ ایک سادہ طبیعت اور ایماندار فرقہ ہے اور ان کے وجود سے ملک کو کئی طرح کے فائدے پہنچتے ہیں۔ اس لیے ریاست کا فرض ہے کہ وہ گوجروں کی آئندہ بہتری و فلاح میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔

ان گوجروں میں بعض وزارت پہاڑ یعنی ضلع مظفر آباد کے رہنے والے ہیں۔ جن کو ڈنڈس کہتے ہیں۔ بعض ہزارہ کے ضلع سے آئے ہیں۔ جن کو ترک گوجر کہتے ہیں۔ وہ گوجر جو ضلع جہلم سے کشمیر میں آئے ہیں، بابا کہلاتے ہیں۔ گوجروں نے ہر چند ابھی تک کشمیری لباس کو اختیار نہیں کیا۔ لیکن کئی لوگ اب زبان اور لباس میں خالص کشمیریوں سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ گوجر لوگ آپس ہی میں شادیاں کرتے ہیں۔ کچھ تعداد ان کی ریاست پونچھ (دامن کشمیر) اور علاقہ ہزارہ جات افغانستان سے بھی آکر ان کے ساتھ شامل ہوگئی ہے۔

رپورٹ مردم شماری ریاست جموں و کشمیر بابت ۱۹۱۱ء میں اس مضمون کا ضروری خلاصہ درج ہے۔ جو مسٹر ڈی۔ آر۔ بھندر کار آف پونا نے ہندوؤں کے چار ورنوں (برہمن، چھتری، ویش۔ شودر) اور خصوصاً فرقہ گوجراں کی نسبت بمبئی یونیورسٹی کے وسیع ہال میں پڑھا تھا۔ چنانچہ آپ نے اقوام عالم کی تمام قوموں کا ملاپ بیان کرتے ہوئے گوجروں کی اصلیت اور ان کی بتدریج وسعت کی ٹوہ لگائی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم نہ صرف بہت ہی پرانے وقتوں کی ہے بلکہ اس کے افراد وسط ایشیا کے جنوبی حصہ کے علاوہ ایشیا اور یورپ کے ملحقہ ساحل پر بھی آباد تھے۔ اسی مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عرب میں جُفر یا خُفر اور یہودیوں میں گھیسر قوم جو ہے وہ گوجروں ہی کے نام سے ملتی جلتی ہے۔ گورجستان واقعہ ایشیا کو چک جو کسی زمانہ میں اپنی

زنانہ خوبصورتی کے لیے شہرہ آفاق تھا۔ گوجر قوم ہی کے لوگوں سے کبھی آباد تھا۔ قدیم گوجر ہندو تھے یا کسی اور مذہب کے پیرو۔ اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی ہندوستان میں یہ لوگ چھٹی صدی اور دسویں صدی عیسوی کے وسط میں داخل ہوئے اور اسی زمانہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہندو مذہب اختیار کر لیا۔ اب بھی راجپوتوں، برہمنوں، ویشوں اور شودروں میں ان کی اصلیت یا خون کا پتہ ملتا ہے۔ چنانچہ گوجر گورنگر برہمنوں میں گوجر وینہ ویشوں میں اور گوجر سوتر، ترکھان، سنار اور کمہار وغیرہ شودروں میں پائے جاتے ہیں۔ سلسلہ کوہ شوالک اور علاقہ سپار لکشہ جہاں سے گوجر قوم دراصل وارد میدان ہوئی۔ شمال مغربی ہمالیہ ہی کے حصہ ہیں۔ یہ قوم میدان میں آتے ہی پنجاب اضلاع متحدہ راجپوتانہ، وسط ہند، بنگال، مدراس اور بمبئی وغیرہ ہندوستان کے تمام علاقوں میں پھیل گئی۔ مقامات۔ گجرات۔ گوجرانوالہ۔ گوجر خاں وغیرہ واقع پنجاب کے نام گوجر باشندگان ہی سے مشتق ہیں۔ ہر چند اب ان علاقوں میں گوجر صرف زراعتی زندگی ہی بسر کرتے ہیں۔ تاہم یہ مقامات ان کی بڑی مستحکم پناہ گاہیں رہ چکے ہیں۔ صوبہ بمبئی کے علاقہ گجرات کے اصلی گوجر ہندو قوموں میں خون کے میل ملاپ سے اپنی علیحدگی کو بالکل زائل کر بیٹھے ہیں۔

ریاست کشمیر اور جموں کے گوجر خصوصاً ان کے خانہ بدوش گروہ اصلی جماعت کے بچے کھچے لوگ ہیں۔ اور پنجاب اور ہندوستان کے گوجروں سے علیحدہ نہیں ہیں۔ یہ سب کے سب مسلمان ہیں۔ رنبیر سنگھ پورہ، رامپور راجوری، پونچھ اور چند مقامات کشمیر میں ان لوگوں نے زراعت کو اپنا پیشہ قرار دے لیا ہے۔

گجر ہندوستان کی ایک اہم قوم ہے۔ اس کے تمدن و معاشرت اس کے رسم و رواج اور اس کی بود و باش پر اکثر اہل قلم حضرات نے خامہ فرسائی کی ہے۔ ہر دسویں سال مردم شماری کی رپورٹ میں ان کا ذکر خاص طور پر ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں انگریز اور ہندوستانی محققین ان کے حالات کا کھوج نکالتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ سطور مسبوق الذکر میں سر والٹر لارنس اور مسٹر ڈی آر بھنڈرکار کی تحقیقات کے نتائج لکھے جا چکے ہیں۔ علاوہ دیگر محققین کے خود گجر قوم کے مصنفین نے اپنی قوم کی تاریخیں * لکھی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک غیر مطبوعہ قلمی نسخہ تاریخ گجرات **

* (۱) تاریخ گجراں مصنفہ چودھری محمد حسین (۲) تاریخ گجراں مصنفہ خان بہادر مولوی عبدالمالک سابق مشیر مال بہاولپور جو غیر مطبوعہ ہے۔ ** مصنفہ شیخ جمال گجر، حافظ عبدالحق محقق سیالکوٹی۔

کے حوالہ سے ہم بھی چند سطور یہاں درج کرتے ہیں۔

اس تاریخ میں ان کا سلسلہ حضرت اسحاق تک پہنچا کر بتایا گیا ہے کہ حضرت اسحاق سے دسویں پشت امران تک یہ لوگ ملک شام میں رہے۔ وہاں سے یونان چلے آئے۔ یہاں ان کی نسل سے ارغوس نام ایک شخص بڑا صاحب رتبہ ہوا۔ مصنف صاحبان نے اس کی انیسویں نسل میں فیلقوس اور بیسویں میں سکندر اعظم کا ذکر کیا ہے۔ پھر سکندر اعظم کے بیٹے کی دو بی بیویوں کے بطن سے دس بیٹے بتائے ہیں۔ (۱) اشکائیس جس کی نسل سے ۳۲ گوتیں گوجروں کی مشہور ہوئیں (۲) جارہیئس جس کی نسل سے ۲۴ گوتیں مشہور ہوئیں (۳) سکائیس جس کی اولاد نے ۱۸ گوتیں پیدا کیں (۴) کوشائیس جس کی نسل سے ۲۲ گوتیں مشہور ہوئیں (۵) تو مائیس جس کے فرزندوں کے نام پر ۱۴ گوتوں نے جنم لیا (۶) طاقطیئس جس کی نسل سے ۱۱ گوتیں ہوئیں۔ سکندر اعظم کے یہ چھ پوتے ہندوستان میں آئے اور اس کے باقی چار پوتے (۱) گدارئیس (۲) کارلیکس (۳) ایگودلیئس (۴) ترویئس۔ خراسان اور گرجستان کی طرف چلے گئے۔ جہاں اب تک ان کی اولاد صاحب اقتدار ہے۔ سکندر اعظم کی اولاد سے جو شہزادے ہندوستان آئے۔ ملک گجرات کاٹھیاواڑ انہی کے نام پر آباد ہوا۔

گجر کی وجہ تسمیہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ شہزادے بڑے بہادر اور شجاع تھے۔ خصوصاً فن جنگ کے گرز پہلوان تھے۔ اس لیے پہلے گرزی کے نام سے موسوم ہوئے۔ گرزی کا لفظ گرجی بنا۔ گرجی سے گرجر اور گرجر سے گوجر مشہور ہو گیا۔

ان کی سکونت و وطنیت کے ساتھ ساتھ ان کا مذہب بھی تبدیل ہوتا رہا۔ شام میں حضرت اسحاق کے مذہب پر رہے۔ یونان میں آ کر عیسائی ہو گئے۔ ہندوستان میں آئے تو ہندوؤں سے رشتہ ناطہ کرنے کی وجہ سے ہندومت کے پیرو ہو گئے۔ مسلمانوں کے زمانہ میں ان کے بہت سے قبائل گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقہ ہی میں صوفیائے کرام کی تبلیغ و صحبت کی بدولت مسلمان ہو گئے۔ جب ان کے بعض قبائل نے جنوبی ہند کا میدان اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کے سامنے تنگ دیکھا تو پنجاب میں گوجرانوالہ، گوجر خان، کالہ گجراں، گوجرہ اور اکبر کے زمانہ میں شہر گجرات * کو آ کر آباد کیا۔ جو گجر ابھی تک قدیم ہندومت ہی پر قائم ہیں۔ ان کی آبادی زیادہ تر گجرات دکن اور دہلی کے نواحات اور یو۔ پی کے صوبہ میں ہے۔

* ضلع گجرات میں گجر قوم بہت مرفعہ الحال ہے۔ اس میں کئی سرکاری خطاب یافتہ اور ذی حیثیت بزرگ ہیں۔

اکبر کے زمانہ میں بھی بہت سے گوجر خانہ بدوشوں کی طرح ادھر ادھر پھرا کرتے تھے۔ اور اِکے دُکے پر حملے بھی کر دیا کرتے تھے۔ اکبر نے ان کے نام پر گجرات کا شہر آباد کر کے ان کو اجتماعی زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اور ساتھ ہی ان کی دستبرد سے مسافروں اور رہگذروں کو بھی آرام ملا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب اس گروہ کی زیادہ تعداد ہوگئی تو جس کام پر جس کا جی چاہا اس نے اسی کو اختیار کر لیا۔ زیادہ آبادی نے زراعت کرنے اور مال مویشی کے پالنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ جو گجر میدانی علاقوں میں آباد ہیں۔ وہ زمینوں کے مالک اور زرعی کاروبار میں مصروف ہیں۔ جو کوہستانی علاقوں میں رہتے ہیں جیسے پونچھ، کوہستان جموں کے علاقے، اور کشمیر کے بعض بلند مقامات ان کا گزارہ مال مویشی اور بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ کی پرورش اور مکھن دودھ وغیرہ کی فروخت ہے۔ کامل میدانی اور نیم میدانی * علاقوں کے گجروں میں تو علم و تہذیب بھی ہے کئی ایک ان میں اعلیٰ عہدوں تک پہنچ چکے ہیں۔ اہل قلم ہیں۔ اور سرکاری خطاب یافتہ ہیں۔ لیکن جو گجر پہاڑوں میں رہتے ہیں اور گرمیوں کے ایام بلند سے بلند مگر سر سبز و شاداب پہاڑوں میں سیر کرتے ہیں۔ تا کہ ان کے مال مویشی چارہ اور سبزہ سے سیراب ہو سکیں۔ وہ علوم دینی دنیوی سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اور زمانہ کے حالات سے قطعاً بے خبر۔ راقم الحروف نے گجر قوم کے زن و مرد کو پونچھ اور کشمیر کے دس دس گیارہ گیارہ ہزار فٹ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر مال مویشی چراتے دیکھا ہے۔ مرد جوان اور بلند قامت ہیں۔ عورتیں بھی تنومند اور شجاع ہیں۔ لیکن یہ سب لوگ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ عموماً بہت غلیظ ہیں اور کپڑے ناصاف رکھتے ہیں۔ یہ قوم جموں پونچھ اور کشمیر کے پہاڑوں میں بہت کثرت سے ہے۔ سردیوں میں میدانی علاقوں میں اور گرمیوں میں بلند پہاڑوں پر جن کو ملاق اور ڈھوک کہتے ہیں رہتی ہے۔

سر والٹر لارنس نے اس قوم کی سادہ طبعی اور ایماندارانہ سیرٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومتِ کشمیر اس قوم کی بہتری و فلاح یعنی ان کے دنیاوی ترقی کے وسائل میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ریاست کے ارباب حل و عقد نے تو آج تک اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ کاش اس

* سری رنبیر سنگھ پورہ میں صوبہ جموں کے علاقہ میں حکیم محمد حیات سکنہ چوہالا اور دیول علاقہ گلاب گڈھ ریاست میں چودھری علی محمد ذیلدار اپنی قوم کے معزز افراد اور اہل علم اور اہل قلم ہیں۔

قوم کے وہ لوگ جو میدانی علاقوں میں رہتے ہیں۔ اور اہل علم اور ذی فہم ہیں۔ اپنی اس کثیر التعداد برادری کو خواب غفلت سے جگا کر عزت و وقار سے زندگی بسر کرنے کی طرف توجہ دلائیں۔ اور علم کے فوائد سے ان کو آگاہ کریں۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمان گجروں کی تعداد ریاست جموں و کشمیر پونچھ میں ۴۰۲۷۸۱ ہے۔ جس میں مرد ۲۱۶۹۵۸ اور عورتیں ۱۸۵۸۲۳ ہیں۔

کتاب ''راجپوت گوتیں'' کا مصنف * چوتھے باب کے صفحہ ۱۴ پر مشرقی میدانوں کی راجپوت گوتوں کا ذکر کرتا ہوا ان میں ایک ذات بڈ گوجر بھی لکھتا ہے۔ جو دہلی، رہتک، حصار، گوڑ گانواں کے اطراف میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کتاب سے یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ گوجر اور پھر گوجر سے بڈ گوجر نام کس طرح ہو گیا۔ بہر حال یہ کوئی نک نیم **(Nick Name)** عرف یا اَل معلوم ہوتی ہے۔

گوجروں کے نام پر کشمیر میں چند گاؤں بھی ہیں۔ تحصیل اننت ناگ میں ایک گاؤں خلن گوجراں (آبادی ۲۱۶ نفوس) اور دوسرا بونہ کوٹ گوجراں (آبادی ۱۹۴ نفوس) کے نام سے آباد ہیں۔ تحصیل سری نگر میں فقیر گوجری کے نام سے ایک موضع ہے جس میں ۱۵۲ نفوس رہتے ہیں۔

☆☆☆

* چودھری علی محمد خاں۔ بی۔ او۔ ایل۔ ایل حال پنشنر افسر مال رئیس مانک پو[illegible]ت پٹیالہ

باب چہارم

کشمیر کی ادنیٰ اقوام

دیباچہ

ہر ملک اور ہر قوم کی طرح کشمیر میں بھی ادنیٰ ذاتیں ہیں۔اور جس طرح ہندوستان کی دیگر اقوام چوہڑے، چمار، مینگھہ، ڈوم وغیرہ کی اصلیت کی بابت جب ہر طرف سے مایوسی ہوتی ہے تو آخر انہیں شودر یا ہندوستان کی قدیم اقوام کا بقیہ کہہ دیا جاتا ہے۔یہی حال کشمیر کی ادنیٰ اقوام کا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر زمینداری اور بعض چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔ مثلاً باغوں کی حفاظت، بھیڑ بکریوں کا چرانا، کشتیوں کا چلانا، گانا بجانا، دیہاتوں کا چوکیدارہ اور بھیک مانگنا، اور چمڑے وغیرہ کا کاروبار کرنا، اور غلاظت اٹھانا، یہ اصل میں پیشے ہیں۔لیکن ان کے کاروبار ہی پر ان کی ذاتیں بن گئی ہیں۔

اوسط درجہ کے زمینداران طائفہ داروں کو اپنے سے ادنیٰ سمجھ کر ان سے شادی وغیرہ نہیں کرتے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ادنیٰ اقوام میں سے بعض قومیں ایسی ہیں جو زمینداری بھی کرتی ہیں۔چنانچہ فقیر جو ایک پیشہ ور گداگر قوم ہے۔اور ملاح یا ہانجی جن کا کام کشتیاں چلانا ہے۔کشمیر میں ایک مقامات پر زراعت کرتے دیکھے گئے ہیں۔ بلکہ بقول لارنس صاحب فقیر قوم تو کئی گاؤں کی مالک ہے۔ان کے مقابل کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ زمیندار اپنا کاروبار چھوڑ کر ہانجیوں کا کام شروع کر دیتے ہیں۔اور چنگ نوازی کے ذریعے بھیک مانگ کر بسر اوقات کرتے رہتے ہیں۔اب فقیر اور ہانجی زمینداروں کا کام کرنے سے زمیندار اور زمیندار لوگ ہانجیوں اور گداگروں کا کام کرنے سے ہانجی اور فقیر جیسی ادنیٰ اقوام میں شامل ہو گئے ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نسلی طور پر کوئی رذیل نہیں ہے۔ بلکہ جو فرق ہے وہ محض پیشہ اور کام کے لحاظ سے ہے۔لیکن یہ پیشہ اور کام جب نسلوں تک جاری رہے تو آخر طبیعت ثانیہ بن کر اپنا اثر دکھاتے رہتے ہیں۔

جب کوئی شخص ادنیٰ کام کی وجہ سے ادنیٰ ذات اختیار کر لیتا ہے تو اس کے بعد اس
بیٹے پوتے بھی اسی ذات سے موسوم ہو جاتے ہیں۔ اور پھر وہ اپنی اصلی ذات پر خواہ وہ کیسی
اعلیٰ کیوں نہ ہو بہت مشکل سے بحال ہو سکتے ہیں۔

پنجاب کے رنگ اور آب و ہوا میں یہ اثر خاص اب تک موجود ہے کہ ادنیٰ اقوام
چوہڑے، میراسی وغیرہ فوراً پہچانے جا سکتے ہیں۔ ان کے خدوخال ان کی گفتگو، ان کا لباس
کی رنگت بہت سی ایسی باتیں ہیں جو عام انسانوں سے ان کو خاص طور پر ممتاز کرتی ہیں۔ مگر
میں اس امتیاز و اختصاص کی کوئی پہچان نہیں ہے۔ وہاں لباس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور رنگ
بھی قریباً ایک ہی قسم کی ہے۔ اور اس دقت کو لارنس صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔

مگر باوجود اس دقت کے وہ کہتے ہیں کہ ساری اقوام تو نہیں البتہ ڈوم، گلہ بان اور و
اپنے ظاہری خدوخال اور لباس سے فوراً پہچان لیے جاتے ہیں۔ واتل اور واتلانیاں بھی با
اپنی سیاہی مائل رنگت سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ ڈوم ایک زرعی پیشہ آدمی کی نسبت جو کچھ
مائل ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں جلد جلد پھرنے والی ہیں۔ اور اس کے عام اطوار میں چالاکی و
پائی جاتی ہے۔ گلہ بان چنداں خوبصورت بھی نہیں ہوتے۔ اور نہ ان میں خاص طور پر کسی
یا چالاکی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ مگر گھوڑوں کی چوری کے فن میں وہ لاثانی ہیں۔

ادنیٰ ذاتوں میں جو نام مشہور ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ ڈوم، گلہ بان، چوبان،
ہانجی، واتل، اب ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

ڈوم

لارنس صاحب لکھتے ہیں ڈوم ہندوؤں کی شودر قوم سے نکلے ہیں۔ اور یہ اپنی اص
چھپانے کے لیے اپنا شجرہ نسب پرانے ہندو راجاؤں کے ساتھ ملاتے رہتے ہیں۔

پنڈت کلہن نے بھی اپنی راج ترنگنی میں ڈوموں کا ذکر کیا ہے اور اس موقع پر جہ
راجہ چکرورمن نے پانچ چھ ہزار تانتروں کو قتل کرنے کے بعد تیسری مرتبہ (۹۳۶ء) میں تخت
حاصل کیا ہے۔ پنڈت کلہن لکھتا ہے۔ راجہ جب سلطنت کو اپنے دشمنوں سے صاف کر

غرور و تکبر نے اسے بدی پر مائل کر دیا۔ اور سب سے زیادہ جس شخص کو اس کے دربار میں رسوخ تھا۔ وہ رنگ نامی ایک ڈوم تھا جو گانے بجانے کا کام کرتا تھا۔ راجہ کے دربار میں رنگ نے سب کے رنگ بے رنگ کر دیئے تھے۔ اور محلات میں رنگ کی لڑکیوں ہنسی اور ناگ لتا کا وجود رانیوں کو سانپ کی طرح ڈس رہا تھا۔ پنڈت کلہن لکھتا ہے ان ڈوم رانیوں کی محبت میں راجہ اس قدر اندھا ہو گیا تھا کہ وہ تمام درباریوں اور برہمنوں اور معزز رانیوں کو ان کا پس خوردہ کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اور جن لوگوں کی آنکھیں جاہ و اعزاز نے اندھی کر دی تھیں وہ کھاتے تھے۔ اور راجہ کی حضوری حاصل کرتے تھے۔ پنڈت کلہن نے ڈوموں کی نسبت سوپاک کا لفظ بھی لکھا ہے۔ جس کے معنی غالباً ناپاک کے ہیں۔ ایک زمانہ میں تو ڈوموں کو اتنا عروج ہو گیا تھا کہ راجہ نے ایک منظور نظر ڈومنی کو پٹ رانی کا خطاب دے کر محلات میں داخل کر لیا تھا۔ ڈوموں نے ہندو عہد قدیم میں سیاسیات میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔

پنڈت کلہن کی تاریخ کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوم ہر چند عروج پر پہنچے ہوئے تھے ان کی لڑکیاں رانیوں کا اعزاز رکھتی تھیں۔ اور ان کے مرد دربار میں وزراء امراء کا کام کرتے تھے۔ لیکن اس اعزاز نے ان کی رذالت پر کوئی اثر نہ ڈالا۔ اور رعایا ان کی کمینی حرکات سے ہمیشہ ناخوش رہی۔ چند روز کی عزت ان کے دائمی شودر پن کو دور نہ کر سکی۔

زمانہ حال میں اس قوم کا کیا حال ہے؟ اس پر لارنس صاحب نے کچھ روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ اس ذات کے لوگ کشمیر میں درجہ اختصاص رکھتے ہیں۔ خصوصاً دیہات میں ان کا ہونا بہت ضروری سمجھا گیا ہے۔ بلکہ گاؤں کے چوکیدار عموماً ڈوم ہی ہوتے ہیں۔ جو ایک پہلو سے ریاست کی طرف سے وہاں پولیس کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ مگر بعض ان میں کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں۔ اس قوم میں تغلب یا خیانت کی شکایت ضرور پائی جاتی ہے۔ اور ان پر چنداں اعتبار کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ باوجود اس کے وہ اپنے دیہات سے مالیہ کی رقم سری نگر کے شاہی خزانہ میں لا کر ادا کیا کرتے تھے۔ اور ایک کوڑی تک کی بھی خیانت نہیں کرتے۔ اہل دیہہ ان سے اکثر نالاں رہتے ہیں کیونکہ چوکیدار کی حیثیت سے زمینداروں کو لوٹنے اور تنگ کرنے کے ان کو بہت سے موقعے ملتے رہتے ہیں۔

۱۹۱۱ء کی رپورٹ مردم شماری کشمیر کے رو سے ڈوموں کی آبادی ۵۲۰۹۹ ہے جس میں

ہے جموں اور کشمیر اور سرحدی اضلاع (لداخ گلگت) میں مسلمان ڈوموں کی تعداد ۱۵۲۸۴ ہے اور ہندو ڈوموں کی تعداد جموں میں ۳۶۷۸۲ اور کشمیر میں صرف تین ہے۔ ہندو اور مسلمان ڈوموں کی علاوہ سکھ ڈوم بھی ہیں۔ جو صرف جموں ہی میں ہیں۔ اور جن کی تعداد صرف اکیس ہے۔

۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ڈوموں کی تعداد ۳۴۳۲۹ بتائی گئی ہے۔ جس میں ۱۸۴۰۰ مرد اور ۱۵۹۲۹ عورتیں ہیں۔ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں جموں کے آریہ ڈوموں کی تعداد صرف نو تھی۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی نسبت ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں ۱۷۷۷۰ ڈوموں کی جو کمی پائی جاتی ہے۔ وہ سب آریہ سماج کی حیرت ناک مذہبی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیس سال کے عرصہ میں ۱۷۷۷۰ ڈوم آریہ ہو چکے ہیں۔

گلّہ بان

یہ لوگ گھوڑوں کی پرورش کرنے میں خاص طور پر مشہور ہیں۔ بعض کے خیال میں یہ ڈوموں سے نکلے ہیں۔ خواہ یہ صحیح ہو یا غلط مگر ان کی کالی رنگت سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور وہ کشمیر کے زمینداروں سے نہیں ہیں۔

یہ لوگ دراصل پہلے پہل ٹٹو اور گھوڑے چرانے پر مقرر تھے۔ مگر بعد کو انہیں معلوم ہوا کہ چرانے کی نسبت چرانا زیادہ مفید ہے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ ایک مجرم فرقہ کی حیثیت اختیار کرتے گئے۔ اور پٹھانوں کے زمانہ میں ان کی لوٹ گھسوٹ کی بڑی دھاک بیٹھ گئی۔ افغانوں کے زوال اور سکھوں کی حملہ آوری کے دنوں میں گلہ بان بڑے بڑے جتھے بنا کر پھرا کرتے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے لٹھ ہاتھوں میں لیے ادھر ادھر غارت گری کرتے رہتے تھے۔ یہ نہ صرف کسانوں کے خرمن ہی لوٹ لیتے تھے۔ بلکہ کسی وقت ایک بارات پر حملہ کر کے دلہن کو بھی لے بھاگتے تھے۔ گلہ بانوں کی بہادری اور ان کے مظالم کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ اور تاریخ کشمیر حصہ سوم میں بھی گلہ بانوں کے جور و ستم کا ذکر ہے۔ منجملہ اور سنگدل ڈاکو گلہ بانوں کے خیرہ گلہ بان کا نام خاص طور پر مشہور ہے۔ کرنیل میاں سنگھ ناظم کشمیر (۱۸۳۴ء تا ۱۸۴۱ء) نے بڑی دقتوں اور کوششوں کے بعد آخر اس فرقہ کے سرکردہ خیرہ گلہ بان کو جس کے ہمراہ ہر وقت دو تین سو سوار رہا کرتے تھے۔ معہ اس کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔ اور خیرہ کو اس کے فرقہ کی قریباً نصف

تعداد کو بڑے بڑے عذاب دے کر سولی پر لٹکایا۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے بھی اس فرقہ کی اصلاح بلکہ اس کو تباہ کرنے میں بہت کوشش کی رگوناتھ پورہ سے بہت سے گلہ بان گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان لوگوں کو بونجی (گلگت) میں زمین دے کر وہاں آباد کرایا۔ مگر ان مراعات کے باوجود بھی بہت سے گلہ بان کشمیر میں واپس آ گئے۔

یہ لوگ ابھی تک اپنے آبائی پیشہ پر قائم ہیں۔ کشمیر میں گھوڑوں اور ٹٹوؤں کی جہاں کہیں چوری ہوتی ہے اس میں ننانوے فیصدی چور اسی فرقہ سے ہوتے ہیں۔ چرائے ہوئے جانوروں کو یہ لوگ علاقے پونچھ اور دور دراز علاقوں میں لے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو بڑی آزادی اور بیبا کی سے فروخت کر دیتے ہیں۔ ان گلہ بانوں کو گاؤں کے لوگ ایک ڈاکو اور دھاڑوی سے کم نہیں سمجھتے۔

چوپان

کشمیر میں گڈریوں کو چوپان یا پوہل کہتے ہیں۔ جو رنگت کے لحاظ سے تو زمینداروں سے الگ نہیں ہیں۔ مگر قومیت اور پیشہ کے لحاظ سے یہ بالکل ایک الگ قوم ہے۔ ان کی شادیاں بالعموم آپس ہی میں ہوتی ہیں۔ مگر کبھی کبھی گلہ بانوں کے ساتھ بھی تعلقات پیدا کر لیتے ہیں۔ چوپان عموماً خوش طبیعت اور پھرتیلے جوان ہوتے ہیں۔ ان کو سیٹی بجانے میں کمال حاصل ہے۔ اور غضب یہ کہ سیٹی کی آواز سے اپنے ریوڑ کو جدھر چاہتے ہیں موڑ لیتے ہیں۔ ان کا پیشہ بھیڑ بکریوں کو چرانا ہے۔ جن کو وہ اونچے اونچے پہاڑوں اور جنگلوں میں لے جاتے ہیں۔

ان کی بود و باش چونکہ بلند پہاڑوں اور کریووں پر ہوتی ہے۔ اس لیے اترنے چڑھنے اور ہمیشہ چلنے پھرنے کی وجہ سے یہ لوگ بڑے مضبوط اور طاقتور ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو پہاڑ کی بعض کارآمد بوٹیاں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ اور جڑی بوٹی کی پہچان میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ اور کشمیر کے دیسی طبیبوں کو اکثر بوٹیاں دیتے رہتے ہیں۔

جن زمینوں میں چوپان لوگ اپنی بھیڑیں اور بکریاں چراتے ہیں۔ وہ مشترکہ طور پر

ان کی اپنی ملکیت ہوتی ہیں۔ موسم سرما اور بہار کے آغاز میں پہاڑوں سے اتر کر اپنے گاؤں
چلے جاتے ہیں اور وہاں کاشتکاری کرتے ہیں۔ چوپان اور شیر گوجر ذات کے لحاظ سے و
کہلاتے ہیں۔

بانڈ

بانڈ جن کو بانڈ بکت بھی کہتے ہیں۔ کشمیر میں اسی نظر اور اسی حیثیت سے دیکھے جا
ہیں جس طرح پنجاب کے میراسیوں۔ بھانڈوں اور ڈوموں کو اہل پنجاب دیکھتے ہیں۔ مگر ا
کام گانا بجانا، لباس، بالوں کی تراش خراش اہل پنجاب سے بالکل مختلف ہوتی ہے کشمیر
بانڈ اپنے لمبے بالوں اور ادھر ادھر چل پھر کر روزگار کمانے کے لیے خاص طور مشہور ہیں۔ ا
شادیاں عموماً آپس ہی میں ہوتی ہیں۔ مگر خاص حالات میں زمینداروں سے بھی تعلق پیدا کر
ہیں۔ ایام سرما میں جب کہ کشمیر میں کوئی فصل اور کوئی روزگار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ پنجاب۔ پشاو
سرحدی اضلاع تک جا پہنچتے ہیں۔ اور وہاں اپنے کشمیری ہم وطنوں اور دیگر مقامی لوگوں کو محظو
کے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

پنجاب میں یہ لوگ ہمیشہ آتے ہیں۔ اور اہل پنجاب کی طرح دو چار یا پانچ سات
نہیں بلکہ ان کی ایک ایک ٹولی (جماعت) کی تعداد پندرہ بیس سے کبھی کم نہیں دیکھی گئی۔ پنج
میں ان کے تماشے بڑے شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔ دو تین خوبصورت لڑکے بھی ان کے س
ہوتے ہیں۔ جن کے لمبے لمبے بال کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور جنہوں نے ناچنے گا نے
عورتوں کا سا لباس پہنا ہوا ہوتا ہے۔ ان کا ساز و سامان ایک ڈھول چار پانچ سارنگیوں اور م
طوطیوں پر مشتمل ہوتا ہے اور سب یک زبان اور ہمنوا ہو کر ایک طوفان بے تمیزی پیدا کر د
ہیں۔ ان کا ساز اور پیشواز بہت قیمتی ہوتا ہے۔ لارنس صاحب لکھتے ہیں میں نے ایک مرتبہ
بانڈ کی پشواز وغیرہ دیکھی جس کی قیمت دو ہزار روپیہ تک تھی۔ ان کی حرکتیں عموماً پسندیدہ
ہیں۔ اور بڑے بے خوف ہو کر نقلیں کرتے ہیں۔ کشمیری، پشتو، فارسی، پنجابی بلکہ انگریزی
کے گیت ان کو نوک زبان ہوتے ہیں۔ اور محفل کو خوب گرماتے ہیں۔

بانڈ کشمیر میں عموماً شادیوں پر کثرت سے بلائے جاتے ہیں۔ فصل کی کٹائی کے

بھی زمینداروں سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور عید بقر عید کے موقع پر رؤسا و امراء سے بھی انعام اکرام لے لیتے ہیں۔

کشمیری بانڈ دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک مسلمان جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے ان کی آبادی موضع بے میں جو تحصیل اوتر مچھی پورہ میں واقع ہے۔ کثرت سے ہے۔ اور وہاں کے بعض بانڈ بڑے امیر سنے گئے ہیں۔ اور کئی ایک ان میں سے تجارت پیشہ بھی ہیں۔

موضع بے کا کریم بانڈ جو گوت کے لحاظ سے "کریم بٹ" کہلاتا ہے۔ اپنے فن گانے بجانے اور ظرافت و خوش طبعی میں صاحب کمال ہے۔ سرحد اور پنجاب کے بڑے بڑے رئیسوں اور نوابوں اور خوانین تک پہنچتا ہے۔ اس کے پاس کئی سرٹیفکیٹ کشمیر پنجاب اور سرحد کے معززین کے موجود ہیں۔ جن میں اس کے کسب و کمال کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ اپنے علاقہ کا بہت بڑا تاجر بھی ہے۔ اور اپنی ہوشیاری و زمانہ شناسی کی وجہ سے لاہور کے اہل اخبارات سے بھی میل جول رکھتا ہے۔ ترہیگام کے متصل ایک موضع گلگام ہے وہاں کے بانڈ بھی اپنے فن کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔

دوسرے بانڈ کشمیری پنڈتوں سے نکلے ہیں۔ ان کا نام کن گام بگت ہے۔ جو موضع اکن گام کے رہنے والے ہیں۔ ان کی نسبت یہ مشہور ہے کہ دیوی ماتا نے ان کے ایک بزرگ پر ظاہر ہو کر یہ کہا کہ اے اکن گام پنڈت تو ہمارے سامنے کچھ بھجن گا کر ہمیں خوش کر اس نے جواب میں لاعلمی ظاہر کی مگر دیوی کے دوبارہ اصرار کرنے پر اس نے مجبوراً تیر کمان اپنے ہاتھ میں لیا اور سارنگی کی طرح اس کو بجانا شروع کیا۔ اس کے بعد دیوی نے حکم دیا کہ جب کبھی وہ دیوی مذکور کی شان میں بھجن گائے تو اپنے وطن کے دیودار درخت کے نیچے بیٹھ کر گایا کرے۔ اس حکم سے چونکہ یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ لوگ گانے بجانے کو اپنی روزی کمانے کا ذریعہ ہی تصور نہ کریں۔ اس لیے کن گام بگت دوسرے ڈوموں کی طرح اپنے وطن سے باہر نہیں جاتے۔ بلکہ کشمیر میں بھی عام طور پر نہیں پھرتے۔ اکن گام بگت کے بیٹے اور پوتے کچھ عرصہ تک تو دیوی جی کے اس فرمان پر عمل کرتے رہے۔ لیکن آخر (طعن و تشنیع سے) مجبور ہو کر انہوں نے اس کام کو چھوڑ دیا۔ بڑا بگت ابھی زندہ تھا۔ دیوی نے ناراض ہو کر اس کو اندھا کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد دیوی نے اس پر رحم کیا۔ وادی لار کے حاکم کو حکم دیا کہ کن گام بگت کو اپنے مکان میں لے جاؤ۔ اور اس کی حفاظت

کرو۔ حاکم لار اس کو اپنے مکان پر لے گیا اور چند دنوں کے بعد کن گام بگت کی بنیائی بالکل بحال ہوگئی۔ اس زمانہ سے لے کر اب تک اس کی اولاد اپنے پیشہ پر قائم ہے۔ کن گام پنڈت اپنی اولاد کو سوائے گانے بجانے کے اور کوئی تعلیم نہیں دیتے۔ اور جہاں تک ان سے ہو سکتا ہے۔ دیوی کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بگت بڑے شگفتہ طبیعت ہوتے ہیں۔ اپنی خوش مذاقی سے زمینداروں کو بہت خوش رکھتے ہیں اور ان سے معقول فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے دو سردار ہوتے ہیں۔ جن کے ماتحت دو پارٹیاں ہوتی ہیں۔ ان سرداروں کی طفیل یہ پارٹیاں آپس میں کشمکش نہیں کرنے پاتیں۔

ہانجی

کشمیر میں ہانجیوں کو ملہ، مانجی، ہانجی اور ہانز کہتے ہیں۔ ان کی آبادی زیادہ تر سری نگر۔ بارہ مولا، سوپور، اسلام آباد، کھوئی ہامہ اور دریا اور جھیل ولر کے متصلہ دیہات میں پائی جاتی ہے۔ یہ اس ملک کی ایک بڑی ضروری اور نمایاں قوم ہے۔ ان کا پیشہ بہت قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور تاریخ ظاہر کرتی ہے کہ راجہ پرورسین (عہد حکومت ۱۰۲ء لغائت ۱۶۲ء) کے زمانہ میں یہ قوم سدگلد یپ یعنی لنکا سے آئی تھی۔ چنانچہ لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر میں بھی لکھتے ہیں۔ ''راجہ پرورسین ان کو سدگلد یپ یعنی لنکا سے کشمیر میں لایا تھا۔'' راج ترنگنی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنگ یعنی سیلون اور دوسرے جزائز راجہ پرورسین کے وزیر موراک کے قبضہ میں تھے۔ مکمل تاریخ کشمیر میں راجہ کے وزیر کو فاتح لنکا لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر کی حکومت اس زمانہ میں ہندوستان اور پنجاب کے بعض حصص کے علاوہ لنکا تک بھی پھیلی ہوئی تھی یا کم از کم لنکا کا راجہ ان کے زیر اثر تھا۔ اور چونکہ سدگلد یپ میں جزائر کثرت سے ہیں اس لیے وہاں ایسے لوگوں کی آبادی یقیناً کثرت سے ہوگی۔ جو کشتی چلانے کے کام میں بخوبی ماہر ہیں۔ اور کشمیر میں بھی چونکہ دریا اور جھیلوں کی وجہ سے بطور سیر یا بطور کاروبار کشتیوں کی ضرورت تھی۔ اس لیے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ راجہ اور اس کا وزیر لنکا سے کشتی چلانے والوں کی ایک خاص تعداد لے کر آئے ہوں۔ اس حساب سے اس قوم کو کشمیر میں آئے ہوئے قریباً دو ہزار سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

لارنس صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہانجی لوگ ہندوؤں کے ویش فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کا ثبوت (قیاسی) یہ دیتے ہیں کہ جب کسی ہانجی سے کشتی اچھی طرح نہیں چلائی جا سکتی تو اس کو شودر ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ اس سے وہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ برہمن اور کھشتری تو علمی وفوجی دلچسپیوں کے دلدادہ ہیں۔ ویش ہی ایک ایسا فرقہ ہے جو تجارت یا ہر قسم کا کاروبار کر سکتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ غالباً اسی فرقہ (ویش) سے نکلے ہوں گے لیکن جب کسی ہانجی سے پوچھا جائے کہ تمہاری اصل کیا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو خاندان نوح سے ظاہر کرتا ہے۔ بعینہ یہ معاملہ اسی طرح ہے جس طرح پنجاب اور ہندوستان کے بعض خاندان عروج حاصل کرنے پر اپنا سلسلہ نسب جب تک کسی بادشاہ یا راجپوت راجہ یا کسی بہت بڑے مذہبی ریفارمر سے نہیں ملا لیتے ان کو چین نہیں آتا۔

لارنس صاحب نے ایک ''معتبر ہانجی'' کی زبانی لکھا ہے کہ ان کی اصلیت غالباً ہندوستان کی جپسی (آوارہ گرد، بنجارہ، خانہ بدوش) قوم سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس قوم میں سے کوئی بوڑھا جو اپنے گھرانے کا باپ ہو۔ ایک بڑی خودمختار حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کے لڑکے لڑکیاں جو کچھ کماتے ہیں۔ سب اپنے باپ کے آگے لا رکھتے ہیں۔ بیٹا بغیر باپ کی مرضی کے شادی نہیں کر سکتا۔ اور اکثر والدین اپنی اولاد کی شادی کے خلاف ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کشتیاں ہی ان کا مکان اور کشتیاں ہی ان کی دوکان ہوتی ہیں۔ اور کشتیوں ہی میں وہ مسافروں کو بھی بٹھاتے ہیں۔ اور چونکہ اولاد کے لیے زیادہ بہت سی جگہ ان کو اپنے ہی لیے درکار ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اپنا نقصان گوارا نہ کرنے کے لے شادی بیاہ کی (خصوصاً صغرسنی میں) زیادہ طرفدار نہیں ہوتے۔

ہانجیوں میں کئی قسمیں ہیں۔ جن میں سے مندرجہ ذیل آٹھ بہت مشہور ہیں۔ ڈمب ہانز۔ گاڈی ہانز۔ بھات۔ دار۔ ڈونگہ ہانجی۔ مار ہانز۔ گاڈہانجی۔ ہکہ ہانجی۔

ڈمب ہانز وہ ہانجی جو آدھے خشکی اور آدھے تری پر جھیل ڈل کے کنارے رہتے ہیں اور عموماً سبزی ترکاری کی کاشت پر گزارہ کرتے ہیں۔ ڈمب ہانز کہلاتے ہیں۔

گاڈی ہانز ان ہانجیوں کو جو جھیل ولر میں جال کے ذریعہ سنگھاڑے اکھٹے کرتے رہتے ہیں گاڈی ہانز کہلاتے ہیں۔ ڈمب اور گاڈی ہانز تمام ہانجیوں میں درجہ اختصاص رکھتے اور قدرو

منزلت سے دیکھے جاتے ہیں۔ جو ملاح غلہ یا لکڑیاں یا میوہ لاد کر کشتیوں کو ادھر ادھر لے جاتے ہیں۔ اور کرایہ کا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کو بھات اور دار کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ہانجی اپنی قوم میں دوسرے درجہ پر شمار ہوتے ہیں۔

ڈونگہ ہانجی اپنی برادری میں یہ ہانجی نہایت کم درجہ رکھتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ ڈونگوں یا چھوٹی چھوٹی کشتیوں (شکارہ) کے ذریعہ مسافروں کو دریا سے پار اتارا کرتے ہیں۔ اس کی بداخلاقی کائیں کائیں اور کھینچا تانی کی کچھ کیفیت دیکھنی ہو۔ تو میرا کدل میں چلے جایئے۔ جہاں بے انتہا شور وغوغا سے یہ لوگ دریا سے آر پار جانے والے مسافروں کو حیران اور ششدر کر دیتے ہیں۔ کسی مسلمان کو گھاٹ کی طرف آتے دیکھا تو کھان صاحب کھان صاحب کا شور وغل پیدا کر دیا۔ کسی ہندو کو دیکھا۔ تو لالہ جی اور پنڈت جی کا شور بلند کر دیا۔

مارہانز۔ جو نالہ مار کے قرب و جوار میں کشتیاں چلانے کا کام کرتے ہیں۔ ان کی بابت لارنس صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ ڈونگہ ہانجیوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔

گاڈ ہانجی۔ وہ ہانجی ہیں جو ماہی گیری کا کام کرتے ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت ڈونگہ ہانجیوں سے ملتی جلتی ہے۔ مگر بدزبانی میں ان سے کئی گنا بڑھے ہوئے ہیں۔ ڈونگہ اور گاڈ ہانجیوں کی شوخ طبعی اور بدزبانی تمام ملک میں مشہور ہے۔ پنجاب کی بعض قوموں کی طرح اس قوم کے لوگ بھی عورتوں کی لڑائی میں مطلق دخل نہیں دیتے۔ بلکہ تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ان کی گندی زبانی کو شوق سے سنتے رہتے ہیں۔ اگر لڑتے ہوئے شام ہو جائے تو صبح کو از سر نو لڑائی شروع ہو جاتی ہے۔

کمہ ہانجی * وہ ہانجی کہلاتے ہیں جو دریا میں سے لکڑیاں نکالتے رہتے ہیں ان کی تعداد دوسرے ہانجیوں کی نسبت بہت کم ہے۔

ہانجی عام طور پر بڑے قوی چالاک اور چست ہوتے ہیں اور بچپن ہی سے کشتیوں کو چلانے اور اپنے فن کے متعلق مشق شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے چپوؤں کی شکل پان کی طرح ہوتی ہے۔ اور پان کی شکل دل سے ملتی جلتی ہے۔ بڑی بڑی کشتیوں میں سردی کے موسم میں چنداں تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر چھوٹے شکاروں میں جن کی آڑ چٹائی سے کی جاتی ہے۔ باوجود ہر

وقت چولہا گرم رہنے کے بھی سردیوں میں سخت تکلیف ہوتی ہے۔

ہانجی اخلاقی حیثیت سے نہایت گری ہوئی قوم ہے۔ جھوٹ فریب اور فساد ان کے نزدیک بالکل معمولی بات ہے۔ مسافروں کو ان سے ہمیشہ محتاط رہنا چاہیے۔ بالعموم یہ بڑے چالاک اور متفنی ہوتے ہیں۔ چھوٹے بڑے رذیل اور باعزت ہر قسم کے کام یہ لوگ بخوبی کر سکتے ہیں۔ جس طرح انگریزوں کو عموماً اپنے بہرہ اور خانساماں سے یہ شکایت رہتی ہے کہ اگر ان کو کچھ روپیہ خرید وفروخت کے لیے دیا جائے تو اس میں ضرور خرد برد کر جاتے ہیں۔ یہی عادات کشمیر کے اکثر ہانجیوں میں بھی ہیں۔ اور طبیعت ثانیہ ہو جانے کی وجہ سے اس کو وہ چنداں برا نہیں سمجھتے۔

ہانجیوں کا جو فرقہ راجہ پرورسین کے زمانہ میں آج سے قریباً دو ہزار سال پہلے لنکا سے کشمیر آیا تھا۔ باوجود عرصہ دراز تک کشمیر میں رہنے کے اس کی رنگت اور اس کے خدوخال اب تک اس کو ایک علیحدہ قوم ثابت کر رہے ہیں۔ مگر اس قوم کے علاوہ بھی چونکہ کشمیر کی اکثر اقوام نے اپنی ضرورتوں اور زمانہ کے حالات سے مجبور ہو کر کشتی رانی کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس لیے جزائر سدگلدیپ کے ملاح اور کشمیر کے ہانجی ایک ہی کام اور ایک ہی پیشہ کی وجہ سے آپس میں ایسے غلط ملط ہو گئے۔ کہ ناطے بیاہ کی رشتہ داریوں نے ان سب کو ایک ہی برادری میں منسلک کر دیا۔

راجہ پرورسین کے زمانہ سے پیشتر کشمیر میں کشتی رانی کے کام اور ملاحوں کے پیشہ کا کوئی وجود ثابت نہیں ہوتا۔ یہ راجہ جب سدگلدیپ کے ملاحوں کی ایک جماعت کو ہمراہ لایا۔ تو کچھ عرصہ کے بعد ہندوؤں کی بعض اقوام نے بھی وہ شودر تھیں یا ویش یا کوئی اور۔ کیونکہ اس زمانہ میں کشمیر میں ہندوؤں کے سوا کوئی اور قوم آباد نہ تھی۔ ان کی دیکھا دیکھی اس کام کو شروع کر دیا۔ اور اس طرح سدگلدیپ کے ملاحوں اور کشمیر کے ہانجیوں کی ایک ہی مشترکہ قوم ہانجی کے نام سے موسوم ہونے لگی۔

جب ۷۲۵ھ میں کشمیر مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اور اسلام اس ملک میں کثرت سے پھیلا۔ تو ہندو زمیندار اقوام اور عام ہندوؤں اور سدگلدیپی ہانجیوں کی اقوام بھی مسلمان ہو گئیں۔ اور جس طرح زمینداروں نے اسلام قبول کر کے اپنی زراعتی کاروبار کو جاری رکھا۔ اسی طرح ہانجیوں نے بھی مسلمان ہونے کے بعد کشتی رانی سے کنارہ کشی نہ کی۔

مسلمانوں کے زمانہ حکومت میں بھی کئی زمیندار لوگ ہانجیوں سے تعلقات رکھنے

اوران میں ناطہ بیاہ کرنے کی وجہ سے ہانجی ہی کہلانے لگے۔ بلکہ ۱۹۳۲ء میں راقم الحروف کو نگین باغ سری نگر کے ہانجیوں میں کئی ایک ایسے ہانجی ملے جن کے رشتہ دار اب تک زمینداری کاروبار کرتے ہیں۔ بلکہ ان میں کئی ایک اچھے اور معزز زمیندار ہیں۔ اسی موقعہ پر راقم الحروف نے ہانجیوں کی ذاتوں اور گوتوں اور قوموں کے متعلق جو تحقیقات کی تو کئی ایسی ذاتیں معلوم ہوئیں جو ابھی تک ہندوؤں میں موجود ہیں۔ اور نہایت معزز ہیں۔ مثلاً شتگلو' ملہ۔ کاچرو۔ کھر وغیرہ کئی ایسی ذاتیں پائی گئیں جو مسلمان زمینداروں میں نہایت معزز سمجھی جاتی ہیں۔ اور جن میں اس وقت بھی کئی ذیلدار اور کئی اعلیٰ عہدہ دار ہیں۔ مثلاً ککرو، ڈار، کٹ راج، پتلو وغیرہ۔ ہانجیوں کی ایک ذات کا نام پنجابی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ کسی شخص نے جو پنجاب کا رہنے والا تھا کسی ہانجن عورت سے عشق میں مبتلا ہو کر ہانجیوں ہی کا کام کر شروع کر دیا تھا۔ اس کی اولاد اب تک پنجابی کے نام سے موسوم ہے۔ اور ہانجیوں کے گروہ میں شامل ہے۔

ہانجیوں میں داند اور خانقاشی اقوام بھی شامل ہیں۔ داند ایک تاجر پیشہ قوم ہے اور خانقاشی قوم کا تعلق ایک ایسی زیارت سے ہے جس کو سارے کشمیر کی زیارتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اور جن کو زیارت شاہ ہمدان کہتے ہیں۔ ایک ذات کا نام پیر ہے۔ جس کے متعلق مشہور ہے کہ ایک پیر صاحب ایک ہانجن پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ ہانجن تو پیر صاحب کے ہاں نہ جا سکی۔ البتہ پیر صاحب ہانجن کے گھر چلے آئے۔ اور ہانجیوں ہی میں شامل ہو کر کشتی رانی کا کام کرنے لگے۔ ہانجیوں کی پیر قوم انہی پیر صاحب کی ذریات سے ہیں۔

علاوہ ازیں ہانجیوں میں مندرجہ ذیل ذاتوں کے لوگ بھی شامل ہیں، بڈیاری، چاپرے، ڈگے، کاوا، دونو، کل وٹو، وانگنو، بکتو، بطخ، گپنو، گلگو، ٹنڈا، چوہا، اکھرو، مشدا، بنار، کھان، ٹیٹھرو، سپلو، کولو، گورو، ڈنڈا، پالا، شگو، واتلو، اوتا، بڈا، رینہ داری، کندرو، بلاکی، ہکرو، گپن، راہ، مکروہ، کھار، کیرچ، بگو، ترنبو، شنو، تھاڑو، ناتھہ، تھپل، ونبو، بٹوا، بچلو، چھڈیلو، چٹھہ یا چاٹھہ، چونٹا، درابو، دوشابہ، ڈگ، ڈگو، ڈلو، ڈگ ہانجی، ڈگ سیرو، ڈار ہانجی، ففرو، فتنگ، گورا، گاڈار، گاڈہ ہانجی، گنجو، گاہی، گانی، گاشترو، گلو، گونچو، لگڑا، گنگو، گالاہ، ہرو، ہنڈو، جانڈا، خان ہانجی، خری، کرنادی، کاکاپورہ، کانجی، کھندرو، کھر، کالاوتھا، کالو، کچلو، کمرازی، کھترو، کلاش نچو، لٹو، ماکرو، منڈو، مانڈی جی، مٹالچونجی، مٹا، مار، مسکین، مہاجن، منڈلو، ناتھ، مارداری، ناؤ ناراچور، پختہ، پلاؤ، ردالو، سالارو، ان سب ذاتوں یا الوں کا کھوج نکالنا اور ان کی اصلیت دریافت کرنا

طول عمل بھی ہے اور مشکل بھی۔

البتہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہانجیوں کی بہت سی ذاتیں پنڈتوں اور مسلمانوں کی ذاتوں سے ملتی ہیں۔ اور یہ بھی مسلمہ امر ہے کہ ہانجی کوئی ذات نہیں بلکہ پیشہ ہے جس قوم کے جس شخص نے کسی وجہ سے ہانجیوں میں شمولیت اختیار کر لی۔ یا کشتی رانی کا کام شروع کر دیا۔ وہ ہانجی ہو گیا۔

ہانجیوں کی تعداد لارنس صاحب نے ۱۸۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۳۳۸۷۰* لکھی ہے۔ لیکن ۱۹۱۱ء کی مردم شماری میں اس قوم کی تعداد ۱۸۲۷۵ پائی گئی ہے۔ جس میں ۱۰۳۶ ہانجی جموں میں ہیں۔ اور باقی کشمیر میں آباد ہیں۔ بیس سال کے عرصہ میں کسی معقول وجہ کے بغیر ۱۵۵۷۰ ہانجیوں کا کم ہو جانا ایک نہایت تعجب خیز امر ہے۔ مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ہانجیوں میں سے جو لوگ تجارتی کاروبار کی وجہ سے مالدار اور صاحب اقتدار ہو گئے۔ وہ ہانجیوں کا پیشہ ترک کر دینے کی وجہ سے اپنی قدیم اصلی قوم میں واپس چلے گئے۔ بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے تعلیم حاصل کر کے کوئی اور کاروبار شروع کر دیا ہے۔ وہ بھی اس قبیلہ سے جو اپنی بد اخلاقیوں اور بد کرداریوں کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ علیحدہ ہو گئے۔

ہانجی آبی دنیا کی رونق وزینت ہیں۔ وہ پانی کے کیڑے ہیں۔ رات دن کے چوبیس گھنٹے ندی، نالوں، دریاؤں اور جھیلوں ہی میں بسر کرتے ہیں۔ غالباً کوئی ہانجی کاشتکاری اور زراعت کا کاروبار نہیں کرتا اور نہ کسی ہانجی کی کوئی زمین ہے۔ بلکہ جو لوگ زمیندارہ اقوام سے آ کر اپنے تعلقات کی وجہ سے ہانجیوں میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ بھی اپنی اراضیات سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ ان کی کلی مکان ان کی کشتیاں اور ہوس بوٹ ہی ہیں۔ ان میں شگو اور پتلو قوم کے بعض ہانجی بڑے مالدار گزرے ہیں۔ ایک ایک ہانجی کے دس دس بارہ ہاؤس بوٹ اور اتنی ہی کشتیاں تھیں۔

ہانجیوں کو ہاؤس بوٹ، کچن بوٹ اور شکارہ کا سالانہ ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ ٹیکس عموم ہر سال بڑھتا ہی رہتا ہے۔ جن گھاٹوں پر ہانجیوں کو بوٹ وغیرہ لگانے کا ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ منشی باغ، سٹوار باغ، چنار باغ، نسیم باغ، نگین باغ، ڈل گیٹ لوی بل، گاندربل۔ ہانجیوں کے متعلق اگر سیاحوں اور مسافروں کو کچھ شکایات ہوں تو ڈائریکٹر

---

* رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں ہانجیوں کی صحیح تعداد ۳۲۸۸۷ درج ہے۔

وزیٹرس بیورو کشمیر (مہتمم دربار) سے ملنا پڑتا ہے۔

ہانجیان سری نگر میں اب کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جو اپنے فرقہ کی برائیوں کو ندامت کے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کوششوں سے اس قوم میں اب کچھ اصلاحی کام بھی ہو رہے ہیں۔ بعض ہانجی دینداری کی طرف بھی مائل ہیں۔ چند ایک قومی کاموں میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔ سری نگر میں دو مجلسیں بھی ہانجیوں کی فلاح و اصلاح کے لیے قائم ہیں۔ ایک انجمن بہبودی ہانجیاں جو ۱۹۳۲ء سے قائم ہے۔ دوسری بوٹمین ایسوسی ایشن جو ۱۹۳۳ء سے قائم ہے ہانجی طبقہ کے کارکنوں مین عبدالخالق بڈیاری غفار * چاپرے، عبدالسلام المشہور امیر البحر اور محمد جوڈگے خاص طور پر مشہور ہیں۔

واتل

پنجاب میں جو کام بھنگی چوہڑے اور مہتر کرتے ہیں۔ وہی کام کشمیر میں واتلوں سے لیا جاتا ہے۔ واتل کشمیر کی ایک خانہ بدوش قوم ہے۔ اس کی سوشل طور پر دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو مردہ کھانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ مذہب اسلام سے رغبت رکھتے اور مسجدوں میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر دوسری قسم کے واتل سب قسم کے مردار کھا جاتے ہیں۔ اس لیے ان کو مسجدوں میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

واتل حقیقتاً ایک خانہ بدوش فرقہ ہے۔ جو اگر کسی جگہ بستی بنا کر مقیم بھی ہو جائے تو چند سالوں کے بعد آبائی فطرت اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اپنی بستیوں کو چھوڑ کر یہ لوگ پھر خانہ بدوش ہو جاتے ہیں۔ یہ اکثر چمڑہ صاف کرتے ہیں۔ اور بعض جوتے اور چپلیاں بناتے ہیں۔ جن کو اعلیٰ ذات کے واتل کہتے ہیں۔ ادنیٰ قسم کے واتل چمڑے کی ٹوکریاں بنا کر مہتروں یعنی چوہڑوں کا کام کرتے ہیں۔ اس قسم کے واتلوں کے ساتھ مسلمان کبھی کھانا نہیں کھاتے۔ بلکہ جس طرح پنجاب میں چوہڑوں کے مکانات قصبوں اور دیہاتوں سے الگ کچھ فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے گھر بھی عام زمینداروں کے گھروں سے کسی قدر فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ جہاں یہ مردہ گائے، بھینس اور بھیڑ بکری کے چمڑوں کو بناتے اور مرغیاں (فروخت کرنے کے لیے) پالا کرتے ہیں۔

* غفار چاپرے کا لڑکا محمد اقبال پرتاب کالج سری نگر میں پڑھ رہا ہے۔

لارنس صاحب لکھتے ہیں کہ واتل عورتیں دیکھنے میں خوبصورت ہوتی ہیں۔ اور بالعموم شہروں میں آکر ناچنے گانے اور فاحشہ عورتوں کا کام بھی کرتی ہیں۔ اور اس کی تصدیق رپورٹ مردم شماری سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں یہاں تک لکھا ہے کہ لفظ واتلانی فاحشہ عورت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ کشمیر کے تمام واتل ماہ جولائی میں لالہ باب کے مندر میں جو نسیم باغ کے قریب ہے جمع ہوتے ہیں۔ اور وہاں نہ صرف اپنی برادری کے سود و بہبود کے متعلق ہی بحث مباحثہ کرتے ہیں۔ بلکہ رشتہ ناطہ کی بات چیت بھی وہیں طے ہوتی ہے۔ لالہ بابی واتل لال بیگ کو نہیں مانتے۔ اس سالانہ جلسہ میں ان واتلوں کو ذات برادری سے خارج کیا جاتا ہے جو ان کے آبائی رسوم کے خلاف ہوتے ہیں۔ خارج شدہ واتل کچھ روپیہ تاوان دے کر برادری میں پھر شامل ہو جاتے ہیں۔ اور مردہ نہ کھانے کا حلف اٹھا لیتے ہیں۔ جس سے مسلمانوں میں بھی ان کی آمد و رفت ہو جاتی ہے۔ مردم شماری کشمیر ۱۹۱۱ء کے مطابق واتلوں کی تعداد کشمیر میں ۵۲۳۵ اور جموں میں ۱۲۳۲ ہے جو ہڑے جنھوں نے اپنے آپ کو مسلمان لکھوایا ہے کشمیر میں ۵۵۶ اور جموں میں ۱۳۰۵ ہیں اور جنھوں نے اپنے آپ کو ہندو لکھوایا ہے۔ ان کی تعداد جموں میں ۱۶ ہے۔

پنجاب میں عام طور پر چوہڑوں کی نکاح خوانی کی رسم مسلمان مولوی ہی ادا کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ سنا گیا ہے چوہڑوں سے رسم عقد خوانی کے وقت کلمے جو پڑھائے جاتے ہیں کشمیر میں بھی ایسا ہی رواج ہو رہا ہے۔ اور جس طرح پنجاب میں مسلمانوں کو یہ شکایت ہے کہ بعض نیم ملا محض طبع نفسانی کے لیے غیر اسلامی میت کا اسلامی طریق پر جنازہ پڑھاتے یا غیر مسلم لوگوں کی نکاح خوانی کرتے ہیں۔ اسی طرح کشمیر میں بھی یہ شکایت عام ہو رہی ہے۔ کہ بعض نیم مولوی محض پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لیے واتلوں کا جو مردار کھاتے ہیں۔ جنازہ اور عقد نکاح پڑھاتے ہیں۔ کشمیر میں بعض واتل جو چمڑہ کی گرانی کی وجہ سے کچھ خوشحال ہو گئے ہیں۔ واتلوں کی بجائے موچی کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ مردار مال مویشی کا چمڑہ خود اتارتے اور خود ہی رنگتے ہیں۔ مردار مویشی کا چمڑہ اتارتے اور خورد و نوش کے وقت لباس بھی ایک ہی رکھتے ہیں۔ اور مردار کی چربی کو بھی کفش سازی کے وقت عموماً استعمال کرتے ہیں۔ ان حالات کے باوجود ان میں سے جو خوشحال ہو گئے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان موچی کہتے ہیں

---

* رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء میں ہانجیوں کی صحیح تعداد ۳۲۸۸۷ درج ہے۔

اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں سے میل جول رکھا جائے مسلمان مولوی ہمارے مراسم شادی بھی شامل ہوں لیکن مسلمان کہتے ہیں کہ ہم ملاقات اور راہ ورسم کا برادرانہ قدم آگے ب کے لیے بالکل تیار ہیں۔ بشرطیکہ یہ خوشحال واتل اصلی اور صحیح معنوں میں شریعت اسلا پابند یعنی مسلمان ہو جائیں۔

پنڈتوں کا ایک گروہ بھی واتل کہلاتا ہے۔ اس کی کیفیت باب اول میں جہار پنڈتوں کی ذاتوں کا ذکر ہے ملاحظہ فرمایئے۔

تحصیل خاص سری نگر میں واتل باغ کے نام سے ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ جہا شماری ۱۹۱۱ء کے مطابق ۲۵۰ نفوس کی آبادی ہے۔

☆☆☆

باب ۵

نیپال، دہلی و یوپی، ممالک متوسط، بنگال و بہار صوبہ سرحد اور پنجاب کے بعض کشامرہ خاندان

دیباچہ

وطن کی محبت بڑی چیز ہے۔ بلکہ حب وطن کو من الایمان کہا گیا ہے۔ اور ترک وطن کے باوجود کشمیری وہ ہندو ہے یا مسلمان وہ لاہور میں ہے یا لکھنو میں اپنے قدیم وطن کشمیر کو کبھی فراموش نہیں کرتا۔ اور حب وطن صرف اسی بات کو نہیں سمجھتا کہ وطن کی محبت میں وطن سے باہر ہی نہ نکلے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی غیر معمولی ترقی و ذہانت کا ثبوت دینے کے لیے صعوبات سفر کی پروا نہیں کرتا، وہ دریاؤں کو پیرتا، پہاڑوں کو چیرتا اور میدانوں کو پھاندتا ہوا دنیا کے ہر گوشے میں نکل جاتا ہے۔ اور اپنی قابلیت و ذہانت سے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کرتا ہے۔ اور دہلی و لکھنو میں شاہان وقت کا اعتماد حاصل کر کے کہتا ہے۔

دلی مرحوم کے گلشن میں اور پہنچے لکھنو میں جب ''وزیر کل'' بنے

پنجاب اور بنگال میں ''کشمیری'' نے وطن سے باہر نکل کو جو عزت و وقعت حاصل کی اس کا ثبوت آج بھی وہ آنکھیں جنہوں نے تعصب کی پٹی اتار رکھی رہے۔ برابر دیکھ رہی ہیں اور ان حالات میں اگر ایک کشمیری مستانہ وار حسب ذیل اشعار کے مضامین کا کوئی نعرہ لگاتا ہے تو کچھ بے جا نہیں کرتا۔

جوش قومی ہے جو شیخ و شباب میں وہ ہم سے ہے آج جو رونق ہے کچھ پنجاب میں وہ ہم سے ہے

دیکھ لو ہر بزم قومی کو اگر باور نہ ہو انجمن وہ کیا جہاں کشمیر کا عنصر نہ ہو

کشمیر ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن اس مختصر سی سرزمین نے بڑے بڑے نامور فرزند

پیدا کیے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی شہرت و عظمت کی سمائی اس ملک کی ارض و سما میں جب نہیں ہو سکی تو وہ تجارت کے ذریعہ یا شاہان وقت کے دامن سے وابستہ ہو کر یا مقامی حکام کے ظلم و تشدد کا نشانہ بن کر یا آفات سماوی وارضی کی تکالیف اٹھا کر غرض جس حیثیت سے بھی خاک وطن کے یہ فرزند وطن سے باہر نکلے۔ آسمان شہرت پر ایک روشن ستارہ بن کر چمکے۔ اور کیوں نہ چمکتے؟ فوق

ذرۂ خاک وطن گردِ رہ منزل نہ تھا ‌ ‌ ‌ مثل انجم ضوفشاں ہوتا نہ کیونکر اے فلک

کشمیر کے یہ ستارے آج بہار و بنگال میں بھی ہیں۔ نیپال کی دور دراز ریاست میں بھی ہیں۔ ہندوستان کے دل یعنی ممالک متوسط میں بھی ان کو تھوڑی بہت جگہ مل گئی ہے۔ مملکت آصفیہ میں بھی ان کی قابلیتوں کے جوہر ان کی شہرت کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ صوبہ سرحد اور افغانستان میں تو یہ ہزار ہا بلکہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ گو جدید وطن کے تمدن و معاشرت نے ان پر افغانی رنگ چڑھا دیا ہے۔ پنجاب اور دہلی اور لکھنو اور بنارس و آگرہ میں بھی ان کی معقول تعداد ہے۔

اسی سلسلہ میں سب سے پہلے نیپال کے کشمیری مسلمانوں کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ جو خواجہ محمد اسحاق و محمد آفاق ازن جنرل مرچنٹس شہر کھٹمنڈو دارالحکومت نیپال نے ارسال کیے ہیں۔

نیپال کے کشمیری مسلمان

قریباً اڑھائی تین سو سال کا زمانہ گزرتا ہے کہ کشمیر کی ایک تجارتی جماعت براہ لاسہ یا لہاسہ جو تبت کا دارالسلطنت ہے پہنچی۔ کچھ آدمی وہاں مقیم ہو گئے۔ کچھ نیپال تک جا پہنچے۔ اس کی آب و ہوا کشمیر و تبت کے مقابلہ میں معتدل تھی۔ کشمیریوں نے جو کشمیر و تبت کی سردی اور برف کے ستائے ہوئے تھے خطہ نیپال کو موافق و مرغوب پا کر یہیں بود و باش اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں نیپال بھی تبت کی طرح چین کا ایک صوبہ تھا۔ اس لیے کئی لوگ آگے بڑھتے بڑھتے چین تک بھی پہنچ گئے۔ جس زمانہ میں کشمیر سے یہ تجارتی گروہ نیپال اور نیپال سے آگے گیا ہے۔ وہ زمانہ کشمیر میں مغلوں کی حکومت کا تھا۔ چونکہ کشمیر میں حکومت کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اس لیے شہروں

اور قصبوں کے اکثر لوگ فارسی دان تھے بلکہ اپنے آپ کو اہل فارس کا ہم پلہ سمجھتے تھے۔ جب یہ ذی علم و مقتدر لوگ ایک جدید تہذیب و تمدن لے کر نیپال پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے اپنے ملک کا دامن ان کے لیے کشادہ کر دیا۔ بلکہ حکومت نے ایسی مراعات دے کر وہاں آباد کیا کہ اس زمانہ میں خود اس ملک کی رعایا ان حقوق سے محروم تھی۔ اس زمانہ کی متعدد شاہی فرامین ہنوز نیپال کے کشامرہ کے پاس موجود ہیں۔ منجملہ ان کے بعض فرمان تار کے پتے پر لکھے ہوئے ہیں۔ جن پر مٹی کی مہریں ثبت ہیں۔ جو اس زمانہ کے چینی و نیپالی تمدن و تہذیب کی مظہر ہیں۔

جماعت کشامرہ کی آمد سے پیشتر نیپال چینی صوبہ ہونے کی وجہ سے گوشہ جمود میں پڑا ہندوستان اور باہر کے حالات سے بالکل نابلد تھا۔ اس جماعت کے آنے سے ہندوستان اور کشمیر کے حالات سے ان لوگوں کے کان آشنا ہونے لگے۔ کشمیر سے لداخ وہاں سے لہاسہ۔ لہاسہ سے نیپال آج بھی ایک دشوار سفر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن آج سے ڈھائی سو سال پہلے ان پہاڑی راستوں کی صعوبتوں اور دشواریوں پر نظر ڈالنے سے کشمیر کی اس تاجر جماعت کی اولوالعزمی بخوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے۔ کشمیر سے نیپال کا راستہ بھی اسی جماعت نے دریافت کیا تھا۔ یہ جماعت زیادہ تعداد میں کپڑا (پٹو۔ ریشم۔ پشمینہ) اور کم تعداد میں بساط خانہ کی چیزیں لایا۔ اور یہاں سے مشک سونا اور چائے لے جایا کرتی تھی۔

حکومت کی مراعات اور دارجیلنگ کے جدید راستہ نے کشامرہ کی آمد و رفت کا سلسلہ ایسا بند کیا کہ جو کشمیری جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کشمیری فرقہ و قبائل جو نیپال میں موجود ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ سادات، خجو ال، حریف، متو، گانی، انزن، بابا، مسلی، عشائی، میر، جہاز، جو قبائل موجود تھے مگر اب زمانہ نے نیپال میں ان کا نام مٹا دیا ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ لون، خلق دار، بٹ، خطیب، بیگ وغیرہ۔

فرقہ سادات میں نقشبندیہ خاندان حضرت خواجہ خاوند محمود کی چھٹی پشت سے خواجہ محمد سعید کے فرزند خواجہ سید حسن شاہ کشمیر سے نیپال آئے۔ اب ان کے صاحبزادے سید یوسف شاہ کشمیری مسجد کے پیش امام ہیں۔ آپ کی پیدائش نیپال ہی کی ہے۔ آپ کے ایک برادر زادہ سید غلام شاہ نقشبندی عظیم آباد پٹنہ میں ہیں۔ جن کا ذکر اہل خطہ بہار کے سلسلہ میں آئے گا۔ یہاں ایک کشمیری بازار بھی ہے جس میں کبھی تاجر پیشہ کشمیری مسلمانوں کی کثرت تھی۔ پرانی یادگاروں

میں ایک قبرستان کشمیری تکیہ کے نام سے موسوم ہے۔ منجملہ اور قبروں کے دو بزرگ حاجی مسکین شاہ وشاہ غاث شاہ اسی قبرستان میں آرام فرما ہیں۔ مسلمانوں میں پہلا قدم انہی دو بزرگوں کا نیپال میں آیا ہے۔ یہ قبرستان قریباً دواڑھائی سو سال سے کشمیریوں کے قبضہ میں ہے۔ ایک مسجد جامعہ ایک باغ اس تکیہ سے ملحق ہے۔

کشمیریوں نے نیپالی زبان اور نیپالی تمدن اختیار کر کے رفتہ رفتہ سرکاری عہدے بھی لینے شروع کر دیئے ہیں۔ اور بعض تو بڑے بڑے جلیل القدر عہدوں پر پہنچے۔ اور گو بہت سے خاندان مٹ گئے ہیں۔ اور اب صرف نیپال میں پچاس ساٹھ گھر کشمیریوں کے آباد ہیں۔ لیکن ان حالات میں بھی دیگر مسلمانوں کی نسبت معزز وذی حیثیت سمجھے جاتے ہیں۔ اکثر تجارت پیشہ ہیں۔ کچھ معافی دار ہیں۔

نیپال کے سرکاری سکول میں ابھی تک ایک کلاس فارسی کی ہے۔ فارسی کا چرچا یہاں کشمیریوں کی بدولت ہی ہے۔ اور سکول میں بھی انہی کی کوشش سے اس کا اجرا ہے۔ اور ابتدا سے لے کر آج سے پانچ سال قبل تک فارسی مدرسی کا عہدہ کشمیریوں ہی کی میراث تھا۔ مگر خواجہ غلام محمد کے انتقال کر جانے سے یہ عہدہ نہ صرف کشمیریوں کے ہاتھ سے بلکہ عوام مسلمانوں کے قبضہ سے بھی نکل گیا۔

عرصہ دراز سے نیپالی کشمیریوں کی کشمیر میں آمدورفت بند تھی۔ پہلی مرتبہ ۱۳۴۷ھ میں خواجہ محمد اسحاق ازن چند دوستوں کے ہمراہ کشمیر آئے۔ اسی سفر میں وہ بمقام لاہور راقم الحروف سے بھی ملے۔ راقم نے ان کو چند تعارفی خطوط بھی لکھ کر دیئے۔ ان خطوط سے ان کو بہت آرام ملا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "کشمیر پہنچ کر آپ کے مرحمتی خطوط کی بدولت نہایت عافیت سے قیام کے دن گزارے۔ اور بہت سے یگانوں کا پتہ چلا۔ چنانچہ برج برارہ (بج بہارہ) میں میں نے اپنے خاندان والوں کو پایا۔ نحیف کے اجداد سے مفتی ضیاء الدین پانچ پشت میں تھے۔ ان کی قبر کی زیارت سے مشرف ہو۔ میرے ایک ہمراہی متو نے زینہ کدل میں اور ایک ہمراہی گانی نے کریم آباد میں اپنے متعلقین سے ملاقاتیں کیں۔

نیپال میں کشمیریوں کے علاوہ عام مسلمانوں کے ایک سو گھر ہیں۔ یہ مسلمان اطراف ہندوستان سے غدر دہلی (۱۸۵۷ء) یا اور وجوہات کی بنا پر نیپال آ کر آباد ہو گئے تھے۔ چالیس

سال قبل یہاں کے مسلمانوں کی جو مردم شماری ہوئی تھی۔ آج مسلمانوں کی تعداد جن میں یہاں کے کشمیری بھی شامل ہیں۔ نصف یا نصف سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ مسلمان خواب غفلت میں ہیں۔ اور گزشتہ اقتدار حاصل کرنے کی کوئی فکر نہیں۔ سرکاری دفاتر ان کے وجود سے بالکل خالی ہیں۔ ان کی علمی قابلیت اور نسلی ارتقائی حالت نہایت خراب ہے۔ چونکہ خود بھی اپنے مستقبل سے لاپرواہ ہیں۔ اس لیے حکومت کی نظروں میں بھی ان کی چنداں وقعت نہیں۔

ممالک متوسط کے اہل خطہ مسلمان

محمد جوائیں امرتسر کا ایک اولوالعزم کشمیری تاجر تھا۔ اس کے بزرگ کشمیر سے امرتسر آئے تھے۔ قریباً ۹۰ سال قبل کا ذکر ہے کہ وہ تجارتی سلسلہ میں امرتسر سے ممالک متوسط جا پہنچا۔ اور دس بارہ سال کے عرصہ میں خدا نے اس کی تجارت کو اتنا فروغ دیا۔ کہ اس نے امرتسر کی بجائے وہیں طرح اقامت ڈال لی۔

بسنہ ضلع رائے پور سے بابو غلام محمد صاحب بٹ سوداگر چرم نے جو بسنہ ہی میں ہی رہتے ہیں۔ راقم الحروف کو اپنے ۲۶ اپریل ۱۹۲۶ء کے گرامی نامہ میں خواجہ محمد جوائیں اور دیگر کشامرہ ممالک متوسط کے کچھ حالات لکھے تھے جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

بسنہ ضلع رائے پور میں ایک موضع ہے۔ جہاں ہندی بھاشا کا رواج ہے۔ یہاں دیگر مسلمانوں کے علاوہ چار گھر کشمیری مسلمانوں کے بھی آباد ہیں۔ کشمیری مسلمان یہاں آ کر کس طرح آباد ہو گئے۔ اس کی کچھ کیفیت لکھی جاتی ہے۔

یہاں ایک بہت بڑے زمیندار تھے۔ جن کو راجہ صاحب کہتے تھے۔ علاوہ اور لوگوں کے خواجہ محمد جوائیں کے تجارتی تعلقات ان کے ساتھ بھی تھے۔ وہ ہر سال یہاں آیا کرتے تھے۔ اور تجارت کے ذریعہ کافی روپیہ کما کر لے جایا کرتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ان کے تعلقات یہاں اس قدر وسیع ہو گئے کہ آخر انہوں نے امرتسر کی بجائے بسنہ ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ خواجہ محمد جوائیں نے رفتہ رفتہ ۳۷ مواضعات حاصل کر لیے۔ اگر اس کی زندگی وفا کرتی تو کچھ تعجب نہ تھا کہ وہ بھی یہاں کا ایک اعلیٰ زمیندار ہو کر راجہ یا نواب کے لقب سے ملقب ہو جاتا۔ لیکن وہاں کے جدید

بندوبست کے دوران میں جس کو آج قریباً تیس سال گزر چکے ہیں وہ گاؤں جن پر ان کی طرف سے منیجر اور مال گزار مقرر تھے۔ کسی نہ کسی طرح ان کی اولاد کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور صرف وہ ۱۳ دیہات ان کے قبضہ میں رہ گئے جن پر ان کی اولاد براہ راست کاشتکاری کیا کرتی تھی۔ آج بابو غلام رسول وانی اپنے دادا کی گدی پر متمکن ہیں۔ آپ کے چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہے۔ ان سب کو آپ نے ایک ایک گاؤں دیا ہوا ہے۔ ان کے علاوہ تین خاندان اور بھی یہاں کشمیری مسلمانوں کے ہیں اور وہ سب تجارت پیشہ ہیں۔ اور خدا کے فضل سے مرفع الحال ہیں۔

بنگال کے اہل خطہ مسلمان

ڈھاکہ میں خواجہ نصرت جنگ نائب ناظم تھے۔ دہلی میں اکبر شاہ ثانی کی برائے نام بادشاہی تھی۔ پنجاب اور کشمیر میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی کہ اس خاندان کے دو بھائی جن کی اولاد آج ڈھاکہ میں ''نوابی خاندان'' کہلا رہی ہے۔ سکھوں کے ظلم سے تنگ آ کر کشمیر سے نکلے یہ سب بھائی اہل علم تھے اور صاحب عمل۔ دہلی میں فریاد لے کر پہنچے۔ مگر اس زمانہ (۱۸۳۲،۲۳ء) کی دہلی میں کیا ہو رہا تھا۔ مایوس ہو کر یہ مختصر سا لٹا ہوا قافلہ بنگال آیا۔ اور سہلٹ میں (جو اس وقت بنگال ہی میں شامل تھا) فروکش ہوا۔

اس خاندان کے مفصل حالات تاریخ ڈھاکہ اور مشاہیر کشمیر میں درج ہیں۔ اس لیے یہاں مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے۔

دونوں بھائیوں نے صاحب علم ہونے کے باوجود تجارت کا سلسلہ شروع کیا اور اس کو یہاں تک فروغ دیا کہ ایک بھائی سلہٹ میں رہا اور ایک ڈھاکہ میں۔ سلہٹ (جواب آسام میں شامل ہے) والا سلسلہ بھی ابھی تک قائم ہے۔ اور وہاں مولوی خواجہ عبدالقادر نام ایک شخص اچھے خاصے زمیندار صاحب علوم بلکہ صاحب تصانیف رئیس اس خاندان میں گزرے ہیں۔ ان کے واحد صاحبزادہ خان بہادر مولوی محمد یحییٰ تھے۔ کئی برس ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ جائداد کی آمدنی ساٹھ ہزار سالانہ ہے۔

دوسرے بھائی کا نام خواجہ احسن اللہ تھا۔ ان کے لڑکے خواجہ علیم اللہ عرف علی

میاں بڑے ہوشیار اور حکام رس تھے۔ انہوں نے برما کی پہلی لڑائی میں سرکار کمپنی کو بڑی مدد دی۔ وہ بنگال کے نامور زمینداروں میں تھے اور بڑے کثیر الاولاد تھے۔ ۱۸۵۴ء میں انتقال کر گئے۔ ان سب لڑکوں میں خواجہ عبدالغنی کو جو بڑے زیرک تھے، جانشین کر کے باقی سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ خواجہ عبدالغنی پہلے خان بہادر پھر نواب پھر خاندانی نواب پھر کے۔ سی ایس۔ آئی۔ پھر سب کچھ ہوئے۔ خواجہ علیم اللہ نے اپنے تمام بھائیوں کو کسی طرح راضی کر کے ایک وقف قائم کیا تھا۔ جو اب تک موجود ہے۔ اور جس کی آمدنی آج کل تقریباً پانچ لاکھ روپیہ سالانہ ہے۔ اس خاندان میں اسی زمانہ سے ایک خاندانی وقف بھی ہے۔ جس سے تمام برادری بقدر وراثت حصہ پاتی ہے یہ وقف بھی پونے دو لاکھ کی سالانہ رقم سے کم نہیں۔

نواب سر عبدالغنی کے متعلق تاریخ ڈھاکہ میں لکھا ہے کہ ان سا با اقبال مسلمان بنگال میں کوئی پیدا نہ ہوا۔ ان کی ذات سے سارے بنگال کی عزت تھی۔ نواب عبدالغنی ۱۸۹۶ء میں انتقال کر گئے۔ نواب سر خواجہ احسن اللہ ان کے دو فرزند تھے۔ جو باپ کی زندگی ہی میں کے۔ سی۔ آئی۔ ای ہو گئے تھے۔ خاندانی جائداد کے علاوہ مرتے وقت ان کی ذاتی جائداد کی آمدنی قریباً پانچ لاکھ سالانہ تھی۔ جس سے ان کی اولاد مذکور رواناث حصہ پا رہی ہے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے نواب سر احسن اللہ نے کشمیر کی طرف کچھ توجہ کی۔ جنہوں نے خانقاہ نقشبندیہ کی تعمیر و مرمت میں پانچ چھ ہزار روپے کی اعانت کی۔ ۱۹۰۱ء میں آپ انتقال کر گئے۔ نواب سر خواجہ سلیم اللہ آپ کے جانشین نے مسلمانان بنگال و ہند کی فلاح و بہبود میں بڑا حصہ لیا۔ وہ اپنے خاندان میں سب سے پہلے امرت سر تک آئے۔ جہاں آپ نے اپنے صدارتی خطبہ ایجوکیشنل کانفرنس میں اپنے کشمیری النسل ہونے پر فخر کا اظہار کیا۔ اور امرتسر کو کشمیری آبادی کی کثرت کے لحاظ سے کشمیر ثانی کا خطاب دیا۔ یہیں آپ نے اپنی کشمیری برادری کے ساتھ اپنا فوٹو کھچوایا۔ جس کی پچاس کاپیاں برادران اہل خطہ کو تقسیم کرنے کے لیے راقم مولف کے نام بھجوائیں۔ آپ کا نام معہ خطاب اس طرح تھا۔ ''نواب بہادر نواب سر خواجہ سلیم اللہ جی سی آئی ای کے سی ایس آئی۔'' آپ عین عالم شباب میں بماہ جنوری ۱۹۱۵ء انتقال کر گئے۔ پیدائش ۱۸۸۴ء میں ہوئی تھی۔ گورنر بنگال بھی آپ کے جنازہ میں شامل تھے۔ اگر آپ کی زندگی وفا کرتی تو کچھ شک نہیں کہ مہاراجہ بنارس کی طرح آپ بھی ہز ہائی نس نواب ڈھاکہ کہلا کر ایک جدید ریاست کی بنا ڈال جاتے۔

نواب سر سلیم اللہ کی چار بیگمات تھیں۔ جن سے چار لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں۔ ان

میں سے ہر ایک کو ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ ان کے جانشین لفٹیننٹ نواب خواجہ حبیب اللہ ہیں۔ جو تین چار سال ہوئے مسلم کشمیری کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے لاہور بھی تشریف لائے تھے۔ آپ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہیں۔ اور قومی و اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔

اس نامور خاندان کے چند مشہور افراد حسب ذیل ہیں۔

نواب زادہ خواجہ نصر اللہ خلف نواب سر سلیم اللہ مرحوم۔

* خان بہادر نواب خواجہ محمد یوسف مرحوم۔

نواب زادہ خواجہ محمد افضل خلف نواب خواجہ محمد یوسف مرحوم۔

* خان بہادر خواجہ محمد اعظم سابق ممبر بنگال لیجس لیٹیو کونسل

آنریبل خواجہ ناظم الدین احمد ایم اے کنٹب بار ایٹ لا سی۔ آئی۔ ای منسٹر ایجوکیشن بنگال۔

آنریبل خان بہادر سید عبدالحفیظ چودھری ممبر اسٹیٹ کونسل (نواسہ سر احسن اللہ مرحوم)

خواجہ محمد اسماعیل رئیس اعظم ڈھاکہ۔

ڈھاکہ کے اس مشہور خاندان میں اردو فارسی کے کئی نامور شاعر بھی گزرے ہیں۔ جن میں نواب سر احسن اللہ شاہین، ان کے استاد خواجہ عبدالغفار اختر، خواجہ اسد اللہ کوکب، خواجہ عبدالرحیم ضیا بنگال کے ممتاز شاعروں میں تھے۔ اب بھی نواب زادہ خواجہ محمد افضل اور خواجہ بیدار اور کئی اصحاب موجود ہیں۔

اس خاندان کے افراد کی تعداد زن و مرد ملا کر ۲۵۰ کے قریب ہے۔ اس خاندان کو کشمیر سے آئے ہوئے ایک سو سال گزر چکا ہے۔ چونکہ ڈھاکہ یا سلہٹ میں اس زمانہ میں اور کوئی کشمیری خاندان نہ تھا۔ اس لیے ان کو مقامی مسلمانوں کے ساتھ رشتے ناطے کرنے پڑے۔ اصل

---

* اصل میں آپ سادات بخاری ہیں پٹنہ سے ان کے باپ خواجہ محمد مہدی آئے تھے جو سر عبدالغنی کے داماد تھے۔

** اس خاندان میں نواب سر سلیم اللہ مرحوم اور ان کے جانشین نواب حبیب اللہ کے علاوہ خان بہادر خواجہ محمد اعظم اور ان کے والد خواجہ شہزادہ مرحوم سے راقم مؤلف کو نیاز حاصل ہے۔ خان بہادر محمد اعظم ۱۹۱۳ء میں بمقام سیالکوٹ کشمیری مسلم کانفرس کے صدر ہو کر تشریف لائے تھے آپ کے دونوں فرزند خواجہ محمد عادل و خواجہ محمد اجمل صاحب اولاد ہیں۔

گوت کا ڈھاکہ میں اس خاندان کو اب کوئی پتہ نہیں۔ البتہ سری نگر میں اس خاندان کے بانڈے ہونے کی روایات ابھی تک قائم ہیں۔ بانڈے خاندان کے حالات مغل اقوام کے سلسلہ میں لکھے جا چکے ہیں۔ اب یہ خاندان چونکہ بہت پھیل چکا ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کا سلسلہ آپس ہی میں ہوتا ہے۔ گو خاندان سے باہر بھی کم و بیش مثالیں ملتی رہتی ہیں۔

ڈھاکہ میں خواجہ غلام نبی پشمینہ کے ایک مشہور کاشمیری تاجر ہیں۔ وہ تیس پینتیس سال سے ڈھاکہ ہی میں مقیم ہیں۔ وہیں انہوں نے شادی کر لی ہے۔ اصل وطن لاہور ہے۔

کلکتہ میں بھی چند اکثر کشمیری خاندان موجود ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ پیشتر ''مسیح جی'' خواجہ غلام محی الدین کی تجارتی کوٹھی کلکتہ میں ایک مشہور تجارتی فرم تھی۔ اور غالباً اب بھی ہو گی۔ خواجہ غلام محی الدین کے عزیزوں میں کچھ نیپال میں موجود ہیں۔

راقم مؤلف جب ۱۹۱۸ء میں ڈھاکہ گیا۔ تو کلکتہ میں ملک مصطفیٰ امرتسری تاجر پشمینہ کے پاس ٹھہرا۔ ان کی وساطت سے میں کلکتہ کے ایک نامور تاجر چرم عبدالغنی صاحب سے جو صدر دین لین میں رہتے تھے ملا۔ جیسا کہ انہوں نے خود فرمایا۔ وہ چار پشت سے کلکتہ میں رہتے ہیں۔ ن کے بزرگ کشمیر سے آئے تھے۔ مجھ سے مل کر انہوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور مسلم کشمیری کانفرنس اور کشمیری اخبار کو معقول مدد دی۔ اور میری تمام تصانیف خرید کر میری حوصلہ فزائی فرمائی۔

صوبہ سرحد کے اہل خطہ مسلمان

صوبہ سرحد اور افغانستان میں کشمیر کے مہاجر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ ثمیر کے پیر عبدالغنی شاہ بخاری مخدومی سکنہ چیواڑہ تحصیل بڈگام جو ہر دوسرے تیسرے سال اب میں آتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ فرماتے تھے کہ ''پشاور کی تحصیل چارسدہ کے ایک موضع ا پندرہ بیس گھر ڈار قوم کے آباد ہیں۔ جو ہمارے مرید ہیں۔ اور جہاں ہم آج سے دس برس تر تک جاتے رہے ہیں۔ ان میں اور پٹھانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ زبان کشمیری سے قطعاً رطرز ماند و بود، افغانی، پنجابی زبان سے ناواقف ء زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم کا مسئلہ

تھا۔ خاطر تواضع ضرور کرتے تھے۔ لیکن اجنبیت و بیگانگی نے جو بے لطفی و بدمزگی کر رکھی تھی اس کی وجہ سے اب وہاں کا جانا متروک ہے۔"

خاص پشاور میں کئی جلیل القدر خاندان اہل خطہ مسلمانوں کے ہیں۔ ایک مرتبہ پشاور کے اہل خطہ مسلمانوں نے پشاور میں مسلم کشمیری کانفرنس کے سالانہ جلسہ کے انعقاد کی کوشش بھی کی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں سرحدی صوبہ صحیح معنوں میں سرزمین بے آئین تھا۔ اس لیے اجازت نہ ملنے کے باعث یہ جلسہ نہ ہو سکا۔

پشاور میں حاجی صفدر علی سوداگر قالین قصہ خوانی، حاجی جان محمد سوداگر سرکی دروازہ، ملک محبّ علی رئیس، میاں * عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لاء۔

آغا سید ** اعجاز حسین رضوی اور کئی اور اصحاب کے نامی خاندان موجود ہیں۔

پشاور کے خواجہ فضل الٰہی ٹاک پنشنر سب انسپکٹر پولیس مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے مشہور ہمدردوں میں ہیں۔

دہلی اور یُو پی کے اہل خطہ

پنجاب سے جو لوگ بہ سلسلہ تجارت وغیرہ دہلی اور مراد آباد وغیرہ شہروں میں گئے وہ شیخ تھے یا مغل یا کسی اور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ سب پنجابی کہلائے۔ اب ان کی ذریات وہاں پنجابی قوم سے موسوم ہے۔ بلکہ مراد آباد میں پنجابی کانفرنس کے نام سے ان کی ایک انجمن بھی ہے۔ اسی طرح جو لوگ کشمیر سے باہر نکلے وہ پنجاب میں رہے یا لکھنو اور دلّی میں وہ سب کشمیری کہلائے۔

دلی میں مغلوں کے زمانہ میں کشمیریوں کی آمد و رفت شروع ہوتی ہے۔ بلکہ اسی زمانہ

* میاں عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لاء پشاور کے خاندانی حالات ان کے برادر مرحوم کپتان عبدالرحمٰن بے شہید کے سلسلہ میں "مشاہیر کشمیر" میں درج ہیں۔ ان کے والد میاں غلام صمدانی بارہ مولا کے رہنے والے تھے۔

** آغا سید اعجاز حسین رضوی لیڈر شعیہ کمیونٹی صوبہ سرحد کے خاندانی حالات ان کے والد مرحوم آغا سید فضل علی شاہ کے تذکرہ میں "مشاہیر کشمیر" میں درج ہیں۔

میں کئی لوگوں نے دلی ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ کئی قابل اور زیرک کشمیری اکبر اور جہانگیر اور شاہجہاں اور عالمگیر کی علمی قدر دانیوں کی بدولت کھچے چلے آئے۔ فرخ سیر کے زمانہ میں محمد مراد بخش کے نام سے دہلی میں ایک کاشمیری گزرا ہے۔ جس نے رفتہ رفتہ یہاں تک ترقی کر لی تھی کہ بادشاہ نے اس کو رکن الدولہ اعتقاد خان کا خطاب اور ہفت ہزاری دہ ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ اور مراد آباد اس کی جاگیر میں دے کر نام اس کا رکن آباد رکھا۔

محمد شاہ کے آخری عہد میں دہلی کے ایک اور کاشمیری خاندان میں خواجہ فرید الدین احمد ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ یہی خواجہ فرید الدین احمد آگے چل کر نواب دبیر الدولہ امین الملک خواجہ فرید الدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ وزیر اعظم اکبر شاہ ثانی کہلائے۔

۱۹۱۱ء میں ان کی اولاد سے خواجہ فخر الدین احمد اور خواجہ مصلح الدین احمد دو بھائی موجود تھے۔ ان دونوں کا نام نواب خواجہ قاسم علی خاں عرف نواب خواجہ شرف الدین احمد خان تھا۔ وہ نواب خواجہ ہاشم علی خاں اور وہ نواب زین العابدین احمد خاں اور وہ نواب دبیر الدولہ کے فرزند تھے۔ سر سید احمد خاں بانی علی گڑھ کالج عزیز النساء بیگم دختر نواب دبیر الدولہ کے بطن سے تھے۔ اس طرح سر سید احمد خاں اور ان کی اولاد میں بھی کشمیری خون موجود ہے۔

ملا ابوالفیض گنائی کشمیر کے معزز طبقہ سے تھے۔ وہ دہلی آئے اور دہلی ہی کی خاک میں مل گئے۔ ان کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر (۳۰۲ صفحہ) میں درج ہے ”درخط وانشاء فرد یکتا بود۔ ورد خدمت حاجی محمد تلمذ نمودہ واز مولانا حسام الدین درشاہجہان آباد ہم استفادہ نمود“ دہلی فوت شد۔

مفتی صدر الدین خان صدر الصدور دہلی کا ذکر شعراء کے اکثر تذکروں میں ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد کشمیر ہی سے آئے تھے۔ مفتی قوام الدین خلف مفتی شریف الدین نے مفتی صدر الدین کو اپنے خاندان کا ایک فرد لکھا ہے۔ صاحب تذکرہ روضۃ الابرار ان کو بانڈے لکھتے ہیں۔ بہر حال یہ ثابت ہے کہ آپ کشمیری تھے۔ آزردہ تخلص تھا۔ ذوق، مومن، غالب، صہبائی، شیفتہ سب ان کی قادر الکلامی کے قائل تھے۔ ۱۲۰۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء مطابق ۱۲۵۸ھ کو دہلی ہی میں انتقال کر گئے۔

غدر ۱۸۵۷ء میں جب مفسدوں نے جہاد کے فتویٰ پر آپ سے زبردستی مہر لگوائی تو آپ نے مہر کے ساتھ یہ الفاظ بھی لکھ دیئے۔ ”فتویٰ بالجبر“ مفسدوں نے اس لفظ کو بالخیر سمجھ کر

چنداں پروانہ کی۔ ہنگامہ غدر فرد ہونے کی بعد جب بادشاہی کاغذات سے یہ فتویٰ نکلا تو گرفتار ہو گئے۔ تمام جائیداد ضبط ہو گئی۔ جواب طلب ہوا تو آپ نے فتویٰ بالجبر ثابت کر کے رہائی پائی۔

مرزا غالب نے ایک دیوانی مقدمہ میں جو صدر الصدور کی عدالت میں دائر تھا۔ جب بطور دعویٰ یہ شعر پڑھا۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے یہ ہم   رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

تو مفتی صدرالدین خاں نے قرض کا روپیہ اپنے پاس سے ادا کر کے ان کو رہا کرا دیا۔

گیارہویں صدی ہجری کے نامور شاعروں میں دہلی کے سید انشاء اللہ خاں انشاء اپنی شاعرانہ لطافت ونزاکت اور بذلہ سنجیوں کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں اور دیگر تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد کشمیر ہی سے آئے تھے۔ آب حیات کے صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے بعض کہتے ہیں خطہ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں۔ وہاں کسی زمانہ میں سمرقند سے آئے تھے۔ ان کے والد حکیم میر ماشاء اللہ خاں جب مرشد آباد میں نواب سراج الدولہ کی رفاقت میں تھے۔ تو ۱۸ ہاتھی دروازہ پر جھومتے تھے۔ سید انشاء وہیں پیدا ہوئے۔ اور شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں دہلی آئے۔ بادشاہ کے مزاج میں یہاں تک رسائی تھی کہ وہ ایک دم کے لیے بھی ان کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے۔ دریائے لطافت کلیات انشاء اور کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں۔ ان کے والد مرشد آباد سے دہلی آ کر شاہی طبیبوں اور شاہی امراء میں داخل ہوئے۔ یہیں سید انشاء نے ۱۲۳۳ء میں وفات پائی۔

دہلی میں شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں نواب عبدالاحد خاں خلف نواب مجید الدولہ عبدالمجید خاں کاشمیری ایک نامور امیر گزرے ہیں۔

لکھنؤ میں تین قسم کی کشمیری ہیں۔ اول کشمیری پنڈت جو لکھنؤ کے علاوہ فیض آباد، بنارس، الہ آباد، کانپور، گوالیار، جے پور، اودے پور اور سنٹرل انڈیا کی کئی ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان میں جسٹس شمبھو ناتھ۔ آنریبل پنڈت اجودھیا ناتھ۔ آنریبل پنڈت بشمبر ناتھ پنڈت دیا شنکر نسیم *۔ پنڈت دلآرام کول۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ پنڈت

* مشہور مثنوی گلزار نسیم کے مصنف تھے۔ خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد اور شاہی فوج میں وکیل تھے۔ ان کے والد کا نام منشی گنگا پرشاد کول تھا۔ ۱۸۴۳ء میں بعمر ۳۲ سال انتقال کر گئے۔

بشن نرائن در بیرسٹر ایٹ لا۔ پنڈت برج نرائن چکبست بہت مشہور گزرے ہیں۔اب بھی ان میں بڑے بڑے قابل جوہر موجود ہیں۔جن کے کچھ نام کشمیری پنڈتوں کے باب میں گوتوں و ذاتوں کے سلسلہ میں درج ہیں۔ چند نام حسب ذیل ہیں۔

پنڈت شام سندر در اکسائز کمشنر یو۔ پی۔ پنڈت شام کشن در ایڈووکیٹ الہ آباد، پنڈت وشوناتھ ٹھلل ایڈووکیٹ کانپور۔ پنڈت جگ موہن مشران جج بستی رائے بہادر پنڈت مہاراج نرائن چکبست میونسپلٹی افسر کشمیری محلہ لکھنؤ پنڈت برج موہن ناتھ چک بیرسٹر ایٹ لاء لکھنؤ، پنڈت اقبال نرائن گورٹو وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی، پنڈت رگونندن لعل در ڈپٹی کلکٹر بنارس، ڈاکٹر بھاگیرتھ ناتھ کول علی گڑھ یونیورسٹی۔رائے بہادر ودیارتن پنڈت نندلعل ہکو الور سٹیٹ۔ پنڈت شوناتھ ہکو سب جج ہردوئی۔ پنڈت دینا ناتھ سپروانکم ٹیکس افسر الہ آباد۔رائے صاحب پنڈت دھرم نرائن راز دان کانپور۔ پنڈت جگدیشور ناتھ کول سب جج فتح پور۔ پنڈت پرومن کشن کول سب جج سیتاپور۔

لکھنؤ میں دوسری قسم کے کشمیری شیعہ ہیں۔جن کا نوابان اودھ کے زمانہ میں بڑا زور رہا ہے۔اور اب بھی ان میں کئی رؤسا موجود ہیں۔نواب میرزا محمد سجاد علی خان اور نواب میرزا باقر علی خاں اور دیگر نوابان شیش محل ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔خواجہ محمد اسد اللہ اسد تخلص جو لکھنو کے مشہور شیعہ اخبار سرافراز کے ایڈیٹر اور لکھنؤ کے قابل شاعروں میں ہیں۔کشمیر ہی سے نسبت توطن رکھتے ہیں۔لکھنؤ میں اہل خطہ شیعہ صاحبان کی معقول تعداد ہے۔ان میں کئی خاندان ایسے ہیں جن کا شاہان اودھ کے زمانہ میں طوطی بولتا رہا ہے۔بعض احباب کو ایسے خاندانوں کی تفصیلات کی تکلیف دی گئی۔کوئی جواب نہ ملا۔

لکھنؤ میں تیسری قسم کے شیعہ سنی المذہب ہیں اور ان کی لکھنؤ میں کثیر تعداد ہے۔ مندرجہ ذیل محلوں میں ان کی آبادی کثرت سے ہے۔سرائے معالی خاں۔احاطہ خانساماں۔ جوہری محلّہ۔کٹڑہ ابوتراب خاں۔وزیر گنج شجرہ خاندانی بھی بہت کم لوگوں کے پاس ہے۔ذات گوت کا چند ایک کے سوا کسی کو علم نہیں۔نہ اس کا رواج ہے۔اب پرانے لوگ بھی جن سے قوم کا پتہ چلتا نہیں رہے۔

لکھنؤ میں کشمیری پنڈت بالعموم کشمیر کی افاغنہ حکومت کے مظالم سے تنگ ہو کر آئے

لیکن مسلمانوں کی آمد جس کا زمانہ نواب آصف * الدولہ کا عہد حکومت بتایا جاتا ہے۔ لکھنؤ میں تجارت کی وجہ سے تھی۔ ان لوگوں نے شاہان اودھ کے زمانہ میں انتہائی عروج حاصل کیا ہے۔ ان میں میر مصلح الملک ظہیر الدولہ نواب یحییٰ خاں مقیم جنگ بہادر محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کے وزیر رہے ہیں۔ نواب ظہیر الدولہ کی ذات مٹو تھی۔ باپ کا نام کمال الدین مٹو تھا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ نواب عبدالباسط خاں، نواب عبدالرشید خاں، نواب محمد باقر خاں، ان کا ایک ہمشیر ہزادہ محمد ابراہیم خاں تھا۔ اس کو بادشاہ نے نواب شرف الدولہ بہادر کا خطاب دیا تھا۔ اسی زمانہ میں نواب قمر الدولہ کاشمیری اور خواجہ امام الدین خاں کاشمیری داروغہ کوٹھی ریذیڈنسی کشمیریوں میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

نواب معتمد الدولہ مختار الملک ضیغم جنگ جو بادشاہ غازی الدین حیدر کے وزیر تھے۔ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ نام سید محمد آغا میر تھا۔ لکھنؤ میں قریباً دو کروڑ کی لاگت سے عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ غازی الدین حیدر کے بعد نصیر الدین حیدر نے بادشاہ ہوتے ہی ان کو معزول ونظر بند کر دیا۔ یہ بحمایت سرکار انگریزی دو کروڑ کا نقد جنس لے کر کانپور چلے گئے۔ وہاں کوٹھیاں خرید کر ایک نیا شہر آباد کیا جب تک جیتے رہے۔ پچاس ہزار ماہوار کا صرف رہا۔ ان کی اولاد (کانپور میں) اب تک امیرانہ ٹھاٹھ سے بسر کر رہی ہے **۔

منتظم الدولہ نواب حکیم مہدی علی خاں کشمیر کے رہنے والے بڑے مدبر اور زبردست شخصیت کے مالک تھے۔ صاحب گل رعنا لکھتے ہیں۔ "ابوالفضل اور سعد اللہ خاں کی ٹکر کے آدمی تھے۔" ابتداء میں طبابت کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔ نواب سعادت علی خاں اور نواب غازی الدین حیدر کے زمانہ میں ان کے جوہر چمکے۔ اس زمانہ میں نواب معتمد الدولہ کاشمیری وزیر تھے۔ وہ دونوں ہم وطن تھے۔ لیکن نبھ نہ سکی۔ وزیر کے خوف سے منتظم الدولہ پہلے شاہجہاں پور گئے۔ پھر فرخ آباد اور وہیں کوٹھیاں بنگلے خرید کر عیش و آرام کرنے لگے۔ فرخ آباد میں ان کی سرائیں، مسجدیں اور پل ان کی بہترین یادگاریں ہیں۔ شاہجہان پور میں گیرہ ندی کا پل انہی نے بنوایا تھا۔

* نواب آصف الدولہ نواب شجاع الدولہ بہادر کے بعد ۱۱۸۸ھ میں اودھ کے بادشاہ ہوئے۔ اور ۱۲۱۲ھ میں انتقال کر گئے۔

** گل رعنا مؤلفہ حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء لکھنو مطبوعہ ۱۳۴۳ھ صفحہ ۲۴۴ لکھنو میں آغا میر کی ڈیوڑھی انہی کی یادگار ہے۔

نصیرالدین حیدر جب بادشاہ ہوئے تو انہوں نے منتظم الدولہ کوفرخ آباد سے بلوا کر قلمدان وزارت سپرد کیا۔نواب منتظم الدولہ نے لکھنو میں کئی سرائیں کئی مدرسے اور شفاخانے تعمیر کرائے۔ اور بیش قرار تنخواہوں پر ڈاکٹر اور حکیم نوکر رکھے گئے۔ گومتی پر لوہے کا پل انہی کی یادگار ہے۔ان کے شفاخانے (انگریزی و یونانی) اور بلغور خانہ (اپاہجوں اور محتاجوں کی پرورش گاہ) اب تک موجود ہے۔ مدرسہ سلطانیہ میں ہر طالب علم کے لیے پانچ روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا۔ ایک مدرسہ خاص اپنے ہم وطنوں یعنی کشامرہ کے لیے جاری کیا۔ اس کے متعلق صاحب گل رعنا (۳۵۰ صفحہ پر) لکھتے ہیں۔''اس سے منتظم الدولہ کوخاص طور پر دلچسپی تھی۔ ہر ہفتہ بچوں کا خود امتحان لیتے اور اپنے ہاں مدعو کر کے طرح طرح کے لذیذ کھانے اور میوے کھلاتے تھے۔لیکن ۱۲۴۸ھ میں بادشاہ کی آتش مزاجی کی وجہ سے فرخ آباد چلے گئے۔محمد علی شاہ نے اپنے زمانہ میں ان کو بلایا لیکن نو ماہ وزارت کی تھی کہ آخر رمضان ۱۲۵۳ھ میں فوت ہو گئے۔

خواجہ غلام غوث خاں بے خبر جن کے جد مادری حضرت بابا داؤد خاکی کی اولاد سے تھے۔ باپ کی طرف سے بڈ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔آپ کے والد خواجہ حضور اللہ اورآپ کے نانا خواجہ خیرالدین انقلاب حکومت کے بعد سکھوں کے زمانہ میں لاسہ (تبت) اور وہاں سے نیپال چلے گئے۔ جہاں کشامرہ کی ایک معقول تعداد آباد تھی۔وہیں ۱۲۴۰ھ میں خواجہ غلام غوث خاں پیدا ہوئے لیکن چند سال کے بعد آپ کے والد اور نانا نیپال سے بنارس آ گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔خواجہ غلام غوث رفتہ رفتہ گورنر جنرل کے میر منشی ہو گئے۔۱۸۸۵ء میں پوری تنخواہ پنشن میں ملی۔ اور خان بہادر ذوالقدر کا خطاب حاصل کیا۔شاعری میں مرزا غالب سے بڑی عقیدت تھی۔ بنارس سے الہ آباد میں منتقل ہو گئے تھے۔وہیں ۱۹۰۵ء میں وفات پا گئے۔

اطبائے لکھنؤ میں جن طبیبوں نے طب یونانی کا نام بلند کر رکھا ہے۔اور اپنی قابلیتوں سے اس کو چار چاند لگا دیئے ہیں ان کی صف اول میں بھی اہل خطہ اطبا ہی پیش پیش نظر آتے ہیں۔ تکمیل الطب کالج لکھنو کے بانی بھی یہی لوگ ہیں۔اس سلسلہ میں شفاء الملک حکیم عبدالعزیز اور شفاء الملک حکیم عبدالحمید اور حکیم خواجہ کمال الدین اور حکیم خواجہ شمس الدین اور دیگر اہل خطہ لکھنوی اطبائے ملک سے جوخراج تحسین حاصل کیا ہے۔وہ ہمارے لیے باعث فخر ومباذہات ہے۔

چند سال ہوئے لکھنؤ کے اہل خطہ اصحاب نے ایک کشمیری انجمن کی بنا بھی ڈالی تھی۔

۱۹۱۸ء میں جب راقم مولف ڈھاکہ سے واپس آتے ہوئے ایک دن کے لیے لکھنو اترا۔ تو انجمن کے کئی عہدہ داروں اور ممبروں سے ملا تھا۔

لکھنؤ کے اہل خطہ اصحاب میں خواجہ عزیز الدین درابو اپنے علم و فضل اور اپنی بے نظیر فارسی شاعری کی وجہ سے ہندوستان کے تمام علمی طبقوں میں مشہور ہیں۔ آپ کے والد خواجہ امیر الدین درابو کشمیر سے تجارتی سلسلہ میں لکھنو آئے تھے۔ یہ زمانہ واجد علی شاہ کا تھا اور کشمیر کے شال اور پشمینہ کی تجارت لکھنؤ میں بڑے فروغ پر تھی۔ خواجہ عزیز الدین ایک مرتبہ کشمیر جاتے ہوئے دہلی میں مرزا غالب سے بھی ملے تھے۔ چار قابل فرزند چھوڑ کر ۱۳۳۳ھ میں بعمر اسی سال انتقال کر گئے۔ آپ کے فرزندوں میں خواجہ خلیل الدین و خواجہ امین الدین اچھے عہدوں پر ملازم ہیں۔ ایک فرزند خواجہ رشید الدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کے چوتھے فرزند حافظ خواجہ وصی الدین نے جو ڈپٹی کلکٹری سے پنشن لے کر اب لکھنؤ میں آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ چند سال ہوئے آپ کا کلیات طبع کرایا ہے۔

لکھنؤ کے خواجہ عبدالرؤف عشرت جن کے تاریخی مضامین ہندوستان کی ہر ادبی رسالہ کی زینت ہوتے ہیں۔ اور جنہوں نے تاریخ اور شاعری پر کئی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۶ سال کی ہے۔ لیکن اس ضعیفی کے عالم میں بھی آپ نے کشامرہ لکھنؤ کے ابتدائی معاشرتی حالات کی قسط اول اس کتاب کے لیے راقم کو ارسال کی ہے۔ افسوس ہے دوسری قسط جس میں کشامرہ لکھنؤ کی تفصیل کا وعدہ تھا۔ آپ بوجہ علالت و نقاہت روانہ نہ کر سکے۔ علمی دنیا میں آپ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

لکھنؤ کے قدیم نامور مطبع نامی کے مالک بھی اہل خطہ ہی تھے۔ خواجہ قطب الدین احمد نام تھا۔ حاجی اور حافظ تھے۔ یو۔ پی میں لکھنو کے علاوہ بنارس، الہ آباد، آگرہ کانپور وغیرہ میں بھی اہل خطہ مسلمانوں کی کچھ تعداد موجود ہے۔

آغا حشر کاشمیری جن کے تصنیف کردہ ڈرامے آج ہندوستان کے ہر سینما میں دکھائے جا رہے ہیں۔ اور جو بجا طور پر شکسپیئر ہند ہیں۔ اور انگریزی فارسی اردو، سنسکرت اور ہندی زبانوں پر جنہیں کامل عبور ہے۔ کشمیر ہی سے نسبت توطن رکھتے ہیں۔ آپ نے عرصہ ہوا شکریہ یورپ کے نام سے ایک نظم انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں پڑھی تھی۔ اس کا آخری

دعائیہ بند مشہور عام ہے آپ بنارس اور لکھنؤ اور کلکتہ بلکہ تمام ہندوستان میں پہلے شخص میں جنھوں نے کشمیریوں کی عزت و وقعت بڑھانے اور ان کی خداداد قابلیتوں سے زمانہ کو روشناس کرانے کے لیے سب سے پہلے لفظ کاشمیری کو اپنے نام کا جزو بنایا۔

ان کے بعد آج مختلف رسالوں اور اخباروں میں کئی نام ایسے نظر آ رہے ہیں۔ جن کے ساتھ لفظ کاشمیری بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ آپ کے بزرگ خاص سری نگر سے سکھوں کے عہد میں آئے تھے۔ بنارس میں قیام کیا۔ جہاں اور بھی کئی گھر اہل خطہ مسلمانوں کے ہیں۔ آپ کا خاندان شیخ الحدیث مولاناؒ انور شاہ کاشمیری دیوبندی کے خاندان سے ملتا ہے۔

آپ آج کل لاہور میں قیام فرما ہیں۔ طبیعت ناساز ہے۔ شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی کے زیر علاج ہیں۔ ۱۸ مئی کو راقم الحروف آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیر تک اودھ، بہار، بنگال کے کشامر و مشاہیرات کا تذکرہ رہا۔ آپ نے فرمایا بہار اور بنگال اور لکھنؤ کے مسلمانوں میں جس قدر مقتدر ہستیاں ہیں ان میں زیادہ تعداد اہل خطہ اصحاب کی ہے۔ لیکن اب بہت سے خاندان جن کے دروازوں پر ہاتھی جھومتے تھے۔ مٹ گئے۔ کچھ مٹتے جا رہے ہیں۔ ان سب لوگوں کے آباؤ اجداد اور زیادہ تر تجارتی سلسلہ کی وجہ سے ان ممالک میں آئے تھے۔ کچھ مصیبت زدہ بھی تھے۔ لیکن ان کی تعداد تھوڑی تھی۔ انہی لوگوں نے کشمیر کا شال دوشالہ اودھ کے بادشاہوں اور تعلقہ داروں اور مرشد آباد کے ناظموں اور بنگال کے راجوں مہاراجوں تک پہنچایا ہے۔ اور بڑی بڑی قیمتیں حاصل کی ہیں *۔

☆☆☆

* مولوی سید عبدالحی مرحوم تذکرۃ ''گل رعنا'' میں لکھتے ہیں۔ کہ کشمیر کے ایک ایک سرگزی رومال کی قیمت شاہان اودھ نے پانچ پانچ ہزار تک دی ہے۔

صوبہ بہار کے اہل خطہ مسلمان

کشمیر کے صوفیا میں بابا نصیب الدین غازی ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک مرتبہ میاں حسین نام ایک طالب جو قبیلہ کوتوالاں سے تھے۔ مرید ہونے کے لیے آئے۔ آپ نے فرمایا "از نصیب نصیب تو نیست بہ پٹنہ رو۔"

چنانچہ آپ پٹنہ گئے وہاں حاجی پور میں شاہ تمکین نام ایک بزرگ تھے ان سے فیض حاصل کیا۔ چونکہ جوان تھے۔ اور خوبصورت تھے۔ آپ نے نکاح کرنے کا حکم دیا۔ میاں حسین نے مرشد کے حکم سے وہیں نکاح کیا۔ اور میاں یحیٰی نام ایک فرزند پیدا ہوئے۔ جو پٹنہ کے صاحب کمال بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ واقع گیارہویں ہجری کی ابتدائی سالوں کا ہے۔

انہی ایام میں کشمیر کا ایک تاجر میاں محمد ہاشم چشتی بغرض تجارت پٹنہ گیا۔ اور وہیں اپنے ہم وطنوں کی خبر پا کر میاں یحیٰی کے فقیرانہ دربار میں پہنچا۔ ان سے تربیت حاصل کرتا رہا۔ لیکن آخر واپس کشمیر آ گیا۔ جہاں ۱۱۱۸ھ میں انتقال کر گیا۔

پٹنہ عظیم آباد میں اسی زمانہ سے کشمیری خاندانوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ ایسے ہی خاندانوں کی ذریات سے ۱۸۳۷ء میں خواجہ عطا اللہ * نام ایک بزرگ کشمیری پٹنہ میں رہتے تھے۔ وہ سرکار نواب ناظم بنگال کے معزز ملازم تھے۔ اور عظیم آباد (پٹنہ) کی جائیداد و نظامت و مسجد فخر الدولہ کے اوقاف کے محافظ و تحصیل دار تھے۔ انہی کے ذریعہ نواب ناظم بہادر نے شاہ الفت حسین فریاد کو ایک ہزار روپیہ خرچ دے کر مرشد آباد بلوایا تھا۔

ان کے بعد اسی کتاب سے خواجہ محمد شاہ شہرت کاشمیری کا ۱۸۶۳ء میں پتہ ملتا ہے۔

خواجہ محمد اسحاق آزن نے نیپال کے کشمیری مسلمانوں کے جو حالات بھیجے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے خاندانی تعلقات پٹنہ کے کشمیریوں کے ساتھ ہیں مثلاً سید یوسف شاہ کاشمیری پیش امام مسجد کشمیری نیپال کے برادر زادے سید غلام شاہ نقشبندی اس وقت پٹنہ کی خانقاہ

* از حیات فریاد صفحہ ۸۵، ۸۶ مصنفہ خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی مرحوم مطبوعہ ۱۹۲۶ء

فخریہ غوثیہ کے سجادہ نشین ہیں اس خانقاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔ ''عظیم آباد بھی بہت زمانہ تک کشمیریوں کا خاص مسکن رہا ہے۔ مگر اس وقت ان کے پاس صرف یہی ایک خانقاہ اپنے اسلاف کی یادگار ہے۔ حضرت میر میرک اندرابی کی اولاد سے سید فخر الدین اندرابی کشمیر سے عظیم آباد آکر خاندان پیرڈمریا میں منسوب ہوئے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے۔ مولانا سید شمس الدین و سید قمر الدین ظفر۔ کلکتہ میں آپ نے انتقال کیا۔ سیالدہ سٹیشن کے قریب مورتیوں کے باغ میں آرام فرما ہیں۔ اور وہاں بڑے پیر صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ سید فخر الدین دہلی ٹھہرتے ہوئے عظیم آباد آئے تھے۔ وہاں بہادر شاہ ظفر بادشاہ دہلی نے آپ سے ارادت و عقیدت کا اظہار کیا۔ چنانچہ اسی بنا پر غدر دہلی کے ایام میں آپ بھی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے۔ اور انہی ایام میں نیپال و تبت تک بھی پہنچے۔

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا شمس الدین اندرابی جن کا مزار رانی گنج ضلع بردوان میں ہے۔ بڑے عالم و بزرگ تھے۔ آپ کا سالانہ عرس بنگلہ پھاگن ۴ مطابق ۱۶ فروری کو نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ دوسرے صاحبزادے سید قمر الدین اندرابی اپنی آبائی خانقاہ عظیم آباد میں مدفون ہیں۔ رتن پوری سادات سے بھی ایک خاندان پٹنہ میں آباد ہے۔ ان بزرگوں کے مریدین و معتقدین عظیم آباد، رانی گنج، نیپال۔ تبت اور دیگر مضافات میں بکثرت ہیں۔

اس وقت بھی پٹنہ میں ان مسلمانوں کے جن کے آباؤ اجداد کشمیر سے وطنی تعلق رکھتے تھے۔ کئی معزز خاندان موجود ہیں۔

چنانچہ آنریبل خواجہ محمد نور جج ہائی کورٹ پٹنہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مسوری سے ۲۵ مئی ۳۴ء کے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں۔ ''میرے خیال میں پٹنہ میں واقفیت والے اصحاب گویا اب معدوم ہیں۔ کشمیری خاندان ہی کیا مسلمان بالکل برباد ہو گئے ہیں۔ پٹنہ میں ایک محلہ ہی کشمیری کوٹھی کے نام سے تھا۔ اب بھی ہے۔ لیکن بالکل تباہ۔ آپ یہاں کے حالات دوسرے ایڈیشن کے لیے ملتوی فرمائیں۔ میں اس وقت مسوری میں ہوں۔ اور تفصیلی حالات معلوم نہیں ہیں۔''

راقم مولف جب اسی مئی کے مہینہ میں ہندوستان کے مشہور ڈراما آرٹسٹ آغا حشر کاشمیری مقیم لاہور کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بھی کشامرہ اودھ کے متعلق فرمایا کہ یو۔

پی کے کاشمیری خاندانوں کے حالات کے لیے دورہ کرنے کی ضرورت ہے۔ بڑے بڑ
خاندان جن کی امارت وعظمت والیان ریاست سے کم نہ تھی آج مٹ چکے ہیں۔''

اس موقع پر دہلی کے تین کاشمیری خاندانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کی اولاد وا
بھی آج کوئی پتہ نہیں۔

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں یادگار خاں ایک کشمیری نژاد نے یہاں تک ع
حاصل کرلیا تھا کہ ۱۱۴۸ء میں بادشاہ نے اس کو راجہ جے سنگھ سوائی اور آپا جی راؤ سپہ سالار ا
مرہٹہ کے پاس چند شرائط طے کرنے کے لیے بھیجا۔

محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کے عہد میں عاقبت محمود خاں کاشمیری کا نام تاریخوں میں
ہے۔ جب گجرات میں مرہٹے، اودھ میں صفدر جنگ، بنگال و بہار میں علی وردی خاں کے جا
وسط دوآب میں بنگش روہیل کھنڈ میں روہیلے، دکن میں نظام، پنجاب میں احمد شاہ درانی
سلطنت کے ٹکڑے کر رہے تھے۔ بلکہ کر چکے تھے۔ اور بادشاہ پھر بھی خواب غفلت میں مست
تو اسی محمود خاں نے جو خان خانان کی جگہ اب وزیر تھا۔ امرائے دربار کو جمع کر کے جو تقریر کی
کے چند الفاظ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ ''بادشاہ کی کمزوریوں اور عیش پرستیوں نے سلط
کو اس قدر کمزور کر دیا ہے۔ کہ اب قیام سلطنت مشکل نظر آتا ہے۔ اس پر بادشاہ کی م
مزاجیوں سے تمام دربار ہر وقت خائف رہتا ہے اس لیے بہتر ہے کہ کسی اور شہزادے کو تخ
بٹھایا جائے۔'' چنانچہ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو معزول کر کے شہزادہ عزیز الدین کو عالمگیر ثانی
تخت پر بٹھایا گیا۔

عالمگیر ثانی کے زمانہ میں عماد الملک کا اس قدر زور تھا کہ بادشاہ اور ولی عہد دونو ں
سے ڈرتے تھے۔ جب عماد الملک نے ولی عہد کو جو عماد الملک کے خلاف تھا۔ گرفتار کرنا چاہا
عہد کچھ فوج لے کر ہانسی اور جھجر کی طرف چلا گیا۔ عماد الملک نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ ول
کو واپس منگوائے۔ بادشاہ نے محمد سیف الدین خاں کاشمیری کو دس ہزار سوار دے کر شہزاد
بلانے کو بھیجا۔ شہزادہ نے کچھ عذر کیا مگر محمد سیف الدین نے سمجھایا کہ اگر تم نہ گئے تو عماد ا
بادشاہ کو سخت تکلیف دے گا۔ ناچار شہزادہ دہلی چلا آیا۔

☆☆☆

پنجاب کے چند اہل خطہ خاندان

خاندان میر صاحبان امرتسر:

امرتسر میں میر صاحبان کے دو نامور خاندان ہیں۔ایک خاندان میر اسد اللہ رئیس و آنریری مجسٹریٹ مرحوم کا ہے۔جن کا کبھی بڑا عروج تھا۔اور جن کا تجارتی کاروبار ہندوستان اور ہندوستان سے باہر پھیلا ہوا تھا۔ ان کے ایک قابل فرزند میر کرامت اللہ تخلص میر سخن فہم اور صاحب تصانیف تھے۔تاریخ گوئی میں انہیں بہت ملکہ تھا۔۱۹۳۱ء کے اوائل میں انتقال کر گئے۔ شمس العلما مولانا آزاد دہلوی مصنف آب حیات و دربار اکبری وغیرہ کے شاگردوں میں تھے۔ اور راقم مؤلف کے محبّ دلی تھے۔

دوسرا خاندان میر غلام محمود مرحوم آنریری مجسٹریٹ کا ہے۔جن کے تینوں فرزندوں نے خاندان کا نام روشن کر رکھا ہے۔فرزند کلاں میر حبیب اللہ مرحوم تھے جو آنریری مجسٹریٹ میونسپل کمشنر اور ''خان صاحب'' کے خطاب یافتہ تھے۔۱۹۱۸ء میں لاولد انتقال کر گئے۔دوسرے فرزند ''خان صاحب'' میر عباد اللہ مرحوم سیشن جج رہ چکے تھے۔ان کے تین فرزند میر عنایت اللہ، میر نعمت اللہ، میر ضیا اللہ بترتیب پولیس میں انسپکٹر و سب انسپکٹر تھے۔میر عباد اللہ مرحوم کے سب سے چھوٹے فرزند میر مقبول محمود بی۔اے بیرسٹرایٹ لاء ہیں۔وہ کونسل کے ممبر ریاست پٹیالہ کے ہوم منسٹر ریاست جھالا دار کے مدار المہام اور ایوان والیان ریاست ہائے ہند میں ایک معزز عہدہ پر رہ چکے ہیں۔فروری ۱۹۳۴ء کے آخری ایام سے آپ ریاست رام پور میں پولیٹیکل منسٹر کے عہدہ پر ہیں۔اور ہز ہائی نس نواب رام پور کے ولائت جانے پر جو مجلس منتظمہ بنائی گئی ہے اس کے بھی آپ ایک ممبر ہیں۔

میر غلام محمود مرحوم کے تیسرے فرزند خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ اسسٹنٹ سرجن ہیں۔جو برسوں تک میڈیکل سکول امرتسر کے پرنسپل بھی رہے ہیں۔آپ کے صاحبزادوں میں میر سلیم محمود دلائت کے تعلیم یافتہ ہیں۔ریلوے میں ڈی۔ایم۔او یعنی سول سرجن ہیں۔دوسرے صاحبزادے میر اسلم محمود بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ہیں جو پنجاب میں سب ججی کے معزز عہدہ پر

ہیں تیسرے صاحبزادے میر نعیم محمود لاہور میڈیکل کالج کی تعلیم سے فارغ ہو کر انگلستان گئے تھے۔ وہاں سے فن ڈاکٹری کی تکمیل کر کے دسمبر ۱۹۳۳ء کے اواخر میں واپس تشریف لائے ہیں دونوں خاندان یعنی میر اسد اللہ مرحوم اور میر غلام محمود مرحوم *میر نازک نیازی قادری کی اولاد سے ہیں جن کا سلسلہ میر علی بخاری بڈ شاہی تک ملتا ہے۔ میر نیازی کی اولاد سے سب سے پہلے میر عبدالقادر میر محمد عاصم اپنے فرزند میر محمد اسماعیل اور دوسرے بچوں کو ساتھ لے کر نواب منعم الدولہ بلند خاں صوبیدار کے ہمراہ جموں پہنچے۔ وہیں ۱۱۷۹ھ میں میر عبدالصمد میر عبدالقادر کے ہاں پیدا ہوئے۔ میر عبدالقادر کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ جو یکے بعد دیگرے خان بہادر حاجی محمد شاہ خان رئیس اعظم امرتسر کی جدہ محترمہ تھیں۔ میر عبدالقادر ان سب کو لے کر ۱۱۸۱ھ میں امرتسر آئے۔ اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

باپ کے انتقال کے بعد بزمانہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان کے چھوٹے بیٹے میر عبدالصمد نے تجارت و ریاست اور فیاضی و سخاوت میں بڑا نام پایا۔ بلکہ لکھا کہ ''باعث آبادیِ قوم کشمیری در پنجاب شد۔'' میر عبدالصمد ۱۲۶۶ھ میں لاولد وفات پا گئے۔ امرتسر میں میر صاحبان کا خاندان میر عبدالصمد کے برادر بزرگ میر محمد اسماعیل کے مندرجہ ذیل پانچ لڑکوں (۱) میر عبدالغنی (۲) میر عبدالقدوس (۳) میر عبدالخالق (۴) میر غلام رسول (۵) میر عزیز الدین کی ذریات سے ہے۔

میر غلام محمود جو خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ اور ان کے بھائیوں کے والد تھے۔ میر محمد اسماعیل کے چوتھے فرزند میر غلام رسول کے صاحبزادے تھے اور میر اسد اللہ جو میر امان اللہ و میر کرامت اللہ وغیرہ مرحومین کے والد تھے۔ میر محمد اسماعیل کے تیسرے فرزند میر عبدالخالق کے صاحبزادے تھے۔

* میر نازک نیازی کا سلسلہ میر علی بخاری بڈ شاہی تک اس طرح ملتا ہے۔ میر نازک قادری بن میر حاجی محمد قاضی بن میر کمال الدین بن میر اسکندر بن میر اسحاق بن میر علی بخاری بڈ شاہی نیازی کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ کے والد آپ کو مخدوم شیخ حمزہ کاشمیری کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ فرزند بطور نیاز لایا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ اس پر نظر رحمت فرمائی جائے۔ چنانچہ جناب مخدوم کی توجہ اور ان کی صحبتوں سے آخر ولی کامل ہوئے۔ سال وفات آپ کا ۱۰۳۲ھ اور بقول صاحب روضۃ الابرار ۱۰۲۲ھ ہے۔ روم، شام اور ہندوستان کے سیاح تھے۔ صاحب روضۃ الابرار لکھتے ہیں۔ ''شرفاءِ بخارے ایں شہر (کشمیر) ومقتدائے دہر بود نسبتش قاضی میر محمد علی بخاری کہ جد طبقۂ قاضی شہید است مے رسد۔''

صاحب روضۃ الابرار (صفحہ ۴۹ پر) لکھتے ہیں۔ "ایشاں رالقب میرے از میر محمد علی و حضرت میر نازک قادری بوراثت رسیدہ وایشاں باوجود خویشی وقرابت بہ سادات دعویٰ سیادت نمے کنند۔ بلکہ چنانچہ مذکور شد مغل ہستند۔ تفصیل ایں از گلزار خلیل وغیرہ معلوم مے شود۔"

خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ نے بھی ۱۶ جنوری ۱۹۳۲ء کے گرامی نامہ میں راقم مؤلف کے استفسار کے جواب میں اطلاع دی ہے کہ ہم قوم کے مغل ہیں۔ سادات نہیں ہیں۔"

خاندان میر ولی اللہ ایبٹ آباد:

قریباً سوا سو سال کا عرصہ گزرا ہے۔ کمال میر نام ایک بزرگ کشمیر سے ایبٹ آباد آئے اور یہیں کے ہو گئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ نواب میر۔ اور میر شرف الدین۔ موخر الذکر کی اولاد ضلع جہلم میں موجود ہے۔ نواب میر کے فرزند سلطان میر علوم عربی و فارسی میں جید عالم ہونے کی وجہ سے مولانا نہیں بلکہ صحیح معنوں میں علامہ تھے۔ شاعر بھی تھے۔ اردو اور فارسی میں روانی کے ساتھ نظمیں لکھا کرتے تھے۔ ضلع ہذا کے مشہور ترین اپیل نویس تھے۔ جسٹس شاہ دین جو خود بھی شاعر اور علم دوست تھے۔ عموماً گرمیوں کے ایام میں ایبٹ آباد آیا کرتے تھے۔ اور مولانا سلطان میر سے ان کی علمی وجاہت کی بنا پر ملا کرتے تھے۔ حکام وقت ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ تمام ضلع ان کی قابلیت اور ان کے حسن سلوک کا مداح تھا۔ شہر کے رئیس اور مسلمانوں کے لیڈر تھے۔ تمام عمر انجمن اسلامیہ ایبٹ آباد کے سیکرٹری رہے۔ اس انجمن کا وجود بھی انہی کی بدولت منصۂ شہود میں آیا تھا۔ چند روز بیمار رہ کر ۵ نومبر ۱۹۲۵ء کو فوت ہو گئے۔ عمر ۶۲ سال کے قریب تھی۔

میر ولی اللہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ جو دیوان حافظ کے شارح اور بعض دوسری علمی و ادبی کتب کے مصنف ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے تمام علمی حلقوں میں ممتاز شہرت رکھتے ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ میر ولی اللہ بار ایسوسی ایشن ایبٹ آباد اور مقامی انجمن اسلامیہ کے پریذیڈنٹ ہیں۔ طویل عرصہ سے میونسپل کمیٹی کے ممبر ہیں۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں بہت اچھا شعر کہتے ہیں۔ کشمیر کے اکثر مناظر اور بعض تفریحی مقامات و باغات پر آپ نے وجدانی کیفیت پیدا کرنے والی نظمیں لکھی ہیں۔

جنت الدنیا کے ان مناظر کے ساتھ آپ جنت کے ان دوزخیوں کو بھی نہیں بھولے۔ جن کی زبوں حالی و سخت جانی نے ہر مسلمان اور بالخصوص ہر کشمیری مسلمان کو بے چین کر رکھا ہے۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

بگو کشمیری افیوں زدہ را — مے گلرنگ را کیفیتے ہست
شرابِ زندگی مے نوش و مے کوش — بخطِ جام جمشید حکمتے ہست
بیا کارے کن و گرمِ عمل شو — کہ نرم آہنگئے تو آفتے ہست
بگو ایں بے سرد سامانیت چیست — چوددستت مایہ دار صنعتے ہست

......☆......

بیا اے ساکن فردوس دنیا — فروغ لالہ زار سینہ بنگر
مگر آگہ شوی از صورت خویش — یکے خود را دریں آئینہ بنگر
اگر خمیازہ فردا بخواہی — خمارِ بادۂ دو شینہ بنگر

......☆......

بفردوسِ زمیں کشمیر یئے ما — بخود نارِ جہنم آفرید ست
بہ ذوق بندگی بُت مے تراشد — زا الطافِ خداوندی بدیدست
فسو نے خوردہ است از شروسواس — ز سحر خواجگی از خود میدستٍ
دلش محرومِ لذات تمناست — نمے دانم دریں پستی چہ دیدست

......☆......

دلِ کشمیریئے کم آرزو را — بدہ یارب تب و تاب و توانے
بدستش قوتِ سر پنجۂ شیر — وے دارد بہ تن ترسندہ جانے
نہ دیدم در بسیط دہر ہرگز — ہنر مندے چو او محتاج تانے

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔(۱) میر صفی اللہ جو اس سال ڈاکٹری کا آخری امتحان دے رہا ہے (۲) میر حفیظ اللہ ایم اے کر چکا ہے۔ بی۔ ٹی کا امتحان دینے والا ہے (۳) میر نعیم اللہ ابھی خورد سال ہے۔

خاندان حاجی میر شمس الدین مرحوم:

۱۸۴۰ء میں شوپیان کشمیر کے ایک متصلہ موضع خورم پورہ کا ایک زمیندار جمال میر نام جو عابد میر بڈشاہی کی اولاد سے تھا ترک وطن کر کے لاہور آیا۔ جہاں اس نے اجناس غلہ اور پشمینہ و پٹو کی تجارت شروع کر کے اپنی کھوئی ہوئی مرفع الحالی کا کچھ حصہ پھر حاصل کر لیا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن میں حاجی شہاب الدین اور بالخصوص حاجی میر شمس الدین بہت مشہور ہیں۔ حاجی شمس الدین ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۸۴ء کے اواخر میں جن نوجوان مگر قابل تعظیم ہستیوں نے ایک چھوٹی سی بنیاد پر انجمن حمایت اسلام لاہور کا وجود قائم کیا۔ ان میں سب سے زیادہ سرگرم حاجی شمس الدین ہی تھے۔ جن کی عمر اس وقت ۲۲ سال تھی۔ ۱۸۸۵ء میں آپ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور واپسی پر اسی سال انجمن کے اسسٹنٹ سیکرٹری اور ۱۸۸۷ء میں جنرل سیکرٹری ہوئے۔ اور قریباً ۴۰ سال تک اسی عہدہ پر رہ کر بوجہ ضعیفی فروری ۱۹۲۶ء میں مستعفی ہو گئے۔ انجمن نے آپ کی مخلصانہ خدمات کے لحاظ سے آپ کو لائف پریذیڈنٹ بنا دیا۔

جس طرح آپ نے انجمن حمایت اسلام کے ذریعہ عام مسلمانان پنجاب کی تعلیمی و اخلاقی فلاح و بہبود میں حصہ لیا ہے۔ اسی طرح آپ نے اپنی کشمیری برادری کو متحد و متفق کرنے اور کشمیر کے مسلمانوں کی تعلیمی ترقیوں میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ آپ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور اور مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے بانیوں میں تھے۔ آپ کی تعلیمی و انتظامی شہرت نے آپ کو سابق بادشاہ افغانستان شاہ امان اللہ کے دربار تک پہنچا دیا۔ وہاں آپ نے اپنی ایک مبسوط رپورٹ میں حکومت افغانستان کو بیش قیمت تعلیمی مشورے دیئے۔ ۱۹۳۳ء کے اواخر میں آپ بیمار ہو گئے اور ۱۵ فروری کو ملت اسلامیہ کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے غائب ہو گیا۔ آپ کی وفات پر ہندوستان اور پنجاب کے اکثر انجمنوں نے ماتمی قراردادیں پاس کیں۔ شعرا نے ماتمی نظمیں لکھیں اور انجمن حمایت اسلام کے آرگن ''حمایت اسلام'' کے کارکنان نے شمس الدین نمبر کے نام سے آپ کی یادگار میں ۱۵ مارچ کا اخبار شائع کیا۔ جس میں آپ کی علمی، مذہبی، تعلیمی، وطنی اور سیاسی خدمات پر ملک کے نامور اہل قلم اصحاب نے مضامین لکھے۔

راقم الحروف سے حاجی صاحب مرحوم کے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ فرزند کلاں میر رحمت اللہ ہمایوں۔ جو سابق بادشاہ امان اللہ خاں اور غازی

شہید نادر شاہ کے معتمدین میں تھے۔ حاجی صاحب کی وفات پر ۱۳ سال کے بعد لاہور تشریف لائے ہیں۔ فرزند خورد کا نام میر حبیب اللہ ہے جو لاہور میں اقامت گزیں ہیں۔

صوبیدار میر نیاز علی:

آپ کے بزرگ علاقہ شوپیاں سے گجرات کے موضع کڑیانوالہ میں آئے۔ آپ کے بزرگوں میں میر کرم خاں سپاہی بھرتی ہو کر صوبیداری تک پہنچے تھے۔ آپ کے والد کا نام میر پیراں دتا ہے جنہوں نے زمانہ کے روش کے مطابق آپ کو مروجہ تعلیم دلائی۔ آپ کی عمر ابھی ۱۸ سال کی تھی، کہ آپ بطور سپاہی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ یورپ اور افریقہ کے لڑائیوں میں شامل رہے۔ اور تمغہ اور کڑیوں کے علاوہ آپ نے نیلی بار ضلع منٹگمری میں ۳/امربعہ اراضی بھی سرکار سے حاصل کی۔ دسمبر ۱۹۲۱ء سے آپ پنشن پر ہیں۔

لفٹیننٹ صوبیدار میجر میر محمد خاں بہادر:

پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی۔ کہ آپ کے دادا نے کشمیر سے آ کر تحصیل کھاریاں کے موضع سنت پورہ کو وطن بنالیا۔ دو پشتوں تک زمیندار کاروبار رہا لیکن میر محمد خاں ۱۸۸۸ء میں پلٹن نمبر ۱۳ بلوچی میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے۔ صوبیدار میجر آنریری لفٹیننٹ ہو کر ۳۳ سال کی جنگی خدمات کے بعد ۱۹۲۱ء میں پنشن لے لی۔ آپ نے اپنی پلٹن میں اس قدر کشمیری بھرتی کرائے کہ نمبر ۱۳ بلوچی پلٹن ایک پہلو سے کشمیری پلٹن ہی تھی۔ جب سرکار نے آپ کو بصلہ حسن خدمات تحصیل پھالیہ میں دو مربعہ اراضی عطا کی تو وہاں کے راجپوت، جاٹ، گجر اور بلوچ اقوام کے فوجی سرداروں کے ساتھ آپ نے بھی نمبرداری کے لیے درخواست دے دی۔ لیکن جب دوسری اقوام کے سرداروں کو معلوم ہوا کہ میر محمد خاں کشمیری ہے۔ تو سب نے ان کی مخالفت کے لیے باہم عہد و پیمان کر لیے بلکہ حکام کے پاس ایک کشمیری کو نمبرداری نہ دینے کے لیے باقاعدہ عرضداشت بھیجی گئی۔ آپ نے حکام کو جواب میں لکھا۔ اور کہا کہ ''کشمیری ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر جرم ہے تو ۱۸۸۸ء میں خیال رکھنا تھا۔ جب مجھے فوج میں ایک کشمیری ذات میر کی حیثیت سے قبول کیا گیا تھا۔ اور اس ذات کی خوب چھان بین کی گئی تھی۔ سرکار نے اسی کشمیری کو اس کی قابلیت و شجاعت کی بدولت ''خان بہادر'' کا خطاب دیا۔ اور صوبیدار میجر اور لفٹیننٹ بنایا۔ دو مربعہ زمین انعام دی۔ کیا نمبرداری لفٹیننٹی سے بھی زیادہ عہدہ ہے۔ کہ ایک کشمیری

کو جو زمیندار بھی ہے۔اس کے نا قابل سمجھا جاتا ہے۔آپ کے معقول و برجستہ دلائل نے آپ کو نمبرداری دلا دی۔

لفٹیننٹ شیر علی خاں میر:

ان کے بزرگ ۱۸۳۰ء میں کشمیر سے تحصیل کھاریاں کے موضع سیدا میں آ کر آباد ہو گئے۔سیدا میں ان کی بڑی زمین ہے۔ضلع منٹگمری میں بھی ان کو سرکار کی طرف سے دو مربعہ اراضی ملی ہوئی ہے۔۱۸۸۹ء میں فوج میں بھرتی ہوئے۔صوبیدار،میجر اور آنریری لفٹیننٹی کے اعزاز حاصل کر کے ۲۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ریٹائر ہو گئے۔ان کے فرزند میر حاکم علی فوج میں جمعدار تھے۔لیکن اپنی اراضی کے انتظام کے لیے ملازمت سے چلے آیئے۔

میر محمد اسماعیل نائک:

قریباً سوا سو سال ہوئے اس کا دادا قادر میر موضع ہیل تحصیل کھاریاں میں آ کر آباد ہوا۔اس کے دو بیٹے تھے۔ایک رمضان جس کا فرزند علم دین لاولد تھا دوسرا بیٹا ولی محمد تھا۔اس کے دو لڑکے ہیں۔محمد عظیم و محمد اسماعیل فوجی نائک! محمد عظیم کے تین لڑکوں میں نیک عالم فوج میں نائک ہے۔اس خاندان کے باقی افراد بحیثیت مالک اراضی کاشت کاری کرتے ہیں۔

منشی برکت علی میر منشی فاضل:

ان کا پردادا نعمت اللہ میر قریباً ڈیڑھ سو سال ہوئے۔بمقام موسیٰ کی متصل گجرات آ کر آباد ہوا۔میانہ کوٹ انہی کا آباد کردہ ہے۔سو سو کنال کے قریب ان کی اپنی زمین ہے۔منشی برکت علی تین بھائی ہیں۔خود منشی برکت علی ایس وی اور منشی فاضل ہیں اور کھاریاں میں ہیڈ پرشین ٹیچر ہیں۔محمد شفیع میر گوجرانوالہ میں ہیڈ کانسٹیبل اور حاکم علی میر زمینداری کرتے ہیں۔

جمعدار نور الدین میر پنشنر آڑہ:

ان کے بزرگ سوگام کشمیر کے رہنے والے تھے۔ان کا داماد سبحان میر بن عثمان میر بن رحیم میر بن سلطان میر پہلے گلیانہ اور پھر آڑہ تحصیل کھاریاں میں خانہ داماد ہو کر آباد ہوا۔جمعدار نور دین کے والد کا نام عبد الغفور میر ہے۔جمعدار نور الدین اور ان کا بھائی حوالدار احمد الدین پنشن پر ہیں۔کرم الدین میر فوج میں میر منشی ہیں۔دو بھائی اور ہیں جن کا نام جیون اور اللہ دین ہیں۔

میر عبدالرشید ایم۔اے پروفیسر گورنمنٹ کالج گجرات ضلع گجرات کے میر خاندانوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔اور کاشمیری کانفرنس اور کشمیر زراعتی بورڈ کے اغراض و مقاصد کے تکمیل میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔

ضلع گجرات اور خصوصاً تحصیل کھاریاں میں اہل خطہ مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے۔ان مسلمانوں میں ہر قسم کی ذاتیں اور گوتیں ہیں۔اور فوجی پنشنر افسروں کی بھی ایک معقول تعداد ہے۔انہی میں صوبیدار میجر لفٹینٹ میر محمد خاں ''بہادر'' بھی ہیں۔جن کے پچھلے حالات درج ہیں۔اور جنہوں نے اپنی قوم میر مغل کو زراعت پیشہ قرار دینے کے لیے ڈسٹرکٹ جج گجرات کے عدالت میں مقدمہ دائر کیا تھا جس کے فیصلہ کا ضروری حصہ اگلے صفحات پر درج ہے۔

گوجرانوالہ میں میر طبقہ کے کئی گھر ہیں۔جن میں خان صاحب میر کریم بخش میر حسین بخش وکیل، میر محمد حسین، میر عبدالعزیز، میر محمد رمضان بی۔اے۔میر صدرالدین ٹھیکیدار اور میر پیر بخش کے خاندان خاص طور پر مشہور ہیں۔خان صاحب میر کریم بخش اور میر حسین بخش کے جدامجد کشمیر میں متصلہ دیہات کے رہنے والے تھے۔میر محمد حسین اور میر محمد رمضان کے بزرگ آپس میں چچازاد بھائی تھے۔کشمیر سے سیدھے گوجرانوالہ آئے۔اب چند خاندانوں کا مختصر ساذکر علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔

خاندان میر محمد رمضان بی۔اے:

آج سے ایک سو سال پیشتر شکر میر اپنے اکلوتے فرزند قاسم میر کے ہمراہ موضع داتھور سے (جو سری نگر سے بجانب شمال ۶ میل کے فاصلہ پر ہے) گوجرانوالہ آئے۔اس وقت ان کا اچھا خاصہ قبیلہ گوجرانوالہ میں موجود ہے۔قاسم میر کے چار فرزندوں میں امیر بخش اور الٰہی بخش کی اولاد دوسری پشت میں ختم ہوگئی۔امام بخش کے دو فرزند تھے۔ایک جیون بخش جس کے فرزند میر محمد رمضان بی۔اے اس وقت سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کشمیر کے ہیڈ کلرک ہیں۔اور انسپکٹری کے زمانہ میں بہ دوران جنگ عظیم کئی سرٹیفکیٹ حاصل کر چکے ہیں۔آپ کے فرزند کلاں میر محمد سلطان بی۔اے۔بی۔ٹی گورنمنٹ ہائی سکول پنڈی بھٹیاں میں سیکنڈ ماسٹر ہے۔دوسرے دو لڑکے محمد ابراہیم و محمد اسماعیل اس وقت پرتاب کالج سری نگر میں زیر تعلیم ہیں۔

امام بخش کے دوسرے فرزند کا نام عبدالرزاق تھا۔ اس کے تین فرزند ہیں۔ میر عمرالدین سب سے بڑے ہیں۔ وہ ملٹری پولیس برما میں بمقام پیابوئی بعہدہ صوبیدار انچارج وائرلیس ہیں۔ جنگ عظیم اور سرحد چین کی جنگی خدمات میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ عبداللطیف ومحمد صدیق آپ کے فرزند ہیں۔ خان بہادر میر عمرالدین کے چھوٹے بھائی کا نام میر عبدالرحیم ہے۔ وہ محکمہ ریلوے میں کلرک ہیں۔ آپ کا ایک فرزند عطا اللہ نام ہے۔ عبدالرزاق کا سب سے چھوٹا فرزند محمد ابراہیم اپنے بڑے بھائی صوبیدار صاحب کے پاس برما میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

قاسم میر کے چوتھے فرزند پیر بخش کا پوتا میر محمد حسین گوجرانوالہ میں آئرن سیف کی دکان کرتا ہے۔

خاندان چودھری میر صدرالدین:

ان کے بزرگ غفور میر ولد سلطان میر موضع سیر تحصیل بارہ مولا سے اپنے فرزند محمود میر کے ہمراہ پنجاب آئے۔ محمود میر جوان ہو کر موضع بدھپور ضلع گوجرانوالہ میں سکھوں کا کاردار بنا۔ سکھوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد محمود میر گوجرانوالہ چلا آیا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ اول چودھری کرم الٰہی جو گوجرانوالہ میونسپلٹی کے ممبر اور شہر کے ایک معزز ٹھیکیدار تھے۔ ان کا ایک ہی فرزند چودھری صدرالدین ہے۔ جو ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہے۔ صدردین کا بھی ایک ہی اکلوتا بیٹا عطا محمد کا نام ہے۔ اور وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہے۔ عطا محمد کا ایک خوردسال لڑکا ارشد حسین موجود ہے۔

چودھری کرم الٰہی کے بھائی کا نام فضل الٰہی تھا۔ اس کے چار فرزند تھے۔ ایک فرزند محمد رمضان کا بعمر ۲۲ سال عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔ باقی تین فرزند غلام محمد سلطان محمد نذیر حسین موجود ہیں۔

خان صاحب میر کریم بخش ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم:

آپ کے بزرگ تحصیل کولگام کے رہنے والے تھے۔ سکھوں کے زمانہ میں کشمیر سے آئے۔ آپ کے والد میر نبی بخش گوجرانوالہ کے مشہور حاذق یونانی طبیب تھے۔ اور ان کی نبض شناسی، تشخیص اور ان کے علاج اور ان کے دست شفائی صرف شہر ہی میں نہیں بلکہ ضلع بھر میں شہرت تھی۔

خان صاحب میر کریم بخش تین بھائی ہیں ان کے برادر بزرگ میر عالم دین ہیں جو محکمہ ریلوے کے ایک کامیاب انجینئر تھے۔۵۵ سال عمر کے بعد ریٹائرڈ ہو گئے۔آج کل بیر متھرا پور میں بہت بڑے ٹھیکیدار ہیں۔نرینہ اولاد میں ان کا صرف ایک ہی لڑکا تھا عرصہ ہوا وہ فوت ہو چکا ہے۔ اب صرف ایک لڑکی ہے۔جو راقم الحروف کے چچازاد بھائی شیخ فصیح الدین۔بی۔اے۔ایل۔ایل۔ بی ہیڈ ماسٹر ایبٹ آباد سے بیاہی ہوئی ہے۔میر عالم دین کی عمر اس وقت ۶۸ سال ہے۔

ان سے چھوٹے میر محمد الدین مرحوم تھے۔ جو برسوں تک مشن ہائی سکول گوجرانوالہ میں ٹیچر رہے۔اپنے ضلع میں کرسی نیشن تھے۔گوجرانوالہ میونسپلٹی کمیٹی کے ممبر تھے۔ بعد میں شیخوپورہ میونسپلٹی کے سیکرٹری ہو گئے۔ بمعر ۵۲ سال ۲۴ فروری ۱۹۳۱ء میں انتقال کر گئے۔آپ کے حسب ذیل صاحبزادے ہیں۔میر مظفر حسین سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ شیخوپورہ۔میر محمد اصغر ایف۔اے تک تعلیم ہے۔میر محمد مختار اس نے اس سال ایف اے کا امتحان دیا ہے۔میر افتخار حسین وہ جماعت چہارم میں تعلیم پا رہا ہے۔

میر کریم بخش سب سے چھوٹے ہیں۔خان صاحب کے خطاب یافتہ ہیں۔عرصہ سے آپ صوبہ سرحد کے محکمہ تعلیم کے افسر ہیں۔اور اس وقت وہاں سررشتہ تعلیم کے ڈائریکٹر ہیں۔ آپ کا اصل عہدہ انسپکٹر آف سکولز ہے۔لیکن اپنی ہر دلعزیزی اور تعلیمی تجربوں کی بدولت آپ تیسری مرتبہ ڈائریکٹر ہوئے ہیں۔اور ۱۲ مئی ۱۹۳۴ء کو آپ نے اس جلیل القدر عہدہ کا اپنے پیش رو انگریز سے چارج لیا تھا۔مسلم اخبارات اور مسلم انجمنوں کے علاوہ آپ کے بے شمار احباب نے جن میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شامل ہیں آپ کو اس تقرری پر ہدیہ تبریک پیش کر کے اپنی مسرت کا اظہار کیا ہے۔

اپریل ۱۹۲۶ء کے اجلاس کشمیری کانفرنس منعقدہ گوجرانوالہ میں ''کشمیر کا تعلیمی پروگرام'' کے عنوان سے جو مضمون آپ نے پڑھا تھا۔وہ بتاتا ہے کہ آپ کو مسلمانان کشمیر کے تعلیمی مسائل اور ان کی تعلیمی ترقیوں سے کس حد تک ہمدردی و دلچسپی ہے۔اس پروگرام میں آپ نے دربار کشمیر کو بھی مسلمانوں کی تعلیمی پستی کی طرف توجہ دلائی اور خود مسلمانوں کو بھی اپنی مدد آپ کرنے کا گُر بتایا۔واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ جو مشورے آپ نے حکومت کشمیر اور مسلمانان کشمیر کو ۱۹۲۶ء میں دیئے تھے آج کشمیر کی تعلیمی ترقیاں ایسے ہی مشفقانہ و ہمدردانہ مشوروں پر عمل پیرا ہوں کا نتیجہ

ہیں۔مظہر حسین آپ کا صاحبزادہ ہے جو زیر تعلیم ہے۔

میر محمد حسین بی اے اسسٹنٹ سٹاف وارڈن ریلوے:

آپ کے جد امجد جمال میر غدر ۱۸۵۷ء سے چند سال قبل کشمیر سے گوجرانوالہ آئے۔ برخوردار میر جو قلعہ دیدار سنگھ کے مشہور تھانے کے سب انسپکٹر پولیس تھے۔جمال میر ہی کے پوتے تھے۔ برخوردار میر کے فرزند اللہ دتہ میر تھے۔وہ ریلوے اور ملٹری ورکس میں اچھے عہدوں پر کام کرتے رہے۔ سوات برج جو چکدرہ فورٹ کے قریب ۱۹۰۵ء میں بنایا گیا تھا۔ آپ ہی کا کارنمایاں تھا۔اسی خدمت کے صلہ میں سپروائز ہوگئے۔۱۹۰۶ء میں پھر ریلورے میں آ گئے۔اور ۱۹۳۶ء میں برج انسپکٹر کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوکر چند ایام کی علالت کے بعد انتقال کر گئے۔

میر محمد حسین بی۔اے آپ ہی کے فرزند ہیں۔۱۹۱۴ء میں مشن کالج لاہور سے بی۔ اے آنرز کی ڈگری لی۔ ۱۶،۱۹۱۵ء میں اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر ہوئے۔اور دو سال کے عرصہ میں سکول کو جو اس وقت ڈگمگا رہا تھا وہ شہرت دی کہ اس وقت تک وہ بفضلہٖ زمانہ کی مخالف ہواؤں سے محفوظ ہے۔۱۹۱۶ء میں آپ ریلوے میں کلیمز انسپکٹر ہو گئے۔اور ۱۹۳۰ء تک انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کے جائنٹ سیکرٹری رہے۔اسی سال اسسٹنٹ سٹاف وارڈن ہوکر دہلی ڈویژن میں تبدیل ہو گئے۔انجمن حمایت اسلام لاہور، مسلم کشمیری کانفرنس لاہور، انجمن اہل سنت والجماعت گوجرانوالہ اور انجمن امداد باہمی وغیرہ میں بیش از بیش حصہ لیتے رہے ہیں۔آپ کا ایک ہی صاحبزادہ سخاوت حسین نام ہے۔ جو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں زیر تعلیم ہے۔آپ کی عمر اس وقت ۴۱ سال ہے۔ پہلی بیوی کی وفات کے بعد آپ کی دوسری شادی شیخ محمد عبداللہ ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر برادر اکبر خان بہادر شیخ محمد کاظم ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل کی صاحبزادی سے ۱۹۲۳ء میں ہوئی تھی۔

آپ کے عزیز رشتہ داروں میں خان صاحب میر کریم بخش ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم میر عالم دین ریٹائرڈ ایس۔ڈی۔او۔اور میر محمد الدین مرحوم آپ کے ماموں اور میر عبدالعزیز بی۔اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات آپ کے خالہ زاد بھائی میر مظفر حسین سیکرٹری ڈسٹرکٹ بورڈ شیخوپورہ آپ کے ماموں زاد بھائی اور میر حسین بخش بی اے ایل ایل بی وکیل و میونسپل کمشنر گوجرانوالہ اور شیخ حسن دین مدیر اخبار حمایت اسلام اور بابو محمد جان انسپکٹر ورکس ای بی ریلوے پولیس آپ کے بہنوئی ہیں۔

میر امیر بخش کریمی پریس والے:

سکھوں کے عہد میں ان کے بزرگ شعبان میر ولد رمضان میر ملگان (گلمرگ) سے لاہور آئے۔ شعبان میر کے فرزند کا نام رجب میر تھا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ قادر بخش وامیر بخش۔ پنجاب کے شہروں اور قصبوں میں میر محفل قوم کے جو لوگ آباد ہیں۔ انہوں نے میر کا لفظ نام کے آگے میں رکھنے کی بجائے نام سے پہلے رکھنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ کشمیر میں یہ دستور نہیں ہے۔ اسی تقلید میں قادر بخش میر قادر بخش اور امیر بخش میر امیر بخش کہلائے۔ میر قادر بخش ضلع لدھیانہ میں بہت مدت تک پولیس سب انسپکٹر رہے ہیں ان کے دو فرزند ہیں۔ میر احمد بخش و میر خدا بخش دونوں تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔

میر امیر بخش نے اپنی ذاتی ہمت وکوشش سے ایک عظیم الشان کتب خانہ کے علاوہ بہت بڑے پیمانہ پر ایک چھاپہ خانہ بنام کریمی پریس قائم کیا۔ اولاد نرینہ میں آپ کے ۶ فرزند ہیں۔ ایک لڑکا میر رحمت اللہ عین جوانی میں انتقال کر چکا ہے۔ اس کی اولاد موجود ہے۔ سب سے بڑے کا نام میر محمد عبداللہ ہے۔ وہ ریلوے میں ایک معزز عہدہ پر ہیں۔ میر سلیم اللہ سندھ میں پلیٹ لیر ریلوے ہیں۔ باقی تین بھی اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں۔

منشی نظام الدین میرزا اپیل نویس سیالکوٹ:

آپ کے دادا کریم بخش سب سے پہلے کشمیر سے آئے۔ آپ کے والد کا نام گلاب دین تھا۔ عمر آپ کی قریباً ستر سال ہے۔ ۱۸۔۲۰ سال تک آپ سیالکوٹ میونسپلٹی کے ممبر رہے ہیں۔ موضع پڑوپی تحصیل سیالکوٹ میں آپ کی زرعی اراضی ہے۔ آپ مغل زراعت پیشہ ہیں۔ اور ۱۳ مارچ ۱۹۲۰ء کے حکم کے مطابق صاحب کلکٹر ضلع سیالکوٹ آپ کو زراعت پیشہ تسلیم کر چکے ہیں۔ آپ کی اولاد ذکور حسب ذیل ہے۔

(۱) ڈاکٹر محمد عبداللہ اسسٹنٹ سرجن میڈیکل افسر بارہ مولا کشمیر۔

(۲) محمد ابراہیم مرحوم ہائیکورٹ پنجاب میں مترجم تھے۔

(۳) ایم عبدالحق قائم مقام ایس ڈی او۔ امپیریل ڈیپارٹمنٹ شملہ۔

(۴) ایم عبدالحلیم بی۔ اے اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس لائل پور۔

(۵) ایم عبدالکریم ڈسٹرکٹ سینٹری انسپکٹر ضلع امرتسر۔

(۶) ایم عبدالوحید اپنی اراضی پر خود کاشت کرتے ہیں۔

(۷) ایم محمد امین ٹرنک مرچنٹ سیالکوٹ۔

(۸) بدر منیر

(۹) قیصر ابھی خورد سال ہیں۔ نمبر ا سے نمبر ۶ تک صاحب اولاد ہیں۔

میر مغل ہیں اور زراعت پیشہ ہیں۔ عدالت سب جج سیالکوٹ کا فیصلہ:

۸ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مستری نظام الدین میر سکنہ ہلو وال نے جب پیرانداتا آرائیں سکنہ گلہ مہاراں تحصیل نارووال سے ایک کنال اراضی خرید کی۔ تو تحصیل دار نارووال نے اس کو اس بنا پر خرید شدہ اراضی کا داخل خارج نامنظور کر دیا۔ کہ مدعی زراعت پیشہ اقوام سے نہیں ہے۔ آپ نے ۷ مئی ۱۹۳۰ء کو عدالت میاں محمد اسلم پی۔ سی ایس سب جج سیالکوٹ کے عدالت میں استقرار حق کا دعویٰ کر دیا۔ اور لکھا کہ مدعی ذات کا مغل کشمیری ہے اور زراعت پیشہ قوم سے ہے۔ سرکاری وکیل نے ان کے بزرگوں کی نقل مکانی تو کشمیر سے تسلیم کر لی۔ لیکن ان کے زراعت پیشہ اور مغل ہونے سے انکار کر دیا۔ عدالت نے ۲۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو اس امر کے متعلق کہ مدعی میر مغل اور زراعت پیشہ ہے یا نہیں۔ ایک طویل فیصلہ لکھا ہے۔ جس کا کچھ خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

''اب ہمیں دیکھنا ہے کہ لفظ میر سے کیا مراد لی جاتی ہے۔ اگر لفظ میر کسی نام کے شروع میں لگا دیا جائے تو یہ محض ایک معزز خطاب ہے۔ ہاں اگر یہی لفظ کسی نام کے بعد میں آجائے تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ میرزا کا مخفف ہے۔ جو مغلوں کا معزز خطاب ہے۔ رپورٹ مردم شماری ہند ۱۹۱۱ء میں صفحہ ۱۲۶ پر مغلوں کی چھ گوتیں ہیں۔ بیگ، چوغطہ، میر وغیرہ اور جلد اول کے صفحہ ۲۰۵ کے حاشیہ میں مغلوں کی سات گوتیں بتائی گئی ہیں۔ جن میں پھر میر کا ذکر ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ میر یعنی مغل زراعت پیشہ ہیں۔ اسی کتاب میں سید میروں سے جو پروہت جماعت سے ہیں انہیں علیحدہ بتا کر لکھا گیا ہے کہ ''زراعت پیشہ میر'' کی حالت میں لفظ ''میر'' نام کے بعد لگایا جاتا ہے۔ اور سید میر کی صورت میں نام سے پہلے آتا ہے۔ ایسے مستند حوالہ جات کی موجودگی میں بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''میر کشمیری'' مغل زراعت پیشہ ہے۔ پنجاب میں جو جماعتیں ''میر'' کہلاتی ہیں۔ وہ فقط سید یا میراثی ہیں لیکن کشمیر میں مغلوں کے سوا اور کوئی میر نہیں

کہلاتا.........

کتاب ویلی آف کشمیر مصنفہ والٹر ایل لارنس آئی۔سی۔ایس۔سی۔آئی۔ای کے صفحہ ۳۰۹ کے ایک اقتباس سے جس کی نقل شامل مثل ہے۔ پایا جاتا ہے۔ کہ "میر" جو مرزا کی بگڑی ہوئی شکل ہے مغلوں کی نسل سے ہیں۔ اسی فیصلہ میں امپیریئل گزیٹر آف انڈیا جلد ۱۵ مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں اقوام کشمیر کے سلسلہ میں جو چند سطریں ہیں۔ فاضل جج ان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "مغلوں کی زیادہ اقسام نہیں ہیں۔ ان کی گوتوں کے نام میر وغیرہ ہیں۔ جو میرزا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔"..........

"بہر حال مدعی بلا شک وشبہ کشمیری میر ہے اور کشمیری میر سے مراد سوائے مغل کے اور کچھ نہیں۔ اور مغل اس ضلع میں زراعت پیشہ ہیں۔ لہٰذا مدعی مغل زراعت پیشہ ہے۔ اور اس استقرار کا مستحق ہے جس کے لیے اس نے درخواست دی ہے۔

میر مغل ہیں اور زراعت پیشہ ہیں: (ڈسٹرکٹ جج گجرات کے ایک فیصلہ کا خلاصہ)

میر زراعت پیشہ قوم ہے اور کشمیر میں زمینداری کاروبار پر ہی اس کی بسر اوقات ہے۔ (ملاحظہ ہو رپورٹ مردم شماری جموں وکشمیر بابت ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۰۵)۔

کشمیر سے نقل مکانی کرتے ہی جب اس قوم اور کشمیر کی دیگر اقوام نے پنجاب میں قدم رکھا۔ تو باوجود اس بے سروسامانی کے جو ایک غریب الدیار قوم کو ہر اجنبی ملک میں پیش آتی ہے۔ کشمیری مسلمانوں نے جس شعبہ کو اختیار کیا اس میں نمایاں ترقی کی۔ جن لوگوں نے زمینیں حاصل کرلیں وہ اچھے زمیندار ثابت ہوئے۔ مگر ۱۹۰۰ء میں جب پنجاب میں قانون انتقال اراضی کا قانون نفاذ ہوا تو کشمیریوں کو بھی غیر زراعت پیشہ قرار دے دیا گیا۔ جو کشمیری شہروں اور قصبوں میں رہتے تھے۔ وہ اراضی کی قدرو قیمت سے ناواقف تھے۔ اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے اپنے دیہاتی کشمیری بھائیوں کی تکالیف کا احساس نہ کر سکتے تھے۔

آخر پنجاب کے کشمیری مسلمانوں نے حصول اراضی کے حقوق حاصل کرنے کے لیے پرزور جدوجہد شروع کی۔ برسوں کی کوششوں اور ذاتی ملاقاتوں اور طویل خط وکتابت کے بعد گورنمنٹ پنجاب نے یہ فیصلہ کیا کہ "کشمیری تو کوئی ذات ہی نہیں۔" (اور یہ بات بھی صحیح تھی) البتہ کشمیری مسلمانوں کی جو ذاتیں اور گوتیں پنجابی مسلمانوں سے ملتی ہیں۔ اور جو زراعت پیشہ

ہیں ان کو زراعت پیشہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً لاہور یا گوجرانوالہ میں پنجاب کے قریشی زراعت پیشہ قوم شمار کیے جاتے ہیں۔ ان اضلاع میں اگر کوئی کشمیر کا قریشی بھی ہے تو وہ بھی زراعت پیشہ ہی سمجھا جائے گا۔ جہاں پنجابی قریشی زراعت پیشہ نہیں ہے۔ وہاں کشمیری قریشی بھی زراعت پیشہ نہیں ہوسکتا۔

اسی بنا پر میر بھی مغلوں کی ایک شاخ ہونے کی وجہ سے اس ضلع میں جہاں پنجابی مغل زراعت پیشہ ہیں۔ زراعت پیشہ کہلوانے کی جدو جہد میں مصروف تھے اور ہر چند کہ مسلم کشمیر زراعتی بورڈ راولپنڈی کی تحقیقات (۱۹۲۷ء) کے مطابق ضلع گجرات میں ۲۳۸ ضلع جہلم میں ۲۰۹ اور ضلع راولپنڈی میں ۶۸۵ گھرانے میر قوم کے زراعت پیشہ ہیں۔ لیکن پھر بھی حصول اراضی میں ان کو بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور بعض اوقات تو حصول انصاف سے بالکل مایوسی ہو جاتی تھی۔ آخر ضلع گجرات کے ایک میر صوبیدار میجر محمد خان آنزیری مجسٹریٹ نے زراعت پیشہ اقوام میں شامل ہونے کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکٹایا۔ عدالت نے گواہان وغیرہ کے بیانات کے بعد آخر انہیں مغل تسلیم کرلیا اور چونکہ ضلع گجرات میں مغل زراعت پیشہ قوم ہے۔ اس لیے عدالت نے اس کے زرعی حقوق بھی تسلیم کر لیے۔ لیکن سرکار نے مستغیث کے خلاف لالہ جسونت رائے ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج گجرات کی عدالت میں اپیل کی۔ عدالت نے سرکار کی اپیل کا جو فیصلہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو صادر کیا ہے اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس مقدمہ میں مدعا علیہ وزیر ہند تھے۔ عدالت کے فیصلہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

مستغیث صوبیدار میجر آنزیری مجسٹریٹ محمد خاں نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ اسے مغل قرار دیا جائے۔ جو ضلع گجرات میں مشتہرہ زراعت پیشہ قوم ہے۔ مستغیث نے یہ بھی کہا ہے کہ کاغذات مال میں غلط طور پر اس کی ذات کشمیری درج کی گئی ہے۔ کیونکہ کشمیری درحقیقت کوئی ذات نہیں ہے.........میرا خیال ہے کہ یہ مقدمہ بالکل واضح ہے۔ معزز گواہوں نمبرداروں اور فوجی افسروں نے مستغیث کے مغل ہونے کی شہادت دی ہے۔ کاغذات مال میں، بھی اسے میر کشمیری ظاہر کیا گیا ہے۔ اور الفاظ ''میر کشمیری'' کے اس کے سوائے کوئی اور معنی نہیں کہ وہ مغل ہے۔ مرافعہ گزار (وزیر ہند) کے فاضل وکیل نے میری توجہ کتاب

(Aglossary of the tribes and customs of the Punjab and North western frontier province p.vol.111)

مصنفہ ایلسن کے صفحہ ۱۰۵ و ۱۳۰ کی طرف منعطف کرائی ہے۔ صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔ ''میر سیدوں اور میراثیوں کا خطاب ہے۔'' کتاب مذکور میں میر کی جو شرح کی گئی ہے وہ نا کافی ہے یا غلط ہے۔ صفحہ ۱۳۰ کا حوالہ دے کر فاضل وکیل یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اس صفحہ میں جہاں مغلوں کا بیان ہے۔ وہاں مغل کے زیر عنوان میر نام کی کسی ذات کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اسی صفحہ میں یہ لکھا گیا ہے کہ ادنیٰ ذات کے لوگوں میں جس طرح اپنے آپ کو شیخ کہلانے کا رجحان پایا جاتا ہے ایسے ہی وہ اپنے آپ کو مغل کہلوار ہے ہیں۔ پھر لکھا ہے کہ حقیقی مغل قبائل صرف برلاس اور چوغطہ ہی ہیں۔ جو پنجاب میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

عدالت نے اس کے جواب میں اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کرنل ولسن کا اشارہ جات ذات کے ان لوگوں کی طرف تھا۔ جو اسلام قبول کرنے کے بعد مغل کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ برلاسوں اور چوغطوں کے متعلق لکھا ہے ممکن ہے پنجاب میں ان کی کثرت ہو۔ لیکن پنجاب کے تمام مغل چوغطے اور برلاس ہی نہیں ہیں۔

لیکن ان اعتراضات کے برعکس مستغیث کے دعویٰ کی تائید میں ہم کو موافق شہادت ملتی ہے۔ مردم شماری ہندوستان بابت ۱۹۱۱ء جلد ۲۰ کشمیر حصہ دوم میں صفحہ ۱۲۶ پر نقشوں کو حسب ذیل ۶ فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے۔ بیگ، چوغطہ، میر، قزلباش، وغیرہ اسی رپورٹ مردم شماری میں صفحہ ۲۰۵ کے حاشیہ پر ان مغلوں کو جو خراسان و ترکستان سے نقل وطن کر کے آئے ہیں۔ سات گوتوں میں دکھایا گیا ہے۔ اور ان میں سب سے پہلی گوت میر ہے۔ جو میرزا کا مخفف ہے۔ یہ میر زراعت پیشہ ہیں۔ اور سید میروں سے بالکل علیحدہ ہیں۔ سید میر مذہبی پیشواؤں کی گوت ہے ہے۔ ان دونوں گوتوں کا بین فرق یہ ہے کہ مغل میر تو اپنے نام کے بعد میر کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اور سید میر۔ میر کا لفظ اپنے نام سے پہلے لکھتے ہیں۔ اس لیے کشمیر میں ''میروں'' سے صرف مغلوں ہی کی گوت مراد ہے۔

جیسا کہ مستغیث نے دعویٰ کیا ہے۔ ''کشمیری کوئی ذات نہیں ہے۔ اور Glossary کے صفحہ ۴۷۸ جلد دوم میں بھی جس کا حوالہ مرافعہ گزار کی طرف سے پیش کیا گیا ہے۔ لفظ کشمیری کا استعمال کشمیر کے افراد کے لیے ہے۔ جو بہر صورت ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور جس میں بہت سی ذاتیں ہیں۔ صفحہ ۴۷۹ میں بتایا گیا ہے کہ قبائل کشمیر کے مکمل حالات سر

والٹر لارنس کی کتاب ویلی آف کشمیر کے باب ۱۲ صفحہ ۳۰۹ پر بھی درج ہیں۔ ان میں میر ذات کو مغل ظاہر کیا گیا ہے۔ اور لفظ میر کو لفظ میرزا کی بگڑی ہوئی صورت بیان کیا گیا ہے۔ امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد ۱۵ صفحہ ۱۰۳ پر بھی مسلمانان کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے میر ذات کو میرزا کی بگڑی ہوئی صورت اور میر کو مغلوں کی ایک گوت ظاہر کیا گیا ہے۔

فاضل سرکاری وکیل مجھے ایک بھی ایسی سند نہیں دکھا سکا جس میں لفظ میر کشمیری کو مغل کے سوا کسی اور مفہوم میں استعمال کیا گیا ہو۔ اس لیے مستغیث کی اپیل اصطلاحی طور پر اس حد تک منظور کی جاتی ہے۔ جہاں تک مقدمہ کی سماعت کرنے والی عدالت نے مستغیث کے حق میں ڈگری دی ہے کہ وہ مغل ہے۔

خان صاحب میر عزیز الدین:

کوئٹہ میں ای اے سی تھے۔ کچھ عرصہ تک ریاست لس بیلہ کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں۔ سیالکوٹ میں انجمن اسلامیہ کے سیکرٹری تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے میر خورشید الزمان خاں بی۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء لاہور کے مشہور قانون دانوں میں ہیں۔

حکیم میر نور الٰہی:

ان کے والد میر کرم دین لاہور کے مشہور کتب فروشوں میں تھے۔ ان کا ایک بھائی میر حسان الٰہی اپنی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے سیاسی اور کانگرسی حلقوں میں خاص طور پر مشہور رہے۔ پ کا مطب مصری شاہ لاہور میں اپنے فیض عام سے عوام کو مستفیض کر رہا ہے۔ پنجاب کے نلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات میں میر خاندان جو زراعت پیشہ ہیں یا فوجی ملازم ہیں۔ رپورٹ شمیر زراعتی بورڈ ۱۹۲۷ء کے مطابق ان کی تعداد ۱۰۳۲ ہے۔

رعبدالعزیز بی اے انسپکٹر ڈاک خانہ جات:

ان کے بزرگ بھی سکھوں کے زمانہ ہی سے کشمیر سے آئے۔ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ مد کا انتقال ہو گیا۔ اپنے خاص شوق اور ذاتی کوشش سے بی۔ اے پاس کیا۔ پھر ڈاک خانہ میں زم ہو کر پشاور میں سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات کے ہیڈ کلرک ہو گئے۔ کیمبل پور، مردان، ل وغیرہ میں انسپکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۴ء سے لاہور میں ہیں۔ آپ نے

جب انسپکٹری کا امتحان دیا تھا تو پنجاب میں سب سے اول رہے تھے۔ آپ کی اولاد ذکور میں بڑا لڑکا ظفر العزیز تھرڈ مڈل میں پڑھتا ہے۔ اور ظفر قبول ابھی چھوٹا ہے۔

امرتسر۔سیالکوٹ۔لاہور کے پال خاندان

پال خاندان امرتسر:

جس زمانہ میں سکھوں کی حکومت پنجاب اور کشمیر میں اپنی آخری سانس لے رہی تھی۔ ان ایام میں حمزہ پال نام امرتسر کے ایک کاشمیری بزرگ جن کے والد کشمیر سے نقل مکانی کر کے سیدھے امرتسر آئے تھے۔ امرتسر میں عزت واحترام کی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے فرزند جان محمد پال اپنے زمانہ میں پشمینہ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اور امرتسر کی مقامی سوسائٹی میں چودھری جان محمد کے نام سے موسوم تھے۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ فرزند اول کا نام چودھری معراج الدین پال ہے۔ جو دفتر انہار امرتسر میں ملازم ہیں۔ دوسرے فرزند کا نام چودھری سراج الدین پال ہے۔ جو ایم اے ہیں۔ ایچ پی ایچ اے ہیں او ایم او۔ ٹی کی ڈگری یافتہ ہیں قانون کا امتحان ایل ایل بی پاس ہیں۔ اور کئی سال سے امرتسر میں ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تیسرے فرزند چودھری ظہور الدین احمد پال ہیں۔ جو بی اے ایل ایل بی ہیں۔ اور وکلائے امرتسر میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور فروری ۱۹۳۴ء کو میونسپل الیکشن میں بغیر مقابلہ کے کامیاب رہے ہیں۔

پال خاندان سیالکوٹ:

سیالکوٹ میں پال خاندان کے صرف دو گھر تھے۔ ایک گھر عرصہ دراز سے مفقود ہے دوسرے گھر کے سردار منشی احمد الدین ریٹائرڈ ریڈر ہیں۔ ان کے دادا غفار پال اس زمانہ میں جب پنجاب میں سکھوں کا زوال اور انگریزی عمل داری کا آغاز ہو رہا تھا۔ کشمیر سے سیالکوٹ آئے۔

اس وقت کشمیر میں سکھوں کی حکومت تھی۔ اس زمانہ میں جہاں اور باقی مسلمانوں کو کشمیر میں مصیبت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ ان میں غفار پال

تھے۔ جو اہل وعیال سمیت ہمیشہ کے لیے وطن کو خیر باد کہہ کر پنجاب آ گئے خواجہ احمد الدین کے والد یہیں پیدا ہوئے۔

خواجہ احمد الدین جنوری ۱۸۹۱ء میں ملازم ہوئے اور ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء کو ریٹائر ہو گئے۔ سیالکوٹ ہی میں مختلف سرکاری شعبوں میں کام کرتے رہے آپ کے پانچ صاحبزادے حسب ذیل ہیں۔

(۱) خواجہ محمد مسیح پال گلگت میں انڈین اسسٹنٹ اور خان صاحب کے خطاب سے ممتاز ہیں۔ بہت عرصہ ہوا ان کی اردو نظمیں اخبار ''زمیندار'' میں چھپا کرتی تھیں (۲) خواجہ عبدالسلام پال بی اے ایل ایل بی پلیڈر اور (۳) خواجہ عبدالسمیع پال ایم اے ایل ایل بی پلیڈر سیالکوٹ میں وکالت کرتے ہیں۔ خواجہ سمیع اثر صہبائی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی رباعیات کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔ ادبی دنیا میں ان کے نام کی بہت شہرت تھی۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر ذیل میں درج ہیں۔

یا ڈوب جائیں لب مرے جام شراب میں — یا موسم بہار نہ آئے شباب میں
اب آرزو یہی ہے کہ اے مطرب حسیں — ہو جاؤں جذب زمزمہ ہائے رباب میں

(۴) خواجہ عبدالبصیر پال ایم ایس سی۔ ایم اے او کالج امرتسر میں پروفیسر ہیں۔
(۵) عبدالقدوس پال نے امسال مرے کالج سیالکوٹ سے بی اے کا امتحان دیا ہے۔

پال خاندان * لاہور:

لاہور کے مشہور ملا محمد بخش (پیدائش ۱۸۵۱ء) ایک بزرگ کشمیری مہاجر محمد عبداللہ پال کے فرزند تھے۔ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے لیکن آپ نے اپنی غیر معمولی دماغی قابلیت سے ان پڑھ ہونے کے باوجود اخباری اور علمی اور مذہبی دنیا میں بہت شہرت حاصل کی۔ آپ تاج الہند پریس اور ایک ہفتہ وار اخبار جعفر زٹلی کے مالک تھے۔ ملا محمد بخش مرحوم میرزا غلام احمد قادیانی کے زبردست مخالفوں میں تھے۔ اور ہمیشہ ان کے خلاف کوئی نہ کوئی اشتہار یا پمفلٹ شائع کرتے رہتے تھے۔ اخبار ہنٹر بھی آپ ہی نے جاری کیا تھا۔ وہ بھی کئی سال تک جاری رہا۔ ۱۹۲۳ء میں

* لاہور میں دو تین گھر اور بھی پالوں کے سنے گئے ہیں۔ چند ایک گھر ضلع گجرات جہلم اور راولپنڈی میں بھی ہیں۔ جو زراعت کا کاروبار کرتے ہیں۔

آپ لاہور میں انتقال کر گئے۔

''ابوالمعانی'' مولانا تاج الدین احمد تاج آپ ہی کے فرزند ہیں۔ ملا محمد بخش نے آپ
ہی کی پیدائش (۱۸۸۴ء) پر اپنے مطبع کا نام تاج الہند رکھا تھا۔ مولانا تاج اپنی اعلیٰ شاعرا
قابلیتوں اپنے مذہبی جوش وخروش اور اپنی زبردست قلم کاریوں اور اپنے اخباری تجربات کی
بدولت ایک ممتاز شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۹ء تک قریباً سات (ماہوار ہفت
روزہ۔ روزانہ) رسائل واخبار جاری کر چکے ہیں۔ جن میں ہنٹر کا دوبارہ اجراء زیادہ مشہور ہے
مولانا تاج فی الحقیقت فطری اور وہبی شاعر ہیں۔ پنجابی کے علاوہ اردو شاعری میں بھی آپ
ممتاز درجہ ہے۔ لاہور کے علاوہ حیدر آباد دکن، دہلی اور لکھنؤ کے معرکۃ الآراء مشاعروں میں ہمیشہ
کامیاب رہے۔ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، لالہ گوکل چند نارنگ بیرسٹر لاء (حال وز
بلدیات صوبہ پنجاب اور مولانا حامد رضا خاں بریلوی نے آپ کے کلام کی انعامات وعطایا
سے عملاً داد دی ہے۔

آپ کی اولاد ذکور سے دو بیٹے فوت ہو چکے ہیں۔ جن میں غلام نقشبند (عمر ۱۸ سال
نہایت ذہین اور ہونہار تھا۔ آپ کا منجھلا صاحبزادہ فیض مجدد (عمر ۲۰ سال) بفضلہٖ تعالیٰ زندہ
اور ایک مشہور اور کامیاب آرٹسٹ اور خوش نویس ہے۔

لدھیانہ کے چند اہل خطہ خاندان

دار خاندان:

خواجہ احمد شاہ مرحوم جو ملک سیف دار کی پندرھویں پشت * میں تھے۔ ۱۸۴۹ء میں
سری نگر سے لدھیانہ آ کر مستقل طور پر اقامت گزین ہو گئے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ (۱) خواجہ
صمد اللہ دار (۲) خواجہ محمد شاہ دار (۳) خواجہ خلیل شاہ دار (۴) خواجہ احد شاہ دار۔ یوں تو قابلیت
امارت کے لحاظ سے یہ تمام خاندان ایں خانہ تمام آفتاب است کا مصداق تھا۔ لیکن خواجہ احد شاہ
مرحوم نے پنجاب بلکہ ہندوستان میں سارے کشمیر کا نام روشن کر دیا۔ یعنی اس زمانہ میں جب

انگریزی خواں مسلمانوں کی تعداد پنجاب کیا سارے ہندوستان میں بہت کم تھی۔ اور کسی کو ایسا انگریزی اخبار جاری کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جو مسلمانوں کے حقوق و مطالبات کی پرزور ترجمانی کر سکے۔ آپ نے انگریزی نہ جاننے کے باوجود اکابر ملک کے اصرار سے ''ابزرور'' کے نام سے ایک روزانہ انگریزی اخبار لاہور میں جاری کر دیا۔ جو ہندوستان بھر میں مسلمانوں کا واحد انگریزی اخبار تھا۔ خان صاحب شیخ عبدالعزیز بی اے جو برسوں تک سپرنٹنڈنٹ پریس برانچ سیکرٹیریٹ پنجاب رہ کر اب پنشن پر ہیں۔ اور خان بہادر سر شیخ عبدالقادر بی۔ اے بیرسٹرایٹ لاء جو حال ہی میں ہائیکورٹ پنجاب کے ججی سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ اور کئی اور معزز اصحاب اسی اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں رہے ہیں۔

خواجہ احد شاہ مرحوم پنجاب کونسل کے ممبر تھے۔ اور اپنے تجارتی کاروبار اور تمول و وجاہت و شرافت خاندانی کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ (۱) حاجی خواجہ محمد اکرم میونسپل کمشنر لدھیانہ (۲) خواجہ محمد اسلم میونسپل کمشنر لدھیانہ (۳) حاجی خواجہ محمد اعظم میونسپل کمشنر لدھیانہ۔ تین صاحبزادیاں ہیں سب سے بڑی صاحبزادی کی شادی آپ کے برادرزادہ خواجہ محمد شاہ دار کے فرزند خواجہ محمود شاہ مرحوم کے ساتھ ہوئی۔ دوسری صاحبزادی کی شادی خواجہ عبدالغنی گورنمنٹ کنٹریکٹر خلف خان بہادر خواجہ عبدالاحد مرحوم رئیس شملہ کے ساتھ اور تیسری صاحبزادی کی شادی مسٹر محمد نیاز فاروقی ایگزیٹو انجینئر پنجاب کے ساتھ ہوئی۔ ۱۹۲۳ء میں آپ کے انتقال پر مقامی اور پنجاب کے کئی بڑے بڑے مقامات کے مسلمانوں اور کئی اسلامی انجمنوں نے تعزیتی قراردادیں پاس کیں۔ اور آپ کی وفات کو ایک قومی صدمہ تصور کیا۔

آپ کے فرزندوں کی اولاد حسب ذیل ہے۔ خواجہ محمد اسلم دار کے تین فرزند ہیں۔ (۱) محمد نسیم دار (۲) محمد سلیم دار (۳) محمد اصغر دار۔ خواجہ محمد اعظم کا ایک ہی فرزند بنام خواجہ محمد اطہر دار ہے۔

خواجہ خلیل شاہ مرحوم کے فرزند یعنی خواجہ شاہ مغفور کے برادرزادہ خواجہ محمد یوسف دار اس وقت میونسپلٹی لدھیانہ کے صدر اور لجس لیٹو کونسل پنجاب کے ممبر ہیں۔ علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ انگلستان کی سیاحت کے علاوہ زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں۔

خاندان خواجہ آیت اللہ گورگانی:

خواجہ آیت اللہ گورگانی * جو لدھیانہ کے گورگانی خاندان کے مورث اعلیٰ ہیں۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ میں کشمیر سے لدھیانہ آئے۔ آپ کے دو فرزند تھے (۱) خواجہ احمد شاہ (۲) خواجہ احسن شاہ۔ خواجہ احمد شاہ کو خدا نے چار فرزند دیئے۔ (۱) خواجہ غلام محی الدین جن کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔ خواجہ نجم الدین۔ خواجہ ناصر الدین۔ خواجہ محمد یوسف شاہ (۲) خواجہ اکبر شاہ لاولد (۳) خواجہ شمس الدین آپ کے دو فرزند ہیں۔ خواجہ قمر الدین۔ خواجہ نور الدین۔ خواجہ آیت اللہ کے چوتھے فرزند خواجہ خلیل شاہ ہیں۔ آپ کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ احد شاہ محمد شاہ۔ ممتاز احمد بی۔ اے، منظور احمد، محبوب احمد، خواجہ شمس الدین تیس سال تک میونسپل کمشنر اور کئی مرتبہ آنریری سیکرٹری اور ڈیڑھ سال تک پریذیڈنٹ میونسپلٹی بھی رہے ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں بعمر ۶۰ سال ۱۷ سال کی آنریری مجسٹریٹی کے بعد آپ ریٹائر ہو گئے ہیں۔ خواجہ آیت اللہ کے دوسرے فرزند خواجہ احسن شاہ کا ایک ہی فرزند تھا۔ خواجہ مختار شاہ۔ اس کے دو فرزند ہیں (۱) خواجہ احمد شاہ جو خواجہ شمس الدین کی جگہ اب میونسپل کمشنر ہیں۔ دوسرے ڈاکٹر خواجہ صمد شاہ۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ٹی ایم جو گورنمنٹ کی طرف سے امریکہ گئے ہوئے ہیں۔

اس خاندان کے قریباً سب صاحبزادگان سرکاری ملازمت میں ہیں۔ اس خاندان کی یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ خاندان قریباً مشترکہ چلا آتا ہے۔ اور افراد خاندان ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور خدا کی حمد بجا لاتے ہیں۔ خواجہ شمس الدین کے ایک بھانجے خواجہ غلام صادق جو پہلے ہیڈ ماسٹر تھے اب لدھیانہ کے کامیاب وکیل ہیں۔

انوری خاندان:

اصل وطن سری نگر ہے۔ اس خاندان کے افراد اس وقت بھی سری نگر میں ریشم اور پشمینہ کے نامور تاجروں میں ہیں۔ ان خاندان کے کوئی بزرگ مغلیہ حکومت کے ایام میں مشرف بہ

* صاحب ''ادیماق مغل'' صفحہ ۲۸۸ پر گورگانی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''در مغلی زبان داماد را گورگان مے گویند۔ آں امرائے را کہ سلاطین مغول دختر دادہ بودند گورگاں مے گفتند۔'' امیر تیمور کے باپ امیر طراغائی سے لے کر اتچل ابن قراچاء تک کئی امراء سلاطین مغول کے داماد ہوئے ہیں۔ لیکن یہ لقب مستقل طور پر امیر تیمور کے نام ہی چسپاں رہا۔ اس لیے کہ وہ امیر قرغن بادشاہ ماوراءالنہر اور خضر خواجہ خاں چغتائی بادشاہ مغولستان دونوں کا داماد تھا۔

اسلام ہوگئے۔ تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں اسی خاندان سے عزیز شیخ نام ایک بزرگ سری نگر سے لدھیانہ آ گئے۔ اور یہاں شال پشمینہ کی تجارت کو انہوں نے خوب ترقی دی۔ آپ کے تین فرزندوں میں سے ایک کا نام انور شیخ تھا۔ آپ کی ذریات اسی نام کی مناسبت سے انوری کہلاتی ہے۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ نبیر شیخ۔ کبیر شیخ۔ احد شیخ۔ دو اول الذکر لدھیانہ میں پولیس وفوج کی ٹھیکہ داری اور پشمینہ کا کام کرتے ہیں۔ احد شیخ بمبئی میں تجارت کرتا ہے۔

خواجہ نبیر شیخ کے پانچ صاحب زادے ہیں۔ سب سے بڑے مسٹر فتح محمد انوری بی۔ اے ایل ایل بی جو لدھیانہ کے کامیاب وکلاء میں ہیں۔ اور لدھیانہ میونسپلٹی کے مشیر قانون بھی ہیں۔ آپ کے حسب ذیل دو فرزند ہیں۔ ارشد مبین انوری اور سرور سعید انوری۔ خواجہ نبیر شیخ کے دوسرے فرزند مسٹر فیض محمد انوری ٹھیکہ دار ہیں۔ باقی تین فرزند محمد رفیع انوری۔ محمد سلیم انوری۔ اور محمد اعجاز انوری ابھی زیر تعلیم ہیں۔ خواجہ کبیر شیخ کے پانچ فرزندوں میں مسٹر عبدالکریم * انوری محکمہ نہر میں سب ڈویژنل کلرک ہیں۔ ان سے چھوٹے عبدالحمید ** انوری تیسرے عبدالرشید انوری ان سے چھوٹے لطیف انوری و شریف انوری ہیں اور یہ سب بوٹوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

خاندان اسد اللہ گورو:

اس خاندان کے مورث اعلیٰ محمد اسماعیل ولد قادر خاں تھے۔ جو دینا نگر سے لدھیانہ آئے تھے۔ بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس لیے ایک لاولد گورو نے ان کو پالا۔ جوان ہونے پر ان کی شادی بھی کر دی۔ نکاح کے وقت نکاح نامہ میں جب محمد اسماعیل اصلی ولدیت لکھوانے لگے تو لاولد گورو نے کہا کہ اگر آج میرا اپنا بیٹا ہوتا تو وہ میری ہی ولدیت لکھواتا۔ چنانچہ اس وقت نکاح نامہ میں محمد اسماعیل کی ولدیت گورو ہی لکھی گئی۔ اس وقت سے یہ گورو ہی مشہور ہیں۔ محمد اسماعیل شالبافی کے کاروبار میں بڑا کامیاب رہا۔ مگر ایک مرتبہ جب دوسرے کشمیری سوداگروں کے ہمراہ ریاست جیند میں گیا تو سخت خسارہ اٹھایا بلکہ جو کچھ کمایا تھا وہ بیچ کر بھی قرضہ موجود رہا۔ آپ سجان پور کے مشہور بزرگ پیر باہر شاہ کے مرید تھے۔ ادائیگی قرض کے بعد جب ان کے فرزند جوان ہوگئے تو قسمت نے ایک دفعہ پھر یاوری کی اور پھر وہی حالت پیدا

---

* ان کے دو صاحبزادے ہیں۔ عارف کریم انوری و آفتاب کریم انوری۔

** ان کے بھی دو فرزند ہیں۔ جاوید حمید انوری و حارث حمید انوری

ہوگئی۔ آپ کے فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ محمد صدیق۔ عبدالعزیز۔ محمد خلیل۔ جن میں اس وقت صرف آخرالذکر زندہ ہے۔ صوفی ولی محمد امام مسجد و خطیب اور خواجہ فیض محمد فیض منشی فاضل اس خاندان کے مشہور افراد ہیں۔ خواجہ فیض کو مشرقی علوم کا خاص شوق ہے۔ ۳۳ء میں آپ نے اورئنٹیل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان دیا۔ اور کالج کے تمام طلباء میں سب سے اول رہے۔ ہندوستان و پنجاب کے بیشتر جرائد و رسائل میں آپ کی نظمیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں آپ نے اپنی مختصر نظموں کا مجموعہ ''فیضیات'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ آپ کی عمر ۲۲۔۲۳ سال کے قریب ہے۔ اس عمر میں کلام کی پختگی اور طبیعت کی روانی اور الفاظ کی بندش اور خیالات کی شستگی ''مے تافت ستارہ بلندی'' کا مظہر نظر آرہی ہے۔ آپ کے خاندانی رشتے لون، بٹ، دار، ملک، وائیں وغیرہ اقوام سے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ اس وقت اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ میں مدرس ہیں۔

خاندان پیر جی صاحبان:

اس خاندان میں سب سے پہلے علی پیر کشمیر سے لدھیانہ آئے۔ آپ کی تمام اولاد پیر جی یا شاہ جی کے نام سے موسوم ہے۔ ایک شاخ امرتسر میں بھی ہے۔ سید یاسین شاہ میونسپل کمشنر و ٹھیکہ دار شاخ لدھیانہ کے سرکردہ بزرگ ہیں۔

خاندان ہارونی:

کشمیر میں اس خاندان کا اصل وطن اسلام آباد تھا۔ سب سے پہلے عثمان ہارونی ولد رمضان ہارونی مہاراجہ گلاب سنگھ کے عہد میں کشمیر سے لدھیانہ آئے۔ اس خاندان میں فوجی خدمات اور سرکاری ملازمت کے ساتھ علمی مذاق بھی موجود ہے۔ خواجہ احمد ہارون اور خواجہ عبدالسبحان ہارون اس خاندان میں دو بھائی مشہور ہیں۔ اس وقت بھی سعید ایم اے اور نذیر بی اے ایل ایل بی وکیل دو بھائی اپنی قابلیتوں کی وجہ سے نہایت مشہور ہیں۔

پنجاب میں کھانڈے خاندان

کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ جنوبی کشمیر (موضع دینو ضلع اسلام آباد) کا ایک کھانڈے زمیندار عبدالسلام نام انقلاب روزگار کی وجہ سے کشمیر چھوڑ کر ابتدائے عہد برطانیہ میں سیالکوٹ چلا آیا۔ اب اس کی ذریات وہیں آباد ہیں۔ ان کے فرزند کا نام ککوخاں تھا۔ سیالکوٹ، سکندر آباد، کوئٹہ۔ حیدر آباد دکن، لکھنؤ میں سپورٹس ورکس کے جو مشہور کارخانے ہیں ان کے مالک کے ڈی عبدالغفور اینڈ سن ہیں۔ جو اسی ککوخاں کی اولاد سے ہیں۔ سکندر آباد جیمس سٹریٹ میں ان کی ایک عالی شان بلڈنگ بھی ہے۔ ان کے علاوہ کوئٹہ اور سیالکوٹ میں ان کے مکانات اور زمینیں ہیں۔ سیالکوٹ بلڈنگ کا نام شریف منزل ہے اور یہ سب کچھ محمد شریف صاحب کے ڈی عبدالغفور کا پیدا کردہ ہے۔ جو عرصہ دارز سے کے ڈی عبدالغفور اینڈ سن کی فرم کو چلا رہے ہیں۔ اور اس کے واحد مالک ہیں۔

نیابت ویری ناگ شاہ آباد میں غفار کھانڈی ایک نامور ذیلدار گزرا ہے۔ اور اب اس کا بیٹا اکرم کھانڈی ذیلداری میں اس کا جانشین ہے۔

کشمیر میں کھانڈی ذات کے نام پر کئی گاؤں ہیں۔ جن میں ایک تحصیل اننت ناگ میں دورون کھانڈی پورہ کے نام سے ہے۔ آبادی ۳۱۴ نفوس۔ ایک تحصیل کولگام میں ہے۔ بونہ کھانڈی پورہ نام آبادی ۹۴ نفوس۔ ایک تحصیل بڈگام میں نام کھانڈی پورہ آبادی ۱۵۶ نفوس ایک تحصیل پلوامہ میں نام کھانڈی پورہ آبادی ۹۲ نفوس سب لوگ زراعت پیشہ ہیں۔

جب حکام مال نے عبدالغفور کھانڈی کے نام زمین کا انتقال کرنے سے انکار کر دیا۔ تو انہوں نے وزیر ہند بہ اجلاس کونسل کے نام اس بنا پر دعویٰ دائر کر دیا کہ جب وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ جو اس ضلع میں زراعت پیشہ ہے۔ تو اسے زمین خرید کرنے کی کیوں اجازت نہیں ملتی۔ ابتدائی عدالت میں مقدمہ خارج ہو جانے پر ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اپیل کی گئی۔ چونکہ اس مقدمہ اور اس کے فیصلہ سے بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے اور کشمیر کی طرح پنجاب میں بھی اس فیصلہ کے رو سے کھانڈے قوم کو زراعت پیشہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے فیصلہ کی نقل افادہ ناظرین کے لیے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

عدالت کا فیصلہ کھانڈے ذات کے زراعت پیشہ ہونے کے متعلق:

مقدمہ دیوانی بعدالت خان محمد شیر نواب خاں سب جج درجہ سوم سیالکوٹ۔

دعویٰ دیوانی نمبر ۸۲۱ متدائرہ ۱۹۲۷ء تاریخ دعویٰ ۲ جون ۱۹۲۷ء کے ڈی عبدالغفور وا
ککو خاں ذات پٹھان متوطن سیالکوٹ مدعی۔

بنام:

(۱) وزیر ہند بہ اجلاس کونسل بوساطت کلکٹر سیالکوٹ۔

(۲) فوجدار خاں ولد عدالت خاں ذات پٹھان متوطن سیالکوٹ۔ مدعا علیہ

دعوے کا مقصد:

مدعی کی ذات اور قومیت پٹھان ہے۔ لہٰذا وہ ایک زراعت پیشہ قبیلہ کا رکن ہے۔ ا
اس بنا پر وہ سیالکوٹ کے کسی زراعت پیشہ سے کلکٹر کی منظوری کے بغیر زمین خرید سکتا ہے۔ مالیہ
دعویٰ آٹھ سو روپیہ۔

مدعی نے مدعا علیہ نمبر ۲ سے زرعی زمین خریدی تھی۔ لیکن حکام مال نے بدیں وجہ اس
تصدیق کرنے اور اجازت دینے سے انکار کر دیا کہ مشتری و (مدعی) زراعت پیشہ گروہ کا فرد نہیں
ہے۔ اب مدعی نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ یہ اعلان کیا جائے کہ وہ پٹھان ہے اور اس لیے زراعت
پیشہ قبیلہ کا فرد ہے۔ مدعا علیہ نمبر ا نے یہ عذر پیش کرتے ہوئے مدعی کے دعویٰ پر اعتراض کیا
مدعی کشمیری ہے پٹھان نہیں ہے۔ اس لیے وہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کے زراعت پیشہ
ہونے کا اعلان کیا جائے۔

مدعی نے میرے پیش رو کی عدالت میں جو چھ گواہ پیش کیے۔ ان کے بیانات
مطلب یہ ہے کہ مدعی خان ہے۔ اور کشمیری زبان میں خان کا تلفظ بگڑتے بگڑتے کھانڈ ہو گیا
ہے۔ اور مدعی کو بھی کھانڈ کہا جاتا ہے۔ مدعی کے آباؤ اجداد موضع دمن واقع کشمیر کے باشندے
تھے۔ اس کا دادا نقل وطن کر کے سیالکوٹ چلا آیا تھا اور کہ موضع دمن کے مالک اور باشندے
''کھانڈ'' ہیں۔ جن کا سب سے بڑا پیشہ زراعت ہے۔

مدعا علیہ نمبر ا نے دو گواہ مسمیان حفیظ اللہ و شمس الدین پیش کیے ہیں اور اس نے مح

مال کے بعض ریکارڈوں کے اقتباسات کی نقل پیش کی ہے۔ حفیظ اللہ پٹواری ہے۔ اور سرکاری ملازم۔ اس لیے اس کی شہادت نا قابل قبول ہے۔ دوسرے اس نے جو ریکارڈ پیش کیے ہیں ان کے اندراج کو قانونی اہمیت حاصل نہیں۔ دیکھو فیصلہ نمبر ۴ لاہور صفحہ ۳۰۷۔

کشمیر کے باشندوں کو عام طور پر کشمیری کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ جیسا کہ پنجاب میں رہنے والوں کو دوسرے صوبوں کے لوگ پنجابی کہتے ہیں۔ یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ مسلمانوں میں بہت سی ذاتیں ہیں مثلاً۔ سید، مغل، پٹھان، شیخ، راجپوت وغیرہ۔ لازمی طور پر مدعی کا تعلق ان میں سے کسی ایک ذات سے ہونا چاہیے۔ مدعی نے یہ ظاہر کرنے کے لیے معتدبہ شہادت پیش کی ہے۔ کہ وہ پٹھان ہے۔ اور لفظ خان (جو پٹھان کا دوسرا نام ہے) ریاست کشمیر میں ''کھانڈ بولا جاتا ہے۔ مدعا علیہ نے مدعی کے بیانات کی تردید نہیں کی۔ مدعا علیہ نمبر ا نے اپنے جواب میں یہ ثابت نہیں کیا کہ مدعی کھانڈ نہیں ہے۔ اور کھانڈ لفظ خان کا غلط تلفظ نہیں ہے۔ خان، افغان اور پٹھان سب ایک ہی لفظ ہیں۔ ہندوستان میں پٹھان کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ افغانستان میں خان اور افغان۔ کشمیر افغانستان کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے وہاں خان کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جو بگڑ کر کھانڈ ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ کیوں مدعی کے پیش کردہ گواہوں کی شہادت تسلیم نہ کی جائے۔ حکام مال ریاست کشمیر نے جو شجرہ تیار کیا ہے، اس میں مدعی کے آباؤ اجداد کو پٹھان اور زراعت پیشہ ظاہر کیا گیا ہے۔

مدعی کی پیش کردہ شہادت کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ مدعی کشمیر کا کھانڈ ہے اور کھانڈ، خان کا کشمیر میں غلط تلفظ ہے اور یہ لفظ ہندوستانی لفظ پٹھان کا ہم معنی ہے۔ میں مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کرتا ہوں۔

کھانڈ کو کھانڈے بھی کہتے ہیں۔ میں کھانڈ اور کھانڈے کے فرق کو دانستہ نظر انداز کرتا ہوں۔

دیوانی مقدمہ نمبر ۱۴۴ امتدائرہ ۱۹۲۹ء بھگت جگن ناتھ ایم اے ڈسٹرکٹ جج سیالکوٹ۔

☆☆☆

پنجاب کے چند ڈار خاندان

نواب اعظم یار جنگ* مولوی چراغ علی مرحوم:

انجمن ترقی اردو حیدر آباد دکن کے مشہور عالم سیکرٹری مولوی عبدالحق بی اے نے عرصہ ہوا نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم کے حالات رسالہ پنجاب ** ریویو میں لکھے تھے۔ وہ لکھتے ہیں ان کے آباؤ اجداد دراصل سری نگر کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا ایک مدت تک پنجاب میں ملازم رہے۔ وہاں سے میرٹھ آئے۔ اور وہیں آباد ہو گئے مولوی چراغ علی کے تین اور بھائی تھے۔ ولائت علی۔ عنایت علی اور منصب علی۔ والد کا نام مولوی محمد بخش تھا۔ وہ کلکٹر سہارنپور کے ہیڈ کلرک تھے اور چونکہ اس زمانہ میں انگریزی دان تھے اور انگریزی لباس پہنتے تھے اس لیے محمد بخش کرانی کے نام سے مشہور تھے۔

الحاق پنجاب کے بعد انگریزوں نے پنجاب کے انتظامات کے لیے ہندوستان سے جن تجربہ کار اور لائق عہدہ داروں کو منتخب کیا ان میں مولوی محمد بخش بھی تھے۔ پنجاب کے مختلف اضلاع ملتان۔ ڈیرہ غازی خاں۔ بنوں۔ شاہ پور اور سیالکوٹ میں وہ مہتمم بندوبست کے معزز عہدہ پر رہے۔ سیالکوٹ میں تھے کہ ۱۸۵۶ء میں بعمر ۳۵ سال عین جوانی میں انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کے سب سے بڑے فرزند چراغ علی کی عمر ۱۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ راقم مولف نے کئی سال ہوئے اپنی ایک خاندانی کتاب اسلف الخلف کے نام سے لکھی ہے۔ اس وقت راقم کے والد بزرگوار بقید حیات تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب ہمارے والد رجب علی ڈار راقم مؤلف کے دادا ۱۸۴۹ء کے بعد شاہ پور میں بندوبست کا کام سیکھتے تھے تو ان کے افسر اعلیٰ کا نام مولوی محمد بخش تھا۔

---

* آپ کی زندگی کے چند آخری سال پنجاب ہی میں گزرے ہیں یہیں انتقال ہوا۔ گو نعش میرٹھ لے گئے لیکن یو پی کے اہل خطہ کے حالات چونکہ لکھے جا چکے تھے۔ اس لیے ان کا ذکر پنجاب کے اہل خطہ خاندانوں میں کر دیا گیا ہے۔

** یہ رسالہ مولوی ظفر علی خان (اخبار زمیندار) نے لاہور سے جاری کیا تھا۔ غالباً ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۱ء کے کسی مہینہ کے پنجاب ریویو میں یہ مضمون درج تھا۔ اور وہاں سے کشمیری میگزین ۱۹۱۱ء کے اکتوبر نومبر دسمبر کے تین پرچوں میں مسلسل نقل ہوا تھا۔

وہ کشمیری تھے۔ لیکن ہندوستان سے تبدیل ہو کر آئے تھے۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ رجب علی کشمیری ہیں تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ اور جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کی ذات ڈار ہے تو انہوں نے اور بھی زیادہ شفقت کا اظہار کیا۔ اور انہی کی طفیل وہ سیالکوٹ میں پٹواری بھی ہو گئے۔ اور اگر ان کے افسر اعلیٰ مولوی محمد بخش مہتمم بندوبست کی زندگی وفا کرتی تو وہ ان کو بہت جلد کسی اور عہدہ پر پہنچا دیتے۔

راقم الحروف کے دادا میاں رجب علی کا بیان ہے کہ ان کے مہتمم بندوبست مولوی محمد بخش بھی ذات کے ڈار ہی تھے۔

مولوی چراغ علی اپنے باپ کے انتقال کی وجہ سے امتحان پاس نہ کر سکے۔ ان کی ملازمت کی ابتدائی تنخواہ بیس روپیہ ماہوار تھی۔ مطالعہ کتب نے ان کو عالم اور اہل قلم بنا دیا۔ سرسید احمد خاں مرحوم کے اخبار تہذیب الاخلاق میں مضامین لکھتے رہے۔ انگریزی میں بھی مہارت پیدا کر لی تھی ۱۸۷۷ء میں سرسید احمد خاں کی سفارش سے نواب سرسالار جنگ اعظم نے چار سو روپیہ ماہوار تنخواہ دے کر اسسٹنٹ ریونیو سیکرٹری کے عہدہ پر حیدر آباد بلوالیا۔ پھر مددگار معتمد مال ہو کر ڈیڑھ ہزار تک پہنچے۔ اور نواب محسن الملک کے بعد معتمد مال و فنانس ہو گئے۔

شمس العلماء مولانا عبداللہ ٹونکی مرحوم کو بعض کتابوں کے مطالعہ اور حوالہ جات کے لیے آپ ہی نے مصر بھیجا تھا۔ مولوی چراغ علی صاحب تصانیف تھے۔ عربی فارسی، اردو، انگریزی میں ان کی تصنیفات موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے براہین احمدیہ کی تصنیف کے دوران میں خط کتابت کے ذریعہ بہت سے معلومات ان سے حاصل کیں تھیں۔

سرکاری خدمات میں کسی کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ ان کی دیانت داری اور بے لوثی سارے حیدر آباد میں مشہور ہے۔ انہی خدمات کی بدولت نواب اعظم یار جنگ کا خطاب ملا۔ آخر وقت آ پہنچا۔ ذیابطس کی شکایت بڑھتی گئی۔ ۱۱ جون ۱۸۹۵ء کو علاج کے لیے بمبئی چلے گئے۔ وہیں ۱۵ جون کو انتقال کر گئے۔

انگریزی اردو اخبارات کے علاوہ گورنمنٹ نظام نے ان کی موت پر افسوس کا اظہار کیا۔ سرسید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق میں ایک طویل مضمون میں ان کے محاسن بتائے۔ جسٹس سید محمود (خلف سرسید احمد خاں و والد نواب مسعود جنگ سر راس مسعود) نے ”حیف چراغ

علی از دنیا نہاں شد۔'' مادہ تاریخ نکالا۔ مولانا حالی نے فارسی کی ایک طویل نظم میں ان کا نوحہ لکھا۔

آپ کی اولاد کا حال معلوم نہیں ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اپنے مضمون میں ان کے ایک برادرزادہ مولوی محمد علی کا ذکر کیا ہے۔

خاندان کپتان محمد عظیم ڈار: (کالہ ضلع جہلم)

کالہ گوجراں ضلع جہلم میں صوبیدار محمد بخش ایک ناموراہل خطہ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ کے دادا اسلم ڈار عرف لسہ ڈار مہاجر کشمیر بن کر کالہ میں آئے۔ صوبیدار محمد بخش اسلم ڈار ہی کے پوتے تھے۔

محمد بخش ۱۸ سال کی عمر میں پلٹن نمبر ۱۲۷ میں بھرتی ہوئے۔ صوبیداری سے پنشن پائی۔ سرکار نے پنشن کے بعد عطائے اراضی دومربعہ (ضلع سرگودھا دے کر) حوصلہ افزائی فرمائی۔ ۲۵ فروری ۱۹۰۵ء کو اپنے وطن میں فوت ہوگئے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ بڑے کا نام سردار محمد عظیم ہے۔ جو ۱۹۱۰ء میں میٹرک کلاس میں پڑھا کرتے تھے۔ چھوٹے کا نام محمد یعقوب ہے۔ سردار محمد عظیم نے جنگ عظیم کے دوران میں فوج میں بھرتی ہوکر اس روایتی اور خاندانی لگاؤ کے سبب سے جو انہیں فوجی سپرٹ سے تھا۔ تین سال کے اندر ہی وائسرائے کمیشن حاصل کرلیا اور اعلیٰ خدمات کے معاوضہ میں آپ کو دو پشتوں کے لیے جاگیر اور اراضی کا عطیہ ملا۔ ۱۹۲۴ء میں جب کنٹونمنٹ مجسٹریٹوں میں ہندوستانیوں کو بھی لیا جانا منظور ہوا تو آپ نے بھی امتحان دیا اور ہندوستانیوں میں سب سے اول رہ کر کنگ کمیشن حاصل کیا۔ آپ اس عرصہ میں الہ آباد۔ مانڈلے (برما) جالندھر، ساگر، نصیر آباد، مہو وغیرہ کی چھاؤنیوں میں فرائض سرکار انجام دے کر آج چھاؤنی ملتان میں کنٹونمنٹ اگزیکٹو افسر کے فرائض ادا کررہے ہیں۔ فوجی رینک آپ کا کپتان کے عہدہ کا ہے۔

آپ نے اپنی اراضی میں ایک چک بنام عظیم آباد آباد کیا ہے۔ جہاں آپ کے چھوٹے بھائی سردار محمد یعقوب نمبردار بھی ہیں۔ یہ چک نیلی بار میں منڈی بورے والا (ضلع ملتان) سے قریب ہے۔

افرادفوج میں گئے جواپنے اپنے وقت میں عزت وشہرت حاصل کرتے رہے۔ان میں سے چند ایک کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) آپ کے چچا،صوبیدار سلطان محمد پنشنر (۲) ایک اور چچا،سردار خدا بخش مرحوم (۳) آپ کے ماموں،سردار پیر بخش پنشنر (۴) آپ کے خالہ زاد بھائی،سردار قائم دین پنشنر (۵) آپ کے عم زاد بھائی،سردار احمد الدین پنشنر (۶) صوبیدار میجر محمد عالم ۶/۲ راجپوتانہ رائفلز (۷) سردار محمد الدین پنشنر (۸) سردار محمد عالم پنشنر وغیرہ۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔بڑے کی عمر جس کا نام ریاض عظیم ہے۔دس سال ہے۔تین چھوٹے ہیں۔اعجاز عظیم۔نیاز عظیم۔امتیاز عظیم۔

خاندان * میاں رجب علی ڈار (گھڑتل ضلع سیالکوٹ):

آپ اپنے والد حسن ڈار کے ہمراہ خوردسالی کی حالت میں جب کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت چراغ سحری کی مانند ٹمٹما رہی تھی۔کشمیر سے سیدھے گھڑتل پہنچے۔لکھ پڑھ کر سکھوں کی فوج میں میر منشی ہوگئے۔سکھوں اور انگریزوں کی آخری جنگ چیلیانوالہ میں شامل تھے۔الحاق پنجاب کے بعد جب انگریزوں نے امن عامہ کا اشتہار دیا تو آپ شاہ پور میں بندوبست کا کام سیکھنے کے بعد سیالکوٹ میں پٹواری ہوگئے۔اور مرتے دم تک کوٹلی ہرنرائن میں اسی عہدہ پر رہے۔وہیں آپ کا مزار بھی ہے۔آپ کے تین فرزندوں میں سب سے بڑے میاں بڈھا خاں پٹواری تھے۔جو پنجابی زبان کے بہت اچھے شاعر اور تخلص مشتاق کرتے تھے۔۱۹۳۱ء میں بعمر ۸۰ سال آپ انتقال کرگئے۔دفن لاہور میں ہیں۔منشی کریم بخش آپ کا فرزند کلاں پٹوار سے ریٹائر ہوکر اب لاہور میں رہتا ہے۔آپ کا چھوٹا بیٹا منشی محمد علی زمینداری کرتا تھا (سال وفات ۱۹۲۶ء) اس کے دولڑکے احمد علی وغلام علی وزیر آباد موجود ہیں۔

میاں رجب علی کے منجھلے فرزند میاں لدھا خان ** تھے جو پٹواری اور گرداور قانونگو رہے۔رسالہ طریقت لاہور میں ان کے صوفیانہ مضامین بہت پسند کیے جاتے تھے۔ان کا انتقال

* اس خاندان کے حالات ان کی خاندانی کتاب سلسلہ حسن المعروف السلف دارالخلف ہیں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

** آپ کشمیر میں ہی عرصہ تک رہے اپنے وطن ہردوشیوہ میں رہے ہیں۔

بمقام لاہورا کتوبر ۱۹۲۳ء میں ہوا۔آپ کا ایک فرزند چراغ الدین جو پٹواری تھا۔عین جوانی میں آج سے قریباً ۳۵۔۳۶ سال پیشتر فوت ہو چکا ہے۔

سب سے بڑے فرزند کا نام رحیم بخش ہے۔جو ریلوے انسپکٹری کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر اب سیالکوٹ میں مسکن گزین ہیں۔اپنے مکانات بھی انہوں نے وہیں تعمیر کر لیے ہیں۔ عبدالحمید آپ کا اکلوتا فرزند ہے۔جو انگلستان سے انجینئر نگ کی تعلیم حاصل کر کے اس وقت رائے بریلی (یو پی) میں انجینئر ہے۔

راقم الحروف محمد الدین فوق مؤلف کتاب ہذا مولوی لدھا خاں مرحوم کا دوسرا فرزند ہے۔جس کو اپنے کاروبار کی وجہ سے سال کا کچھ حصہ لاہور میں اور کچھ کشمیر میں بسر کرنا پڑتا ہے۔ کشمیر میں ہر دوشیوہ وطن ہے اور وہیں کچھ رقبہ اراضی بھی راقم کے نام ہے۔راقم کے اخبار کشمیری نے ۳۰ سال تک کشمیر اور کشمیری مسلمانان پنجاب کی جو خدمت کی ہے اس کا اظہار کشمیری مسلمانان ہند کی نمائندہ جماعت آل انڈیا کشمیری کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے پریذیڈنٹ صاحبان اپنے اپنے صدارتی خطبات میں کر چکے ہیں۔ان کا اعادہ یہاں تحصیل حاصل ہے۔ کشمیر اور پونچھ کے مسلمانوں بلکہ غیر مسلم اصحاب نے بھی اخبار کشمیری کی خدمات وطنیہ کا بارہا اعتراف کیا ہے۔راقم کی تصنیفات ۶۰ سے زیادہ ہیں۔جن میں چند ایک بارہا چھپ چکی ہیں۔ کئی کتابیں ریاست جموں و کشمیر پونچھ، مالیر کوٹلہ، کپورتھلہ، ممالک متوسط اور صوبہ پنجاب میں انعامی و لائبریری بکس میں منظور ہیں۔

راقم الحروف کے دو لڑکے ہیں۔فرزند اول ظفر الحق ہے۔فرزند دوم ظفر احمد دونوں صوبہ سرحد کے محکمہ ڈاک خانہ میں ملازم ہیں۔اور ظفر برادرز کے نام سے مشہور ہیں۔دونوں صاحب اولاد ہیں۔ظفر الحق کی اولاد نرینہ بھی ہے۔ایک لڑکے کا نام ظفر نعیم اور دوسرے کا ظفر نسیم ہے۔

فیروز دین راقم الحروف کا چھوٹا بھائی ہے۔جس کا لڑکا خورشید احمد گھڑتل میں جماعت ہشتم میں پڑھ رہا ہے۔

میاں رجب علی کے تیسرے فرزند کا نام منشی غلام محمد خادم ہے۔جن کی جائیداد پنجاب کے علاوہ کشمیر میں بھی ہے۔اور کشمیر کے ڈار خاندانوں میں ان کا ذکر آ چکا ہے۔ پنجاب میں جو اراضی ہے۔اس پر ان کا بڑا لڑکا محمد مظفر زراعت کر رہا ہے۔محمد مظفر کی اولاد نرینہ میں محمد اقبال

آٹھویں جماعت میں پڑھ رہا ہے۔

خاندان مولوی اللہ دتا ڈار قانونگو (گھڑتل ضلع سیالکوٹ):

میاں حسن ڈار کے چھوٹے بھائی تھے۔ سیالکوٹ کے ضلع خصوصاً تحصیل پسرور میں عرصہ دراز تک قانونگو رہے۔ آپ کے تین فرزندوں میں سب سے بڑے مولوی فتح الدین گرداور قانونگو تھے۔ بلکہ قائم مقام نائب تحصیلدار بھی رہ چکے تھے۔ چودہ سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے فرزندوں میں شیخ غلام نبی بی اے ایل ایل بی ڈسکہ میں وکالت کرتے ہیں۔ ان سے چھوٹے شیخ فصیح الدین بی اے بی ٹی ایل ایل بی صوبہ سرحد میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ تیسرے فرزند کا نام نیاز احمد ہے۔ وہ شملہ کے سرکاری دفتر میں ٹائپسٹ ہے۔ (۴) محمد افضل (۵) محمد رفیع (۶) محمد شفیع

محمد افضل سپورٹس کا کاروبار کرتا ہے۔ اور اپنے کام میں خوب ہوشیار ہے۔ باقی دو ابھی زیر تعلیم ہیں۔

مولوی اللہ دتا مرحوم کے دوسرے فرزند مولوی کرم دین ہیں۔ جنہوں نے تین چار سال ہوئے گرداور قانونگو کے عہدہ سے پنشن حاصل کی ہے۔ ان کے تین فرزندوں میں افتخار دین جو بی اے میں پڑھتا تھا۔ بڑا ہونہار تھا۔ افسوس ہے۔ دست اجل نے اس کا گریبان حیات چاک کر دیا۔ بڑے لڑکے کا نام بشیر دین ہے۔ اور دوسرے کا نام محمد امین۔

مولوی اللہ دتا مرحوم کے تیسرے فرزند کا نام محمد ریاض ہے۔ ان کے بڑے فرزند محمد مقصود نے چند سال ہوئے ایم اے کا امتحان پاس کر لیا ہے۔

مولوی اللہ دتا کی اولاد میں سے مولوی فتح الدین مرحوم کی اولاد ڈسکہ اور سیالکوٹ اور گوجرانوالہ میں رہتی ہے۔ اور مولوی کرم دین پنشنر گرداور قانونگو اور بابو محمد ریاض جو ریلوے میں سب پلیئر کے عہدہ پر ہے گھڑتل میں رہتے ہیں۔

مولوی اللہ دتا مرحوم موضع کنگ میں جو گھڑتل سے ایک کوس کے فاصلہ پر بجانب مشرق واقعہ ہے۔ بہت سی زمین کے مالک تھے۔ وہ زمین اب ان کے فرزندوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔

خاندان بابو غلام حسن ڈار وزیر آباد:

آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی چودھری غلام حیدر ابھی خورد سال ہی تھے۔ کہ آپ کے والد میاں محمد بخش ڈار جنوری ۱۸۸۸ء میں بعمر ۴۰ سال انتقال کر گئے۔ آپ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ ساری عمر ریلوے ملازمت میں رہے۔ ۱۹۱۰ء میں ضعف بصر کی وجہ سے ۲۱ سال کی سروس کے بعد ریٹائر ہو گئے۔ آپ کو قومی و اسلامی کاموں سے ہمیشہ تعلق خاص رہا ہے۔ انجمن حمایت اسلام اور مسلم کشمیری کانفرنس کو ہزار ہا روپے کی امداد دے چکے ہیں۔ ۱۹۲۰ء سے آپ نے وزیر آباد میں ایک پرائمری اسلامیہ سکول اپنے خرچ سے جاری کر رکھا ہے۔ جو کامیابی سے چل رہا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں آپ نے انجمن نصرت الاسلام سری نگر کو ایک ہزار روپیہ کی معقول رقم عطا کی۔ اور شمالی کشمیر میں دو ابتدائی مکاتب اپنی گرہ سے جاری کرائے جن کا خرچ دو سال تک برابر ادا کرتے رہے۔ کئی کشمیری لڑکوں کو تعلیمی وظائف دے کر اعلیٰ تعلیم دلوائی۔

آپ کے اس وقت دو فرزند ہیں۔ بڑے کا نام محمد شفیع ہے۔ جو صاحب اولاد ہے اور چھوٹے کا نام محمد منظور ہے۔ جس نے اس سال بی۔ اے کا امتحان دیا ہے۔

رسال دار علم الدین ڈار گجرات:

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں آپ کے دادا رحیم ڈار کشمیر سے گجرات کی تحصیل کھاریاں کے ایک موضع حقیقہ میں آئے۔ رسال دار علم الدین قریباً ایک سال ہوا فوت ہو چکے ہیں۔ ان کا بیٹا میاں سخی محمد برما کے معزز ٹھیکیداروں میں ہے۔ رسالدار کے آباؤ اجداد کی زمین اور ایک کنواں موجود ہے۔ کچھ زمین ان کی ایک کنویں سمیت موضع گلانوالہ تحصیل گجرات میں بھی ہے۔ ان کا ایک بھتیجہ جمعدار غلام محمد ڈار پنشنر گلیانہ میں لکڑ منڈی کی ٹھیکیداری کرتا ہے۔ رسالدار مرحوم کا چھوٹا بھائی محمد الدین ڈار فوج میں جمعدار تھا۔ اب پنشن پر ہے۔

مخدوم عالم ڈار پنشنر حوالدار:

قریباً ایک سو سال سے مخدوم عالم حوالدار کے بزرگ کشمیر سے آکر موضع ہیل تحصیل کھاریاں میں آباد ہیں۔ ان کے جد امجد کا نام جمال دین ڈار تھا۔ مخدوم عالم حوالداری سے پنشن پر آ گیا۔ اس کا بڑا بھائی غلام محمد پولیس میں ہے۔ موضع ہیل میں قریباً پچاس گھر کشمیریوں کے ہیں جن میں دس میر خاندان ہیں۔ اور چالیس گھر ڈار قوم کے ہیں اور سب فوجی ملازمت یا کاشت

کاری کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ گجرات میں زبدۃ الحکماء حکیم محمد حسن قرشی پرنسپل طیبہ کالج لاہور و مدیر رسالہ مشیر الاطباء و مصنف کتب متعددہ مقیم لاہور ڈار خاندان کے ایک معزز رکن ہیں۔ تحصیل کھاریاں کے موضع سہنہ کے میاں کرم الٰہی گورنمنٹ کنٹریکٹر اور ڈاکٹر محمد حسین آزاد گورنمنٹ پنشنر آزاد میڈیکل ہال لالہ موسیٰ کی معزز ہستیاں بھی ڈار قبیلہ ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔

خاندان حاجی منشی نظام الدین ڈار:

لاہور کے کئی ڈار خاندانوں کے جد اعلیٰ یحییٰ ڈار ہیں۔ جو رانگڑ تحصیل پلوامہ کے رہنے والے تھے۔ اور ۱۲۳۴ھ میں وہیں فوت ہو گئے۔ ان کے پانچ بیٹے تھے۔ اور سب کثیر الاولاد ہیں ایک فرزند کا نام سخی ڈار تھا۔ اس کا بیٹا صدیق ڈار اپنے فرزند ابراہیم ڈار کے ہمراہ اپنے چچازاد بھائی رمضان ڈار کے پاس لاہور آیا۔ اور وہاں سے جنڈیالہ گرو ضلع امرتسر چلا گیا۔ جہاں اپنا آبائی کام زراعت کرتا رہا۔ ۱۸۷۵ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ابراہیم کی عمر اس وقت صرف ۱۸ سال تھی۔ اس نے کاشت کاری کی بجائے تجارتی کاروبار شروع کیا۔ اور اس میں یہاں تک کامیابی و عزت حاصل کی کی جنڈیالہ میونسپلٹی میں ڈپٹی کمشنر امرتسر نے اس کو ممبر نامزد کر دیا۔

ابراہیم کے چار فرزند تھے۔ (۱) شیخ امیر بخش مرحوم (وفات ۲۲ جنوری ۱۸۹۰ء) جن کے فرزند مولوی محمد اشرف ریلوے میں ملازم ہیں۔ (۲) چودھری وزیر محمد جو جنڈیالہ ہی میں تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ اور حیات ہیں (۳) غلام محمد مرحوم وفات جون ۱۹۰۰ء ان کے فرزند کا نام تاج الدین ''صراف'' ہے۔ ابراہیم ڈار کے چوتھے فرزند کا نام حاجی منشی نظام الدین ہے۔ جن کے مندرجہ ذیل پانچ صاحبزادے ہیں۔ (۱) خواجہ ظہور الدین ملازم دفتر فنانشل کمشنر (۲) عبدالعزیز سب انسپکٹر پولیس سی۔ آئی۔ ڈی۔ افتخار الدین۔ محمود الحسن اور مسعود الحسن ابھی طالب علم ہیں۔

مرحوم میاں شاہ دین چیف جسٹس (پنجاب) اور ان کے برادر کلاں میاں تاج الدین مرحوم، مہاتما ہنس راج، پروفیسر دیوی دیال مشن سکول لاہور میں آپ کے ہم جماعت تھے۔

۱۸۸۴ء سے دفتر اکونٹنٹ جنرل میں آپ کی ملازمت شروع ہوتی ہے۔ آپ نے اپنی کارکردگی۔ قابلیت اور دیانت سے اس محکمہ میں ایسا نام پیدا کیا کہ پونچھ، بہاول پور، بھوپال، مالیر

کوٹلہ، رام پور میں اکونٹنٹ جنرل ہو کر جاتے رہے اور جودھپور جیسی عظیم الشان ہندو ریاست میں فنانس منسٹر کے پرسنل اسسٹنٹ رہے۔ جب آپ پہلی مرتبہ اپنے دفتر سے (۲۲ جنوری ۱۹۰۵ء کو) پونچھ کے اکونٹنٹ جنرل ہو کر روانہ ہوئے ہیں۔ تو دفتر والوں اور دوسرے کئی اصحاب نے آپ کو الوداعی پارٹیاں دیں۔

آپ سالہا سال تک انجمن حمایت اسلام لاہور کے آنریری فنانشل سیکرٹری رہے ہیں۔ اور اس وقت بھی ہیں۔ دیرینہ حسابات کے سلجھانے میں آپ کو خاص ملکہ ہے۔ اپریل ۱۹۱۸ء میں آپ نے ۳۳ سال کی سروس کے بعد پنشن لے لی۔ آپ کی دیانت و قابلیت کی تمام پنجاب اور اکثر ریاستوں میں عام شہرت ہے۔ ۱۹۲۶ء میں اہل و عیال سمیت زیارت حرمین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

خاندان خان صاحب منشی سراج الدین احمد:

یحییٰ ڈار کی اولاد سے سب سے پہلے اس کے فرزند جعفر ڈار کا بیٹا رمضان ڈار ہی کشمیر سے لاہور آیا تھا۔ اور حاجی منشی نظام الدین اکونٹنٹ کے دادا محمد صدیق ڈار ترک وطن کے بعد رمضان ڈار ہی کے پاس کچھ عرصہ لاہور میں ٹھہرے تھے۔ رمضان ڈار کے تین فرزند تھے۔ (۱) منشی محمد اسماعیل وکیل لاہور (وفات ۱۸۹۴ء) (۲) خلیفہ رجب دین مرحوم (۳) خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم۔

منشی محمد اسماعیل وکیل مرحوم کے تین فرزند ہیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ تینوں حیات ہیں۔ (۱) خان صاحب منشی سراج الدین احمد میر منشی ریذیڈنسی کشمیر (۲) منشی معراج الدین احمد سابق تحصیلدار بندوبست کشمیر (۳) منشی غلام محی الدین سب انسپکٹر پولیس۔

خاندان خلیفہ رجب دین مرحوم ڈار:

خلیفہ رجب دین رمضان ڈار کے فرزند جعفر ڈار کے پوتے اور یحییٰ ڈار کے پڑپوتے تھے۔ آپ باوجود یہ کہ چنداں لکھے پڑھے نہ تھے لیکن دینی وشرعی مسائل آپ کو ازبر تھے۔ اور قانونی نکات میں کئی وکلاء بھی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ اسی لیے عوام میں آپ ''ان پڑھ وکیل'' کے نام سے مشہور تھے۔ اکثر لوگ آپ کے پاس جا کر قانونی وشرعی مسائل حل کیا کرتے تھے۔ آپ کے مندرجہ ذیل پانچ فرزندان ہیں۔

(۱) خلیفہ محمد عبداللہ ملازم نواب صاحب ممدوٹ (۲) خلیفہ عبدالعزیز پوسٹل کلرک (۳) خلیفہ عبدالمجید ملازم دربار بہاول پور (۴) خلیفہ عبدالحق جو ملک محمد الدین سیکرٹری دربار ٹونک کے پاس ٹونک میں رہتے ہیں (۵) خلیفہ عبدالرشید نقشہ نویس ریلوے۔

خلیفہ کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے ہاں ابتداء میں پشمینہ اور ڈوری بانی کا کام کثرت سے ہوتا تھا۔ اور کئی لوگ کام بھی سیکھا کرتے تھے۔ اس لیے آپ کو سب نے خلیفہ (یعنی استاد) کہنا شروع کر دیا۔ اب خلیفہ آپ کی اولاد کے نام کا پہلا جزو قرار دیا گیا ہے۔

خاندان ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔اے:

رمضان ڈار (وفات ۱۸۸۱ء) کے تیسرے فرزند خلیفہ عبدالرحمٰن مرحوم)وفات ۱۹۰۷ء) کے تین صاحبزادے ہیں۔

(۱) خلیفہ عبدالواحد جو اکونٹنٹ بنک دزداب (ایران) ہیں (۲) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ایم۔اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی جو عثمانیہ کالج حیدر آباد دکن میں پروفیسر ہیں۔ (۳) خلیفہ عبدالغنی الیکٹریکل انجینئر جو لاہور میں ہیں۔ آپ نے ۱۹۲۵ء میں سکسنی (جرمن) سے الیکٹریکل کا امتحان باتعریف پاس کیا تھا۔

خلیفہ عبدالحکیم کی دماغی قابلیتیں کشمیری ذکاوت و ذہانت کا بہترین نمونہ ہیں۔ آپ میٹرک سے ایم۔اے تک ہمیشہ اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوتے رہے۔ ۱۹۱۵ء میں سینٹ سٹیفن کالج دہلی سے اس کامیابی کے ساتھ آپ نے بی۔اے کا امتحان (فلسفہ) میں پاس کیا کہ نہ صرف پنجاب یونیورسٹی میں اول رہے۔ بلکہ ایگزیمنروں نے کہا۔ کہ ہم نے ساری عمر میں فلسفہ کے مضمون کا ایسا شاندار پرچہ کبھی نہیں دیکھا۔ اس اعلیٰ کامیابی پر وظیفہ کے علاوہ تمغہ بھی ملا۔ ۱۹۱۷ء میں ایم۔اے کا امتحان دے کر پھر ساری یونیورسٹی میں بلکہ تمام ڈویژن کے پاس شدگان میں بھی اول رہے۔ ۱۹۲۲ء میں حضور نظام دکن نے آپ کو اعلیٰ علمی ڈگری کے لیے ولائت بھیجا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں آپ فلسفہ کی اعلیٰ ڈگری پی۔ ایچ۔ ڈی لے کر واپس آئے۔ آج کل حیدر آباد میں فلسفہ کے سینئر پروفیسر ہیں۔ آپ کی طبیعت بہت موزوں اور بہت رسا ہے۔ آپ کی ایک نظم جب کہ آپ کی عمر ابھی سولہ سال ہی کی تھی۔ سب سے پہلے کشمیری میگزین میں ۱۹۱۰ء میں چھپی تھی۔ اور اب تو آپ کا شمار ماشاء اللہ مستند شعراء اور بہترین سخنوروں میں ہے۔ اپنے وطن قدیم

کشمیر کی بھی کئی مرتبہ سیر کر چکے ہیں۔

خاندان شیخ حسن دین ڈار میونسپل کمشنر:

آپ کا حاجی منشی نظام الدین ڈار (لاہور) کے ساتھ یک جدی تعلق ہے۔ آپ یحییٰ ڈار کے فرزند شعبان ڈار کی اولاد سے ہیں۔ آپ کے والد شیخ علی محمد سوداگر کے چار اور بھائی تھے۔ محمد صدیق۔ عمر دین۔ محمد عثمان۔ اور عبدالرحمٰن آخر الذکر لاہور کمرشل بلڈنگ میں سوداگر ہیں۔

شیخ محسن دین کے بڑے بھائی کا نام شیخ محمد حسین ہے۔ وہ نقشہ نویسی کا کام کرتے ہیں۔ خود شیخ حسن دین بی۔ اے ایل ایل بی پلیڈر ہیں۔ اور آٹھ دس سال سے لاہور کے میونسپل کمشنر ہیں۔ سب سے چھوٹے شیخ فضل حسین لاہور پوسٹل ڈیپارٹمنٹ میں ملازم ہیں۔ اور لاہور کے مشہور اور کارکن سب پوسٹ ماسٹروں میں ہیں۔

خاندان خلیفہ محمد بخش ڈار:

ان کے والد کا نام میاں رمضاں ڈار تھا وہ یحییٰ ڈار کی اولاد سے تھے۔ میاں رمضان ڈار کے تین فرزندوں میں خلیفہ کریم بخش و خلیفہ رحیم بخش فوت ہو چکے ہیں۔ رحیم بخش مرحوم کا ایک فرزند ضیا اللہ نام ہے۔ میاں رمضان ڈار کے تیسرے فرزند خلیفہ محمد بخش ہیں۔ اور وہ بفضلہٖ زندہ ہیں۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ ڈاکٹر غلام محمد ایم بی بی ایس جو مدت سے امرتسر ہسپتال میں تعینات ہیں۔ دوسرے کا نام دین محمد ہے۔ وہ عرصہ سے عیسائی ہو چکا ہے۔

میاں محمد الدین ڈار ٹھیکہ دار وزیر آباد:

ان کے بزرگ حیات ڈار سکھوں کے زمانہ میں حضرت بل سری نگر سے وزیر آباد آئے۔ حیات ڈار کے دو فرزند تھے غلام محمد اور دین محمد۔ غلام محمد کا فرزند خادم حسین بیس کنٹریکٹر چھاؤنی لاہور میں رہتا ہے۔ اس کے فرزند کا نام غلام محی الدین ہے اور وہ بی اے تک تعلیم یافتہ ہے۔ حیات ڈار کے دوسرے فرزند دین محمد ڈار کے چار فرزند ہیں۔ جن میں میاں محمد رمضان ڈار بفضلہٖ حیات ہیں اور ہندوستان کے اکثر مقامات میں کپڑے کی تجارت کرتے رہے ہیں۔ میاں محمد الدین جو وزیر آباد کے تاجران چوب میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اور میاں محمد شفیع آپ کے فرزند ہیں۔ محمد یوسف ڈار جو وزیر آباد کے ایم بی ہائی سکول سے فسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کر

کے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوا ہے۔ میاں محمد الدین کا فرزند کلاں ہے۔ چھوٹے لڑکے کا نا
محمد سعید ہے۔

شیخ حسن دین ڈار مدیر حمایت اسلام:

سکھوں کے عہد میں عبدالرزاق ایک معزز زمیندار دستبرد زمانہ کے ہاتھوں مجبور ہو
کشمیر سے سیدھے گوجرانوالہ پہنچے۔ میاں فتح الدین جو لکڑی اور بھوسہ کے مشہور ٹھیکہ دار اور تا
تھے۔ اسی عبدالرزاق ڈار کے پوتے تھے۔ میاں فتح الدین مرحوم کے دو فرزند ہیں۔ فرزند کلاں
نام شیخ حسن دین ہے۔ وہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۵ء میں مسلمانان پنجاب کی سب سے بڑی تعلیمی جماعت
انجمن حمایت اسلام لاہور کے ہیڈ کلرک ہوئے پھر رفتہ رفتہ اپنی حسن کارکردگی کی بدولت محک
تالیف وطبع کے سپرنٹنڈنٹ ہو گئے۔ انجمن کے اخبار حمایت اسلام کی عنان ادارت بھی آپ
کے ہاتھ میں ہے۔ آپ کا ایک صاحبزادہ محمد ظفر اللہ (تاریخی نام) ہے۔ جو ابھی خورد سال ہے
میاں فتح الدین مرحوم کے دوسرے فرزند کا نام شیخ فیروز الدین ہے۔ وہ گوجرانوالہ میں تجارت ا
ٹھیکہ داری کا کام کرتے ہیں۔

حاجی محمد حفیظ ڈار ریٹائرڈ ڈپٹی اسسٹنٹ ڈائریکٹر:

آپ کے جد بزرگ احد ڈار ۱۸۲۱ء میں (سکھوں کے قبضہ کشمیر کے دو سال بعد
جنوبی کشمیر سے پہلے گجرات اور پھر لاہور آئے۔ حاجی محمد حفیظ یکم فروری ۱۸۷۷ء کو پیدا ہو
اسلامیہ کالج میں ایف اے تک پڑھے۔ یکم اگست ۱۸۹۵ء کو دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل میں ملا
ہوئے۔ جنوبی وزیرستان ملیشیا میں یکم اپریل ۱۹۰۰ء سے اکتوبر ۱۹۰۳ء تک ہیڈ کلرک کی حیثیت
سے رہے۔ اور بطور دفعدار لڑائی میں شامل رہ کر وار میڈل حاصل کیا۔ نومبر ۱۹۰۳ء سے ۳۱ جو
۱۹۱۶ء تک پھر دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل میں آئے اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت
سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۱۳ء میں سبارڈی نیٹ اکونٹ سروس کے امتحان میں ۶۰ امیدوار تھے
میں ایک یورپین اور کچھ ایم اے اور بی اے تھے۔ مگر صرف آپ ہی اس امتحان میں پاس ہو۔
اپنی اعلیٰ قابلیتوں کی بدولت جنوبی ایران رائفل میں ۱۳ اگست ۱۹۱۶ء سے مئی ۱۹۲۱ء
سپرنٹنڈنٹ رہے۔ جہاں دو جنگی میڈل حاصل کیے۔ اور اعلیٰ خدمات کے لیے سیکرٹری
سٹیٹ کے ڈسپیچوں میں دو مرتبہ خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا۔ جون ۱۹۲۱ء سے

۱۹۲۵ء تک دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب میں سپرنٹنڈنٹ اور قایم مقام اسسٹنٹ اکونٹنٹ افسر کے عہد پر ممتاز رہے۔

یکم جنوری ۱۹۲۶ء سے مئی ۱۹۳۲ء تک ڈپٹی اسسٹنٹ ڈائریکٹر آرمی آڈٹ کے عہد پر ۹۹۰۔۶۶۰۔۴۰ کے گریڈ میں رہے۔ اور یہیں سے پنشن حاصل کی۔

جب تک لاہور میں رہے انجمن حمایت اسلام کے مختلف شعبوں میں آنریری طور پر کام کرتے رہے۔ اور انجمن کے مختلف عہدوں فنانشل سیکرٹری سیکرٹری محکمہ تالیفات سیکرٹری فنانس کمیٹی، سیکرٹری یتیم خانہ کمیٹی، ایگزیمز وغیرہ معزز عہدوں کی نہ صرف وقتاً فوقتاً خدمات انجام دیتے رہے۔ بلکہ قدمے وقلمے امداد کے علاوہ ''دامے ودرمے'' اعانت بھی کرتے رہے ہیں۔ اور اب تک کرتے رہتے ہیں۔ زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہو چکے ہیں۔

احمد حسین ڈار بی اے:

ان کے بزرگ سکھوں کے زمانہ میں کشمیر سے آئے۔ ان کے والد جمال الدین عرف جمعہ مدت دراز تک افریقہ میں ریلوے ڈرائیور رہے۔ ۱۹۲۷ء سے کالکا شملہ ریلوے کی ملازمت سے ریٹائر ہو کر خانہ نشیں ہیں۔ میاں جمال الدین کے سب سے بڑے فرزند کا نام محمد حسین ہے۔ جس کا ایک لڑکا محمد یٰسین بی اے کسی ہائی سکول میں ماسٹر ہے۔

دوسرے فرزند کا نام احمد حسین بی اے ہے۔ جو ملازم ہے۔ تیسرے فرزند کا نام محمود حسین ہے۔ جو ریڈ کراس سوسائٹی میں ملازم ہے۔ چوتھے فرزند کا نام نذر حسین ہے۔ ڈار قبائل کے خاندان جو پنجاب کے اضلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات میں ہیں کشمیر زراعتی بورڈ راولپنڈی کی رپورٹ ۱۹۲۷ء کے مطابق زراعت پیشہ ہیں۔ یا فوجی ملازم ہیں۔ تعداد ۳۶۱ ہے۔

اضلاع منٹگمری، ملتان، مظفر گڑھ، ریاست بہاولپور اور ضلع شیخوپورہ میں بھی ایک ڈار قوم آباد ہے۔ وہ ڈاہر کہلاتی ہے۔ وہ بھی کشمیر کے ڈار قبائل کی طرح زمیندار ہے۔ لیکن وہ راجپوت نہیں۔ بلکہ جٹ کے نام سے مشہور ہے۔ جٹ کا مفہوم زمیندار ہے اور بہت سے راجپوت زمیندار ہونے کی حیثیت سے زمیندار یا جٹ ہی کہلاتے ہیں۔

چندراتھر یاراٹھور خاندان

خاندان خان بہادر نواب گل محمد خاں:

آپ کے بزرگ کشمیر سے جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں آئے۔ جلالپور میں اہل خطہ مسلمان کافی تعداد میں ہیں۔ اور عموماً آسودہ حال ہیں۔ ان میں سے چند ایک میونسپلٹی کے ممبر اور ٹھیکہ دار بھی ہیں۔ خان بہادر سردار گل محمد خاں بھی یہیں کے رہنے والے ہیں۔ آپ کی ملازمت کا سارا زمانہ بلوچستان ہی میں گزرا ہے۔ وہیں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوئے ہیں۔ وہیں سپرنٹنڈنٹ مردم شماری بنے۔ وہیں اپنی خدمات جلیلہ کی بدولت خان بہادری کا خطاب حاصل کیا۔ پھر گورنمنٹ نے ریاست قلات کا وزیر اعظم بنا دیا۔ ہز ہائی نس خان قلات مرحوم نے نواب اور سردار کے خطابات سے سرافراز کیا۔ دو سال تک بڑی شان سے وزارت عظمٰی کے فرائض بجا لاتے رہے۔ ہز ہائی نس کے انتقال کے بعد آپ پھر گورنمنٹ کی سروس میں واپس آ گئے۔ آج کل آپ کا قیام کوئٹہ میں ہے۔

خاندان محمد خیرات اللہ راٹھور:

کشمیر سے اس خاندان کا جو بزرگ سب سے پہلے پنجاب آیا۔ اس کا نام سبحان راتھر تھا۔ یہ بزرگ آج سے قریباً ڈیڑھ صد سال پہلے کھیالی متصل گوجرانوالہ آئے۔ ان کے بعد یہ خاندان موضع اوپل سانسی میں جو اسی ضلع میں کوٹلی نواب سعد اللہ خاں کے قرب میں ہے۔ منتقل ہو گیا۔ اس خاندان میں اس وقت حسب ذیل اصحاب سرکردہ اور کارکن اور بزرگ ہیں۔ چودھری مراد علی جو زرعی کاروبار میں مصروف ہیں۔ چودھری غلام محمد ٹھیکہ دار، چودھری اکبر علی ایس ڈی او ریلوے، چودھری مدد علی (ملازم) چودھری محمد نور غنی ٹھیکہ دار چودھر اصغر علی ٹھیکہ دار، چودھری محمد خیرات اللہ ٹھیکہ دار۔

عدالت کا فیصلہ راتھر یاراٹھور ذات کے زراعت پیشہ ہونے کے متعلق:

اسی خاندان میں جب چودھری امیر بخش والد محمد یار نے یکم اکتوبر ۱۹۳۰ء کو کوٹلی نو میر زمین خرید کی تو کلکٹر گوجرانوالہ نے اس بنا پر کہ امیر بخش غیر کاشتکار ہے۔ امیر بخش کے حق میر

انتقال کرنے سے انکار کر دیا۔ امیر بخش کے نمائندوں۔ محمد نور غنی ولد برکت علی اور مراد علی و غلام محمد پسران امیر بخش اور محمد خیرات اللہ ولد نذیر محمد نے سیکرٹری آف سٹیٹ اور کلکٹر اور فروخت کنندگان کے خلاف اس حکم کے غلط اور خلاف قانون ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہ دعویٰ رائے بہادر لالہ برکت رام ایم۔ بی۔ ای سب جج گوجرانوالہ کی عدالت میں ۱۶ نومبر ۱۹۳۱ء کو دائر کیا گیا۔ بنائے دعویٰ میں لکھا گیا کہ "مدعیان کے آباؤ اجداد جو کشمیر سے آ کر اس ضلع میں آباد ہو گئے تھے راٹھور راجپوت تھے۔ وہ اس ضلع میں اراضی کے مالک تھے۔ اور کاشت کار تھے۔ قانون انتقال اراضی کے رو سے راجپوت اس ضلع میں کاشت کار ہیں۔ اس لیے انتقال سے انکار کرنے کا حکم نامہ واجب ہے۔"

اس مقدمہ کا فیصلہ ۷ اپریل ۱۹۳۳ء کو عدالت نے مدعیان کے حق میں سنایا۔ اس فیصلہ میں ۱۴ گواہ مدعیان کی طرف سے تھے۔ جنہوں نے یہ بیان کیا تھا کہ مدعیان راٹھور راجپوت ہیں اور کشمیر سے یہاں آئے ہیں۔ کرم چند سپیشل قانونگو گوجرانوالہ نے کہا کہ مدعیان اور ان کے آباؤ اجداد کا غذات مال میں صرف کشمیری درج ہیں۔ گوت ان کی جو راٹھور ہے درج نہیں ہے۔ راٹھور راجپوت ہیں۔ اور وہ اس ضلع میں کاشت کار ہیں۔ مدعا علیہم کی طرف سے ۶ گواہ تھے۔ ان سب کا بیان تقریباً ایک ہی تھا کہ یہ کشمیری ہیں۔ اور کاغذات مال میں یہ کشمیری ہی درج ہیں۔ اس لیے یہ غیر کاشتکار ہیں۔

فیصلہ عدالت کے مندرجہ ذیل الفاظ نے مدعیان کے حق میں اور مدعا علیہم کے خلاف ڈگری دے دی۔

امیر بخش اصلی مدعی کا غذات میں صرف کشمیری درج ہے۔ لیکن صحت کا حق ہر وقت ہر کسی کو حاصل ہے۔ گوتیں وغیرہ عام طور پر نہیں لکھی جاتیں۔ اور دعدالتی کاغذات میں بھی ان کا خیال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نام اور عام ذات لکھ دی جاتی ہے۔ جیسے کھتری، اروڑہ، جاٹ، افغان، راجپوت وغیرہ............ کشمیری کوئی ذات نہیں اور اس لفظ کا اطلاق ہر اس آدمی پر ہو سکتا ہے جو کشمیر کے کسی خاندان کا فرد ہو اور غالباً یہ اسی طرح ہے جس طرح پنجاب میں مختلف قوموں کو پنجابی کہا جاتا ہے .... مدعیان نے ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۴ء کے پرانے کاغذات پیش کیے ہیں۔ جن میں وہ راٹھور راجپوت درج ہیں .... چونکہ کشمیری کوئی ذات نہیں اور مدعیان نے اپنے آپ کو راٹھور راجپوت ثابت کیا ہے اس لیے یہ ڈگری دیتا ہوں کہ وہ راٹھور راجپوت ہیں۔

خاندان بابو محمد الدین راتھر:

سکھوں کے زمانہ میں حاجی عبدالغفار راتھر نام ایک بزرگ کشمیر سے لاہور آ کر مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند حاجی امیر الدین نے اپنے تجارتی کاروبار میں خوب رونق وسعت پیدا کر لی۔ ان کے تین فرزند ہیں۔ اول احمد الدین مرحوم جن کی اولاد نرینہ موجود ہے اور دوسرے بابو محمد الدین جو برسوں تک لائل پور میں چیف گڈس کلرک ریلوے رہ کر اب عرصہ سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ اور جنہوں نے ریٹائر ہونے کے بعد مسلمانوں میں تجارت کا شوق پیدا کرنے کے لیے ایک فرم مسلم کلاتھ ہاؤس کے نام سے کھولی ہوئی ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ فرزند کلاں عبدالاحد کا انتقال ہو چکا ہے۔ منجھلا صاحبزادہ مسلم کلاتھ ہاؤس میں کام کرتا ہے۔ سب سے چھوٹے محمد حسن بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہیں اور لاہور میں وکالت کرتے ہیں۔ حاجی امیر الدین کے تیسرے فرزند عبدالقادر کا چند سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے بفضلہ کئی فرزند ہیں۔ سب سے بڑے صاحبزادے میاں عبدالصمد راولپنڈی میں سٹی مجسٹریٹ ہیں۔

پنجاب کے اضلاع، راولپنڈی، جہلم، گجرات میں جو راتھر خاندان ہیں۔ ان میں جو زراعت پیشہ یا فوجی ملازم ہیں۔ ان کی تعداد ۲۳۶ ہے۔

چند قریشی کاشمیری خاندان

خاندان منشی صالح محمد مرحوم گوجرانوالہ:

حکومت افاغنہ کشمیر میں اپنے آخری سانس لے رہی تھی کہ کشمیر کے ایک بزرگ عارف بابا نام جو حضرت بابا داؤد خاکی مخدومی سہروردی کے ارادتمندوں میں سے تھے۔ اپنے وطن سے پہلے پہل سیالکوٹ آئے۔ پھر کچھ عرصہ وزیر آباد اور چند ماہ لاہور ٹھہرے اور آخر گوجرانوالہ میں مستقل بودوباش رکھ کر وہیں واصل بحق ہو گئے۔ ان کا سلسلہ ابتداء میں اپنے ارادتمندوں میں محض رشد و ہدایت تھا مگر پنجاب آ کر اس سلسلہ کو ترک کر دیا گیا۔

عارف بابا کے فرزند اکبر بابا کے دو پوتے تھے۔ محمد صدیق اور صالح محمد منشی، صالح محمد فرزند دوم ریلوے ملازمت کے ذریعہ نہایت عزت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ میاں حیدر محمد آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ۲۰ اکتوبر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور حصول تعلیم کے بعد اپنے والد مرحوم کی جگہ ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۸ سال کے قریب ہے۔ ۲ ستمبر ۱۹۲۴ء کو طویل ملازمت کے بعد ریٹائر ہو گئے۔

قیام لاہور کے ایام میں آپ نے عام اسلامی معاملات کے علاوہ کشمیری مسلمانوں کے زرعی و فوجی حقوق اور ان کی تعلیمی و اصلاحی ترقیوں کے لیے جو کوششیں کیں انہی کا نتیجہ مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کا وجود ہے۔ آپ اس کے سیکرٹری تھے۔ اور راقم الحروف جائنٹ سیکرٹری۔ آپ کے خاندان نے تعلیمی وظائف کے عطیہ جات اور ہر قسم کی اعانت کے ذریعہ جو احسانات کشمیری کانفرنس کشمیری مسلمانان پنجاب اور مسلمانان کشمیر پر کئے ہیں۔ ان کی یاد اب تک دلوں میں تازہ ہے۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں جن میں سب سے بڑے ڈاکٹر محمد مظہر حسین اسسٹنٹ سرجن ہیں۔ منشی صالح محمد کے دوسرے فرزند شیخ عطا محمد بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ریٹائرڈ پبلک پراسیکیوٹر ہیں۔ سن پیدائش ۱۸۷۶ء ہے۔ آپ گوجرانوالہ کے اسلامی کاموں اور پنجاب کے کشمیری مسلمانوں کی روح رواں رہے ہیں۔ نہ صرف گوجرانوالہ کے اجلاس کشمیری کانفرنس بلکہ جہاں جہاں بھی کانفرنس کا جلسہ ہوتا رہا ہے۔ اس کی رونق کامیابی کا سہرا آپ ہی کے سر رہا ہے۔ آپ کے چشمہ فیض سے قومی و اسلامی انجمنیں اجتماعی طور پر اور اکثر اصحاب انفرادی حیثیت سے اپنی کشت ہائی مراد کو سرسبز و شاداب کرتے رہے ہیں۔

آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ بڑا لڑکا سکندر بخت کالج میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

شیخ محمد افضل بی۔ اے جو جہلم میں ڈویژنل فارسٹ افسر ہیں۔ منشی صالح محمد مرحوم کے تیسرے فرزند ہیں۔ علی گڑھ کالج کے گریجوایٹ ہیں۔ سن پیدائش ۱۸۸۳ء ہے۔ اپنے اخلاق حسنہ کی وجہ سے ہر کہ و مہ میں ہر دلعزیز ہیں۔

منشی صالح محمد مرحوم کے سب سے چھوٹے فرزند شیخ دین محمد ایم۔ اے۔ ایل ایل۔ بی ہیں جن کو دو سال ہوئے گورنمنٹ نے ''خان بہادر'' کا خطاب عطا فرمایا ہے۔

آپ پنجاب کونسل کے ممبر اور بلدیہ گوجرانوالہ کے صدر کئی سال تک رہے ہیں۔ پہلے راولپنڈی اور گوجرانوالہ میں پریکٹس کرتے رہے۔ پانچ سال ہوئے لاہور ہائی کورٹ میں پریکٹس کے لیے آگئے۔ یہاں قابلیت کے جوہر چمکے۔ پہلے اسسٹنٹ لیگل ریفرنس کی معزز اسامی پر فائز ہوئے۔ سر عبدالقادر جج ہائی کورٹ کے ریٹائر ہونے پر مارچ ۱۹۳۴ء میں پنجاب ہائی کورٹ کے جج ہو گئے۔

ایف۔اے اور ایم۔اے کے امتحانات فارمن کرسچین کالج لاہور سے پاس کیے۔ جب آپ کے برادر بزرگ میاں حیدر محمد راولپنڈی میں تھے۔ وہیں مشن کالج میں آپ بی۔اے میں پڑھا کرتے تھے۔ انہی ایام میں انجمن کشمیری مسلمانان راولپنڈی کے سالانہ اجلاس میں آپ نے جو تقریر کی ہر چند کہ وہ آپ کی سب سے پہلی تقریر تھی۔ اور طالب علمی کے ایام کی تھی۔ تاہم راقم الحروف نے اسی وقت کشمیر گزٹ کے کالموں میں آپ کے متعلق لکھ دیا تھا۔ ''وہ لوگ جن کو قدرت نے چشم بصیرت عطا کی ہے۔ اس ہونہار لڑکے کی روانی طبیعت دیکھ کر اس کے لیے'' مے تافت ستارہ بلندی۔'' کی پیشین گوئی کرنے میں حق بجانب ہیں۔''

اس وقت زمانہ دیکھ رہا ہے کہ آج وہ ہونہار لڑکا اپنی اعلیٰ قانونی قابلیتوں کی بدولت صوبہ پنجاب میں انصاف کی سب سے بڑی عدالت کا ''آنریبل جج'' کہلا رہا ہے۔

بابا عرف عام ہے۔ جس کی تشریح بابا یا شاہ کے سلسلہ کی جا چکی ہے۔ اصل ذات اس خاندان کی قریشی فاروقی ہے۔

خاندان میاں محمد صدیق صِد بابا گوجرانوالہ:

آپ عارف بابا کی اولاد سے تھے اور منشی صالح محمد کے حقیقی بھائی تھے لیکن محمد صدیق کی بجائے صد بابا کے نام سے مشہور تھے۔ آپ تاجر چوب تھے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ ایک فرزند کا نام پیر محمد ہے۔ وہ گوجرانوالہ کے میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اپنے والد مرحوم کی طرح لکڑی کا کاروبار کرتے ہیں۔ آپ کے دوسرے بھائی کا نام علی محمد تھا۔ وہ عرصہ ہوا انتقال کر چکے ہیں۔ کشمیر کے مشہور اور سیئیر بابو عبدالقادر قریشی جنہوں نے جامعہ مسجد سری نگر کی تعمیر و مرمت کے ایام میں ایوری صاحب کے ماتحت بڑی تندہی سے کام کیا ہے۔ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

* ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس موضع میں ۸۷ مکانات اور ۴۹۳ نفوس آباد ہیں۔

آپ کا ایک جوان لڑکا عبدالعزیز انتقال کر چکا ہے۔ دوسرا بابو غلام قادر گلگت کی پولیٹیکل ایجنسی میں ملازم ہے۔

مولوی رحیم بخش بی۔اے۔ پی۔ای۔ایس:

آپ کے آباؤ اجداد کا اصلی وطن موضع خان صاحب * تحصیل بڈگام (سری پرتاب سنگھ پورہ) ہے۔ سب سے پہلے خیر شاہ اپنے فرزند رسول شاہ کے ہمراہ قصبہ جامکے ضلع سیالکوٹ میں بعہد سکھاں آئے۔ رسول شاہ کے فرزند رزق شاہ مولوی رحیم بخش کے دادا تھے۔ مولوی رحیم بخش کے والد کا نام محمد رمضان تھا۔ ذات ان کی قریشی ہے۔ مولوی رحیم بخش کے سب سے چھوٹے بھائی جان محمد بی۔اے۔ بی۔ٹی جو نہایت قابل گریجوایٹ اور ایک ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ عین عالم شباب میں ۲۴ دسمبر ۱۹۱۹ء کو انتقال کر گئے۔ اب آپ کے دو بھائی اور ہیں۔ ایک ماسٹر اللہ دتا بی۔اے سیکنڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ دوسرے بابو سلطان محمد اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر سرائے عالمگیر۔

مولوی نواب الدین تاجر کتب سیالکوٹ جو لاہور میں مقبول عام پریس کے مالک رہے ہیں۔ آپ کے چچازاد بھائی ہیں۔ اور اپنے دوسرے برادران کے ہمراہ اب سیالکوٹ ہی میں رہتے ہیں۔

مولوی رحیم بخش دو سال تک سری نگر کشمیر کے اسلامیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے ہیں۔ آپ کے اخلاق حسنہ کی وجہ سے آج تک وہاں کے لوگ آپ کو یاد کر رہے ہیں۔ آج کل آپ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس ضلع گوجرانوالہ کے منصب پر ہیں۔

راقم مؤلف سے آپ کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ مڈل سکول جامکے میں (آج کل وہ ہائی سکول ہے) ہم ایک ہی جماعت میں پڑھا کرتے تھے۔ لیکن کاتب تقدیر نے دونوں کے مستقبل میں بعد المشرقین لکھ رکھا تھا۔

ماؤ مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق　　او بہ صحرا رافت و مادر کوچہ ہا رسوا شدیم

آپ کا صاحبزادہ نذیر احمد بی۔اے۔ایل۔بی گوجرانوالہ میں وکالت کرتا ہے۔

گجر خاں کا کشمیری قریشی فوجی خاندان:

موضع تجر متصل سوپور کے عبدالرحیم قریشی کا ایک بیٹا غلام رسول المعروف لسہ قریشی اور اس کے دوسرے بیٹے عبداللہ قریشی کا پوتا عمر قریشی سکھوں کے زمانہ میں تجر سے نوگام متصل وہامہ اور وہاں سے ترک وطن و جائیداد کر کے پنجاب میں آگئے۔ عمر قریشی کے دوسرے بھائی حسن قریشی کی اولاد اب تک کشمیر میں موجود ہے۔ لسہ قریشی کی اولاد میں ۱۷ افراد نے فوجی ملازمت میں حصہ لیا ہے۔ ان میں کئی ایک پنشن پر آگئے ہیں۔ چند ایک ابھی تک سروس میں ہیں۔ ہر ایک نے کوئی نہ کوئی تمغہ بھی حاصل کیا ہے۔ عمر قریشی کی اولاد میں بھی دو افراد فوجی ملازمت میں ہیں۔ غرض آج سے قریباً ایک سو سال پیشتر جو دو بزرگ کشمیر کے ناموافق حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے گجر خاں ضلع راولپنڈی میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ آج زمینوں کے مالک ہیں۔ صاحب جائیداد ہیں۔ اپنے علاقہ کے رئیس ہیں۔ اور اپنی قوم کی عزت و وقعت کا باعث ہیں۔ یہ لوگ کئی مواضعات میں پھیل چکے ہیں۔ چنانچہ عمر قریشی ولد غفور قریشی خلف عبداللہ قریشی اور عبدالغفور و عبدالوہاب خلف لسہ قریشی کی اولاد موضع کھمب اور ڈونگی کلاں میں ہے۔ اور لسہ قریشی کے تیسرے فرزند محمد مقبول قریشی کی اولاد موضع موہڑہ سروالا۔ موہڑہ چودھری جعفر خاں اور موضع سراہدنہ میں موجود ہے۔

اس خاندان کے چند فوجی افراد کے نام حسب ذیل ہیں۔

کپتان فقیر محمد بہادر۔ او۔ بی۔ آئی مرحوم۔ منشی محمد عظیم ملٹری اکاؤنٹنٹ جے پور۔ جمعدار حیات علی پنشنر۔ جمعدار وزیر خاں پنشنر حال منتظم جاگیر رائے بہادر ٹھاکر کرنل دیبی سنگھ جی چیف آف چتوڑ (جے پور) الٰہی بخش پنشنر اکاؤنٹنٹ۔ جمعدار حیات علی پنشنر اور کئی اور اصحاب۔

کشمیری مسلمانان پنجاب کے قریشی خاندانوں میں خان بہادر شیخ خاں محمد مرحوم آنریری مجسٹریٹ و ڈپٹی پوسٹ ماسٹر کا خاندان راولپنڈی میں بہت نامور ہے۔ آپ کے فرزند کلاں شیخ عبدالعزیز بی اے بیرسٹر ایٹ لاء مرحوم نے کشمیری کانفرنس کے قیام میں بڑا حصہ لیا ہے۔ خان بہادر مرحوم کے فرزندوں میں شیخ عبداللطیف انجینئر اور ان کے بھائی جو معزز عہدہ پر ہیں لاہور میں رہتے ہیں۔

راولپنڈی کا ایک اور کشمیری خاندان بڑا ممتاز ہے۔ مسٹر بدرالدین احمد قریشی

بیرسٹرایٹ لاء (لاہور) اور کپتان ڈاکٹر مظفر الدین احمد قریشی (دونوں بھائی) اسی خاندان کے ممبر ہیں۔

کشمیر کے قریشی قبائل جو پنجاب کے اضلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات میں کشمیر زراعتی بورڈ کی زراعت پیشہ یا فوجی ملازم بتائے گئے ہیں۔ان کی تعداد ۳۶۴ گھرانوں کی ہے۔

خاندان مولوی عبدالعزیز ملک گوجرانوالہ:

نائد گام (شوپیاں) کا ایک ملک رحمت اللہ نام کشمیر کی بعض دیگر اقوام کی طرح مصائب کا شکار ہو کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں گوجرانوالہ آیا۔اس کے دو فرزند تھے۔ایک منور ملک جولاولد مر گیا۔دوسرا انور ملک۔جس کے ہاں ایک لڑکی کے علاوہ حسب ذیل دو فرزند پیدا ہوئے۔ملک عبدالعزیز، ملک غلام محی الدین لیکن انور ملک کی وفات ۱۲۷۸ھ یا ۱۲۷۹ھ کے بعد ان کے ماموں حاجی سکندر ملک* نے جو سیالکوٹ میں رہتے تھے۔اور میاں لال دین کے تجارتی گماشتہ تھے۔ان کو اپنے سایہ عاطف میں لیا۔مولوی عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت سیالکوٹ ہی میں ہوئی۔مولوی سید حسن مرحوم جو اس زمانہ میں مشن سکول سیالکوٹ میں فارسی اول مدرس تھے۔بعد میں مرے کالج کے پروفیسر اور پھر شمس العلماء بھی ہو گئے تھے۔آپ کے شفیق استاد تھے۔۱۸۷۵ء میں نارمل پاس کرنے کے بعد آپ سمبڑیال، ڈسکہ، گورداسپور اور گوجرانوالہ میں مدرس رہے۔گوجرانوالہ سے ۱۹۱۳ء میں پنشن لے لی۔پنشن کے بعد بھی اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ میں دس سال تک فارسی کے اول مدرس رہے۔اب عمر اسی سال کے قریب ہے۔اور آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔(۱) اخان صاحب، ملک عبدالرحیم گورنمنٹ ٹیلی گراف صوبہ سرحد (۲) ملک سعید احمد جو اس سال ایم۔ایس سی آنرز کا امتحان دینے والا ہے۔

---

* حاجی سکندر ملک کے والد چار بھائی تھے۔برخوردار ملک۔احمد ملک۔فاضل ملک۔حسن محمد ملک۔حاجی سکندر ملک۔ برخوردار ملک کا اکلوتا فرزند تھا۔اور اس کا بھی ایک ہی بیٹا محمد حیدر تھا۔۔اس کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔جو خان صاحب میر کریم بخش انسپکٹر مدارس صوبہ سرحد کے گھر میں ہے۔فاضل ملک لاولد مر گیا۔باقی دو بھائیوں نے موضع گوناعور متصل کاموں کے سکونت اختیار کر لی۔ان کی اولاد اس موضع میں ہے۔اور اچھی زمیندارہ حیثیت رکھتی ہے۔ ان میں ملک عنایت اللہ اور ان کا فرزند کلاں ملک رحمت اللہ بہت مشہور ہیں۔اسی موضع میں ملک قوم کا ایک اور خاندان بھی ہے جو حضور ملک کی اولاد سے ہے یہ خاندان بھی زمیندارہ کا کام کرتا ہے۔محمد علی و ابراہیم گاؤں میں اچھے معزز معتبر ہیں۔

ملک عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی ملک غلام محی الدین ریلوے دفتر میں ملازم تھے۔ مختلف مقامات اور مختلف عہدوں پر رہ کر راولپنڈی سے چیف کلرکی کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔ انہیں تعلیمی اداروں اور تعلیمی کاموں سے ابتدا سے دلچسپی رہی ہے۔ جہاں کہیں رہے اگر پہلے کوئی انجمن ہے تو اس میں شامل ہو گئے۔ اگر کوئی انجمن وہاں نہیں ہے تو مسلمانوں کو اتفاق و تعلیم کے فوائد بتا کر نئی کمیٹی بنا دی۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے آپ بڑے معاون و مددگار ہیں۔ آج کل انجمن اسلامیہ راولپنڈی کے سیکرٹری ہیں۔ اولاد ذکور میں آپ کے ۶ فرزند ہیں۔ (۱) ملک عبدالحی جو محکمہ ریلوے میں سٹیشن ماسٹر ہے (۲) ملک عبدالقیوم بی اے بیرسٹرایٹ لا جو یورپ اور اسلامی ممالک کے نامور سیاح ہیں۔ اور انگلستان سے ایک اخبار بھی مسلم سٹینڈرڈ کے نام سے شائع کرتے رہے ہیں۔ آج کل لا کالج لاہور میں پروفیسر ہیں (۳) ملک عبدالرشید ایم اے افسر محکمہ زراعت بنگال (۴) ملک عبدالغفور ریلوے کے محکمہ بجلی میں اعلیٰ عہدہ دار ہیں (۵) ملک عبدالرؤف پی۔ ایچ۔ ڈی جو آج کل یوروپ میں ہیں (۶) ملک عبدالشکور جس نے حال ہی میں بی اے کا امتحان دیا ہے۔

ملک محمد الدین سیکرٹری دربار ٹونک:

خان صاحب حمید ملک بی اے ایل ایل بی کرنال اور مجید ملک بی اے جو مسلم آؤٹ لک اور ایسٹرن ٹائمز اور سن رائز کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آپ کے مشہور صاحبزادگان میں سے ہیں۔ ملک محمد الدین پہلے بہاولپور میں ناظم انہار تھے۔ اب عرصہ سے ٹونک میں کونسل کے سیکرٹری ہیں وطن لاہور ہے۔

ملک قادر بخش:

چھوٹی ملازمت سے ترقی کر کے معقول تنخواہ تک پہنچے۔ کرنسی آفس لاہور کے معزز اہل کاروں میں تھے۔ پنشن سے پہلے اور پنشن کے بعد بھی انجمن حمایت اسلام کے لیے آنریری کام کرتے رہے ہیں۔ ان کے ایک فرزند ملک عبدالعزیز بی اے ایل ایل بی انجمن حمایت اسلام لاہور کے اسسٹنٹ سیکرٹری رہ چکے ہیں۔

خاندان مستری فیض محمد ملک:

خاندان گوجرانوالہ میں بڑے ملکوں کا خاندان کہلاتا تھا۔ حمزہ ملک کے سات فرزند تھے۔ اا
میں سے محمد بخش ملک کی اولاد سے احمد الدین کے بیٹے مستری فیض محمد جڑانوالہ میں اپنا کاروبا
کرتے ہیں۔ اور مجلس احرار اور دیگر سیاسی اور قومی اور اسلامی کاموں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔

خاندان ملک حاتم انسپکٹر انٹر لاکنگ:

آپ کے بزرگ کشمیر سے اروپ میں آئے۔ جو گوجرانوالہ سے تین میل کے فاصلہ
ہے۔ آپ اسد ملک کے پوتے اور عبدالستار ملک کے فرزند ہیں۔ آپ نے اب اپنا مکا
گوجرانوالہ میں بنوالیا ہے۔ ریلوے میں ایک معزز عہدہ پر ہیں۔

ملک غلام محمد مدیر مشیر باغبانی:

لاہور میں ملک بہادر اور ملک محمد رمضان آج سے ۲۵۔۳۰ سال پیشتر مشہور ٹھیکہ د
تھے۔ ملک بہادر کے عمر اسی نوے سال کے قریب ہے۔ ان کے تین فرزند انتقال کر چکے ہیں
اس وقت ملک سیف الدین بفضلہٖ زندہ ہیں۔ ملک محمد رمضان ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ ج
سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ ملک غلام محمد جو امریکہ میں تین چار سال تک زراعتی تعل
حاصل کرنے کے بعد فن زراعت و باغبانی کے ماہر ہیں۔ آپ ہی کے فرزند ہیں۔ آپ کا ماہ
رسالہ مشیر باغبانی بہت مقبول اور کامیاب اور مفید رسالہ ہے۔ کشمیر میں آپ کا وطن برزلہ متص
سری نگر تھا۔ اور آپ کے بزرگان سلف نشاط اور شالا مار باغ میں زراعت و باغبانی کے نگر
تھے۔ آپ نے زرعی و باغبانی فن کا جوہر ورثہ میں پایا ہے۔

خاندان میاں کریم بخش مرحوم رئیس لاہور:

آپ کے والد کا نام شیخ رسول بخش رشی تھا۔ کشمیر میں ان کا وطن موضع دمحال ہانجی
تحصیل کولگام ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں لاہور آئے۔ میاں کریم بخش اور میاں رحیم بخش ان
دو فرزند تھے۔ میاں رحیم بخش کا ایک ہی فرزند تھا۔ میاں عبدالصمد نام وہ لاولد فوت ہو گئے بڑ
امیر تھے۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی بہت سی جائیداد انجمن حمایت اسلام کو ملی۔

میاں کریم بخش پبلک ورکس لاہور کے جنرل ٹھیکیدار تھے ۱۸۲۴ء میں پیدا ہو۔
۱۸۸۰ء میں پراونشل درباریوں میں آپ کا نام لکھا گیا۔ آپ کے زمانہ میں لاہور میونسپلٹی

ہوئی۔اور آپ شروع سے لے کر اپنی عمر کے آخری لمحوں تک اس کے ممبر رہے۔آپ انجمن حمایت اسلام کے وائس پریذیڈنٹ اور انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے پریذیڈنٹ تھے۔

سکھوں کے آخری اور انگریزوں کے الحاق پنجاب کے ابتدائی ایام کے قریب کشمیر سے شدید قحط کے باعث جب ہزار ہا کشمیری بے خانماں ہو کر پنجاب آئے جن میں سے صدہا مفلوک الحال بھی پہنچے۔تو میاں کریم بخش نے ہر ممکن طریق سے اپنے غریب بھائیوں کی دستگیری کی۔رہنے کو مکانات دیئے کھانے کو روٹی دی۔ پہننے کو کپڑا دیا۔اسی سچی حب الوطنی کے صلہ میں گورنمنٹ نے آپ کو دربار میں کرسی نشین کیا۔اور خوشنودی مزاج کی سند عطا کی۔اس واقعہ کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ تاریخ لاہور میں موجود ہے۔

۲۲نومبر ۱۹۰۴ء کی رات کو پچاسی سال کی عمر میں آپ فوت ہو گئے۔آپ کی وفات پر قومی انجمنوں اور لاہور کے انگریزی اردو اخبارات اور روسائے عظام کے علاوہ ہز ہائی مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آنجہانی فرمانروائے جموں وکشمیر نے بھی تعزیت نامہ بھیجا۔۱۱ستمبر ۱۹۰۴ء کو مرحوم کا تعزیتی جلسہ مسٹر جسٹس چیٹر جی سی۔آئی۔ای جج چیف کورٹ پنجاب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

آپ کے چار فرزندوں میں تین میاں فضل دین، میاں شمس الدین اور میاں جلال الدین فوت ہو چکے ہیں۔میاں فضل الدین کے فرزند میاں حسام الدین بیرسٹر ایٹ لاء موجود ہیں۔میاں شمس الدین جو میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔اولاد نرینہ سے محروم تھے۔میاں جلال الدین مرحوم کے حسب ذیل صاحبزادے ہیں۔

(۱) خان صاحب میاں امیر الدین بی۔اے سب رجسٹرار میونسپل کمشنر لاہور۔

(۲) میاں ظہور الدین بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل ہائی کورٹ لاہور۔

(۳) میاں حمید الدین

(۴) میاں امین الدین بی اے۔آئی۔سی۔ایس۔ڈپٹی کمشنر

میاں کریم بخش مرحوم کے چار فرزندوں میں سے میاں نظام الدین بفضلہ زندہ ہیں۔اور میونسپل کمشنر اور آنریری مجسٹریٹ ہیں۔آپ کے صاحبزادے کا نام میاں محمد اسلم ہے۔جو لاہور کے مشہور فسانہ نویس اور مصنف ہیں۔

ایک اور رشی خاندان رمداس ضلع امرتسر میں ہے ان کی ایک شاخ کوئٹہ بلوچستان میں بھی ہے۔ رمداس کے رشی بالعموم فوج میں مختلف ملازمتوں پر ہیں۔ حال ہی میں اس خاندان کا ایک ہونہار لڑکا نذیر احمد بی۔اے دہلی کے محکمہ ہوائی جہازوں میں معقول تنخواہ پر ملازم ہوا ہے۔

کشمیر میں رشی قوم کے نام پر دو گاؤں بھی ہیں ایک تحصیل کولگام میں نام رشی پورہ آبادی ۱۵۲ نفوس دوسرا تحصیل پلوامہ میں اس کا نام بھی رشی پورہ ہے۔ آبادی صرف ۴۰ نفوس کی ہے۔

خاندان خواجہ غلام مصطفیٰ نائک:

جب سکھوں اور پٹھانوں کے عہد میں اہل ملک پر سختیاں ہونے لگیں تو کشمیر سے ہزار ہا لوگ اپنی جانیں اور عزت بچانے کے لیے اپنے اصلی ملک کو خیر باد کہہ کر پنجاب کے مختلف مقامات میں جہاں جس کے سینگ سمائے چلا گیا۔ چنانچہ خاندان نائک کے لوگ سیالکوٹ، گجرات، لاہور اور امرتسر وغیرہ اضلاع میں آ کر آباد ہو گئے۔ اور اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش کے لیے کسی نے تجارت اور کسی نے اور کاروبار جو مناسب سمجھا۔ اختیار کر لیا۔ جو نائک خاندان کولگام سے کشمیر میں آیا اس کی مختصر سی تاریخ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اس کتاب میں نائک طبقہ کے حالات میں قاسم نائک اور اس کے فرزند ظفر نائک کا ذکر ہے کہ کس بے جگری کے ساتھ انہوں نے ۹۹۸ھ میں اکبری فوج کا مقابلہ کیا ہے۔ اسی ظفر نائک کی اولاد میں چند پشتوں کے بعد سات بھائی ہوئے جن میں سے چار تو کشمیر ہی میں رہے۔ اور ان کی اولاد بھی وہاں موجود ہے۔ اور تین بھائی لطیف نائک، محمود نائک، غفور نائک، پنجاب میں چلے آئے۔ لطیف نائک کی اولاد سے غلام حسن نائک تجارتی کاروبار کرتا ہے۔ غفور نائک کی اولاد کا چوتھی پشت پر خاتمہ ہو گیا۔ محمود نائک کی اولاد امرتسر میں موجود ہے۔ اس کے دو فرزند تھے۔ عبدالسلام نائک اس کی اولاد سے عبدالرحمٰن نائک تھا۔ (وفات ۱۲۸۰ھ بمقام پرتاب گڑھ یو۔ پی) اور اس کے برادر زادے (فرزندان محمد اسماعیل) غلام محمد، عبدالخالق۔ محمد اکبر پھیلی۔ محمد امین تجارت کرتے ہیں۔ محمد نائک کا دوسرا فرزند عبدالاحد نائک (وفات ۱۹۱۳ء ۶۳ سال) کی اولاد خوب پھیل ہوئی ہے۔ اودھ میں جہاں ان کا تجارتی کاروبار تھا۔ وہ ملک التجار تھے۔ اور کئی گاؤں ان کے زر خرید تھے۔ جن میں ۱۷ ہزار بیگہ زمین زیر کاشت تھی۔ چار پانچ ہزار روپیہ سالانہ مالیہ دیا کرتے تھے۔ ابھی تک وہاں ان کی کافی اراضی موجود ہے۔ خواجہ عبدالاحد نائک

مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید اور صوم وصلوٰۃ کے سختی سے پابند تھے۔ان کے پانچ فرزندوں میں عبدالغفور نائک کا انتقال ہو چکا ہے۔اس کے دو فرزند ہیں۔خواجہ محمد یعقوب نائک ملازم دفتر وائسرائے (۲) محمد اسحاق جو آباؤ اجداد کے تجارتی کاروبار میں مصروف ہے۔عبدالاحد مرحوم کی باقی اولاد حسب ذیل ہے۔

(۱) خواجہ غلام محی الدین نائک اس کے تین فرزند ہیں۔غلام نبی۔عبدالرؤف۔محمد فاضل۔(۲) غلام علی اس کے چار فرزند ہیں۔محمد حفیظ۔محمد محسن۔محمد حامد۔غلام محمود (۳) تیسرے فرزند کا نام خواجہ عبدالعزیز ہے۔اس کے تین بیٹے ہین۔محمد وحید۔محمد رشید۔محمد سعید۔عبدالاحد مرحوم کے چوتھے فرزند کا نام خواجہ غلام مصطفیٰ نائک ہے۔ جو بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی اور ایڈووکیٹ ہائی کورٹ پنجاب اور امرتسر میں مونسپل کمشنر ہیں۔اور خان بہادر شیخ محمد کاظم مرحوم ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل لاہور کے داماد ہیں۔

خاندان مولوی کرم الٰہی نائک ایڈووکیٹ:

آپ کے پردادا میاں عبدالرحیم نائک کشمیر سے پنجاب آئے۔آپ کے والد میاں غلام قادر (وفات ۱۹۲۳ء) کے دو فرزند تھے۔فرزند کلاں کا نام خواجہ محمد کرم الٰہی بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی ایڈووکیٹ ہے۔انجمن اسلامیہ سیالکوٹ، انجمن کشمیری مسلمانان سیالکوٹ کے سیکرٹری اور بلدیہ سیالکوٹ کے کئی سال تک ممبر رہ چکے ہیں۔اس وقت انجمن خدام الصوفیائے ہند کے جنرل سیکرٹری رسالہ انوار الصوفیہ کے ایڈیٹر اور حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری کے نامور خلفاء میں ہیں۔آپ کے ایک فرزند خواجہ محمد حیدر علی محکمہ پولیس میں سب انسپکٹر ہیں۔آپ کے دادا عبدالسبحان نائک کے دو اور بھائی تھے عبدالرحمٰن نائک اور کرم بخش نائک۔ان دونوں کی اولاد بھی موجود ہے۔جن میں چودھری شاہ دین بی۔اے خلف چودھری امام الدین ٹھیکیدار اور زمیندار ہیں اور عبدالرحمٰن نائک لاء کالج لاہور میں قانونی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

سیالکوٹ کے دیگر نائک خاندان:

ایک گھر نائک قبیلہ کا ضلع سیالکوٹ کے موضع نوتار میں ہے۔خاص سیالکوٹ میں حاجی اللہ دتا کا خاندان بھی نائک قبیلہ ہی سے ہے۔ایک گھر اسی ضلع کے موضع ماجرا میں ہے۔میتر نوالی میں میاں احمد خاں حوالدار رسالہ اسی طبقہ سے تھے۔اور چودھری محمد گھسٹیا سابق میونسپل کمشنر

لاہور کے قریبی رشتہ دار تھے۔ان کے فرزندان حسب ذیل ہیں۔ڈاکٹر حاجی محمد مرحوم۔محمد صدیق ریلوے گارڈ۔محمد جان ایم۔اے۔بی ٹی ہیڈ ماسٹر۔ماسٹر فیروز الدین فوجی سکول ماسٹر۔

نائک طبقہ میں جو خاندان زراعت پیشہ ہیں۔ان کی تعداد کشمیر زراعتی بورڈ راولپنڈی کے شمار واعداد کے مطابق اضلاع راولپنڈی جہلم و گجرات میں ۷۴ ہے۔کشمیر کی تحصیل خاص میں نائک پورہ ایک گاؤں بھی تھا۔انقلاب زمانہ سے آج وہ بے چراغ ہے۔ایک گاؤں بنام گنڈ علی نائک آبادی ۳۹۲ نفوس تحصیل بڈگام میں ہے۔اور وہ آباد ہے۔

کیا سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو نائک قوم کے کاشمیری تھے؟

حال ہی میں ایک ضخیم کتاب تاریخ سلطنت خداداد (تاریخ میسور) کے نام سے بنگلور میں شائع ہوئی ہے۔اس کے مصنف مولانا محمود بنگلوری ہیں۔انہوں نے انگریز اور ہندوستانی مصنفوں کی ان متضاد روایات کا ذکر کیا ہے۔جن میں کوئی سلطان حیدر علی کو پنجابی مانتا ہے۔کوئی عربی النسل کوئی افغان ظاہر کرتا ہے۔لیکن اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ نائک تھا۔ سلاطین میسور کے سوانح نگاروں نے نائک کے متعلق بھی مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔کوئی لکھتا ہے۔حیدر علی بادشاہ میسور چونکہ ابتداء میں فوج میں نوکر تھا۔اور نائک کے عہدہ پر تھا۔اس لیے وہ حیدر علی نائک کہلاتا تھا۔کسی نے لکھا ہے کہ نائک اس کا خاندانی عرف تھا۔اس لیے لوگ حسب نسب کے لحاظ سے ان کو حقیر سمجھتے تھے۔

مولانا محمود بنگلوری مصنف تاریخ سلطنت خداداد اپنی تاریخ میں نائک کے متعلق لکھتے ہیں۔ہمیں آج تک معلوم نہیں ہو سکا نائک کونسی ذات ہے۔کس ملک کی ذات ہے اور اس ذات کی کیا تاریخ ہے۔بہ الفاظ دیگر آپ نائک کو ذات تصور نہیں کرتے۔بلکہ اس کو فوجی عہدہ کے معنوں میں لیتے ہیں۔لیکن تاریخ سلطنت خداداد اور میسور کی دیگر انگریزی تاریخوں کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا محمد علم الدین سالک ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے حیدر علی اور اس کے نامور فرزند سلطان ٹیپو کے حسب نسب اور ان کی ذات پر جامع و مکمل مضمون رسالہ دوسری کتاب لاہور جولائی ۱۹۳۴ء میں لکھا ہے۔اس میں وہ تمام مورخوں کے مختلف بیانات پر بحث فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔"نائک فوج کا سب سے چھوٹا عہدہ ہے کیونکہ سپاہی کے بعد نائک، نائک کے بعد حوالدار پھر جمعدار پھر صوبیدار وغیرہ عہدے آتے ہیں۔حیدر علی اپنی ذاتی

کوشش فطری بہادری اور لیاقت کی بنا پر میسور کا مختار مطلق بلکہ تاجدار بنتا اور اس وقت کی تمام طاقتوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔اتنی منازل طے کرنے کے بعد یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ فوج کا ایک پست ترین عہدہ اس کے نام کا جزو قرار پائے۔

اس کے بعد کشمیر کی تواریخوں اور ''تواریخ اقوام کشمیر'' کے حوالہ سے آپ رقم فرماتے ہیں کہ نائک یا نیائک کشمیر کی ایک مشہور قوم ہے۔اس کے معنی منطقی یا دانشمند کے ہیں۔ یہ سنسکرت لفظ ہے۔

کشمیر میں آج سے سات سو سال پیشتر کے ہندو راجگان کے زمانہ اور ان کے بعد سلاطین کشمیر کے عہد میں نائک قوم تلوار کی دھنی تھی۔تلوار ہی ان کی دولت اور تلوار ہی ان کی قسمت تھی۔تلوار ہی کی وجہ سے انہوں نے کشمیر میں عزت حاصل کی اور تلوار ہی کے بل بوتے پر انہوں نے دکن میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت قائم کی جس کی شوکت دیکھ کر ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے تاجدار کانپ اٹھتے تھے۔

کشمیریوں کی آمد و رفت پنجاب و ہندوستان میں عرصہ دراز سے چلی آتی ہے۔لیکن مغلوں کے زمانہ میں زیادہ ہوگئی تھی۔ان کشمیری مہاجروں میں نائک قوم کے افراد بھی تھے۔جس طرح اور کشمیری مہاجر پنجاب سے دہلی، لکھنو، آگرہ، بنگال، دکن، نیپال پہنچے۔اسی طرح حیدرعلی کی آباؤ اجداد بھی جو شیخ کہلاتے تھے۔دکن گئے وہاں سے میسور پہنچے۔حیدرعلی نے فوج میں ملازمت کی اور ترقی کرتے کرتے بادشاہ میسور ہوگیا۔

آخر میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔''حیدرعلی کے آباؤ اجداد کشمیری تھے۔نائک قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ترک وطن کر کے شمالی ہند میں آئے۔وہاں سے دکن پہنچے۔حیدرعلی اپنی قوت بازو سے ایک عظیم الشان سلطنت کا بانی بنا اور اس کے بیٹے سلطان ٹیپو شہید * نے خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔''

* واقعہ شہادت ۴ مئی ۱۷۹۹ء بمقام سرنگا پٹم (میسور)

** مجلس احرار ہند کے رکن اعظم بلکہ جان باز ڈکٹیٹر کی حیثیت سے آپ احراری کہلاتے ہیں۔

لاہور کے دوگنائی خاندان:

لاہور میں اہل سنت والجماعت میں گنائیوں کے دونامور خاندان ہیں۔ایک گنائی کی اولاد سے ہے۔ جوسکھوں کے زمانہ میں کشمیر سے آیا۔اس کے فرزند کا نام ولی محمد تھا۔میاں امام بخش جوخضری محلّہ میں رہتے تھے۔ولی محمد گنائی کے بیٹے تھے۔شیخ جان محمد گنائی مرحوم اوران کے بھائی میاں محمد اسماعیل میاں امام بخش کے فرزند ہیں۔شیخ جان محمد ہی نے سب سے پہلے راقم الحروف کی ادارت میں رسالہ ''کشمیری گزٹ'' جاری کیا تھا۔خواجہ الہ بخش گنائی جوقومی واسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ اورلاہور کے مشہورتاجر کتب ہیں ۔شیخ جان محمد ہی کے اکلوتے فرزند ہیں۔گنائیوں کا دوسرا خاندان خواجہ غلام محمد ''احراری **'' کا ہے۔جن کے چچا چودھری عزیز دین جموں میں مشہور ٹھیکہ دار رہے ہیں۔اس خاندان کے رشتہ دار ابھی تک سری نگر میں موجود ہیں۔اورعیدگاہ کی طرف رہتے ہیں۔

شیوخ کشمیر کے باب میں گنائی قبیلہ کے علماء فضلا اورصلحا کا ذکر کیا جا چکا ہے۔لیکن تاریخ کشمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کے لوگ جنگی قابلیتوں کے مالک بھی تھے۔چنانچہ مکمل تاریخ کشمیر میں علیشاہ چک (۹۷۸ھ) بادشاہ کشمیر کے حالات میں لکھا ہے کہ کشتوار کے راجہ بہادر سنگھ نے علیشاہ کوخراج اوراس کے نبیرہ یعقوب خاں کواپنی لڑکی شنکر دیوی (فتح خاتون) دینے کے باوجود جب پھر بغاوت کی۔تو بادشاہ نے اپنے دوفوجی جرنیل اسماعیل گنائی اورحیدر چک کوفوج دے کرکشتوار بھیجے۔ جوراجہ کوشکست دے کراوراس کے عفوجرائم کی درخواست لے کر اس کے بھائی کنورنرائن سنگھ کوبطوریرغمال ہمراہ لائے۔رپورٹ کشمیرزراعتی بورڈ راولپنڈی ۱۹۲۷ء کے اعداد وشمار کے مطابق اضلاع راولپنڈی ،جہلم ، گجرات میں ایسے گنائی خاندان جوزراعت پیشہ یافوجی ملازم ہیں ۹۷۰ ہیں۔تحصیل اننت ناگ میں ایک موضع گنائی گنڈ اسی قوم کے نام پر آباد ہے۔جس کی آبادی ۲۶۶ نفوس کی ہے۔

کاشمیری بھٹی خاندان:

ڈریو صاحب نے اپنی کتاب جموں وکشمیر میں لکھا ہے کہ پنجاب میں بھی کشمیری بھٹیوں کے افراد پائے جاتے ہیں۔لیکن کہاں کہاں اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔تاہم ایسے بھٹی گھرانوں کی تعداد جوصرف راولپنڈی ،جہلم ، گجرات کے اضلاع میں تحصیل وار پائے گئے ہیں

اور جو موروثی زراعت پیشہ ہیں۔ مسلم کشمیری زراعتی بورڈ راولپنڈی کی فوجی اور زراعتی رپورٹ کے مطابق ان کی تعداد ۸۰۵ ہے۔ ضلع گجرات میں کشمیری بھٹیوں کے حسب ذیل مشہور گھرانے ہیں۔

(اولاد احفاد قاسم عرف اسد اللہ بھٹی گلیانہ) قاسم عرف اسد اللہ آج سے ایک سو سال پیشتر علاقہ سوپور کشمیر سے آکر گلیانہ میں آباد ہوا۔ اس کے تین فرزندوں عبدالرحمان۔ سلطان احمد اور رسول کی اولاد بہت پھیلی۔ سلطان احمد کے چار فرزند ہیں۔ مولوی نور محمد عربک ماسٹر۔ منشی عبدالحمید سیکنڈ ماسٹر مڈل سکول گلیانہ۔ قاسم کریم شیخ کی آٹھویں پشت میں تھا۔ اور کریم شیخ ہی نے سب سے پہلے اس خاندان میں اسلام قبول کیا تھا۔

(خاندان بھور چہ بسوہا) اس خاندان کے بہت سے افراد تھے اور ان میں سے ایک دو اصحاب فوج میں بھی ملازم تھے۔ لیکن اب صرف تین بھائی زندہ ہیں۔ میاں نورالدین تاجر۔ مولوی غلام قادر بی اے ہائی سکول گجرات۔ مولوی نظام الدین بی اے سائنس ماسٹر کوہاٹ۔

ان کے علاوہ اس ضلع میں مندرجہ ذیل اصحاب کے خاندان بھٹی کشمیریوں میں خاص طور پر مشہور ہیں۔ (۱) آنریری کپتان سردار خاں موضع پنجوڑیاں تحصیل کھاریاں (۲) کپتان محمد الدین موضع خواص پور تحصیل کھاریاں (۳) نور دین و علم دین پسران عبدالسلام بھٹی۔ ان کے لڑکوں میں سے ماسٹر عبداللہ خاں ہانگ کانگ چین میں نہایت معقول تنخواہ پر سکول ماسٹر ہیں (۴) خاندان میاں احمد الدین موضع رڑیالہ (۵) خاندان میاں غلام محمد موضع راجپور تحصیل کھاریاں (۶) خاندان میاں نبی بخش حوالدار موضع کوٹلہ (۷) منشی فضل دین بھٹی سکنہ بھور چہ بسوہا (۸) خاندان محمد بخش گورنمنٹ پنشنر پولیس ساکن بھدر۔ علاوہ ازیں موضع جاتریہ تحصیل کھاریاں میں قریباً ۴۰ موضع بھدر میں پندرہ اور رڑیالہ اور کھرانہ اور بھور چھ وغیرہ مواضعات میں کافی گھر بھٹی کشمیریوں کے ہیں۔ جو زیادہ تر فوجی و سول ملازمت اور کاشت کاری کرتے ہیں۔

سیالکوٹ، گوجرانوالہ، جہلم، راولپنڈی وغیرہ میں بھی کئی خاندان کاشمیری بھٹی راجپوتوں کے ہیں۔ راولپنڈی کی تحصیل گوجر خاں میں ایک موضع گلیانہ ہے۔ وہاں کپتان امیر علی خاں بھٹی (تاریخ وفات ۲۹ اگست ۱۹۳۳ء) نہایت نامور رئیس تھے۔ ان کی گیارہ بارہ مربعہ

---

* کشمیر میں وطن خاص سری نگر محلہ شاہ ہمدان تھا۔

زمین حیدر آباد سندھ اور ایک مربعہ ریاست بہاولپور میں ہے۔

خاندان * حاجی میرزا غلام نبی مرحوم جا کے:

میرزا غلام رسول سری نگر کے محلّہ شاہ ہمدان سے پنجاب آئے۔ اور جا کے ضلع سیالکوٹ میں مقیم ہو گئے۔ ان کے فرزند میرزا ابراہیم سردار ہری سنگھ نلوہ گورنر پشاور کی باڈی گارڈ فوج میں تھے۔ میرزا ابراہیم کے فرزند حاجی میرزا غلام نبی نہ صرف کشمیریوں میں بلکہ قصبہ کے تمام ہندو مسلمانوں میں اپنی خاندانی شرافت و نجابت اور اپنے ذاتی اخلاق کی وجہ سے نہایت ہر دلعزیز تھے اور سب چھوٹے بڑے ان کی عزت کرتے تھے۔ دو قابل فرزند اور کئی ہونہار پوتے چھوڑ کر ۹ ستمبر ۱۹۳۲ء کو بعمر ۹۴ سال انتقال کر گئے۔ ان کے بڑے فرزند میرزا احمد الدین بہت عرصہ تک محکمہ ریلوے میں ملازم رہنے کے بعد چند سال سے ریٹائر ہو کر خانہ نشین ہیں۔ ان کے دو صاحبزادے ہیں (۱) محمد احمد میرزا جو اس سال ایل۔ ایل۔ بی کا امتحان دینے والا ہے (۲) محمود احمد میرزا جو اسی سال ٹریننگ کالج سے ایس۔ اے وی کا امتحان دے گا۔

میرزا غلام نبی مرحوم کے سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام ڈاکٹر میرزا عزیز الدین ہے۔ جو چند سال سے لاہور سول ڈسپنسری میں کام کر رہے ہیں۔ آپ کے حسب ذیل سات فرزند ہیں۔ سب سے بڑے کا نام ڈاکٹر میرزا غلام رسول ہے۔ آیم۔ بی۔ بی۔ ایس (پنجاب) ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ٹی۔ ایم اینڈ ایچ (.کیمبرج) پی۔ سی۔ ایم۔ ایس ہے۔ اور اس وقت لاہور میو ہسپتال میں اسسٹنٹ سرجن ہے۔ (۲) غلام احمد میرزا (۳) سلطان احمد میرزا اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس کے دفتر میں کلرک ہے (۴) بشیر احمد میرزا بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ہے۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں سب ججی کا امتحان دینے والا تھا۔ (۵) نذیر احمد میرزا سی۔ آئی۔ ڈی۔ پولیس آفس میں کلرک ہے۔ (۶) خورشید احمد میرزا مشن کالج (بی۔ اے) میں پڑھتا ہے۔ (۷) منیر احمد میرزا ابھی تیسری جماعت میں پڑھتا ہے۔

خاندان میرزا قطب الدین احمد وکیل (راولپنڈی):

عہد افاغنہ کے اواخر یا سکھوں کے اوائل عہد میں بڈگام کشمیر کے ایک معزز زمیندار صدیق بیگ بوجہ قحط سالی و عدم ادائیگی مالیہ حکام کشمیر کے جبر و تشدد کی تاب نہ لا کر اہل و عیال سمیت پنجاب میں آ گئے۔ اور ایک گاؤں آ کہہ (متصل لالہ موسیٰ) ضلع گجرات میں رہنے لگے۔

ان کے پانچ فرزند تھے۔ جب سب نے جوان ہو کر پر پرزے سنبھالنے شروع کیے۔ تو ولی بیگ نے موضع لیکن عبداللہ نے موضع چچیاں نور بیگ نے جو حافظ قرآن بھی تھے جوڑہ کرنانہ اور محمد بخش اوران سے چھوٹے فرزند فضل احمد نے مٹوانوالہ تحصیل کھاریاں میں سکونت اختیار کر لی۔

مرزا فضل احمد گولڑہ شریف کے مدرسہ میں ہیڈ ٹیچر تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ موجودہ گدی نشین گولڑہ شریف نے آپ ہی سے شاہنامہ تک فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

مرزا فضل احمد کے پانچ بیٹے ہیں۔ مرزا کرم دین۔ مرزا علم دین۔ مرزا الہ دین۔ مرزا نورالدین۔ مرزا قطب الدین۔ مرزا علم الدین کی اولاد سے مرزا غلام علی پشاور میں اور مرزا غلام نبی راولپنڈی میں ملازم ہیں۔ مرزا الہ دین کا لڑکا محمد عبداللہ زمیندارہ بنک (جہلم) میں سب انسپکٹر ہے۔ ''مولوی فاضل'' مرزا نورالدین گورنمنٹ ہائی سکول پھالیہ میں عربک ٹیچر ہیں۔

مرزا قطب الدین نے ۱۹۰۵ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا اور پنجاب بھر میں اول رہ کر ۳۰ روپیہ ماہوار کا وظیفہ لیا۔ ایک نقرئی تمغہ اس کے علاوہ ملا۔ ۱۹۰۸ء سے وکیل ہیں۔ اور راولپنڈی بار کے معزز وکلاء میں شمار ہوتے ہیں۔

بلقان وار کے ایام میں انجمن ہلال احمر اور تحریک خلافت کے ایام میں خلافت کمیٹی راولپنڈی کے سیکرٹری تھے۔ ہزار ہا روپیہ آپ کی معرفت ترکوں اور خلافت کمیٹی کے مرکز کو جاتا رہا۔ اسلامیہ ہائی سکول راولپنڈی کے عرصہ تک مینیجر رہے۔ اس وقت جامع مسجد کمیٹی کی مجلس منتظمہ کے سیکرٹری ہیں۔ کشمیر زراعتی بورڈ راولپنڈی کے بھی آپ ہی سیکرٹری تھے۔

دو سال ہوئے گورنمنٹ نے آپ کو حسن خدمات کے صلہ میں جاگیر بھی عطا کی ہے۔ آپ اور آپ کے سب بھائی اوران کی اولاد دو گاؤں میں بہت سی اراضی کے مالک ہیں۔ اور کاغذات مال میں مغل زراعت پیشہ درج ہیں۔ راولپنڈی کا اخبار رہنما آپ ہی کی سرپرستی میں شائع ہو رہا ہے۔

کشمیر زراعتی بورڈ ۱۹۲۷ء کی رپورٹ کے مطابق بیگ (مرزا) قبائل کی تعداد جو اضلاع راولپنڈی جہلم گجرات میں زراعت پیشہ یا فوجی ملازم ہیں ۱۰۱ ہے۔

لفٹیننٹ حسن محمد خان ''بہادر'' لون جاگیردار:

آپ کے دادا عادل لون ولد غلام لون جنوبی کشمیر سے جموں کے علاقہ چبال (میر پور) میں سکھوں کی حکومت کے ابتدائی ایام ۱۸۲۰ء میں آئے۔ کریم بخش اور رحیم بخش عادل لون کے دو فرزند تھے۔ کریم بخش مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج میں بھرتی ہو کر چھچھ، ہزارہ، میر پور، راجوری اور پونچھ کی لڑائیوں میں شامل رہے۔ بلکہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ کشمیر کے وقت جو لڑائی نواب شیخ امام دین گورنر کشمیر سے ہوئی ہے۔ اس میں بھی موجود تھے۔

پھر پنجاب فرنٹیر رسالہ میں بھرتی ہو کر غدر ۱۸۵۷ء کے محاصرہ لکھنؤ میں شریک ہوئے۔ حسن محمد جن کا نام اس وقت فوجی عہدہ سمیت ''آنریری لفٹیننٹ حسن محمد خاں بہادر انعام خوار و جاگیردار'' ہے۔ آپ کے فرزند ہیں۔ آپ ۱۸ مئی ۱۸۸۸ء کو فوج میں بھرتی ہوئے۔ اور ہزارہ، سمالی لینڈ، برٹش ایسٹ افریقہ عراق عرب، وزیرستان، زکا خیل مہمند، چترال، سیلون کے معرکوں میں خوب نام پایا۔ مختلف لڑائیوں میں کئی تمغے آپ نے حاصل کیے۔ نائک حوالدار جمعدار اور صوبیدار ہو کر آنریری لفٹیننٹی تک پہنچے۔ سرکار نے حسن خدمات کے صلہ میں جاگیر عطا کی۔ راقم مؤلف کو آپ سے ذاتی نیاز حاصل ہے۔ کشمیر زراعتی بورڈ اور کشمیری کانفرنس کے کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ اس وقت ضلع گجرات میں ۴۷ کشمیری انڈین افسر ہیں۔ اور گجرات، جہلم، راولپنڈی کے اضلاع میں ۱۶ کپتان اور لفٹیننٹ کشمیری ہیں۔ اگر تمام کشمیری انڈین افسر لفٹیننٹ شیر علی خاں (میر) اور لفٹنٹ حسن محمد خاں (لون) اور چند ایک دوسرے کشمیری انڈین افسروں کی طرح فوجی بھرتی کے وقت اپنی اصلی ذاتیں لون، ڈار، عشائی، نائک وغیرہ لکھوا دیتے ہیں تو کشمیریوں کی فوجی بھرتی اور حصول اراضی کے معاملات میں وہ رکاوٹ نہ ہوتی۔ جو آج نظر آ رہی ہے۔ لفٹیننٹ حسن محمد بہادر کو ان کے اعلیٰ افسروں نے جو سندات دی ہیں۔ ان سے ان کی اعلیٰ جنگی خدمات اور ان کی قابلیت و شجاعت کا کچھ پتہ ملتا ہے۔ آپ بلدیہ گجرات کے ممبر بھی ہیں۔ آپ کے پانچ فرزندوں میں لفٹیننٹ محمد اشرف خاں بی اے ۱/۱۱ پنجاب رجمنٹ میں بمقام جہلم اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہیں۔ باقی چار کے نام حسب ذیل ہیں۔ اللہ دتا ۱۹۱۷ء میں بھرتی ہوئے۔ ۱۹۲۰ء میں حوالدری سے نام کٹوا کر واپس آ گئے۔ محمد افضل خاں نے فوج کی ملازمت بوجہ بیماری چھوڑ دی۔ اب میانوالی جیل ڈیپارٹمنٹ میں کلرک ہے۔ محمد اصغر

خاں بھی ۱۵/۴ پنجاب رجمنٹ وزیرستان میں ملازم ہے۔غلام سرور ابھی زیر تعلیم ہے۔

صوبیدار شمس خاں لون:

آپ عادل لون کے پوتے اور رحیم بخش لون کے فرزند ہیں۔۲۴ فروری ۱۸۷۸ء کو فوج میں بطور سپاہی بھرتی ہوئے۔آپ نے ۲۵ سال تک انڈین آرمی میں پوری ذمہ داری اور وفاداری کے ساتھ ملازمت کی۔ جنگ افغانستان ہزارہ، وزیرستان ، برٹش ایسٹ وسنٹرل افریقہ کی لڑائیوں میں شامل رہے۔اور قریباً ہر جنگ میں تمغہ اور انعامات حاصل کرتے رہے۔ اگست ۱۹۰۲ء میں پنشن پر آ گئے ۔شمس آباد جس میں ۱۸۲ بیگہ زمین ہے۔آپ ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔آپ کا ایک فرزند غلام احمد خاں بی اے چھاؤنی نیمچ (سنٹرل انڈیا) میں ایگزیکٹو افسر ہے۔ ایک لڑکا محمد اکرم خان دسویں جماعت میں پڑھتا ہے اور محمد اسلم خاں اس سے چھوٹا ہے۔آپ کا ایک حقیقی برادر زادہ عبدالغنی خاں ایم ٹی ولد کرم دین چک لالہ ڈپو (راولپنڈی) میں جمعدار اجوئنٹ ہے۔شیر علی خاں اور صوبیدار شمس خاں کے پردادا آپس میں بھائی تھے۔

خان صاحب شیخ غلام حسین لون آنریری مجسٹریٹ:

موضع تجر تحصیل ہندواڑہ کا ایک زمیندار مقصود لون حکومت افاغنہ کے آخری ایام میں گوجرانوالہ آیا۔تجر وہی موضع ہے جہاں مخدوم العالم حضرت مخدوم شیخ حمزہ پیدا ہوئے تھے۔اور جہاں ان کے والد بابا عثمان رینہ کا مزار ہے۔مقصود لون کے فرزند محمد رمضان لون کے ہاں ۱۸۷۲ء میں شیخ غلام حسین پیدا ہوئے لیکن ابھی بچپن کی چار بہاریں دیکھی تھیں کہ والد ۱۸۷۶ء میں انتقال کر گئے۔مشن سکول گوجرانوالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ریلوے کی ملازمت کے بعد ۱۸۹۷ء میں چیف کورٹ (حال ہائیکورٹ) میں ملازم ہو گئے۔۱۹۱۱ء اور ۱۹۳۲ء میں یورپ کی سیاحت بھی کر چکے ہیں۔ ۱۹۱۵ء میں غیر معمولی ترقی کر کے مہتمم خزانہ ہو گئے۔ پھر مختلف مقامات پر سب جج انکم ٹیکس افسر۔اے ڈی ایم۔ سپرنٹنڈنٹ جیل وغیرہ معزز عہدوں پر رہے۔ جون ۱۹۲۴ء میں خان صاحب کا خطاب ملا۔پنشن کے بعد گورنمنٹ نے لاہور میں آنریری مجسٹریٹ درجہ اول بنا کر مزید عزت افزائی کی۔آپ کے تین فرزند ہیں۔فرزند کلاں محمد رفیق احمد بیرسٹرایٹ لاء جو بار ایسوسی ایشن کا سیکرٹری ہے۔فرزند دوم کا نام ڈاکٹر عزیز احمد ہے۔ جو ولایت کا تعلیم یافتہ ہے۔فرزند سوم کا نام شفیق احمد ہے۔

شیخ نذیر الدین احمد بی۔اے لون:

حسن ڈار جو راقم مؤلف کے جد امجد تھے۔اور مقصود لون جو خان صاحب شیخ غلام حسین کے دادا تھے۔اور فتح محمد لون جو شیخ نذیر الدین کے دادا تھے۔ایک ہی ضلع (بارہ مولا) کے رہنے والے تھے۔فتح محمد لون کا وطن کشمیر میں موضع ہوئین تحصیل بارہ مولا تھا۔اور حسن ڈار اور مقصود لون کے گاؤں ہردوشیوہ اور تجر کا فاصلہ تین میل سے زیادہ نہ تھا۔یہ قافلہ ایک ہی زمانہ میں کشمیر سے نکلا۔مقصود لون گوجرانوالہ چلے گئے۔حسن ڈار اور فتح لون گھڑتل (سیالکوٹ) آگئے۔حسن ڈار تو یہیں رہے۔فتح لون نے کالا گوجراں (جہلم) میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔لیکن اس بعد مسافت کے باوجود تینوں بزرگوں نے آپس میں رشتہ داریاں کر کے وہ محکم و مستقل یک جہتی و اخوت پیدا کی۔جو بفضلہ آج تک قائم ہے۔فتح لون کے پانچ لڑکے تھے۔سب سے بڑا محمد اعظم تھا۔اور محمد اعظم کے سب سے بڑے لڑکے کا نام مولوی کرم دین تھا۔جو نارمل پاس کرنے کے بعد چارسدہ ضلع پشاور کے مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر ہو گئے۔مبداء فیاض نے ذوق شعر بھی عطا کر رکھا تھا۔عشرت تخلص تھا۔یاس لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔۱۸۹۸ء میں بمقام چارسدہ انتقال کر گئے۔چونکہ ان کے آباؤ اجداد کشمیر میں زراعت کا کام کرتے ہیں۔اس لیے آپ نے بھی تحصیل خانقاہ ڈوگراں میں کافی اراضی خرید لی تھی۔جو اب تک آپ کی اولاد کے پاس موجود ہے۔شیخ نذیر الدین احمد آپ ہی کے بڑے فرزند کا نام ہے۔پرائیویٹ طور پر انٹرنس پاس کیا۔پھر منشی فاضل کا امتحان دیا۔پھر ایف اے۔پھر بی اے پاس کیا۔وکالت کا امتحان دے کر ایل ایل بی ہو گئے۔اسی دوران میں ملازمت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔آج کل ہائیکورٹ میں جج منٹ رائٹر ہیں۔آل انڈیا کشمیری کانفرنس کی سنٹرل سٹینڈنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔پنجاب یونیورسٹی کے میٹریکولیشن کے ایگزیمینر ہیں۔انجمن حمایت اسلام کی تالیف و اشاعت کمیٹی کے سیکرٹری اور جنرل کونسل کے ممبر اور مسلم کواپریٹو کریڈٹ سوسائٹی مزنگ کے آنریری جنرل سیکرٹری ہیں۔آپ کے دو لڑکوں میں بڑا لڑکا ابرار احمد اسلامیہ کالج لاہور میں سیکنڈ ایئر کلاس میں پڑھ رہا ہے۔

شیخ محمد لطیف لون بی۔اے وکیل:۔

مچھی پورہ علاقہ زنگیر (شمالی کشمیر) کا ایک زمیندار حیات لون سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں کشمیر سے لاہور آتا ہے۔اس کے دو بیٹے تھے۔وہاب لون اور اعظم لون دونوں کی

اولاد لاہور میں موجود ہے۔ وہاب لون کے بیٹے کا نام محمد رمضان تھا۔ جس نے تجارت اور ٹھیکہ داری کی بدولت لاہور میں کافی جائیداد پیدا کر لی تھی۔ اس کے دو لڑکے ہیں۔ بڑا لڑکا محمد شریف ہے۔ چھوٹے کا نام محمد لطیف ہے۔ وہ بی اے ایل ایل بی ہے۔ اور بلدیہ لاہور کا قانونی مشیر بھی رہ چکا ہے۔ اس کا بڑا لڑکا محمد اقبال آٹھویں جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ مچھی پورہ کشمیر میں لون طبقہ ہی کی زیادہ آبادی ہے۔ احد لون اور کمال لون حیات لون مہاجر کشمیر کے حقیقی بھائی رحمان لون کی اولاد سے ہیں۔

مولوی احمد الدین بی۔ اے وکیل مرحوم:

لاہور کے پرانے وکلاء میں ان کا ممتاز درجہ تھا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور اور انجمن کشمیری مسلمانان لاہور سے آخری دم تک ان کا تعلق رہا۔ عالمگیر اور اقبال اور سرگذشت الفاظ کے مصنف تھے۔ ذات ان کی لون تھی۔ ان کی اولاد موجود ہے۔

خواجہ غلام محمد لون نیوز ایجنٹ:

دربہ گام متصل شوپیاں سے آپ کے بزرگ فاضل لون جلالپور جٹاں آئے۔ یہ سکھوں کا زمانہ تھا۔ خواجہ غلام محمد کے والد کا نام محمد حسن لون تھا۔ اور وہ فاضل لون سے تیسری پشت میں تھے۔ خواجہ غلام محمد ۱۹۱۲ء سے لاہور میں ہیں۔ پہلے معمولی اخبار فروشی شروع کی۔ استقلال اور نیک نیتی کی بدولت خدا نے وہ ترقی دی کہ آج لاہور میں ایک عالی شان عمارت بنام غلام محمد بلڈنگ کے مالک ہیں۔ لاہور اور پنجاب اور ہندوستان کے مشہور اخبارات ورسائل کے آپ خوش معاملہ اور کامیاب ایجنٹ ہیں۔

لون گھرانے جو پنجاب کے اضلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات میں زراعت پیشہ یا فوجی ملازم ہیں۔ ان کی تعداد ۸۰ ہے۔

چند مشہور وائیں خاندان

خان بہادر خواجہ الہ بخش مرحوم:

اور ان کے بھائی خان بہادر خدا بخش کے مفصل حالات مشاہیر کشمیر میں درج ہیں۔

خان بہادر خدا بخش نے ساری ملازمت فوج میں بسر کی۔ اور سری نگر کشمیر میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو انتقال کیا۔ خان بہادر الٰہ بخش پولیٹیکل محکمہ میں سردار ایوب خاں کے اتاچی تھے۔ یہیں سے پنشن اور کئی مربعہ اراضی حاصل کی۔ آپ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ آپ کی چار صاحب زادیاں ہیں۔ ایک داماد آپ کے خان بہادر حاجی رحیم بخش پنشنر سیشن جج ہیں۔ دوسرے داماد خواجہ عزیز دین ایم اے ایل ایل بی ہیں۔ جو دہلی میں رہتے ہیں۔ ایک داماد میاں محمد بخش وائیں آسٹریلیا والے رئیس لاہور کے صاحبزادہ میاں محمد رشید ہیں۔ ایک داماد مولوی غلام محمد بٹ بی اے سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ کے صاحبزادہ ڈاکٹر عبدالحمید ہیں۔ خان بہادر الٰہ بخش میسور میں تھے کہ وہیں بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ خاں بہادر خدا بخش کی اولاد نرینہ میں حسب ذیل لڑکے ہیں۔ (۱) محمد حیات خان جو کشمیر کی جائیداد چک حاجن پر قابض ہے اور پہلی بیوی سے ہے۔ اور عموماً کشمیر ہی میں رہتا ہے (۲) محمد اشرف خان جو لاہور میں زیر تعلیم ہے اور حاجی قادر بخش سوداگر کا نواسہ ہے۔

قریباً ایک سو سال کا عرصہ گزرا ہے کہ دونوں خان بہادروں کے باپ عبدالصمد اور شیخ قادر بخش کے والد خواجہ عبدالرحمان ڈور زینہ گیر سے پنجاب میں آئے۔ چونکہ شیخ قادر بخش کا اور خان بہادر صاحبان کا خاندان ایک ہی تھا۔ اس لیے کہ آپس میں چچا زاد بھائی تھے۔ شیخ قادر بخش کے دو بیٹے ہیں۔ شیخ رحیم بخش و شیخ احمد بخش دونوں تجارت پیشہ ہیں۔ شیخ قادر بخش ۱۹۳۳ء میں زیارت حرمین الشریفین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔

خاندان خواجہ رحیم بخش بی اے ڈپٹی کمشنر:

لاہور کے اہل خطہ خاندانوں میں خواجہ رحیم بخش مرحوم اور ان کے برادران گرامی قدر اپنی ذاتی ہمت سے ترقی کرنے کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ خواجہ رحیم بخش رفتہ رفتہ ڈپٹی کمشنر ہو گئے تھے

لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ ان کے فرزند خواجہ فیروز الدین احمد بی اے بیرسٹر ایٹ لاء جو میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں۔ لاہور کے کامیاب وکلاء میں شمار ہوتے ہیں۔ خواجہ رحیم بخش مرحوم کے ایک بھائی خواجہ امیر بخش تھے۔ وہ محکمہ جنگلات میں معزز عہدہ پر تھے۔ وہ بھی عین شباب میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند خواجہ عبدالعزیز بہاولپور میں ملازم ہیں۔ خواجہ کریم بخش جو پنجاب کے مشہور اکاؤنٹوں میں ہیں۔ بفضلہٖ زندہ ہیں۔ ان کے تین فرزند ہیں۔ خواجہ عبدالمجید بی اے جو گجرات میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے معزز عہدہ پر ہیں۔ اور جنہوں نے جامع اللغات کی تصنیف سے علمی و ادبی حلقوں میں وہ شہرت جس کے سر پر بقائے دوام کا زریں تاج ہے حاصل کر لی ہے۔ خواجہ عبدالحمید جو لاہور میں الیکٹریکل انجینئر ہیں اور انگلستان کے پاس شدہ ہیں۔ تیسرے خواجہ عبدالوحید جو اکونٹس آفس میں ملازم ہیں۔ اور مسلم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے سیکرٹری ہیں اور مذہبی اور تاریخی شغف جن کا خاص موضوع ہے۔

مولوی الف دین نفیس وکیل ڈسکہ:

آپ کے پردادا عبدالقادر وائیں اپنے فرزند محمد کمال کے ہمراہ ۱۱۴۳ھ کے تاریخی قحط "قحط عظیم" میں سیالکوٹ کے راستے ایک چھوٹے سے گاؤں موضع مغلانوالی میں جو سیالکوٹ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ مقیم ہوئے۔ محمد کمال کے فرزند کا نام میاں فضل دین تھا۔ ان کے دو لڑکے تھے۔ فرزند کلاں محمد رمضان جن کے مندرجہ ذیل تین لڑکے ہیں۔ خواجہ ظہور ملازم محکمہ ریلوے۔ خواجہ محمد شفیع بی اے بی ٹی ایل ایل بی ہیڈ ماسٹر۔ خواجہ سلطان محمود بی اے وکیل عدالت پھلوال۔ مولانا الف دین میاں فضل دین کے پسر دوم ہیں۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ خواجہ محمود بی اے علیگ ایل۔ ایل بی۔ ڈاکٹر خواجہ احمد سب اسسٹنٹ سرجن۔ خواجہ عابد متعلم بی اے۔ مولانا الف دین کو عربی فارسی پر بڑا عبور ہے۔ وہ بی۔ او ایل ہیں۔ انگریزی سے بھی واقفیت ہے۔ مولانا آزاد، مولانا حالی، مولانا فیض الحسن ادیب کے مشاعروں میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ آپ کی ایک غزل کا یہ مشہور شعر زبان زد عوام ہے۔

بس اپنی تو گزری جس طرح گزری دعا یہ ہے   کہ فخر قوم کہلائیں یہ بچے نوجواں ہو کر

خواجہ غلام محمد سب جج:

خواجہ صاحب کے جد بزرگوار خواجہ عبدالکریم مرحوم ان ایام میں سری نگر سے امرتسر آئے۔ جب کشمیر پٹھانوں کے ہاتھوں سے نکل کر سکھوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ خواجہ غلام محمد اپنے جد بزرگوار کی تیسری پشت میں ہیں۔ آپ کے برادر بزرگ مولوی حاجی عبدالعزیز پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے پروانشل دفتر واقع لاہور میں ہیڈ اسسٹنٹ ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ غلام محی الدین کشمیر اخبار امرتسر کے مالک و مدیر ہیں۔ خواجہ غلام محمد نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان اسلامیہ کالج سے پاس کیا۔ کچھ عرصہ دارالعلوم علی گڑھ میں بھی رہے۔ فن مختصر نویسی (شارٹ ہینڈ رائٹنگ) میں آپ صاحب کمال ہیں۔ ہائی کورٹ لاہور میں ہیڈ شارٹ ہینڈ رائیٹر کے عہدہ سے ۱۹۲۰ء میں منصفی کے لیے نامزد ہو گئے۔ اور ۱۹۲۴ء میں سب جج متعین ہو کر سب سے پہلے کانگڑہ اور اس کے بعد مختلف اضلاع میں کامیابی کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ اور اس وقت راولپنڈی میں تعینات ہیں۔

خواجہ عبدالرحیم آپ کے منجھلے صاحبزادہ ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ پرائمری سے لے کر بی۔ اے تک وظائف اور انعامات حاصل کرتے رہے۔ آپ ان طالب علموں میں سے ہیں۔ جن پر امرتسر کا ایم۔ اے۔ او ہائی سکول (حال انٹرمیڈیٹ کالج) اور پنجاب کا مرکزی گورنمنٹ کالج بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ امتحان مقابلہ میں کامیابی حاصل کر لینے کے بعد جب حکومت ہند نے آپ کو انگلستان بھجوایا تو آپ کی اعلیٰ تربیت پر وہاں کے روایتی مشاغل مطلق اثر انداز نہ ہو سکے۔ آپ نے سول سروس کے امتحان کے علاوہ کیمبرج کی ڈگری اور شعبہ قانون کے ابتدائی امتحانات دو سال کے عرصہ میں پاس کر لیے۔ اسلامی تاریخ۔ عربی ادبیات۔ اور معلومات دینیہ میں آپ کو مہارت تامہ حاصل ہے۔ بلاد فرنگ کے علاوہ آپ اندلس کے کھنڈروں کی بھی سیر کر چکے ہیں۔

میاں محمد بخش مرحوم آسٹریلیا والے:

آپ کے بزرگ سکھوں کے عہد میں کشمیر سے آئے تھے۔ آپ کے والد کا نام امیر بخش وائیں تھا۔ میاں محمد بخش لاہور میں آسٹریلیا والے کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے واقعات زندگی بڑے سبق آموز اور اپنی زندگی کو کامیاب بنانے والوں کے لیے اولوالعزمی کا مظہر ہیں۔ ان

کے بزرگ مصیبت کے ایام بسر کرتے ہوئے کشمیر سے لاہور آئے۔ اور یہ خود بے سروسامانی کی حالت میں تکالیف کے کئی مدارج طے کرتے ہوئے آسٹریلیا تک گئے۔ وہاں ایک ادنیٰ مزدور کی حیثیت سے ان کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور جب وہاں سے واپس لاہور آتے ہیں تو لاہور کے "رئیس" کہلاتے ہیں۔ ان کی لاکھوں روپیہ کی جائداد آسٹریلیا اور لاہور میں ہے۔ لاہور میں آپ نے چار لاکھ روپیہ کے صرف سے ریلوے سٹیشن کے متصل ایک عالی شان مسجد تیار کروائی ہے۔ وہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ اپنی جائداد کا ایک معقول حصہ آپ نے ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۵ء کی رجسٹری کے مطابق وقف کرار کھا ہے۔ جس کے ٹرسٹیوں میں دیگر حضرت کے علاوہ خان بہادر * ڈاکٹر خواجہ عبدالرحمٰن صاحب ڈائریکٹر آف پبلک ہیلتھ پنجاب سید محسن شاہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اور آپ کے صاحبزادہ خواجہ حاجی محمد رشید وائیں بھی ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادہ کا نام خواجہ محمد امیر بخش ہے۔ جو شیخ عبدالعزیز بی۔ اے بیرسٹر مرحوم خلف خان بہادر شیخ خان محمد مرحوم رئیس راولپنڈی کے داماد ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادہ کا نام محمد بشیر ہے۔

خواجہ کرم الدین وائیں مرحوم:

آپ کے بزرگ کشمیر سے وزیر آباد آئے۔ آپ عرصہ تک ریلوے میں معزز عہدہ پر ملازم رہے۔ لیکن پھر کشمیر چلے گئے۔ آپ کے صاحبزادگان خواجہ امام الدین خواجہ احمد الدین خواجہ قمرالدین کشمیر ہی میں رہتے ہیں۔ اور محکمہ فارسٹ کے معزز ٹھیکیداروں میں ہیں۔ خواجہ امام الدین مولانا الف دین نفیس وکیل ڈسکہ کے داماد ہیں۔ آنریبل خاں بہادر شیخ دین محمد ایم۔ اے جج ہائی کورٹ پنجاب خواجہ امام الدین کے بہنوئی ہیں۔

خاندان خان بہادر شیخ محمد کاظم پنڈت:

آپ کے مورث اعلیٰ پنڈتوں کے مشہور خاندان در سے تھے بید نویسی اور تعلیم و تعلم ان کا کاروبار تھا۔ کشمیر میں ان کا وطن تحصیل اسلام آباد کا موضع اٹھر * تھا۔ وہیں ان کے بزرگ ایک

* یکم جون ۳۴ء کو ملک معظم کی سالگرہ پر آپ کو او۔ بی۔ ای کا گراں قدر خطاب ملا ہے۔

* تحصیل اننت ناگ (اسلام آباد) میں رین اٹھر کے نام سے ایک گاؤں ہے۔ جہاں مردم شماری ۱۹۲۱ء کے رو سے ۱۱۳ نفوس کی آبادی ہے۔ اٹھر یہی گاؤں ہوگا۔

سید النسل صاحب کرامت کے فیض صحبت سے نہ صرف مشرف بہ اسلام ہوئے بلکہ مرشد کی توجہ سے درجہ کمال کو پہنچے ان کے فرزند کا نام عزت پنڈت تھا۔عزت پنڈت کے پانچ فرزند تھے۔ جن میں سے کمال پنڈت ستار پنڈت اور گواشہ پنڈت کی اولاد اب تک کشمیر میں آباد ہے۔ اور زراعت کے کاروبار میں مصروف ہے۔ دوسرے دو فرزندوں لسہ پنڈت اور عالم پنڈت کی اولاد لاہور و امرتسر میں آباد ہے۔ اپنے خاندان میں سے لسہ پنڈت ہی سب سے پہلے بعہد مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور آیا۔ لسہ پنڈت کے فرزند لعل پنڈت اور ان کے فرزند جمال پنڈت تھے۔ جمال پنڈت لاہور میں اپنے زمانہ کے ایک مرتاض بزرگ تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک شیخ محمد عبداللہ جو پنجاب کے مشہور پوسٹ ماسٹروں میں تھے *۔ ان کے ایک فرزند کا نام شیخ عبدالرحمٰن ہے جو محکمہ انہار سے پنشن پر آئے ہیں۔ جمال پنڈت کے دوسرے فرزند کا نام شیخ محمد کاظم تھا جو پنجاب و فرنٹیر کے ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل کے جلیل القدر عہدہ پر پہنچ چکے تھے۔ اور سب سے پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے محکمہ ڈاک خانہ میں یہ عہدہ حاصل کیا تھا۔ اس عہدہ جلیلہ پر پہنچنے کے باوجود آپ اپنی خاندانی روایات کے مطابق بڑے خدا ترس، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور پکے مسلمان تھے۔ آپ کے تین فرزندوں میں ایک محمد اسحاق عالم شباب میں فوت ہو چکا ہے۔ فرزند کلاں کا نام شیخ محمد شفیع ہے۔ وہ مجذوب طبیعت ہے۔ سب سے چھوٹے صاحبزادے کا نام شیخ محمد خلیل ایم۔ اے ہے۔ وہ سپرنٹنڈنٹ ڈاک خانہ جات پنجاب کے معزز عہدہ پر فائز ہیں۔ ان کے دو فرزند جمیل اور جلیل خورد سال ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔

لسہ پنڈت کے دوسرے بھائی عالم پنڈت کے دو فرزند تھے۔ رحیم اور صابر۔ رحیم پنڈت کے دو پوتے اس وقت لاہور میں موجود ہیں۔ محمد شریف اور محمد خلیل نام ہے اور دونوں ڈاک خانہ میں ملازم ہیں۔ صابر کے بھی دو پوتے ہیں۔ ایک محمد الدین دوسرا کرم الدین اور دونوں بمقام امرتسر ڈاک خانہ میں ملازم ہیں۔

لاہور میں ایک پنڈت خاندان بھی ہے۔ جس کے بزرگ منشی غلام رسول پنڈت پوسٹل پنشنر اس وقت موجود ہیں۔

ایک پنڈت خاندان جہلم میں بھی ہے۔ پنڈت عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لاء جہلم جو عام

* وفات ۱۲ اپریل ۱۹۳۲ء بعمر ۶۷ سال بمقام لاہور

اسلامی اور برادری کے کاموں میں ہمیشہ دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ اسی خاندان کے نونہال ہیں۔

پنڈت مسلمانوں کے چند گھر اضلاع راولپنڈی، جہلم، گجرات کے بعض دیہات میں بھی ہیں۔ اور وہ زمیندارہ کاروبار کرتے ہیں۔

کٹ * راج خاندان پنجاب:

قریباً سوا سو سال کا عرصہ گزرا ہے کہ شوپیاں کشمیر کے ایک متصلہ موضع مڑگام سے جمال کوٹے نام ایک زمیندار گوجرانوالہ آیا۔ اس کے تین فرزند تھے۔ دو کشمیر ہی رہے۔ سب سے چھوٹا عبدالوہاب باپ کے ساتھ آیا۔ اس کو خدا نے تین فرزند دیئے۔ سب سے بڑے خان بہادر منشی احمد الدین مرحوم جو ایران سے پنشن لینے کے بعد ریاست پونچھ میں برسوں تک سینئر جج رہے۔ مسلمانان کشمیر کی اصلاح وفلاح میں نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں۔ علمی اور سیاسی امورات سے ان کو بڑی دلچسپی تھی۔

دوسرے فرزند منشی الہ دین جن کی ساری ملازمت مشہد (ایران) میں گزری ہے۔ ۱۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو ریٹائرڈ ہو کر گوجرانوالہ آ گئے ہیں۔ آپ حسن خدمات کے صلہ میں خان صاحب کے خطاب یافتہ ہیں۔ تیسرے فرزند کا نام منشی نظام الدین ہے اور آپ گوجرانوالہ ہی میں کاروبار کرتے ہیں۔ خان بہادر منشی احمد الدین مرحوم کے فرزند مسٹر فیروز الدین کاشغر میں برٹش قونصلیٹ کے دفتر میں ایک معزز اسامی پر تھے۔ بہت مدت کے بعد ۱۹۳۴ء میں گوجرانوالہ آئے۔ اب پشاور میں تبدیل ہو گئے ہیں۔

دوسرا کٹ راج خاندان پنجاب میں مولوی محمد عبدالغنی کا لاہور میں تھا۔ مولوی صاحب ساری عمر صوبہ متحدہ میں رہے۔ وہیں سب ججی سے سیشن ججی پر پہنچے۔ پنشن لینے کے بعد لکھنؤ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم پی۔ ایچ۔ ڈی جو عثمانیہ کالج حیدر آباد میں پروفیسر ہیں۔ اور لاہور کے رہنے والے ہیں۔ آپ کے داماد ہیں۔ آپ کا ایک فرزند مسٹر عبدالحمید غنی لاہور میں اسسٹنٹ ورکس منیجر لوکو کے معزز عہدہ پر ہے۔

خان بہادر خواجہ عبداللہ خاں کٹ سے عشائی راولپنڈی:

خواجہ سلام الدین کے بزرگ کشمیر سے پونچھ آئے۔ اور خواجہ سلام الدین پونچھ سے

۱۸۷۰ء میں کوہ مری آئے۔ جہاں ان کے پھوپھا مقیم تھے۔ یہیں ان کی حاجی قدوس بٹ رئیس کوہ مری کی صاحبزادی سے شادی ہوگئی۔ خان بہادر خواجہ عبداللہ خاں جوراولپنڈی میں آنریری مجسٹریٹ ہیں اور راولپنڈی کے علاوہ کوہ مری میں بھی اپنا وسیع کاروبار رکھتے ہیں۔ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ راولپنڈی میں ان کے سوا اور کوئی عشائی خاندان نہیں ہے۔ لفٹنٹ خواجہ خان محمد کیمبل پور چھاؤنی میں ایگزیکٹو افسر ہیں۔ آپ ہی کے قابل بلند اقبال فرزند ہیں۔ جولائی میں آپ کو کپتان کا رینک ملنے والا ہے۔

خان صاحب میاں احمد الدین گانی اکونٹنٹ پنشنر:

آپ کے والد خواجہ غلام رسول گانی سکھوں کے زمانہ میں سری نگر سے لاہور آئے۔ آپ کے تین بھائی تھے سب سے بڑے میاں گل محمد ان کی ایک ہی لڑکی تھی۔ وہ خواجہ صمد شاہ جہاز (امرتسر) سے بیاہی گئی۔ خواجہ صمد شاہ کا فرزند خواجہ محمد شاہ بقید حیات ہے۔ افسوس ہے خواجہ محمد شاہ کا جوان فرزند خواجہ عبدالرحیم جہاز ۱۹۳۰ء میں انتقال کر گیا۔ میاں گل محمد سے چھوٹے خواجہ نبی بخش تاجر پشمینہ تھے۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں ایک لڑکی خان بہادر سید تاج الدین مرحوم کے گھر ہے۔ دوسرے سید محسن شاہ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری مسلم کشمیری کانفرنس کے عقد میں ہے۔ تیسری میاں ظہور الدین ضلعدار مرحوم کے ہاں ہے۔ خان صاحب میاں احمد الدین جو سب بھائیوں سے چھوٹے ہیں۔ دہلی، جھنگ، جالندھر، مالاکنڈ وغیرہ میں اکونٹنٹ رہے۔ ۱۹۱۳ء میں آپ کو خان صاحب کا خطاب ملا۔ ۱۹۱۶ء میں ریٹائر ہوگئے۔ ان کا صرف ایک ہی فرزند نرینہ تھا۔ میاں ظہور الدین نام۔ ضلعداری کے معزز عہدے پر تھے۔ لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۹۳۰ء میں انتقال کر گئے۔

☆☆☆

لاہور کا مشہور وانچو* خاندان

ڈاکٹر شیخ محمد الدین ناظر و خان بہادر شیخ محمد عبداللہ:

اس معزز دودمان کے مورث اعلیٰ پنڈت سستہ رام وانچو تھے۔ وطن خاص سری نگر تھا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں کاردار کے عہدہ جلیلہ پر مامور تھے۔ اسلام کی حقانیت نے آپ کو تبدیل مذہب پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ آپ اپنے فرزند ارجمند کے ہمراہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ اور بالترتیب اسلامی نام محمد حیات اور عبدالرحمٰن پایا۔ اور بعمر ۶۰ سال ۱۸۴۵ء میں انتقال کر گئے۔ شیخ عبدالرحمٰن وانچو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے وقت قریباً ۱۲ سال کے تھے۔ سوسائٹی اور رشتہ داروں نے بوجہ تبدیلی مذہب کے طرح طرح کی تکالیف دیں۔ آپ نے جب کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو سنت نبوی پر عمل پیرا ہوئے۔ اور اپنی تمام املاق منقولہ وغیر منقولہ کی ہرگز پروانہ کرتے ہوئے ہجرت اختیار کر کے ۱۸۴۹ء میں لاہور تشریف فرما ہوئے۔ کچھ عرصہ تحصیل علم میں گزارا اور آخر کار تجارت اپنی سبیل معاش اختیار کی۔ معاملہ فہمی اور دانش کے اوصاف مقدر ہو چکے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں Silk Dying کے کارخانہ کے پروپرائٹر ہو گئے۔ اور ولایت اور جرمنی کے تاجروں سے براہ راست رشتہ تجارت پیدا کیا۔ اور خداوند کریم کی عطا کردہ خیر و برکت سے کافی عرصہ امن اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے کے بعد قریباً تہتر سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ پہلی بیوی کے بطن سے آپ کے ہاں شیخ احمد بخش صاحب وانچو اور ایک دختر نیک اختر ہوئی اور دوسری بیوی کے بطن سے آپ کے ہاں پانچ لڑکے ہوئے جن کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر شیخ محمد الدین صاحب ناظر (۲) خان بہادر شیخ محمد عبداللہ صاحب (۳) شیخ غلام محی الدین صاحب (۴) شیخ غلام غوث صاحب اور (۵) شیخ غلام قادر صاحب۔ بخوف

* وانچو کے متعلق پنڈتوں کے باب میں لکھا جا چکا ہے یہ طبقہ ین اسی ہے۔ اور گوت اس کی ''تپ سوامن کوشک'' ہے کہتے ہیں اس کی اصل وانج (Wanig) سے ہے جو ونج یا بنج یا بیوپار سے تعلق رکھتا ہے۔ وانج سے وانچو ہو گیا۔ا کشمیر میں کوئی مسلمان وانچو نہیں ہے سب پنڈت ہی ہیں۔

طوالت اس جگہ اول الذکر دو بزرگوں کے مختصر حال درج کیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر شیخ محمد الدین صاحب المتخلص ناظر۔ غدر کے ایک سال بعد ۱۸۵۸ء میں بمقام لاہور پیدا ہوئے۔ نہایت ذکی شریف النفس اور متقی بزرگ تھے۔ تمام عمر آپ کا پیشہ حکمت رہا۔ چھوٹی ہی عمر میں آپ نے منشی فاضل کا امتحان نمایاں امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اور ڈاکٹر لائیز ڈائریکٹر محکمہ تعلیمات کے ایما سے آپ (وٹرنری) Veterinary کالج میں داخل ہوئے۔ خداداد دانش اور علمی قابلیت کے باعث آپ کالج کی ہر جماعت کے ہر امتحان میں اول رہتے رہے۔ چنانچہ سند حاصل کرتے ہی آپ کو مذکورہ کالج میں پروفیسر کی آسامی پیش کی گئی۔ طبیعت فطرتاً آزاد اور قومی خدمات کی طرف چونکہ زیادہ مائل تھی۔ آپ نے ملازمت اختیار کرنے سے انکار کر دیا۔ اور وقت کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک رسالہ طب حیوانات کے نام سے جاری کیا جو گورنمنٹ اور صوبہ پنجاب کے تمام زمینداروں میں بڑی قبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ آپ کو انہی دنوں مہاراجہ شمشیر پرکاش والئی ریاست ناہن نے معقول تنخواہ پر بلا لیا چنانچہ آپ رسالہ طب حیوانات ایک یورپین کے ہاتھ فروخت کر کے خود ریاست ناہن میں چلے گئے۔ وہاں قریباً تین سال تک قیام رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنی غیر معمولی ذہانت کے باعث انسانی حکمت کی تمام انگریزی کتب پر بغور عبور حاصل کر لیا اور ریاست کی ملازمت سے بزور مستعفی ہو کر واپس لاہور پہنچے اور ۱۸۸۹ء میں بمقام تکیہ سادھواں حکمت شروع کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے دست شفا کا شہرہ لاہور اور قرب جوار کے مقامات میں پھیل گیا۔

آپ کا شفاخانہ انسان کی بدنی قلبی و ذہنی امراض کے علاوہ علمی امراض کے مریضوں کا بھی مرجع خاص رہا ہے۔ ہر قسم کے تشنہ لبان علم یہاں پہنچ کر اپنی پیاس بجھایا کرتے۔

آپ ان چند دردمند دان قوم میں سے ایک ہیں۔ جنہوں نے اپنے ذاتی اوقات و مفاد کی ہرگز پروانہ کرتے ہوئے کوچہ بہ کوچہ دریوزہ گری سے انجمن حمایت اسلام پنجاب لاہور کی بناڈالی۔ اور مدت العمر اپنی خدمات اور محنت شاقہ کے پسینہ سے اس چمن کی آبیاری کرتے رہے۔ آپ کی خدمات اس انجمن میں زیادہ تر بطور سیکرٹری یتیم خانہ رہی ہیں۔

قدرت نے آپ کو شعر و سخن میں مذاق سلیم بھی عطا کر رکھا تھا۔ اگر چہ ذاتی اور قومی مصروفیتوں کی وجہ سے آپ سخن گوئی کی طرف بہت کم توجہ دیتے تھے بہت کم گو تھے۔ مگر جب کبھی

کچھ کہنے کا اتفاق ہوتا۔ خوب کہتے اور سریع الفہم کلام کہتے۔ چند ایک رباعیات اور ایک آدھ نظم آپ کے کلام سے قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے درج کی جاتی ہے۔ رباعی

میوش جامہ زن دست دیگراں منگر | برزمگاہ زمانہ چوں آمدی اے دل
مدام سینہ سپر باش باش سینہ سپر | بگیر تیغ فراست بکوش اے ناظر

مذکورہ بالا رباعی چونکہ ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ لہٰذا اس کی مختصر سی کیفیت خالی از لطف نہ ہوگی۔ خان بہادر شیر محمد صاحب مرحوم سابق وائس پرنسپل میوسکول آف آرٹ لاہور آپ کے مخلص دوستوں میں تھے۔ ان کو گورنر جنرل آف انڈیا کی طرف سے یہ حکم پہنچا کہ ان کو فارسی کی ایک رباعی تلوار پر کندہ کرانے کے لیے بہم پہنچائی جائے۔ مختلف شعرا کی خدمت میں اس کے بارہ میں فرمائش کی گئی۔ خان بہادر مرحوم نے آپ کو بھی لکھنے پر مجبور کیا۔ اگر چہ ارتجالاً لکھی گئی۔ مگر مضمون آفرینی اور سادگی کلام کی بنا پر ایک بے نظیر تحفہ ہے۔ جو مقبول ہو کر تلوار پر کندہ کیا گیا۔

رباعی تصوف کے رنگ میں:

قطرہ جو فنا ہوا وہ ہو کو سمجھا | جو شخص کہ لاہوا وہ جو کو سمجھا
جو ''میں سے گزر گیا وہ تُو'' کو سمجھا | سمجھانے سے اتنا ہم بھی سمجھے ناظر

اسی رنگ میں آپ کی ایک چھوٹی سی فارسی نظم بھی دستیاب ہوئی ہے۔ جو مذاق سلیم اصحاب کی خوشنودی طبع کے لیے درج کی جاتی ہے۔ فہوہذا۔

زحمت تسبیح نکشم حاجت زنار نیست | بیخودم ایں ملت و مذہب مرادر کار نیست
ایں صدائے آمدو شد درنفس بیکار نیست | لا الہ از سینہ مے آید بگوش دل شنو
خواب غفلت راگزر در دیدہ بیدار نیست | محو نظارہ کجاَ و چشم بربستہ کجا
ہمت تو رہ نورد وادی پر خار نیست | منزل عشق است اے دل اندریں ہشیار باش
چشم ناظر روشناس حسرت دیدار نیست | من ہمہ تن چشم گشتم مردم دیدی توی

غرض آپ ایک اعلیٰ پایہ کے حکیم۔ ادیب اور شاعر تھے پینسٹھ سال کی عمر میں ۱۴ اگست ۱۹۲۴ کو بمطابق شب اول محرم الحرام اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

خان بہادر شیخ محمد عبداللہ ریٹائرڈ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اس خاندان کی دوسری کڑی ہیں۔ یہ اپنے اخی المکرّم ناظر صاحب سے عمر میں دوسال چھوٹے اور ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ فطرتاً نہایت ہی ذکی متقی اور محنتی تھے۔ تحصیل علم کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں آپ صیغہ پولیس میں ملازم ہوئے اور چند سالوں کے اندر ہی اپنی غیر معمولی دانش اور محنت سے سب انسپکٹری کے عہدہ پر پہنچے۔ اور روشنی طبع کے باعث ماجھہ کے بدمعاش ترین علاقہ میں مامور کیے گئے۔ یہ علاقہ اس وقت جرائم پیشہ اقوام اور ڈکیت سے لبریز تھا۔ جنہوں نے گونا گوں مظالم یعنی ڈکیتی، قتل، غارت گری اور لوٹ مار سے غریب رعایا پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ بفضل ایزدی اس قابل پولیس افسر نے اپنی کمال حکمت عملی راست روی اور حسن انتظام سے اس زمین غیر آئین کو بغیر تعدی اور جبر کے اس درجہ سر کیا کہ محکمہ نے ان کو خدمات کے صلہ میں بلا لحاظ Senioretey list انسپکٹری کے عہدہ پر ترقی دی۔ چنانچہ مشہور ڈکیت جرو نظام گتہ اور بوٹا سنگھ اور ان کی بدقماش جماعت کی تخریب انہی کا کارنامہ عظیم ہے۔ زاں بعد آپ کی خدمات محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی پنجاب نے حاصل کر لیں۔ آپ کنگ میڈلسٹ تھے۔ دسمبر ۱۹۳۲ء میں رحلت فرما گئے۔

محکمہ سی۔ آئی۔ ڈی میں اس قابل ترین افسر کے کارہائے نمایاں بلاریب محیر العقول ثابت ہوئے۔ یعنی (۱) صوبہ پنجاب اور یوپی میں اسوقت روز افزوں زہر خوردنی کی واردات کا کماحقہ سدباب (۲) صوبہ شمال مغربی سرحدی میں ناجائز اسلحہ کی تجارت کی تخریب۔

مذکورہ جرائم کے سدباب کے صلہ میں آپ کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ جلیلہ پر ترقی دی گئی۔ خان صاحب کا خطاب گورنمنٹ کی طرف سے ۱۹۱۱ء میں مرحمت ہوا۔ اور بمقام دہلی سی۔ آئی۔ ڈی افسر انچارج مامور کیے گئے۔ دہلی میں غیر دول کے سکہ قلب کی ساخت اور ان کی ترویج کا سدباب اسی پولیس افسر کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ اور لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکے جانے کے بعد پولیٹیکل مجرمین کی سازشوں کا انکشاف اور ان کی گرفتاری یہ آپ کی اعلیٰ خدمات کی وہ کڑی ہے جس پر دفتر کے دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ اور گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے آپ کو ان جلیلہ خدمات کے عوض خان بہادر کا خطاب مرحمت ہوا۔ آپ قریباً ۳۵ سال نہایت کامیاب اور قابل تقلید خدمات سرانجام دینے کے بعد غالباً ۱۹۱۸ء میں ریٹائر ہوئے۔ اور تہتر سال کی عمر میں رحلت فرمائے۔

ڈاکٹر شیخ محمد الدین صاحب ناظر مرحوم کی اولاد سے اس وقت بفضل ایزدی چھ لڑکے بقید حیات ہیں۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ محمد امین (۲) شیخ سعید الدین (۳) شیخ ضیاالدین (۴) شیخ شجاع الدین (۵) شیخ نصیر الدین (۶) شیخ جلیل الرحمٰن ۔ یہ اصحاب شرافت ونجابت میں مرحوم باپ کے قدم بہ قدم اپنی زیست بسر کر رہے ہیں۔ ہر صاحب تعلیم یافتہ، ذی شعور اور طبعاً حلیم اور خوددار واقع ہوا ہے۔

(۱) شیخ محمد امین الدین ایک مدت تک پولیس میں بعہدہ سب انسپکٹر نمایاں کامیابی کے ساتھ فرائض انجام دیتے رہے۔

(۲) شیخ سعید الدین عرصہ تک قلعہ لاہور میں **Clothing** ڈیپارٹمنٹ میں افسر انچارج تعینات رہے ہیں۔ اب ہر دو صاحب اپنے برادر خورد شیخ ضیاالدین بی۔ اے کے ساتھ انگریزی اخبار ''ویکلی میل'' کے انصرام میں مصروف ہیں۔ جس کی عنان ادارت شیخ ضیاالدین بی۔ اے کے ہاتھ میں ہے۔ صوبہ پنجاب میں اس مسلم انگریزی پرچہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ان بھائیون کے عزم مستقل اور ان کی بے پناہ ہمت کے دل سے مداح ہیں۔ اور درست بدعا ہیں کہ ان کو مسلم قوم کی خدمت کرنے کی بیش از بیش توفیق نصیب ہو۔

شیخ شجاع الدین ایک ذکی اور فہیم تاجر ہیں۔ جو اس وقت کوہ دار جیلنگ میں چمڑہ اور قالین کا کاروبار کر رہے ہیں۔ طبع سلیم اور علمی قابلیت کے باعث انجمن اسلامیہ دار جیلنگ کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔

شیخ نصیر الدین اور شیخ خلیل الدین ابھی تحصیل علم میں مصروف ہیں۔ اول الذکر ایک قابل **Stenogrepher** ہیں۔ اور آخر الذکر نے اس دفعہ امتحان ایف۔ اے دیا ہوا ہے۔ انشاءاللہ ان کی کامیابی کی قومی امید ہے۔ بہت ہوشیار اور زود درس طبیعت پائی ہے۔

شیخ غلام غوث صاحب یہ صاحب طبعاً متدین اور حلیم الطبع واقع ہوئے ہیں۔ آپ اکونٹنٹ جنرل پنجاب میں اپنی سروس کی میعاد ختم کرنے کے بعد حال ہی میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ شیخ عطاء اللہ، شیخ رحمت اللہ و شیخ عنایت اللہ صاحبان۔ اول الذکر تحصیل علم کے بعد مصروف کاروبار ہیں۔ دیگر ہر دو اصحاب مصروف تحصیل علم ہیں۔

شیخ غلام قادر مرحوم نہایت خوش سیرت اور خوش وضع تھے۔ جوان عمر میں اپنے اعزا کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے۔ ان کا ایک صاحبزادہ شیخ عبدالرحمٰن بی۔ اے جو نہایت ہی ذہین اور علمی مذاق کا نیک سیرت نوجوان ہے۔ اس وقت ریلوے آڈٹ اکاؤنٹس آفس آف انڈیا میں بطور سپرنٹنڈنٹ اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔

چند مشہور بٹ خاندان:

بٹ قوم نے کشمیر کے ہندو عہد قدیم اور سلاطین کشمیر کے زمانہ میں سیاست کشمیر میں بڑا حصہ لیا ہے۔ ان کے مفصل حالات پہلے درج ہو چکے ہیں۔ اس فرقہ کی تعداد پنجاب میں بھی کافی ہے۔ مندرجہ ذیل اصحاب خاص طور پر مشہور ہیں۔

لاہور کے ایم اللہ دتا بٹ اسسٹنٹ منیجر کول مائینس **Cool mines** بنگال اور ان کے برادر خورد ''خان صاحب'' پیر اندتا بٹ ریٹائرڈ ٹرین ایگزیمینر بنگال۔ شیخ عید محمد بٹ مالک پنجاب تمباکو ہاؤس لاہور۔

وزیر آباد کے حاجی عمر بخش بٹ مرحوم سوداگر چوب جن کا پوتا بابو غلام رسول خلف منشی عبدالکریم مرحوم حال ہی میں وزیر آباد میونسپلٹی کا ممبر منتخب ہوا ہے۔

ڈاکٹر عطاء اللہ بٹ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ شیخ عنایت اللہ بٹ لاہور ڈبی بازار کے مشہور جنرل مرچنٹ جو مئی ۱۹۳۴ء میں یورپ گئے ہیں۔ شیخ علی محمد بٹ کلرک امپیریل بنک (لاہور) بابو اللہ دتا بٹ جو افریقہ میں عرصہ تک ہیڈ کلرک رہے ہیں۔ آج کل اپنے وطن گوجرانوالہ میں کاروبار کرتے ہیں۔ اور اپنی ہر دلعزیزی اور قابلیت کی بدولت میونسپلٹی گوجرانوالہ کے ممبر ہیں۔

خواجہ غلام رسول بٹ۔ ان کے بزرگ کشمیر سے گوجرانوالہ آئے۔ آپ آج کل جڑانوالہ میں ہیں۔ اور وہیں سکونت اختیار کر رکھی ہے۔ میونسپل کمیٹی کے ممبر اور ریلوے کے جنرل کنٹریکٹر ہیں۔

خواجہ غلام محمد بٹ جو دفتر سیاست کے کیشیر (خزانچی) بلکہ مولانا سید حبیب آف سیاست کے فنانشل سیکرٹری ہیں۔ اور ان کے عزیزوں میں ہیں۔ جلالپور جٹاں کے ایک معزز اہل خطہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مولوی غلام محمد بٹ بی اے سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ جن کے ایک فرزند ڈاکٹر عبدالحمید بٹ اسسٹنٹ ڈائریکٹر پبلک ہیلتھ لاہور کو ملک معظم کی سالگرہ ۲ جون ۱۹۳۴ء کی تقریب پر خان بہادر کا خطاب ملا ہے۔

حاجی منشی دین محمد بٹ خوشنویس (لاہور) جن کے دادا محمد عثمان بٹ سری نگر سے سکھوں کے زمانہ میں لاہور آئے اور جب لاہور سے حج کو گئے تو مکہ معظّمہ میں وفات پا گئے۔ حاجی دین محمد کے والد کا نام مولوی شہاب الدین تھا۔ حاجی دین محمد کی عمر اس وقت ۵۲ سال کی ہے۔ وہ نہ صرف لاہور کے بلکہ ہندوستان کے نامور خوشنویسوں میں سے ہیں۔ عراق عرب۔ مصر۔ حرمین شریفین، بیت المقدس وغیرہ مقامات کی ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء تک سیاحت کرتے رہے ہیں۔ خوشنویسی کے علاوہ فوٹو گرافی میں بھی صاحب کمال ہیں۔ آپ کے صاحبزادہ منشی غلام محمد بھی اپنے نامور باپ کی طرح اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور فوٹو گرافر آرٹسٹ ہیں۔

کشمیر کے بٹ:

طبقہ کے خاندانوں میں بیشتر ذیلدار نمبردار ہیں۔ ان کا عام پیشہ زمینداری ہے لیکن جو سری نگر میں رہتے ہیں ان میں زیادہ حصہ اہل تجارت کا ہے۔ جن میں حاجی غلام رسول صاحب بٹ جو فرم حاجی غلام رسول اینڈ سنز (بازار مائسیمہ) کے مالک ہیں۔ نہایت نامور سوداگر ہیں۔ ان کے فرزندوں میں خواجہ غلام محمد ان کے دست راست ہیں۔ اور اپنے کام میں خوب ماہر اور ہوشیار ہیں۔

☆☆☆

موسوی الصفوی سادات

شجرہ نسب

سید محمد المقلب بہ میر شمس الدین عراقی

1۔سید دانیال
2۔سید علی
3۔آ قا سید محمد
4۔سید علی
5۔سید حیدر
6۔سید احمد
7۔سید عسکری
8۔سید فخر الدین
9۔سید صالح
10۔سید رضا
11۔سید حیدر
12۔آ قا سید مہدی
13۔آ قا سید محمد
14۔آ قا سید احمد
15۔آ قا سید یوسف

کشمیر میں موسوی الصفوی سادات کی ایک معقول تعداد پائی جاتی ہے۔جن کا نسب نامہ میر شمس الدین عراقی سے شروع ہو کر ۲۶ ویں پشت تک حضرت امام موسیٰ* کاظم علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور انہی کے نام پر یہ موسوی سادات کے نام سے مشہور ہیں۔ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر آ قا صاحب ** بڈگام کا خاندان ہے جس کے بانی آ قا سید مہدی مرحوم ہیں۔ اس خاندان کو کشمیر کے علاوہ ہندوستان ایران اور عراق تک شہرت ہے۔

* میر شمس الدین شیخ سلطان ابراہیم ابن خواجہ سلطان علی ابن شیخ صدر الدین موسیٰ ابن شیخ سلطان صفی الملت والدین اردبیلی ابن امیر الدین جبرئیل ابن سید صالح ابن سید قطب الدین ابن صلاح الدین رشید ابن محمد الحافظ بن عوض الخواص ابن فیروز شاہ ابن محمد المہدی ابن شرف شاہ ابن سید محمد ابن الحسن ابن محمد ابن ابراہیم ابن جعفر ابن محمد امین اسماعیل ابن محمد ابن احمد الاعرابی ابن القاسم ابن حمزہ ابن الامام الہمام حضرت موسیٰ الکاظم۔

** راقم سید علی صاحب ساکنہ بمنہ کا ممنون ہے جنہوں نے آغا صاحب بڈگام کے خاندانی حالات کی تحریر و ترتیب میں مجھے مدد دی ہے۔

سید محمد جن کا لقب میر شمس الدین عراقی تھا۔ میرزا سلطان حسین والئی خراسان کے ہاں ایک معزز عہد پر تھے۔ وہ اپنے والئی ملک کی طرف سے سلطان حسن شاہ شہمیری کے آخری سال میں سفیر ہو کر آئے۔ آپ یہاں آٹھ سال تک مقیم رہے اور چونکہ شیعہ تھے اپنے مذہبی عقائد کی تبلیغ کا ان کو بہت خیال تھا لیکن یہاں بادشاہ اور اس کی رعایا سب اہل سنت والجماعت تھے۔ اس لیے آپ نہایت پوشیدہ طریق سے شیعہ مذہب کی تبلیغ کرتے رہے۔ اندر ہی اندر آپ نے بابا علی نجار خلیفہ بابا اسماعیل اور چاڈورہ کے جاگیردار و رئیس ملک موسیٰ رینہ کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا۔

ملک موسیٰ رینہ نے اپنی عالی شان حویلی کے علاوہ جو جدی بل سری نگر میں تھی۔ آپ کو بہت کچھ رومال بھی پیش کیا۔ پھر ۹۱۰ھ میں آپ کی نشست گاہ کے لیے دو طبقہ بلند خانقاہ کی عمارت بھی تعمیر کرائی۔ یہیں ایک قبرستان بھی بنایا گیا جہاں کئی علماء و صلحا جو آپ کے ہمراہ آئے تھے۔ دفن ہوتے رہے۔ یہ خانقاہ اور مقبرہ دونوں آپ کی اولاد کے قبضہ و تصرف میں ہیں۔ آقا* صاحب بڈگام ہر سال یہاں مجلس عزا منعقد کیا کرتے ہیں۔

میر عراقی یکم ربیع الاول ۹۳۲ھ کو تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہو گئے اور اپنے بنا کردہ مقبرہ واقع جڈی بل میں دفن کیے گئے مگر کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد چند ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے ملک خاندان چاڈورہ کو جو آپ کا معتقد اور فدائی تھا۔ آپ کی نعش جڈی بل سے نکال کر چاڈورہ لے جانی پڑی۔ اب چاڈروہ میں آپ کا مزار زیارت گاہ عام ہے۔ اہل تشیع حضرات سال بھر تک گروہ در گروہ زیارت کے لیے آتے رہتے ہیں۔ آقا صاحب بڈگام کی قیادت میں یہاں ہر سال مجلس عزا بھی منعقد ہوا کرتی ہے۔ یا ہادی المضل سے آپ کا سال وفات نکلتا ہے۔

آپ کے فرزند اکبر میر دانیال والد کی وفات ۹۳۲ھ کے بعد تبت میں تبلیغ کا کام

---

* اس لفظ کو آقا اور آغا دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ صاحب کتاب ''ادیماق مغل'' صفحہ ۳۴۲ پر لکھتے ہیں!
''زدر لغت مغولی قاف را بہ غین و غین را بہ قاف بدل می کنندہ چنانچہ بالیغقر را بانسفیر . و منقلائے را منقلائے دتو قمش را توغمش وتو قلوق تمور را تو غلوق تمور وطوق راطوغ مے گویند۔ چوں در زبان مغلی قاف بجائے قاف مے آید چنانچہ آقا را آغا نیز مے نویسند لہذا دریں اوراق چنیں موافع گہے قاف و گہے غین نوشتہ شدہ است۔'' آقا یا آغا کے لفظ کا رواج کب سے ہوا ہے اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہو سکا۔ البتہ ادیماق مغل کے مطالعہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ امیر تیمور گورگانی کے زمانے میں بھی اس کا رواج تھا۔ اور نہ صرف مردوں کے ناموں کے ساتھ آغا کا لفظ استعمال ہوتا تھا بلکہ شاہزادہ امیر موید ارلات کی دختر کا نام قتلق آغا خانم تھا۔ ایک اور شاہزادہ امیر شمس الدین کی بیگم کا نام توبان آغا اور اس کی لڑکی کا نام داشاد آغا تھا۔

کرتے رہے۔ میرزا حیدر کاشغری نے اپنے عروج کے زمانہ میں جب کشمیر پر چڑھائی کی تو سید دانیال کو تبت سے واپس بلوا کر قید خانہ میں ڈال دیا۔ اور جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے چند ماہ کے بعد موضع اشم (اندرکوٹ) میں اس کو قتل کرا دیا۔ دشت کربلا آپ کا سال وفات ہے کریوہ شہاب الدین پر آپ کا مزار واقع ہے۔ جہاں شیعہ لوگ دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور جہاں بڈگام کی طرح ہر سال آقا صاحب بڈگام مجلس عزا منعقد کیا کرتے ہیں۔

آپ کے فرزند کلاں سید علی المقلب بہ شمس الدین ثانی کی شہادت (واقع موضع گرند کلاں) کے بعد آپ کے فرزندوں نے موضع تولزرو میں آپ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ جواب تک مرجع خلائق ہے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ فرزند اول سید حسن رہنما جڈی بل میں مدفون ہیں۔ فرزند سوم سید آفتاب تبت چلے گئے ہیں۔ وہیں مذہبی تبلیغ انجام دیتے رہے اور وہیں ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ سید محمد جو آپ کے منجھلے بیٹے تھے۔ وہ پرگنہ دوسو کشمیر کے موضع میر گنڈ میں مذہبی فرائض ادا کرتے رہے۔ میر گنڈ سے اس خاندان کے اکثر افراد مختلف دیہات میں جا کر آباد ہو گئے۔ سید رضا خلف سید صالح جو آقا صاحب بڈگام کے جد امجد ہیں۔ موضع اٹھورہ بارہ مولا میں جا کر آباد ہو گئے اور ان کے فرزند سید حیدر نے بڈگام میں سکونت اختیار کر لی۔ آقا سید مہدی جو موجودہ آقا صاحب بڈگام کے دادا ہیں۔ آپ ہی کے فرزند اکبر ہیں۔

آقا سید مہدی نے تعلیم دینیہ کی ابتدائی منازل اپنے والد کے پاس طے کیں۔ اس وقت شیعیان کشمیر میں کوئی ایسا عالم نہ تھا جو آپ کی علمی اور مذہبی پیاس بجھا سکتا۔ اس لیے آپ مجتہدین عراق کے پاس چلے گئے اور وہاں ستائیس سال تک استفادہ علوم کرتے رہے۔ اس زمانہ میں شیعان کشمیر میں کوئی ایسا مذہبی پیشوا نہ تھا جو شیعہ جماعت کو اصول و فروغ کی آزادانہ و مخلصانہ تبلیغ کر سکتا۔ اس لیے شیعیان کشمیر نے آپ کو کشمیر میں واپس آنے کی دعوت دی۔ جسے آپ نے حب الوطنی کے خیال سے منظور فرما لیا۔ اور آخر آپ مجتہدین عظام عراق سے سندات اور مرتبہ اجتہاد حاصل کر کے واپس آئے۔ شیعیان کشمیر نے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔

آپ نے مختلف مجالس میں اپنے پند و نصائح سے شیعیان کشمیر کے مذہبی حالات کو سدھارا اور خلاف شرع عادات و اطوار سے ان کو متنبہ کیا اور مجلس موعظہ میں حج ادا کرنے کی طرف ارباب دنیا کو اس سختی سے توجہ دلائی کہ پچاس صاحب استطاعت اصحاب آپ کے ساتھ روانہ ہو کر زیارت بیت اللہ مدینہ منورہ اور عراق کی زیارتوں سے مشرف ہوئے۔

آپ نے عربی و فارسی میں کئی دینی مسائل کی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جو آپ کی علمی و مذہبی قابلیت کا روشن ثبوت ہے۔ ان میں **تمرنیتیه الغرویه** و عربی **منقذه العرقی** (فارسی) رسالہ دراثبات سیادت، **مضاریب المشککین**۔ ترجمہ لمعہ کتاب **مطنفته العرقی** وغیرہ خاص طور پر مشہور ہیں۔

چونکہ اکثر دنیادار لوگوں کو جن میں کئی ایک اہل تشیع متمول اور صاحب رسوخ اصحاب بھی شامل تھے۔ ایک مذہبی بزرگ کا یہ اقتدار کانٹوں کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اور چونکہ آپ سرزمین عراق وحجاز کے زائر اور سیاح بھی تھے۔ اس لیے ایک جماعت نے مہاراجہ رنبیر سنگھ کی بارگاہ میں آپ پر جاسوسی کا الزام لگایا۔ جب مہاراجہ نے آپ کو دریافت حالات کے لیے طلب کیا تو آپ کے عقیدت مندوں میں سے ہزارہا شیعہ لوگ آپ کے ہمراہ شیر گڑھی تک گئے اور دانستہ طور پر آپ کو ایسے وقت بلوایا گیا جب کہ مہاراجہ ایک خونی مجرم کو پھانسی کا حکم سنا کر سخت غصہ کی حالت میں تھے لیکن جونہی آپ ان کی خدمت میں پہنچے۔ مہاراجہ نے تعظیم کے لیے مسند سے حرکت کی اور دائیں پہلو میں بٹھا کر اور خیر خیریت اور ادھر ادھر کے حالات پوچھ کر ایک سبز رنگ کا چوغہ سو اشرفی آپ کو بطور نذر پیش کی اور فرمایا۔ میں آپ کی ملاقات سے بہت خوش ہوا۔ آپ جہاں چاہیں رہیں۔ آپ کا اختیار ہے آپ نے صرف ایک چوغہ اٹھالیا اور وہ بھی ایک مسلمان درباری کو بخش دیا اور کہا یہ لباس اہل دربار کے لیے موزوں ہے۔ ہم فقیروں کو اس سے کیا تعلق۔ بقول شخصے:

شال و زر بفت مبارک تمہیں دولت مندو
ہم کو کمبل میں دو شالے کا مزا ملتا ہے

اس واقعہ کے بعد آپ نے بڈگام میں ہی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

آخر کار یہ بزرگ ہستی **کُلُّ من علیها فان** کے مطابق ۲۱ رمضان ۱۳۰۹ھ کو اس جہان فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی۔ ہزارہا شیعیان کشمیر آپ کے جنازہ میں شامل تھے۔ بڈگام کے کریوہ پر آپ کا مزار واقع ہے۔ جہاں زائرین کا اکثر ہجوم رہتا ہے۔

آپ کے ایک شاگرد اثنا عشری برجستہ گو شاعر سید علی سکنہ بمنہ نے آپ کے سانحہ ارتحال پر ذیل کا قطعہ موزوں کیا ہے:

چوں جناب آقا سید مہدی ہادیٔ دیں

کردہ رحلت سوئے جنت زیں جہاں اے مومنین
گفت ہاتف گشت سال ارتحال آں جناب
فضل و علم وخلق و زہد و ورع بے سر بایقیں

آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ آقا سید محمد، آقا سید علی اور آقا سید ابوالحسن۔ آقا سید محمد آپ کے جانشیں نے اپنی علمی قابلیت سے اپنے خاندان کو اور بھی زیادہ شہرت دی۔ آپ اپنے باپ کی حیات ہی میں حرمین شریفین اور دوسرے متبرک مقامات کی زیارتوں سے مشرف ہو چکے تھے اور اپنی علمی قابلیت کی بدولت خاص شہرت رکھتے تھے۔

۱۳۱۵ھ میں آپ نے اپنے ارادت مندوں کی اعانت سے بڈگام کی خوبصورت اور دیدہ زیب ماتم سرائے تعمیر کرائی۔ مذہبی مدارس کی بنیاد رکھی۔ اور خاص بڈگام میں حامی الاسلام کے نام سے ایک مدرسہ جاری کیا۔ جو چند خودغرض منتظمین کی خلل اندازی سے کچھ مدت کے بعد بند ہو گیا۔

آپ صاحب تصانیف بھی تھے۔ جواہر ایمانی منہاج الصلاح ضیاء الہدا تمریض المشککین آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ منہاج الصلاح میں جو کشمیری زبان میں لکھی گئی ہے۔ اہل تشیع حضرات کے لیے مسائل فقہ تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ تبلیغ شیعیت کے سلسلہ میں آپ کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ اپنی تحصیل اور بعض دیگر علاقوں کے مواضعات میں آپ نے عوام کو مسائل دینیہ بتانے کے لیے استاد مقرر کیے۔ آپ کو بہت کچھ بطور نذر نیاز وصول ہوتا تھا۔ مگر آپ سب کچھ مستحقین کو بانٹ دیتے اور خود درویشانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اور اب تک بھی اس خاندان کا یہی شیوہ ہے*۔

۲۸ شوال ۱۳۵۰ھ کو آپ انتقال کر گئے۔ ہزار ہا شیعان کشمیر سر برہنہ آپ کے جنازہ میں شامل ہوئے۔ کریوہ بڈگام پر آپ کو آپ کے والد ماجد کے روضہ میں دفن کیا گیا۔ دو صاحبزادے آقا سید احمد قبلہ اور آقا محمد یوسف قبلہ آپ کی یادگار ہیں۔

آقا سید احمد جو آپ کے جانشین ہیں ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد

* اسی خاندان میں آقا سید عباس مجتہدین عراق کے سند یافتہ تھے۔ انہوں نے بلتستان میں مذہب شیعہ کو فروغ دیا۔ آپ کو جو کچھ بطور نذر ملتا۔ آپ عراق میں بھیج دیا کرتے وہیں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے تین فرزند ہیں اور وہ بلتستان میں رہے ہیں۔

ماجد سے حاصل کی۔ مزید استفادہ علوم کے لیے ۱۳۲۴ھ میں عراق گئے اور ایک مدت تک وہیں رہے۔ آخر علمی و مذہبی قابلیتوں کی سندات حاصل کر کے وطن واپس آئے۔ چونکہ آپ کے والد ماجد پر ضعیفی کا عالم تھا اور کثرت موعظ سے زبان میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا اس لیے مذہبی امورات کی عنان آپ کو اپنے ہاتھوں میں لینی پڑی۔ آپ ہی نے امام باڑہ بڈگام کی تعمیر کو پایہ تکمیل تک پہنچایا اور ۱۳۵۵ھ میں اپنے ارادت مندوں کی وساطت سے امام باڑہ حسن آباد کی عمارت مکمل کرائی۔ میر شمس الدین عراقی کی مرقد پر ۱۳۵۳ھ میں ایک شان دار روضہ تعمیر کرایا اور وہاں ایک مجلس عزا کی بنیاد رکھی۔ جو ہر سال منعقد ہوتی ہے۔ ۱۳۵۶ھ میں آپ نے عقائد شیعہ کے علوم دینیہ کی ترویج کے لیے انجمن موسوی کی بنیاد ڈالی۔ ۱۳۵۸ھ میں عتبات عالیہ اور مشہد مقدس کی زیارتوں کے بعد اپنے کئی احباب کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔

آقا سید یوسف آپ کے برادر خورد ۱۳۲۰ھ یا ۱۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدا میں اپنے والد ہی سے تحصیل علوم کی ۱۳۵۳ھ میں باپ کی وفات کے بعد آپ بھی مزید تحصیل علم کے لیے عراق پہنچے اور نجف اشرف میں ایک مدت تک مجتہدین سے استفادہ علوم کر کے اور سندات لے کر واپس آئے۔ درس و تدریس آپ کا خاص مشغلہ ہے۔ ۱۳۶۰ھ میں آپ چودہ ہمراہیوں کے ساتھ عازم بیت اللہ شریف ہوئے۔

آپ دونوں بھائیوں کو مجتہدین عراق نے اپنی طرف سے اس ملک میں نائب مقرر کر رکھا ہے۔ آپ یہاں سے قافلے علمائے عراق کے پاس بھیجتے رہتے ہیں۔ شیعیان کشمیر کو اس خاندان سے بے حد ارادت و عقیدت ہے۔

آقا سید مہدی کے دوسرے صاحبزادے آقا سید علی نجف اشرف سے اکتساب علوم کر کے جب واپس آئے تو آپ نے میر گنڈ میں آ کر عبادت الٰہی کے مطالعہ علوم دینیہ اور تلاوت قرآن مجید میں اپنی تمام عمر گزار دی۔ یہاں تک کہ پندرہ برس سے زائد عرصہ تک مکان کے چاردیواری سے باہر نہیں نکلے۔ نذر نیاز میں جو کچھ آپ کو ملتا تھا وہ سب لنگر خانہ میں خرچ کر دیا جاتا تھا۔ ۱۳۵۶ھ میں آپ وفات پا گئے۔ آپ کے برادر زادہ مولانا آقا سید احمد قبلہ نے آپ والد ماجد اور برادر بزرگ کی قبر کے ساتھ آپ کی آخری آرام گاہ تعمیر کرائی۔ چونکہ شیعیان کشمیر کے یہاں تین پیشوایان دین مدفون ہیں۔ اس لیے اس جماعت میں آستانہ بڈگام ایک مشہور زیارت گاہ ہے اور یہاں اکثر شیعہ حضرت آتے رہتے ہیں۔ بلکہ امام باڑہ کو دیکھنے کے لیے اکثر

غیر شیعہ حضرات کی آمد و رفت بھی رہتی ہے۔

آقا سید الحسن جو آقا سید مہدی کے تیسرے صاحبزادے تھے۔ عین شباب میں لاولد انتقال فرما گئے۔

کمال لون جو کمال خان کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مچھی پورہ پتی ہر دو شیوہ زنگیر (متصل سوپور) کے معزز زمیندار قبیلہ لون سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی قبیلہ سے لاہور میں سیٹھ محمد رمضان لون ایک معزز ٹھیکیدار گزرا ہے۔ جس کا فرزند ثانی شیخ محمد لطیف بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ پنجاب ہائی کورٹ ہے اور خان صاحب شیخ غلام حسین ریٹائرڈ مجسٹریٹ و رئیس لاہور کا بھانجہ اور داماد ہے۔ کمال لون کی عمر کا زیادہ حصہ پنجاب اور سندھ میں مزدوروں کے جمعدار (میٹ) کی حیثیت سے گزرا ہے۔ اس کے پاس اپنی احسن کارکردگی کے بڑے بڑے سرٹیفکیٹ ہیں۔ ناخواندہ ہونے کے باوجود اس کو علم مجلس کی اچھی واقفیت ہے اور کئی فارسی اشعار اس کو یاد ہیں۔ اس کا ایک فرزند اور ایک دختر ہے۔ فرزند کا نام خالق لون ہے۔ اور اب وہ اپنے گاؤں مچھی پورہ میں اپنے فرزند کے ہمراہ اپنا آبائی پیشہ کاشتکاری کر رہا ہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ کی چوبیسویں اور حضرت شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی کی تیرہویں پشت سے ایک بزرگ سید عبدالغفار بخاری المشہور قاضی خانقاہی بخارا سے اپنے والد سید محمد بخاری کے ہمراہ کشمیر تشریف لائے۔ وہ اسلامی حکومت کا زمانہ تھا۔ عہدہ درس وقضا پر آپ فائز ہوئے۔
ملا ذہنی جو کشمیر کے مشہور شعرا میں سے تھے۔ اپنی کتاب میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ حضرت سید عبدالغفار بخاری قاضی و مرجع اہل خطہ کشمیر بود۔ آپ کی قبر مزار بڈشاہ میں دیوار کے متصل شمال کی جانب موجود ہے۔

سید عبدالغفار بخاری کی اولاد و احفاد خوب پھلی پھولی ہوئی ہے۔ کشمیر کے علاوہ پنجاب کے اضلاع گجرات و امرتسر میں بھی ان کی ذریات موجود ہیں۔ آپ کی ساتویں پشت میں جیسا کہ ان کے شجرہ سے معلوم ہوگا سید عبدالرسول خلف سید رحمت اللہ خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ ان کا تقویٰ یہاں تک تھا کہ مرغی کا انڈا اور مرغ صرف اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ یہ دانہ دنکا

سادات قادری بخاری گندرپوری
شجرہ نسب

- سید عبدالغفار بخاری
  - سید عبداللہ
  - سید محمد صادق
  - سید محمد سعید
    - سید عطاء اللہ شاہ
      - سید رحمت اللہ
        - عبدالرسول
          - سید ولی اللہ
            - سید عبداللہ
              - سید غلام نبی
        - سید حضور اللہ
          - سید علی
            - سید عبدالکبیر
              - سید محمد حسن بخاری گندرپوری عیدگاہی
            - سید ابراہیم
              - سید احمد سعید
                - سید محمد امین
                  - سید رشید احمد
            - سید عزیز الدین
              - میر علیشاہ
              - سید رشید الدین
                - سید محمد قاسم
            - سید غلام رسول
              - سید قدرت اللہ
                - سید محمد یوسف
        - سید عبدالرحیم
          - سید عبدالوہاب مدفن کلکتہ
            - سید قلندر علی لاولد مدفن کلکتہ
      - سید نعمت اللہ
        - سید عبداللہ
          - سید محمد صدیق
            - سید عمر لاولد
            - سید منور لاولد
        - سید ضیاء الدین
          - سید محی الدین
            - سید حسن مدفن ناگریاں گجرات پنجاب
        - سید بہاؤالدین
          - سید احمد لاولد
          - سید عبدالصمد لاولد
          - سید محمد شاہ
          - سید امان اللہ شاہ
            - سید امیر الدین
              - سید محی الدین
                - سید سلیمان
                - سید یعقوب
            - مولانا مفتی سید محمد یوسف
            - سید مصطفٰی
            - سید نظام
            - سید حسن
            - سید فضل
          - سید نورالدین شاہ
            - سید عباس
            - سید ضیاء الحق
              - سید عطاء اللہ شاہ بخاری "امیر شریعت" سکنہ ناگریاں گجرات
          - سید پیر شاہ (مدفن [illegible])
          - سید عبدالغنی
          - حافظ سید حیدر شاہ
          - سید حسام الدین

لوگوں کے گھروں میں بھی جا کر کھالیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں شاہ عبدالرحمان جو رحمان شاہ کے نام سے ایک مشہور مجذوب تھے کے اشارہ سے آپ نے اپنے فرزند سید ولی اللہ اور سید حضور اللہ کو دستکاری اور خدمت میں لگا دیا۔

اسی زمانہ میں کشمیر میں قحط شدت سے پڑا۔ آپ سری نگر سے علاقہ کھوئی ہامہ کے موضع اچس میں چلے گئے۔ کچھ عرصہ یہاں ٹھہرے پھر سری نگر میں آ گئے اور یہیں محلہ خانقاہ میں انتقال فرما گئے۔

سید عبدالرسول کے والد سید رحمت اللہ اور رحمت اللہ کے بھائی سید نعمت اللہ سید عطا اللہ کے فرزند تھے۔ اور سید عبدالشکور گیری کی صبیہ کے بطن سے تھے۔ سید عبدالرسول کے فرزند دوم سید حضور اللہ کی تیسری پشت میں مولوی سید عبدالکبیر کا علاقہ کامراج میں بہت چرچا رہا ہے وہ واعظ بھی تھے اور حافظ قرآن بھی اور مفتی بھی تھے اور لوگوں کو دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ ۷ اشعبان ۱۳۴۲ھ کو دوشنبہ کے دن فوت ہو گئے۔ مدفن گاندر پورہ۔

شجرہ بطور مرثیہ

(از تصنیف حافظ مولوی محمد حسن صاحب وفائی خوشنویس سنٹرل جیل پریس سری نگر)

وا دریغا آدخا کز دور چرخ بیوفا
شدز دنیا سید و سردار ماقاری ما
آنکہ در عالم علم سید کبیرالدین[1] بزرگ
چونکہ رفت از رفتش شور قیامت شد بپا
ہفتہ ہم بود از مہ شعبان شنیدہ ارجعی
مرغ روح اوشدہ اندرارم طوبی گرا
جد پاکش نسبت ایں مہ بخود چوں ساختہ
راست آمد رفتش رانسبت شمس والضحی
صرف درود و وظائف کردہ نحوی عمر خود
شرح تہذیبش نمیگنجد بصد طومار ہا
آنکہ سرمست شراب عشق جان جاں مدام

ماسوی اللہ را فراموش کردہ در یاد خدا
جفت در علمش نبودہ طاق چوں در علم بود
ساختہ عمر گرامی صرف در ورع و تقا
برومیدہ خوش گلے از باغ آں سید[۲] علی
کز حضور[۳] دل حصولش از رسول[۴] حق لقا
رحمت[۵] اللہ از عطارِ[۶] حق کزد سید[۷] سعید
میر صادق[۸] یافت از عبداللہی[۹] قدر و علا
میر سید آنکہ نامی عبد غفار[۱۰] آمدہ
خلعت غفاریش زیبا بقد دلربا
جدا د سید محمد کان بخاری نسبتش
یافت از صدق و صفا ہمسایہ در دار البقا[۱۱]
بازآ اے قاری قرآن دمے بالحن خوش
سورۂ برخوان کہ بے توشد جگر سیپارہ ہا
آفرین صد آفرین بررفتنش ہرگز نرفت
جانشین فرزند او سید حسن چوں شد بجا
الغرض تاریخ وصل او وفائی از ملک
جست درحالیکہ بود از ماتمش نوحہ سرا
گفت دل ''رفت قاری قرآں'' چہ تاریخ وفات
۱۳۴۲ھ
ہم ''چراغ اہل ایمان'' باز تعدادش نما
۱۳۴۲ھ
''خاتم قرا'' وگر تاریخ رضواں گفت کو
۱۳۴۲ھ
نقش برلوح مزارش میسرو ایں ہرسہ را

از عطارد سال وصل او وفائی باز جست
گفت ملہم ''کان ختم العلمین'' املانہا
۱۳۴۲ھ

آپ کے چار فرزندوں میں پیر سید محمد حسن قادری بخاری سب سے بڑے ہیں۔ جو محلہ گندر پورہ متصل عید گاہ میں قیام رکھتے ہیں۔ متشرع بزرگ ہیں اور پیری مریدی اور تبلیغ کا کام بھی کرتے ہیں۔

اوپر سید عبدالرسول کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی کا نام سید عبدالرحیم تھا۔ بڑے سیلانی طبیعت بزرگ تھے۔ زیارت بیت اللہ بھی کی۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کا ایک فرزند تھا۔ سید عبدالوہاب وہ بھی باپ کی طرح ورع و تقویٰ کے علاوہ سیر و سیاحت کا شوق بدرجہ کمال رکھتا تھا۔ اس کا کلکتہ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے فرزند سید قلندر علی نے بھی لاولدی کی حالت میں کلکتہ میں ہی جہاں اس کے ارادت مندوں نے اس کا نکاح بھی کرا دیا تھا۔ انتقال کیا۔

سید عبدالرسول کے چچا سید نعمت اللہ کے فرزندوں میں جن کا شجرہ میں ذکر ہے فرزند دوم میر سید ضیا الدین صاحب علم و عمل تھے۔ حافظ قرآن تھے۔ علم حدیث و علم تجوید میں ممتاز تھے۔ مسجد خانقاہ معلیٰ میں بماہ صیام آپ ہی پیش نماز ہوا کرتے تھے۔ سید صادق میر اندرابی کی دختر آپ کے نکاح میں تھی۔ حافظ میر محی الدین جو تجوید و تفسیر اور فقہ و علم کلام میں معروف تھے۔ اسی بیوی کے بطن سے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور فن کتابت کے استاد تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کو خواب میں زیارت نبوی کی عزت نصیب ہوئی۔ حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنی روزی ہفت کلام قدیم اور صحیح بخاری کی کتابت سے پیدا کیا کرو چنانچہ آپ ساری عمر یہی کتابیں لکھتے رہے۔ اور انہی کی فروخت سے اپنا گزارہ کرتے رہے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ماہ صیام کے دنوں میں صلوٰۃ تراویح کی امامت آپ ہی فرمایا کرتے تھے۔ ۱۲۵۷ھ میں بزمانہ نظامت شیخ غلام محی الدین کشمیر میں وبائے ہیضہ کا بڑا زور تھا۔ آپ بھی ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور دارالفنا سے دارالبقا کو روانہ ہو گئے۔ آپ کے فرزند سید میر حسن قادری موضع ناگریان ضلع گجرات میں چلے گئے۔ جہاں آپ کے عزیز اور رشتہ دار موجود تھے۔ وہیں آپ انتقال فرما گئے۔

سید نعمت اللہ کے فرزند اول سید عبداللہ بھی ذکر و اذکار میں ممتاز و مشہور تھے۔ حاکم وقت کی طرف سے ان کو زمین کینکہ ہار متصلہ موضع گیر جاگیر میں ملی تھی۔ ان کی ذریات کا خاتمہ ان کے

پوتوں پر ہو گیا۔ جولاولدی کی حالت میں انتقال کر گئے تھے۔

سید نعمت اللہ کے فرزند سوم سید بہاء الدین چار فرزندوں کے باپ تھے۔ جن میں حافظ سید عبدالصمد تو امرتسر چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے۔ سید احمد موضع گیری میں ''برحمت حق پیوست'' ہو گئے۔ یہ دونوں بھائی لاولد تھے۔ البتہ سید محمد جو سید عبدالخلیل بن سید محمد صادق گیری کے داماد تھے۔ اور سید امان اللہ جو سید عبدالخلیل کے علاوہ سید عمر بن سید عطا اللہ اندرابی رتنی پوری کے بھی داماد تھے۔ سردار محمد عظیم خان ناظم صوبہ کشمیر کے قحط عظیم کے ایام میں گجرات چلے گئے اور وہیں انہوں نے اقامت اختیار کر لی۔ سید محمد شاہ زاہد و متوع بزرگ تھے۔ وہ بزرگان دین سے فیض یاب ہونے کے لیے دہلی تک گئے اور حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی خلیفہ حضرت میرزا جان جاناں اور شاہ ابوسعید دہلوی سے ایک مدت تک فیض روحانی حاصل کرتے رہے۔ آخر عمر میں امرتسر میں مقیم تھے کہ وہیں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

جیسا کہ ان کے شجرہ سے ظاہر ہوگا۔ ان کے پانچ فرزند تھے جن میں فرزند اول سید نورالدین شاہ بخاری کے دوسرے بیٹے سید ضیاء الحق کے فرزند سید عطا اللہ شاہ بخاری نے جو شہرت فن تقریر علم کلام اور حق گوئی و حریت اور امور شرع کی تبلیغ میں حاصل کی ہے۔ ہندوستان میں بہت کم عالم اور مولوی یہ ہردلعزیزی اور عزت حاصل کر سکے ہیں۔ آپ کے حالات اور سوانح عمری ایک علیحدہ کتاب کے محتاج ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ انجمن خدام الدین لاہور کے ایک جلسہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی جیسے علامہ دہر اور فاضل اجل نے آپ کو ''امیر شریعت'' تسلیم کیا تھا۔ آپ خلافت کے زمانہ میں اور خلافت کے بعد بھی قید و بند کے مصائب برداشت کرتے رہے ہیں۔ آپ جماعت احرار اسلام ہند کے رکن اعظم ہیں۔ ناگریاں ضلع گجرات آپ کا وطن ہے۔

سید محمد شاہ کے بھائی سید امان اللہ شاہ کے چھ فرزند تھے۔ ان میں فرزند دوم مولانا سید محمد یوسف قدوۃ العلماء اور زبدۃ الفقہاء تھے۔ علم معقول و منقول اور فروع و اصول میں رفیع المراتب تھے۔ ۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں انتقال فرما گئے۔ مفتی مولوی سید عبدالکبیر بخاری واعظ کا مراج اور مولانا سید محمد یوسف بخاری جب تک زندہ رہے باہمی خط و کتابت بھی کرتے رہے۔ ان کے بعد کشمیر اور پنجاب کے اس یک جدی خاندان کا یہ سلسلہ بھی بند ہے۔ گندر پوری بخاری خاندان کے رشتہ ناطہ کا تعلق سادات گیری اور سادات اندرابیہ سے بھی ہے۔

خاندان موسوی سادات ہمدانیہ

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی عرف حضرت شاہ ہمدان سب سے پہلے بزمانہ سلطان شہاب الدین ایک کثیر جماعت کے ساتھ کشمیر تشریف لائے اور ۷۸۶ھ میں مراجعت فرماتے ہوئے بہ عمر ۷۲ سال پکھلی میں انتقال فرما گئے۔ جہاں سے ان کی لاش ختلان میں پہنچائی گئی اور وہیں آپ دفن کیے گئے۔ آپ کے فرزند سید میر محمد ہمدانی قریباً بائیس سال تک کشمیر ہی میں رونق افروز *) رہے۔ آپ کی اولاد کشمیر میں اور کشمیر سے باہر بھی کثیر تعداد میں موجود ہے اور ان میں اہل تشیع بھی ہیں اور اہل سنت والجماعت بھی ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ کشمیر کے سب سے پہلے مبلغ اسلام حضرت سید عبدالرحمان عرف بلبل شاہ جو رنچن ** شاہ راجہ کشمیر کے عہد میں کشمیر میں آئے تھے۔ وہ بھی موسوی خاندان سے جو سیدنا امام *** موسیٰ الکاظم کی ذریات سے ہے۔ تعلق نسبی رکھتے تھے اور سید علی ہمدانی بھی موسوی خاندان ہی کے چشم و چراغ تھے۔

سادات ہمدانیہ اولاد حضرت میر محمد ہمدانی کی ذریات سلطان فتح شاہ اور سلطان محمد شاہ شاہان کشمیر کے عہد میں عقائد اہل سنت پر ہی قائم تھی۔ لیکن جب مولانا شمس عراقی جو شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ کشمیر میں تشریف لائے تو سادات ہمدانیہ کی اس شاخ نے بھی جس کے حالات زیر تحریر ہیں۔ شیعہ مذہب قبول کر لیا۔

مغلوں اور پٹھانوں کے زمانہ میں اس شاخ کے بعض افراد معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی خدمات جلیلہ اور ان کے علم و فضل اور ان کے خاندانی وقار کی وجہ سے مغل بادشاہوں نے ان کو ترال اور رکھ شالنہ کے مواضعات جاگیر میں دے رکھے تھے۔ یہ جاگیر پٹھانوں کے آخری عہد تک اسی خاندان کے پاس تھی۔ سکھوں کے عہد میں ضبط ہو گئی۔

---

* وفات ۸۸۵ھ بہ عمر ۱۱۴ سال۔

** رنچن شاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام ملک صدرالدین رکھا تھا اور کشمیر کا یہی سب سے پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔

*** بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین علیہ السلام۔

افاغنہ عہد حکومت میں اس شاخ کے ایک بزرگ سید محمد نام اپنے علم وفضل کی وجہ سے نہایت احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ان کے فرزند کا نام سید اشرف اوران کے فرزند کا نام سید احمد تھا۔سید احمد کے تین فرزند حسب ذیل تھے۔سید اکبر،سید جواد اور سید اصغر۔

یہ تینوں بھائی ڈوگرہ عہد حکومت میں مختلف ملازمتوں پر رہے ہیں۔سید احمد ہی کے زمانہ میں بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ کشمیر میں ریشم کا کارخانہ جاری ہوا اور آپ ہی اس کے مہتمم اول یا ڈائریکٹر اگریکلچر قرار پائے۔آپ کے فرزند اکبر،سید اکبر کے دو صاحبزادے ہیں۔سید مرتضیٰ اور سید یاسین۔منجھلے صاحبزادے سید جواد کے بھی دو ہی فرزند ہیں۔آغا سید علی تحصیل دار اور سید موسیٰ ملازم ڈاک خانہ تیسرے صاحبزادہ سید اصغر کا ایک ہی لڑکا ہے۔سید محمد نام۔

آغا سید علی شاہ ۱۹۵۳ بکرمی میں بمقام سری نگر پیدا ہوئے۔ان کا مکان باغ دلاور خان کے متصل واقع ہے اور باغ دلاور خان ہی میں گورنمنٹ ہائی سکول ہے۔یہیں آپ نے تعلیم پائی۔۱۹۷۳ بکرمی میں کہ عمر صرف بیس سال کی تھی۔آپ دفتر مشیر مال میں بطور کلرک ملازم ہوئے۔پھر نائب تحصیلدار ہوئے اور اب پانچ چھ سال سے تحصیل دار ہیں اور اس وقت سری نگر میں تعینات ہیں۔آپ کے اور آپؑ کے بھائی سید موسیٰ کے صاحبزادے زیر تعلیم ہیں۔

اس خاندان کا نہایت گہرا تعلق ہمدان کے ایک جید عالم مولانا سعید الدین کے خاندان کے ساتھ رہا ہے۔اور یہ صدیوں کا تعلق اب تک بدستور چلا آتا ہے۔مولانا سعید الدین حضرت شاہ ہمدان کے ساتھ ہی کشمیر میں آئے تھے اور یہیں اقامت گزین ہوگئے تھے۔ان کا مقبرہ اب تک زیارت شاہ ہمدان کے متصل موجود ہے۔مولانا محمد سعید الدین حضرت شاہ ہمدان کے فرزند حضرت میر محمد ہمدانی کے زمانہ میں بھی موجود تھے۔میر سید ہمدانی نے جو وقف نامہ زیارت شاہ ہمدان کی آمدنی کے اخراجات کے متعلق لکھا ہے اس میں بھی محمد سعید کا نام آتا ہے۔چنانچہ یہ الفاظ وہاں درج ہیں۔''برادر ارشد امجد مولانا سعید طال اللہ عمرہ تادراں بقعہ متصرف باشد و براحوال اعمال سکناں ومسافراں باخبر شد۔بزرگان راخادم کہتراں برادر ویتیماں راپدر باشد *۔''

مولانا محمد سعید الدین کی ذریات چونکہ نقل سکونت کر کے سری نگر کے اور مقامات پر بھی رہی ہے۔اس لیے اس کی بزرگی وعظمت کی وجہ سے جہاں جہاں اس نے قیام کیا ہے وہ جگہ اسی خاندان کے نام سے مشہور ہوگئی ہے۔جیسے بابا ڈیم اور بابا پورہ، بابا عزت واحترام کا لفظ ہے۔

---

* دیکھو رسالہ خانقاہ معلیٰ صفحہ ۲۰ مرتبہ سعد الدین تارہ بلی مطبوعہ بروکا پریس سری نگر کشمیر۔

جو ہر بزرگ کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔اب یہ خاندان بابا پورہ ہی میں رہتا ہے۔

اس خاندان میں طبابت و حکمت کا بڑا شوق رہا ہے اور بڑے بڑے نامی طبیب اس خاندان میں پیدا ہوئے ہیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ، مہاراجہ رنبیر سنگھ اور مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس خاندان کی طبی قابلیتوں کی وجہ سے ہمیشہ ان کے ساتھ مراعات کا سلوک رکھا ہے۔

حکیم ملا محمد پٹھانوں کے عہد میں ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز تھا۔اس کے دو فرزند تھے۔ حکیم مہدی اور حکیم غلام علی، حکیم مہدی کے دو بیٹوں میں حکیم حسن علی وفات پا چکے ہیں۔جن کے دو فرزند حکیم مہدی و حکیم علی حیات ہیں اور حکیم حسن علی کے برادر خورد حکیم عبداللہ بھی زندہ ہیں۔

حکیم ملا محمد کے فرزند ثانی حکیم غلام علی کے بھی دو فرزند ہیں۔ حکیم محمد علی جن کے دو فرزند ہیں اور دونوں معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔ بڑے صاحبزادہ کا نام حکیم علی ہے۔ جو ریشم خانہ میں ڈپٹی ڈائریکٹر ہیں۔ چھوٹے کا نام غلام مرتضیٰ ہے جو سری نگر میں اسسٹنٹ الیکٹرک انجینئر ہیں۔ حکیم محمد علی مرحوم کے چھوٹے بھائی حکیم غلام جعفر بقید حیات ہیں۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ ان دونوں خاندانوں میں گہرا تعلق ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ سادات ہمدانیہ کی اس شاخ اور خاندان ملا محمد سعید کی ذریات میں باہمی رشتہ داریاں ہوتی رہی ہیں۔ بلکہ یہ دونوں خاندان اس قدر یک جان دو قالب تھے کہ ان کی لڑکیاں کسی تیسرے خاندان میں بیاہی نہیں جاتی تھیں۔

حکیم مہدی جو حکیم ملا محمد کے فرزند کلاں تھے۔ آغا سید علی شاہ تحصیلدار کے والد محترم کے ماموں تھے۔اور حکیم مہدی کے فرزند حکیم حسن علی جو مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ذاتی طبیب تھے آغا سید علی شاہ کے خسر تھے۔

شادی بیاہ میں ان خاندانوں کے ہاں جو رسم و رواج تھے۔ وہ بہت کچھ اصلاح پہلو لیے ہوئے تھے۔ مثلاً حق مہر پانچ سو چلکی یا سکہ رائج الوقت ہوتا تھا۔ براتیوں کی تعداد دولہا کے علاوہ تیس نفر سے زیادہ نہ تھی۔لڑکے یا لڑکی کے بیاہ پر آش پر یعنی دازہ کو پندرہ روپے سے زیادہ اجرت کوئی نہ دے سکتا تھا۔

☆☆☆☆

نیاز کاشمیری

راتھر گوت کے حالات تاریخ اقوام کشمیر کی جلد اول میں بوضاحت لکھے جا چکے ہیں۔ یہ قوم بالعموم اپنی رگوں میں جنگی خون رکھتی ہے۔ تحصیل کولگام کے موضع کامپرن میں غلام محی الدین کے نام سے ایک راتھر زمیندار متوسط الحال آباد ہے۔ نیاز حسین جو آج دنیائے علم وادب میں نیاز کاشمیری کے نام سے مشہور ہے۔ اسی غلام محی الدین کا فرزند ہے۔ نیاز نے مڈل سکول شوپیاں میں تعلیم پائی۔ اس زمانہ میں وہاں کوئی سکول نہ تھا۔ اس لیے اس کے لیے ان ایام میں مڈل تعلیم حاصل کرنا زندگانی بود ہی معراج کامل تھا۔ اس کو آئندہ بھی تعلیم جاری رکھنے کا شوق تھا لیکن حالات نے مساعدت نہ کی اور وہ ایک فرم میں ملازمت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن شوق تعلیم اس کے دل علم پرور میں ہمیشہ چٹکیاں لیتا رہا۔ چنانچہ دو سال کے بعد اس کا یہ سوز نا تمام شوق تمام بن کر اس کو لاہور لے آیا:

ذرا چل دو قدم اے قیس وہ انجام منزل ہے
مدد اے جذبہ جوش جنوں نزدیک محمل ہے

لاہور میں اس نے غریب الوطنی کی حالت میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور پھر حوصلہ یہاں تک بڑھا کہ اسلامیہ کالج میں داخل ہو کر کچھ عرصہ تک ایف اے میں پڑھتا رہا۔ یہاں واقعات وحالات نے کچھ ایسا پلٹا کھایا۔ اور اس کے خانگی امورات نے اس کو یہاں تک پریشان کیا کہ اس کا تعلیمی سلسلہ یہیں آ کر رک گیا۔ ایک طرف اس کی پریشان خیالی اس کی زبوں حالی میں اضافہ کر رہی تھی۔ اور دوسری طرف مبداء فیاض اس کی فطری شاعری کی جولانیاں دکھانے کے لیے اسی پریشان خیالی کو ایک زبردست ذریعہ بنا رہا تھا۔ ان ایام مصائب میں اس کی اکثر نظمیں مختلف اخبارات میں چھپا کرتی تھیں۔ جو سرمایہ و مزدور اور بندہ و آقا اور مختار و مجبور اور عشرت و عسرت کا امتیاز ظاہر کرتی تھیں۔ نیاز آخر کشمیر سٹیٹ پراپرٹی کے دفتر لاہور میں ملازم ہو گیا جس سے اس نے اپنے تفکرات سے مخلصی پا کر منشی فاضل کے امتحان کی تیاری شروع کی اور

نہ صرف اس امتحان میں وہ بہ اعزاز پاس ہوگیا بلکہ اس کی طبع رواں اردو کے علاوہ اب فارسی میں بھی اپنے جوہر دکھانے لگی۔

نیاز کا وجود نوجوانان وطن کے لیے ایک مثال ہے۔ اس کے پہلو میں وہ دل ہے جو پریشان خیالیوں میں بھی ہمت ہارنے اور بیکار بیٹھنے کا نام نہیں لیتا بلکہ کہتا ہے:

زمانہ لاکھ تل جائے مجھے پامال کرنے پر
مری ہمت کی پیشانی پہ بل پڑنا بھی مشکل ہے

یہاں اس کا کچھ اردو کلام بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے۔

متاع بے بہا تھی ایک جوانی سو لٹا دی ہے
نہ جانے اہل الفت اب کسے کہتے ہیں قربانی
گھٹائیں کالی کالی میکدے پر جھوم کے آئیں
چلو اے ہم نشینو! پھر کریں اک بار نادانی

*

عشق کے جذبہ سے پڑھتا ہوں محبت کی نماز
جس طرف بوئے وفا آئی ادھر کعبہ ہوا
ان سے کہنا اے صبا حال شہید نازیوں
ایک ہچکی! اور پھر ایسا ہوا ایسا ہوا

*

سکوں ناآشنا دل خوں فشاں آنکھیں جگر پارہ
الٰہی کیا محبت کا یہی انجام ہوتا ہے

*

*

شاید مرے گناہ کی تکمیل ہو گئی
کچھ بے قرار رحمت یزداں ہے آج کل

*

وہی ہے گھر مرا اے راہرو جو راستے ہی میں
خراب و خستہ و ویران سا کاشانہ آتا ہے
وصال یار ہونا خون ہوتا ہے تمنا کا
وہ جل جاتا ہے نزد شمع جو پروانہ آتا ہے

*

برباد ہونے والا تھا خود چمن خزاں سے
گل چیں نے مفت میں لیں بلبل کی بد دعائیں

*

ابتدائے عشق میں تھیں آرزوئیں بے شمار
انتہا یہ ہے کہ میری آرزو کوئی نہیں

*

بلبلا ابھرا مگر گرداب میں گم ہو گیا
وہ مرا آغاز تھا اور یہ مرا انجام ہے

*

پھر غور سے دیکھو مری مایوس نگاہو
شاید کہ کنارہ ہو کہیں بحرِ الم کا

*

ذریات حضرت خواجہ شاہ نیاز نقشبندی

کشمیر کے اس جلیل القدر تاریخی خاندان کا کچھ ذکر تاریخ اقوام کشمیر جلد اول کے صفحات میں کافی ہو چکا ہے۔ لیکن اس خاندان میں اس قدر نامور افراد پیدا ہوئے ہیں اور علمی و قومی شغف اس خاندان میں اس درجہ تک رہا ہے کہ جو حالات مزید معلوم ہوئے ہیں ان کا اندراج بھی لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم کے مطابق مناسب ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ شاہ نیاز نقشبندی اس خاندان کے بانی حضرت خواجہ سید عبدالرحیم نقشبندی معروف بہ خواجہ شیخ کمان کے فرزند دوم تھے۔ حضرت خواجہ سید شاہ نیاز کے مفصل حالات جلد اول میں لکھے جا چکے ہیں۔ آپ کی چار اولادیں تھیں۔ ایک دختر جو سید محمد صادق کے حبالہ نکاح میں تھیں جن کے بطن سے خواجہ خلیل شاہ پیدا ہوئے۔ خواجہ خلیل شاہ سے دو صبیہ یادگار تھیں۔ ایک خواجہ سید غلام شاہ نقشبندی اور دوسری سید میر جی بادشاہ کے نکاح میں تھی۔ حضرت خواجہ شاہ نیاز کے تین صاحبزادے تھے۔ (۱) خواجہ امیر شاہ جو عین شباب میں انتقال کر گئے (۲) خواجہ محمد شاہ اور تیسرے خواجہ احمد شاہ۔

خواجہ محمد شاہ اور ان کے تین فرزندوں کا ذکر جلد اول میں ہو چکا ہے۔ ان کے چوتھے فرزند خواجہ عبدالاحد عرف خواجہ احد شاہ نقشبندی کا جو خواجہ محمد شاہ کی ترکستانی بیگم کے بطن سے تھے۔ جلد اول میں صرف نام ہی آیا ہے۔ اب ان کے کچھ حالات بھی لکھے جاتے ہیں۔ خواجہ احمد شاہ حافظ قرآن تھے۔ علوم فارسی و عربی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ اتقا و زہد کو آپ کے نام پر فخر تھا۔ علوم تصوف و سلوک اور طریقہ نقشبندیہ و مجددیہ حضرت شیخ محمد ولی زہگیر سے حاصل کیا اور اس کی تکمیل کے شوق میں لاہور تک پہنچے۔ جہاں ان ایام میں میاں رؤف احمد مجددی کی بزرگی و ولایت کا بڑا چرچا تھا۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ لیکن چاروں یکے بعد دیگرے آپ کی زندگی ہی میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ صرف ایک لڑکی زندہ رہی۔ جو آپ کے برادر زادہ خواجہ سید عبدالغفور کے نکاح میں تھی۔ جس کے بطن سے خواجہ محمد شاہ پیدا ہوئے اور ایک صبیہ یادگار رہی۔ یہی صبیہ خواجہ حسن شاہ نقشبندی رئیس و جاگیر دار کشمیر کی حرم محترم تھیں۔ اور خواجہ غلام محمد شاہ

اور خواجہ نور شاہ انہی خاتون کے بطن سے ہیں جن کا ذکر اپنے موقعہ پر آئے گا۔

خواجہ احمد شاہ جو حضرت خواجہ شاہ نیاز کے فرزند ثانی تھے۔ بہت بڑے عالم اور اللہ والے بزرگ گزرے ہیں۔ انہوں نے درویشی و بادشاہی دونوں کے لطف اٹھائے ہیں۔ وہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس اور علوم معقول و منقول پر حاوی تھے۔ آپ حضرت خواجہ بزرگ نقشبند مشکل کشا کی زیارت کے لیے بخارا جا کر حضرت خواجہ محمد ایشاں سے جو آپ کے اقربا میں سے تھے۔ فیضاب ہوئے۔ وہاں سے یارقند پہنچے۔ وہاں ایک عالم فاضل بزرگ آخون لق کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہو گیا۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ تنگانیوں اور خطائیوں کے درمیان جو سیاسی اختلاف تھے وہ مخالفت سے بڑھ کر مخاصمت تک پہنچ گئے۔ آخر لڑائی ہوئی اور تنگالی جن میں آپ کے جداعلیٰ حضرت خواجہ عبدالرحیم شاہ ترکمان کے ارادتمندوں کی اکثریت تھی۔ فتح یاب ہوئے اور آپ کے انکار واصرار کے باوجود ان سب نے باہمی اتفاق سے آپ کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ آپ صرف پانچ سال ہی دل بایار کے علاوہ دست بکار یعنی ملکی انتظام میں مصروف رہے تھے کہ وفات پا گئے۔ یارقند ہی میں آپ مدفون ہیں۔ ''رضی اللہ عن الاحمد'' سے آپ کا سنہ وفات ۱۲۸۱ھ برآمد ہوتا ہے۔ تاریخ وفات ۲۴ ماہ صفر ہے۔

آپ کے دو فرزند تھے۔ خواجہ رسول شاہ اور خواجہ عبدالغفور شاہ، خواجہ رسول شاہ بچپن ہی میں ''بالائے سرش ز ہوشمندی'' کے مطابق ''مے تافت ستارہ بلندی'' کا مصداق تھے۔ علم تجوید وقرأت وطریقت آپ نے حضرت شیخ احمد تارہ بلی سے حاصل کیا۔ بہت چھوٹی عمر تھی کہ قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔ خوشنویسی کی جس قدر اقسام تھیں نستعلیق، ثلث، شکستہ خط ناخن، خط گلزار سب میں لاثانی تھے۔ اور اپنے عہد کے ملا محمد زریں رقم اور میر عماد تھے۔ ذوق سخن اکتسابی نہیں تھا بلکہ فطری تھا۔ مقبل تخلص تھا۔ چاء کی تعریف میں آپ کی یہ رباعی لاجواب ہے۔ اور زبان زد عام ہے۔

چائے است کہ غیرت شرابش بینی
سرمایہ عیش شیخ و شابش بینی
ازبسکہ بود خاصیتش دفع خمار
بیدار شوی اگر بہ خوابش بینی

اکیس سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ''حسرت رسول شاہ'' آپ کا سنہ ۱۲۷۰ھ نکلتا ہے۔

خواجہ عبدالغفور شاہ خوش خطی میں اپنے برادر بزرگ خواجہ رسول شاہ نقشبندی کے شاگرد تھے۔ فقہ و حدیث آپ نے حاجی شاہ عبداللہ سے پڑھی۔ جو مولوی محمد یحییٰ میر واعظ کے بھی استاد تھے۔ علوم روحانی آپ نے خواجہ محمد نقشبندی و ترکستانی سے حاصل کیے۔ پولیٹیکل اور سیاسی امور میں صاحبان حل و عقد کے علاوہ گورنمنٹ برطانیہ کے معزز یورپین اصحاب بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

۱۲۸۷ھ میں آپ اپنے اسلاف کی تقلید میں ترکستان بھی گئے۔ اس طویل سفر میں آپ کا برادر زادہ خواجہ حسن شاہ نقشبندی جو آپ کا پسر خواندہ بھی تھا۔ ہمراہ تھا۔ جب آپ اپنے معزز قافلہ کے ہمراہ قش بیگ المعروف محمد یعقوب بیگ جو والئی قندھار ہونے کے لحاظ سے دولت پادشاہ کے نام سے موسوم تھے۔ یارقند پہنچے۔ تو آپ کا شاہانہ استقبال کیا گیا۔ والی نے دارالحکومت سے چند میل تک اپنے باڈی گارڈ رسالہ کے ساتھ آپ کی پیشوائی کی۔ شاہی محل کے علاوہ آپ کے ہمراہیوں کے لیے نفیس خیمے خرگاہ نصب کیے گئے۔

کہتے ہیں کہ جس وقت آپ دولت پادشاہ کے پاس ملاقات کو جایا کرتے تھے تو محل شاہی تک دورویہ فوج پاپیادہ ایستادہ رہا کرتی تھی۔ اور صرف آپ کو اور آپ کے برادر زادہ خواجہ حسن شاہ کو اسپ سوار جانے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔

قاضی سید یعقوب خاں آفندی جو کشمیر * میں بھی سفارت کے معزز عہدہ پر رہ چکے تھے اور جو دولت عثمانیہ اور حکومت برطانیہ میں بھی کافی اقتدار رکھتے تھے۔ دولت پادشاہ کی طرف سے آپ کی خاطر تواضع کے نگران اور مہتمم تھے۔ قریباً ایک سال تک آپ ترکستان میں رہے۔ کشمیر واپس آکر قریباً پانچ سال کے بعد آپ نے ۱۲۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔ ''واغفور'' میں آپ کا سنہ

---

* یہ مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی جموں و کشمیر کا زمانہ تھا۔ انہوں نے قاضی صاحب کی مصاحبت اور ان کی خاطر تواضع کے لیے میرزا غلام محی الدین و خواجہ مختار شاہ کو جو کشمیر کے نامور رؤسا تھے مقرر کر رکھا تھا۔ خواجہ سعد الدین درابو نے قاضی صاحب کے ورود کشمیر پر اشعار بھی لکھے تھے ان میں سے دو حسب ذیل ہیں:

بیدار	جمیلہ	اے	شو
بخت			
ہنگام	نگار	بند	می
آمد			
استادہ	بشو	زبہر	تعظیم
قاضی	یعقوب	آفندی	آمد

وفات برآمد ہوتا ہے۔کسی صاحب دل نے آپ کے متعلق لکھا ہے۔:

خواجہ عبدالغفور نامی بود
از ہمہ خواجگاں گرامی بود
من چہ گوئیم ز جود و انعامش
ختم شد خواجگی سرنامش

آپ کے دو صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے تھے۔ایک صاحبزادی انتقال کرگئی۔ دوسری صاحبزادی آپ کے برادر زادہ خواجہ حسن شاہ نقشبندی کے عقد میں تھی۔آپ کے تین فرزندوں میں سے بڑے خواجہ محمد شاہ نقشبندی المتخلص بہ اسعد تھے۔ان سے چھوٹے خواجہ احمد شاہ اور فرزند ثالث خواجہ محمود شاہ تھے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند اکبر خواجہ محمد شاہ اسعد آپ کے جانشیں اور زیارت خواجہ شاہ کمان کے متولی قرار پائے۔آپ حافظ تھے۔اور اپنے بزرگوں کی طرح کمالات ظاہری و باطنی کے علاوہ فن کتابت میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے۔آپ کو عربی، ترکی اور فارسی زبان پر عبور کامل حاصل تھا۔آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں گلستان اخلاق، سبع سیارہ، نور مریم، مولود محمدی، تاریخ عالم اور دیوان اسعد خاص طور پر مشہور ہیں۔اور ملک کی علمی بے ذوقی و بے حسی کی وجہ سے ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔آپ کا سنہ پیدائش خواجہ خاوند سے اور سنہ وفات خواجہ خلق سے ۱۳۴۵ھ نکلتا ہے۔ تاریخ وفات ۱۹ شعبان ہے۔عمر ۶۹ سال تھی۔اپنے آبائی مزار میں مدفون ہیں۔

خواجہ سید عبدالرسول شاہ نقشبندی جو خواجہ رسول شاہ مقبل کے نام سے بھی مشہور ہیں اور جو خواجہ عبدالغفور شاہ کے برادر بزرگ تھے اور جن کا کچھ تذکرہ سطور ماسبق میں بھی کیا جا چکا ہے۔ عین عالم شباب میں انتقال کر گئے تھے۔ان کی وفات کے تھوڑا ہی عرصہ کے بعد ان کے ہاں فرزند نرینہ پیدا ہوا جس کا نام مرحوم کے ارشاد کے مطابق ''حسن شاہ'' رکھا گیا۔

یہی یتیم لڑکا بعد میں در یتیم ہو کر چمکا۔آٹھ سال ہی کی عمر میں اس معصوم بچہ نے قرآن شریف نہ صرف پڑھ لیا بلکہ حفظ کرلیا۔علم معقول ومنقول میں ان اساتذہ روزگار کے آگے زانوئے ادب تہ کیا۔جن کی برکت سے خود استادی کا درجہ حاصل کیا۔ معارف صوفیانہ اور مشکلات طریقت کے بیان کرنے میں صوفی کامل نظر آتے تھے۔صاحب علم وفضل ہونے کے

علاوہ خدمت خلق اللہ کا وہ جذبہ آپ کے دل میں موجود تھا کہ صحیح معنوں میں سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے۔ کا مصداق تھے۔ محکمہ تصفیہ بقایا اس ریاست کا ایک خوف ناک محکمہ تھا۔ اس محکمہ کی بدولت اکثر بقایا دار گرفتار ہوکر بے عزت ہوا کرتے تھے۔ ان کے گھر بار کی نیلامی اور قرقی ہونے پر بھی ''تصفیہ بقایا'' ہی رہتا تھا۔ جب کارفرمایان محکمہ ہذا کی بدولت کئی لوگ بے خانمان ہوگئے اور ملک میں ایک شور عظیم پیدا ہوا تو مہاراجہ سر رنبیر سنگھ نے اس محکمہ کا چارج آپ کے سپرد کیا۔ آپ نے چارج لیتے ہی ناجائز کارروائیوں کو فوراً بند کرایا اور ایک جم غفیر کو جو حق ناحق گرفتار تھا مخلصی دلائی۔

مولانا میر واعظ رسول شاہ آپ کے شفیق استاد تھے۔ جب اس بزرگ نے مدرسہ اور انجمن نصرت الاسلام کی بنا ڈالی تو آپ اس قومی کام میں ان کے دست راست تھے۔ آپ مسلمانوں کی فلاکت اور ان کی تعلیمی پستی کو دور کرنے کے لیے نہ صرف انجمن نصرت الاسلام میں جس کے آپ کچھ عرصہ پریذیڈنٹ بھی رہے۔ مختلف تدابیر بتایا کرتے تھے۔ بلکہ حکام بالا کو بھی ان خیالات وتدابیر سے آگاہ کیا کرتے تھے۔

آپ کے خاندان میں کسی معاملہ کی بنا پر ۱۸۹۷ء میں بعہد مہاراجہ سر پرتاب سنگھ خاندانی جاگیر ضبط ہوگئی تھی۔ ممبران خاندان مایوس ہوکر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔ اس جمود کی حالت میں آپ نے اپنی قانونی وآئینی جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا اور سالہا سال کی محنت شاقہ کے بعد آخر ۱۹۰۷ء میں جاگیر واگزار ہوگئی۔

۱۹۲۴ء میں ریشم خانہ کے مزدوروں کے ایجی ٹیشن نے کشمیر میں ایک سیاسی واقتصادی زلزلہ سا پیدا کر رکھا تھا۔ اور ہندو مسلم تعلقات بھی ناخوشگوار ہو رہے تھے۔ اسی سال لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند بھی کشمیر آئے۔ مسلمانوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر آپ کی قیادت میں اپنے مطالبات بطور میموریل لارڈ ریڈنگ کی خدمت میں پیش کیے۔ اس جرم میں آپ کی جاگیر چار سال تک ضبط رہی۔

راقم کو بھی آپ سے نیاز حاصل تھا۔ نہایت نورانی صورت کے بزرگ تھے۔ مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی پستی دور کرنے کے علاوہ بلاتمیز مذہب وملت اپنے وطن کے بہی خواہ تھے۔ افسوس ہے مسلمانان کشمیر بلکہ اہالیان کشمیر کی یہ مایہ ناز ہستی ۱۹۲۸ء مطابق ۹ جیٹھ ۱۹۸۵ بکرمی (۱۳۴۶ھ) کو ہمیشہ کے لیے اس عالم فانی سے رخصت ہوگئی۔ کشمیر کے اکثر شعرا نے آپ کی

وفات پر ماتمی نظمیں لکھیں جن میں سے چند ابیات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

حسن آں خواجہ مرحوم در تدبیر تارنخش
ہے کر دم پہ فکر خویشتن تقریر تارنخش
یکے شخصے مصور گردسنگ مرقدش دیدم
بہ پرسیدم من از روے صورت تحریر تارنخش
مصور سرکشیداز آہ نقش سنگ فرمودہ
حبیب خواجہ مشکل کشا تصور تارنخش
۱۳۴۶ھ
رفت از دنیاؤ بارونق احباب رفت
آہ بے او ظلمت افزا ہر مقام و منزل است
مانہ تنہا بے دلیم و بلکہ در سال غمش
عزت و تمکین و وقرولطف و احساں بیدل است
رشد و فضل و ہمت جودوکرم بے پاؤ سر
باقی از تارنخ وصلش زیں حسابست واصل است
۱۳۴۶ھ

علاوہ ازیں ''از فرخندہ احرار'' رضی اللہ عن الحسن اور ''رئیس شہر کا شمیر'' سے بھی آپ کے تاریخی فقرات سے ۱۳۴۶ھ کے نکلتے ہیں۔

آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ خواجہ سید غلام محمد شاہ و خواجہ سید نور شاہ، خواجہ غلام محمد ڈپٹی جیلر اور جیلر رہے۔ اب وہ محکمہ ہسپتال میں انسپکٹری کے عہدہ پر مامور ہیں۔ ان کے چار فرزند ہیں۔ سید محمد سعید، سید غلام مصطفیٰ، سید محمد مقبول، سید محمد حسین۔

خواجہ نور شاہ ریاست کے متدین اور بے لاگ افسروں میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ وہ وزیر وزارت کے معزز عہدہ سے ریٹائر ہو کر اب خانہ نشین ہیں۔ آپ کا ایک ہی فرزند خواجہ غلام احمد ہے۔

سادات نقشبندیہ

(اولاد واحفاد حضرت خواجہ خاوند محمود قدس سرہ)

خواجہ شرف الدین محمد خواجہ معین الدین نقشبندی کے فرزند تھے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ خواجہ نظام الدین احمد خواجہ محمد سنگین، خواجہ محمد سنگین کی اولاد پانچ پشت تک چل کر ختم ہوگئی۔ خواجہ نظام الدین ۱۱۰۴ھ میں بعالم جوانی فوت ہوگئے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ خواجہ نورالدین محمد آفتاب خواجہ بہاءالدین، خواجہ علاءالدین میرزا۔ ان میں نمبر ۳ خواجہ علاءالدین میرزا کی اولاد کشمیر کے علاوہ نیپال میں بھی ہے۔ اور میرزا ان کو شاہان مغل کی طرف سے خطاب ملا تھا۔ آپ کے فرزند کلاں خواجہ نورالدین محمد آفتاب جن کا تذکرہ کشمیر کی اکثر تاریخوں میں درج ہے۔ آپ کے جانشین قرار پائے۔ ۱۱۵۶ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ خواجہ کمال الدین شہید سعید، خواجہ عبدالصمد، خواجہ ضیاء الدین، خواجہ علاء الدین۔ ان میں آخرالذکر سے اولاد کا سلسلہ نہیں چلا۔ حضرت خواجہ کمال الدین شہید اپنے نامور باپ کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ خواجہ سعید الدین اور خواجہ عبدالخالق ایک لڑکی تھی۔ صفیہ بیگم نام جو حضرت خواجہ کمال الدین شہید کی شہادت ۱۱۸۸ھ میں (بزمانہ امیر جوان شیر گورنر کشمیر) کے بعد ۱۱۹۳ھ میں حضرت خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے ساتھ بیاہ دی گئی۔ حاجی کریم داد خاں گورنر کشمیر نے اپنے زمانہ میں فرزندان خواجہ شہید کی جاگیر میں بھی اضافہ کیا اور قاتل کو بھی کیفر کردار کو پہنچایا۔ تحفہ نقشبندیہ (قلمی) میں آپ کے واقعہ شہادت کا مفصل تذکرہ موجود ہے۔

آپ کے بعد آپ کے فرزند اکبر خواجہ سعدالدین نقشبندی سجادہ نشین ہوئے۔ آپ ذوق سخن سے بھی مالا مال تھے۔ ''غلام بادشاہ نقشبندم'' کے مصرع پر ایک طویل منقبت لکھا ہے۔ ۱۲۱۲ھ میں لاولد فوت ہوگئے۔ خواجہ شاہ نیاز نے آپ کے تاریخی قطعہ میں لکھا ہے۔

سر دنیا بریدہ ہاتف گفت

خواجہ سعدالدین ابن شہید ۱۲۱۲ھ

آپ کے بعد آپ کے برادر اصغر خواجہ عبدالخالق مسند ارارت پر بیٹھے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ خواجہ محمد نبی، خواجہ پیر شاہ، خواجہ محمد شاہ، خواجہ محی الدین نمبر ۲ و نمبر ۴ کی اولاد شہر ختن اور کابل میں موجود ہے۔ نمبر ۳ لاولد رہے۔

۱۲۳۵ھ میں جب خالصہ حکومت نے آپ کی جاگیر ضبط کر لی تو آپ اپنے تین فرزندوں سمیت کابل کی طرف ہجرت کر گئے۔ جہاں سردار محمد اعظم خان بارک زئی نے بارہ سو روپیہ سالانہ آپ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ آخر میں مولانا سید احمد بریلوی کی معیت میں مجاہدین اسلام کے لشکر میں شامل ہو کر شریک جہاد ہوئے۔ اور ۱۲۴۹ھ میں نواح پشاور میں سکھ فوج کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

آپ نے تیمور شاہ درانی بادشاہ کابل و کشمیر کے پاس اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۱۸۹ھ میں اپنی جاگیرات کی تمام سندات پیش کیں جس پر دربار سے ذیل کی سند آپ کو عطا ہوئی۔ (بعض حروف کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں گئے)

مہر

علم شد از عنایات الٰہی
بعالم دولت تیمور شاہی

حکم عالی!

آنکہ صوبہ داران و حکام و عمال حال واستقبال خطہ کشمیر با تفاق بہ عنایات شاہانہ والطاف خسروانہ سرفراز گشتہ بدانند کہ دریں ولا بفرض ......شدہ ......اعلیٰ رسید کہ مبلغ ہفت لک و دوازدہ ہزار و پانصد و پنجاہ دام واقعات مواضعات عملہ گنات خطہ مذکور از قرار اسناد سلاطین جنت مکیں ہندوستان درجہ جاگیر و مدد معاش سیادت ونجابت پناہان حقائق و معارف آگاہان فرزندان غفران مرتبت و رضوان منزلت حضرت خواجہ کمال الدین محمد نقشبندی شہید سعید وغیرہ سادات خواجگان نقشبندیہ و خدام خانقاہ فیض بوجہ خدام است۔ از مصدرہ جاہ جلال نگہداشت ومو............ مبارک............متعاع صادر شود کہ حاصلات دام ہائے مذکورہ ہمہ سال بدستور جاری و برقرار ماند ....آنجا کہ مراعات خسروانہ............مرقوم شہر حمید الثانی ۱۱۸۹ھ سنہ جلوس ۲۔

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند خواجہ محمد بنی نقشبندی جو اس وقت کشمیر میں تھے

سکھوں کے خوف وتشدد سے کابل اور کابل سے بخارا چلے گئے اور اپنے جد اعلیٰ خواجہ بہاء الدین نقشبندی کی زیارت گاہ میں کچھ عرصہ تک مقیم رہے۔ اور آخر کار شیخ غلام محی الدین کے عہد نظامت کشمیر میں واپس کشمیر آئے۔ شیخ غلام محی الدین نے تحصیل پلوامہ میں ایک گاؤں بنام کونجو بغرض مدد معاش عطا کیا۔

آپ شیخ اکبر تارہ بلی اور میرزا عظیم بیگ المعروف درویش محمد کے صحبت یافتوں میں تھے۔ انہی سے آپ نے طریقہ نقشبندیہ ومجددیہ میں فیض روحانی حاصل کیا۔ آپ کے دولڑکے اور دولڑکیاں تھیں۔ لڑکیوں میں نمبرا فاطمہ بیگم خواجہ غلام شاہ نقشبندی کی والدہ تھیں۔ فرزندوں کے نام خواجہ عبدالرحمان وخواجہ عبدالعزیز تھے۔ ۳ جمادالثانی ۱۲۶۳ ہجری کو وفات پا گئے۔

خواجہ عبدالرحمان عربی وفارسی رسم الخط میں اعلیٰ درجہ کے خطاط تھے۔ تاریخ سے بہرہ وافر رکھتے تھے۔ خواجہ امیر الدین پکھلی وال کے ارشد ترین ارادت مندوں میں تھے۔ خاندان نقشبندیہ کے حالات میں تحفہ نقشبندیہ جواب تک غیر مطبوعہ ہے۔ ۱۲۸۵ھ میں آپ نے ہی لکھی ہے۔ آپ نے اپنے زمانہ تولیت وسجادہ نشینی میں ۱۲۷۰ھ میں زیارت نقشبندیہ کی بھی تجدید تعمیر کی ہے۔ آپ کے تین فرزند تھے۔ ایک عبدالخالق جس کی والدہ شوپیاں کی ملک قوم سے تھی۔ اس سے ایک لڑکا خواجہ غلام نبی موجود ہے۔ خواجہ عبدالخالق کی کچھ اولاد یارقند میں بھی ہے۔ آپ نے وفات بھی یارقند میں ہی پائی ہے۔ آپ کی دوسری بیوی سے جو میر محمد صادق اندرابی کی صبیہ تھی۔ ایک لڑکی کے علاوہ دولڑکے خواجہ محمد یوسف وخواجہ سعد الدین بھی پیدا ہوئے۔ اس لیے نیابتاً آپ کے برادر خورد خواجہ عبدالعزیز جو خواجہ حبیب شاہ کے والد ہیں۔ سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ خواجہ عبدالعزیز اور ان کے فرزند کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر کے میں درج ہے۔

خواجہ محمد یوسف آپ کے فرزند کلاں نہایت صوفی منش بزرگ تھے۔ کم گو، خلوت پسند، راست گفتار اور عبادت گزار تھے۔ مولوی مفتی عزیز الدین شیخ الاسلام مفتی اعظم کشمیر کے شاگرد رشید اور داماد تھے۔ آپ کے ہاں دو فرزند پیدا ہوئے۔ خواجہ غلام بہاء الدین اور خواجہ غلام محی الدین۔ اول الذکر کے نکاح میں خواجہ محمود شاہ نقشبندی کی صبیۂ ہے۔ آپ کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ کمال الدین، نور الدین، نظام الدین، رشید احمد، مبارک شاہ، ان میں اول الذکر خواجہ سید کمال الدین سوپور میں سرکارم ملازم ہے۔ باقی زیر تعلیم ہیں۔ خواجہ غلام بہاء الدین خود گریز نانگ گرداور ہیں۔

خواجہ غلام محی الدین کا تعلق خاندان سادات اندرابیہ سے ہے۔ آپ محکمہ نزول میں پٹواری ہیں۔ تاریخی ذوق بدرجہ کمال ہے۔ گلدستہ محمودیہ کشمیر گائیڈ، تحفہ رحیمیہ، حالات نسب بزرگان نقشبندیہ وغیرہ کئی (قلمی) کتابوں کے مصنف ہیں۔ آپ کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔ محمد یوسف، معین الدین اور بشیر احمد ہیں۔

خواجہ محمد یوسف کی دوسری بیوی (صبیۂ خواجہ بہاء الدین مانسبلی) سے تین فرزند پیدا ہوئے۔ خواجہ غلام محمد، خواجہ محمد عمر، خواجہ علاء الدین، خواجہ غلام محمد ۲۹ شعبان ۱۳۵۰ھ کو فوت ہو گئے۔ ان کا ایک لڑکا عبدالرشید موجود ہے۔ خواجہ محمد یوسف ۲۷ جمادی الثانی ۱۲۲۹ھ کو رحلت فرما گئے۔ مادہ تاریخ ''نوراللہ تربۃ'' ہے۔ خواجہ سعد الدین نقشبندی خواجہ محمد یوسف کے برادر خورد تھے۔ عربی و فارسی علوم میں فاضل، سخن دان، سخن پرور، سخن شناس اور قادر الکلام شاعر اور مصنف بزمانہ خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین عارف ایم اے جج ہائی کورٹ عدالت عالیہ میں مترجم تھے۔ بعد ازاں محکمہ گورنری میں آ گئے۔ آپ کی چھ اولادیں ہیں۔ تین لڑکیاں اور تین لڑکے۔ فرزندوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ خواجہ محمد حسین، خواجہ افتخار احمد، خواجہ محمد حسین، سید تخلص کرتے تھے۔ دیوان سید فارسی میں موجود ہے۔ علاوہ ازیں مخبر عشق (تصنیف ۱۳۱۲ھ) تذکرہ طیبہ (تصنیف ۱۳۵۱ھ) مستقل نظمیہ تصانیف ہیں۔ قصائد، رباعیات، تواریخ ہائے وفات، مرثیہ وغیرہ بہت کلام موجود ہے۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ کو وفات پا گئے۔ وفات سے دو ماہ پیشتر آپ نے خود ہی اپنی وفات کا یہ شعر موزوں کیا:

به سائش جاں بحق سید چو به سپرد
بگو در خوف بطود و بارجا مرد
۱۳۵۹ء

یہی شعر آپ کے لوح مزار پر بھی کندہ ہے۔

سادات اندرابیہ کرالہ پورہ

کرالہ پورہ تحصیل سری نگر اور وترہیل تحصیل بڈگام کے سادات اندرابیہ کے جدامجد کشمیر کے مشہور بزرگ میر میرک اندرابی تھے۔ جو اندراب (ایران) سے آنے کی وجہ سے اندرابی

کہلاتے تھے۔ان کا مزار سری نگر کے محلہ ملارٹہ میں ہے اور ان کی ذریات نہ صرف کشمیر کے مختلف مقامات میں آباد ہے۔ بلکہ پنجاب تک پھیلی ہوئی ہے۔

ان کے تین فرزند تھے۔میر محمد، میر یوسف، میر احمد، فرزند اول کی اولاد رتنی پورہ، ملارٹہ اور لولاب میں آباد ہے اور رتنی پورہ کی ایک شاخ لاہور میں بھی ہے۔ فرزند دوم کی اولاد سری نگر، علاقہ ترال اور جڈورہ تحصیل پلوامہ میں موجود ہے۔ فرزند سوم کی اولاد پوچھل وکزویرہ تحصیل پلوامہ اور نارہ داؤ داور ناگام تحصیل کولگام میں آباد ہے۔ اور پوچھل ہی کی شاخ سے ایک گھر لائل پور (فیصل آباد حال) میں موجود ہے۔

فرزند اول میر محمد کی اولاد سے میر اعظم جو میر عبدالرشید بیہقی کے داماد تھے۔ پل حاجی راتھر (سری نگر) میں مدفون ہیں۔ان کے چار فرزند حسب ذیل تھے۔میر اعظم، میر محمد اسلم، میر فضل اللہ، میر عطا اللہ، ان میں میر محمد اسلم کے تین بیٹے تھے۔ میر مبارک، میر میرک، میر انور۔ آخر الذکر کے فرزند کا نام سید رسول تھا۔اس کے پانچ فرزند تھے۔سید غلام الدین (لاولد) سید سعید (لاولد) سید قدرت اللہ، سید قطب الدین، سید علاء الدین اندرابی۔

سید قدرت اللہ کے دو فرزند تھے۔سید محمد انور (لاولد) سید شمس الدین، ان کا ایک بیٹا ہے۔عبدالحمید نام اور وہ زیر تعلیم ہے۔ سید قطب الدین کے پانچ فرزند ہیں۔ سید محی الدین، سید ضیاء الدین، سید غیاث الدین مرحوم لاولد، سید تاج الدین، سید سعید الدین، سید محی الدین کی صرف ایک ہی صبیہّ ہے جو سید غلام محمد خلف سید علاؤ الدین کے فرزند سید غلام رسول کے عقد میں ہے۔ سید محی الدین نے سید غلام رسول کو اپنا متبنٰی بنا رکھا ہے۔ میر سید ضیاء الدین کے دو فرزند ہیں۔ سید محمد شفیع اور دو سید محمد عنایت اللہ، سید سعید الدین کا ایک فرزند ہے۔ بنام سید قوام الدین۔

سید قدرت اللہ اور سید قطب الدین کی اولاد ترہیل میں رہتی ہے۔ سید علاء الدین اندرابی، امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور جامع الکمالات شیخ یعقوب صرفی اور شیخ اکمل الدین، میرزا محمد کامل بیگ خاں بدخشانی کے سلسلہ میں تھے۔ شریعت و طریقت محمدیہ اور نصائح دینی و دنیوی میں آپ سے بے شمار لوگوں کو فیض پہنچا۔ عمر ستر سال کی تھی۔ کہ بعارضہ درد جگر تین ماہ بیمار ہو کر ۱۹ ماہ شعبان ۱۳۴۶ھ کو شام کے وقت بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھتے پڑھتے جان بحق تسلیم ہو گئے۔ بیماری کے دوران میں ہمیشہ یا ارحم المساکین الرحیم الراحمین اور یا غیاث المذنبین ورد زبان رہتا تھا۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ فرزند کلاں و جانشین سید غلام محمد اندرابی، فرزند دوم سید شمس الدین اندرابی۔

مولانا سید غلام محمد اندرابی کے چار فرزند ہیں۔ پیر سید محمد یوسف، سید غلام رسول، سید علاء الدین، سید رشید احمد۔ آخر الذکر تینوں زیر تعلیم دینی و دنیوی ہیں۔ پیر سید محمد یوسف امورات خانگی کی انجام دہی میں رہتے ہیں۔ لنگر خانہ اور مسافران آنے والے وفود کی رہائش اور ان کی خورد و نوش کا انتظام آپ ہی کے سپرد ہے۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے اچھوت قوم کے چند افراد نے پچھلے دنوں اسلام قبول کیا ہے۔ آپ پنچایت کرالہ پورہ کے پریذیڈنٹ بھی ہیں۔

مولانا سید غلام محمد اندرابی نہایت متواضع اور اہل علم بزرگ ہیں۔ عربی اور فارسی پر اچھا عبور رکھتے ہیں۔ علم تصوف و معرفت میں بہرہ ور ہیں۔ آپ کا حافظہ بہت قوی ہے۔ بعض کتابوں کے خصوصاً تصانیف حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے صفحوں کے صفحے آپ کو زبانی یاد ہیں۔ اور بہت سے صوفی منش شعراء کا کلام آپ کو ازبر ہے۔

آپ کے پاس بہت سی قدیم قلمی کتابوں عربی و فارسی زبان کا ذخیرہ موجود ہے۔ جن میں حضرت امیر کبیر اور شیخ یعقوب صرفی کی تصانیف بھی ہیں۔ جو غیر مطبوعہ ہونے کے باعث کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ آپ کے برادر اصغر سید شمس الدین اندرابی عربی و فارسی کے علاوہ اردو سے بھی واقف ہیں۔ اور اخبارات کے بھی شائق ہیں۔ کشمیری اخبار عرصہ دراز تک اس خاندان میں آتا رہا ہے۔

کرالہ پورہ میں ایک پرائمری مدرسہ بھی ہے۔ جو آپ ہی کے دیوان خانہ کے پاس آپ ہی کے مکان میں ہے۔ دیوان خانہ کے پاس ہی باغ اور مسجد ہے۔ مسجد میں نماز عشاء کے بعد ہر روز اور اوراد فتیہ پڑھے جاتے ہیں۔

☆

سادات منطقی

شجرہ نسب

میر بہاءالدین منطقی

میر حسین شاہ قادری منطقی

حافظ حاجی میر سید قاسم

میر سید ابو محمد عبداللہ قادری

سادات منطقی کی اس شاخ کا سلسلہ سید حسین منطقی بیہقی تک پہنچتا ہے۔ جو سید حسن منطقی اور سید محمد امین منطقی عرف حضرت میر بابا اویسی کے والد ماجد اور شہر بیہق (خراسان) کے رہنے والے تھے۔ ان کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر کی جلد اول میں بوضاحت ہو چکا ہے۔ چونکہ حضرت میر بابا اویسی نے نکاح ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے منطقی و بیہقی خاندان کے اصل بانی ان کے برادر کلاں حضرت سید حسن منطقی سمجھے جاتے ہیں جو صاحب اولاد تھے۔ کئی پشتوں کے بعد اسی خاندان میں میر بہاءالدین منطقی ایک بزرگ تھے۔ جن کا ذکر پیر حسن شاہ کھوئی ہامی مورخ کشمیر مصنف تاریخ حسن نے اپنی تاریخ کی جلد سوم میں کیا ہے۔ میر حسین شاہ قادری جن کے متعلق اسی تاریخ میں لکھا ہے کہ "درمحبت محبوب سبحانی فانی بود۔" انہی میر بہاءالدین کے فرزند تھے۔ آپ نے میرزا غلام بیگ سے جو آپ کے والد ماجد کے خلفا میں تھے۔ طریقہ قادریہ میں تعلیم و تلقین حاصل کی۔ تاریخ حسن میں آپ کا ذکر تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ لکھا ہے کہ حضرت شاہ جیلان رحمت اللہ علیہ کے عرس کی تقریب پر ایک ہزار سے زیادہ روپیہ خرچ کر دیا کرتے تھے۔ مساجد اور پلوں کی تعمیرات کا بھی شوق تھا۔ لچھمی کوہل قریباً سال سے بند تھی۔ اس کو از سر نو آب رواں سے تر و تازہ کیا۔ ان کے اخراجات کثیر دیکھ کر لوگ ان کو کیمیا گر کہتے تھے۔ آپ نے جامع مسجد سری نگر کی مرمت اپنے اور اہل شہر کے چندہ سے پہلے ۱۲۸۵ھ میں بموافقت حاجی عظیم الدین درابو کرائی اور

دوسری مرتبہ مہاراجہ رنبیر سنگھ اور بعض افراد شہر سے امداد لے کر ۱۲۹۷ھ میں بام ہا وغیرہ کی مرمت کرائی۔

میر والا منزلت سید حسین قادری
کز پئے تعمیر مسجد بس نکو تدبیر شد
خواستم گلبانگ تاریخش زلہم زوندا
گور حسن سعی مسجد میر عالمگیر شد

۱۲۶۱ھ میں آپ نے عالی کدل محلہ رہ بابا صاحب میں خانقاہ غوثیہ کی بنیاد ڈالی۔ اس کے متعلق صاحب تاریخ حسن حقیقت اشیائے متبرکہ واوزار محترمہ کے بیان میں لکھتے ہیں۔ کہ میر حسین قادری نے ۱۲۵۷ھ میں سادات لعل بازار سے موئے مبارک حضرت غوث الثقلین معہ سند جاگیر بہ مجرد دستخط شاہجہاں بادشاہ گیارہ سو روپیہ میں خرید کر اور بے شمار روپیہ خرچ کر کے خانقاہ تعمیر کرائی۔

۱۲۷۲ھ میں آپ نے سید محمد امین اویسی کے مزار کی ترمیم وتجدید کی۔ ۱۳۰۰ھ میں آپ حرمین الشریفین کی زیارت کو ارض حجاز گئے۔ اور وہیں بعد ادائے حج ۲۲ ماہ ذوالحجہ کو انتقال کر گئے۔ اور جنت معلیٰ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ پیر حسن شاہ مصنف تاریخ حسن نے آپ کا قطعہ وفات لکھا:

دل گفت زمہد خلافت
برخاست حسین نشست قاسم

آپ کے فرزند میر محمد قاسم آپ کے جانشین قرار پائے۔ میر محمد قاسم حافظ قرآن اور عالم جید ہونے کے علاوہ حاجی الحرمین بھی تھے۔ آپ بھی اپنی زندگی میں اپنے محترم والد کے نقش قدم پر چلتے رہے۔ آخر ۱۳۲۴ھ میں وفات پا گئے۔ اور خاص زیارت کے اندر دفن ہوئے۔

اس وقت آپ کے فرزند میر سید ابو محمد عبداللہ قادری حنفی درگاہ عالیہ قادریہ غوثیہ عالی کدل کے سجادہ نشین اور جامع مسجد کشمیر اور زیارت گاہ ومسجد حضرت میر بابا اویسی کے متولی ہیں۔

چوہان راجپوت علاقہ کھوئی ہامہ

بہت قدیم زمانے کا ذکر ہے نواح اجمیر شریف سے چوہان خاندان کا ایک شخص پھکو نام اہل وعیال سمیت ترک وطن کر کے پونچھ کے علاقے میں آیا۔ اس خاندان میں شاہ محمد جلال دین، نیک خاں اور داؤ داچھے معززاشخاص گزرے ہیں۔

قریباً سواسو سال کا عرصہ گزرا ہے کہ سکھوں کے زمانے میں جلال دین کا پوتا یعنی محمد ہلال کا ایک فرزند محمد الیاس پونچھ سے کشمیر آیا۔ محمد الیاس اور اس کے والد کی وجہ سے ان کے گاؤں میں اسلامی تعلیم کا خوب چرچا رہتا تھا۔ اور کئی لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا۔

محمد الیاس کشمیر کے علاقہ کھوئی ہامہ میں جو نیابت سوپور میں واقع ہے آکر آباد ہوا۔ اس کے چار فرزند تھے۔ سید محمد، برہان الدین، کچکول اور اسحاق۔ ان میں سید محمد کے، حسب ذیل تین فرزند تھے۔ عبدالحکیم، مان شاہ، شیخ نور۔ سید محمد کے بھائی کچکول کے بھی تین ہی بیٹے تھے۔ غلام نور، کالو خاں مولوی محمود، مولوی محمود کے دو بیٹے ہیں۔ مولوی عبدالخالق و مولوی داؤد۔ مولوی عبدالخالق کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ یعقوب، یونس، یوسف، فضل حق۔

سید محمد کے بھائی اسحاق کے دو بیٹے تھے۔ رحمان اور امام دین۔ رحمان کا ایک ہی فرزند تھا۔ سلیم نام۔ سلیم کے تین فرزند ہیں۔ امام دین، سائیں، عبدالرحیم اور یہ سب ملن گام کھوئی ہامہ میں آباد ہیں۔ رحمان کے بھائی امام دین کی اولاد ضلع ہزارہ کے موضع جبی چکر گاہ میں موجود ہے۔

سید محمد کے بھائی مولوی برہان الدین کے فرزند کا نام مولوی محمود تھا۔ ان کے فرزند کا نام مولوی مسعود ہے۔ جو صاحب حیات ہے۔ اس کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ (۱) مولوی عبدالحق عرف مولوی محمد اسماعیل جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ (۲) مولوی عبدالرحمان جو لاہور میں زیر تعلیم ہے۔ (۳) مولوی عزیز الرحمان جس کا ایک فرزند حبیب الرحمان موجود ہے۔ (۴) فضل الرحمان۔

مولوی محمد الیاس کی اولاد جو علاقہ کھوئی ہامہ کے مواضعات ملن گام اور ترک ناڑی میں آباد ہے۔ ڈیڑھ سو کے قریب بتائی جاتی ہے۔ گھروں کی تعداد تیس کے قریب ہے۔

ان کو چونکہ پونچھ سے ترک وطن کیے ہوئی کافی عرصہ ہو چکا ہے اس لیے اب اس کی رشتہ داریاں آپس میں ہی ہوتی ہیں۔ ایک شاخ اس برادری کی دردپورہ علاقہ لولاب اور کرناہ ضلع مظفر آباد اور وچھن پارہ ضلع اسلام آباد میں بھی ہے۔ لولاب والی شاخ میاں داؤد کے تیسرے لڑکے میاں نیک محمد کی اولاد سے ہے جس میں چند ایک نمبردار بھی ہیں۔

پیشہ ان لوگوں کا عام طور پر زراعت اور زمینداری ہے۔ اسلامی مکاتب اور مساجد میں ان کے بعض افراد درس وتدریس کا شغل بھی رکھتے ہیں۔ البتہ اب ان کی اولادیں سرکاری ابتدائی مدارس میں مروجہ تعلیم بھی پاتی ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کاغذات بندوبست میں یہ برادری چوہان گجر کے نام سے درج ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جن مقامات پر یہ لوگ آباد ہوئے وہاں گجر لوگوں کی کثرت تھی۔ اس لیے انہی اقوام سے ان کے رشتے ناطے ہوتے رہے۔ اور ان کی اقلیت بھی اکثریت میں مل کر گجروں کے نام سے موسوم ہوگئی۔ ورنہ سب جانتے ہیں کہ چوہان راجپوتوں کی ایک اعلیٰ ترین گوت ہے جو صدیوں تک دہلی اور ہندوستان کے دیگر حصص پر شاندار حکومت کر چکی ہے۔

گگڑو خاندان

شجرہ نسب

گگڑو خاندان

حضور جو

- احمد جو
  - عبدالسبحان
    - محمد اقبال
  - ولی جو
  - عبدالغنی
    - غلام نبی
    - غلام مصطفیٰ
- عزیز جو
  - عبدالصمد
    - غلام محمد
      - عبدالقیوم
      - محمد عبداللہ
      - غلام رسول
      - غلام حسن
      - غلام حیدر

گگڑو خاندان کے متعلق یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کے کچھ افراد تحصیل اسلام آباد سری نگر کے محلہ زینہ کدل اور کشتوار میں آباد ہیں۔ بھدرواہ میں بھی ایک شاخ تھی۔ لیکن اب اس کا ایک ہی فرد رہ گیا ہے۔ جس کا نام غلام نبی ہے۔ اور وہ بھی اب کشتواڑ میں منتقل ہوگیا ہے۔ جہاں وہ تحصیل میں سیاہ نویس ہے۔

بزمانہ قدیم کشمیر میں اور کشمیر سے باہر بھی پرانے کاتبوں اور خوشنویسوں میں یہ دستور تھا کہ نہ وہ یائے معروف مجہول کا لحاظ رکھتے تھے اور نہ حرف گاف پر شوشہ ڈالتے تھے اور نہ ڈال اور ڑے پر ط کا نشان کرتے تھے۔ جس سے گاف کو کاف اور ڑے کو رے اور ڈال کو دال پڑھا جاتا تھا بلکہ زمانہ قدیم کی مطبوعہ کتابوں کے علاوہ پرانی قلمی کتابوں میں بھی یہی دستور تھا۔ چنانچہ اکثر کتابوں میں ویری ناگ کو ویرناک، ماگام اور ماکام، اگرچہ کو اکرچہ۔ ڈار کو دار، گوہر کو کوہر، گڑ کو کر وغیرہ لکھا گیا ہے۔

بارہ مولا کا گکڑو خاندان جس کی عظمت وشہرت خواجہ عبدالصمد گکڑو اور خواجہ امیر الدین گکرو اپنے ساتھ ہی ختم کر گئے ہیں۔ گکھڑو ہی تھا۔ لیکن کشمیر میں آتے ہی اس لفظ کی شکل گکرو اور گکڑو اور گکرو وغیرہ کے الفاظ سے بدل گئی۔

اس وقت مولانا دلشاد پسروری کی ایک مثنوی مصنفہ ۱۲۲۲ھ غیر مطبوعہ میرے زیر نظر ہے۔ اس میں بھی گاف کو کاف ہی لکھا گیا ہے۔ جیسا کہ ذیل کے دو شعروں سے معلوم ہوگا۔

سلاطین نژاداں کے کوہری
کر فتند زد شہرت ککھری
تعاقب کناں تا جد ککھراں
بہ عقب ہمایوں دواں شیر خاں

ان اشعار میں گوہری کو کوہری اور گوفتند کو کوفتند ۔ گکھڑی کو ککھڑی اور گھکڑاں کو ککھڑاں لکھا گیا ہے۔

گکھڑ کشمیر میں کب آئے کس طرح آئے یہ ذکر تاریخ اقوام کشمیر جلد اول میں تفصیل سے ہو چکا ہے۔

بہر حال گکھڑ قوم کے افراد جب کشمیر میں آئے تو بارہ مولا میں گکرو اور وہاں سے سری نگر آکر گگرو کہلائے ۔ جیسا کہ سری نگر میں ان کے چند گھرانے اب بھی گگرو ہی کہلاتے ہیں اور تجارت پیشہ ہیں۔ سری نگر سے جب مفصلات میں گئے تو کشتواڑ اور بھدرواہ میں گگڑو کہلائے۔ یہاں رے ڑ میں تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ کشتوار میں گھوڑے کو گڑ اور لڑکی کو کوڑ اور کشمیر میں گھوڑے کو گڑ اور لڑکی کو کور کہتے ہیں۔

کشتوار کی گگڑو شاخ کی جدِ اعلیٰ اسلام آباد سے کشتوار آئے۔ یہ سکھوں کی ابتدائی حکومت کے ایام تھے۔ ان کی اولاد میں حضور گگرو بہت مشہور گزرے ہیں۔ خواجہ غلام حیدر گگروان کی چوتھی پشت میں ہیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم کشتوار کے اسلامیہ ہائی سکول میں ہوئی۔ انٹرنس انہوں نے یہیں کے سینٹ ہائی سکول سے پاس کیا۔ پھر پرتاب کالج سری نگر سے ایف اے جموں کالج سے بی اے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایک ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ ضلع اودھم پور کی مسلمان کشمیری آبادی میں جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب ہے۔ آپ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے بی اے کی ڈگری کے علاوہ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا ہے۔ آپ سوپور میں مصنف اور سری نگر میں سب رجسٹرار رہ چکے ہیں اور اس وقت میر پور صوبہ جموں میں سرکاری وکیل ہیں۔ کشتواڑ کے مسلمانوں میں اب تعلیمی ترقی کا بہت کچھ خیال ہو رہا ہے وہاں کے دو اور مسلمان نوجوانوں نے ایم اے ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ خواجہ عزیز الدین کراٹپاک ایم اے ایل ایل بی ہیڈ کلرک لاسیکرٹیریٹ، خواجہ غلام احمد ٹاک ایم اے ایل ایل بی پلیڈر کشتوار۔

نوٹ:۔ شجرہ ہذا کے ورثا جو اس وقت محلہ مخدوم منڈو میں موجود حیات ہیں۔ ان میں سے میاں غلام محمد مخدومی ابن میاں احسن اللہ مخدومی و میاں شیخ محمد سعید الدین مخدومی ابن میاں غلام رسول مخدومی و میاں محمد یوسف مخدومی ابن میاں غلام محی الدین مخدومی و میاں میر غلام محی الدین ابن پیر عبدالقادر مخدومی نے تحریری بیان دیا ہے کہ زیارت ہذا کے متعلق ہمارے درمیان کوئی تنازعہ نہیں ہے اور کل وراثت باہم منقسم ہو چکی ہے۔

تاریخ اقوام کشمیر میں کشمیر کے ان خاندانوں کا جو مخدومی کے نام سے مشہور ہیں۔ تفصیل سے ذکر ہے۔ لیکن ۱۹۴۲ء میں کلاشپورہ کے مخدومی خاندان کے پاس جو پرانے کاغذات اور پٹے اور سندات دیکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلد اول میں مخدومی خاندان سکنہ کلاشپورہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں بہت کچھ تصحیح اور ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مخدوم سلطان العارفین شیخ حمزہ نے جس بزرگ کو اپنا پسر خواندہ اور متبنیٰ قرار دیا ہے اور جس کی ذریات سے کاشپورہ کا مخدومی خاندان ہے۔ حقیقی مخدوم زادگان میں سے ہے۔

یہ صحیح ہے کہ وہ لوگ مخدومی کہلاتے ہیں۔ جو حضرت مخدوم صاحب کے حلقہ ارادت و عقیدت میں شامل چلے آتے ہیں۔ وہ بھی مخدومی ہیں جو حضرت کے برادر بابا علی رینہ کی اولا دو

خاندان مخدومی

شجرہ نسب

- حضرت سلطان العارفین مخدوم شیخ حمزہ کاشمیریؒ
  - شیخ میاں محمد علی مخدومی پسر خواندہ و بھتیجے حضرت مخدومؒ
    - میاں شیخ عبدالرحیم مخدومی
      - شیخ محمد قاسم
        - شیخ محمد لعل مخدومی
          - شیخ ضیاء اللہ
            - محمد یحییٰ
              - محمد طاہر
                - سیف اللہ
                  - میاں شیخ عبدالقادر
                  - اسداللہ
                    - غلام نبی
                  - غلام رسول
                    - محمد سعیدالدین
                      - معراج الدین
                        - محمد یوسف
                        - غلام محی الدین
                          - محمد سیف الدین
                        - غلام حسین
            - محمد جمال
              - عبدالصمد
                - عبداللہ
                  - غلام محی الدین
                    - غلام حسین
                    - عبدالصمد
                    - غلام حسین
                      - محمد بخش نابالغ
                    - محمد یوسف
                  - عزیزالدین
                    - غلام احمد
                    - غلام محمد
      - شیخ عبدالعزیز
      - شیخ عبدالکریم
        - محمد اعظم
          - محمد نعیم
            - محمد خادم
              - محمد میر
                - ثناء اللہ
                  - عبدالقدوس
                    - احسن اللہ
      - شیخ عبداللہ مخدومی

- غلام محمد
  - عبدالقدوس منشی فاضل
- حسین شاہ
- غلام احمد

احفاد سے ہیں اور وہ بھی مخدومی ہی کے نام سے مشہور ہیں جو قلعہ ناگرنگر کے اندر اور حضرت مخدوم صاحب کے مزار مبارک کے آس پاس رہتے ہیں لیکن ان سب میں ان مخدومیوں کو امتیاز خصوصی حاصل ہے جو کلاشپورہ محلہ مخدوم منڈو میں بودو باش رکھتے ہیں جیسا کہ سطور ذیل کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔

حضرت مخدوم شیخ حمزہ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ محلہ کلاشپورہ میں بسر کیا۔ آپ جہاں اقامت گزین تھے اسی مقام عالیہ کا نام مخدوم منڈو * ہے۔ اسی مقام پر حضرت بابا داؤد خاکی رشیؒ

* منڈو کشمیری زبان میں کمرہ اور مکان کو کہتے ہیں۔

رتیلہ مولی اور ہردی بابا ریشی المعروف ریشہ مالو صاحب اور کئی اور بزرگ ان کے فیوضات
ی حاصل کرتے رہے ہیں۔

انہی ایام میں پھکلی ضلع ہزارہ کے ایک صاحب علم وعمل بزرگ میاں محمد یوسف نام
ش مرشد میں سری نگر تشریف لائے اور اپنے فرزند میاں شیخ محمد علی کی معیت میں حضرت
وم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کا شوق وخلوص ارادت دیکھ کر ان پر
ال مہربانی وشفقت کا اظہار کیا اور رفتہ رفتہ ان کو تلقین مربیانہ ومرشدانہ اور بحر روحانیت سے
ن تک سیراب کیا کہ بالفاظ حضرت بابا علی رینہ برادر عینی حضرت مخدوم صاحب ''راہ بہ
ل یافت ولی خدا شد۔'' بلکہ حضرت نے میاں محمد یوسف کے بلند اختر صاحبزادہ میاں علی محمد
خواندہ اور متبنّی اور فرزند معنوی قرار دے کر اپنا ولی عہد وخلیفہ مقرر کیا اور ان کے حق میں
شرعی ہبہ * بہ ثبت دستخط خاص تحریر فرمایا۔ جس کی نقل ذیل میں کی جاتی ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ والذکر اللّٰہ تعالیٰ علی بالتقدیم اولیٰ بعد ایں ذکریست منی برآنکہ
ار کردند واعتراف صحیح شرعی نمودند۔

حضرت فضائل ماہئے ونوافضل اکتسابی تقویٰ شعاری دیانت آثاری ہدایت پناہی
امت دستگاہی مرشد حقانی عارف ربانی شیخ الشیوخ شیخ حمزہ دام اللہ تعالیٰ ظلہ، ارشاد علی مفارق
عالی ولد دانیٰ۔

من المریدین والمشتاقین الیٰ یوم الدین در حالہ صحت وثبات عقل ونفاد اقرار خودش کہ
خانہ دوطبقہ کہ در موضع قلاشپورہ حق وملک من است۔ بے مداخلت غیرے یکے بجانب شاہراہ
ت کردہ دیگرے بجانب کولاب محدود بہ حدود اربعہ از جانب شرقیہ متصل بہ کولاب از جانب
بیہ بہ شاہراہ واز جانب شمالیہ بارص ملا جمال واز جانب جنوبیہ بزمین ملا احمد معہ ارض بنا آنہا و
معہ زینے کہ مابین این دوخانہ مذکورہ واقع شدہ است۔ وباغچہ کہ در عقب خانہ متصل بہ کولاب
ت وآنچہ از املاک واشیاء غیر ہماست مر فرزند عزیز خود را علیٰ محمد نام کہ میوہ ریاض مشیخیت و
ہ باغ طالب علمی است وفرزندہ خواندہ پسر معنوی من است۔ بحضور شہود عدول بخشیدم ہبہ
ح شرعی کردم داورا قائم مقام ونائب مناب خود ساختم۔ واگر کسے بلاجہت شرعی از قبل من یا از قبل

---

* یہ ہبہ نامہ جس پر حضرت مخدوم صاحب کے دستخط بہ الفاظ ذیل ''صحیح عبدہ حمزہ'' ثبت ہیں۔ شیخ علی محمد فرزند خواندہ
متبنّی حضرت مخدوم صاحب کی اولاد ساکنان محلّہ مخدوم منڈو کے پاس بچشم خود دیکھا ہے۔

عرض دعویٰ کند دعویٰ او باطل و نا مسموع است و عند اللہ ماخوذ و مردود۔ فی الیوم القیامۃ بصورت خوک و خرس در زمرہ کفار۔ و فی زمرہ مجاز مرداں مغضوب برانگیختہ گردد و علیہ غضب اللہ و الملائکۃ والناس اجمعین قوله تعالی فمن بدله ، بعد ماسمعیه فانما اسمه علی الذین یبدلونه الایه.

حضار مجلس تقویٰ شعاری خدمت خواجہ حسن قاری و دیانت آثاری خدمت خواجہ حسن بن خواجہ حسین و مولانا حسین بن مولانا میر علی رانواری خواجہ ابراہیم بن خواجہ علی ساکن چیراں بازار محرر ایں تحریر فقیر مبرم تحریر بہ ارشاد العالیہ۔ اوّل شہر ذوالحجہ ۹۷۹ھ دستخط مبارک عبدہ مسلح حمزہ شہدہ بمافیہ احقر العباد حسن رانا داری شہدۃ مافیہ حسن قاری۔

دستخط بحروف شاروا۔ شہدۃ مافیہ احقر شیخ حسن۔

قوانین شرع کے رو سے وصیت اسی وقت جائز سمجھی جاسکتی ہے جب کہ موصی کا حقیقی وارث وصیت کی تصدیق و توضیح کرے۔ حضرت مخدوم الاعظم کے بھائی حضرت بابا علی رینہ ان کے حقیقی وارث تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف تذکرۃ العارفین میں نہایت مبہم الفاظ میں حضرت میاں شیخ علی مخدومی کو حضرت مخدوم کا متبنّیٰ اور فرزند معنوی تسلیم کیا ہے اور حضرت مخدوم کی موصی لہ ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اے عزیزان و دوستان گواہ باشید بر حال من کے من یکے از مریدان آں حضرت مخدوم و نہ کسے ہستم کہ بگوئیم من دست بہ دامن عروۃ الوثقی سلسلہ آنحضرت زدم و نہ صاحب سلسلہ ام حتیٰ کہ اگر مخلصے و مریدے ازاں حضرت دریا آ در خدمت او خدمت مریدانہ و طالبانہ بسر بریم کی بعد از خوشنودیئے حضرت مخدوم خوشنودی اہم است و ضرورتاً ''کہ در ہر جائے روم زیارت خلفائے حضرت مخدوم از صمیم قلب مے کنم وصورتاً'' ومعناً '' بہ جز جناب مخدوم از ایشاں نے بینم و از فرزندان خود یکے در خدمت میر مقدس مرید ساختم۔ و یکے در خدمت شیخ المشائخ شیخ داؤد خاکی قدس سرہما از خود یکے را مریدانہ ساختم و ایشاں را با مادر در قریہ تجر گذاشتم کہ وطن است ہر چند کہ از عمارت شہر و باغ از جزیرہ و خانہ بہ من در تصرف بود۔ آں را بہ جہت متبرک و آداب دولت خانہ مخدوم العالم ہمیشہ محفوظ داشتم و دراں جا گردو پیراموں نگروم جزیرہ بہ خلوص تولیت وصیت آں حضرت موقوف داشتم۔ و در خانہ کہ در دقت مخدوم العالم بودہ میاں یوسف نامی از خادمان و غلامان مخصوصی آنحضرت گذاشتم و میاں علی کہ پسر او ست ۔ بہ تربیت فرزندی بموجب امر

آنحضرت مخدوم کردم بعضے علام نظم را در پیش خود ہمراہ گرفتہ خوانیدم۔ و بعضے از کتب حضرت مخدوم
رادرم و بعض بہ اصحاب آنحضرت بعضے بہ مخلصاں آنحضرت چنانچہ مامور بودم۔ ازاں تخلفے نہ در
یدم۔ وبارہا آنحضرت مخدوم فرمودہ بودند۔ کہ فرزنداں را بہ شہر بیار دوراں جا بگذار۔ بملاحظہ
بے ادبی جرأت آں نیاوردم و در آخر داشتم کی رضامندی آنحضرت مخدوم دریں بود کہ فرزنداں
روطن باشند و بنابر امتحانے فرمودہ اند و خانہ رابدو تسلیم نمودہ احقر باز ارادہ سفر کردم۔ چوں بہ پھکلی
سیدم فرزنداں خود را آگاہی نہ دادہ بودم میاں کاسی نام از مریداں حضرت مخدوم و عقارب میاں
یوسف مار اور دریافت و خدمت مار التزام نمود و چند روز آنجا بسر بردم و بعدہ خواستم انتقال نمایم۔
حضرت میر شیخ حیدر نور اللہ قلبہ حاضر گردید بفرمودہ ایشاں باز گشتم۔ بروحانیت انفاذ امر ایشاں نافذ
ز بود۔ از قید حیات بعمل آوردہ بوطن خود طوطن نمودم۔ ایں رسالہ را ترتیب دم۔

بہر حال حضرت مخدوم الاعظم کے انتقال (۹۸۴ھ) کے بعد آنحضرت کی وصیت کے
مطابق میاں شیخ علی محمد مخدومی جیسا کہ خود انہوں نے ان کو "میوہ ریاض مشیخت ونوبادہ باغ طالب
علمی" فرمایا ہے۔ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ اور اس جذبہ محبت و کشش قلبی کی بدولت جو حضرت
مخدوم کی میاں علی محمد سے تھا۔ تنبیئت سے منکر کے لیے بطور اظہار ناراضگی سخت الفاظ فرمائے۔
میاں علی محمد کا ایک ہی فرزند تھا۔ بنام میاں شیخ عبدالرحیم۔ وہ مندرجہ تنبیئت اور تصدیق تنبیئت
کے لحاظ سے حضرت مخدوم کے نبیرہ تھے اور شاہان مغل کے پٹہ جات سے بھی اس کی تصدیق کی
جاتی ہے جیسا کہ اگلی سطور میں ان کا ذکر آئے گا۔

کشمیر کے ممتاز بزرگوں میں بابا نصیب الدین غازی کا نام آفتاب عالمتاب کی طرح
روشن ہے۔ وہ حضرت بابا داؤد خاکی کے مرید تھے۔ ان کے حالات میں زہرۃ الاسرار نام ایک
کتاب مخدوم زادگان مخدوم منڈو کے پاس ہے جس میں شاہان مغل کے پٹوں اور بابا عبدالرحیم
خلف میاں شیخ علی محمد کے نبیرہ حضرت مخدوم صاحب اور ان کی زیارت کے متولی اور سجادہ نشین
ہونے کا ذکر درج ہے۔

انہی ایام میں حسی رشی نامی ایک شخص نے یہ شاخسانہ کھڑا کر دیا کہ میں چونکہ بابا علی رینہ برادر حضرت مخدوم صاحب کا فرزند اور حضرت مخدوم صاحب کا برادر زادہ ہوں اس لیے حضرت کے مزار مبارک کی سجادہ نشینی اور تولیت پر سب سے زیادہ میرا استحقاق ہے۔ اس کے دعویٰ کو تقویت اس وجہ سے بھی ملی کہ ملا شاہ بدخشی جو حضرت میاں میر لاہوری کے مرید اور شہزاد دارالشکوہ کے پیر تھے۔ اور اسی وجہ سے بادشاہ کے ہاں بھی بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے۔ حسی رشی کی اعانت و حمایت پر تیار ہو گئے۔

حضرت ملا شاہ بدخشی حضرت مخدوم صاحب کے مزار مبارک ہی کے قریب رہا کرتے تھے۔ جہان شاہزادی جہاں آرا بیگم نے آپ کی خاطر چالیس ہزار کی لاگت سے مسجد معہ حمام تیار کرائی تھی۔ مخدوم زادگان مخدوم منڈو کا بیان ہے کہ ملا شاہ بدخشی کے اعزہ میں کوئی عورت انتقال کر گئی اور آپ نے میاں شیخ محمد قاسم کی اجازت و اطلاع کے بغیر احاطہ مزار مبارک میں اس کو دفن کر دیا۔ شیخ کو خبر ہوئی تو وہ نہ صرف اس پر معترض ہوئے بلکہ انہوں نے میت مدفنہ کو نکلوا دیا۔ جو کسی اور جگہ دفن کی گئی۔ چونکہ حضرت ملا شاہ کا دربار میں زور اور اثر تھا اس لیے گورنر کو کہہ سن کر انہوں نے شیخ قاسم اور ان کے ہر سہ برادروں کو تولیت روضہ مبارک سے محروم کرا دیا۔ اس وقت بادشاہ اپنے ۱۹ ویں سن جلوس میں تھا۔ شیخ دادفریاد اور اپنی حق رسی کے لیے بادشاہ کے پاس دہلی پہنچے۔ آپ نے وہاں تہنیت نامہ اور دوسرے کاغذات پیش کیے جس پر بادشاہ کے علاوہ شہزادی جہاں آرا بیگم نے بھی ایک پٹہ ان کے حق میں عطا کیا۔ اور نہ صرف ان دونوں پٹوں میں شیخ محمد قاسم کو نبیرہ شیخ حمزہ تسلیم کیا گیا بلکہ لنگر اور روضہ مبارک کے اخراجات اور تعمیر و مرمت کے لیے پرگنہ ناگام میں نیو متری گام وغیرہ کئی مواضعات بھی جاگیر میں دیئے گئے۔

شیخ نے بڑی تکلیف کے ساتھ یہ دور دراز کا سفر طے کیا اور اسی تکلیف کے ساتھ واپس آئے۔ لیکن ملا شاہ بدخشی کے اقتدار کی وجہ سے ان فرامین شاہی کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اور حسی رشی مزار مبارک کی تولیت پر بدستور قابض رہا۔ بادشاہ کے چوبیسویں جلوس میں شیخ پھر دہلی پہنچے۔ اور اعتماد خاں گورنر کشمیر کے زمانے میں بادشاہ کی طرف سے پھر ایک فرمان لائے جس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

چوں دہ درمیان فضیلت پناہ شیخت دستگاہ شیخ قاسم نبیرہ غفراں پناہ رضواں جایگا

حضرت سلطان شیخ حمزہ مخدوم قدس سرہ و اولاد حسی ریشی درباب نذورات اوقاف آں روضہ متبرکہ
ومتبرکات عمارات قلاشپورہ و جزیرہ متنازعہ و مناقشہ بہ طول انجامیدہ بود۔ بنابر حسب الصلاح نظر
بر رفع نزاع و تنازعہ نمودہ مقرر شد۔ ہر آنچہ نذرات جمع مے شدہ باشد۔ طرفین آں را از قرار مناصفہ
قسمت نمودہ یک حصہ بنابر استحقاق بہ شیخ قاسم مذکور و یک حصہ بنابر خدمت اولاد حسی ریشی متصرف
مے شدہ باشد۔ وتولیت وانتظام آں روضہ متبرکہ ومتبرکات اوقاف وعمارات و جزیرہ تعلق شیخ مذکور
باشد۔ اولاد حسی ریشی را دراں دخلے نہ دہند۔ المرقوم ۱۴ شوال ۲۴ جلوس۔

اس شاہی پٹہ کے علاوہ ایک اور دستاویز (محضر نامہ) بھی مخدوم زادگان مخدوم منڈو
کے پاس ہے جس پر زائد از پچاس معززین شہر کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں۔ اس مختصر نامہ پر اگر چہ
کوئی تاریخ نہیں ہے لیکن بطور ترجمہ اس کی نقل غیر مناسب نہ ہوگی۔

''طلنا لمرضات اللہ تعالیٰ'' شیخ عبدالرحیم نبیرہ حضرت مخدوم شیخ حمزہ ہیں اور روضہ
مبارک کی تولیت کسی کے دخل کے بغیر عبدالرحیم کو مسلمہ طور پر حاصل ہے۔ ملا اخون مرحوم کی
حمایت سے رشیوں کی ایک جماعت نذر و نیاز کا حصہ لیتی رہی اور ان کے حکم کے ماتحت کام کرتی
رہی اور اسی طرح وقت گزارتی رہی۔ یہاں تک کہ نواب سیف خاں کے عہد حکومت میں میاں
شیخ محمد قاسم وغیرہ فرزندان میاں شیخ عبدالرحیم پر انہوں نے جبر و قہر کیا۔ ان کی اکثر سندات لے
لی گئیں اور روضہ مبارک کی تولیت سے ان کو محروم کر دیا گیا۔ تیسرے پٹہ سے واضح ہے کہ حسن
ریشی کی اولاد کو محض اس بنا پر خدمت حصہ دیا گیا ہے اور روضہ متبرکہ متبرکات و اوقاف عمارات و
جزیرہ کی تولیت و انتظام کی ذمہ داریاں غیر مبہم الفاظ میں میاں شیخ محمد قاسم و برادرانش کے سپرد کی
گئی ہیں اور صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ''کہ اولاد حسی ریشی دراں دخل نہ دہند۔''

اس کے علاوہ زمانہ حال کی ایک تحریر مخدوم زادگان مخدوم منڈو کے پاس دیکھی گئی۔
جس پر سری نگر کے علماء وفضلا اور مفتیان و سجادہ نشینان شش بقعہ و روسائے شہر کے علاوہ مفتیان
مفصلات کے بھی دستخط اور مواہیر ثبت ہیں۔ یہ تحریر در حقیقت تصدیق نامہ ہے اس بات کا کہ
میاں محمد علی شیخ مخدوم حمزہ کے پسر خواندہ اور متبنّٰی ہے۔ اور انہی کی اولاد سندات قدیم کے رو سے
جانشین و سجادہ نشین چلی آتی ہے۔ اس تصدیق نامہ پر جن بزرگوں کے مواہیر و دستخط ہیں ان میں
سے مندرجہ ذیل حضرات سے راقم کو بھی ذاتی واقفیت ہے۔ خان صاحب مرزا غلام مصطفیٰ رئیس
کشمیر، مولوی محی الدین جامعی، میر واعظ مولوی احمد اللہ مرحوم ہمدانی، مفتی شریف الدین مفتی اعظم

کشمیر، میر حسن شاہ قادری سجادہ نشین زیارت خانیار و جاگیردار خواجہ حسن شاہ بانڈے متولی آثار شریف، خواجہ حسن شاہ نقشبندی جاگیردار، پیر شہاب الدین مخدومی خادم طبقہ بالا۔ ان میں اول الذکر (یعنی مرزا صاحب) کے علاوہ سب داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔

☆

لاہور کا ایک گنائی خاندان

گنائی فرقہ کی اصلیت اور اس کی تاریخی کیفیت اور اس کے بڑے بڑے بزرگان علم و عمل کا حال اقوام کشمیر میں لکھا جا چکا ہے۔ نیز لاہور کے ایک گنائی خاندان کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ جس کے ایک نامور فرد شیخ جان محمد گنائی نے سب سے پہلے کشمیری گزٹ جاری کیا تھا اور جس کے فرزند شیخ الٰہ بخش گنائی مسلم کشمیری کانفرنس کے ایک سرگرم رکن مجلس احرار ہند کے پر جوش معاون اور لاہور کے ایک مشہور تاجر کتب ہیں۔

اب ایک اور گنائی خاندان کا ذکر کیا جاتا ہے جو قریباً چھتر اسی سال سے پنجاب میں مقیم ہے۔

سری نگر میں خواجہ گل محمد گنائی ایک صاحب ثروت بزرگ بعہد مہاراجہ گلاب سنگھ ایک ممتاز ہستی کے مالک تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ حاجی حبیب اللہ و خواجہ غلام مصطفیٰ، فرزند کلاں حاجی حبیب اللہ پشمینہ اور شال کی تجارت کے سلسلہ میں اپنے برادرزادہ یعنی خواجہ غلام مصطفیٰ کے فرزند عزیز الدین کے ہمراہ لاہور آ گئے۔ تجارت پشمینہ کے سلسلہ میں ہی گھوڑوں کی سوداگری کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور اسے ایسا فروغ دیا کہ پشمینہ کی تجارت کو بالکل چھوڑ دیا۔ انہی ایام میں پتھرانوالی حویلی میں جو موچی دروازہ کے اندر ایک مشہور تاریخی عمارت ہے۔ کشمیر کے ایک اور بزرگ چودھری مکل وائیں رہا کرتے تھے۔ جن کو خدا نے عزت و دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ انہوں نے حاجی حبیب اللہ کے خاندانی وقار اور ان کی ذاتی شرافت کو ملحوظ رکھ کر اپنی لڑکی کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

آپ اپنے تجارتی اور کاروباری سلسلہ میں سیالکوٹ میں مقیم تھے کہ وہیں بیمار ہو کر

انتقال کر گئے۔ چنانچہ آپ وہیں تکیہ ومڑی شاہ میں مدفون ہیں۔

آپ کی یادگار آپ کے دو فرزند تھے۔ میاں جان محمد سوداگر اسپاں و میاں احمد دین ٹھیکیدار، میاں جان محمد اپنے کاروبار میں ایک کامیاب تاجر رہے ہیں۔ ان کے فرزند خواجہ غلام محمد پہلے لاہور میونسپلٹی میں ملازم رہے لیکن قومی اسلامی اور ملکی جذبات جو بہت دنوں سے سینہ کے اندر محفوظ چلے آتے تھے۔ خلافت کے ایام میں بھڑک اٹھے۔ قید و بند کی بہت سے مصیبتیں سہیں۔ پھر ۱۹۳۱ء کے کشمیر ایجی ٹیشن میں سینہ سپر ہو کر احرار کے جان باز قافلوں کے سالار بنتے رہے۔ چنانچہ تاریخ احرار * کے صفحہ ستاون پر آپ کے متعلق ہے ''جب میر پور کے محاذ میں شہید الٰہی بخش کی شہادت کا واقعہ ہوا تو پیدل جتھے کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ خواجہ غلام محمد تیس سرفروشوں سے قرآن پر حلف لے کر لاہور سے راولپنڈی اور پھر کوہالہ پہنچے۔ حلف یہ تھا کہ جان دے کر بھی کوہالہ کے پل کو بند کر دیں گے۔ اس موقعہ پر دریا بھی تندی و تیزی سے بہتا تھا۔ کئی نوجوان دریا میں گرے۔ کچھ سپاہیوں کی سنگینوں پر چڑھے۔ تیسرے دن خبر آئی کہ احرار نے پل پر قبضہ کر کے آمد و رفت اور کشمیر کی تجارت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ دو دن میں ہزاروں لاریاں دونوں طرف رک گئیں۔'' اسی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر بھی آپ کے متعلق لکھا ہے۔ ''ہم میں خواجہ غلام محمد کم عمر من چلا ممبر تھا۔ وہ ہر وقت سانپوں سے کھیلنے اور آگ میں کودنے پر آمادہ رہتا تھا۔'' خواجہ غلام محمد آج کل لاہور کی ایک انشورنس کمپنی میں معقول تنخواہ پر کام کر رہے ہیں۔

میاں جان محمد کے برادر خورد میاں احمد دین ٹھیکہ داری کا کام کرتے تھے۔ قریباً پچیس سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ سے تین فرزند یادگار ہیں۔ خواجہ ضیاء الدین، خواجہ علاء الدین، خواجہ بہاؤ الدین۔

میاں احمد دین کی وفات کے وقت ان کے تینوں فرزند صغر سنی کی وجہ سے اپنا کاروبار سنبھالنے کے قابل نہ تھے۔ اس لیے وہ کام ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مگر جب بھائیوں نے کچھ ہوش سنبھالا تو خواجہ ضیاؤ الدین گنائی اپنے چھوٹے بھائی خواجہ علاؤ الدین کو ہمراہ لے کر قسمت آزمائی کے لیے افریقہ چلے گئے۔ آپ نیروبی کے محکمہ پبلک ورکس میں ایک اچھی اسامی پر ملازم ہیں۔ خواجہ علاؤ الدین بھی وہیں سرکاری ملازمت میں منسلک ہیں اور سب سے چھوٹے بھائی خواجہ بہاؤ الدین لاہور میں ریلوے کلرک ہیں۔

---

* مصنفہ چودھری افضل حق مرحوم مطبوعہ ۱۹۴۲ء ملاپ پریس پیسہ اخبار لاہور

وطن سے اس قدر دور رہ کر بھی قومی و اسلامی کاموں میں آپ پوری دلچسپی لیا کرتے تھے۔ نیروبی میں عام مسلمانوں کے سود و بہبود کے علاوہ آپ کو کشمیری نوجوانوں کی فلاح واصلاح اور ان کے باہمی اتحاد و اتفاق کا بھی خاص خیال رہتا ہے۔ نیروبی میں کشمیری مسلم یونین جن نوجوانان اہل خطہ نے قائم کی ہے ان میں آپ کا نام بھی صف اول میں آتا ہے۔ یہ یونین وقتاً فوقتاً قومی کام سرانجام دیتی رہتی ہے۔ حال ہی میں خداوند کریم نے آپ کو فرزند زرینہ عطا کیا ہے جس کا نام شجاع الدین احمد رکھا گیا ہے۔

حاجی حبیب اللہ مرحوم کے بھائی خواجہ غلام مصطفیٰ کے فرزند خواجہ عزیز دین اپنے بزرگ چچا کے ہمراہ پہلے تجارت پشمینہ اور پھر تجارت اسپاں میں مشغول رہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد آپ جموں چلے آئے۔ وہاں بھی گھوڑوں کی خرید وفروخت کا کام کرتے رہے۔ انہوں نے وہاں بہت سے تانگے بھی بنا لیے تھے۔ اور یہ کاروبار بھی وسیع پیمانہ پر تھا اور اب خواجہ کی بجائے جموں میں ''چودھری'' کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔

ان کے سپرد کچھ ٹھیکہ کا کام بھی ہوتا تھا اس زمانہ میں بگھیوں کا رواج تھا۔ پرنس آف ویلز جن ایام میں جموں آئے تھے تو ان کی طرف سے آپ کو حسن کارکردگی کے لیے ایک سرٹیفکیٹ بھی ملا تھا۔

راقم الحروف کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ جب کبھی جموں میں ان سے ملاقات ہوئی آپ نے اخبار کشمیری کی خاص طور پر اعانت و مدد کی۔ قومی بہبود کا بھی آپ کو بہت خیال رہتا تھا اور اکثر سفید پوش اور ضرورت مند ان کے چشمہ جود و سخا سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ افسوس ہے یہ بزرگ قوم ۱۹۲۰ء میں بمقام لاہور انتقال فرما گئے۔ ان کے چار صاحبزادے اس وقت موجود ہیں۔ جو لاہور کی نئی آبادی مصری شاہ میں رہتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ خواجہ غلام محی الدین۔ جن کے فرزند کا نام نثار احمد ہے۔ خواجہ فیروز الدین، خواجہ غلام محمد اور خواجہ بشیر احمد۔

سردار شیخ محمد اکرم خاں

آپ کے خاندانی حالات نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخ اقوام پونچھ میں درج ہیں۔ آپ شیخ مسعود نروری کی ذریات سے ہیں اور جو کاغذات و سندات راجہ * رستم خان والئی پونچھ

* عہد حکومت ۱۱۸۴ھ لغایت ۱۲۰۴ھ

کے زمانہ کے آپ کے پاس موجود ہیں۔ان میں سے آپ کا قریشی النسل ہونا ثابت ہے۔

آپ کی عمر اس وقت ستاون سال کے قریب ہے لیکن ان کی صحت اور ان کی شکل سے ستاون سالہ آثار بالکل ظاہر نہیں ہوتے۔آپ نے اب کشمیر ہی میں مستقل سکونت اختیار کر رکھی ہے اور اپنے قوت بازو اور محنت شاقہ سے کشمیر کے رؤسا میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ پونچھ اور گڑھی حبیب اللہ سرحد کی کثیر جائیداد کے علاوہ خاص سری نگر کے مقامات گاڈ کدل، وزیر باغ، بٹہ مالو میں آپ کے مکانات موجود ہیں۔ تحصیل بارہ مولا میں خاص بارہ مولا کے عالی دو عالیشان مکانوں کے علاوہ ۲۷ خردار اراضی بھی ہے۔اسی تحصیل کے مواضعات کالا بن میں ۶ خردار اور ہردو کھاہل میں سوا چار سو کنال زمین کے مالک ہیں۔

تحصیل ہندواڑہ کے مواضعات سوری گام واقعہ لولاب ۳۴۳ کنال اور گل گام میں چھ سو کنال اراضی کا حق ملکیت رکھتے ہیں۔آپ کا قیام بھی گل گام ہی میں رہتا ہے۔ جوتر یہہ گام کے متصل ایک مشہو گاؤں ہے۔ یہاں آپ کا ایک عالی شان مکان ایک سرسبز اور گھنے جنگل کے دامن میں واقع ہے۔

آپ پنچایت گل گام کے سرپنچ ہیں اور چونکہ خود زمیندار ہیں اس لیے زمینداروں کی سود و بہبود آپ کا خاص مشن ہے۔ مرتشی اہلکاروں کے دشمن ہیں۔آپ محکمہ جنگل کے ایک اعلیٰ ٹھیکیدار ہیں۔آپ کا مہمان خانہ ''بریں خانہ یغما چہ دشمن چہ دوست'' کا مصداق ہے۔

آپ اشاعت علم میں خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔گل گام کا پرائمری مدرسہ آپ ہی کی ذاتی کوششوں سے تین سال سے جاری ہے۔آپ کے گھر کی عورتیں بھی خواندہ ہیں اور تعلیم نسواں کی اشاعت ان کا خاص شغل ہے۔آپ گل گام میں ایک زنانہ سکول کے اجراء کے لیے بھی حکام محکمہ تعلیم کے ساتھ خط و کتابت کر رہے ہیں۔آپ کے چھ صاحبزادے ہیں۔سب سے بڑے بدر دین اور محمد افضل ہیں۔ بدرالدین عین شباب میں انتقال کر چکا ہے۔اس کا ایک خورد سال لڑکا افسر علی موجود ہے۔محمد افضل میٹرک تک تعلیم یافتہ ہے۔ یہ دونوں بھائی آپ کی اہلیہ اول کے جو میر قوم سے تھی بطن سے ہیں۔آپ نے دوسرے شادی گکھڑ قوم کے ہاں کی۔اس سے ایک لڑکا محمد اعظم جو ایف اے تک پڑھا ہوا ہے۔آپ کا تیسرا نکاح ایک سادات گھرانہ میں ہوا جس سے تین لڑکے موجود ہیں۔محمد اشرف، وجاہت حسین، کرامت حسین، تینوں زیر تعلیم ہیں۔آپ کے دونوں بڑے لڑکے آپ ہی کے ساتھ ٹھیکہ داری کے کام میں مصروف رہتے ہیں۔

میر خاندان حبہ کدل

شجرہ نسب

دائم میر

مقلی (مقبول) میر

وہاب میر

عبلی (عبداللہ) میر — قادر میر

غفار میر

علی محمد میر تاجر کتب — غلام محمد میر — عبدالکبیر میر — قادر میر مرحوم

عبدالرشید میر

کشمیر کی میر قوم مغل قبائل سے تعلق رکھتی ہے اور اس پر تاریخ اقوام کشمیر میں وضاحت سے لکھا جا چکا ہے۔ بعض عدالتوں کے فیصلے بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ جن میں سے ایک دو فیصلے درج ہو چکے ہیں اور ایک دو فیصلے اس کتاب میں بھی درج ہیں۔

دائم میر جو سالہا سال سے تحصیل کولہ گام میں موضع لتراگلر میں رہتا تھا۔ اسی قوم کا ایک خوشحال زمیندار تھا۔ اس کا مقبرہ اسی موضع میں ایک چاردیواری کے اندر بطور زیارت آج تک موجود چلا آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف زمیندار ہی نہ تھا بلکہ ایک اہل اللہ بزرگ تھا۔ اسی لیے بھی کہ دو سو سال گزر جانے کے باوجود اس کا مقبرہ صحیح سلامت موجود ہے۔

اس کا ایک ہی فرزند تھا مقبول میر جو کشمیر کے عرف عام کے مطابق مقلی میر کے نام سے مشہور تھا۔ مقلی میر کی شادی چونکہ سری نگر میں ہو چکی تھی اور اس کے خسر نے اس کو خانہ داماد بنا لیا تھا۔ اس لیے اس نے سری نگر ہی کے محلّہ حول میں جہاں اس کے سسرال تھے۔ رہائش اختیار کر لی۔ اس زمانہ میں حول اور نوشہرہ کا علاقہ ہی شہر کا سنٹر سمجھا جاتا تھا۔ مائسمہ اور امیراکدل کے علاقے غیر آباد تھے۔ اس کے سسرال چونکہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔ اس لیے اس نے بھی یہی

کام شروع کر دیا۔ اس کے فرزند وہاب میر کی شادی درون قلعہ ہری پربت ہوئی۔ اس نے حول سے نقل سکونت کر کے ملہ پورہ (حبہ کدل) میں اپنا تجارتی کاروبار شروع کیا۔ اور بالآخر وہیں اپنا مکان تعمیر کرا کر رہنے لگا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ دونوں نے اپنے علیحدہ علیحدہ کارخانے جاری کیے اور اپنے کاروبار کو خوب ترقی دی۔ اس کے پوتے غفار میر نے ضلع حبہ کدل کے محلّہ چینی کرال کو اپنا مسکن قرار دیا اور وہیں اپنا کارخانہ پشمینہ کا جاری کر دیا۔ گویا اس خاندان میں ہجرت کا جو سلسلہ تین پشت سے چلا آ رہا تھا۔ اس کو غفار میر نے بھی قائم رکھا۔

غفار میر ایک خوشحال تاجر ہونے کے علاوہ صوفی منش بزرگ تھے۔ فقرا اور درویشوں کی حسب استطاعت بہت خدمت کیا کرتے تھے۔ اور صوفیائے عظام کی صحبتوں سے مستفیض ہوا کرتے تھے اور بزرگان دین کی خدمت کا یہ وصف آپ کو اپنے ہی بزرگوں سے وراثت میں ملا تھا۔ قریباً پینسٹھ سال کی عمر میں ۳۱ جنوری ۱۹۴۰ء کو یہ بزرگ انتقال فرما گئے۔ اپنی اولاد کے کاروبار کی ترقی اور ان کی سعادت مندیوں سے بہت خوش تھے۔ البتہ فرزند چہارم کی جوانمرگی (بہ عمر ۱۶ سال) سے آپ غمگین رہا کرتے تھے۔

آپ کے فرزند دوم اور سوم رتجارتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ فرزند دوم یعنی غلام محمد میر کا اپنا کارخانہ بھی ہے۔ جہاں پشمینہ تیار کیا جاتا ہے۔ فرزند کلاں علی محمد میر کو اپنی معمولی تعلیم کے باوجود چونکہ علمی مشاغل سے خاص دلچسپی تھی اس لیے اس نے خاندانی کاروبار ترک کر کے ۱۹۳۲ء میں کتابوں کی دکان کھول دی۔ جو ترقی کرتے کرتے آج اس پیمانے پر پہنچ چکی ہے کہ ان کی طرف سے آج کئی کتابیں کشمیری، گورمکھی، ہندی، انگریزی اور فارسی زبان میں ہر قسم کے علوم و فنون کے متعلق چھپ چکی ہیں اور چھپ رہی ہیں جن میں سے کئی ایک ریاست کے محکمہ تعلیم میں منظور شدہ ہیں۔ اور آپ ہی کشمیر کے سب سے پہلے پبلشر ہیں۔ جن کی کتابیں محکمہ تعلیم میں مختلف جماعتوں اور لائبریریوں کے لیے لی گئی ہیں اور لی جاتی ہیں۔

اب اپنے عقائد میں لاہور کی احمدیہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور علمی مشاغل اور شوق اخبار بینی کے علاوہ آپ کو مذہبی اور قومی معاملات سے خاص دلچسپی ہے۔ آپ کو اپنے ملک کی خستہ حالی اور تعلیمی پسماندگی کا بڑا احساس ہے۔ اور اس کے انسداد اور علاج کے واسطے ہر ممکن امداد کے لیے تیار رہتے ہیں۔

آپ کی عمر ۱۹۰۷ء کی پیدائش کے مطابق اس وقت ۳۵ سال کی ہے۔

سجان وانی سری نگر کا رہنے والا ہے مگر ایک عرصہ سے لاہور ہی میں شیرانوالہ دروازہ کے اندر رہتا ہے۔ کامونکی ضلع گوجرانوالہ میں کام کرتا ہے اور اپنی استطاعت کے مطابق کشمیری مزدوروں اور کشمیر کے قابل امداد لوگوں کی خدمت کرتا رہتا ہے۔

ذریات بابا علی رینہ مخدومی

شجرہ نسب

بابا عثمان رینہ
- حضرت سلطان العارفین
  - شیخ مخدوم حمزہ
    - شیخ ثناء اللہ
      - شیخ احمد
        - بابا افضل
- بابا شیخ علی رینہ
  - شیخ ابوالحسن مخدومی
    - شیخ محمد یوسف مخدومی
      - شیخ ذوقی مخدومی
        - شیخ محمد افضل
          - شیخ ضیاء اللہ

اولادِ بابا افضل و شیخ ضیاء اللہ:
- پیر غلام شاہ (لاولد)
- پیر ثناء اللہ شاہ
  - پیر احمد شاہ مخدومی
    - پیر محمد افضل شاہ مخدومی خوشنویس
      - حمید اللہ
    - پیر گلہ
  - پیر عزیز دین

اس خاندان کا سلسلہ نسب بابا عثمان رینہ کے فرزند ثانی عالم متبحر حضرت حاجی بابا شیخ علی رینہ سے ملتا ہے جو کشمیر کے مشہور شیخ المشائخ حضرت شیخ مخدوم حمزہ کے برادر خورد تھے۔ بابا عثمان رینہ کا سلسلہ کئی پشتوں کے بعد رام چندر رینہ سپہ سالار افواج راجہ جے سنگھ سے جا ملتا ہے۔ رام چندر راجپوت راجگان کانگڑہ کی اولاد سے تھا۔ اور باہمی خانہ جنگیوں کے باعث راجہ جے سنگھ والئی کشمیر کے پاس جو اس کا ماموں بھی تھا۔ چلا آیا تھا۔ بابا عثمان اپنی جاگیر متجر میں رہا کرتے تھے۔

وہیں ان کا مدفن بھی ہے۔ چونکہ شیخ مخدوم حمزہ تارک الدنیا تھے اور مخدوم صاحب کے نام سے مشہور تھے۔اس نے ان کے برادر خورد بابا علی رینہ جو صاحب اولاد تھے۔اپنے بھائی کی مناسبت کی وجہ سے مخدومی مشہور رہے۔اوران کی اولاد بلکہ ان کی تمام ذریات اور حضرت مخدوم دیگر متوسلین و متعلقین بھی مخدومی ہی کے نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔

اس خاندان کے اکثر بزرگ صاحب علم وفن اور متقی و پارسا گزرے ہیں ان میں چند ایک شاعر اور مصنف بھی تھے ان کی تصنیفات اب تک غیر مطبوعہ چلی آتی ہیں۔

حضرت بابا عبداللہ صاحب مخدومی اس خاندان کے ایک بزرگ تھے۔شیخ احمد تارہ بلی جیسے مشائخ وقت ان کے حلقہ میں داخل تھے۔اسی طرح بابا افضل مخدومی بھی اس خاندان میں ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ان کے متعلق ان کے خاندان میں یہ روایت مشہور چلی آتی ہے کہ وہ صاحب کشف و کرامات تھے۔اور حضرت سلطان العارفین کے مرقد مبارک پر جا کران سے باتیں کرتے تھے۔ان کے دونوں فرزند پیر غلام شاہ (گلہ شاہ) اور پیر ثناء اللہ بھی بزرگان عظام میں تھے۔

کشمیر کے دونوں حصوں یعنی مراج اور کمراج میں اس خاندان کے ہزار ہا مرید اور خادم ہیں مٹن کا مشہور گنائی خاندان اسی خاندان کے ارادتمندوں میں ہے۔مٹن کے اس ارادت مند خاندان نے کئی پشتوں سے ایک کافی رقبہ اپنے پیر صاحبان کو بطور نیاز عطا کیا ہوا ہے۔۔ چنانچہ پیر افضل شاہ مخدومی جو اس وقت خاندان کے سرکردہ ہیں۔کشمیر کے ممتاز اور بہتری خوشنویسوں میں ہیں۔اس زمین کی پیداوار باضابطہ سالانہ حاصل کیا کرتے ہیں۔اسی طرح علاقہ شاہ آباد کے موضع کھترو میں بھی ان کو ایک رقبہ زمین ملا ہوا ہے۔اس پر بھی اس خاندان کے افراد اپنی اپنی ذاتی کمائی کو ترجیح دیتے ہیں اور نذر نیاز ہی کو ذریعہ روزگار نہیں سمجھتے۔ چنانچہ پیر محمد افضل شاہ مخدومی کتابت کے علاوہ تجارتی کاروبار بھی کرتے ہیں اور اب ایک پریس جاری کرنے کی فکر میں ہیں۔
ن کے بھائی پیر گلہ شاہ نے بھی تجارتی مشاغل ہی جاری کر رکھے ہیں۔ اوران
ُزیز الدین (ہمشیر زادہ پیر حفیظ اللہ مخدومی مرحوم) کا بھی یہی شغل ہے۔بعض وجوہات سے
نہوں نے زیارت حضرت مخدوم صاحب کی وراثتوں میں جو ان کا حصہ ہے اس کی طرف انہوں نے توجہ نہیں دی۔اس خاندان کا آبائی مقبرہ مرقد حضرت مخدوم صاحب سے ملحق ہے۔

موجودہ میر واعظ مولوی یوسف کے والد مولوی، رسول شاہ میر واعظ بانی انجمن نصرت

الاسلام و اسلامیہ ہائی سکول سری نگر اور ان کے والد مولوی یحیٰی شاہ میر واعظ ہر سوموار اور جمعرات کو پیر غلام شاہ اور بابا افضل مخدومی کے پاس آیا کرتے تھے۔ مولوی احمد اللہ میر واعظ جو مولوی رسول شاہ کے بعد میر واعظ قرار پائے تھے۔ پیر غلام شاہ مخدومی ہی کی تحریک سے ماہ صیام میں یہاں نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے۔ ان کے برادرزادہ پیر احمد شاہ (والد پیر محمد افضل مخدومی) نے زیارت کی خستہ حالی کی طرف توجہ کی اور اپنے ارادت مندوں اور محبوں سے کافی رقم جمع کر کے زیارت کی توسیع اور ترمیم و تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ اسی سلسلہ میں جب وہ کھتروشاہ آباد پہنچے وہیں حرکت قلب بند ہونے سے داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ آپ کے ارادتمندوں نے وہیں آپ کا مقبرہ ایک اچھے پیمانہ پر تعمیر کیا۔

خواجہ شیخ احمد گبہ مرچنٹ اسلام آباد

موضع مٹن جو کشمیر کے ہندوؤں کا ایک مشہور تیرتھ ہے اور پہلگام اور امرناتھ جی جاتے ہوئے سر راہ واقع ہے۔ اسلام آباد سے شمال مشرق کی طرف قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان ایام میں کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت تھی۔ اور مٹن میں کشمیری پنڈتوں کا ایک خاندان جس کی گوت کول تھی۔ زراعتی اور تجارتی کاروبار کی وجہ سے خوشحال زندگی بسر کر رہا تھا۔

اس خاندان کا ایک نوجوان ایک مسلمان بزرگ کے فیض صحبت سے مسلمان ہوا۔ اس کا اصل نام تو معلوم نہیں ہو سکا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا نام غلام محمد رکھا گیا اور چونکہ کشمیر میں ناموں کو بگاڑنے اور (Nick Name) عرف نام رکھنے کا عام رواج ہے۔ اس لیے وہ اپنے نئے نام کی رعایت کی وجہ سے مامہ پنڈت کے نام ہی سے مشہور رہا۔

اس کے ایک فرزند کا نام شیخ عبدالرزاق تھا۔ شیخ عبدالرزاق اپنی عمر کے آخری ایام میں سب کچھ ترک کر کے پہلے تو موضع بومزو میں رہنے لگے جب یہاں سے جی بھی اکتایا تو عیش مقام میں آ کر زیارت حضرت بابا بام الدین کو اپنا مسکن بنایا۔ اور یہیں اپنی بقیہ عمر یادِ حق میں صرف کر دی۔

ان کے فرزند کا نام خواجہ عبدالرحمان تھا۔ وہ دنیائے تصوف سے اپنی ایک الگ دنیا لے
ئے تھے۔ انہوں نے مٹن اور بومزد کی اقامت کی بجائے اسلام آباد کو اپنا وطن بنانا زیادہ
ب سمجھا۔ ان کے دل میں یہ تمنا بجلی کی طرح تڑپتی رہتی تھی کہ انسان کو خدا نے عقل کے ساتھ
رعلم کے ساتھ جب عقل عطا کی ہے تو وہ کیوں نہ کوئی نام پیدا کرے اور ایسا کام کرے جو اس
ات کے لیے اس کی قوم کے لیے اور اس کے ملک کے لیے مفید ہو۔

اسلام آباد میں اس نے تجارت کا کام شروع کیا۔ لیکن یہ زمانہ قحط عظیم اور ظلم عظیم کا تھا۔
لیے اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اس کو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آئی۔ وہ اپنے ایک
ار فرزند خواجہ شیخ احمد کو اسلام آباد میں ہی چھوڑ کر قسمت آزمائی کے لیے ترک وطن کر کے
ب چلا آیا اور سجان پور میں آکر مقیم ہو گیا۔

یہاں اس نے ابتدا میں کچھ تکلیفیں بھی برداشت کیں۔ مگر اس کے دل میں کچھ کام
نے اور نام پیدا کرنے کی جو امنگ تھی ۔ اس نے اس غریب الوطنی میں بھی اس کا پورا پورا
دیا۔ چنانچہ اس نے سوجانپور ہی میں تھوڑے سے عرصہ کے بعد قالین اور پشمینہ بانی کا ایک
نہ قائم کر دیا۔ اس کے علاوہ یہاں آکر اس نے حکمت و طبابت کا کام بھی سیکھ لیا تھا۔
اس نے ایک شادی بھی کر لی جس سے اولاد ذکور بھی ہوئی اور جس کی ذریات سوجانپور میں
ے موجود ہے۔

عمر کے آخری حصہ میں عبدالرحمان کو وطن کی یاد نے بے چین کیا۔ چنانچہ تیس چالیس
ہاں رہ کر وہ کشمیر آئے اور ایسے آئے کہ پھر انہیں سوجانپور جانا نصیب نہ ہوا۔ وہ اسلام آباد
اں ان کی پہلی اولاد سے خواجہ شیخ احمد موجود تھے۔ دفن ہوئے۔

خواجہ شیخ احمد میں کام اور نام پیدا کرنے کا وہی جذبہ موجود تھا۔ جو ان کے والد مرحوم
۔ وہ ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ محنت استقلال ، دیانت اور سادگی یہ ان کے جوہر خاص
ن کے والد کشمیر میں تو حالات کی مجبوریوں سے کامیاب نہ ہو سکے تھے لیکن انہوں نے اس
کے مطابق " اگر پدر نتواند۔ پسر تمام کند۔ اسلام آباد میں "گبہ سازی" کا وہ کارخانہ قائم
سارے کشمیر میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اس صنعت میں انہوں نے ایسی ایسی عجیب
اختراعیں کیں اور ایسے ایسے ڈیزائن نکالے کہ دیکھنے والے دیکھتے تھے اور انگشت بدنداں
تھے۔

گبہ انڈسٹری کو درحقیقت آپ ہی کی محنت و ذہانت سے فروغ وعروج نصیب ہے۔ ہندوستان کے ہر گوشہ سے سیاح آتے ہیں اور ہزار ہا روپے اس صنعت پر قربان کر جا[تے] ہیں۔ اس فن کو آپ نے جس طرح ترقی دی ہے اس پر یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ آپ کشمیر کی ا[س] صنعت کے مجدد بلکہ موجد ہیں۔ کشمیر میں ہر سال نمائش ہوتی ہے اور ہر سال ہی آپ کو اس صنع[ت] میں کمال حاصل کرنے پر گورنمنٹ جموں و کشمیر کی طرف سے سنہری تمغہ اور سرٹیفکیٹ ملا کرتا ہے۔

جب ۱۹۳۵ء میں لاہور میں آل انڈیا ایگزیبیشن کا انعقاد ہوا تھا جس میں پنجاب ہندوستان کے ہر حصص اور کشمیر سے بھی بڑے بڑے تاجر آئے تھے تو اس نمائش میں بھی گبہ ساز[ی] * کے اعلیٰ نمونوں پر حکومت پنجاب نے ایک تمغہ عطا کیا تھا۔ ۱۹۴۷ء میں ہر ہائنس مہارانی صا[حبہ] کشمیر نے جب آپ کے کارخانہ کے بہترین نمونے دیکھے تو ایک سرٹیفکیٹ عطا فرما کر اپنی خوشنو[دی] کا اظہار کیا آپ اس شہرت اور عظمت اور اس عظیم کارخانہ کا مالک ہونے کے باوجود نہایت س[ادہ] زندگی بسر کرتے ہیں۔ آپ کا دستر خوان بڑا وسیع ہے۔ اور '' بریں خواں یغما چہ دشمن چہ دوس[ت] '' کا صحیح مصداق ہے۔ آپ نہایت مہمان نواز، خوش اخلاق اور نیک دل بزرگ ہیں۔ قو[می] کاموں میں بھی حصہ لیا کرتے ہیں۔ **

آپ کے تین فرزند ہیں۔ شیخ محمد عبداللہ، شیخ عبدالاحد، شیخ محمد رمضان جو بالعموم منش[ی] رمضان کے نام سے مشہور ہیں۔ اول الذکر ہر دو اصحاب تجارت اور سرکاری ٹھیکہ داری کا[م] کرتے ہیں اور موخر الذکر قومی کاموں میں دلچسپی لیا کرتے ہیں۔

☆

* گبہ سازی کے نام سے ایک چھوٹا سا پمفلٹ بھی آپ کے فرزند منشی محمد رمضان نے لکھا ہے جو دو آنہ کے ٹکٹ فیکٹری اسلام آباد کشمیر سے مل سکتا ہے۔

** دوران کتابت ہذا میں یہ افسوس یہ خبر ملی۔ کہ آپ ۹ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۴ پوہ ۱۹۹۹ بکرمی موافق ۱۸ دسمبر اسلام آباد میں انتقال فرما گئے۔

خاندان میرزایان کشمیر

شجرہ نسب

- قاسم بیگ
  - عنایت بیگ
    - میرزا ولی بیگ
      - میرزا احد
        - زاسیف الدین مصنف لاصۃ التواریخ کشمیر لاولد
        - میرزا غلام محی الدین
          - رزا نور الدین
          - میرزا اسد الدین سعد
            - رزا غلام نبی
              - رزا نور الدین
              - میرزا محمد شفیع
            - میرزا محمد امین لاولد
        - میرزا عزیز الدین
          - میرزا غلام محمد
            - میرزا غلام حسین
          - میرزا غلام مصطفےٰ
            - میرزا غلام جیلانی
              - میرزا سیف الدین
        - میرزا قمر الدین
          - صدر الدین
            - میرزا بہاؤ الدین
            - میرزا نجم الدین
              - میرزا نذیر احمد
              - میرزا غلام محمد
            - میرزا غلام حسین
        - میرزا بدر الدین
          - میرزا جلال الدین
            - میرزا کمال الدین
              - میرزا بدر الدین

کشمیر کے اس خاندان کا کچھ تاریخی تذکرہ تاریخ اقوام کشمیر میں ہو چکا ہے لیکن اس
بعض افراد کے حالات کسی فروگزاشت کی وجہ سے رہ گئے ہیں اور بعض کے حالات بالکل مختصر طور پر
ئے ہیں اس لیے اب اس خاندان کا تاریخی و ادبی تذکرہ کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

بزمانہ شاہجہان امرائے ترکستان سے ایک بزرگ قاسم بیگ نام ۱۰۵۵ھ میں بعض ملکی
ندانی وجوہات سے دہلی میں جوان ایام میں مرجع امراء و فضلا تھی آئے۔ دربار دہلی نے عزت
نیر فرمائی۔ ان کے فرزند عنایت بیگ کی تقدیر اور بھی چمکی۔ وہ ۱۰۷۵ھ میں اورنگ زیب کے
ناب کشمیر میں تشریف لائے۔ اور شہنشاہ کی عنایات خسروانہ سے مستفید ہوتے رہے۔ انہوں

نے عالمگیر سے لے کر محمد شاہی عہد تک کئی دور دیکھے اور طویل عمر پائی۔ ان کے فرزند میرزا ولی اوران کے فرزند میرزا احد تھے۔ یہ بھی طویل العمر بزرگ گزرے ہیں۔ میرزا احد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں کشمیر کے ایک زبردست اہل قلم انشا پرداز اور بے لاگ مورخ تھے۔ بلکہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ان کو ان خدمات کے صلہ میں جو صاحبان انگریزی کی وہ بجالایا کرتے تھے۔ پنشن بھی عطا کرتے تھے۔ جیسا کہ بیرن ہیوگل صاحب اپنے سفرنامہ کشمیر (مطبوعہ ۱۸۳۵ء) میں لکھتے ہیں۔ ''یہ ظاہر نہ کرنا بے حد بے انصافی ہوگی۔ کہ کشمیر کے سائنٹیفک اور دیگر حالات کی اطلاع اور فراہمی میں میرزا احد کی قابلیت اور ذہانت کا کافی حصہ ہے۔ اسی سلسلہ میں میرزا مذکور نے مسٹر جیک گومونٹ کی جو خدمات ادا کی ہیں ان کے صلہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے ان کو ایک گاؤں جاگیر میں ملا تھا۔''

ان خدمات کی وجہ سے میرزا احد کا سرکار انگریزی کے ہاں بھی کافی رسوخ تھا۔ سکھوں کے زمانہ میں جو انگریز سیاح کشمیر آیا کرتے تھے۔ وہ ان کو ہر قسم کی سہولت سیر و سیاحت کے دوران پہنچاتے تھے۔ اس کے علاوہ سرکار انگریزی کی طرف سے وہ کشمیر میں وقائع نگار بھی مقرر تھے۔ ان کو پانچ صد روپیہ سالانہ اور مواجب بھی اس صلہ میں ملا کرتا تھا۔ جیسا کہ ۲۳ اپریل ۱۸۳۹ء کے حکم سے جس پر انگریزی میں دستخط ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے۔ وہو ہذا شرافت نشان میرزا احد...... چوں لیاقت و کیاست ایشاں بوجہ احسن ہویدا۔ لہٰذا تر او قائع نویسی کشمیر بموجب پانچ صد روپیہ سالانہ مقرر نمود شود۔ از اول ماہ جنوری ۱۸۳۸ء تقریب مواجب برائے خدمات مذکور خواہند یافت۔''

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ سرکار انگریزی کے دربار میں ان کو کافی رسوخ حاصل تھا۔ اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کا قابل و لائق فرزند مرزا سیف الدین جو انشاء پردازی، خوشنویسی اور ذہانت طبعی میں اپنے والد کا نمونہ تھا۔ ان کی جگہ سرکار انگریزی کی طرف سے کشمیر میں وقائع نگار مقرر ہوا۔

اس زمانہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کشمیر کے فرمانروا تھے۔ میرزا سیف الدین کے توسط سے ڈوگرہ حکومت اور دولت انگلشیہ کے مابین سلسلہ مودت و اتحاد روز بروز ترقی پذیر ہوتا رہا۔ ۱۸۵۹ء میں جان بلر ڈپٹی کمشنر (پنجاب) افسر آن سپیشل ڈیوٹی مقرر ہو کر کشمیر تشریف لائے تھے۔ وہ میرزا سیف الدین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آپ میرزا احد کے فرزند ہیں جن کا ذکر دگنی اور بیرن ہیوگل نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا ہے۔ آپ ایک برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔"

۱۸۵۹ء میں ولیم فورڈ نام ایک معزز انگریز سیر کشمیر کو آیا۔ اس نے میرزا سیف الدین کی خدمات سے خوش ہو کر ان کو خوشنودی مزاج کی سند عطا کی۔ لیفٹیننٹ گورنر پنجاب نے جب یہ سند ملاحظہ کی تو میرزا صاحب کو خوشنودی مزاج کے علاوہ ایک خلعت بھی عطا ہوا۔ جیسا کہ ذیل کے حکم سے ظاہر ہے۔

مہر محکمہ گورنمنٹ عالیہ ۱۸۵۹ء

گرامی قدر میرزا سیف الدین کشمیر۔

"تمہاری عرضی ۳ نومبر ۱۸۶۰ء معہ دو قطعہ سرٹیفکیٹ انگریزی عطیہ ولیم فورڈ صاحب بہادر ملاحظہ نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک پنجاب وغیرہ میں گزرے۔ نواب بہادر سرٹیفکیٹ دیکھ کر خوش ہوئے۔ دوشالہ خلعت عطا ہوتا ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔" ۱۰ نومبر ۱۸۶۰ء۔

معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں آپ کی عمر کافی منزلیں طے کر چکی تھی۔ اور آپ بوجہ ضعیف العمری وقائع نگاری اور صاحبان انگریزی کی ہمرکابی کی خدمات ادا کر سکنے کے قابل نہ تھے۔ اس لیے آپ نے لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سے اجازت مانگی کہ ان کی جگہ ان کا بھائی میرزا قمر الدین مقرر فرمایا جائے۔ چنانچہ صاحب لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کے بھائی کو کشمیر کی وقائع نگاری کے عہدہ پر مقرر فرمایا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے میجر ہچر صاحب افسر آن سپیشل ڈیوٹی تھے۔

چنانچہ آپ کی عرضداشت کے مطابق آپ کے برادر خورد میرزا قمر الدین کشمیر میں عہدہ وقائع نگاری پر مقرر کیے گئے اور جموں کی وقائع نگاری فدا حسین نام کسی بزرگ کے سپرد ہوئی۔

میرزا سیف الدین نے ترک ملازمت کے بعد میجر جان ہچر کے ارشاد کے مطابق ۱۸۵۹ء میں خلاصۃ التواریخ کے نام سے فارسی زبان میں کشمیر کی ایک تاریخ لکھی جس میں ہندو عہد قدیم کے بعض دور از کار اور بعید از عقل باتوں سے قطعاً کنارہ کشی کرتے ہوئے ان کی تعمیرات (منادر اور دیہات کی آبادی اور بنا) کا ذکر کیا اور لکھا کہ "ہنگام ملاحظہ آں قدرت وقوت

بازوئے آنہا معلوم مے شود۔ موجب حیرت مے گردد۔''

آپ نے اس تاریخ میں اپنے عہد کے واقعات لکھنے میں بھی آزاد خیالی اور راست نگاری سے کام لیا ہے۔ آپ نے اس تاریخ میں اپنے والد کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ ان کے والد کا بھی انگریزوں کے ہاں کافی رسوخ تھا۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔ بعد حکومت خالصہ و بدوران نظامت دیوان کرپارام ۱۸۳۱ء میں ایک فرانسیسی پونچھ کے راستے کشمیر آرہا تھا۔ اثنائے راہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قلعہ دار نہال سنگھ نے اسے روکا اور اس وقت تک اسے آگے جانے نہ دیا۔ جب تک کہ پانچ صد روپیہ نانک شاہی اس سے نہ لے لیا۔ میرزا احد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے میر لشکر و لارڈ صاحب کی تحریر کے بموجب اس کے استقبال کو گئے اور ہمراہ لے کر کشمیر آئے۔

میرزا سیف الدین کی وفات کے بعد ان کے بھائیوں میں سے میرزا غلام محی الدین تو مہاراجہ گلاب سنگھ کے درباریوں میں رہے اور دوسرے بھائیوں نے ریاست میں ملازمت اختیار کرلی۔ میرزا غلام محی الدین صاحب ثروت ہونے کے باوجود نہایت سادہ مزاج حلیم الطبع علم دوست اور تقویٰ شعار بزرگ تھے۔

میرزا سعد الدین احمد سعد جو کشمیر کے نامور ادیب اور شاعر تھے۔ میرزا غلام محی الدین ہی کے فرزند ثانی تھے۔ آپ شرفاء و علماء کشمیر میں شرافت نسبی تہذیب اخلاق، استعداد علمی کے اعتبار سے امتیاز خاص رکھتے تھے۔ وزیر وزارت کے عہدہ سے علالت طبع کے باعث مستعفی ہوکر کتب بینی اور صحیفہ قدرت کی ورق گردانی میں اوقات گزارتے تھے۔ آپ کا فارسی کلام نہایت پختہ اور اعلیٰ پایہ کا ہے۔ آپ کی وہ فارسی نظم جو مولانا شبلی مرحوم کے ورود کشمیر کے موقع پر آپ نے مولانا موصوف کے قصیدہ کے جواب میں لکھی ہے۔ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اردو میں بھی شعر کہتے تھے لیکن بہت کم اور آپ کا بھی میرزا غالب کی طرح یہی خیال تھا کہ: '' بگذر از مجموعہ اردو کہ بیرنگ من است'' چنانچہ اپنی ایک اردو نظم ''کشمیر کا دلچسپ فوٹو'' میں خود ہی کہتے ہیں۔

آج اردو میں ہے لکھا حال کچھ کشمیر کا
گو زبان فارسی پر سعد کو ہے اختیار

تحفہ سعد (مطبوعہ ۱۳۲۰ء) میں آپ کی یہ نظم فارسی اور اردو نظموں کے ہمراہ چھپ چکی

ہے۔آپ کشمیر کے سب سے پہلے قومی شاعر ہیں جنہوں نے قومی پستی سے متاثر ہوکر ''نوحہ پُر تاثیر کشمیر'' کے عنوان سے دلوں کو تڑپا دینے والی ایک نظم لکھی تھی۔

مولانا شبلی نعمانی نے اپنے قصیدہ شکریہ کشمیر میں میرزا اسعد کے متعلق لکھا:

خاصہ مخدوم من دیارمن و یاور من

میرزا و سعد کہ در شہر امیر الامراست

آنچہ بامن زسرختہ نوازی کرداست

ہر بن موئے ہنوزم زسپاسش گویاست

آپ نے ۱۸۹۹ء میں اس کے جواب میں قصیدہ سعدیہ لکھا۔اس کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں۔

چشم بددور بصیر و نظرش ہست وسیع

ایں ہم دال برانست کہ عین العلما ست

در فضیلت بودش فضل بہ جمع فضلا

میتواں گفت کہ ایں فضل مگر فضل خداست

بحر مواج فصاحت کہ ز فیض نیساں

ہست ہر قطرہ گہر ہر گہرش بیش بہا است

شعر نے سحر بود سحر مگر اعجاز است

خامہ در کف او راست عصائے موسا است

شبلی اے جان معانی بہ لقب نعمانی

کہ بود والہ تو والہ وشیدا شیداست

اختر طالع سعد است ہما نا مسعود

کہ زمہر تو دلش ایں ہمہ درکسب ضیا است

ایک نعتیہ قصیدہ میں رقم فرماتے ہیں:

اے بہ چرخ انبیا ذات تو رخشاں آفتاب
وے بہ برج اصطفا قدر تو چوں تاباں شباب
از پئے نظم جہاں کرد است استاد ازل
شاہ ہیت ذاتت از دیوان ہستی انتخاب
روضہ پاکت کہ رضواں مے کند زاں کسب نور
مرجع شاہان عالم مامن ہر شیخ و شاب

آپ بہ عمر اڑتالیس سال ۱۹۰۵ء میں انتقال فرما گئے۔ آپ کے فرزند کلاں میرزا غلام نبی مرحوم محکمہ ابریشم میں انسپکٹر تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ ایک میرزا نوالدین ایم اے جو محکمہ کسٹم میں ڈپٹی انسپکٹر ہیں۔ دوسرے میرزا محمد شفیع جو گھر کے کاروبار میں مصروف ہیں۔

میرزا سیف الدین کے تیسرے بھائی میرزا عزیزالدین بھی ریاست کے معزز عہدوں پر سرافراز رہے۔ آپ نے اپنی ملازمت کا زمانہ نائب وزیر، وزیر وزارت، افسر ڈول جنسی کی حیثیت سے بڑی نیک نامی اور حسن انتظام کے ساتھ گزارا۔ محکمہ ڈول جنسی ہی کا نام آج کل محکمہ فوڈ کنٹرول ہے۔ ذہانت طبع اور ملکی سیاسی معاملہ فہمیوں میں آپ اپنے برادر اکبر میرزا سیف الدین سے کم نہ تھے۔ آپ کے فرزند ثانی میرزا غلام مصطفیٰ نے اپنے مقتدر خاندان کا نام اور بھی روشن کیا۔ آپ ۱۹۱۴ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ سخن ور اور سخن گو تو نہیں۔ لیکن سخن فہم اس درجہ ہیں کہ آپ کو ہزارہا فارسی اشعار نامور استادوں کے یاد ہیں۔ فارسی تو اس خاندان کی خانہ زاد زبان ہے۔ اردو کے علاوہ عربی اور انگریزی میں بھی آپ کو حسب ضرورت مہارت ہے۔

جنوری ۱۸۸۳ء میں بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ ڈاکٹر سورج بل جج عدالت عالیہ کے ہاں جوڈیشل کام سے واقفیت حاصل کی۔ ۱۸۸۴ء میں نائب عدالت صدر سری نگر پھر محکمہ افسر تصفیہ بقایا ۱۸۸۶ء میں افسر نگرانی جنسی ۱۸۸۸ء میں مصاحب دربار گورنر اور ۱۸۹۳ء گورنر کشمیر کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

۱۸۹۵ء اور ۱۸۹۹ء میں تحصیل دار اور وزیر وزارت وغیرہ رہ کر ۱۹۰۴ء میں کشمیر کے اسسٹنٹ گورنر مقرر ہوئے۔ مسٹر لارنس (بعد میں سر لارنس مصنف ویلی آف کشمیر) مہتمم

بندوبست کی زیر نگرانی کام کر کے ان سے خراج تحسین حاصل کیا۔ ان کے علاوہ کشمیر کے ریذیڈنٹ صاحبان مسٹر ٹالبٹ، مسز کالون، مسٹر پلرس، سر فرانسس ینگ ہسبنڈ وغیرہ یورپین اصحاب سے اپنی خدمات کے صلہ میں انعام واکرام اور سندات حاصل کرتے رہے۔

وائسیر ایان ہند میں سے جب لارڈ لینس ڈاؤن اور لارڈ منٹو اور سپہ سالار افواج ہند لارڈ کچز اور سردار ایوب خاں اور پنجاب کے لاٹ صاحبان کشمیر آتے رہے تو ان سب کی آؤ بھگت اور مہمانداری آپ ہی کے سپرد ہوتی رہی۔ اور تمام معزز مہمان اپنے گراں بہا الفاظ کے ذریعہ آپ کی حسن خدمات کا اعتراف کرتے رہے۔

۱۹۱۵ء میں آپ کو گورنمنٹ ہند نے خان صاحب کا خطاب عطا کیا۔ ۱۹۱۶ء مطابق ۱۹۷۳ بکرمی میں طویل سرکاری خدمات کے بعد آپ نے پنشن حاصل کر لی۔ ۱۹۲۹ء میں آپ زیارت حرمین الشریفین کے لیے تشریف لے گئے۔

مسلمانان کشمیر کچھ تو آفات ارضی وسماوی کی بدولت مفلوک الحال چلے آتے تھے اور کچھ اپنی مراسم مذموم شادی وغمی کی وجہ سے قعر پستی میں گرے جا رہے تھے اس لیے آپ نے ۱۹۱۱ء میں قومی احساس اور قومی درد کے جذبہ سے متاثر ہو کر مسلمانان کشمیر کی فلاح و بہبود کے لیے سوشل ریفارم کا بیڑا اٹھایا اور اہالیان شہر کے مشورہ سے ایک ایسا دستور العمل رسومات شادی وغمی کا مرتب کیا۔ جو حقیقتاً مسلمانوں کی اقتصادی پستی کا ایک بہترین علاج تھا۔ آپ بفضل خدا ابھی تک بقید حیات ہیں۔

آپ کے اکلوتے فرزند میرزا غلام جیلانی ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے اور سری پرتاب کالج سری نگر سے آپ نے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد چند ایک نان گزیٹیڈ ملازمتوں میں رہے۔ ۱۹۲۹ء میں گورنمنٹ کشمیر و جموں کی طرف سے کوآپریٹو سوسائٹیز کی ٹریننگ حاصل کرنے کے لیے برٹش انڈیا میں بھیجے گئے۔ وہاں سے ۱۹۳۱ء میں واپس آئے اور انجمن ہائے اتحادی کے محکمہ میں اسسٹنٹ رجسٹرار مقرر ہوئے۔ آج کل آپ ڈپٹی رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز کے عہدہ پر سرفراز ہیں۔

میرزا یوسف الدین کے چوتھے برادر اصغر میرزا قمر الدین تھے۔ جو بھائی کی وفات کے بعد سرکار انگریزی کے ہاں ملازم رہے۔ آپ کے فرزند میرزا صدر الدین تحصیل داری تک پہنچے تھے کہ عین عنفوان شباب میں اجل نے آگے بڑھنے کی مہلت نہ دی۔ آپ کے فرزند کلاں

میرزا بہاء الدین اس وقت پنشن پر ہیں اور دوسرے دو فرزند میرزا انجم الدین اور میرزا غلام حسن انتقال کر چکے ہیں۔ میرزا انجم الدین کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر میں آ چکا ہے۔ میرزا غلام حسین نے بھی نائب تحصیلداری کے ایام میں عین عالمِ شباب میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے فرزند کا نام میرزا قمر الدین ہے۔ آپ ایک مستعد معاملہ فہم اور دوررس پولیس افسر ہیں۔

میرزا سیف الدین کے پانچویں بھائی مرزا بدر الدین (افسر داغ شال) کے فرزند میرزا جلال الدین کو بھی اپنے بعض دیگر افراد خاندان کی طرح سخن گوئی و سخن دانی میں طرہ امتیاز حاصل تھا۔ فارسی زبان میں ان کا مجموعہ کلام ان کے فرزند رشید میرزا کمال الدین شیدا کے پاس موجود ہے۔ ان کے کلام میں نزاکت، بلند خیالی، رنگینی اور سلاست پائی جاتی ہے۔ براق نبوی کی تعریف میں لکھتے ہیں۔

تگا ورنہ صبا رفتار ابرے
بزور و شور چوں غراں نہر برے
نگاہ ورنہ یکے دریائے جوشاں
بسان ابر نیسا نے خروشاں
تگا ورنہ چوکہ باد رفتار
چو آتش تند چوں نیساں بہ کردار
دمش چوں زلف مجبوباں مسلسل
دمش عطری براقشن بس مکلل

میرزا جلال الدین بہ عمر چہل سال ۳۰ مارچ ۱۹۱۲ء کو وفات پا گئے۔ نہایت شریف پرور دوست نواز اور خوش اخلاق تھے۔ سوپور سے ہندواڑہ تک سولہ میل کی جو سڑک ہے اس کے دونوں طرف لمبے لمبے اور سرسبز و سایہ دار سفیدوں کی جو پلٹن کھڑی ہے۔ وہ خواجہ عزیز الدین عشائی تحصیلدار مرحوم اور میرزا جلال الدین تحصیل دار مرحوم کے زمانہ ہی کی یادگار رہے۔

آپ کی وفات پر ہنر ہائنس مہاراجہ سر پرتاب سنگھ بہادر نے ۱۲ چیت ۱۹۶۸ بکرمی مطابق ۲ اپریل ۱۹۱۲ء کو آپ کے چچیرے برادر بزرگ میرزا غلام مصطفٰی صاحب وزیر وزارت کو اس بے وقت موت اور اس المناک صدمہ کی ہمدردی کا تار ارسال کیا۔ اس موقع پر اکثر شعرا نے

مرحوم کے ماتمی اشعار لکھے۔ منجملہ ان کے خواجہ امیر الدین نے ایک طویل مرثیہ لکھا۔ جس کا بند اول ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

در سینہ دبے نیست کہ بے تاب دتبے نیست

بے شیون دبے نالہ دبے آہ بے نیست

فریاد و بکا شور و فغاں بے بسے نیست

گر پیر نود سالہ بمیرد بعجبے نیست

ایں ماتم سخت است کہ گویند جوانمرد

میرزا کمال الدین شیدا آپ کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ باپ کی وفات کے وقت دس سال کی عمر تھی۔ ۱۶ اپریل کو آپ کی رسم دستار بندی عمل میں آئی۔ اس زمانہ میں چودھری خوشی محمد گورنر کشمیر تھے۔ ایک عظیم اجتماع میں آپ نے منجانب سرکار آپ کے لیے یک جوڑہ شال وغیرہ کا خلعت عطا کیا۔ آپ میرزا غلام مصطفیٰ کے دامن تربیت میں پرورش پاتے ہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں ایس پی کالج سے ۱۹۲۶ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۳۱ء میں ارڈ افسر اور اسی سال سری نگر میونسپلٹی کے سیکرٹری مقرر ہو گئے۔ دو سال کے بعد آپ کی خدمات موں میونسپلٹی میں بحیثیت پریذیڈنٹ منتقل ہو گئیں۔ لیکن ۱۹۴۱ء سے آپ پھر سری نگر میں بحیثیت یونسپل سیکرٹری خدمات بجا لا رہے ہیں۔

ادبی و علمی ذوق اور سخن گوئی و سخن فہمی کا شغف آپ میں وراثتاً چلا آتا ہے۔ اردو میں عر کہتے ہیں اور حق یہ ہے کہ خوب کہتے ہیں۔ آپ کے اشعار بلند خیالی، مضمون آفرینی، بندش ماظ اور صحیح شاعری کا ایک اچھوتا نمونہ ہیں۔ آپ نے ایک طویل نعتیہ مسدس لکھا ہے۔ اس کا لا بند ہی ملاحظہ فرمائیے۔ کس جوش کس درد اور کس اخلاص سے کہتے ہیں۔

مضراب درد سے ہیں نوا سنج ساز دل

ہے مایہ حیات پہ ہمیں سوز و ساز دل

چلتے ہیں آج کہنے کو آقا سے راز دل

محراب عشق سے ہے سجود نماز دل

کرتے ہیں آج خواجہ یاسیں سے عرض حال
مدت سے دل ہے گردش گردوں سے پائمال

ایک ندی کو کوہ زادی بلکہ ملکہ کوہسار کا خطاب دیا ہے۔ دیکھئے اس کی روانی اور اس کی آپ بیتی کو کن پرشکوہ الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

کوہساروں سے جو اتراتی ہوئی آتی ہوں میں
جنگلوں میں بستیوں میں ناچتی گاتی ہوں میں
کوہ زادی ہوں میں میرے پاسباں چیل و چنار
مہ جبیں ہوں ملکہ کہسار کہلاتی ہوں میں
آکے برفانی پہاڑوں سے برہنہ سیم تن
شرم کے مارے پگھل کر آب ہو جاتی ہوں میں
میرے پہلو میں نہاں ہے اک دل پُر اضطراب
اس کو اک گہوارہ سنگیں میں بہلاتی ہوں میں
دل ہی دل میں اک خلش محسوس کرتی ہوں ضرور
اپنے اندر ایک جذبہ موجزن پاتی ہوں میں
ہے مری افتادگی میں سر بلندی کا مقام
سینہ فوارہ میں چھپ کر اچھل جاتی ہوں میں
ہارون میں نغمہ ریزی سے مری فردوس گوش
مل کے دہقاں زادیوں سے لوریاں گاتی ہوں میں
گاؤں میں ہنگامہ ہائے زیرو بم میرے بلند
آگے کچھ چل کر مگر خاموش ہو جاتی ہوں میں
بزم آرائی ہے میری باغ شالامار میں
جوئباروں لالہ زاروں میں نظر آتی ہوں میں

چومتی ہے ہر کلی رخسار جھک جھک کر مرے
سبزہ خوابیدہ سے آ کر لپٹ جاتی ہوں میں
ہاں اچھلتی کودتی ہوں خیمہ اشجار میں
گیسوئے محبوب کی مانند بل کھاتی ہوں میں
یہ جوانی ہے مری خالص فسون پیچ و خم
مست ناگن کی طرح مستی میں لہراتی ہوں میں
اس جگہ اے ملکہ ہندوستاں نورجہاں
تیری صحبت یاد آتی ہے تو گھبراتی ہوں میں
جھاڑیوں میں سے گزر کر کشت دہقاں سینچ کر
جھیل ڈل کے بیکراں پانی میں کھو جاتی ہوں میں

☆

خاندان مسعودیہ سہروریہ

شجرہ نسب

خواجہ صدرالدین

حضرت خواجہ مسعود پانپوری — خواجہ محمد پارسا

خواجہ بابا محمد یوسف

خواجہ بابا محمد طاہر

بابا محمد صادق — بابا محمد اعظم — بابا محمد فاضل — عبدالقادر — عبدالرزاق

بابا محمد صالح — بابا عبدالسلام — بابا عبدالوہاب — محمد طیب

بابا عبدالغنی — بابا محمد منور — بابا عبدالرزاق

بابا عبدالقدوس — بابا محمد میرزا

بابا محمد شاہ

پیر احمد شاہ — پیر عبدالغنی — پیر محمد عبداللہ شاہ

پیر عبدالقادر آثم

غلام حسین — علی محمد

اس خاندان کی سینہ بہ سینہ روایات کے مطابق ان کے آباؤ اجداد بھمبر کی راجپوت اقوام سے تھے اور وہیں سے کشمیر میں آئے تھے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان کا قبول اسلام بھمبر اور میر پور (قلمرو جموں) کی چب اور دیگر راجپوت اقوام کے مشرف بہ اسلام ہونے کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے یا اس خاندان کے کسی بزرگ نے کشمیر ہی میں آ کر اسلام قبول کیا تھا۔ بہر حال اس خاندان کے جس سب سے پہلے بزرگ کا نام تاریخ میں آتا ہے۔ وہ خواجہ صدرالدین تھے اور بقول صاحب ہدایۃ المخلصین وہ شیخ بابا ہردی ریشی اسلام آبادی کے مرید تھے۔ خواجہ مسعود پانپوری آپ کے وہ فرزند رشید ہیں۔ جو قدوہ اہل شہود کہے جاتے ہیں آپ کا ذکر کشمیر کی اکثر تاریخوں

موجود ہے۔ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ شیخ بابا داؤد خا کی کے حلقہ ارادت میں تھے۔ علم تفسیر و
سے واقف تھے۔ جو کچھ بطور ہدایا و فتوحات ملتا تھا وہ فقیروں اور مسکینوں میں بانٹ دیتے
۔ اپنا اور اپنے اہل وعیال کا گزارہ اپنی زعفرانی زمین کی پیداوار پر کیا کرتے تھے۔ یہ عمر تریسٹھ
ں ۵ صفر ۱۰۲۱ھ کو پانپور میں انتقال فرما گئے۔ یہ زمانہ جہانگیر کی ابتدائی حکومت کا تھا۔ شیخ عالی
ب کی تاریخ وفات ہے۔ آپ کے خرقہ کی زیارت آپ کے عرس پر ہر سال ہوا کرتی ہے۔ شیخ
یف الدین معروف بہ شوگہ بابا آپ کے خلفا میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔ سال وفات ۲۱
۱۰۲۷ھ مدفن مقبرہ مرشد۔ آپ کا فرزند بابا محمد یوسف اور آپ کے پوتے بابا محمد طاہر بھی آپ
کے خلفا اور تربیت یافتہ تھے۔

بابا محمد طاہر کا ذکر صاحب اسرار الابرار بابا داؤد مکی مشکواتی نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں
''فقیر صحبت او نعمت عظمیٰ دانستہ کہ از یں طائفہ مثل او کسے نمائندہ'' بابا داؤد مشکواتی شاہجہان اور
لگیر کے زمانہ میں صاحب حیات تھے۔ بابا محمد طاہر کے کئی فرزند تھے۔ بابا ملا امان اللہ پانپوری
شمیر کے نہایت معتبر عالم اور صوفی منش بزرگ تھے۔ انہی کے ایک فرزند بابا عبدالرزاق کی
دسے تھے۔ اور اخوند لسہ بابا انہی ملا امان اللہ پانپوری کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔

بابا محمد طاہر کے فرزند اول بابا محمد صادق، صاحب تحفۃ الفقراء خواجہ محمد مراد نقشبندی کے
صر تھے۔ انہوں نے اپنے تذکرہ میں ان کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ نہایت متمول اور صاحب
ر بزرگ تھے۔ آپ نے اپنے جد امجد کی خانقاہ اعلیٰ پیمانہ پر اپنی جیب خاص سے تعمیر کرائی۔ لمبی
پاکر آپ عید الفطر کے دن وفات پا گئے۔ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔

آپ کے برادرم دوم بابا افضل آپ کے بعد سجادہ خلافت پر متمکن ہوئے آپ بھی خدا
ت احباب فضل وکمال تھے۔ ۱۱۴۰ھ میں انتقال کیا اور چھ ماہ کے بعد آپ کا اکلوتا فرزند بابا
لسلام بھی اس جہاں سے رخصت ہو گیا۔

آپ کے برادر ثالث بابا عبدالقادر کے فرزند بابا عبدالوہاب علم حدیث وفقہ اور تصوف
بحر تھے۔ سب سے پہلے اپنے خاندان میں آپ ہی نے مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کر
یک کتب خانہ پانپور میں قائم کیا۔ طبیعت موزوں تھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ خط نستعلیق
اور فارسی میں نہایت اچھا لکھتے تھے۔ سردار عبداللہ خان عہد افاغنہ کا گورنر کشمیر آپ کے ارادت
ں میں تھا۔ آخر چونسٹھ سال کی عمر پا کر ۲۶ محرم ۱۱۹۶ھ کو انتقال فرما گئے۔ ''خورشید دین بود''

آپ کا سال وفات ہے۔

ان کے بعد بابا محمد اعظم کے پوتے بابا عبدالغنی (ابن محمد صالح) سجادہ نشین ہوئے۔ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح عالم باعمل تھے۔ آپ نے اور آپ کے دوسرے دونوں بھائیوں نے علیحدہ علیحدہ شان دار عمارتیں پانپور میں تعمیر کرائیں۔ جن میں سے چند ایک اب تک بھی موجود ہیں۔ آپ ۲۹ جون ربیع الاول ۱۲۱۲ھ کو وفات پا گئے۔ تاریخ وفات حسب ذیل ہے۔

عارفاں را موت قرب عزت است
لفظ قرب شیخ شال رحلت است

آپ کے فرزند بابا عبدالقدوس آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ درویش صفت امیر تھے اور فقیر و درویش نواز تھے۔ خواجہ ابوالحسن بانڈے خانیاری کے آپ داماد تھے۔ سکھ حکومت کے دوران میں جہاں اور بیسیوں مسلمان رؤسا پر زوال آیا۔ وہاں آپ کی جاگیرات بھی ضبط سرکار ہو کر کچھ نقدی رقم بطور مقرری مقرر ہوئی۔ ۲۸ رمضان ۱۲۶۲ھ کو رہ گرائے عالم جاودانی ہو گئے۔ ''پیر معظم'' آپ کا سال وفات ہے۔ محمد شاہ آپ کا فرزند اس وقت نابالغ اور کم عمر تھا۔ اس لیے آپ کے ہمشیرزادہ بابا محمد ولی ابن بابا عبدالعلی آپ کے جانشین قرار پائے۔ آپ نے پیر محمد شاہ کی اچھی طرح غور و پرداخت کی۔ آخر طویل عمر کے بعد ۱۸ محرم ۱۲۸۰ھ کو رحلت فرما گئے۔

در ہزار و دو صد و ہشتاد سال
رفت از دنیا ولی باکمال
شہر دہم ماہ محرم وقت شام
داد او را خواجہ نزد خود مقام

پیر محمد شاہ جوان ہو کر جوان صالح ثابت ہوئے۔ نہایت متواضع اور متورع بزرگ تھے۔ آپ کی دو لڑکیاں اور تین صاحبزادے تھے۔ ایک لڑکی (ساجدہ بانو) پیر سید عبدالقادر اندرابی ابن میر عبدالغنی اندرابی ملارٹی اور دوسری (حفیظہ بیگم) خواجہ اکرم شاہ دار ابن خواجہ انور شاہ دار کے عقد میں تھی۔ عین نماز کی حالت میں آپ پر فالج گرنے سے ۵ جمادی الاول ۱۲۷۹ھ کو وفات پا گئے۔

پنجم ماہ جمید الاولین
شہ محمد شد ز دنیا صبح گاہ
شیخ و عارف بود مقبل زد رقم
بہر سالش شیخ عارف بود آہ

پیر محمد شاہ کے خورد سال بچوں کی وجہ سے بابا محمد انور خلف بابا محمد ولی ان کے جانشین
ئے۔ بابا محمد انور نے بہ عمر ہفتاد سال ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ کو انتقال کیا۔ پیر احمد شاہ
لبر پیر محمد شاہ نہایت وجیہہ جوان اور خوش نویس اور موزوں طبع تھے۔ پاؤں میں کچھ چوٹ
ی۔ اسی کے درد سے آخر ۲۲ شعبان ۱۳۰۲ھ کو واصل بحق ہو گئے۔ اسی واقعہ کے متعلق آپ کا
ر ہے:

از کشمکش زمانہ تنگم
دل گشت دو نیم پائے لنگم

پیر محمد شاہ کے فرزند ثانی پیر عبداللہ شاہ نہایت حلیم الطبع متورع اور متشرع تھے۔ درسیہ
خوند عبداللہ پانپوری اور باطنی علوم اپنے خالہ زاد بھائی میاں محمد شفیع کنگال قادری سے
کیے۔ ان کے عہد میں اس خاندان کو از سر نو فروغ حاصل ہوا۔ ۱۳۲۸ھ کی وبائے عام میں
ن کو وفات پائی۔

ان کے منجھلے بھائی پیر غلام نبی ۳ رمضان ۱۲۷۷ھ کو پیدا ہوئے تھے۔ ابھی صغر سن ہی
ن کے بہنوئی میر سید عبدالقادر اندرابی ملاوٹی ان کو سری نگر لے آئے۔ اور اپنا متبنٰی بنا کر
ہ تربیت میں ان کی پرورش کرتے رہے۔ میر عبدالقادر ۲۸ شوال ۱۳۱۰ھ کو فوت ہو گئے۔
ت کے بعد پیر غلام نبی ان کے خلیفہ و جانشین قرار پائے۔ آپ ورد خوانی، ضبط اوقات،
ہ اور نوافل وغیرہ میں سختی کے ساتھ پابند تھے۔ بہ عمر ۵۷ سال ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ کو انتقال
مقبرہ اندرابیہ ملارٹہ میں دفن ہوئے۔

پیر عبدالقادر آپ کے اکلوتے فرزند ۱۰ ربیع الثانی یوم چہار شنبہ ۱۳۱۵ھ کو پیدا ہوئے۔
ت تاریخ ولادت ہے۔ مولوی غلام محمد زگیر، پیر عبدالعلی پاندانی اور مولوی سید میرک شاہ
رہم سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا

طبع موزوں ہے فارسی بلکہ اردو میں شعر کہتے ہیں۔ دیوان فارسی کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ لیکن یہ سب ذخیرہ غیر مطبوعہ ہے۔ فن تاریخ وتنقید سے بھی خوف واقف ہیں۔ آپ کا فرزند اول غلام حسن منشی فاضل کی تیاری کر رہا ہے۔ آپ کے کلام سے چند ایک اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

بود تو اگر واسطہ خلق نہ بودے
ترکیب میسر نہ شدے روح و بدن را
گر ذکر لب لعل تو حوراں بہ نمایند
صد بار بہ گل آب بہ شو یند دہن را

*

''من از آں حسن روز افزوں'' کہ ''پیرس داشت دانستم''
کہ ''عشق از پردہ عصمت بروں آر وکلیسا را''

*

بہ لب صد باز جاں آمد نیامد
مگر محتاج ایمائے تو باشد
درون لالہ دیدم داغ داغ است
جگر خویش زسودائے تو باشد
بہ گلشن برندارد دیدہ نرگس
مریض چشم شہلائے تو باشد
بہ باغ دراغ آثم ملتفت نیست
کہ مشغول تماشائے تو باشد

*

جفا پرور نگارمن وفا کردن نمے دانی
بت سنگیں ولے کار خدا کردن نمے دانی
بہ ہر بیگانہ پیش آئی بہ لطف و مہربانی ہا
نگا ہے از غلط بر آشنا کردن نمے دانی
اہل حل و عقد آثم ترا دانند و من دانم
زکار بستہ خود عقدہ وا کردن نمے دانی
اندر نشیمن جاں جائیتوان ز کردم
نازم دریں نشیمن گر ساعتے نشینی
درد دومان ہستی شمع جہاں فروزی
بر آسمان خوبی خورشید مہ جبی
چومن بیچارۂ را چارہ نبود
بجز ترک ہوائے چارہ سازی
محبت عاقبت محمود دارد
سحر میزد صلا حسن ایازی
زمجنوں گیر درس عشق لیلیٰ
نہ فہمد رمز آں را عقل رازی
اگر آثم رخ رخشندہ خواہی
چو شمع آموز سوز خود گدازی

*

نیار د دیدہ آئینہ تاب عکس رخسارش
شعاع والضحیٰ باشد نقابے آفتابش را
شہید یک نگاہش در شہود ذات مستغرق

زما زاغ البصر کحلے است چشم نیم خوابش را
علی از ہند میزد حلقہ بر در اہل ایراں را
بہ لغت خواجہ لولاک بنو ششم جوابش را
سر بہ خاک قدم خواجہ لولاک انداز
سرآنکہ خاکش نبود برسراو خاک انداز
پردہ برد من از رخ زیبا بردار
درقبائے گل و نسرین و سمن چاک انداز
پائے بیروں بنہ از حجرہ بہ ممبر بنشیں
خطبہ خواں غلغلہ در گنبد افلاک انداز
پارہ کن خرقہ آں صوفیئے پر مکر و ریا
خارہ برشیشہ ایں واعظ بے باک انداز
تازہ کن ملت و دیں جائے بہ محراب گزیں
کفر بیروں زور دہر چو خاشاک انداز
چوں بہ یادت دوجہاں از نظر انداختہ است
نگہ لطف سوئے آثم غمناک انداز
بہار سرور دیں آمد و روح الامیں آمد
مہ میلاد شاہ اولیں و آخریں آمد
گل از جوش مسرت ہا بہ پیراہن نمے گنجد
ریاصیں نافہ پرور عطر افشاں یاسمیں آمد
برضواں امر حق آمد کہ ابواب جہاں بکشا
کہ اندر عرصہ ہستی امام المرسلین آمد
حبیب حق طبیب حاذق بیماریئے عصیاں
دوائے درد دل ہا مرہم جاں حزیں آمد

وانپوری پنڈت خاندان

شجرہ نسب

ستار پنڈت
- وہاب پنڈت
  - رزاق پنڈت
    - دختر
    - دختر
  - فتح پنڈت
    - عزیز پنڈت
      - فرزند
      - دختر
    - جبار پنڈت
    - صمد پنڈت

عبدالکبیر مرحوم | غلام محمد | غلام محی الدین | غلام نبی | محمد اکبر | دو دختر

عبدالرزاق | غلام حسن | حبیب اللہ | انوار احمد | عبدالرشید | دو دختر

پٹھانوں کے زمانہ کا ذکر ہے۔ تحصیل کولگام (کشمیر) کے ایک موضع پنڈت دانپورہ میں ایک پنڈت خاندان اپنے آبائی کاروبار زراعت میں رہا کرتا تھا اس کے ایک ممبر نے ایک بزرگ کے فیض صحبت سے اسلام قبول کرلیا۔ ان کے تین فرزند تھے۔ فرزند اول کی اولاد پنڈت دانپورہ میں اور فرزند سوم کی اولاد کولگام میں موجود ہے اور زراعت پر اس کا گزارہ ہے۔ بلکہ شاخ کولگام بں چند سالوں سے مسلسل ذیلداری چلی آتی ہے۔ منجھلے بیٹے کا نام ستار پنڈت تھا۔ بعض آفات رضی وسماوی کی وجہ سے ستار پنڈت کو علاقہ مراز سے کمراز میں آنا پڑا۔ جہاں اس نے دو آبگاہ کے قام کو جہاں نالہ پہرو اور دریائے جہلم کا اتصال ہوتا ہے۔ اقامت اختیار کرلی۔

ستار پنڈت گو گردش فلک کا ستایا ہوا تھا لیکن ہوشیار اور زمانہ شناس تھا۔ اس نے نہ رف ایک اچھے گھرانہ میں اپنی شرافت اور نیک نامی کی وجہ سے شادی بھی کرلی بلکہ غلہ بٹائی کی ذیلداری بھی اپنے گاؤں میں حاصل کرلی۔ اس زمانہ میں مالیہ جنسی صورت میں لیا جاتا تھا۔ اور پ زمینداروں سے غلہ بٹائی لے کر سرکار کے حوالے کیا کرتے تھے اور اپنی فیس یا اجرت یا میشن بھی بصورت غلہ ہی لیا کرتے تھے۔

ان کے فرزند کا نام جیسا کہ شجرہ نسب سے معلوم ہوگا وہاب پنڈت تھا۔ وہ ستار پنڈت کی زندگی ہی میں دو فرزند چھوڑ کر انتقال کر چکا تھا۔ آپ کو نوجوان فرزند کے انتقال کا اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ ترک دنیا پر آمادہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں دیوان لچھمن داس کشمیر کے ایک جرنیل گورنر تھے۔ وہ جب دورہ کرتے ہوئے ادھر سے گزرے اور ان کو ستار پنڈت کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس کو جزع فزع اور دو نابالغ پوتوں کی موجودگی میں ترک دنیا کے اس ارادہ سے منع کیا اور کہا کہ خدا نے آپ کو دو پوتے دے رکھے ہیں۔ ان کو یتیم چھوڑ کر آپ ان کی حفاظت تربیت پرورش اور نگہداشت سے بے نیاز ہو رہے ہیں۔ آپ کے اسلام نے اس کی کہاں تعلیم دی ہے۔ لازم ہے کہ ان کی خبر گیری کرو۔ تمہارا نام انہی سے زندہ ہو جائے گا۔ چنانچہ آپ نے دیوان صاحب کی ہدایت و نصیحت کے مطابق اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

افسوس ہے ان کا بڑا پوتا اولاد نرینہ سے محروم رہا۔ لیکن دوسرے فرزند فتح پنڈت کی اولاد نے نہ صرف شمالی کشمیر بلکہ ساری ریاست میں دولت عزت، محنت، شہرت اور سیر چشمی و فیاضی کی وجہ سے وہ نام پیدا کیا کہ اس زمانہ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

فتح پنڈت نے رفتہ رفتہ زمیندارہ حیثیت بھی بہت بڑھائی۔ دوآبگاہ کے پاس ایک موضع کا نام جاگیر ہے۔ وہاں رام محال اور لنگیت کے جنگلات سے لکڑی آیا کرتی تھی اور اسی وجہ سے یہاں ایک لکڑی منڈی بہت بڑے پیمانے پر قائم ہو گئی تھی۔ فتح پنڈت اس موضع کے نمبردار تھے اور جس قدر لکڑی اس منڈی میں نشان کے بغیر آیا کرتی تھی۔ وہ سرکاری طور پر بھی نمبرداری کے عوض ان کا حق اور حصہ سمجھی جاتی تھی۔ اب اسی موضع کا نام منڈی جاگیر ہے۔

سر راجہ امر سنگھ اپنی جاگیر لنگیت کی وجہ سے عموماً ہر سال اس علاقہ کا دورہ کیا کرتے تھے۔ وہ آپ کی مستعدی اور کاروباری زندگی سے بہت خوش ہوا کرتے تھے اور بطور خوشنودی مزاج ہر سال آپ کو ایک شال قیمتی عنایت فرمایا کرتے تھے۔

باسٹھ سال کی عمر تھی کہ ۱۹۶۴ بکرمی میں تھوڑی سی علالت کے بعد آپ دوآبگاہ میں انتقال فرما گئے۔

آپ کے فرزند کلاں عزیز پنڈت نے باپ کی وفات کے بعد مستقل طور پر سوپور میں سکونت اختیار کر لی اور چونکہ آپ کے برادر جبار پنڈت کا نکاح سوپور کے نامور رئیس خواجہ رحمان ڈار کی ہمشیرہ سے ہو چکا تھا اس تعلق کی وجہ سے آپ نے بھی اپنا عقد ثانی رحمان ڈار ہی کے

خاندان میں کیا۔ اور سوپور میں نقل مکان کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ بلکہ بود و باش بھی رحمان ڈار ہی کی عالی شان کوٹھی میں پسند کی۔

رحمان ڈار کے والد رجب ڈار اور چچا احمد ڈار نے جامع مسجد کی تعمیر میں لکڑی بہم پہنچا کر بڑی مدد دی ہے۔ بنڈپورہ میں دو مسجدیں بھی ان دونوں بھائیوں سے یادگار ہیں۔ ان کے علاوہ سوپور کے محلّہ لالہ صاحب میں رجب ڈار اور احمد ڈار نے اپنے محلّہ میں ایک مسجد تعمیر کرائی۔ نیز مسجد کے نام پر ایک باغ بھی وقف کر دیا۔ دونوں بھائی بڑے مخیّر تھے۔ غربا کو ارزاں قیمت پر اور وہ بھی بعض اوقات ادھار شال دیا کرتے تھے۔ رحمان ڈار بھی اس معاملہ میں اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ جب ان کے پاس توز کا ٹھیکہ تھا تو انہوں نے کئی مسجدوں کے بام برگ ہائے توز سے مرمت کرائے۔ مسجد خانقاہ معلّیٰ اور مسجد بابا یوسف کی طرف ان کی خاص توجہ تھی۔ سوپور میں رحمان ڈار اور خواجہ عبدالغنی وکیل مرحوم اس زمانہ میں چند ہستیوں میں تھے جن کو قومی احساس تھا اور جن کے دم قدم کی بدولت انجمن نصرت الاسلام سری نگر کے علاوہ دیگر انجمنوں کو بھی مدد ملا کرتی تھی۔ افسوس ہے رحمان ڈار اس دنیا سے لاولد ہی فوت ہو گئے۔

بہر حال اس علیحدہ رہائش پر بھی تجارتی کاروبار تینوں بھائیوں کا مشترک ہی تھا۔ ان کی لکڑی منڈیاں دوآبگاہ، سوپور، سری نگر اور جہلم تک پھیلی ہوئی تھیں اور حدود ریاست میں لکڑی کا کوئی ریاستی ٹھیکیدار ان کی برابری نہ کر سکتا تھا۔

آپ کو خدا نے اولاد تو دی لیکن آپ کی زندگی ہی میں اس بے نیاز مولا کریم نے اپنی امانت ان سے بہت جلد واپس لے لی۔

آپ کے تموّل سے مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام کے غریب غرباء کو بھی فائدہ پہنچتا رہا ہے۔ ۱۹۶۸ بکرمی میں جب سوپور کا بازار اور اس کے چند ملحقہ مکانات آتش زدگی کی نذر ہو گئے۔ تو آپ نے بلاتمیز مذہب و ملت ہندوؤں اور مسلمانوں کو لکڑی بطور قرض حسنہ عطا کی بلکہ بعض غربا کو جن میں دونوں فرقہ کے حق دار شامل تھے۔ مفت لکڑی عنایت کی۔ غرض آپ کے چشمہ فیض سے بقدر حصہ ہر مستحق مستفیض ہوتا تھا۔ آپ نے قومی اور مذہبی کاموں میں ہمیشہ اپنی گہری دلچسپی کا اظہار کیا ہے جس زمانہ میں منشی غلام محمد خادم آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس کے سفیر تھے ان کی معرفت ہر سال آپ کشمیری کانفرنس اور کشمیری اخبار کی مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔

محلّہ مسجد کے علاوہ سوپور کی جامع مسجد کی تعمیر میں آپ نے معقول مدد دی ہے۔ انجمن

نصرت الاسلام سری نگر اور اس کے ہائی سکول کو ہر سال مدد دیتے رہے ہیں۔ آپ کی بے مثال کاروباری زندگی اور آپ کی تجارتی قابلیت اور آپ کے اخلاق حسنہ کی بدولت وزرائے ریاست اور حکام مقامی ہمیشہ آپ کا احترام کرتے رہے ہیں۔ سوپور میں جب ٹاؤن ایریا کا اجرا ہوا تو آپ ہی اس کے سب سے پہلے ممبروں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ بہت عرصہ ہوا مسٹر محمد علی جناح کشمیر آئے تھے ان ایام میں آپ کا ایک دیوانی مقدمہ تھا۔ آپ نے مسٹر محمد علی کو یہ مقدمہ سونپ دیا۔ انہی دنوں میں مرزا مہر علی سب انسپکٹر پولیس کا ایک مقدمہ بھی جو ہائیکورٹ میں تھا مسٹر محمد علی جناح کو ملا۔ آپ دونوں مقدمات میں کامیاب ہو گئے۔ مسٹر محمد علی جناح آج مسلمانان ہند کے قائد اعظم مانے جاتے ہیں اور مسٹر ایمری وزیر ہند نے اپنی وسط اکتوبر ۴۲ء کی سیاسی تقریر متعلقہ ہندوستان میں ان کو مسلمانان ہند کا مسلمہ لیڈر تسلیم کر لیا ہے۔

آپ نے ایک جدید بنگلہ بنام عزیز منزل کی بنیاد ڈالی تھی اور بنگلہ ابھی نا تمام ہی تھا کہ آپ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ بعد میں آپ کے دونوں بھائیوں نے ۱۹۹۳ء بکرمی میں اس بنگلہ کو مکمل کیا۔ منشی غلام محمد خادم نے جو علاقہ زنگیر کے نامور زمیندار، لکچرار، منشی اور شاعر تھے آپ کے انتقال پر مندرجہ ذیل اشعار لکھے:

وہ عزیز قوم وہ سردار قوم
خادم قوم اور وہ غمخوار قوم
ہوگیا ہم سے جدا وا حسرتا
اپنا وہ زر بخش اور زردار قوم
اس کے اخلاق حمیدہ کے سبب
ہے زبان مرد و زن گفتار قوم
ہر طرف ماتم بپا ہے قوم میں
نوحہ و ماتم ہیں اب اشعار قوم
ہو صمد فضل صمد سے باوقار
اور ان کا جانشیں جبار قوم

زینت محفل جو تھا وہ چل بسا
آج بے رونق ہوا دربار قوم
اے خدا جنت میں ہو ان کا مقام
ہے دعا گو ان کا خدمتگار قوم

ان اشعار کے علاوہ مندرجہ ذیل قطعہ وفات بھی خادم صاحب نے لکھا:

از جہاں شد عزیز پنڈت گم
نوحہ خوانش شدند ہمہ مردم
گفت ہاتف بگوش خادم او
گشت تاریخ فوت غفر لہم
۱۳۵۵ھ

فتح پنڈت کے منجھلے فرزند جبار پنڈت ۱۳۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ منزلیں طے کر چکی تھی۔ آپ کی سکونت دو آبگاہ اور سوپور دونوں مقامات میں ہے۔ آپ بھی لکڑی ہی کا کاروبار کرتے ہیں اور اس اعلیٰ پیمانہ پر جس طرح ڈنگہ سنگھ کمپنی اور رائے بہادر جودھامل کا کاروبار ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ صرف کاروبار کمپنی کی صورت میں ہیں اور آپ کو خدا نے جو تجارتی دل و دماغ عطا کیا ہے اس کی بدولت آپ اپنا تمام کاروبار جو ریاست کے علاوہ پنجاب تک پھیلا ہوا ہے انفرادی حالت میں ہی کر رہے ہیں۔ بلکہ اس کاروبار کے علاوہ جنرل مرچنٹ بھی ہیں اور تجارتی نکات و رموز سے خوب آگاہ ہیں۔ آپ کی فرم کا نام ''حاجی عبدالجبار پنڈت اینڈ سنز'' ہے۔ اس فرم کی بدولت کئی گھرانے اور صدہا لوگ آپ کے زیر سایہ پرورش پا رہے ہیں۔

۱۹۹۵ بکرمی میں حرمین الشریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ اس متبرک سفر کے علاوہ پنجاب و ہندوستان کے اکثر مقامات کی سیاحت کی۔

گزشتہ گرمیوں میں آپ بیمار ہو گئے۔ آپریشن کی ضرورت ہوئی۔ آپ کشمیر میں نیشنل ہسپتال میں جو تین چار نوجوان اور ہمدرد ڈاکٹروں کی سعی اور کوشش سے سری نگر میں جاری ہوا ہے۔ داخل ہو گئے۔ وہاں آپریشن نہایت کامیاب رہا۔ اور آپ کو شافی مطلق نے صحت عطا کی۔

آپ نے بطور اظہار شکرگزاری اس قومی ہسپتال کی امداد و اعانت کے لیے وہاں ایک کمرہ اپنے نام پر تعمیر کرایا۔

آپ اور آپ کے بھائی صمد پنڈت کو قومی مذہبی کاموں میں حصہ لینے کی دلچسپی وراثتی طور پر ملی ہے۔ آپ نے مقامی اسلامیہ مڈل سکول کو بھی وقتاً فوقتاً امداد دی ہے۔

سوپور میں محلّہ چنگی پورہ میں آپ ایک نیا بنگلہ حاجی منزل کے نام سے تعمیر کرا رہے ہیں۔ یہاں گزشتہ ایام میں مہاراجہ صاحب کا بنگلہ تھا۔ اور اس لیے یہ جگہ بنگلہ ہی کے نام سے موسوم چلی آتی ہے۔ محلّہ مہاراج پورہ بھی اس کے متصل ہی ہے۔ مفتی ضیاء الدین صاحب ضیاء آف پونچھ کشمیر نے ذیل کی نظم تعمیر بنگلہ کے متعلق لکھی ہے:

قدوہ امرائے دوراں خواجہ عبدالجبار
خوش بنائے زوشدہ تعمیر نیکو یادگار
دود مانش جملگی حاتم صفت در کاشمیر
حاجی الحرمین با دانا صرش پروردگار
پیرو شرع رسول مجتبیٰ لاریب ہست
اے خوشا آمد ظہیر دین حق پرہیز گار
شد مزین خوش نبائے مرحبا در کاشمیر
نیک بنیادش ہویدا گشت کز نیکو شعار
حبذا نزہت گہ خوش صاحبان حال و قال
در وجودآر بسوپور از رئیس نامدار
شدہ در دنیائے جنت کو شکے تعمیر زد
رشک فردوس برین است دل ربا دارالقرار

شد دو بالا زینت سوپور زیں تعمیر نیک
چوں جما دید جہاں نامش بیاد ابر قرار
آمده کز سال تعمیرش ندا اینک ختیا
شد بنا قصر معلیٰ اے چو جنت گوشدار
شد بنا جائے امارت کر امیرے بے بدل
از سر ایقاں ہن تعمیر ایضاً یادوار

آپ کے فرزندوں میں عبدالکبیر انیس (۱۹) سال کی عمر میں آپ کو داغ مفارقت دے گیا۔ خواجہ غلام محمد پنڈت ۱۹۷۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اب ان کی عمر انتیس سال کی ہے۔ آپ نہایت خلیق نوجوان ہیں۔ اپنی فرم کے جنرل منیجر اور منتظم اعلیٰ ہیں اور اتنے بڑے وسیع کاروبار کو بڑی قابلیت سے سنبھالے ہوئے ہیں۔

آپ کے برادر اصغر خواجہ غلام محی الدین پنڈت اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور ایک ہونہار گریجوایٹ ہیں۔ آپ یا آپ کے والد محترم اگر چاہتے تو آپ کسی دفتر میں ملازم ہو سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اس غلامانہ زندگی پر آزادانہ زندگی یعنی تجارتی کاروبار کو ترجیح دی اور اپنے طرز عمل سے ان نوجوانوں کے لیے جو تعلیم حاصل کر کے دفتروں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ ایک قابل تقلید نمونہ قائم کیا۔ آپ اپنے برادر گرامی قدر کا دست راست ہیں اور فارسٹ ڈویژنل منیجر ہیں۔ ان سے چھوٹے خواجہ غلام نبی پنڈت بہ عمر ۱۹ سال سوپور کے ہائی سکول میں زیر تعلیم ہیں۔ سب سے چھوٹے لڑکے خواجہ محمد اکبر کی عمر اس وقت صرف پانچ سال ہے۔

خواجہ جبار پنڈت نے حصول اراضیات اور تجارتی زندگی میں اپنی حیثیت بہت بڑھالی ہے۔ ان کا کاروبار جہلم میں بھی ہے۔

فتح پنڈت کے سب سے چھوٹے فرزند صمد پنڈت مگھر ۱۹۶۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت انتالیس سال کی ہے۔ عزیز پنڈت مرحوم کے بعد ۱۹۹۴ بکرمی میں دونوں

بھائیوں نے اپنا کاروبار جواب تک مشترکہ چلا آتا تھا۔ الگ الگ کرلیا۔ آپ نے اسی وجہ سے اپنی مستقل رہائش سوپور میں ہی اختیار کرلی ہے۔ آپ کی قیام گاہ بنگلہ عزیز منزل ہے۔ جو مشترکہ کاروبار کو الگ کرنے کے بعد آپ کے حصہ میں آیا ہے۔

علیحدگی اختیار کرنے کے بعد آپ نے اپنی فرم کو بہت ترقی دی۔ اس وقت کشمیر کے دو مشہور ڈویژنوں میں آپ کا کاروبار جاری ہے۔ ڈویژن کامراج کے منیجر خواجہ غلام محمد صوفی اور ڈویژن لنگیت کے جنرل منشی عبدالجبار ڈار ہیں۔ آپ کی ملکیت میں لکڑی کی بہت بڑی منڈی بیری باغ سری نگر متصل جوبلی ہسپتال میں بھی ہے۔

کشمیر کے سب سے بڑے سرکاری صنعتی کاروبار یعنی ریشم خانہ کو ہزار ہا من کی جو لکڑی ہر سال سری نگر میں جاتی ہے۔ اس کا ٹھیکہ بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔

آپ نے سوپور میں مزار شہیداں کے پاس ہی ہنڈواڑہ روڈ پر ایک عالی شان بلڈنگ تیار کرائی ہے۔ جس کے طبقہ اول میں دو گداموں کے علاوہ آٹھ دکانیں بھی ہیں اور دوسرے طبقہ کے ایک حصہ میں چند کمرے جن میں غسل خانہ وغیرہ کی تمام ضروریات مہیا ہیں۔ بطور ریسٹ ہاؤس معزز مسافروں کے لیے بلا کرایہ وقف کر رکھے ہیں۔ جہاں معزز وزیٹرس بلالحاظ مذہب و ملت چند یوم قیام کر کے ہر قسم کا آرام حاصل کرتے ہیں۔

آپ سوپور کی سب سے پہلی مجلس اسلامیہ یعنی انجمن معین الاسلام کے تین سال تک صدر رہے ہیں اور اپنے مفید مشوروں کے علاوہ اس کی مالی اعانت بھی کرتے رہے ہیں اس کے علاوہ انجمن حمایت المسلمین بھی آپ کی امداد واعانت کی ہمیشہ مرہون منت رہی ہے۔ آپ سوپور ٹاؤن ایریا کے میونسپل کمشنر بھی ہیں اور پانچ سال سے متواتر چلے آتے ہیں۔ جو آپ کی ہر دلعزیزی اور رفاہ عامہ میں دلچسپی لینے کا ایک بین ثبوت ہے۔ آپ نے اپنی ممبری کے دوران میں سوپور کے باشندوں کی مقامی ضروریات صحت وصفائی، سڑکوں اور کوچوں کی درستی، روشنی اور آب رسانی کی طرف پوری توجہ کی۔ اجرائے ٹاؤن ایریا کے زمانہ میں آب رسانی کے لیے سوپور میں دو کنوئیں بھی کھدوائے گئے لیکن پانی صاف نہ نکلنے کی وجہ سے ابھی سوپور والوں کو مصفا پانی نہیں مل

سکا۔

آپ نہایت خلیق، ملنسار اور غریب پرور ہیں۔ غرض سیر چشمی اور قومی و اسلامی ہمدردی کے تمام اوصاف آپ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ شجرۂ نسب سے معلوم ہوگا آپ کے پانچ فرزند ہیں، فرزند اول عبدالرزاق (عمر ۱۹ سال) میٹرک میں زیر تعلیم ہے اور باقی فرزند چھوٹی جماعتوں میں پڑھ رہے ہیں۔

اس خاندان کی اراضیات موضع اچھ بل حمل، ماز بوگ، سوپور خاص، نو پورہ، جانوارہ، ہتھلونگ، چنکی پورہ، وارہ پورہ، سونہ ولی اور لوکی پورہ وغیرہ میں موجود ہے۔

یوسفی خاندان سوپوری

یہ خاندان زمانہ قدیم ہی سے سوپور میں آباد ہے۔ سندات قدیم جن میں سے چند ایک راقم کی نظر سے بھی گزر چکی ہیں اس خاندان کی دینی و ملی خدمات کی مظہر ہیں وہ سندات و فرامین اس قدر پرانے ہیں کہ اکثر مقامات سے بعض الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ نہایت بوسیدہ اور پھٹے ہوئے ہیں۔ تاہم ایک سند عہد عالمگیر کے ایک ناظم کشمیر سیف خاں * کی درج کی جاتی ہے جس سے اس خاندان کی دینی شغف کی کیفیت معلوم ہوسکتی ہے۔

سیف خاں

اللہ اکبر

چوں صلاح آثار ملا حسن ساکن قصبہ سوپور ظاہر ساخت کہ خدمت امامت و خطابت بہ مسجد و آستانہ بابا یوسف از قدیم بہ من تعلق دارد و بروئے پروانہ نواب مستطاب عمدہ الملک حاصل کردہ بر تقدیر وقوع عمل قدیم منظور داشتہ خدمت امامت و خطیب مسجد و آستانہ مذکور بدستور سابق مقرر دانستہ احدے مانع و مزاحم نہ گردد در عمل وغیرہ.......... سر تحریر۔ ربیع الثانی ۱۰ھ

(مہر ناظم صوبہ کشمیر)

* تاریخ اقوام کشمیر میں بعہد نظامت آزاد خاں جو لکھا گیا ہے۔ وہ غلط ہے۔

اس سند میں ''در عمل وغیرہ'' سے آگے کے الفاظ پڑھے نہیں گئے۔ نہ تاریخ اور نہ سنہ پڑھا گیا ہے۔ لیکن تاریخ کشمیر ہمیں بتاتی ہے کہ سیف خاں عالمگیر کے عہد میں دو مرتبہ نظامت کشمیر پر آیا ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۰۷۵ھ سے ۱۰۷۸ھ تک۔ دوسری مرتبہ ۱۰۷۹ھ سے ۱۰۸۲ھ تک کے درمیان ہوا ہے جس کو آج ۱۳۶۲ھ میں تین سو سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ اس سنہ میں آستانہ سے مراد خانقاہ حضرت بابا یوسف اور مسجد سے مراد ملحقہ مسجد بقعہ شریفہ موصوفہ ہے۔

ملا حسن کے، جن کے نام یہ سند ہے والد کا نام حضرت مولانا ملا حسین تھا۔ وہ اپنے زمانہ کے علمائے متدین میں سے تھے۔ مولانا ملا حسن کے فرزند مولانا آیت اللہ ان کے فرزند مولانا قدرت اللہ تھے۔ ملا عبداللہ جو اس خاندان میں سب سے پہلے بابا کہلائے۔ انہی کے فرزند تھے۔ اسی بزرگ کے ساتھ بابا پیر عبدالغنی یوسفی کا نسب نامہ ملتا ہے۔ جو بابا غلام رسول خطیب کے فرزند ہیں۔ یہ خاندان زیارت حضرت بابا یوسف کی خدمات و تولیت کی وجہ ہی سے یوسفی کہلاتا ہے۔ پیر بابا عبدالغنی کی ہر چند زیادہ تعلیم نہیں ہے۔ تاہم اخبار بینی کے شوق اور بعض دوسری دینی و دنیوی کتب کے مطالعہ نے ان میں اپنے اہل وطن کی سیاسی و علمی پستی کا احساس پیدا کر رکھا ہے۔

سب سے پہلے آپ نے ۱۳۲۳ھ میں جس کو آج ۳۷ سال ہوتے ہیں۔ خواجہ احسن جو پختہ مرحوم کی شمولیت سے ایک مذہبی و دینی درس گاہ کی بنیا قائم کی جس کا نام تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بہ مشہور خواجہ عبدالغنی بٹ مرحوم رئیس پلیڈر سو پورہ مدرسہ معین السلام رکھا گیا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے مدرس مولانا احمد اللہ شاہ سو پوری اور سب سے پہلے پریذیڈنٹ خواجہ عبدالغنی مرحوم تھے۔

آپ کا رجحان چونکہ روحانیت و طریقت کی طرف تھا اس لیے تھوڑے عرصہ کے بعد آپ نے مدرسہ کے نظم و نسق سے علیحدگی اختیار کر لی۔ پھر اہالیان قصبہ کے اصرار سے مولانا مولوی سید میر میرک شاہ اندرابی فاضل دیوبند جو سری نگر محلہ ملارٹہ کے مشہور اندرابی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ یہاں تشریف لائے۔ ان کے آنے سے نہ صرف مدرسہ ہی کی رونق بڑھی بلکہ معین السلام انجمن بھی شد و مد سے جاری ہوئی۔ جس کا پہلا جلسہ سوپور کے میدان عیدگاہ میں اس دھوم دھام سے ہوا کہ اس کی نظیر کشمیر کے قصبات میں ملنی مشکل ہے۔ قبلہ منشی غلام محمد خادم مرحوم سید محسن شاہ بی اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ و آنریری جنرل سیکرٹری آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس لاہور کے علاوہ اور کئی اصحاب بھی جلسہ کے لکچراروں اور ناظموں میں تھے۔ اس جلسہ میں راقم نے

بھی ایک نظم پڑھی تھی۔

صد ہا تشنہ کامان علوم اس چشمہ کے فیضان سے سیراب ہوتے رہے۔سینکڑوں بلکہ ہزاروں شرعی مقدمات کا فیصلہ شرع محمدی کے اصول پر اسی انجمن اور اسی صدر مدرس مولانا میرک شاہ کے ہاتھوں انجام پایا۔سوپور کی جامعہ مسجد کے چندہ کی تحریک بھی اسی زمانہ میں شروع ہوئی۔ جو وفد چندہ کے لیے بانڈی پورہ گیا تھا۔اس کے صدر مولانا میرک شاہ اور معاون خواجہ احمد جو بچہ۔پیر بابا عبدالغنی اور چند اور اصحاب تھے۔انہی میں راقم بھی تھا۔

خانقاہ بابا سید یوسف اور مسجد ملحقہ زیارت کی مرمت،نگرانی اور تعمیر وغیرہ کے متعلق بابا عبدالغنی کی خدمات نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

۱۹۸۷ بکرمی میں جب سوپور میں آتشزدگی کا واقعہ ہوا جس میں مسجد زیارت بابا یوسف بھی شہید ہوگئی اس وقت آپ نے متولی زیارت کی حیثیت سے سرکار سے مسجد و زیارت کی مرمت کے لیے چار سو فٹ لکڑی درآبگاہ سے حاصل کی اور جو زمین قبرستان متعلقہ زیارت (وراثت خود) سڑک میں آ گئی تھی۔اس کے معاوضہ میں چھ سو چھیاسٹھ روپے حاصل کیے۔اور وہ تمام رقم زیارت خانقاہ کی مرمت میں صرف کی گئی۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد انور شاہ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے دوسری مرتبہ اس کی بنیاد رکھی۔۱۳۴۲ھ کے ماہ رجب میں بابا پیر عبدالغنی نے مسجد اور زیارت گاہ میں بجلی کا انتظام کیا۔

مولانا محمد انور شاہ شیخ الحدیث مرحوم کی یادگار میں جب مولوی عبدالجبار خطیب جامع سوپور نے ۱۳۵۷ھ میں ایک جدید عربی درسگاہ مدرسہ حمایت المسلمین کی بنیاد ڈالی تو پیر بابا عبدالغنی ان کے دست راست تھے۔یہ درس گاہ اب تک باحسن وجوہ چل رہی ہے۔

ان کے خاندان میں صمد بابا صاحب ایک بزرگ آج سے تقریباً ۷۵،۸۰ سال پیشتر گزرے ہیں۔وہ امام مسجد بھی تھے اور اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی۔ان کے ہاتھ کے قرآن شریف لکھے ہوئے سوپور کے چند گھروں میں موجود ہیں۔صمد بابا کے پوتے (عبداللہ بابا کے فرزند) حاجی پیر مقبول بابا امام مسجد بابا یوسف اس وقت موجود ہیں۔اس خاندان کے اکثر افراد امامت کے علاوہ رفوگری کا کام بھی کرتے ہیں۔

پیر بابا عبدالغنی یوسفی نہایت خلیق، مخلص، متواضع اور منکسر المزاج بزرگ ہیں۔ قریباً
سال پنجاب آتے ہیں۔ جہاں ان کا حلقہ احباب لاہور، امرتسر، وزیر آباد، لائل پور (فیصل آباد)
ملتان اور کوئٹہ تک پھیلا ہوا ہے۔ پیرزادہ محمد یوسف ان کا فرزند کلاں محکمہ تعلیم میں ملازم ہے۔ او
شمالی کشمیر میں پرائمری کا ہیڈ ماسٹر ہے۔ چھوٹا لڑکا محمد یاسین سوپور میں کتابوں کی تجارت کرتا ہے۔

علاقہ حمل کا رینہ خاندان

تجر علاقہ زنگیر کے بابا عثمان رینہ کچھ اپنی ذاتی بزرگی و پرہیز گاری کی وجہ سے اور کچ
اپنے صاحب کرامت فرزند حضرت سلطان المشائخ شیخ مخدوم حمزہ کے تقدس کی بدولت کشمیر میں
جو لازوال شہرت رکھتے ہیں اس سے اہل کشمیر اور بیرون کشمیر کے اہل خطہ حضرات بخوبی آگ
ہیں۔ بابا عثمان رینہ اور ان کے فرزند کلاں بابا علی رینہ کے ناموں کے ساتھ بابا کا لفظ آتا ہے
شیخ، بابا، پیر، ملا، مولوی، آخون۔ یہ کسی خاص قوم یا قبیلہ کا نام نہیں ہے۔ جیسا کہ بارہا لکھا جا چ
ہے بلکہ یہ الفاظ پیشہ اور عمل اور بزرگی و احترام سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ملا ابوالفضل، ملا جامی
مولوی رومی اور آخون صاحب وغیرہ۔ یہاں ملا، مولوی اور آخون کے الفاظ ذات کے لحاظ سے
نہیں بلکہ ان کے علم و فضل کے لحاظ سے ہیں۔ آخون استاد کو کہتے ہیں۔ جو خوند سے نکلا ہے۔ اس
طرح بابا عثمان رینہ اور بابا علی رینہ، رینہ راجپوت ہونے کے باوجود اپنی بزرگی اور اپنے صاحب
علم و عمل ہونے کے لحاظ سے بابا کہلاتے تھے۔

رینہ ذات کے متعلق اس کے تاریخی حالات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کشمیر میں اس
خاندان کا بانی چندر بنسی خاندان کے راجہ سوپرم چندر والئی کانگڑہ کا فرزند راجہ مول چند گزرا ہے
جو انقلاب زمانہ کی بدولت راجہ جے سنگھ والئی کشمیر کے عہد میں کشمیر آیا اور جس کو راجہ نے رفتہ رفتہ
مدار المہام اور سپہ سالار بنا دیا۔

مول چندر کی چھٹی پشت میں رام چندر رینہ سپہ سالار کا بیٹا راون چندر رینہ سلطان شمس
الدین شہ میری کے عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔ کوٹہ رانی جس نے کشمیر کے زمانہ بے استقلال
میں چار پانچ ماہ تک کشمیر میں راج کیا ہے راون چندر کی بہن تھی۔ بابا عثمان رینہ راون چندر سے

گیارہویں یا بارہویں پشت میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ان کے فرزند اول بابا علی رینہ صاحب اولاد تھے۔ فرزند ثانی حضرت شیخ حمزہ نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ بابا علی رینہ کی اولاد میں ایک بزرگ پیر محمد یوسف کے نام سے موضع تبحر زنگیر کے بالائی حصہ میں رہا کرتے تھے۔ وہ ترک وطن کر کے سری نگر کے محلّہ کلاشپورہ میں جہاں حضرت شیخ مخدوم حمزہ کی نشت گاہ تھی چلے آئے۔

ان کے فرزند کا نام عبداللہ ان کا فرزند محمد اکبر اور ان کا فرزند غلام رسول تھا۔ مولوی غلام رسول چونکہ اہل علم تھے اور دینیات پر کافی عبور رکھتے تھے انہوں نے دیہات میں تبلیغ و وعظ خوانی کا سلسلہ شروع کیا۔ چونکہ علاقہ حمل میں ان کے عقیدت مندوں کی کافی تعداد تھی اس لیے سری نگر کی سکونت ترک کر کے انہوں نے اپنی رہائش علاقہ حمل کے موضع منڈی گام میں اختیار کر لی۔ اہالیان دیہہ نے کچھ رقبہ اراضی بھی کاشت کے لیے دے دیا۔ ان کے فرزند عبدالرحمان کاشتکاری ہی کیا کرتے تھے۔ عبدالرحمان کے دو فرزند تھے۔ غلام احمد اور محمد صدیق۔ غلام احمد کے بھی دو ہی بیٹے تھے۔ محمد مقبول و محمد علی۔ محمد صدیق زاہدانہ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ ان کے تین لڑکے تھے غلام محمد، غلام محی الدین و عبداللہ۔ آخر الذکر نے لاولد وفات پائی۔ غلام محی الدین کے فرزند کا نام محمد خضر ہے۔ غلام محمد نے حصول علم کے شوق میں صبح وطن پر شام غربت کو ترجیح دے کر علاقہ ہزارہ کا سفر اختیار کیا اور بفہ اور مانسہرہ میں کئی سال تک فقہ و حدیث اور صرف و نحو کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ فارسی اور عربی میں آپ کو بہت اچھی مہارت تھی اور اپنے علم و عمل کی وجہ سے باقیات الصالحات میں تصور کیے جاتے تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ پیر حبیب اللہ و مولوی عبدالکبیر، پیر حبیب اللہ اپنے گاؤں میں امامت کرتے ہیں۔ ان کا لڑکا عبدالسبحان مولوی کا امتحان دے چکا ہے اور مولانا عبدالکبیر ہی کی زیر تربیت رہا ہے۔

مولوی عبدالکبیر کا سن ولادت ۱۳۰۹ھ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۳ سال ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد سے اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی۔ ۱۳۲۹ھ میں دیوبند چلے گئے۔ جہاں آپ کے ہم وطن مولانا محمد انور شاہ شیخ الحدیث دارالعلوم میں مدرس تھے۔ ۱۳۴۱ھ میں فارغ التحصیل اور فاضل دیوبند ہو کر واپس آئے۔ کشمیر کے مولوی سید میرک شاہ، سید یوسف شاہ رتر ہیل والے مولانا محمد یوسف میر واعظ کشمیر اور مولوی عبداللہ میر سوپور یہ سب ایک ہی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے نامور کشمیری طلبا میں تھے۔

مولانا عبدالکبیر فارغ التحصیل ہو کر ابھی دیوبند میں ہی تھے کہ ریاست جلال آباد

ممدوٹ کے ایک رئیس اپنی تعلیم کے لئے ان کو پنجاب لے آئے۔ آپ جلال آباد میں ایک سال رہ کر امرتسر چلے آئے اور وہاں انجمن نصرۃ الحق کے مدرسہ نصرۃ الحق میں صدر المدارس ہو گئے۔ اس وقت سے اب تک آپ امرتسر میں ہی مقیم ہیں۔ آپ کے زمانہ سے اس وقت تک مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل کی ڈگریاں کثیر تعداد طلبا لے چکے ہیں اور آپ کے شاگردوں میں کئی ملازم اور برسرکار ہیں۔

آپ کا قیام گو امرتسر میں ہے لیکن آپ کے چشمہ فیض سے آپ کے ہموطنان کشمیر دیگر طلبا سے زیادہ مستفیض ہو رہے ہیں چنانچہ اس وقت بھی اس مدرسہ میں ستر اسّی کے قریب طلبا ہیں۔ جن میں چند ایک کے سوا باقی تمام طلبا صرف کشمیر ہی کے رہنے والے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ کشمیر میں آپ کی ذات بابرکات پر آپ کے ہم وطنوں کو کس قدر اعتماد ہے۔

آپ کے تین لڑکے ہیں اور وہ تینوں امرتسر میں ہیں۔ لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں۔ عبدالحمید، عبدالوحید اور عبدالرشید۔ آپ عرصہ دراز سے اہل وعیال سمیت ہی امرتسر میں رہتے ہیں۔ کشمیر میں بھی آمد ورفت ہے۔ اور وہاں آپ اپنی زمینداری بھی ہے۔

لون خاندان ماگام

شجرہ نسب

- سلام لون
  - غفور لون
    - رسول لون
      - مح لون
      - صدیق لون
        - خواجہ عزیز لون
          - عبدالاحد
            - عبدالعزیز
            - دو دختر
        - مظفر لون
          - عبدالغفار
        - امیر لون
          - عبدالخالق
          - غلام علی
          - محمد اکبر
          - محمد سلطان
          - غلام قادر
        - رستم لون
          - عبدالکریم
          - غلام نبی
          - محمد انور

وطن قدیم علاقہ زینہ گیر کا مشہور گاؤں تجر تھا۔ جس کو بابا عثمان رینہ اور ان کے فرزندان حضرت مخدوم شیخ حمزہ اور بابا علی رینہ کی وجہ سے لازوال شہرت حاصل ہے۔ مخدوم زادگان مخدوم منڈو کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کی کوئی اولاد نہ تھی بلکہ انہوں نے اپنے ایک مرید کے فرزند کو پسر خواندہ بنا رکھا تھا البتہ بابا علی رینہ سے اس خاندان کی ذریات کا سلسلہ اب تک چلا آتا ہے۔

تجر کے لون بابا علی رینہ کی اولاد سے ہیں اور سب زمیندار پیشہ ہیں۔ انہی میں سے سلام لون نام ایک شخص سکھوں کے زمانہ میں نامعلوم وجوہات کے باعث ترک وطن کر کے املز علاقہ راجوار میں چلا آیا۔ وہاں ابھی جم کر سکونت اختیار نہ کی تھی کہ موت نے آ کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا فرزند غفور لون نوجوان تھا۔ اس نے عالمِ غربت میں اس صدمہ کو آئندہ مصائب کا پیش خیمہ سمجھ کر یہاں سے ہجرت ہی کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ وہ املز کے مقام سے موضع ماگام میں جو پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے چلا آیا۔

اس زمانہ میں حکومتوں کی غفلت اور ان کے ناظموں کے جبر و تشدد سے زمینیں کچھ زیادہ آباد نہ تھیں بلکہ اکثر لوگ حکام کے مظالم کی وجہ سے گھر بار چھوڑ کر پنجاب و سرحد میں جا کر آباد ہو جاتے تھے۔ غفور لون نے جو نہایت قد آور اور وجیہہ جوان تھا بہت سی غیر آباد زمین کو آباد کر لیا۔

انہی ایام میں سکھ حکومت کی جگہ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ڈوگرہ حکومت قائم کر لی تھی اور س کو گلگت پر قبضہ کرنے اور وہاں سے سکھ حکومت کے نمائندوں کو اپنا مطیع بنانے کا رات دن ضطراب رہتا تھا۔

سکھ فوج نے جو قلعہ گلگت میں مقیم تھی اس نے اطاعت تو کر لی مگر مقامی راجاؤں کی ورش کی بدولت مہاراجہ کو چین نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی بیماری کے باوجود ڈوگرہ فوج کو رید فوجی مدد اور رسد پہنچانے کے لیے سوپور آ کر مقیم ہو گیا۔

غفور لون شہ زور جوان تھا۔ وہ مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اور تھوڑی سی ٹریننگ لے بعد دوسرے نوجوانوں کے ساتھ گلگت بھیج دیا گیا۔ وہاں اس نے اپنی شجاعت کے خوب جوہر ماۓ۔ کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتارا۔ آخر خود بھی دشمن کے حملوں سے زخمی ہو گیا۔ دشمن نے ار کا ایسا وار اس پر کیا تھا جو اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا لیکن جس کو خدا رکھے اس کو کون ے۔ اس وار سے اس کا ایک کان کٹ گیا جس سے وہ واپس آ کر کان چشو یعنی کان کٹا مشہور

ہو گیا اور آخر قریباً ساٹھ سال کی عمر میں بہت سا کنبہ چھوڑ کر اس جہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس کے فرزند رسول لون نے اپنی اراضیات کو وسعت دے کر خاصی حیثیت پیدا کر لی تھی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اس کو اپنے علاقہ کا میر چودھری مقرر کر دیا۔ یہی عہدہ بعد میں ذیلداری کے نام سے موسوم ہوا۔

ان کی وفات کے بعد ان کا فرزند محمد لون ذیلدار مقرر رہا۔ لارنس صاحب نے انہی کے زمانے میں بندوبست اراضیات کیا ہے۔ شمالی کشمیر میں آپ ان کو بڑی مدد دیتے رہے اور لارنس صاحب نے بھی آپ ہی کے صلاح ومشورہ سے کئی لوگوں کو نمبردار بنایا۔ گاؤں کے چھوٹے چھوٹے لڑائی جھگڑے آپ ہی کی دخل اندازی اور آپ ہی کے منصفانہ فیصلے سے بہ احسن ختم ہو کرتے تھے۔ ۱۹۶۱ بکرمی میں قریباً ستر سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

ان کے فرزند خواجہ عزیز لون اس وقت جوان تھے۔ اور سب کاروبار وہی کرتے تھے۔ ۱۹۶۲ بکرمی میں وہ ذیلدار مقرر ہوئے۔ انہوں نے اراضیات کے علاوہ مکانات میں بھی توسیع کی۔ اپنے والد کی طرح یہ بھی معمولی مقدمات کا فیصلہ گھر کی پنچایت ہی میں کر کے زمینداروں کو عدالتوں میں در بدر ہونے سے نجات دلاتے رہے۔ علاقہ ماگام نار میں پانی کی قلت تھی۔ پندرہ بیس میل کے فاصلہ سے علاقہ منز گام سے ایک کوہل آتی تھی۔ آپ ہر سال اس کی باقاعدہ مرمت کراتے تھے۔

اپنے ملک اور اپنی قوم خصوصاً زمینداروں کے سود و بہبود اور فلاح و اصلاح کا آپ کو بھی خیال تھا اور حتی الامکان اس قسم کے کاموں میں حصہ لیا کرتے تھے۔ لیکن جب ۱۹۳۱ء میں کشمیر ایجی ٹیشن شروع ہوا اور کشمیر میں بدامنی پیدا ہو گئی تو آپ نے صرف بہبود ملک کی خاطر امن و امان کے قیام میں حکومت کو ہر طرح سے مدد دینی مناسب سمجھی۔ چنانچہ اس زمانہ کے پرائم منسٹر آنریبل مسٹر کالون کے عہد میں آپ کو ایک سرکاری سند بھی (بہ حروف ہندی) ملی اور ایک خلعت بھی عطا ہوا۔

آپ اپنے قومی اخبار کشمیری کے بہت بڑے معاون تھے۔ اور کشمیر سے کبھی باہر نہ نکلنے کے باوجود زمانہ کے حالات اور قومی ضروریات سے پورے واقف تھے۔ آپ کی اراضیات ماگام کے علاوہ مواضعات اودپورہ، گیری پورہ، شہل ہال اور سوڈل میں بھی کافی تعداد میں ہیں۔ راقم کی آپ سے اور آپ کے چچا صدیق لون دونوں سے ملاقات تھی۔ آپ ۷۱ سال کی عمر میں ۲

کاتک ۱۹۹۸ بکرمی کو انتقال فرما گئے۔

آپ کا ایک ہی فرزند خواجہ عبدالاحد ہے۔ آپ کی جگہ اب یہی ذیلدار ہیں۔ گویا چار پشتوں سے آپ ہی کے خاندان میں ذیلداری چلی آتی ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ حکومت اور پبلک کی نظروں میں یہ خاندان کس قدر باوقعت اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ عبدالاحد ۱۹۶۹ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ کشمیر کے تمام ذیلداروں سے زیادہ تعلیم یافتہ ہیں۔ میٹرک سوپور سے پاس کیا۔ پرتاپ کالج سری نگر میں ایف اے تک تعلیم پائی۔ علمی و تاریخی مذاق قدرت نے ودیعت کر رکھا ہے۔ نہایت خلیق اور ملنسار اور شریف النفس نوجوان ہیں۔

خاندان فلکو سوپور

شجرہ نسب

کمال دین

عبدالرحیم عرف رحمت جو — صدیق جو

خواجہ امیر دین عرف عمر جو فلکو — خواجہ صمد جو فلکو

خواجہ غلام رسول — خواجہ محی الدین — کریم جو

محمد صدیق — عبدالاحد — غلام احسن

خواجہ غلام احمد — خواجہ حبیب اللہ فلکو ذیلدار

بشیر احمد — عبدالسمیع — عبدالقیوم

احمد شاہ ابدالی کے آخری ایام میں حافظ عبدالصبور پھلکو کے نام سے سری نگر میں ایک عالم باعمل بزرگ رہتے تھے۔ ان کی دینی عظمت اور صوفیانہ شہرت اور ان کے مذہبی تقدس کے اظہار کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت میاں گل محمد کنگال اکبر آبادی جو اپنے وطن آگرہ سے بغرض سیر و سیاحت کشمیر میں آئے تھے۔ ان کے صحبت و تربیت یافتہ تھے۔ بلکہ انہی کی تعلیم اور انہی کے رشد و ہدایات سے آپ نے سلوک و معرفت میں وہ ترقی کی کہ قائد اہل طریقت اور غوث عالم

مشہور ہوئے *۔اور صدہا لوگوں نے ان سے فیض حاصل کیا **۔

حافظ عبدالصبور کا مزار سری نگر کے مشہور قبرستان ملا کھواہ میں احاطہ مزار حضرت بہاؤ الدین گنج بخش میں حضرت سید احمد کرمانی کے مزار کے قریب واقع ہے۔

فلتو خاندان کے کشمیر میں چند ہی گھر ہیں۔ایک گھر سری نگر میں زینہ کدل کے متصل ہے۔یہ قبیلہ تجارتی کاروبار کرتا ہے۔اور خوشحال ہے۔خواجہ عمر فلتو اور خواجہ صمد جو کی اولاد سوپور میں ہے۔ایک گھر اس خاندان کا لداخ میں ہے۔فلتو یا پھلتو نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی۔لیکن یہ تحقیق ہے کہ جس طرح نہرو، سپرو، ہنڈو، ڈلو اور زکو اور اسی طرح کی اور صدہا گوتیں اسی قافیہ کی کشمیر میں موجود ہیں اسی طرح فلتو بھی ہے۔جس کو مصنف تاریخ کبیر کشمیر نے پھلتو لکھا ہے۔فلتو جہاں کہیں بھی ہیں وہ اپنے آپ کو حافظ عبدالصبور کی اولاد ہی ظاہر کرتے ہیں۔

سوپور کے فلتو خاندان کا دنیاوی عروج مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ جب خواجہ عمر جو فلتو نے سوپور میں صابن کا کارخانہ قائم کیا تھا علاقہ کامراج کی تمام آبادی کے لیے انہی کا صابن سپلائی کیا جاتا تھا۔ان کے دونوں فرزندوں نے جن کے نام شجرہ میں درج ہیں۔ باپ کی وفات ۱۹۴۹ بکرمی کے بعد سوپور میں ایک بہت بڑی تجارتی کوٹھی قائم کی جس سے شمالی کشمیر میں ہر قسم کی تجارت انہی کے ہاتھ میں آ گئی۔کشمیر میں اچھے بھلے نام کو بگاڑنے کے دستور کے مطابق خواجہ غلام رسول، رسول جو اور خواجہ غلام محی الدین مہد جو کے نام سے مشہور تھے۔اس خاندان میں مہد جو سب سے پہلے نمبردار تھے۔اور نہایت مخیرّ، فیاض اور شریف پرور رئیس تھے۔ ۱۹۶۳ بکرمی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ان کے بھائی خواجہ غلام رسول بھی نہایت خدادوست، شب بیدار اور تہجد گزار تھے۔بزرگان دین کے مزارات اور مساجد اللہ کی خدمت اپنا فرض عین سمجھتے تھے۔آپ اپنے برادر زادہ خواجہ حبیب اللہ فلتو کی نابالغی کے ایام میں بارہ سال تک نمبردار رہے۔ نمبرداری کے علاوہ موضع گنڈ براٹ کے سفید پوش بھی تھے۔۱۹۹۱ ب میں بہ عمر ساٹھ سال انتقال کر گئے۔آپ کے فرزند کلاں خواجہ محمد صدیق میونسپلٹی سوپور کے دفتر میں کلرک ہیں۔۱۹۱۱ء کی

---

* تاریخ کبیر کشمیر صفحہ ۱۶۵

** سنہ وفات ۱۱۹۸ء بعہد حاجی کریم داد خان گورنر کشمیر مدفن علاقہ پھلکی موضع مانگلی تاریخ سنہ وفات سال نقش مبہم فرمود از روئے عرب جانب فردوس راہی شد میاں کنگال۔اصل نام گل محمد تھا۔لیکن میاں کنگال کہلاتے تھے۔آں گل محمد کہ ہمچوں گل شگفت بشاہ بود و خویش را کنگال گفت۔

پیدائش کے مطابق ان کی عمر اکتیس سال کی ہے۔ میٹرک تک تعلیم یافتہ ہیں۔ آپ کے برادر خورد خواجہ عبدالاحد سوپور ہی میں تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔

خواجہ غلام محی الدین عرف خواجہ مہد جو فلتو کے بڑے فرزند غلام احمد پیدائشی مجذوب تھے، وہ ۱۹۹۳ بکرمی میں بہ عمر ۳۵ سال انتقال کر گئے۔ دوسرے فرزند خواجہ حبیب اللہ ۱۹۶۱ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اب ان کی عمر ۳۸ سال ہے۔ دو سال کی عمر تھی کہ ان کے والد ان کو داغ یتیمی دے گئے۔ بڑے بھائی مجذوب تھے۔ اس لیے چچا (خواجہ غلام رسول) نے شفقت کا ہاتھ سر پر رکھا۔ بارہ مولا کے مشن ہائی سکول میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔

خواجہ عبدالغنی بٹ سوپور بلکہ کشمیر کے نامی وکیل اور شمالی کشمیر کے ایک نیک دل رئیس تھے۔ وہ فرزند نرینہ سے محروم تھے۔ انہوں نے آپ کو اپنا پسر خواندہ یعنی متبنّیٰ قرار دیا۔ آپ کی تربیت وغیرہ کا خیال رکھتے رہے۔ خواجہ عبدالغنی بٹ شاعر بھی تھے اور اہل علم وفن کے بڑے قدر دان تھے۔ جب تک زندہ رہے۔ قبلہ منشی غلام محمد خادمؔ مرحوم اور راقم الحروف سے ان کے مشفقانہ تعلقات برابر قائم رہے۔

خواجہ عبدالغنی وکیل کی وفات کے بعد ان کے برادر زادہ خواجہ غلام احمد نے ۱۸۸۳ بکرمی مین تبنیت کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔ سترہ سال کے طویل عرصہ کے بعد ماہ کا تک ۱۹۹۹ بکرمی میں جموں وکشمیر ہائی کورٹ نے خواجہ حبیب اللہ فلتّو کو خواجہ عبدالغنی وکیل مرحوم کا جائز متبنّیٰ قرار دیا اور اس طرح برسوں کا یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

۱۹۹۳ بکرمی میں آپ خاص قصبہ سوپور کے ذیلدار ہو گئے اور علاقہ زنگیر سے بھی آپ کو تین حلقے (۲۱ گاؤں) اپنی ذیل میں ملے۔

مہاراجہ ہری سنگھ بہادر نے اپنی حکومت کے ابتدائی ایام میں یہ دستور قائم کر رکھا تھا کہ ہر تحصیل سے کچھ نمائندے رعایا کے حالات اور ان کے مطالبات وضروریات سے واقف ہونے کے لیے طلب کیا کرتے تھے۔ آپ اپنی تحصیل (ہندواڑہ) کی طرف سے نمائندہ منتخب کیے گئے۔ آپ ہی کی نمائندگی کی طفیل ہندواڑہ کے پرائمری سکول کی بجائے مڈل سکول کا درجہ ملا۔ سوپور سے ہندوارڑہ تک سڑک پختہ بنائی گئی۔ بابا شکورالدین کی زیارت کے لیے سرکاری حکم سے زنگیر کے زمینداروں نے فی روپیہ ایک پیسہ مالیہ کے ساتھ ادا کیا۔

آپ مقامی اسلامیہ مڈل سکول (انجمن معین الاسلام) کے صدر ہیں۔اس خاندان کی اراضیات گنڈ براٹ، باغات نو پور، آرم پورہ اور کھمبر یال علاقہ لولاب میں موجود ہیں۔

خاندان کلو حکیم سوپوری

- عبدالفتاح
  - کمال الدین
    - حکیم عبدالاحد
      - حکیم عزیز اللہ
        - حکیم غلام قادر
          - غلام حسن
          - دو دختر
        - حکیم ثناء اللہ
          - محمد عتیق اللہ
          - دو دختر
        - ڈاکٹر غلام محمد
          - محمد سعید
          - بشیر احمد
        - تین دختر
      - غلام احمد کلو
        - غلام مصطفےٰ
          - محمد یوسف
          - غلام رسول
      - حکیم عبداللہ
        - غلام احمد
        - دو دختر
      - تین دختر

سوپور کے کلو خاندان اور لفظ کلو کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔یہ خاندان اپنی قدیم حکمت آموزی اور طبابت میں امتیاز خاص رکھنے کی وجہ سے سارے شمالی کشمیر بلکہ سری نگر اور وزارت مظفر آباد تک بھی مشہور ہے۔اس خاندان کی ایک شاخ کے بزرگ عبدالفتاح نام آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال پیشتر سوپور میں درس تدریس کا کام کیا کرتے تھے۔پچاس سال کی عمر میں وہ وفات پا گئے۔ان کے فرزند کمال نے درس وتدریس کے علاوہ حکمت وطبابت کا پیشہ بھی شروع کیا۔آپ نہایت خوش قلم تھے۔میں نے حکیم ثناء اللہ کے پاس آپ کے دستخط خاص میں ایک کتاب دوا المساکین دیکھی ہے۔یہ فارسی میں علم طب کے متعلق ایک ضخیم کتاب ہے اور ۱۳۵ھ کی تصنیف ہے۔اس کی نقل حکیم کمال الدین عرف حکیم کمال کلو نے ۱۲۵۰ھ میں ''بہ قلم خود'' کی ہے۔نوے سال کی عمر میں کمال دین کلو بھی فوت ہو گئے۔ان کے فرزند حکیم عبدالاحد نے حکمت کی تعلیم حاصل کر کے بڑا نام پیدا کیا۔اور چونکہ مریضوں کی دیکھ بھال سے ان کو فرصت نہ ملتی تھی

اس لیے درس وتدریس کا کام انہوں نے بالکل ترک کر دیا۔ ان کے بعد درس تدریس کا سلسلہ ان کی ذریات سے بالکل جاتا رہا۔ اور حکمت وطبابت اس خاندان کا جزو خاص ہوگئی۔ آپ بھی اپنے والد کی طرح طبی کتابیں اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ فارسی کی ایک طبی کتاب جس کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ آپ کی لکھی ہوئی میری نظر سے گزری ہے۔

قریباً تیس سال کا عرصہ ہوا کہ حکیم عبدالاحد اسی سال کی عمر پا کر انتقال فرما گئے۔ انہوں نے اپنے باپ سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ لوگ اب تک ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔

ان کے فرزند ثانی غلام احمد کلو بہ عمر ستائیس سال ان کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے۔ فرزند ثالث حکیم عبداللہ چالیس سال کی عمر میں آج سے قریبا آٹھ نو سال پیشتر اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے۔ البتہ فرزند اول حکیم عزیز اللہ نے اپنی قابلیت ولیاقت سے خاندان کا نام سارے کشمیر میں روشن کیا۔ سوپور کے رئیس خواجہ عبدالغنی وکیل مرحوم، راجگان مچھی پورہ، خواجگان، درگہہ مولا اور بارہ مولا اور روسائے ضلع مظفر آباد ان کے زیر علاج رہا کرتے تھے۔ بلکہ سری نگر کے ایک رئیس قاضی غلام مصطفیٰ شاہ مہاراج گنج نے بھی بہت سے مقامی قابل حکیموں کی موجودگی میں آپ ہی کو سوپور سے بلایا۔ آپ فن حکمت وطبابت میں کامل وتجربہ کار تھے۔

آپ کے محلّہ کی مسجد جو مسجد مسلم پیر کے نام مشہور ہے۔ بہت خستہ حالت میں تھی۔ آپؒ نے ذاتی امداد کے علاوہ اہل محلّہ سے بھی تعمیر ومرمت کے لیے اعانت حاصل کی۔ اس مسجد کو جو دراصل شہید ہو چکی تھی آپ ہی نے از سر نو زندہ کیا۔

۱۹۲۶ء میں آپ بہ عمر ۶۵ سال وفات پا گئے۔ آپ کے فرزند اول حکیم غلام قادر جن کی عمر اس وقت پچاس منزلیں طے کر چکی ہے ایک نہایت درویش صفت بزرگ ہیں۔ بظاہر دکان عطاری کی کرتے ہیں۔ لیکن دراصل ''دست بکار ودل بہ یار۔'' کا صحیح مصداق ہیں۔ مسجد مسلم پیر کے آپ ہی مہتمم ہیں اور زہد وپرہیز گاری کا کامل نمونہ ہیں۔

آپ کے برادر خورد حکیم ثناء اللہ نے طبابت اپنے والد اور مولانا مولوی احمد اللہ اسے سبقاً سبقاً پڑھی۔ مولانا احمد اللہ مدرسہ معین الاسلام سوپور کے بانیوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

حکیم ثناء اللہ کا ایک دینی کام جو قابل تعریف ہے، یہ ہے کہ سوپور کے ایک انیٹو قبیلہ نے مسجد مسلم پیر پر کچھ روپیہ خرچ کر کے مسجد کا حمام بنوا دیا تھا اور یہ کہہ کر کہ مسجد کی آمدنی کے لیے حمام

کو کرایہ پر دے دیا جائے گا۔اس پر خود قبضہ کر کے اس کو مثالی سٹور بنا رکھا تھا۔آخر اہل محلّہ نے حکیم ثناء اللہ کے ذریعہ تین سو روپیہ جمع کر کے جس میں حکیم صاحب نے اپنی جیب سے بھی معقول رقم دی تھی عدالت منصفی کی معرفت اس انٹیو قبیلہ کو دیا اور حمام مسجد کو آزاد کرایا۔

حکیم ثناء اللہ اپنے قصبہ میں نہایت بارسوخ اور مقتدر طبیب ہیں۔مقامی حکام اور کئی نامور اصحاب بھی آپ کی طبی قابلیت سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔راقم الحروف بھی ۱۹۳۸ء کی گرمیوں میں مقام سوپور کئی دن تک بخار سے بیمار رہا۔آپ ہی کے ہمدردانہ علاج نے اس سے نجات دلائی۔آپ کی عمر ۱۹۰۲ء کی پیدائش کے مطابق اس وقت چالیس سال کی ہے۔

حکیم ثناء اللہ کے ثنائی شفاخانہ سے غربا اور مستحقین کو دوا وغیرہ مفت ملا کرتی ہے۔آپ نے اپنی زرعی اراضیات کو بھی وسعت دی ہے اور آپ زراعت پیشہ بھی ہیں۔آپ کے پاس کئی پرانی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں جن میں طب یوسفی، قرابادین، طب شفا، میزان الطب، نفیسی وغیرہ کتابیں موجود ہیں۔

حکیم عزیز اللہ کے تیسرے فرزند ڈاکٹر غلام محمد نے سوپور کے گورنمنٹ ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد پانچ سال تک امرتسر کے میڈیکل سکول میں ریاست سے میڈیکل وظیفہ لے کر تعلیم حاصل کی اور آخر امتحان میں کامیاب ہو کر پونچھ میں تعینات ہوئے۔آج کل راولا کوٹ ڈسپنسری کے انچارج ہیں آپ نہایت قابل اور ذہین ہیں۔میٹرک میں بھی فسٹ ڈویژن میں پاس ہوئے اور میڈیکل سکول میں بھی نہایت اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے۔

ڈار فیملی جلال پور جٹاں

عثمان ڈار
|
شرف دین
├── محمد الدین (لاولد)
└── احمد دین
    ├── فضل حق
    └── دلشاد احمد

کشمیر میں افغان حکومت کا آخری زمانہ تھا کہ علاقہ شوپیاں کا ایک باعزت زمیندار

انقلاب زمانہ کی تاب نہ لا کر اپنے وطن سے باہر نکلا اور امرتسر پہنچا جوان دنوں کثیر التعداد کشمیریوں کی آمد کی وجہ سے کشمیر ثانی بن رہا تھا۔ تھوڑا عرصہ وہاں رہا تھا کہ دل نہ لگا اور قسمت وہاں سے اٹھا کر ضلع گجرات کے مشہور قصبہ جلالپور جٹاں میں لے آئی۔ جلالپور گو جلالپور جٹاں کے نام زیادہ مشہور ہے لیکن اس میں کشمیری مسلمانوں کی آبادی بھی کسی دوسری قوم سے کم نہیں ہے اور ان میں سے اکثر افراد نہایت عزت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

جلالپور میں اس بزرگ نو وارد کے فرزند خواجہ شرف دین ڈار عرف شرف جو نے پشمینہ کا کام شروع کیا اور اس تجارت کے ذریعہ فارغ البالی سے گزارہ کرنے لگے لیکن ابھی کچھ زیادہ لذت نہ اٹھانے پائے تھے کہ گردش ایام مصائب کی شکل اختیار کر کے پس و پیش منڈلانے لگی۔ اور آخر آپ جلالپور سے لاہور آ گئے۔ تعلیم بھی کچھ زیادہ نہ تھی اور کاروبار بھی وہیں چھوڑ آئے تھے۔ اس لیے پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے۔ کئی دفعہ واپس کشمیر جانے کا خیال آتا اور کہا کرتے کہ وہاں کافی اراضی ہے۔ اس کو جا کر نئے سرے سے آباد کریں گے لیکن اس خیال نے ابھی عملی صورت اختیار نہ کی تھی کہ موت نے سارا قصہ ختم کر دیا۔

آپ کے دونوں فرزند آپ کی بے وقت وفات سے گو معمولی تعلیم حاصل کر سکے لیکن وہ تھے بلند ہمت اور ارادہ کے مستقل اور اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ "گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر" اس لیے وہ ہوش سنبھالنے کے بعد قسمت آزمائی کے لیے وطن سے باہر نکلے اور سمندر چیر کر افریقہ جا پہنچے۔ خواجہ فضل حق (عمر ۴۰ سال) برٹش ایسٹ افریقہ کینیا کالونی کے ایک شہر رنگوئی میں "ڈار سٹور" کے مالک ہیں اور کامیابی عزت اور خوشحالی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان سے چھوٹے کا نام خواجہ دل شاد احمد ڈار ہے۔ ان کا تجارتی کاروبار نیروبی میں ہے اور دونوں بھائیوں نے تجارت کے ذریعہ خوب ترقی کی ہے۔

جلالپور میں ان کے کئی رشتے دار فوج میں ہیں اور ایک صوبیدار میجر ہیں۔ ان کے دو قریبی عزیز میونسپلٹی جلالپور کے ممبر ہیں۔ افریقہ میں صرف تجارتی کاروبار ہے۔ اصل سکونت جلالپور جٹاں میں ہی ہے۔ خواجہ فضل حق ڈار ۱۹۲۶ء کے اجلاس کشمیری کانفرنس میں بھی شامل ہوئے تھے۔ آپ کو علمی، قومی اور ادبی کتب بینی کا خاص شوق ہے۔ آپ کے بڑے لڑکے کی عمر اس وقت چودہ سال کے قریب ہے۔

خاندان بُلہ سوپور

خواجہ گراشہ جو
|
خواجہ عبدالقدوس
|
حاجی احمد جو ۔ حاجی عزیز جو ۔ حاجی عیسیٰ جو ۔ حاجی علی جو ۔ خواجہ حبیب جو ۔ خواجہ عبدالسبحان

- حاجی احمد جو: دو دختر
- حاجی عزیز جو: غلام محمد ۔ غلام قادر ۔ محمد مقبول ۔ غلام نبی ۔ ثناءاللہ
- حاجی عیسیٰ جو: غلام محی الدین تین دختر
- حاجی علی جو: ولی محمد ۔ احسن اللہ ۔ دختر
- خواجہ حبیب جو: دختر

بُولہ یابُلہ لفظ کی اصل دریافت نہیں ہوسکی ۔ ایک خیال ہے کہ دسویں صدی بکرمی کی ابتدامیں بعہد راجہ ہرش وبلہن نام سنسکرت زبان کا ایک بہت بڑا شاعر کشمیر میں گزرا ہے۔ ممکن ہے بُولہ یابُلہ اسی عہد قدیم کے اس نامور شاعر کی یادگار ہو۔ ایک یہ بھی خیال ہے کہ بٹن کے نزدیک ایک موضع بولہ گام ہے۔ ممکن ہے ان کا کوئی بزرگ اس گاؤں سے سوپور آیا ہواور گاؤں کے نام پر اس کا نام بُلہ پڑ گیا ہے۔ جیسے حاجن یا جانواری مواضعات سے آنے والے اشخاص کی آل اب حاجن اور جانواری ہی ہے۔ اگراس خیال کو صحیح سمجھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بولہ لفظ جس کے نام پر ایک گاؤں بھی آباد ہے۔ بہت قدیم سے چلا آتا ہے۔ ایک اور قیاس ہے کہ اس خاندان کے بزرگ حضرت سید عبدالرحمان شاہ عرب بلبل شاہ کے محلّہ بلبل لانکر واقعہ سری نگر سوپور آئے تھے۔ اس خاندان کی اپنی روایات بھی اس امر کی تصدیق کرتی ہیں۔

بہر حال ان کے بزرگ کشمیری الاصل ہی تھے۔ اور یقیناً وہ دیگر کشمیری افراد کی طرح پنڈتوں ہی سے مسلمان ہوئے تھے ۔ اس خاندان کے بزرگوں کے نام کے ساتھ جو کا لفظ آتا ہے۔ یہ لفظ کشمیر میں صدیوں سے مستعمل چلا آتا ہے۔ اور بھی بیشتر خاندانوں کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ اس لفظ کے متعلق کو یراج ڈاکٹر سری ناتھ تیکو شاستری، کشمیری زبان کا ارتقاء" میں لکھتے ہیں۔ "کشمیری زبان پر یونانیوں اور یہودیوں کا بھی اثر تھا کہتے ہیں کشمیر کے اکثر ناموں کے بعد لفظ جو یہودیوں ہی کے اثر کا نتیجہ تھے۔" لیکن راقم کو اس سے اختلاف ہے وجہ یہ کہ ذو عربی لفظ ہے جس کے معنی صاحب کے ہیں اور جو عزت واحترام کا لفظ ہے۔ ذال جیم سے بدل جاتی ہے۔ جیسے سنسکرت اور ہندی کے مصنفوں نے سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کو "جین العابدین" لکھا ہے۔ اور جس طرح مسلمان مورخوں نے جیا سنگھ کو زیا سنگھ اور روز یا نگرم کو و جیا نگرم لکھا ہے۔

اس لیے لفظ "یہودیوں کے اثر کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ خالص عربی لفظ ذو ہے۔ جو زبانوں پر چڑھ کر جو ہوگیا ہے۔ جیسے ذوالنورین ذوالقرنین وغیرہ ۔

گواشہ جو اُس خاندان کا جد اعلیٰ ہے۔ اسی احترام کی وجہ سے جو کہلاتا تھا۔ گواش یا گاش * کشمیری پنڈتوں اور کشمیری مسلمانوں کا مشترکہ لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں روشنی۔ ہندوؤں میں گواشہ لال اور مسلمانوں میں گواش جو ایک ہی مطلب ہے۔

سوپور میں یہ خاندان عرصہ دراز سے مسلسل تجارت پیشہ چلا آتا ہے۔ اراضیات بھی اس خاندان کے پاس کافی ہیں۔ باغات بھی اس خاندان کے پاس چند ایک موجود ہیں۔ خواجہ قدوس جو کے چھ فرزندوں میں اول الذکر چار اصحاب زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہو چکے ہیں۔ یہ پابند شریعت خاندان خدمت خلق اللہ کے ذریعہ حقوق العباد سے بھی غافل نہیں ہے۔ ان کے اپنے محلّہ میں ایک جامع قدیم ہے۔ اس کی تعمیر وغیرہ میں انہوں نے دل کھول کر حصہ لیا ہے۔ سوپور میں ان کی دو تجارتی کوٹھیاں اعلیٰ پیمانہ پر تجارتی کام کر رہی ہیں۔ ان کا تجارتی کاروبار پنجاب کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی تک پھیلا ہوا ہے۔ ان کی تجارت نے اپنی ملکی صنعت کے کپڑے کو بھی بہت فروغ دیا ہے۔ ان کا کاروبار بہت لوگوں کے لیے ذریعہ معاش بنا ہوا ہے۔

خاندان صابون

محمد الیاس مصری

محمد قاسم | محمد یعقوب | محمد یوسف

محمد یوسف ← خواجہ صبور دین

خواجہ صبور دین ← محمد عارف لاولد | لعل دین صابون | علی محمد | جمال دین | خواجہ غلام محمد

خواجہ غلام محمد ← منشی غلام رسول وثائق نویس

منشی غلام رسول وثائق نویس ← غلام نبی | غلام حسن | غلام احمد | غلام محمد کاک | غلام مصطفےٰ

---

* ۱۹۴۲ء میں گاش (روشنی) کے نام سے امین ابن مہجور شاعر نے کشمیری زبان میں ایک اخبار بھی جاری کیا تھا جو کہ کچھ عرصہ بعد بند ہو گیا تھا۔

کشمیر کے مصری خاندانوں میں مسلمان بھی ہیں اور پنڈت بھی ہیں۔ مصری مسلمان قبائل کے مصری مشہور ہونے کی وجہ سے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کے کوئی بزرگ تجارت یا سیاحت کی غرض سے مصر سے آئے ہوں گے۔ یا کشمیر ہی کا کوئی مسلمان تجارت یا سیاحت کی غرض سے مصر گیا ہوگا۔ اور واپسی پر اس کا نام اس کے اہل وطن نے مصری رکھ دیا ہوگا اور بعد میں اس کی اولاد اسی نام سے مشہور ہوگئی ہوگی۔ پنڈت مصریوں کے مصری نام کی وجہ سے یہ بتائی جاتی ہے کہ ان کا کوئی بزرگ مسلمان مصری خاندان کا معتمد اور کاردار تھا۔

بہر حال سری نگر اور سوپور میں چند مسلمان مصری خاندان موجود ہیں۔ سری نگر میں غلام نبی مصری اور ان کے چچازاد مولوی محمود مصری علم الحدیث میں یکتائے زمانہ گزرے ہیں۔ غلام نبی نے اپنے چچا ہی سے یہ علم حاصل کیا تھا۔ بہت لوگوں کو ان سے فیض پہنچا۔ آپ کی آخری آرام گاہ محلہ مرجان پورہ میں ہے۔ بقول صاحب تاریخ کبیر کشمیر آپ نے اپنی عمر کا کافی حصہ حضرت خواجہ شاہ نیاز نقشبندی کے مکان میں گزارا ہے *۔

سوپور کے مصری خاندان کے مورث اعلیٰ محمد الیاس مصری گزرے ہیں اور دیر تک چرار شریف میں حضرت شیخ نورالدین ولی کی زیارت پر معتکف رہے اور وہیں ایک معزز زمیندار کے ہاں ان کی خانہ آبادی کا انتظام ہوگیا اور وہیں آپ نے رہائش بھی اختیار کر لی۔ تر سیٹھ سال کی عمر تھی کہ محمد قاسم نام گیارہ سالہ فرزند چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوگئے۔ محمد قاسم گو یتیم اور بے سروسامان تھا لیکن اس حالت میں بھی اس نے تھوڑی بہت تعلیم (فارسی) کے علاوہ فن خیاطی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔

ان کے فرزند محمد یعقوب نے جوان عمر (۳۳ سال) ہی میں وفات پا کر محمد یوسف اپنے اکلوتے بیٹے کو یتیم بنا دیا۔ محمد یوسف کے متعلق اس خاندان میں یہ روایت ہے کہ اس نے اچھا علم حاصل کیا تھا اور شعر و شاعری میں بھی اس نے شہرت حاصل کر لی تھی۔ اس کی وفات پچاس سال کی عمر میں ہوئی۔ خواجہ صبور دین جس نے قلیل سرمایہ سے زینہ کدل سری نگر میں تجارت شروع کر کے نام پیدا کیا۔ اسی کا فرزند تھا۔ اس نے تجارت کے ذریعہ کافی روپیہ کمایا اور اس کے داد و دہش اور ذی جود سے بہت سے مستحقین اور مساکین کو فائدہ پہنچتا رہا۔

اس کے فرزند لعل دین نے سری نگر محلہ خانقاہ معلّیٰ میں اس تجارت کے علاوہ صابون سازی کا کارخانہ بھی جاری کیا۔ اور چونکہ یہ بالکل نیا کام تھا لوگوں نے مصری نام کی جگہ اس قبیلہ کا نام صابون یا صابونی * رکھ دیا۔ بقول شاعر:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آپ ہی اس خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جنھوں نے سری نگر سے نقل مکانی کر کے سوپور میں سکونت اختیار کی۔ ان کے پوتے خواجہ جمال دین کے وقت ان کے کارخانہ کو بہت وسعت ہوئی۔ ان کے تمول اور ان کے رسوخ کی وجہ سے حکومت نے ان کو محلّہ افسر (یعنی اپنے علاقہ کا نمبردار) مقرر کیا۔ حکومت کے اس اعزاز نے جو فرائض ان کے ذمے ڈالے تھے۔ آپ نے ان کو بوجہ احسن انجام دیا۔ ان کے فرزند خواجہ غلام محمد عرف صابون ساز نے دوسرے کاروبار کے علاوہ صابون سازی کے کام کو بھی بطور وراثت جاری رکھا۔ خواجہ غلام محمد صرف تاجر ہی نہ تھے بلکہ اپنے لمحات فرصت کتب بینی اور مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ مقامی حکام ان کی ہردلعزیزی وران کے اخلاق کی شہرت کی وجہ سے ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے ان کی خدمات کے صلہ میں کئی اسناد بھی ان کو ملی تھی۔ ان کے کتب خانہ میں چند نایاب قلمی کتابیں موجود تھیں۔ جو آج بھی ان کی ذریات کے پاس موجود ہے۔ ان میں ذیل کے نسخے لخصوص قابل ذکر ہیں۔ سراپا، مہر عربی، دیوان ابن یمین ہفت مجلس ابن یمین اور دیوان مغربی۔ خرآپ تریسٹھ سال کی عمر پا کر بعارضہ دمہ انتقال فرما گئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ محمد الیاس بانی ندان سے لے کر خواجہ غلام محمد کے اکلوتے فرزند منشی غلام رسول یعنی نو پشتوں تک ہر پشت ںایک ہی لڑکا پیدا ہوتا رہا۔ صرف خواجہ عبور دین کے ہاں دو فرزند ہوئے۔ ان میں بھی محمد رف خورد سالی ہی انتقال کر گیا۔ اور دراصل اولاد ایک ہی سے چلی۔

منشی غلام رسول جو سوپور میں قابل وثیقہ نویسوں میں سے ہیں اور خواجہ غلام محمد کے

ایک بزرگ خواجہ فتح اللہ صابونی کے نام سے سرینگر میں گزرے ہیں۔ ان کا فرزند خواجہ امان اللہ صابونی اپنی حسن تعداد کی وجہ سے فن شعر میں صاحب کمال تھا۔ اس کا ایک شعر تاریخ کبیر کشمیر کے صفحہ ۳۴۷ سے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ایں زماں از پیچ نگہداشت است عمرش آفت است
قامتش گرد و قیامت چوں بہ درہ خواہد رسید

اکلوتے فرزند ہیں۔ صرف اہل علم ہی نہیں ہیں بلکہ انہیں علم موسیقی اور فن طبابت سے بھی پوری آگاہی ہے۔ غریب غربا اور اہل محلّہ کا علاج بالکل مفت کرتے ہیں۔ سوپور میں جو چند خاندان علم اور مطالعہ علم کی شوقین ہیں ان میں آپ بھی صف اول میں ہیں۔ اپنے والد کی طرح آپ بھی محلّہ افسری کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ آپ اس وقت اپنی عمر عزیز کی ۵۳ ویں منزل طے کر رہے ہیں۔ آپ کے بڑے دو فرزند غلام نبی و غلام حسن محکمہ تعلیم کشمیر میں بطور ٹیچر ملازم ہیں۔ اور تیسرے فرزند غلام احمد انسپکٹر مدارس کشمیر کے دفتر میں بطور کلرک کام کر رہے ہیں۔ چوتھے فرزند غلام محمد کاک تجارت کا شغل رکھتے ہیں۔ بچپن میں گھر کے سب لوگ ان کی باتوں سے خوش ہو کر پیار کے طور پر ان کو کاک کہا کرتے تھے۔ اب وہ اپنے گھر کے علاوہ اپنے دائرہ احباب میں بھی کاک ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے کشمیر گورنمنٹ فیکٹری میں بھی کام کیا ہے۔ کشمیر ویلی فوڈ کنٹرول سے بھی آپ کا تعلق رہا ہے۔ سال گزشتہ میں آپ کو محکمہ تعلیم کی طرف سے ناخواندہ بالغوں کے خواندہ بنانے کے صلہ میں نقد انعام بھی مل چکا ہے۔ آج کل ماچس (دیاسلائیوں کی ڈبیوں) پر کنٹرول ہونے کی وجہ سے سوپور میں اس کے سب ایجنٹ ہیں۔ منشی غلام رسول کے پانچویں فرزند غلام مصطفیٰ ہائی سکول سوپور میں نویں جماعت میں زیر تعلیم ہیں۔

☆

کار خاندان ہردوشیوہ زنگیر

شجرہ نسب

- رزاق کار
  - صابر کار
    - خواجہ حسن جو کار
    - محمد کار
  - وہاب کار
    - فتح کار عرف فتح شاہ
      - حبیب جو
      - خلیل جو
        - خواجہ عبداللہ جو کار
          - دختر
            - زوجہ خواجہ مہدیو
            - چھان سوپور
          - دختر
        - خواجہ عمر جو کار
          - خواجہ احسن جو کار
            - دختر
              - زوجہ احد جو کار فرزند عزیز جو کار
            - دختر
              - زوجہ فرزند خواجہ مہدیو چھان سوپور
            - دختر
            - دختر
        - خواجہ عزیز جو کار
          - خواجہ احمد جو کار
      - احمد جو
      - صمد جو

کار کی اصل وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی۔ نہ کار قوم ہی کا کوئی شخص اس نام کی وجہ بتا سکا
ہے۔ البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ پنڈتوں میں بھی کار کے نام سے چند خاندان موجود ہیں۔ یہ مسلمان
ڑت کہلاتے ہیں۔ گوتر ان کا دیوکنٹھ کشپ ہے اور ذات ان کی کار ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا
ہے کہ کار قوم کے مسلمان بھی ابتدا میں پنڈت ہی تھے اور جب انہوں نے غلبہ اسلام کے زمانہ میں
سلام قبول کیا تو یہ بھی کار ہی کہلاتے رہے۔ کار مسلمان کشمیر بالخصوص شمالی کشمیر میں کافی تعداد میں
ب۔ ان میں قریباً چار سو سال سے ایک خاندان ہردوشیوہ میں آباد ہے۔ اس میں خواجہ احسن جو کار
زند صابر جو کار نے اپنے تمول اور کاروبار کے لحاظ سے بہت شہرت حاصل کی۔ اس زمانہ میں
صیل کا مال گودام جس میں شالی چاول اور دیگر اجناس کا ذخیرہ سرکاری طور پر جمع رہتا تھا۔

یہیں تھا۔۔ یہ زمانہ مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کا تھا اور اہل دیہہ کے قول کے مطابق خواجہ عزیز میر مرحوم رئیس راجپور پلوامہ کے والد کدہ میر یہاں کاردار علاقہ تھے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ یہاں کچہری بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیوہ * میں جہاں آج خادم صاحب کا باغ ہے۔ اس کا نام کچھیری باغ تھا اور صاف ظاہر ہے کہ لفظ کچھیری کچہری کا بگڑا ہوا نام ہے۔ بلکہ لارنس صاحب کے بندوبست کے ابتدائی ایام میں یہاں کچہری کے مکانات کے کچھ آثار بھی موجود تھے۔

اس سرکاری مال گودام کے مہتمم خواجہ احسن کار ہی تھے۔ زمینداری اور تجارت کے علاوہ ان کا بڑا کاروبار لوہا پیدا کرنے کا کارخانہ تھا۔ ہردوشیوہ سے ذرا اوپر ایک پہاڑی پر موضع ستر ہار واقع ہے۔ اس گاؤں کی مٹی وزن دار بھی ہے اور سیاہ بھی ہے۔ آپ اس مٹی کو مزدوروں کے ذریعہ ہردوشیوہ میں لاتے تھے۔ اور اس سے لوہا نکالا کرتے تھے۔

شیوہ میں جہاں کہیں کھلی جگہ ہوتی تھی وہاں لیپو بنائے جاتے تھے۔ لیپو ایسا ہی ہوتا ہے جیسا پنجاب کے دیہات میں اجناس کا ذخیرہ رکھنے کے لیے بھڑولے بنانے کا رواج ہے۔ یہ لیپو یا بھڑولے مٹی ہی سے بنائے جاتے تھے۔ جو قریباً قد آدم اور بعض حالات میں اس سے بھی زیادہ اونچے ہوتے تھے۔ ہر لیپو میں چار سوراخ زمین کے ساتھ یعنی سب سے نیچے رکھے جاتے تھے۔ پھر درمیان میں چار پھر ان کے چار کے اوپر چار، گویا سوراخوں کی تین منزلیں ہوتی تھیں۔ ہر منزل میں کافی مقدار میں ستر ہار کی مٹی اور کوئلہ رکھا جاتا تھا اور سوراخوں میں دمنی یعنی پھونکنی رکھ کر کوئلہ اور مٹی کو آگ کے ذریعہ سرخ کرلیا جاتا تھا۔ ہر دمنی پر دو آدمی مقرر ہوتے تھے۔ ایک یا دو دن میں مٹی اور کوئلہ کو دم پخت کرنے کا کام ختم ہو جاتا تھا۔ پھر مٹی اور کوئلہ کی میل جس کو کرکٹو کہتے تھے۔ بیلچہ سے باہر نکال کر پھینک دیتے تھے۔ چنانچہ ابھی تک ہردوشیوہ میں کرکٹو کے ڈھیر کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ چونکہ مٹی اور کوئلہ توے کی شکل میں گول دائرہ کی صورت میں لیپو کے

---

* لارنس صاحب کے زمانہ میں ہردوشیوہ کے تین نمبردار تھے۔ رمضان ڈار ولد محمد ڈار۔ عمر راتھر ولد مکلی راتھر شعبان ڈار ولد وہاب ڈار۔ کہا جاتا ہے کہ بندوبست کے بعد جب نمبرداری کا سلسلہ قائم ہوا۔ تو رمضان ڈار نے باقی دونوں نمبرداروں کو سرکار کی طرف سے کچھ ایسا خوف دلایا کہ انہوں نے نمبرداری کا خیال ہی ترک کر دیا اور رمضان ڈار خود نمبردار ہوگیا۔ ان ایام میں اس علاقہ کا میر چودہری یعنی ذیلدار وہاب ڈار تھا۔ اس کو مہاراجہ گلاب سنگھ نے خدمات کے عوض تین پگڑیاں ایک ہی دفعہ سر پر بندھوائی تھیں۔ ترمیم بندوبست جب دس سال کے بعد ہوا تو رمضان ڈار نے یہ ظاہر کرکے کہ وہاب ڈار میرے ایک جدامجد ہی تھے ذیلداری بھی حاصل کرلی۔ حالانکہ وہاب ڈار کا حقیقی پوتا اسد ڈار اب تک موجود ہے اور گاؤں میں خوش گزران ہے عمر ڈار کی اولاد ہی شیوہ میں موجود ہے۔

اندر رکھے جاتے تھے اس لیے لوہا بھی ایسا ہی اچھا نکلا کرتا تھا۔ انہی ایام میں چونکہ لوہا پنجاب سے آنا شروع ہوگیا تھا اور یہاں کے لوہے کے مقابلہ میں سستا اور صاف ملتا تھا اس لیے یہ کاروبار خوجہ احسن کار کی زندگی ہی میں رفتہ رفتہ بند ہوگیا۔ بلکہ ہردوشیوہ کے علاوہ ہرون سے بھی جو علاقہ زنگیر ہی میں واقع ہے۔ لوہا نکلا کرتا تھا۔ اور اس کا بھی اسی طرح خاتمہ ہوگیا۔

خواجہ احسن جوکار اپنے علاقہ کے نامی رئیس تھے اور ہمیشہ پالکی میں آمد و رفت رکھا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں چاء قہوہ کا رواج کشمیر اور خصوصاً دیہات میں بہت کم تھا۔ لیکن آپ کا بہت بڑا سماوار، ہر مہمان اور ہر آئے گئے کی خدمت کے لیے گرم رہتا تھا۔ اس کے فرزند خواجہ خلیل جو کے زمانہ میں چونکہ لوہے کی برآمد بند ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے زمینداری کو وسعت دینے علاوہ پٹو اور جوڑہ لوئی کی تجارت کی طرف توجہ کی اور اس کو خوب ترقی دی۔ ان کے تینوں فرزندوں نے بھی باپ کے تجارتی سلسلہ کو جاری رکھا۔ ان کے فرزند خواجہ عبداللہ کار ۶ جیٹھ ۱۹۹۸ بکرمی کو ساٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ خواجہ عمر جوکار نے بہ عمر بہتر سال ۱۶ مگھر ۱۹۹۱ بکرمی کو وفات پائی۔ ان کا ایک ہی فرزند احسن جوکار ہے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۳۷ھ کی پیدائش کے مطابق ان کی عمر اس وقت اکتالیس سال کی ہے۔ آپ نے تعلیم ہردوشیوہ کے مکتب ہی میں مولوی ثناء اللہ سے حاصل کی۔ یہ مکتب اس زمانہ میں مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کی طرف سے کشمیر کے دیہات میں اشاعت علم کے لیے جاری تھا۔ اور قبلہ خادم صاحب مرحوم اور راقم کی کوشش سے جاری ہوا تھا۔

آپ زیادہ تر تجارت اور زراعت کا کام کرتے ہیں۔ وسیع اراضیات اور باغات کے مالک ہیں۔ آپ کا بادام کا باغ خاص طور پر مشہور ہے۔ شمالی کشمیر اور سری نگر کی اسلامی و قومی انجمنوں سے بھی تعلق ہے۔ اخبارات کا باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں۔ اور زمانہ کے حالات سے خوب باخبر ہیں۔ آپ نے اپنے مکانات کی تعمیرات میں ایک دیہات میں رہنے کے باوجود گلی کوچوں کی فراخی کا خاص خیال رکھا ہے۔ اپنے گاؤں کے علاوہ رامپور راجپور، امرزل داری اور دیگر ملحقہ دیہات کے غریب غربا کو ان کی مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت بلاسود امداد دیتے ہیں اور یہ قرض حسنہ ان کو کئی کئی قسطوں میں کئی کئی سال کے بعد ملتا ہے۔

علاقہ کامراج کی مشہور زیارت اور مزار حضرت خواجہ حسن قاری کی خدمت میں بھی حصہ لیا کرتے ہیں۔ آپ تا حال اولاد نرینہ سے محروم ہیں۔ چار لڑکیاں ہیں۔ بڑی لڑکی جو خواجہ احد جوکار کی اہلیہ ہے گھر ہی میں رہتی ہے۔ دوسری لڑکی اہلیہ مسٹر ثناء اللہ کو موضع امرزل داری میں چالیس کنال زمین دی ہے۔ تیسری لڑکی کے لیے عنقریب وہ انتقال اراضی کا انتظام کر رہے ہیں۔ چوتھی لڑکی کو موضع رامپور

راجپور میں ۴۲ کنال اراضی دی ہے۔ سب لڑکیاں قرآن شریف اور مروجہ تعلیم سے واقف ہیں۔

آپ کے شجرہ نسب میں وہاب کار کے فرزند فتح جوکار کا نام فتح شاہ بھی ہے۔ آپ
تمام خاندان میں نوشت وخواند کا رواج چلا آتا ہے۔ ان میں سے فتح جوکار معمولی خواندہ ہی نہ
بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے۔ راقم نے ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند سپارے د
ہیں۔ عربی اور فارسی دونوں خطوں کے ماہر تھے۔ لیکن صوفی مشرب تھے۔ زمینداری ترک کر
ایک چنار کے نیچے جا بیٹھے۔ وہیں ایک چشمہ ہے جس سے قریباً دوسو کنال زمین سیراب ہوتی
جس جگہ آپ نے قیام کیا۔ اس کا نام آج تکیہ فتح شاہ ہے۔ وہاں ان کی اولاد کے چند گھر آباد
جوشاہ اور پیر کہلاتے ہیں اور بندوبست کے کاغذات میں بھی انہوں نے اپنی ذات یہی درج
رکھی ہے۔ ان کا پیشہ اب امامت اور زمینداری ہے۔

فتح کار پہلے فتح صاحب کہلائے اور پھر فتح شاہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان کی اولاد
رفتہ ترقی کر کے اب سیادت کی آخری منزل تک بھی جا پہنچے گی۔ ہردو شیوہ میں کار قوم کی آبادی چو
نمبر پر ہے۔ اول راتھر، پھر ڈار، پھر لون اور پھر کار۔ کار قوم کے اس گاؤں میں گیارہ گھر ہیں۔

شیخ فیملی بانڈی پورہ بادامی باغ

- نند شیخ
  - عالم شیخ
    - شیخ عبدالرحیم
      - محمد سلطان
        - محمد سبحان
          - شیخ عبدالاحد
        - غلام محمد عرف غلام شیخ
          - محمد اسداللہ عاصی
          - غلام احمد مرحوم
          - عبدالغنی
          - ثناءاللہ
        - شیخ عبدالعزیز
          - غلام محمد
            - غلام رسول
          - عبدالرحمٰن
      - محمد شعبان
        - محمد سبحان
          - غلام نبی
          - غلام رسول عرف شیخ
  - قادر شیخ

اس خاندان کا مورث اعلیٰ جیسا کہ شجرہ سے ظاہر ہے نند سنگھ ایک سکھ سردار تھا۔ جو افغان عہد حکومت میں ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نند سنگھ کی بجائے نند شیخ ترال میں رہتا تھا۔ جہاں اب بھی سکھوں کی کافی آبادی ہے۔ معلوم نہیں اس نے خود یا اس کی اولاد میں سے کسی نے ترال کی سکونت ترک کر کے علاقہ کھوئی ہامہ کو اپنا وطن بنالیا۔ بہر حال اب یہ خاندان چند پشتوں سے علاقہ کھوئی ہامہ کے مقامات بانڈی پورہ، بادامی باغ، بونہ کوٹ اور بونہ کوٹ سے اوپر مچھل موضع دوری میں رہتا ہے۔ اس موضع میں شیخ عبدالاحد نمبردار اور ان کے بھائی محمد شیخ اور شیخ حبیب اللہ ایجنٹ کشمیر سٹور سورج گنج کوئٹہ قابل ذکر ہیں۔ اور بونہ کوٹ کی شاخ میں شیخ برادری میں سے شیخ عبداللہ اور شیخ محمد صدیق قابل ذکر اور صاحب حیثیت زمیندار اور شیخ کمال دین موجود ہیں۔

نند شیخ کی چھٹی پشت میں شیخ عبدالرحیم جاگیرداران بونہ کوٹ کے معتمد بلکہ وزیر تھے اور سرحدی علاقہ کی حفاظت میں ان کے دست راست تھے۔ ان کے فرزند کلاں شیخ محمد سلطان کے فرزندوں میں عبدالسبحان اپنے زمانہ میں ایک خدا دوست اور متقی بزرگ گزرا ہے۔ اس کا فرزند شیخ عبدالاحد بانڈی پورہ کے مشہور اور ماہر ٹیلر ماسٹروں میں شمار ہوتا ہے۔ محمد سلطان کے دوسرے فرزند غلام محمد عرف غلام شیخ نے یورپین افسروں کے ہمراہ رہ کر قریباً تمام ہندوستان کی سیاحت کی ہے۔ برما تک سے بھی ہو آئے تھے۔ ۴ ستمبر ۱۹۴۰ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی وفات پر مفتی ضیاالدین آف پونچھ نے ایک ماتمی نظم میں ذیل کے خیالات کا اظہار کیا ہے:

دریغا جہانے شدہ دل حزین
سرا سیمہ دل خستہ اندوہ گین
ز ترحیل نیکو صفت نیک نام
پراگندہ خاطر کین و مین
لقب شیخ بودہ بسے نیک خو
خوش اخلاق بس بود صاحب یقین
ز حق روح ریحاں نصیبش مدام
بفردوس باصالحان ہم قرین
سن رحلتش گفت ہاتف ضیا

قیامش بادا بہ خلد بریں

۱۳۵۹ھ

مرحوم کے چار فرزندوں میں غلام احمد تئیس چوبیس سال کی عمر میں ۲۶ مئی ۱۹۲۶ کو انتقال کرگیا۔ بڑے فرزند منشی محمد اسد اللہ عاصی کشمیر کے اندر اور کشمیر کے باہر مختلف محکموں میں ملازمت کر چکے ہیں۔ ان کے پاس بعض یورپین افسروں کے سرٹیفکیٹ بھی احسن کارکردگی کے ہیں۔ مکینک کے کام سے بھی خوب واقف ہیں۔ چند سالوں سے لاہور میں قیام ہے۔ اور پنجاب کے سب سے بڑے بینکر لالہ بلاقی شاہ رئیس * لاہور کے معتمد علیہ ہیں اور ان کی وسیع جائیداد (مکانات اور کوٹھیوں) کے نگران ہیں۔ آپ نے اپنے آبائی وطن سے باہر نکل کر حدود پنجاب میں بھی اپنے وطن اور اہل وطن کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ انسداد بردہ فروشی کے سلسلہ میں آپ بہت مفید کام کرتے رہے۔ اس کے علاوہ حتی الامکان اپنے وطنی بھائیوں کی قدمے درمے امداد کرتے رہے۔

عاصی صاحب اپنی ملکی اور قومی پستی کو دور کرانے کا سب سے بڑا ذریعہ حصول تعلیم ترقی صنعت وحرفت اور ہندو مسلم اتحاد کو تصور کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک یہ تینوں باتیں نہ ہوں کوئی ملک ترقی یافتہ ممالک میں شمار نہیں ہوسکتا۔ آپ کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالغنی زمیندارہ کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ اور آپ کا سب سے چھوٹا بھائی ثناء اللہ لاہور ہی میں آپ کے پاس زیر تعلیم بھی ہے اور اعلیٰ کاریگروں کی پاس ٹیلر ماسٹری کا کام بھی سیکھ رہا ہے۔ حدود

---

* سیٹھ صاحب لالہ بلاقی شاہ (فویتدگی ۳ مارچ ۱۹۲۲ء) رئیس لاہور کے اکلوتے فرزند سیٹھ رام لعل مہرہ ایک ہونہار نوجوان اور ہر دلعزیز رئیس ہیں۔ جو صوبہ پنجاب کے سب سے بڑے بینکر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ان کے پانچ فرزند ہیں۔ لالہ بیلی رام' لالہ سنت رام' لالہ رام سرنداس' لالہ رام پرکاش' لالہ رام پرتاپ' ان میں لالہ بیلی رام' لالہ سنت رام اور لالہ رام سرنداس (بینکر) ساہوکارہ کام کرتے ہیں اور چوتھے لالہ رام پرکاش ہیں جنہوں نے ہندوستان کے علاوہ انگلستان میں بھی کرکٹ میں اعلیٰ نام پیدا کیا ہے۔ آپ ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں ایک اعلیٰ کھلاڑی کی حیثیت سے انگلستان میں بھیجے گئے۔ آج کل آپ نادرن انڈیا فلم ڈسٹری بیوٹرز کے پروپرائیٹر ہیں اور سنا ہے کہ عنقریب لالہ سنت رام بھی ناونز ٹاکی کے نام سے ایک سینما جاری کر رہے ہیں۔ لالہ رام لعل کے پانچویں فرزند لالہ رام پرتاپ کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ ان کی ساہوکارہ فرم کا نام مسٹر بلاقی مل اینڈ سنز لمیٹیڈ لاہور۔ اس فرم میں اعلیٰ پایہ کے کارکن اور منتظم اہلکار ہیں جن میں قابل ذکر اصحاب ذیل بیان کئے جاتے ہیں۔ لالہ خوشحال چند مہرہ جن کے اخلاق نے ان کا حلقہ احباب وسیع بنا رکھا ہے لالہ ہری رام۔ لالہ ریکھی لال' لالہ ردیل چند' لالہ موتی رام۔

پنجاب میں بھی اس فیملی کے بہت سے اشخاص موجود ہیں۔ جو مختلف عہدوں اور تجارتی کاروبار میں مشغول ہیں۔ مسافت بعیدہ کی وجہ سے باہمی راہ ورسم ان کے ساتھ نہیں۔

بٹ خاندان

بٹ قوم خالص برہمن قوم ہے اور جیسا کہ اس سے پہلے لکھا گیا ہے۔ نہ صرف سر والٹر لارنس اور جغرافیہ کشمیر ملحقہ راج ترنگنی نے بھی ان کو براہمن لکھا ہے۔ بلکہ گلدستہ کشمیر کے مصنف پنڈت ہرگوپال کول خستہ نے بھی اس قوم کو برہمن کارکن پنڈتوں کی ایک شاخ ظاہر کیا ہے اور بھٹ کا اصل سنسکرت نام بٹھارک یا بھٹھارک بتایا ہے۔

کشمیر کے نامور محقق کویراج ڈاکٹر سری ناتھ تیکو شاستری نے ''بھولی ہوئی کہانیاں'' کے عنوان سے ۱۹۴۲ء کے اخبار ہمدرد سری نگر میں ایک طویل سلسلہ کشمیر کی علمی ادبی اور تاریخی عظمت کا شروع کر رکھا تھا۔ ۱۸ جنوری ۴۳ء کے ہمدرد میں ''سنسکرت ادب اور کشمیری مسلمان'' کے عنوان جو مضمون انہوں نے لکھا ہے اس میں بھٹ فرقہ کے متعلق لکھتے ہیں اس بات کی وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کہ کشمیر کے ہندوؤں کا عام طور سے ''بھٹ'' کہا جاتا ہے۔ جس طرح بہت سے کشمیری پنڈت ''بھٹ'' فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں۔ جو ''بھٹ'' کہلاتے ہوں۔ بھٹ اس کو کہتے ہیں جو چاروں ویدوں کا جاننے والا ہو اور بھٹ وہی کہلاتا تھا۔ جو چاروں ویدوں کا پنڈت ہوتا تھا۔ جب کشمیر میں مسلمان آئے تو انہوں نے کشمیری برہمنوں کو بھٹ ہی کہنا شروع کر دیا اور جو مسلمان بھٹ ہیں۔ وہ بھی انہی کی اولاد سے ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ زمانہ راجگان قدیم میں کشمیری براہمنوں بلکہ کشمیری ہندوؤں کے تمام بڑے بڑے عالم اور شاعر اور مورخ پنڈت یا بھٹ کہلاتے تھے لیکن آج وہی بھٹ بٹ کہلا رہے ہیں۔ کشمیری برہمنوں میں ممکن ہے ابھی تک کسی شاخ میں بھٹ نام موجود ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کوئی مسلمان بھٹ نہیں کہلاتا۔ بلکہ سب بٹ کہلا رہے ہیں۔ البتہ کشمیریوں میں بھٹی ضرور موجود ہیں لیکن وہ علیحدہ راجپوت قبیلہ ہے۔

کشمیر میں اور کشمیر سے باہر پنجاب اور سرحد میں مسلم بٹ قبیلہ کے کئی نامور خاندان موجود ہیں۔ ان میں سے جن کے حالات اب تک پہنچ سکے ہیں ان کو سلسلہ وار یہاں درج کیا جاتا ہے۔

خاندان بٹ کاکاپوری:

تاریخ کے تسلسل سے معلوم ہوتا ہے کہ بٹ قوم کشمیر کے مشہور قدیم ہندو فرمانروا مہاراجہ للتادتیہ (۷۲۵ءتا۷۶۱ء) کے زمانہ ہی سے عروج پر چلی آتی ہے۔ اس زمانہ میں اور اس کے بعد چک مسلمان بادشاہوں کے زمانہ ۹۵۲ھ تا ۹۹۸ھ تک مہمات ملکی اور نظم ونسق حکومت میں ان کا بڑا اقتدار رہا ہے۔ مہاراجہ للتادتیہ کے عہد میں متر بٹ راجہ جیاپیڈ کے زمانہ میں دیو بٹ، راج سنگرام کے زمانہ میں بھو بٹ اور رانی کوٹہ کے زمانہ میں پچہ بٹ کا نام تاریخی صفحوں میں سنہری حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ سب مشاہیر بٹ مدار الہام تھے، یا سپہ سالار یا رکن حکومت ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

سلطان سکندر بت شکن اور اس کے فرزند سلطان علی شاہ کے عہد حکومت میں سیہہ بٹ عرف ملک سیف الدین بٹ اس قوم سے پہلا مسلمان مدار المہام تھا اور اس نے سلطان سکندر ہی کے زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا۔ سلطان علی شاہ کے بعد سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کے زمانہ میں بودہ بٹ، سوم بٹ، شری بٹ نامور ہندو بٹ گزرے ہیں۔ جو شاعر بھی تھے، مورخ بھی تھے اور علم موسیقی میں بھی صاحب کمال تھے اور اعلیٰ عہدوں پر بھی ممتاز تھے۔ بڈ شاہ کے بعد ملک احمد ایتو بٹ، نوروز بٹ اور تازی بٹ سلطان حسن شاہ کے وزراء اور سپہ سالار تھے۔ تازی بٹ کی فتوحات کا ذکر تو کشمیر کی تاریخوں کے علاوہ ہندوستان اور پنجاب کی تاریخوں میں بھی ہے۔ لدہ بٹ سلطان محمد شاہ کا وزیر تھا۔ اسی طرح یوسف شاہ چک بادشاہ کشمیر کے زمانہ میں محمد بٹ اور حسین بٹ دو نامور شخص اس قوم کے موجود تھے۔ محمد بٹ سپہ سالار تھا۔ اور اسی نے شہنشاہ اکبر کی فوج قاہرہ کو اس کے پہلے حملہ کشمیر میں شکست دی تھی۔

اسی طرح نامور قوم کے اور کئی معزز لوگ بڑے بڑے عہدوں پر سرافراز تھے۔ کشمیر پر مغل شہنشاہوں کے قبضہ کے دوران میں بھی اس قوم کے فرزند آسمان شہرت وترقی پر آفتاب بن کے چمکتے رہے۔ ان میں ابدل بٹ، حاجی محمد اسلم، سالم، شیخ داؤد بٹ مالو اور ممہ بٹ پانپوری علم وعمل اور تجارت ودرباداری میں بہت ممتاز تھے۔ البتہ افغانوں کے اواخر عہد میں ان کی دنیاوی وجاہت میں بہت کچھ زوال آ گیا۔ اکثر لوگوں نے ٹھیکہ داری، شالبافی، رفوگری، اختیار کر لی۔ چنانچہ وفا بٹ کاکاپوری محال سنگارہ کا ٹھیکہ دار تھا۔ اس نے خوب ترقی کی بلکہ محلہ نرورہ میں اس کے عالی شان مکانات تھے۔ چونکہ ان کے آباؤ اجداد کاکاپور سے جوسری نگر سے

پلوامہ جاتے ہوئے دائیں طرف سرراہ واقع ہے اور اس خاندان کا قدیمی مسکن تھا آئے تھے۔ اس لیے یہ خاندان کا کاپوری بٹ کے نام سے مشہور ہو گیا۔ سکھوں کے عہد میں گو سرکار دربار سے اس خاندان کا کوئی خاص تعلق نہ رہا لیکن تجارتی کاروبار نے ان کی دنیاوی وجاہت کو پھر رونق دے دی۔

اسی خاندان میں منور بٹ، انور بٹ اور مشرف بٹ کا کاپوری جو اپنے تمول اور رسوخ کے باوجود خدارسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ سری نگر کے مشہور عالم وصوفی بزرگ شیخ احمد تارہ بلی کی صحبت یافتہ اور ان سے عقیدتمندانہ تعلقات رکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں انقلاب روز گار کی وجہ سے اس خاندان کے افراد کو نزورہ کی سکونت ترک کر کے شہر کے مختلف حصوں میں رہائش اختیار کرنی پڑی۔ ان میں سے بعض اصحاب گوپکار اور ضراب خانہ میں چلے آئے۔ اور شرف بٹ نے صراف کدل میں سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ ان تینوں مقامات پر اس خاندان کے افراد آباد اور موجود ہیں۔

شرف بٹ کا کاپوری کے فرزند کا نام احمد بٹ تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے ایک کا نام مہد بٹ اور دوسرے کا نام حبیب بٹ تھا۔ مہد بٹ کے فرزند کا نام لسہ بٹ اور لسہ بٹ کے فرزند کا نام غلام محمد بٹ کا کاپوری ہے۔ جو اس وقت صاحب حیات ہیں ان کے مندرجہ ذیل سات فرزند ہیں۔

نور محمد بٹ فرزند کلاں ہیں۔ آپ سری نگر مہاراج گنج کے نامور تاجر کتب ہیں آپ نے کشمیری زبان کی ترقی کے لیے بہت سی کتابیں کشمیری زبان کی نظم ونثر میں چھپوائی ہیں۔ تاریخ خواجہ اعظمی کو جو بالکل کمیاب بلکہ نایاب تھی۔ آپ ہی نے ازسرنو طبع کرا کر حیات تازہ بخشی ہے۔

غلام محمد بٹ کا کاپوری کے دوسرے فرزند کا نام غلام رسول ہے۔ وہ امیرا کدل مائی سمہ بازار میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں اور اس فن میں خوب ماہر و کامیاب ہیں۔ آپ کے تیسرے فرزند کا نام غلام حسن ہے جو امیرا کدل میں انڈین بوٹ ہاؤس کے مالک ہیں۔ چوتھے فرزند کا نام غلام جیلانی ہے۔ جن کی زیر نگرانی وزیر ملکیت بھارت بوٹ ہاؤس خوب کامیابی سے چل رہا ہے محمد حسین، بشیر احمد اور عبدالحمید جو خواجہ غلام محمد بٹ کا کاپوری کے آخری تین فرزند ہیں۔ ابھی چھوٹے ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔

خواجہ مہد بٹ جو خواجہ شرف بٹ کے پوتے اور خواجہ غلام محمد بٹ کا کاپوری کے دادا تھے۔ سری نگر کے مشہور تاجر خواجہ عزیز اللہ گانی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ لاہور کے مشہور تاجر

پشمینہ خواجہ نبی بخش گانی اوران کے بھائی خان صاحب احمد الدین اکاؤنٹنٹ عزیز اللہ گانی ہی کے فرزند تھے۔ جو ابتدائے عمر ہی میں کشمیر سے لاہور چلے گئے تھے۔ خواجہ عزیز اللہ گانی کے مکانات اور باغیچے گنز کھڈہ محلّہ (باغاں میں اعلیٰ پیمانہ پر تھے)۔ لاہور کے مشہور اور نامور قانون دان اور آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرس لاہور کے آنریری جنرل سیکرٹری سید محسن شاہ بی اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ پنجاب خواجہ نبی بخش گانی تاجر پشمینہ مرحوم ہی کے داماد اور خویش ہیں۔

خواجہ عبدالغنی وکیل مرحوم۔ آپ سوپور کے باوضع اور خوددار رئیس تھے۔ ہندو مسلمان ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ افسوس ہے اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ ان کی بڑی وسیع جائیداد تھی۔ اس جائیداد کے لیے ان کے برادر زادہ خواجہ غلام احمد بٹ اور خواجہ حبیب اللہ فلکو ذیلدار میں کئی برس تک مقدمہ رہا۔ ہزاروں روپے وکیلوں اور عدالتوں کی نذر ہو گئے۔ آخر یہ جائیداد تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ دو حصے ان کو اور ایک حصہ موروثی مزارعوں کو ملا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس قدر کثیر جائیداد حاصل کرنے والوں میں سے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ ان کی کوئی یادگار قائم کر سکتے۔ ان کے نام پر کسی غریب طالب علم کو کوئی وظیفہ ہی دیتے۔ کوئی مسجد یا سرائے ہی بنا دیتے یا ان کے سوانح حیات ہی طبع کرا دیتے۔ خواجہ عبدالغنی مسلمانوں کی قومی پستی کا حقیقی درد دل میں رکھتے تھے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے خلوص دل سے حامی تھے۔ علم دوست تھے۔ شاعر تھے۔ شائق ان کا تخلص تھا۔ ان مال مفت حاصل کرنے والوں کو ان کا مجموعہ کلام بھی چھپوانے کی توفیق نہ ہوئی بلکہ سنا ہے ان کی قبر کا نشان تک غائب ہو رہا ہے۔

وہ بڑے بذلہ سنج اور یاروں کے یار تھے۔ ایک دفعہ تحصیل دار بارہ مولا (پنڈت ودہ لال زتشی) اور ان کا چپڑاسی راگھو اور چند اور احباب سوپور میں لب ساحل بزم یاراں میں موجود تھے۔ راگھو اتنے میں شراب کی بوتل لے آیا۔ آپ نے فی البدیہہ کہا:

شب سر پل اتفاقاً محفل از احباب بود
خوش نما برآب رقصاں عکس از مہتاب بود
دختِ رز از دست راگھو ناگہاں شد جلوہ زن
گوشہ پل بہر کافر منبر و محراب بود

وہ انجمن معین الاسلام کے بانیوں میں اور اس کے سب سے پہلے صدر تھے۔ مولانا میر

واعظ رسول شاہ اور مولانا احمد اللہ میر واعظ جب کبھی سوپور آتے تھے۔ انہی کے ہاں ٹھہرتے تھے اور انہی کے توسط سے انجمن نصرۃ الاسلام سری نگر کے لیے کئی ہزار روپیہ لے جاتے تھے۔ ان کے اثر سے صرف کانفرنس ہی کا نہیں بلکہ کسی اسلامی انجمن کا کوئی سفیر خالی واپس نہ جاتا تھا۔ ان کا دستر خوان نہایت وسیع تھا۔ اور بریں خوان یغما چہ دوست چہ دشمن کا مصداق تھا۔ حافظہ ان کا بڑ قوی تھا۔ دیوان لچھمن داس گورنر اور ان سے پہلے اور مابعد کے گورنروں کے صدہا واقعات ان کو زبانی یاد تھے۔ سوپور کو ان کی ذات پر فخر تھا۔ افسوس:

گئیں وہ رونقیں سب داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

۱۹۲۰ء میں انتقال کر گئے۔ منشی غلام محمد خادم مرحوم نے ان کا مرثیہ لکھا ہے۔ چند شعروں ہی میں ان کا اخلاق اور ان کی خدمات ملی وملکی کا اظہار کر گئے۔ فرماتے ہیں:

تیرے دم سے قصبہ سوپور کی تنظیم تھی
اب ہے وہ بے سر کہ تو ہی چل بسا عبدالغنی
جب کوئی قومی ضرورت میں پڑی مشکل کوئی
بن گیا فوراً وہیں مشکل کشا عبدالغنی
اتحاد ہندو و مسلم در دولت ترا
بلکہ وہ تھا دردمندوں کی دوا عبدالغنی
جب کبھی سوپور میں آیا کوئی قومی سفیر
تیرے دم سے اس کو چندہ مل گیا عبدالغنی

خواجہ عبدالغنی کو اکثر لوگ غنی بٹ اور غنی وٹ بھی کہتے تھے۔ وٹ قوم کے نام سے آدی پورہ اور دوڈرہ میں ایک زمیندار قوم معقول تعداد میں آباد ہے۔ لیکن میرا خیال ہے یہ وٹ اور بٹ یک ہی قبیلہ سے ہیں۔ اور خواجہ عبدالغنی مرحوم کا بھی یہی خیال تھا۔

منشی محمد الدین بٹ۔ ان کے بزرگ خواجہ کریم بٹ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانہ بں کشمیر سے جموں آئے تھے۔ ان کا کچھ ذکر پچھلے صفات میں درج ہے۔ منشی محمد الدین بٹ

نقشبندی انہی کی اولاد سے ہیں۔ جن کی قومی اور اسلامی خدمات سے کشمیر اور جموں کی ہر تحصیل اور تحصیل کے قریباً ہی مشہور مقام کا آدمی واقف ہے۔ وہ سالہا سال تک انجمن اسلامیہ جموں کے سپرنٹنڈنٹ پھر محکمہ انسداد بردہ فروشی کے انسپکٹر پھر میونسپلٹی سری نگر کے پیرو کار رہے ہیں۔

جب ریاست میں محکمہ پنچایت و دیہات سدھار میں پروپیگنڈا اسسٹنٹ کی ایک نئی آسامی نکلی تو منسٹر بلدیات نے امیدواروں میں آپ کے نام کی بھی سفارش کی اور جب مسٹر ناکس ریونیو منسٹر اور سردار عطر سنگھ ڈائریکٹر لینڈ ریکارڈ پنجاب افسر نے محکمہ پنچایت کے پروپاگنڈا اسسٹنٹ مقرر کیے گئے۔ اس سلسلہ میں کشمیر اور جموں کے قریباً ہر مشہور مقام پر گئے ہیں اور اس طریق سے پنچایت اور دیہات سدھار کے فوائد زمینداروں کے ذہن نشین کراتے کہ زمیندار لوگ اس محکمہ کو اپنا حقیقی محافظ اور سرپرست خیال کر کے ہز ہائنس کی ذات خاص اور ہز ہائنس گورنمنٹ کی حقیقی رعایا نوازی کے قائل ہو جاتے ہیں۔

۱۹۴۳ء کے ایک پروپیگنڈا سفر میں میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ نے نہ صرف ہر مقام پر پنچایتوں ہی کے فوائد سے لوگوں کا آگاہ کرتے تھے بلکہ اس ملک کی عام جہالت و نکبت کو دور کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ حصول تعلیم اتحاد ہندو مسلم اور اصلاح معاشرت دل نشیں الفاظ میں بیان کرتے تھے۔

ضلع مظفر آباد کی تحصیل کرناہ میں پنچایتوں کے قیام و اجراء کی بڑی ضرورت تھی اور جو جاری ہو چکی تھیں۔ ان کی نگہداشت کے لیے ایک ہوشیار اور واقف کار اور ہمدرد رعایا اور مستعد افسر کی ضرورت تھی۔ اس لیے ۴۳ء کے نومبر میں آپ کو وہاں بھیجا گیا۔ اس علاقہ کے عام زمیندار آپ کے حسن سلوک کے مداح ہیں۔ اور پنچایتوں کے فوائد سے آگاہ ہو کر پوری دلچسپی سے کام کر رہے ہیں۔

آپ بزرگان دین کی خاک پا کو طوطیائے چشم تصور کرتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں اور اپنے اخلاق کی وجہ سے حلقہ احباب بہت وسیع رکھتے ہیں۔ پانچ لڑکیوں کے علاوہ آپ کے دو لڑکے ہیں۔ بڑا بشیر احمد اس سال میٹرک کا امتحان دے چکا ہے۔ تعلیم کے علاوہ ہاکی اور فٹ بال میں بھی نمایاں شہرت رکھتا ہے۔ چھوٹے لڑکے مظفر احمد کی عمر اس وقت پانچ سال ہے آپ کی بڑی لڑکی نے ۱۹۴۰ء میں گورنمنٹ ہائی گرلز ہائی سکول جموں سے میٹرک کا امتحان پاس

کیا۔ اپنے سکول کی مسلمان طالبات میں سب سے اول رہی۔ آپ کو تعلیمی سندات کے علاوہ ہز ہائنس مہارانی صاحبہ کا سری نگر کے ایک عام زنانہ جلسہ میں اپنے ہاتھ سے انعام بھی تقسیم کیا تھا۔ مسٹر عبدالصمد ایم اے، ایل ایل بی (ہائیکورٹ جموں وکشمیر) کے ساتھ آپ کی اس صبیہ کا نکاح ہو چکا ہے۔

خواجہ خالق بٹ سوپوری:

آپ کے بزرگ سوپور کے قدیم باشندوں میں سے ہیں۔ خواجہ رحمان بٹ آپ کے جد اعلیٰ تھے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ خواجہ قادر بٹ و خواجہ مہدہ بٹ۔ آپ کے والد کا نام خواجہ قادر بٹ تھا۔ قدیم الایام ہی سے یہ خاندان زراعت کے علاوہ تجارت پیشہ چلا آتا ہے۔ خواجہ قادر بٹ مذہبی کاموں میں نہایت سیر چشمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ ان کے زمانہ میں مسجد لالہ صاحب نہایت بوسیدہ حالت میں تھی۔ آپ نے اس کی از سر نو تعمیر میں کافی سے زیادہ حصہ لیا۔

ان کے فرزند خواجہ عبدالخالق جو خواجہ خالق بٹ کے نام سے مشہور ہیں اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا صحیح مصداق ثابت ہو رہے ہیں۔ تجارتی کاروبار میں آپ نے خوب ترقی کی ہے اور دنیوی ترقیوں کے ساتھ دینی خدمات آپ کا خاص نصب العین ہے۔ بلکہ بقول استاد ذوق آپ کا یہ خیال بالکل صحیح ہے:

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

اکثر مساجد کی مرمت و تعمیر اور انجمنوں کی امداد اور اعانت میں بہترین حصہ لیتے ہیں۔ مسجد مسلم پیر صاحب کو آزادی دلانے میں آپ نے بھی معقول رقم دی تھی۔ آپ کے تین فرزند حسب ذیل ہیں۔ غلام نبی اور ولی محمد جو میٹرک تک تعلیم یافتہ ہیں۔ اور اپنے والد کے ساتھ تجارتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ تیسرا فرزند ابھی سوپور ہی کے سکول میں زیر تعلیم ہے آپ سوپور میں جنرل مرچنٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ٹھگ

کشمیر کا بہت قدیم خاندان ہے۔ اس کا تعلق جیسا کہ اس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

جموں کی چینینی جاگیر سے ہے اس خاندان کی قدامت کے کچھ مزید تاریخی و روایتی حالات اسلام آباد اور بھدرواہ کی اطراف سے معلوم ہوئے ہیں۔ جن کو خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

اسلام آباد کے نزدیک ایک گاؤں لوک بون کے نام سے بہت عرصہ ہوا آباد و بارونق تھا۔ وہاں اس خاندان کے بزرگوں نے عہد اکبری کے مغل گورنران کشمیر کے زیر اہتمام کچھ عمارات تعمیر کرائی تھیں۔ ان تعمیرات کے نشانات آج بھی وہاں کچھ نہ کچھ موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مغلوں کے زمانہ میں چک پت واقعہ وزارت اسلام آباد ان کو جنگی خدمات کے صلہ میں بطور جاگیر ملا تھا۔ چشمہ لک بون کے کنارہ پر ان کی عمارتوں میں سے ٹھگ حمام کے کچھ کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ لک بون اور چک پت کی حدود آپس میں ملتی ہیں۔ اس علاقہ میں اب بھی اس خاندان کا ایک معزز شخص حاجی خواجہ عبداللہ موجود ہے۔ لوک بون میں خواجہ ضیا اللہ بھی جو یہاں کی ایک معزز ہستی تھا۔ اس خاندان کا نام لیوا تھا۔

لیکن ٹھگ راجپوتوں کی شاخ بھدرواہ نے مہاراجہ گلاب سنگھ کے ابتدائی زمانہ حکومت میں جب کہ مہاراجہ کے ملک کی وسعت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ بہت نام پایا۔ مہاراجہ نے خواجہ کمال الدین کو ان کی فوجی خدمات کے صلہ میں پاڈر کے علاقہ کا محافظ امن قرار دیا۔ پھر اسی شاخ سے خواجہ اسماعیل کو مہاراجہ بہادر نے برائے نام چلکی روپیہ ٹیکس ادا کرنے پر دو ہزار تک بھیڑ بکریوں کا گلہ رکھنے کی اجازت دی چنانچہ بھدرواہ میں جہاں اسماعیل کی بھیڑ بکریوں کے گلے چرائی کیا کرتے تھے۔ وہ مقامات اب بھی ٹھگ نار اور ٹھگ دہر کے ناموں سے موسوم ہیں۔ بھدرواہ کی جامع مسجد بھی ابتدا میں اسی اسماعیل نے تعمیر کرائی تھی جو ۱۹۲۸ء کے سیلاب عظیم کے بعد از سر نو بنی ہے۔

خواجہ اسماعیل کا ایک ہندو گڈریہ بہوچہ نام جو بھیلسہ کا رہنے والا تھا۔ وفادار ملازم تھا۔ خواجہ اسماعیل نے ان کو تین سو بھیڑ بکری اس کی وفادارانہ خدمات کے صلہ میں عطا کی۔ یہ واقعہ بھدرواہ میں اب تک مشہور ہے۔ ان تمام واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ اسماعیل اپنے زمانہ کا مشہور متمول اور فیاض بزرگ تھا۔ اس کا پوتا خواجہ غلام احمد جو (فرزند خواجہ محمد جو) زراعت کے علاوہ تجارتی کاروبار بھی کرتا تھا اور نہایت دیندار اور متشرع بزرگ تھا خواجہ عبدالصمد مسعود ایم اے ایل ایل بی جو علاقہ بھدرواہ کی مسلم آبادی اور اپنے خاندان میں پہلا گریجوایٹ ہے خواجہ احمد

حوم کا اکلوتا فرزند تھا۔

ٹھگ خاندان کے افراد پنجاب میں امرتسر اور ڈلہوزی اور ریاست میں راجوری پاڈر، رواہ، کشتوار اور اسلام آباد کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ قوم گو زمیندار پیشہ ہے لیکن اس کثر افراد جو شہروں اور قصبوں میں رہتے ہیں زمینداری کے علاوہ تجارتی شغل بھی رکھتے ہیں۔ ، ہائیکورٹ جموں و کشمیر میں ایک معزز آسامی پر ہیں اور منشی محمد الدین بٹ انسپکٹر محکمہ پنچایت ںلق خویشاوندی رکھتے ہیں۔

صوفی

پنجاب میں صوفیوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو پیروں اور پیر زادوں کے ساتھ دورہ تت رہتے ہیں، ایک وہ جو اپنی صفات و پرہیز گاری کی وجہ سے کہلاتے ہیں۔ مثلاً صوفی محبوب بم اے ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول اکال گڑھ۔ صوفی عبدالعزیز بی اے سپرنٹنڈنٹ ڈاک ات۔ ڈاکٹر صوفی غلام محی الدین ایم اے کی اولاد بھی اب صوفی صاحب کے نام ہی سے ہے۔

لیکن کشمیر کے صوفیوں کے اقسام پنجاب کے صوفیوں سے بہت زیادہ ہیں۔ یسے صوفیوں کی تو کمی نہیں ۔ جو پیر صاحبان کا تتمہ یا ضمیمہ کہلاتے ہیں۔ البتہ ایسے صوفی ہت کم ہیں اور شاید نہیں ہیں جن کا نام ان کی کسی صفت خاص کی وجہ سے صوفی پڑا ہو۔ وہاں نی بھی ہیں جو ملیار ہیں اور کھیتی باڑی کا کام کرتے ہیں جیسے سوپور میں احمد صوفی نمبردار پتی ہ میں ۔ جس کا باپ بھی نمبردار تھا۔ احمد صوفی ٹٹوؤں ایریا کا ممبر بھی ہے اور کاروبار تجارت ہ کافی رقبہ اراضیات کا مالک بھی ہے۔ سوپور کے صوفیوں میں ایک طبقہ مرکبانوں کا بھی کے پاس کرایہ اور بار برداری کے لیے کئی گھوڑے ہوتے ہیں۔ جیسے راحت صوفی وغیرہ۔ ں میں ٹھیکہ دار اور تجارت پیشہ بھی ہیں۔ جیسے امیر صوفی معہ فرزندان غلام محمد و غلام احمد پھر بائی بھی صوفی کہلاتے ہیں۔ جیسے عزیز صوفی، رسُل صوفی۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اجناس کے تاجر ہیں۔ جیسے حاجی صابر صوفی، بعض خالص دکاندار اور تجارت پیشہ ہیں اور ا بھی کرتے ہیں۔ جیسے سوپور کے عبداللہ صوفی مرحوم اور برادر کلاں صوفی محمد اکبر اور احمد رہ۔

صوفی محمد اکبر کی ذات بانڈے ہے۔ ان کے اسلاف میں سے کسی نے درویش صوفیوں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کر لیے اور انہی تعلقات کی بنا پر یہ بھی صوفی کہلانے لگے۔ اور اصل ذات پر پردہ پڑ گیا۔ ان صوفیوں کے جن کی اصل ذات بانڈے ہے سوپور میں ایک جدی نو گھر ہیں۔ ان کے علاوہ سوپور میں جو دوسرے صوفی ہیں۔ ان کے گھر بھی پندرہ سولہ ہیں۔ صوفی محمد اکبر کے اجداد کئی پشتوں سے دکاندار اور تجارت پیشہ ہیں ان کے اور ان کے یک جدی صوفیوں کے رشتے ناطے۔ انتر، کار، ترہنو، بٹ حاجن اور بعض دیگر ذاتوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔

صوفی محمد اکبر قوم کے ایک پر جوش نوجوان ہیں۔ وہ اپنی ''سفید پوشی'' کے باوجود محض اپنی قومی قربانیوں کی وجہ سے جب ۱۹۳۸ء میں پرجا سبھا (یعنی جموں و کشمیر اسمبلی) کے ممبر ہو گئے تو خادم صاحب نے ایک نظم سوپور کے ایک جلسہ میں پڑھی جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

تو مسخر کردہ باخلق خود دلہائے قوم
قوم مے ناز و بتو تو دلبری یا ساحری
گوہر افشانی تری جلسوں میں ہم نے دیکھ لی
دیکھیں گے پرجا سبھا میں اب گہر ریزی تری
آج دور اولیں کا پھر سماں آیا نظر
پھر غلامان محمد ﷺ کو ملی ہے سروری
اور ممبر بھی اگر تیری طرح ہمدرد ہوں
کیوں نہ آزادی کی دیوی کی ہو پھر جلوہ گری

سوپور کے متصل ہی دامن کوہ میں ایک موضع سم پور ہے جہاں قبلہ خادم صاحب مرحو[م] اور راقم کی رہائش ہے۔ اس موضع میں صوفی ہی صوفی آباد ہیں۔ نمبردار بھی صوفی اور زمیندار بھ[ی] صوفی لیکن جس طرح سوپور کے اکثر صوفیوں کو محمد اکبر کے یک جدیوں کے سوا اپنی اصلی ذا[ت] معلوم نہیں ہے۔ یہی حال سم پور کے صوفی طبقہ کا بھی ہے۔ سب اپنے آپ کو صوفی کہتے ہیں لیکن یہ نام کس طرح پڑ گیا اور اصل ذات کیا تھی اس سے سب لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں۔

قریشی فاروقی آف ڈھل قاضیاں باغ

ڈھل قاضیاں تحصیل باغ علاقہ پونچھ کی خاندانی روایات کے مطابق ان کے جداعلیٰ عزت خان نام ترکستان سے دہلی اور دہلی سے ہزارہ آئے۔ جہاں چار پشت تک ان کی اولاد رہی۔ اور اب تک وہاں موجود ہے۔ قاضی غلام سرور خان اپیل نویس ایبٹ آباد انہی کی ذریات سے ہیں۔ ان کی پانچویں پشت سے قاضی اسماعیل پونچھ کے علاقے میں چلے آئے۔ یہ اکبر بادشاہ کا زمانہ تھا۔ وہیں آ کے جھنڈا گاڑا۔ اس لیے یہ مقام ڈھل قاضیاں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ موضع ڈھل قاضیاں کے قریشی فاروقی قبیلہ کے آپ ہی جداعلیٰ ہیں۔ آپ کا مزار بمقام یرا ڈھل قاضیاں موجود ہے۔ جس کے ساتھ چھ کنال اراضی معاف ہے۔ لوگ یہاں اکثر بڑھاوے چڑھاتے ہیں۔

آپ کی تیسری پشت میں صابر اور قاضی کی دوسری پشت میں چراغ محمد نہایت بے یا اور عبادت گزار صاحب تاثیر بزرگ گزرے ہیں۔ قاضی محمد عبدالرحمان نے قاضی چراغ محمد رحوم کے متعلق ایک طویل منقبت بھی لکھا ہے۔ آپ کی خانقاہ کے ساتھ گیارہ کنال اراضی بحق باوری وقف ہے۔

قاضی محمد عبدالرحمان جو آپ کی چوتھی پشت میں ہیں اور اپنے خاندان کے مایہ ناز ہوت ہیں۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے سند یافتہ مولوی ہیں۔ گو قاضیوں کو زمانہ قدیم کی رح اب عدالتی اختیارات نہیں ہیں۔ تاہم اس علاقہ کے اکثر جھگڑوں اور مقدموں میں آپ کو صف اور ثالث مقرر کیا جاتا ہے اور آپ اس دیانت و انصاف سے فیصلے کرتے ہیں کہ سب ششدر رہ جاتے ہیں۔ آپ کو حضرت پیر مہر علی شاہ مغفور آف گولڑہ سے بیعت و خلافت حاصل ہے اور شاعری میں بھی طبع موزوں رکھتے ہیں۔ عمر ۳۰ سال ہے۔ آپ کا ایک صاحبزادہ قاضی بدالخالق بہ عمر چھ سال زیر تعلیم ہے۔

قاضی چراغ محمد مرحوم کے چھوٹے بھائی کا نام قاضی نیاز محمد تھا۔ ان کا مزار ڈھوک گنگا ہیل میں واقع ہے۔ ان کی تیسری پشت میں قاضی برکت اللہ، قاضی فقیر اللہ مجذوب اور قاضی

میر عالم تین بھائی تھے۔جن میں قاضی میر عالم صاحب حیات ہیں۔صاحب علم ہیں۔پبلک اور حکام میں کافی رسوخ رکھتے ہیں رجسٹر نکاح خوانی بھی آپ ہی کے پاس ہے۔آپ کے تین لڑکوں میں عبدالحمید اور عبدالعزیز زیر تعلیم ہیں۔اور تیسرا ابھی شیر خوار ہے۔

قاضی برکت اللہ لاولد وفات پا گئے۔قاضی فقیر اللہ کے فرزند کا نام قاضی عبدالرحیم ہے۔رجسٹر نکاح خوانی ان کے پاس بھی ہے۔اپنے علاقہ میں قابل ذکر ہیں۔

قاضی نیاز محمد کی چوتھی پشت میں قاضی محمد یوسف خلف قاضی محمد کبیر موجود ہیں۔قاضی محمد کبیر عاشق اللہ اور شاعر بھی تھے۔

ڈھل کے قریشی فاروقی قاضیوں کے رشتے قاضی غلام سرور خاں آف ایبٹ آباد او حضرت حافظ محمد جی خاندان سے بھی ہیں۔

ڈھل قریشی برادری کی دو شاخیں مواضعات بیر پانی اور بنی منہاساں میں بھی آبا ہیں۔

برداری بیر پانی:

قاضی اسماعیل کی تیسری پشت میں قاضی صابر کا ذکر ہو چکا ہے۔قاضی صابر کے سرے بھائی کا نام میاں غفور خاں تھا۔جن کی اولاد موضع بیر پانی میں آباد ہے۔میاں غفور خاں اولاد میں میاں فقیر خاں ایک صاحب تاثیر اور اہل دل بزرگ گزرے ہیں۔ان کے دو فرزند وقت موجود ہیں۔میاں نور عالم خاں و میاں میر عالم خان دونوں بھائی کافی اراضیات کے ما ہیں۔تین مواضعات بیر پانی، ریٹر بن اور درہ کے رجسٹر نکاح خوانی ان کے پاس ہیں۔میاں عالم خان ضلع ہزارہ کے ترنولی خاندان میں شادی شدہ ہیں۔

برادری:

موضع بنی منہاساں، میاں غفور خان کے فرزند ثانی کی اولاد ہیں اس موضع میں ہے۔اس شاخ میں مندرجہ ذیل اشخاص قابل ذکر بتائے گئے ہیں۔میاں فیض رسول خاں میاں فقیر محمد خان امام، میاں فیض رسول کے دولڑکے محمد اسحاق و محمد شریف زیر تعلیم ہیں۔میاں محمد خاں اپنے زمانہ میں صاحب رسوخ بزرگ تھے۔ان کے علاوہ میاں محمد اسماعیل، میاں ہد اللہ خاں، میاں عبداللہ خان، مولوی حبیب اللہ خان، میاں امام الدین خاں، میاں عبدالکریم

ڈھل قاضیاں کی قریشی فاروقی برادری اوران کی دونوں شاخوں میں علم دینی و دنیوی کا
افی شوق ہے۔ ان سب کا پیشہ زراعت و امامت ہے اور کاغذات مال میں بھی یہ برادری
راعت پیشہ اقوام کی فہرست میں درج ہے۔

سادات ترنج کولگام

روایت ہے کہ اس سہروردیہ خاندان کے مورث اعلیٰ سید محمد عرب مغل سلاطین کے زمانہ
ں کشمیر آئے اور سری نگر میں انہوں نے رہائش اختیار کی۔ قریباً اڑھائی سو سال تک ان کی اولاد
ری نگر ہی میں رہی۔ رفتہ رفتہ اس خاندان کے بعض افراد نے مفصلات میں سکونت اختیار کر لی۔

سید محمد عرب کے فرزند سید محمد ولی اللہ ان کے سید منور شاہ اور ان کے تین فرزند
سب ذیل تھے۔ سید بزرگ شاہ، سید قطب الدین لاولد، اور سید محمد سعید، سید بزرگ شاہ
ے فرزند سید محمد یوسف شاہ اور ان کے فرزند سید غلام محمد شاہ ہیں۔ جو سری نگر کے محلّہ نائد
دل میں رہتے ہیں۔ سید بزرگ شاہ اپنے بزرگوں کے مزارات کے سجادہ نشین بھی ہیں اور
ی مریدان کا سلسلہ ہے۔

سید بزرگ شاہ کے تیسرے بھائی محمد سعید، لارنس صاحب کے بندوبست سے کچھ عرصہ
ترسری نگر سے نقل مکانی کر کے تحصیل کولگام کے موضع ترنج نزیل شوپیاں میں آکر آباد ہو گئے۔
پ نے یہاں اراضیات بھی کافی تعداد میں حاصل کر لیں اور یہاں کے لوگ صاحب علم و عمل
ل ہونے کی حیثیت سے آپ کا احترام کرتے رہے۔ آپ کا ایک ہی فرزند ہے، سید نظام
ین شاہ۔ وہ بھی اپنے گاؤں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔

سید علی شاہ، سید احمد شاہ، سید محمد شاہ، سید حسین شاہ، فرزند اوّل سید علی شاہ زراعت کاری
کرتے ہیں۔ اور پیری مریدی بھی۔ سید عبدالغنی شاہ لاہور میں علم عربی کی تحصیل و تکمیل کر رہے
۔ امسال منشی فاضل کا امتحان دینے والے ہیں۔ سید احمد شاہ عرف سید غلام محمد مڈل سکول
باں، اور سید حسین شاہ پرائمری سکول ترنج میں زیر تعلیم ہیں۔ سید محمد شاہ بھی لاہور میں تعلیم
ں کر رہا ہے۔ گاؤں میں رہنے کے باوجود اس خاندان میں درس و تدریس کا کافی چرچا ہے۔

منہاس راجپوت آف لنجوٹ تھکیالہ پڑاوہ

منہاس راجپوتوں کی تمام شاخوں کی کیفیت تاریخ اقوام پونچھ کے صفحات میں مفصل درج ہے۔ یہاں صرف پونچھ کے ایک موضع لنجوٹ علاقہ تھکیالہ پڑاوہ کی ایک شاخ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو گل محمد خان منہاس کی اولاد سے ہے اور جو سات پشت سے اس گاؤں میں آباد ہے۔ گل محمد خاں کے فرزند کا نام علو خاں اور اس کے فرزند کا نام ناظر خاں تھا۔ ناظر خان کے چار فرزند حسب ذیل تھے۔ کالا خان، گنجا خان، میر علی خان، راجولی خاں۔ ان میں آخری دونوں لنجوٹ سے نقل مکانی کر کے تحصیل سدھنتی کے موضع پوٹھی چھیری میں آ کر آباد ہوئے۔ راجولی خاں لاولد فوت ہو گیا۔ میر علی خاں کا دوسرا فرزند بہادر علی خان ابھی تک سرکار برطانیہ کی فوج میں ملازم ہے۔ اس کا ایک لڑکا وزیر محمد خاں ہے جو ابھی زیر تعلیم ہے۔

کالا خاں اور گنجا خاں بھی جنہوں نے لنجوٹ ہی میں اپنی سکونت رکھی تھی۔ صاحب اولاد ہیں۔ کالا خاں کے دو فرزند ہیں۔ لعل خاں، فقیر خاں، لعل خاں ریلوے راولپنڈی میں ملازم ہے۔ گنجا خاں کا صرف ایک ہی لڑکا ہے، کالو خاں نام ہے اور کوہ مری میں ملازم ہے۔

اس وقت لنجوٹ میں گل محمد خاں کی اولاد سے چار گھر آباد ہیں۔ ان میں دتا خاں اچھا فارغ البال آدمی ہے۔ وہ کوہ مری میں چودہ سال تک ملازم رہا ہے۔ اس کا فرزند سید محمد خاں بھی کوہ مری میں آج چودہ سال سے ملازم ہے اور لکھا پڑھا ہے اور اس کو اپنی برادری کی ترقی اور بہبود کا بڑا خیال ہے۔ بیرولی خاں دتا خاں کا بھائی اور سید محمد خان کا چچا ہے۔ اس کے دو لڑکے ہیں۔ اور دونوں برطانوی علاقہ میں ملازم ہیں۔ سیف علی خاں تو بمقام راولپنڈی محکمہ ریلوے میں اور عالم شیر خاں بمقام دہلی پلٹن میں ملازم ہے۔

اس برادری کے رشتے ناطے بالعموم آپس میں ہی ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری شریف اقوام سے بھی سلسلہ جاری ہے۔ چونکہ آبادی اس برادری کی اس موضع میں کچھ زیادہ نہیں ہے اس لیے ان میں سے نمبردار کوئی نہیں ہے اور تعلیم کا بھی کچھ زیادہ رواج نہیں ہے۔

قوم اعوان سڑل علاقہ پونچھ

اعوان قوم کی تفصیلات اور اس کی شاخوں اور اس لفظ کی وجہ تسمیہ کا ذکر تاریخ اقوام پونچھ میں ہو چکا ہے۔ علاقہ پونچھ کی تحصیل باغ کے موضع سڑل کے اعوانوں کا ذکر اب تک نہ ہو سکا تھا۔ اب ان کے جو حالات ملے ہیں۔ ان کو مختصر طور پر درج کیا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس قوم کا ایک بزرگ جاگین خاں نام گولڑہ شریف (راولپنڈی) سے ترک وطن کر کے ہالہ سے ہوتا ہوا رینگولی کے موضع میں جو کسٹم چوکی ہنس کے متصل ہے آ کر قیام پذیر ہوا۔ یہاں اس کے ہاں ایک لڑکا ہنسا خاں نام پیدا ہوا۔ یہ چوکی ہنس بھی اسی کے نام پر آباد ہے۔ ''آپ راجی'' کے زمانہ میں پونچھ اور مظفر آباد کے حاکموں میں ڈھوک جنڈالی کے متعلق ملکیت کا جھگڑا پیدا ہو گیا۔ اس ڈھوک کے دونوں دعویدار تھے۔ آخر جنگ ہوئی جس میں ہنسا خاں اور اس کے فرزند بھی شامل ہوئے اور مظفر آباد والوں کو شکست دے کر پونچھ والوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ہنسا خاں کا مزار ہنس چوکی کے متصل ہی واقع ہے۔

ہنسا خان کی چھٹی پشت میں مہر خان نام ایک بزرگ گزرے ہیں۔ اعوانان سڑل کے وہی مورث اعلیٰ ہیں۔ اس بزرگ کے نام پر ہی اعوانان سڑل کو مہرال بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی خانقاہ موضع سڑل کی ڈھوک بسوٹی میں اب تک موجود ہے۔ مہر خان کے تین فرزند تھے۔ سنو خان، جیماں خاں اور فتح خاں۔ ان میں سنو خاں کے چار فرزند تھے۔ سوجا خاں، بیرو خاں، کالو خاں، میاں صوفی خاں۔ جیماں خاں کے دو فرزند تھے۔ تاج محمد خاں اور ناصر و خاں اور فتح خان کا صرف ایک ہی فرزند تھا۔ گل محمد خان۔

سوجا خاں ولد سنو خاں کے چار فرزند تھے۔ حاجی میاں جمعہ خاں، حاجی میاں دین محمد خاں میاں حسو خاں اور میاں کمال خاں۔ اول الذکر دونوں حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ میاں جمعہ خاں کا مزار ڈھوک بسوٹی اور میاں دین محمد خاں کا مزار خاص سڑل میں ہے۔ ان کے دونوں دوسرے بھائی بھی معزز بزرگ تھے۔ اب ان کی اولاد سے قابل ذکر اصحاب کی کچھ کیفیت لکھی جاتی ہے۔

مولوی حافظ شاہ ولی اللہ میاں حاجی دین محمد خاں کے اکلوتے فرزند ہیں۔ سند یافتہ مولوی ہیں۔ حافظ قرآن ہیں۔ واعظ اور امام مسجد ہیں۔ موضع کا رجسٹر نکاح خوانی بھی انہی کے پاس ہے۔ اپنی برادری کے نہ صرف سرکردہ ممبر بلکہ لیڈر ہیں۔ آپ پندرہ سال تک اپنے آبائی وطن اعوان کاری اور میانوالی کے مختلف دیہات میں تعلیم دینی حاصل کرتے رہے۔ آپ کے وعظ میں خاص تاثیر ہوتی ہے۔ آپ نے سلسلہ درس درس بھی جاری رکھا ہے۔ ایک بیان کے بموجب ساٹھ سے زائد طلباء ہمیشہ آپ کے زیر تدریس رہتے ہیں۔ پنجابی زبان میں شعر اشعار بھی کہتے ہیں۔ آپ کے چار صاحبزادوں میں عبدالعزیز خان مروجہ تعلیم کے بعد فقہ و نظم کی کتابیں پڑھ رہا ہے۔ باقی تین عبدالحمید خان عبدالرحیم خان اور محمد یونس خان زیر تعلیم ہیں۔

حاجی میاں شیر علی خان، حاجی میاں جمعہ خان کے فرزند ہیں۔ آپ صاحب علم و عمل اور نہایت سادہ مزاج صوفی بزرگ ہیں۔ اپنے والد کے ہمراہ آپ بھی فریضہ حج سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اپنا وقت بالعموم تلاوت و عبادت میں گزارتے ہیں اور ایک بیان کے مطابق کئی حاجت مند اور بیمار آپ کی دعاؤں اور آپ کے تعویذوں سے مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ تدریس قرآن کریم آپ کا خاص شغل ہے۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ عبدالقادر خان، محمد یوسف خان، محمد سعید خان اور منشی گل محمد خان۔ حاجی میاں دین محمد خان کے تیسرے بھائی میاں کمال خاں کے فرزند کا نام مولوی حافظ عبدالرحمان خان ہے۔ قرآن کریم کے حافظ اور دینی کتب میں مہارت رکھتے ہیں۔ برادری اور گاؤں میں معتبر اور سرکردہ ہیں۔ شاعری کا بھی شوق ہے۔ فارسی شعر بھی کہتے ہیں۔ سیر چشم اور فیاض ہیں۔ آپ کے تعویذات سے بھی عوام کو فائدہ پہنچتا ہے۔ آپ کے فرزند اول غلام رسول خان جو تعلیم یافتہ ہے دہلی میں ملازم ہے اور فرزند دوم محمد رشید خان ابھی خورد سال ہے۔

حاجی میاں دین محمد خان کے چوتھے بھائی میاں حسو خاں کے چار فرزند تھے۔ روشن علی خان صحبت علی خان، مولوی محمد عبداللہ خان، عبدالکریم خان۔ ان میں روشن علی خان مرحوم کا فرزند محمد اسماعیل خان موجود ہے۔ صحبت علی خان لاپتہ ہے۔ مولوی محمد عبداللہ خان چھاؤنی راولپنڈی میں ملازم ہے۔ اور عبدالکریم خان سمیت سب بھائی قابل ذکر ہیں۔

بیرو خان ولد سنو خان کے تین فرزند تھے۔ بوجر خان، مستا خان، میاں ڈھوڈا خان لاولد بوجو خان کی تیسری پشت میں ہنسا خان گوہر علی خان پنشنر موجود ہیں اور مستا خان کی اولاد سے اسکا فرزند فضل دین خان اور اس کا خورد سال فرزند محمد عالم خان موجود ہے۔

سنوخان کے تیسرے فرزند کا نام کالوخان تھا کالوخان کے دو فرزند تھے۔ فقیر خان اور تمبر دخان' فقیر خان کے چار فرزند رنگوخان' منگی خان' شیر باز خان' مہنگا خان میں سے اول الذکر دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ منگی خان کا فرزند نور عالم خان اور جنگا خان کا فرزند محمد حسین خان ہیں۔ دونوں خواندہ ہیں۔ شیر باز خان لائق اور معتبر آدمی ہے۔ رنگوخان کے دو بیٹے گلاب خان و بلور خان موجود ہیں۔ تمبر دخان کے چار بیٹے ہیں محمد شیر خان (ملازم لاہور) محمد زمان خان جمشید خان' ان میں محمد شیر خان خواندہ ہے اور اس کا بیٹا محمد نذیر خان بھی زیر تعلیم ہے۔

سنوخان کا چوتھا فرزند میاں صوفی خان حافظ قرآن تھا۔ اس کے فرزند میاں ڈھوریا خاں نے لاولد فوت ہو کر اس کی نسل ختم کر دی۔

جیماں خان کے فرزندوں میں تاج محمد خان کی تیسری پشت سے عبداللہ خان اس وقت موجود ہے۔ جس کا ایک ہی فرزند عبدالعزیز خان ابھی خورد سال ہے۔ جیما خان کے دوسرے فرزند ناصر دخان کے تین فرزند تھے۔ بھٹا خان' لالہ خان' جمعہ خان لاولد بھٹا خان کے دو فرزند جمال دین و عالم شیر خان موجود ہیں۔ جمال الدین خان دو نوجوان فرزندوں کا باپ ہے جن کے نام فقر دین و عالم دین ہیں۔ عالم شیر خان کا ایک ہی فرزند محمد یونس خان زیر تعلیم ہے۔ لالہ خان کے فرزند کا نام روشن علی خان ہے۔

مہر خان کے تیسرے فرزند فتح خان کی ذریات سے سیر عالم خان ولد خان و محمد نور خان ولد بالا خان موجود ہیں۔ میر عالم خان کو کتب بینی اور مطالعہ کا خاص شوق ہے۔ اعوان قوم کی اس شاخ کے سٹرل میں اٹھارہ گھر ہیں۔ اور سٹرل کے علاوہ چھتر ملولاں اور بیر پانی میں قریباً دو ہزار کنال اراضی کے مالک ہیں اور خالص زراعت پیشہ ہیں۔ ان کے رشتے ناطے باہمی برادری کے علاوہ کبھی کبھی باہر بھی منگرال اور بھٹی وغیرہ برادریوں سے ہو جاتے ہیں۔

نوٹ: اس کتاب میں ذاتوں گوتوں اور خاندانوں کے حالات کی ترتیب نہ حروف تہجی کے لحاظ سے ہے نہ اعلیٰ و ادنیٰ کے لحاظ سے بلکہ تقدیم و تاخیر صرف اس وجہ سے ہے کہ جو حالات پہلے آئے وہ پہلے درج ہو گئے۔ بعض حالات میں صرف اس وجہ سے بھی دیر ہوئی ہے کہ جو استفسارات حل طلب تھے ان کے جواب بہت دیر سے آتے تھے۔ اور کاتب کو بیکار بیٹھا رکھنا مشکل تھا۔"

سادات ختائیہ بُنیار

میر موسیٰ

میر ابراہیم شاہ — میر مقصود شاہ — میر اکبر شاہ — میر عبدالقادر شاہ

(میر عبدالقادر شاہ): سید میر عزیز اللہ شاہ — میر حبیب اللہ شاہ

(سید میر عزیز اللہ شاہ): سید غلام حسن شاہ

(سید غلام حسن شاہ): محمد جلال الدین شاہ — غلام احمد شاہ — غلام محی الدین شاہ — محمد عطاء اللہ شاہ

(محمد جلال الدین شاہ): سید محمد سعید

مندرجہ عنوان شجرہ ۱۱۰۳ھ کے ایک قدیم قلمی کاغذات سے لیا گیا ہے۔ جس پر اکثر صلحا واکابر کی مواہیر ثبت ہیں اور ایک مہر عزیز اللہ مقدم تاہ زدہ کے نام کی بھی ہے۔۔ یہ درحقیقت ایک محضر نامہ ہے۔ جو سادات ختائیہ کے حق میں ہے اس میں لکھا ہے: ''دریں ولا جماعہ مسلمانان مذکد خدایان وقانونگویان ومتصدیاں ومزارعان گردونواح موضع تارہ زدہ پرگنہ کردہن برطبق آیہ شیریفہ وکریمہ گواہی مے دہند۔ داد برائے شہادت مے عماید کدام یکے از والانسب ان این دیار درجب میر عزیز اللہ شاہ ولد میر قادر شاہ دعوائے ذات و بنیاد کم اصلی مے سازد۔ موصوف الیہ از قوم اکابران پیشوایان ارباب قدس اند جد بزرگوار این عالی مستطابان والاشان از حد عربستان در اوائل بہ شہر روم آمدہ واز اں جا بموجب آب ودانہ درحدود ملک ہندوستان عبور فرمودہ دراں ملک از پیش پادشاہان چوغتہ چند مواضعات بہ طریق نذرونیاز بنا بر مصرف خود بردہ اند چندگاہ در ملک آں ہندوستان بسر بردہ وگذرانیدہ بعد در وقت جہاں پناہ جہانگیر پادشاہ متوجہ بہ ملک کشمیر شدہ اندر جانبین فی الحقیقت بادشاہ عالم آرائے تودو واتحاد و اعتقاد فی ماہین داشت بہ عطوفت تمامی و بموجب رافت یگانگی چند مواضعات درجہ ہدیہ رابطہ اعتقاد فی مابین داشت بہ عطوفت تمامی و بموجب رافت یگانگی چند مواضعات درجہ ہدیہ و نیاز بہ طریق جاگیر پیش روئے بزرگان دین نہادہ اند۔ در قریہ تارہ زدہ سکونت پذیر شدہ اند در تحت تصرف ایشاں ازین قریہ تالغایت موضع نوپورہ پرگنہ کردہن بود۔''

ان سندات کے علاوہ سادات ختائیہ کے پاس ان کے باعظمت اور سیادت آثا

ہونے کے اور بھی کئی کاغذات ہیں۔ مندرجہ صدر حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے مورث اعلیٰ عربستان سے نکل کر پہلے روم گئے پھر سلاطین مغلیہ کے عہد میں دہلی آئے۔ یہاں بھی ان کی عزت افزائی ہوتی رہی۔ تا آنکہ سید حضرت میر موسیٰ جو سادات ختائیہ کشمیر کے جد اعلیٰ ہیں۔ کشمیر میں تشریف لے آئے اور موضع تارہ زدہ متصل سوپور میں اپنا وقت عبادت الٰہی میں بسر کرتے رہے۔ حکام عالی مقام نے جیسا کہ ان کی سندات سے مترشح ہوتا ہے ان کے لنگر اور مسافر خانہ کے اخراجات کے لیے ان کو جاگیر عطا کی۔

زمانہ چونکہ ایک حال پر نہیں رہتا اس لیے جب کشمیر میں دور جدید کا آغاز ہوا تو جس طرح کئی اور جاگیرداروں اور وظیفہ خواروں کو نئی حکومت نے ملیا میٹ کر دیا۔ ان کی جاگیریں بھی ان سے لے لی گئیں۔ اس حال میں بھی ان کے خاندانی و روحانی فیوضات و تاثرات کو عوام الناس کے نگاہوں میں کوئی ضعف نہ پہنچا۔ چنانچہ مولانا میر عزیز شاہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں کٹھائی، بیوینار اور دوڑی لورنا مبلہ کے جاگیرداروں کے اصرار سے تارہ زدہ سے ہجرت کر کے بونیار میں آ گئے۔ آپ علوم ظاہری و حقائق باطنیہ کے زیور سے آراستہ تھے۔ آپ نہایت سیلانی طبع تھے۔ افغانستان اور بلخ بخارا کے علاوہ مشرقی ترکستان خصوصاً ختن کی نسبت آپ کی ذریات کا نام سادات ختائیہ مشہور ہوا ہے۔ ہزار ہا بندگان خدا آپ کے ظاہری و باطنی فیضان سے سیراب ہوتے رہے۔ آپ طریقت کے چاروں سلسلہ میں صاحب طریقت تھے۔ درس تدریس اور فتاویٰ آپ کا مشغلہ تھا۔ آپ کی عظمت اسی سے ظاہر ہے کہ راجہ میر زمان خان راجہ بونیار نے اپنی دختر کا نکاح آپ سے کر دیا۔ آپ کا مزار بونیار ہی میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے برادر خورد سید حبیب اللہ شاہ تارہ زدہ ہی میں ہے۔ ان کی اولاد اب وہاں آباد اور موجود ہے۔ ان کے فرزند ثانی پیر محمد شاہ درویشانہ بسر اوقات کرتے رہے۔ یہاں تک کہ نکاح بھی نہ کیا۔ فرزند اول پیر عبداللہ شاہ کے حسب ذیل پانچ فرزند موجود ہیں۔ پیر نور شاہ، پیر احد شاہ، پیر سیف الدین شاہ، پیر اکبر شاہ اور پیر محمد سعید شاہ۔

مولانا سید غلام حسن جو آپ کے فرزند تھے۔ فن فتاویٰ کے جید عالم ہونے کے علاوہ علم طب و حکمت میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ بھی اپنے محترم والد کی طرح چاروں سلسلوں کے مجاز تھے۔ آپ نے بھی اپنا ایک نکاح راجہ صاحبان بونیار کے خاندان میں کیا تھا۔ تمام سلاطین علاقہ و جاگیرداران تحصیل اوڑی آپ کا نہایت احترام کیا کرتے تھے۔ آپ طویل عمر پا کر ۱۴ رمضان

۱۳۴۸ھ کو انتقال فرما گئے۔ تمام شمالی کشمیر میں آپ کی موت کو موت العالم تصور کیا گیا۔ آپ کا مرقد بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے سانحہ ارتحال پر مفتی ضیاء الدین ضیا آف پونچھ نے ایک طویل نظم لکھی۔ جس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

آفتاب علم و عرفاں شد نہاں
آہ از افق ہمالہ ناگہاں
دست باکارش دلش مشغول ذکر
مہط انوار ایزد بیگماں
مرقدش پرنور بادا دائما
رحمت حق باد ہردم سائبان
بے سر اندیشہ سال وصل او
کز جناں رضواں ندازد ہمچناں
گوش کن او رفتہ درجنت بداں
۱۳۴۸ھ
ایں چنیں آمد ندائے قدسیاں

آپ کے فرزند اول مفتی محمد جلال الدین شاہ آپ کے سجادہ نشین اور اپنے علاقہ کے مفتی اعظم مانے جاتے ہیں۔ علوم عربیہ خصوصاً کتب درسیہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ دینی علوم کے علاوہ فن حکمت سے بھی آپ کو پوری واقفیت ہے۔ آپ کا فرزند محمد سعید خورد سال ہے اور زیر تعلیم ہے۔ آپ کے فرزند ثانی سید غلام احمد شاہ مروجہ تعلیم کے علاوہ عربی فارسی سے بھی حسب ضرورت واقف ہیں۔ لاہور میں آپ نے ایک ہوٹل بھی مسلم ہوٹل کے نام سے جاری کر رکھا تھا۔ فرزند سوم پیر محمد عطا اللہ شاہ بھی مروجہ تعلیم سے خواب آگاہ ہیں۔ آپ صاحب تحریر اور کنبہ پرور نوجوان ہیں۔ فرزند چہارم سید پیر غلام محی الدین شاہ بھی اچھے لکھے پڑھے ہیں۔ اس خاندان کی بدولت اس علاقہ میں علم و عمل کا بھی کچھ چرچا پھیل رہا ہے۔ فرزند سوم و چہارم زمیندارہ اور تجارتی کاروبار میں حصہ لے رہے ہیں۔ گو پیری مریدی اور فتاویٰ نویسی بھی اس خاندان میں بطور ورثہ چلی آتی ہے لیکن ان کا سب سے بڑا ذریعہ معاش زمینداری ہے ان کی زرعی جائیداد بونیار کے

علاوہ تارہ زوہ میں بھی ہے چونکہ اس خاندان کا ابتدائی قیام موضع تارہ زوہ میں تھا اس لیے اس خاندان کے اکثر اسلاف موضع تارہ زوہ میں مدفون ہیں۔ جہاں ان کے سالانہ عرس بھی ہوا کرتے ہیں۔

پرے خاندان

کشمیر کی پرے گوت کے متعلق سرکاری رپورٹوں کے حوالوں سے اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ گوت ہندو راجپوتوں کی ایک معزز 'جوشیلی' اور جنگی قابلیت رکھنے والی شاخ ہے۔ نیز پرے نام کی وجہ تسمیہ کے متعلق پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ پرے ہست پورہ یا پرسپورہ میں جو سنبھل کے نزدیک ایک مشہور تاریخی مقام ہے۔ قدیم راجپوت رہا کرتے تھے۔ وہاں سے جو لوگ مختلف جہات میں چلے گئے وہ اپنے گاؤں کی وجہ سے پرے کہلائے۔ چونکہ پرسپورہ بھی شمالی کشمیر ہی میں ہے۔ اس لیے اس گوت کی زیادہ آبادی بھی تحصیلات بارہ مولا اور ہندواڑہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل مکانی کر کے بھی یہ لوگ اپنے علاقہ ہی میں رہے۔ اس گوت میں بعض خاندان بڑے صاحب اقتدار تھے۔ بلکہ خود مختارانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک خاندان کچھ انقلاب زمانہ کچھ خاندانی رنجشوں اور پیچیدگیوں کی بدولت یہاں سے نقل سکونت پر مجبور ہو گیا۔ وہاب پرے اسی خاندان کا ایک رکن تھا۔ جس نے شاہنامہ فردوسی کا ترجمہ کشمیری زبان میں کیا تھا۔ اور فردوسی ہی کی طرح اس نے بھی ساٹھ ہزار شعر لکھے تھے۔ لیکن کسی انعام یا معاوضہ کے لیے نہیں بلکہ صرف اپنے ذاتی شوق سے۔ وہ مزے لے لے کر پڑھتا تھا اور لوگوں کو سنا سنا کر ان کے منجمد خون میں حرکت و حرارت پیدا کیا کرتا تھا۔ یہ شخص سکھوں کے آخری عہد حکومت میں پیدا ہوا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں بہ عمر بانوے سال انتقال کر گیا۔ اس کی قبر موضع حاجن میں اب تک موجود ہے، اور اس کی اولاد بھی وہیں آباد ہے جو اپنے آبائی پیشہ زراعت میں مصروف ہے۔

تحصیل بارہ مولا کے ایک موضع ہردوشورہ میں بھی ایک معزز پرے خاندان گزرا ہے۔ اس خاندان میں محمد صدیق پرے ایک ہونہار لڑکا تھا۔ جو اپنی سوتیلی ماں کے سلوک ناروا سے تنگ آکر چھوٹی عمر ہی میں راولپنڈی چلا گیا۔ تھوڑا سا اثاثہ پاس تھا اسی سے اپنا کاروبار شروع کیا اور رفتہ رفتہ اس کو ایسی ترقی دی کہ کشمیر کے اکثر زمیندار اور مسافر اسی کے پاس آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ وہ اپنے اہل وطن کی خدمت گزاری میں اپنی دلی مسرت محسوس کیا کرتا تھا۔ لیکن اپنے وطن

جنت نظیر کی یاد اور محبت اس کے دل میں ہمیشہ چٹکیاں لیا کرتی تھی۔ آخر وہ سب کچھ ترک کر کے اپنے وطن ہردوشورہ چلا گیا۔ سوپور کے ایک معزز گھرانہ میں اس کی شادی ہوگئی۔ اور سوپور ہی میں اس نے اپنی بود و باش بھی اختیار کر لی۔

خدا نے اس کو دو فرزند عطا کیے۔ بڑے لڑکے کا نام عبدالقادر اور چھوٹے کا نام محمد اسماعیل ہے۔ چونکہ وہاب پرے راولپنڈی میں رہ کر علم کی قدر و قیمت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس نے زمانہ کی نبض شناسی سے کام لے کر اپنے دونوں لڑکوں کو تعلیم دلائی۔ عبدالقادر پانچ سال تک لاہور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ عبدالقادر نے اس امتحان کو باتعریف پاس کیا۔ حکومت کشمیر نے بھی اس ہونہار نوجوان کی ہمت افزائی کی۔ ڈاکٹر عبدالقادر کشمیر کے قریباً ہر شفاخانہ میں میڈیکل افسر رہے۔ اور جہاں رہے لوگ ان کے حسن سلوک کے مداح اور معترف رہے۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم یورپ میں بھی وہ شامل رہے۔ پہلے ایسٹ افریقہ گئے وہاں سے اعلیٰ فوجی حکام جہاں جہاں ان کو بھیجتے رہے۔ وہ ہر محاذ پر بہ خوش اسلوبی خدمات جنگ بجالاتے رہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے ان جنگی خدمات کے صلہ میں آپ کو کئی تمغوں کے علاوہ میجری کا رینک ملا۔ جو بہت کم لوگوں کو ملا کرتا ہے۔

ڈاکٹر میجر عبدالقادر سب سے پہلے کشمیری نوجوان تھے۔ جو اس جنگ میں شامل ہو کر اس اعلیٰ اعزاز کے مستحق قرار پائے۔ بلکہ اب تک کہ اس واقعہ کو قریباً بیس بائیس سال گزر چکے ہیں۔ اہالیان کشمیر میں ہمیں کوئی بھی میجر نظر نہیں آتا۔ پانچ سو روپیہ ماہوار تک آپ تنخواہ لیتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں ریٹائر ہو گئے۔ لیکن ہز ہائنس مہاراجہ ہری سنگھ بہادر نے ان کی نمایاں خدمات کی قدر دانی کے اظہار میں ان کے پنشن لے لینے کے باوجود ان کو سول ملازمت میں لے لیا گیا مگر ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۱۹۳۲ء میں آپ بمقام جموں وفات پا گئے۔ ان کی موت پر ان کے ہم وطن اور دوست منشی غلام محمد خادم مرحوم کے علاوہ اور کئی شعرا نے ماتمی نظمیں لکھیں۔ آپ کا ایک ہی صاحبزادہ ہے عبدالکریم نام جو اس وقت پولیس ٹریننگ حاصل کر رہا ہے۔ ڈاکٹر میجر عبدالقادر اسسٹنٹ سرجن کے چھوٹے بھائی منشی محمد اسماعیل، محکمہ مال میں ملازم ہیں اور مختلف مدارج سے ترقی کر کے آج کل تحصیلداری کے منصب پر سرفراز ہیں، نے بھی گزشتہ جنگ عظیم میں بھرتی رنگروٹان میں کافی خدمات ادا کی ہیں۔ جن کا حکومت نے بارہا اعتراف کیا ہے۔ آپ

گلگت میں مہتمم خزانہ بھی رہ چکے ہیں۔ محنتی اور کارکن افسر ہیں۔

ان کے تین صاحبزادے ہیں۔ خواجہ سیف الدین، خواجہ عبدالعزیز، خواجہ غلام محمد۔ آپ کے فرزند اول خواجہ سیف الدین جو اعلیٰ درجہ کے سپورٹس مین ہیں اپنے کالج میں ہمیشہ کیپٹن رہے ہیں۔ ان کے پاس چاندی کا ایک کپ بھی ہے جو انہیں انعام میں ملا تھا۔ بی اے انہوں نے ایس پی کالج سری نگر سے پاس کیا اور ۱۹۴۱ء میں ایم اے، ایل ایل بی کی ڈگری علی گڑھ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ آج کل آپ امر سنگھ ڈگری کالج میں بطور لیکچرار تعینات ہیں۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے مقامی کالج میں زیر تعلیم ہیں۔

ڈار فیملی ناسنور

کشمیر کے تحصیل کولگام کے موضع دریزی میں ایک بزرگ محسن ڈار نام کا ایک مزار چونکہ ایک آستان کی شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے گاؤں میں اپنے اتقا کی وجہ سے ایک واجب التعظیم ہستی تھے۔ ان کی ذریات سے کچھ آگے چل کر ایک نام کلی ڈار (اصل نام کریم ڈار) آتا ہے۔ اس کا ایک فرزند سبحان ڈار تھا۔ گردش ایام نے آباؤ اجداد کی خوش حالی کو چھین لیا۔ سکھوں کی حکومت کا زمانہ تھا۔ شہزادہ شیر سنگھ جو بعد میں مہاراجہ شیر سنگھ کے ام سے پنجاب کا فرمانروا رہا ہے۔ ان ایام میں کشمیر کا گورنر تھا۔ کچھ اس کے امراء، وزراء کے تشدد ور کچھ فوج خالصہ کی سخت گیری اور کچھ آفات سماوی نے مصائب ارضی کے ساتھ مل کر کشمیر میں قحط ظیم پیدا کر دیا۔ ''خالصہ راج اور ملک تاراج'' کا ہر طرف شور برپا تھا۔ یہ قحط، قحط شیر سنگھ کے نام سے اب تک پنجاب و کشمیر میں مشہور ہے۔ انہی ایام میں کشمیر کے ہزار ہا لوگ بے خانماں ہو لر پنجاب کے مختلف مقامات پر چلے گئے تھے۔ سبحان ڈار بھی اس قحط کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کو حب ن نے پنجاب تو نہ جانے دیا۔ البتہ وہ دریزی سے ہجرت کر کے موضع نیاس نیور میں جو آج سنور اور آسنور کے نام سے مشہور ہے۔ اور شوپیاں کے متصل واقع ہے۔ چلا آیا۔

سبحان ڈار جب تک زندہ رہا۔ تکالیف و مصائب کا ہی شکار رہا۔ اس کے دو فرزند تھے ے کا نام عمر ڈار اور چھوٹے کا نام لسی ڈار تھا۔ ان کی ابتدائی زندگی اپنے والدین کی تنگ دستی کے یہ میں پروان چڑھتی رہی لیکن ابھی وہ خورد سال ہی تھے کہ ان کے والدین بھی یکے بعد دیگرے ت پا کر ان کو یتیم اور لاوارث کر گئے۔ عمر ڈار نہایت زیرک اور سیانا لڑکا تھا۔ وہ اور اس کا چھوٹا

بھائی تعلیم تو حاصل نہ کر سکے لیکن دونوں بھائیوں نے محنت جفاکشی اور استقلال کی بدولت کچھ ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کیے۔ چنانچہ حسن تدبیر کے ساتھ خوبی تقدیر نے بھی اس کا ساتھ دینا شروع کیا اور وہ تھوڑے ہی دنوں میں رفتہ رفتہ ایک تاجر کی حیثیت اختیار کر گئے۔

ان دونوں بھائیوں نے برسوں کا کھویا ہوا اقبال اپنی ہمت سے پھر حاصل کر لیا۔ اب وہ تاجر بھی تھے اور وسیع اراضیات کے مالک بھی تھے۔ بالخصوص خواجہ عمر ڈار تمام علاقہ میں ایک بارعب اور بارسوخ ہستی تصور کیے جاتے تھے۔ ہرچند وہ کچھ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن اپنی خداداد قابلیت و ذہانت کی بدولت وہ جنوبی کشمیر کے مشہور تاجروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ حکومت نے بھی ان کی وجاہت و دیانت اور ان کا اقتدار دیکھ کر آسنور کے اس موضع میں جہاں ان کے والدین کسمپرسی اور اجنبیت کی حالت میں آئے تھے ان کو نمبردار مقرر کر دیا۔

یہ وہی ایام تھے جب میرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مہدویت و مسیحیت کی وجہ سے پنجاب و ہندوستان کے مذہبی حلقوں میں ایک غلغلہ عظیم پیدا ہو رہا تھا۔ انہی دنوں میں مولانا حسن شاہ المعروف حسن صاحب بلخ مستقل طور پر خواجہ عمر ڈار کے پاس رہا کرتے تھے۔ اور ان کی وجہ سے کشمیر اور بالخصوص ناسنور بھی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے بحث مباحثہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہی وہ ایام تھے کہ جب خواجہ عمر ڈار نے میرزا صاحب کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کر کے احمدیت قبول کی اور چونکہ وہ صاحب اثر تھے ان کے اثر و رسوخ کی بدولت رفتہ رفتہ ناسنور کا تمام گاؤں میرزا صاحب کے تمام عقائد کو صحیح مان کر احمدی بن گیا۔

خواجہ عمر ڈار احمدی ہونے کے بعد سب سے پہلے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ پھر انہوں نے قریباً پچاس سال کی عمر میں کچھ لکھنا پڑھنا سیکھا اور کشمیر میں تعلیم بالغاں کی بنیاد قائم کی جس کے کھنڈروں پر آج ہماری ریاست کا محکمہ تعلیم ایک عالی شان عمارت کھڑی کرنے میں مصروف نظر آ رہا ہے۔ میرزا صاحب کے عقائد دعادی سے کسی کو مخالفت ہو یا موافقت اور خواجہ عمر ڈار کی قبول احمدیت اچھی ہو یا بری لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی احمدیت نے اس گاؤں میں ایک بیداری سی پیدا کر دی اور اس بیداری نے وہ علمی انقلاب پیدا کیا جس کی بدولت آج سنور میں ایک پرائمری سکول کے علاوہ ایک زنانہ سکول بھی قائم ہے اور چھ ''مولوی فاضل'' کا امتحان پاس ہونے کے علاوہ متعدد انگریزی خوان نوجوان بھی وہاں موجود ہیں جو مختلف محکموں میں اچھے اچھے عہدوں پر برسر روزگار ہیں۔

خواجہ غلام رسول بھی اپنے بھائی کی قبول احمدیت کے تھوڑے دنوں بعد احمدی ہو گئے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کی اولاد کے تمام افراد مرد و زن لکھے پڑھے ہیں اور اس وسیع کنبہ میں جو آج ''ڈانگر خاندان'' کے نام سے ناسنور میں آباد ہے۔ کوئی بھی ایسا فرد نہیں جو دینی و دنیوی تعلیم کی نعمت سے محروم ہو۔

چونکہ احمدیان ناسنور کا تعلق جماعت احمدیہ قادیان سے ہے اس لیے موسم گرما میں قادیانی اصحاب کی یہاں اکثر آمد و رفت رہتی ہے۔ آسنور سے کشمیر کے مشہور آبشار اہربل صرف دو میل کنگہ وٹن کا دلفریب منظر سات میل اور کوثر ناگ کی حیرت انگیز جھیل چودہ میل کے فاصلے پر ہے۔

حاجی عمر ڈار تین فرزندوں کے باپ تھے۔ فرزند اول کا نام خواجہ حبیب ڈار تھا جن کا لڑکا خواجہ اسلام ڈار اس وقت موضع منزگان میں وسیع پیمانہ پر تجارتی کاروبار کر رہا ہے اور آپ کا بڑا لڑکا نذیر احمد ڈار بھی آپ کا شریک کار ہے۔ آپ کے دوسرے فرزند کا نام خواجہ عبدالقادر ڈار تھا۔ وہ اپنے باپ کا صحیح نقش قدم تھے اور اپنے وسیع حلقہ احباب میں نہایت ہردلعزیز تھے۔ خواجہ عبدالقادر ڈار مرحوم کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔ خواجہ غلام ڈار، خواجہ حبیب اللہ ڈار، خواجہ عبدالغفار ڈار، ان میں آخرالذکر یعنی خواجہ عبدالغفار ڈار قادیان کے فارغ التحصیل مولوی فاضل ہیں اور چار سال سے کشمیر کے مشہور اعتدال پسند اور متین و سنجیدہ اخبار اصلاح کے ایڈیٹر ہیں۔

حاجی عمر ڈار کے تیسرے فرزند کا نام جو خدا کے فضل سے صاحب حیات ہیں۔ خواجہ عبدالرحمان ڈار ہے۔ آپ آسنور کے متصلہ گاؤں کوال کے نمبردار ہیں۔ اور کشمیر میں اپنی اعلیٰ تجارت، خدمات عامہ اور قانونی واقفیت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں اور اپنے علاقہ میں صاحب رسوخ ہستی ہیں۔ آپ کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ خواجہ غلام محمد ڈار، خواجہ مبارک احمد ڈار جنہوں نے بی اے میں زیر تعلیم ہونے کے دوران ہی اپنی خدمات سرکار برطانیہ کے سپرد کر دیں۔ تیسرے خواجہ صلاح الدین، چوتھے خواجہ جلال الدین اور پانچویں خواجہ منور احمد۔

حاجی عمر ڈار مرحوم کے چوتھے فرزند خواجہ عبدالعزیز ڈار بھی بفضل الٰہی بہ قید حیات ہیں۔ آپ نے اپنے والد کی زندگی ہی میں اپنا کاروبار علیحدہ جاری کر رکھا تھا۔ ہر چند کہ آپ اولاد نرینہ سے محروم ہیں۔ تاہم آپ نے ایک نومسلم شیخ محبوب الٰہی ماسٹر کو اپنا خانہ داماد بنا رکھا ہے۔ جو آپ کی جمعیت اسلامیہ اور امداد نومسلمانان کی ایک روشن دلیل ہے۔ اور شیخ محبوب الٰہی بھی اپنی

سعادت مندی کا پورا ثبوت دے رہے ہیں۔

حاجی عمر ڈار کے چھوٹے بھائی خواجہ غلام رسول کے تین فرزند تھے۔ خواجہ عبدالرزاق ڈار، خواجہ سبحان ڈار، خواجہ صمد ڈار اور سب خدا کے فضل سے اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہیں۔ اس خاندان نے دینی علوم سے واقفیت حاصل کر کے عورتوں کو ان کے شرعی حقوق دینے سے بھی پہلوتہی نہیں کی ہے۔ لڑکوں کے علاوہ حاجی عمر ڈار کے ہاں ایک لڑکی بھی تھی جس کا انہوں نے اپنے وسیع جائیداد سے پورا حق شرعی عطا کیا تھا۔ آپ کے داماد کا نام خواجہ خالق دانی ہے اور آپ کا بڑا نواسہ خواجہ عبدالکریم دانی موضع اوٹو میں ایک کامیاب اور بارسوخ تاجر ہے اور آپ کے داماد مولوی عبدالواحد مبلغ کشمیر کہلاتے ہیں۔ خواجہ غلام رسول ڈار نے بھی اپنی ایک لڑکی کو شرعی حصہ عطا کیا ہے۔ آپ کے داماد کا نام خواجہ عبدالرحمان میر ہے۔ جو محکمہ جنگلات میں رینج آفیسر ہیں اور اپنے اخلاق کی وجہ سے عامہ خلائق میں ہردلعزیز ہیں۔ اس خاندان کے رشتے ناطے باہم بھی ہوتے ہیں اور کشمیر کی دوسری برادریوں میں بھی۔

کچلو فیملی ڈوڈہ

کچلو لفظ کی وجہ تسمیہ اور اس نام پر ایک ذات مشہور ہو جانے کا ذکر اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ سکھ حکومت کے عہد میں اسلام آباد کے ایک کچلو خاندان کا ایک شخص خواجہ سُلہ جو گردش ایام کا شکار ہو کر ویری ناگ کے دشوار گزار پہاڑ کو طے کرتا ہوا بانہال پہنچا۔ وہاں سے بٹوت آیا۔ بٹوت میں کچھ قیام کیا ہی تھا کہ قسمت اس کو ڈوڈہ میں لے گئی جو آج تحصیل کشتوارہ کا ایک مشہور مقام ہے۔

تھوڑا بہت اثاثہ پاس تھا اس سے تجارت شروع کر دی۔ نوجوان بیٹا خواجہ عقل جو ہمراہ تھا۔ رفتہ رفتہ انہوں نے پشمینہ کا ایک کارخانہ جاری کر دیا۔ اس کے علاوہ یہ علاقہ پوست کی کاشت کے لیے خاص طور پر مشہور تھا اور جس طرح آج اس کاشت پر پابندیاں ہیں اس زمانہ میں ان کا وجود بھی نہ تھا۔ اس لیے انہوں نے بہت سے اراضی لے کر ایک وسیع قطعہ میں پوست کی کاشت شروع کی اور اس کے ذریعہ افیون کی تجارت کو یارقند اور کاشغر تک پہنچایا۔

عقل جو کے تین لڑکوں میں اس کا فرزند اول خواجہ غنی جو کا جس کے مذہبی انہاک
ڈوڈہ کی جامع مسجد بیان کی جاتی ہے ایک ہی فرزند تھا محمد عبداللہ نام۔ جو بسلسلہ تجارت کاش
مقیم تھا۔ اور وہیں اٹھائیس سال کی عمر میں ۱۹۷۶ بکرمی میں اپنے وطن سے بہت دور انتقال کر

مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے کسی کی شرم

عقل جو کے دوسرے فرزند خواجہ محمد منور کچلو ۱۹۴۳ بکرمی میں کاشغر گئے آپ۔
وہاں جا کر اور تمام کاروبار کا جائزہ لے کر افیون کی تجارت کو بڑا فروغ دیا۔ آخر ۱۹۴۸ بکرمی
آپ واپس اپنے وطن میں آئے لیکن دوسرے ہی سال ۱۹۴۹ بکرمی میں پھر کاشغر چلے گئے
۱۹۵۴ بکرمی میں آپ نے اپنے چھوٹے بھائی خواجہ غلام محمد کچلو کو بھی وہیں بلا لیا۔ دونوں بھا
کو تجارت کا وسیع تجربہ تھا۔ یارقند اور کاشغر کے دونوں شہروں میں کافی زمین اور جائیداد پیا
جس پر آج خواجہ محمد منور کی اولاد قابض ہے۔ ان کے رسوخ اور اثر اور ان کے تمول کی بدا
وہاں لوگ ان کو خان اور بائے سے جو وہاں کے معزز القاب ہیں یاد کیا کرتے تھے۔

خواجہ غلام محمد کچلو نے ۱۹۵۷ بکرمی میں کاشغر سے واپس آ کر ڈوڈہ کے ایک شر
گھرانے میں سلسلہ مناکحت قائم کر لیا۔ ۱۹۶۰ بکرمی میں آپ پھر کاشغر اور یارقند کی طرف
گئے لیکن یہ سفر ایسا تھا کہ واپس آنا نصیب نہ ہوا۔ بقول شاعر:

اب کا سفر وہ ہے کہ نہ دیکھوں گا پھر وطن
یوں تو میں لاکھ بار غریب الوطن ہوا

یارقند میں چونکہ کافی مدت رہے تھے۔ وہیں آپ نے دوسری شادی بھی کر لی۔ پہ
شادی سے ۱۹۵۹ بکرمی میں خواجہ محمد خلیل کچلو پیدا ہوئے۔ دوسری شادی سے جو یارقند میں ہوئی
اُس سے خواجہ عبدالکریم خاں کچلو آپ کی یادگار ہیں۔

خواجہ عبدالکریم خان کچلو یارقند میں نہایت بے فکری سے اپنی زندگی بسر کر رہے تھے
روسی حکومت نے یارقند اور کاشغر پر قبضہ کر کے اپنا عمل دخل کر لیا اور اس عمل داری کا نتیجہ یہ ہوا
خواجہ عبدالکریم خان کو نئی حکومت نے غیر ملکی قرار دے کر وہاں سے نکال دیا۔ خواجہ عبدالکریم خا
اب کشمیر میں ہیں اور چھوٹے سے پیمانے پر تجارتی کاروبار کر رہے ہیں۔ خواجہ غلام محمد کے قیا

یارقند کے دوران میں اور بعد میں ان کی وفات پر ان کے بھائی خواجہ غنی جوان کے خورد سال فرزند
محمد طفیل کی پرورش کرتے رہے۔ محمد خلیل نے بارہ سال کی عمر تک اپنے چچا کی شفقت سے عربی
فارسی کی کچھ تعلیم حاصل کر لی تھی۔ پھر تعلیم مروجہ میں مڈل تک پہنچے۔ لیکن چھوٹی سی عمر میں چونکہ
بہت سی ذمہ داریاں سر پر آپڑی تھیں اور چچا کی وفات کے باعث تجارتی کاروبار کا اور کوئی نگران
نہ تھا اس لیے تعلیم کو جاری نہ رکھ سکے۔ تجارت آبائی ورثہ تھا اس لیے رفتہ رفتہ اس میں آپ نے
کافی دسترس پیدا کر لی۔ ۱۹۸۸ بکرمی میں کشمیر میں جب تحریک حریت نے جنم لیا۔ تو چونکہ آپ بھی
اپنے اہل وطن کی حالت زار کا درد اپنے سینہ میں رکھتے تھے۔ اس لیے آپ بھی جموں و کشمیر مسلم
کانفرنس میں شریک ہو گئے۔ ۱۹۰۹ بکرمی میں جب اس کانفرنس کا پہلا اجلاس سری نگر میں ہوا تو
آپ اس کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی (مجلس منتظمہ) کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ نے جلسہ سے واپس
آنے پر اپنے ضلع کی تمام تحصیلوں (بھدرواہ، کشتواڑ اور ادہم پور) کا دورہ کر کے لوگوں کو ان کے
حقوق اور مطالبات سے آگاہ کیا اور اپنے ضلع میں بیداری کی ایک لہر پیدا کر دی۔

۹۱۹۱ بکرمی میں مسلم کانفرنس کی طرف سے ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ بڑے زوروں
پر تھا۔ نمائندگان کانفرنس ہر جگہ لیکچر دیتے اور تقریریں کرتے تھے۔ انہی میں آپ بھی شامل تھے۔
چنانچہ آپ کو اپنے علاقہ ہی میں زبان بندی کے علاوہ نظر بندی کی سزا بھی دی گئی:

گلہ صیاد کا اے بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

آپ کے اس خلوص اور ایثار کی بدولت ضلع بھر کے لوگوں نے کشمیر اسمبلی میں آپ کو اپنا
نمائندہ بنا کر بھیجنا چاہا۔ لیکن آپ چونکہ ان ایام میں زبان بندی اور نظر بندی کی وجہ سے اپنے ضلع
کے ہیڈ کوارٹر یعنی ادہم پور سے جانے سے معذور تھے۔ اس لیے منتخب نہ ہو سکے۔ لیکن جب
۱۹۹۵ بکرمی میں دوسرا الیکشن ہوا تو آپ مسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر ووٹوں کے شاندار اضافہ کے ساتھ
کامیاب ہوئے۔ آپ نے اپنے علاقہ کے چہار سالہ نمائندگی کے دوران میں بہت سے مفید کام
کیے۔

آپ کے تین فرزند ہیں۔ فرزند اول خواجہ محمد اکبر ۱۲ ساون ۱۹۸۵ بکرمی کو پیدا ہوا۔
ساتویں جماعت (سکول ڈوڈہ) میں زیر تعلیم ہے۔ فرزند دوم خواجہ محمد عبداللہ ۲۵ بھادوں ۹۸۹
بکرمی کو اور فرزند سوم خواجہ بشیر الدین ۹ پوہ ۱۹۹۳ بکرمی کو پیدا ہوا۔ اول الذکر جماعت چہارم، اُو

موخرالذکر جماعت اول میں پڑھتا ہے۔

مصالحہ

کشمیر میں ایک گوت مصالحہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس کی کیفیت اس طرح ہے کہ قریباً ایک سو سال کا عرصہ گزرا ہے احمد وائی ایک شخص سری نگر کے محلہ بودی کدل میں دکانداری اور تجارت کا کام کرتا تھا۔ وہاں اب تک اس کے رشتہ دار اور اس کی برادری کے لوگ رہتے ہیں اس کے تین فرزند تھے۔ غفور وانی، شعبان وانی اور کلی وانی، وانی اور وائیں دراصل ایک ہی ذات کا نام ہے۔ یہ تینوں بھائی سری نگر کی سکونت ترک کر کے علاقہ کامراج کے ایک گاؤں چوگل چلے آئے۔ جو ہندواڑہ کی سڑک پر سرِ راہ واقع ہے۔ چونکہ دکاندار اور تجارت پیشہ تھے۔ اس لیے یہاں بھی انہوں نے کریانہ کی ایک دکان کھول لی۔ یعنی اس میں بزازی بھی تھی، نمک مرچ مصالحہ بھی تھا۔ کشمیر کے لوگ نیا نام رکھنے اور اصل نام کے بگاڑنے میں بہت ماہر ہیں۔ انہوں نے اس کی اصل ذات وانی کی بجائے ان کا نام مصالحہ رکھ دیا۔ چنانچہ اب ان کی اولاد کو مصالحہ ہی کہتے ہیں۔ غفور وائیں یا غفور مصالحہ متوفی کے تین بیٹے تھے۔ قدوس وانی، غنی وانی اور ولی وانی۔ اول الذکر دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ البتہ قدوس وانی کا پوتا حمید اللہ موجود ہے اور ولی وانی اولاد نرینہ سے محروم ہے۔

غفور وانی کے دوسرے بھائی شعبان وانی متوفی کے سات فرزند ہیں۔ جن میں تیسرا فرزند احد جو فوت ہو چکا ہے۔ باقی حسب ذیل موجود ہیں۔ غلام محمد خلیل جو (اس کا ایک فرزند محمد اسلم نام موجود ہے) غلام محی الدین علی محمد، غلام قادر، (فرزندش غلام نبی موجود ہے) حبیب اللہ۔ اس کے فرزند کا نام غلام حسن ہے۔

شعبان مصالحہ کے فرزندوں میں غلام محمد اور علی محمد ٹھیکہ داری کا کام کرتے ہیں۔ خلیل جو اور حبیب اللہ تجارتی کاروبار میں مصروف ہیں۔ غلام محی الدین کھر ہامہ کے پرائمری سکول میں ہیڈ ماسٹر ہے۔ سب بھائی خواندہ ہیں اور زراعتی مشاغل بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ان سب بھائیون میں غلام قادر مصالحہ نے قومی ملکی اور اسلامی خدمات کی وجہ سے بہت نام پیدا کر رکھا ہے۔

غلام قادر مصالحہ سب سے پہلے جموں و کشمیر کانفرنس کے ذریعہ پبلک پلیٹ فارم پر

آئے۔خوب دھواں دھار تقریریں کرتے رہے۔ ہندواڑہ خاص بلکہ تحصیل ہندواڑہ کے نامی مقرروں میں ہیں۔ جب شیخ محمد عبداللہ صدر مسلم کانفرنس نے مسلم کانفرنس کے کھنڈروں پر نیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔تو آپ نیشنل کانفرنس میں شامل ہو گئے۔

آپ میدان چوگل کی پنچایت کے سرپنچ ہیں اور جس طرح عام زمینداروں کو اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ پنچایتوں اور دیہات سدھار سکیم کے فوائد و برکات بتایا کرتے ہیں اگر اسی طرح دیگر پنچایتوں کے سرپنچ بھی خلوص و درد کے ساتھ اپنے فرائض ادا کیا کریں تو زمیندار بہت کچھ سنبھل سکتے ہیں۔

آپ ہندواڑہ میں تجارتی کاروبار بھی کرتے ہیں اور ذاتی طور پر ایک سو دس کنال اراضی کے مالک ہیں اور زراعتی کام میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔غفور وانی کے تیسرے بھائی کلی وانی متوفی کے چار لڑکے ہیں۔جن میں اکبر وانی اور اسد وانی فوت ہو چکے ہیں اور امیر الدین اور غلام رسول موجود ہیں ۔امیر الدین بھی تجارتی کام کرتا ہے اور غلام رسول وٹرنری ہسپتال ہندواڑہ میں ملازم ہے۔

راجپوت اور ٹھکر

ٹھکر' ٹھاکر ہی سے بگڑا ہوا لفظ ہے۔ جب راجپوت اقوام سے بعض لوگوں نے ہل چلانے شروع کر دیئے اور اکہرا رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے انہوں نے دوہرا رشتہ شروع کر دیا او چادر اندازی یا داشتہ عورت سے جو اولاد ہوتی تھی وہ چھتر وڑہ کہلاتی تھی۔اس کو جائز وارث قرار دے دیا اور شادی بیوگان کو بھی جائز سمجھ لیا۔تو اعلیٰ ذات کے راجپوتوں نے ان سے میل جول بند کر دیا اور یہ ٹھکر کے نام سے بالکل الگ قبیلہ قرار پائے۔ورنہ دراصل یہ بھی راجپوت ہی ہیں اور ان کی تمام گوتیں راجپوتوں ہی سے ملتی ہیں۔ان کا اور دوسرے راجپوتوں کا شجر نسب بھی ایک ہی ہے۔ان کے بھاٹ اور میراثی بھی ایک ہی ہیں اور چھتری ونش ہی سے ا کی شاخ ہی نکلی ہے۔(خلاصہ بہ مضمون آر ایس داس تبت لداخ مندرجہ اخبار رنبیر جمو ۱۷ ساون ۱۹۹۵ بکرمی)۔

راجگان حتمال علاقہ نامبلہ اوڑی

راجہ بیرہ خاں

بہادر خاں — راجہ سربلند خاں — سرفراز خاں — سرانداز خان لاولد — غلام علی خان لاولد

(راجہ سربلند خاں): ذوالفقار خاں لاولد — راجہ مظفر خاں

(راجہ مظفر خاں): زوجہ اوّل — زوجہ دوم

(زوجہ اوّل): عطا محمد خاں — صفدر علی خاں — جبار خاں — نواب خاں

(نواب خاں): احمد علی خاں — عبداللہ خاں — غلام علی خاں — زبردست خاں

ان چاروں بھائیوں کی اولاد کشمیر میں آباد ہے

(صفدر علی خاں): امیر خاں لاولد

زوجہ اوّل — زوجہ دوم

(زوجہ اوّل): فیروزالدین خاں

(زوجہ دوم): فتح محمد خاں — محمد علی خاں

(محمد علی خاں): شاہ زمان لاولد

(جبار خاں): محمد زمان خاں — پیر محمد خاں — محمد عظیم خاں — فتح محمد خاں

ان سب کی اولاد علاقہ کھلانہ میں آباد ہے

زوجہ اوّل — زوجہ دوم

(زوجہ اوّل): مجنوں خاں — بہادر خاں

(زوجہ دوم): قطب الدین خاں — اقبال خاں

(فیروزالدین خاں): شاہ زمان خاں — زبردست خاں — قطب الدین خاں

زوجہ اوّل

بلند اقبال خاں — فیاض الدین خاں لاولد

(بلند اقبال خاں): راجہ محمد افضل خاں — سربلند خاں — زبردست خاں — امان اللہ خاں

(راجہ محمد افضل خاں): قطب الدین خاں

کھکھ قوم کے متعلق اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے اور تاریخ اقوام پونچھ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ بعض اور مصنفوں نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں کھکھ قوم کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے۔ لیکن سب مصنفوں نے اس کا سلسلہ راجہ مل کے بیٹے کھکھ خان تک ہی پہنچایا ہے۔

راجہ مل خان کا دادا سری پت تھا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ شہاب الدین غوری نے

اس کو متھرا یا نواح متھرا سے نکال کر پنجاب کے کوہستان میں آباد کیا اور یہیں اس کے فرزند دھروپت کے ہاں مل پیدا ہوا۔ جو مسلمان ہو کر مل خان کہلایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی کھکھ قوم کی اصلیت اور پنجاب کے کھکوں اور کشمیر کے کھش قبیلہ کا تعلق بہت کچھ تحقیق طلب ہے۔ *

البتہ سٹائن صاحب نے پنڈت کلہن کی تاریخ راج ترنگنی کے ترجمہ کے دوران میں بعض قوموں اور کشمیر کے بعض شہروں کے متعلق جو نوٹ لکھے ہیں اور ان میں کھش قوم کا جو ذکر کیا ہے وہ سردست واقعات پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج سے آٹھ سو سال پیشتر بھی کھش قوم بارہ مولا سے پنجاب کو آتے ہوئے دریائے وِتستہ (موجودہ نام جہلم) کے کنارے آباد تھی۔ اور آج بھی وہی قوم تحصیل اوڑی کے اسی کنارہ پر پھیلی ہوئی ہے۔ البتہ اس کا نام کھش کی بجائے آج کھکھ ہے۔ چنانچہ راجگان چکار اور گزارہ خواران خاندان کھکھ کی کثیر تعداد اس وقت بھی تحصیل اوڑی میں موجود ہے۔

جس طرح کھکہ کا لفظ کھکھ خان یا کھش سے نکلا ہے۔ اسی طرح حتمال بھی حاتم خاں یا اسی قسم کے کسی اور لفظ سے نکلا ہے۔ اس لیے کہ ذاتوں اور گوتوں کے نام عموماً کسی بزرگ خاندان یا کسی شہر یا کسی عرف عام ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ حتمال خاندان بھی تحصیل اوڑی میں دریائے جہلم کے کنارے آباد ہیں۔ اس میں بھی کئی گزارہ خواروں کے علاوہ تین جاگیر دار اور ایک علاقہ دار ہے اور یہ سب راجہ بیرہ خان کی اولاد سے ہیں۔ جو افاغنہ حکومت میں اپنے علاقہ کا ایک زبردست حکمران تھا۔

مغل بادشاہوں کے بعد جب احمد شاہ ابدالی بادشاہ نے ۱۱۶۶ھ میں کشمیر پر تسلط کیا تو راجہ بیرہ خاں حتمال اپنے پورے عروج پر میں تھا۔ چنانچہ جب راجہ سکھ جیون مل گورنر نے بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر کے کشمیر میں اپنی خودمختار حکومت قائم کر لی۔ تو بادشاہ نے عبداللہ خاں ایشک اقاصی کو تیس ہزار فوج دے کر اس کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا۔ اوڑی کے قریب ہی جہاں راجہ

---

* حاجی مولوی محمد حشمت اللہ خاں لکھنوی سابق وزیر وزارت ریاست کشمیر نے بھی اپنی ضخیم تاریخ "تاریخ جموں وفتوحات مہاراجہ گلاب سنگھ" میں جہاں راجگان کھکھ وبتمال کا ذکر ہے۔ وہاں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ان کی اصلیت کا کسی تاریخ سے کوئی پتہ نہیں چلا۔ ان کی اپنی روایات اس قدر مختلف ہیں کہ ان کی تصدیق کسی اور ذریعہ سے نہیں ہو سکی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ کھکھ اور بتمال اصلاً نومسلم راجپوت ہیں جن کے بزرگ پنجاب سے نقل مکانی کر کے اس ملک میں آباد ہوئے

بیر خاں کی حکومت تھی۔ خیدر آباد کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ راجہ بیرہ خان راجہ سکھ جیون مل کا طرف دار تھا۔ اور اسی کے امداد سے اس نے بادشاہی فوج کو اس موقع پر شکست فاش دی۔ اس کے فرزندوں میں سربلند خان، بہادر خان اور غلام علی خان اور سرفراز خان نامی سردار گزرے ہیں۔

راجہ بیرہ خان کو حاجی کریم داد خان افغان ناظم کشمیر ۱۱۹۵ھ میں فریب سے گرفتار کر کے سری نگر لے گیا۔ جہاں اس نے اسے قتل کر دیا۔ جب افغانی سردار مدد خان نے ۱۱۹۹ھ میں آزاد خان گورنر کو جس نے بادشاہ سے روگردانی اختیار کر لی تھی۔ شکست دی۔ تو بہادر خان ہی کی مدد اور رہنمائی سے جان بچا کر وہ پونچھ جا سکا تھا۔

راجہ سربلند خاں نے بعہد زمان شاہ درانی و بہ نظامت میر ہزار خان ۱۲۰۷ھ میں اپنے خوشگوار تعلقات کی بدولت ایک بیش بہا خلعت حاصل کیا تھا۔ سکھوں کے زمانے میں سکھ گورنروں سے ان کے تعلقات ہمیشہ خراب رہے۔ اور سکھ گورنر بھی ہمیشہ ان کی آزادی چھیننے کے درپے رہے۔ آخر ہری سنگھ نلوہ نے غلام علی خاں کو جو راجہ بیرہ خاں کا سب سے چھوٹا فرزند تھا شیر گڑھی میں لے جا کر قتل کر دیا۔ اور سرافراز خاں کو قید کر کے لاہور بھیج دیا۔ اس کی اولاد بونیار میں موجود ہے۔

راجہ سربلند خاں کا دوسرا فرزند راجہ مظفر خان صاحبِ اولاد تھا۔ دو بیویوں سے اس کے آٹھ فرزند تھے۔ زوجہ اول کے چاروں بیٹوں کو اپنی حیات ہی میں اس نے جاگیریں دے رکھی تھیں۔ راجہ عطا محمد خاں کو نامبلہ' راجہ صفدر علی خان کو پتی سلام بار۔ راجہ جبار خاں کو پتی اوڑی اور راجہ نواب خاں کو کھلانا کا علاقہ۔

راجہ صفدر علی خاں بڑا غیور اور شہ زور راجہ تھا۔ سکھوں کا زمانہ تھا۔ کشمیر کے سکھ گورنر سے ہمیشہ اس کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ گورنر نے کسی جواب دہی کے لیے اپنے ایک افسر (جمعدار) کو تھوڑی سی فوج دے کر راجہ کو دارالحکومت میں بلوا بھیجا۔ راجہ سری نگر جانے کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ باتوں باتوں میں جمعدار کے ساتھ کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ راجہ اس وقت نہتا اور بے ہتھیار تھا۔ جمعدار اور سپاہی اس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ صفدر علی خان اپنے معتمد خاص سردار رحیم بیگ کے ہمراہ اسی جگہ شہید ہوگیا۔ '' شہید بے بدل شد راجہ صفدر'' سے ۱۲۵۴ھ تاریخ شہادت نکلتی ہے۔ راجہ کو نوشہرہ میں دفن کیا گیا اور رحیم بیگ پرگنہ کردہن کے موضع کونٹرہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

راجہ صفدر علی خان کا صرف ایک نابالغ بیٹا امیر خاں رہ گیا تھا۔ راجہ عطا محمد خاں نے نہ

صرف اس کی پرورش کی بلکہ اپنی لڑکی بھی اس کے عقد میں دے دی۔ راجہ کی جاگیر میں ایک مسلمان سلہریا خاندان راجہ کے ملازموں اور معتبروں میں تھا۔ رفتہ رفتہ اس خاندان نے اچھی خاصی جمعیت پیدا کر کے راجہ عطا محمد خاں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ جب کشمیر کا راج سکھوں کے بعد مہاراجہ گلاب سنگھ کو ملا اور وہ پہلی مرتبہ کشمیر آئے تو عطا محمد خاں نے سلہریوں کی شکایت پیش کی۔ مہاراجہ نے ان کی شرارتوں سے نجات دلانے کے لیے راجہ سے نذرانہ طلب کیا چنانچہ راجہ نے نذرانہ کے طور پر اپنے داماد امیر خاں کی پتی سلام بار اور آمد گزر (کسٹم) باندی برہمنان مہاراجہ کو دے دی۔

اس پر مہاراجہ نے سلہریوں کو راجہ عطا محمد خان کی جاگیر سے نکال کر پتی سلام بار کا ایک موضع جبلہ بطور جاگیر دے دیا۔ اور باقی پتی کو خالصہ میں شامل کر لیا۔ اسی طرح پتی سلام بار امیر خاں کے ہاتھ سے جاتی رہی اور لاولد فوت ہو کر اس نے اپنی شاخ کا بھی خاتمہ کر دیا۔

راجہ مظفر خان بہت بڑا جاگیر دار تھا۔ تحصیل اوڑی میں دریائے جہلم کے بائیں کنارے چکوٹھی سے لے کر کچ ہامہ تک اور کشمیر میں نارواہ پرگنہ کردہن تک اس کی جاگیر میں شامل تھا۔ پہاڑ کی جاگیر جیسا کہ لکھا جا چکا ہے اس نے اپنے بڑے چاروں بیٹوں اور اقربا میں تقسیم کر رکھی تھی۔ دوسری بیوی کے بطن سے جو اس کے فرزند تھے۔ وہ اسے بہت عزیز تھے۔ اور چونکہ راجہ مظفر خاں خود موضع ڈنہ مونہ پرگنہ کردہن میں رہتا تھا۔ جو کشمیر میں واقع تھا۔ اس لیے اس نے اپنی کشمیر کی جاگیر چھوٹے بیٹوں کے لیے رکھی ہوئی تھی۔ یہ زمانہ سکھ حکومت کا تھا۔ ان ایام میں جاگیرداروں سے ان کے عزیز واقارب میں سے کوئی ایک دربار خالصہ (لاہور) بطور یرغمال لیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر راجہ مظفر خاں سے بھی اس کا ایک فرزند طلب کیا گیا۔ اور اس کے پہاڑ کے بیٹوں کی مخبری سے اس کا وہ فرزند اس سے مانگا گیا۔ جو اسے بہت عزیز تھا۔ راجہ نے جب اپنے چہیتے اور عزیز ترین فرزند کو بطور یرغمال لاہور بھیجنے سے انکار کیا تو دربار کے حکم سے صوبیدار کشمیر نے اس کی جاگیر ضبط کر لی۔ راجہ نے بعد میں کوشش کر کے جاگیر تو واگزار کرالی۔ لیکن صوبیدار نے واگزاری کا خلعت اور جاگیر کا پٹہ دینے کے لیے اسے سری نگر بلوا بھیجا۔ ان دنوں سری نگر میں ہیضہ کا زور تھا۔ صوبیدار کا پیغام اس کے لیے پیغام اجل ثابت ہوا۔ اور ابھی اسے خلعت واگزاری نہیں ملا تھا کہ اس کا وہیں انتقال ہو گیا۔ اور حضرت بل میں جہاں اس نے پہلے ہی اپنی قبر بنوا رکھی تھی دفن کیا گیا۔

راجہ کے کشمیروالے بیٹے کچھ تو کم عمر تھے اور جو بالغ تھے وہ جاگیر کی واگزاری کی کوشش نہ کر سکے۔ اور پہاڑ والوں نے بھی اس خیال سے کچھ کوشش نہ کی کہ جو جاگیر ضبط ہوئی ہے وہ آخر کشمیر میں ہے۔ اوران کے سوتیلے بھائیوں ہی کا حصہ ہے۔ راجہ کے ان عزیز ترین فرزندوں کی اولاد اب بھی پرگنہ کردہن کشمیر میں موجود ہے۔ جو زمینداری پر اپنی گزراوقات کررہی ہے۔ راجہ مظفر خاں کے پہاڑ والے بیٹوں میں راجہ عطا محمد خاں سب سے بڑا اور عقل منداور باہمت راجہ تھا۔ نامبلہ کے علاقہ اسی کو ملا ہوا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے سب سے بڑے فرزند راجہ فیروز الدین خان کو نامبلہ کی جاگیر ملی۔ راجہ فیروز الدین خان بھی اپنے باپ کی طرح بارعب اور پہاڑ کے راجاؤں میں ایک نامی گرامی راجہ تھا۔ وہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانے میں عرصہ تک سری نگر میں سپرنٹنڈنٹ پولیس رہا۔ پھر کچھ عرصہ تک وزیر لداخ رہا۔ آخیر عمر میں مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے مصاحبوں میں تھا کہ ۱۹۵۲ بکرمی میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔

اس کے فرزند راجہ بلند اقبال خان نے اپنی مرنجاں مرنج پالیسی سے اپنی رعایا کو ہمیشہ اپنا گرویدہ رکھا۔ شکار کا بڑا شوقین تھا۔ اس نے بارہا تن تنہا شیر کا شکار کیا ہے۔ ایک مرتبہ شکار کے دوران میں شیر نے اس پر حملہ کر دیا۔ تو اس کے ساتھی بھاگ نکلے۔ لیکن اس نے شیر کے حملے سے زخمی ہونے کے باوجود اوسان بجا رکھے۔ اور آخر اس کو گولی کا نشانہ بنا کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ بعد میں ان زخموں کی وجہ سے کئی ہفتوں تک اسے صاحب فراش رہنا پڑا۔ راجہ بلند اقبال خان کو علمی مذاق بھی تھا۔ زمانہ کی ہوا پہچانتے تھے۔ جب تک زندہ رہے اخبار کشمیری کے جو راقم السطور کے اہتمام سے لاہور سے شائع ہوا کرتا تھا معاون رہے۔ افسوس ہے یہ قدردان رئیس عالم شباب میں ۱۹۷۸ بکرمی میں دنیا سے رحلت کر گیا۔

نامبلہ کے موجودہ راجہ محمد افضل اسی کے فرزند اکبر ہیں۔ ان کی عمر اس وقت چونتیس سال کی ہے۔ نوعمری کے زمانہ میں ہی باپ کا سایہ اٹھ جانے سے تکمیل علم کماحقہ کیا حسب خواہش بھی نہ کر سکے۔ تاہم مطالعہ اور مضامین نویسی کے شوق سے اخبارات و رسائل میں مضامین اور افسانے لکھتے رہتے ہیں۔ پنچایت سسٹم اور دیہات سدھار کے اغراض و مقاصد سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ بلکہ پنچایت نامبلہ کے سرپنچ اوڑی ٹاؤن ایریا کے وائس پریذیڈنٹ ہیں۔

پنجاب کی حتمال شاخ

الحاج ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ایم اے ڈی لٹ

''راجگان حتمال نامبلہ'' کے ذکر میں لکھا جا چکا ہے کہ سر آرل سٹائن مترجم و شارح ''راج ترنگنی'' نے کھکھ قوم کی اصلیت کھش قبیلہ سے بتائی ہے اور کھکھ اور حتمال قوموں کو سب مورخوں نے ایک ہی شجر کی دو شاخیں ظاہر کیا ہے۔ اور صدہا سال گزر جانے کے باوجود آج بھی یہ قومیں راولپنڈی سے کشمیر کو جاتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے آباد و موجود ہیں۔

راجگان حتمال کے ذکر میں یہ بھی آچکا ہے کہ راجہ مظفر خان جو راجہ بیرہ خان حتمال کا پوتا تھا۔ پہاڑ یعنی تحصیل اوڑی میں نامبلہ وغیرہ کئی دیہات کا راجہ ہونے کے علاوہ کشمیر کے پرگنہ کردہن و بانگل میں بھی جاگیر رکھتا تھا۔ جس کی رقم مولوی حشمت اللہ خاں لکھنوی سابق وزیر وزارت ریاست کشمیر نے اپنی تاریخ جموں میں بیس ہزار روپیہ اور مولوی بہاء الدین متو نے ''لب التواریخ'' جلد دوم میں اس کی جنسی مالیت ساٹھ ہزار خردار (قریباً ایک لاکھ روپیہ) بتائی ہے۔

راجہ مظفر خان پہاڑ میں رہنے کی بجائے اپنی کشمیر کی جاگیر ہی رہتا تھا لیکن ایسے واقعات ناشدنی پیش آئے کہ حکومت خالصہ کے گورنر کشمیر نے اس کی یہ جاگیر چھین لی۔ بعد میں اس کی جدوجہد سے اس کی استدعا پر جاگیر واگزار ہونے والی تھی کہ اسی دوران میں وہ سری نگر میں بمرض ہیضہ انتقال کر گیا۔ ان کی دوسرے بیگم سے جو اولاد تھی اور پرگنہ کردہن و بانگل میں ان کے پاس رہا کرتی تھی وہ نابالغ تھی۔ ان کی امداد اور سرپرستی کسی نے نہ کی۔ اور وہ بے چارے جاگیر کشمیر سے محروم رہ گئے۔

ان کی ذریات پرگنہ کردہن و بانگل میں آباد ہے اور معمولی زمینداروں کی طرح زندگی بسر کر رہی ہے۔ ایک شاخ ان میں سے سری نگر آ گئی۔ جس کے بزرگ بدرالدین خاں حتمال تھے۔ ان کے فرزند خیرالدین خاں نے تعلیم و تربیت پا کر اچھی عزت حاصل کی۔ وکیل ریاست ہوئے۔ خیرالدین خاں کا ایک ہی فرزند علی الدین نامی تھا۔ انہوں نے گو بظاہر کوئی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اہل علم و اہل کمال کی صحبت اور قدردانی کا غالباً نتیجہ تھا۔ کہ فن نقاشی میں خود بھی

صاحب کمال ہوئے۔ ابتداً طبیعت کچھ تجارت کی طرف مائل تھی۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں شال و پشمینہ کے ایک کارخانہ کے مالک تھے اور کچھ عرصہ کارخانہ ہائے قالین امرتسر و بٹالہ میں ملازمت بھی کرتے رہے۔ اس مصروفیت کے باوجود ''دل بہ کار درست بہ یار'' کا صحیح مصداق تھے۔ یعنی نہایت عبادت گزار تھے۔

بیوی اور بچے کے یکا یک انتقال سے ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ اس صدمہ کی وجہ سے وطن عزیز کو ترک کر کے امرتسر آ گئے۔ یہاں دوسری شادی خواجہ غلام محی الدین ناؤچو کی سالی سے ہوئی۔ اس شادی سے امیر الدین، ڈاکٹر صوفی کے بڑے بھائی ہیں۔ تیسری شادی حاجی خواجہ نصر الدین کی سالی سے کی۔ خواجہ نصر الدین امرتسر کے مشہور رئیس خان بہادر خان محمد شاہ دیدی مری کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اس شادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ چوتھی بیوی سے صوفی صاحب پیدا ہوئے۔ صوفی صاحب کی والدہ جمال بٹ خلف کرم بٹ کی صاحبزادی تھیں اور کرم بٹ حاجی کرم داد خان صوبیدار کشمیر کے درباری پشمینہ فروشوں میں تھا۔

علی الدین خان کے فرزند کلاں امیر الدین نے اپنے والد مرحوم ہی کے کاروبار کے تتبع میں تجارتی مشاغل قائم رکھے۔ ۱۹۱۰ء کی نمائش الہ آباد میں ان کا سٹال لوگوں کی دلچسپی کا باعث تھا۔ ہندوستانی اور یورپین ان کے سٹال پر قسم قسم کے پشمینے اور اشیائے غریبہ دیکھنے اور خریدنے کے لیے خود بخود کھنچے چلے آتے تھے۔ سر جان ہیوٹ جو اس زمانہ میں یو پی کے لیفٹیننٹ گورنر تھے اس قدر خوش ہوئے کہ انہوں نے آپ کو سرکاری خرچ پر کرسٹل پیلس کی نمائش میں لندن بھجوایا۔ وہاں بھی ان کی اشیاء نے خاص شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ آپ کے خلف اکبر امین امیر الدین بی اے آنرز (عربی) پنجاب، ایم اے (عربی) بمبئی اور ایم اے (معاشیات) بمبئی یونیورسٹی ہیں۔ اور صوبہ بمبئی کے محکمہ اطلاعات یعنی ''انفارمیشن بیورو'' میں ایک اچھے عہدے پر ممتاز ہیں۔ امین کے تین اور بھائی بھی ہیں۔ یاسین امیر الدین، حفیظ امیر الدین بی اے (پنجاب) اور یوسف امیر الدین بی ایس سی آنرز (پنجاب)۔

علی الدین خان مرحوم کے دوسرے فرزند کا نام غلام محی الدین ہے۔ جو آج الحاج ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ایم اے ڈی لٹ کہلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صوفی ۳۰ جون ۱۸۹۶ء کو بمقام امرتسر پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۵ء میں ایم اے او سکول (حال کالج) سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اسی سکول میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو مشہور سیاسی لیڈر اور علامہ عنایت اللہ خاں مشرقی بانی تحریک

خاکساراں آپ سے چند ہی سال پہلے زیر تعلیم رہے تھے۔

ڈاکٹر صوفی کو صوفیائے عظام کے حالات کے مطالعہ کا ابتدا ہی سے شوق تھا اور صرف شوق ہی نہیں تھا ان کی تعلیمات پر عمل بھی کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ لڑکپن ہی میں درود و وظائف وغیرہ کی وجہ سے آپ کا نام صوفی مشہور ہو گیا اور ایسا کہ آخر وہ جزو نام ہو گیا۔

والد مرحوم کی امرتسر میں وفات کی وجہ سے آپ کالج میں تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ اس چھوٹی سی عمر ہی میں امرتسر، کانپور اور لاہور کے انگریزی اخبارات میں ملازمت کرتے رہے۔ سب سے آخر ابزرور میں پروف ریڈر اور لائبریرین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جو لاہور کا ایک نامور مسلم انگریزی اخبار تھا۔

۱۹۰۸ء میں صوفی صاحب کی شادی خواجہ غلام محی الدین امرتسری سوداگر پشمینہ شہر گیا (صوبہ بہار) کے ہاں ہوئی۔ خواجہ جلال الدین بی اے (کلکتہ بی ایل (پٹنہ) وکیل ووائس پریذیڈنٹ میونسپلٹی گیا آپ کے ہم زلف ہیں۔ اور خواجہ جلال الدین امرتسر کے کانگریسی لیڈر، خواجہ عبدالرحمان غازی بی اے، ایل ایل بی نائب صدر، پنجاب پراونشل کانگرس کمیٹی کے ہمشیرزاد ہیں۔ خواجہ غیاث الدین سوداگر پشمینہ اور خواجہ غلام احمد بی اے بی ایل آپ کے برادر نسبتی ہیں۔ بیگم صوفی کا میکے کا نام شاہ بیگم تھا۔ جو ساس نے بدل کر شفیع بیگم پکارنا شروع کر دیا۔ بیگم صوفی نے اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت کے علاوہ بیداری نسواں میں نمایاں حصہ لیا۔ امراؤتی، ملکاپور، آکوٹ، اکولہ، ایوت محل، جبل پور وغیرہ میں خواتین کے جلسے کرائے۔ عبادت، تلاوت اور اخبار بینی ان کے اشغال ہیں۔ مہمان نوازی اور ملنساری ان کی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

صوبہ متوسط کے ضلع رائے پور میں ایک مقام بسنہ کے نام سے ہے۔ وہاں امرتسری کشامرہ کی ایک معقول تعداد آباد ہے۔ ان میں خواجہ غلام نبی وانی متعدد گاؤں کے مستاجر اور مال گزار ہیں۔ وہ راقم کے ''اخبار کشمیری'' اور کشمیری کانفرنس لاہور کے معاون بھی رہے ہیں۔ وہ آپ کی بیگم کے خالہ زاد بھائی ہیں۔ آپ کے ایک اور عزیز مسٹر محمد یاسین ۱۹۲۰ء میں لنڈن گئے۔ اور بیرسٹری پاس کرنے پر وہیں کے ہو گئے۔ وہیں انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی محمد شفیع کے نام پر ''شفیع انڈیا ریسٹورنٹ'' کھلوایا۔ جہاں ہندوستانی راجے مہاراجے اور نواب اور دیگر معززین ہندوستانی دعوتوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ مسٹر یاسین نے شادی بھی وہیں کی۔ جس سے دو لڑکیاں ہوئیں۔ جو وہیں تعلیم پا رہی ہیں۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اور وہیں فوت ہو گئے۔ وہ ننگ

کا اسلامی قبرستان آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ مشہور احرار لیڈر شیخ حسام الدین بی اے، یاسین مرحوم اور شیخ محمد شفیع آف کشمیر ہاؤس امرتسر کے حقیقی تایازاد بھائی ہیں۔

امیر الدین اور صوفی صاحب کے ایک بھتیجے ڈاکٹر محمد حسن ایم اے (عربی و فارسی) ایم، او، ایل، پی ایچ ڈی گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر ہیں۔ گویا آپ کے گھرانے میں اور عزیزوں میں تاجر بھی ہیں۔ زمیندار بھی ہیں۔ قانون پیشہ بھی ہیں اور اہل علم و فضل بھی۔ ''این خانہ تمام آفتاب است'' آپ کے خاندان پر صادق آتا ہے۔

ڈاکٹر صوفی شادی کے بعد سرکاری ہائی سکول امراؤتی میں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر ملازم ہوگئے۔ لیکن آپ نے اپنی قابلیت و ذہانت کی بدولت ملازمت کے زمانہ ہی میں الہ آباد یونیورسٹی سے ۱۹۱۶ء میں بی اے اور ۱۹۱۸ء میں ایل ٹی اور ۱۹۲۰ء میں ایم اے پاس کیا۔ ۱۹۳۵ء میں ساربون یعنی پیرس یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کی۔ اور ۱۹۳۷ء میں آپ نے جو طویل سیر و سیاحت ممالک اسلامیہ اور یورپ اور امریکہ میں کی۔ اسی دوران میں دنیا کی مشہور ترین درس گاہ یعنی ٹیچرز کالج کولمبیا یونیورسٹی، نیویارک، امریکہ کے پوسٹ ڈاکٹرل ''ڈیپارٹمنٹ'' میں کئی ماہ بسر کیے۔

آپ کو سیر و سیاحت کا خاص شوق ہے۔ سارے ہندوستان برما اور سیلون کے علاوہ ہندوستانی ریاستوں کی بھی خوب سیر کی۔ ۱۹۲۶ء میں سیاحت عرب میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ اسی سال سلطان ابن سعود نے پہلا موتمر اسلامی منعقد کرایا تھا اور آپ نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمان خان شیروانی صدر الصدور حیدر آباد دکن کے ہم پہلو اس موتمر میں شریک تھے۔ یہ حج بڑا یادگار حج ہے کیونکہ ہندوستان کے علماء صلحا و عمائد وغیرہ اکبر نامی جہاز میں سوار ہوکر گئے۔ صوفی صاحب اسی جہاز میں ان سب کے ہم سفر تھے۔

۱۹۳۴ء میں یورپ گئے اور مصر، فلسطین، اٹلی، سوئٹزرلینڈ، فرانس، بلجیم، جرمنی اور انگلستان کی سیر کی۔ ۱۹۳۶ء میں پھر ''سیروا فی الارض'' کے جذبہ نے ہجرت پر مامور کیا۔ اس سفر میں آپ نے افغانستان، ایران، عراق، شام، لبنان، ترکی، یونان، الجزائر، لزبن، اضلاع متحدہ، جاپان، ہانگ کانگ، چین، منیلا، فلپائن، سنگاپور اور پنیانگ (ملایا) کو دیکھا۔ سیاحت سے آپ کا مقصد خالی سیر سپاٹا ہی نہیں ہے بلکہ اکثر علمائے ممالک اور اکثر اداروں سے معلومات تعلیمی، تاریخی و علمی حاصل کرتے ہیں۔

آپ نے دنیا کے اتنے ممالک کی سیر کی۔ پھر بھی آپ نعرہ ''ھل من مزید'' کے ہمنوا ہوکر اکثر کہا کرتے ہیں۔ ''بہت ہے دیکھنا باقی ابھی صوفی نے کیا دیکھا۔''

ممالک مشرق کے سفر میں آپ نے ہمدان میں گنبد علویان دیکھا۔ جواب تک امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی کی یادگار ہے۔ یہاں حضرت موصوف اور ان کے اجداد و احفاد چلہ کشی اور ریاضت میں مصروف رہتے تھے۔ جامع ہمدان بھی حضرت کے بزرگوں سے نسبت رکھتی ہے۔ ہمدان کے قدیم بازار سری نگر کے پرانے بازاروں سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں اور کشمیر کی طرح ہمدان کو بھی صوفی صاحب نے صنعت و حرفت کا بہت بڑا مرکز پایا۔

آپ انگریزی زبان کے زبردست اہل قلم ہیں۔ کشمیر کے نام سے آپ نے جو کتاب کشمیر کی تاریخ اور خصوصاً کشمیر میں اسلامی تمدن کے متعلق لکھی ہے۔ وہ آپ کی بہترین یادگار رہے گی۔ ''المنہاج'' جو ہندوستان کے اسلامی مدارس کے نصاب کے ارتقا پر لکھی ہے۔ شائع ہو چکی ہے۔ ایک تیسری کتاب ''صغرا'' جو ہندوستان کی مسلم خواتین کی حیثیت اور تعلیم پر مبنی ہے۔ آپ کے زیر تصنیف ہے۔

آپ ۳۲ سال کی ملازمت کے بعد ۱۹۴۰ء میں آٹھ سو کے گریڈ سے ریٹائر ہوئے جب کہ قریب دو سو کے بھتہ بھی تھا اور اس عرصہ میں معمولی مدرسی سے ترقی کر کے ہائی سکول میں کام کیا۔ ٹریننگ سکول کے صدر رہے۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۶ء تک دہلی یونیورسٹی کے پہلے رجسٹرار تھے۔ اور اس یونیورسٹی کی ابتدائی تنظیم میں آپ کا خاص حصہ ہے۔ لیکن تعلیمات کے تمام شعبوں کی ملازمت اور تجربہ اور ماہر تعلیم ہونے کے باوجود آپ اپنے آپ کو ہمیشہ مبتدی تعلیم ظاہر کیا کرتے ہیں۔

خواتین کے مسئلہ تعلیم صحت و بیداری سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ اور آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ اور ممالک کے مقابلے میں ہندوستان کی پستی کا بڑا سبب نسوانی طبقہ کی تغافل شعار زندگی ہے۔

صوفی صاحب ایم اے ہو چکے تھے لیکن سر محمد اقبال مرحوم سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ دہلی یونیورسٹی کی رجسٹراری کے زمانے میں آپ کی ان سے پہلی ملاقات ہوئی اور روز بروز یہ مخلصانہ تعلقات گہرے ہوتے گئے۔ جب شیخ محمد اقبال نائٹ بنے اور وائسرائے کے دربار عطایات سندات میں شرکت کے لیے دہلی آئے تو ان کے اعزاز میں ڈاکٹر صوفی نے ایک پر

ب ضیافت کا اہتمام کیا جس میں مرزا اعجاز حسین ایڈووکیٹ، نواب سر ذوالفقار علی خان، سردار
اؤ سنگھ مجیٹھیا بردار اکبر سر سندر سنگھ مجیٹھیا، خواجہ سجاد حسین ابن مولانا حالی، مولوی
الدین ابن مولوی نذیر احمد، نواب سراج الدولہ احمد خاں سائل دہلوی داماد حضرت داغ کے
ہ چند انگریز پروفیسر اور متعدد روٴسا اہل قلم شریک تھے۔ یہ مجلس رات کو بڑی دیر تک رہی اور
ی مشاغل اور شعر خوانی کے سبب وقت بڑے لطف سے گزرا۔

ڈاکٹر صوفی کے تین صاحبزادے ہیں اور ایک صاحبزادی، فرزند اول احمد محی الدین
فی ۲۱ نومبر ۱۹۱۳ء کو پیدا ہوئے۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور
ں ایم اے میں سیاسیات میں تعلیم پاتے رہے۔ پھر گورنمنٹ لاء کالج بمبئی میں ایل ایل بی کی
یم پائی۔ اور اب فوج میں لیفٹیننٹ ہیں۔ فرزند دوم محمود محی الدین صوفی ۲۳ جولائی ۱۹۱۶ء کو
اہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے پاس ہیں اور اب سوشیالوجی تاریخ اور سیاسیات میں ایم
ے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی صاحبزادی میمونہ صوفی ۳۱ اگست ۱۹۱۸ء کو پیدا
یں۔ جونیئر کیمبرج تک کی تعلیم جبل پور کانونٹ میں پانے اور گورنمنٹ زنانہ کالج لاہور سے بی
ے اور بی ٹی پاس کرنے کے بعد بمبئی یونیورسٹی سے اپنے بھائی محمود محی الدین صوفی کے ساتھ ایم
ے کی تعلیم فلسفہ اور سوشیالوجی میں پا رہی ہیں اور آئندہ سال ماسٹر آف ایجوکیشن کی ڈگری کی
ی کرنے والی ہیں۔ آپ کے تیسرے صاحبزادے مسعود محی الدین صوفی یکم مئی ۲۱ء کو پیدا
ئے اور جبل پور، لاہور اور ڈیرہ دون میں تعلیم پانے کے بعد اب بحری فوج کے جہاز ''دلار''
تعین ہیں۔

برار اور صوبہ متوسط میں آپ کے شاگرد گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر چند کہ
ں قابل شاگردوں کے استاد ہیں لیکن اولوالعزم زندگیوں کو خواہ وہ کتنے ہی مدارج علمی کیوں
طے کر جائیں۔ یہی محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ان کی علمی پیاس نہیں بجھی اور ابھی وہ دریائے علم
نارے پر ہی ہیں۔ اسی طرح بہت سی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود آپ ۵۶ برس کی
ں اپنے آپ کو ایک طالبعلم ہی تصور کر رہے ہیں اور اپنے مولا سے اکثر دعا کرتے ہیں کہ وہ
مزید تعلیم اور سیاحت اور مطالعہ اور صحیح فکر کی توفیق بخشے تاکہ وہ اپنے جدی وطن کشمیر کی خدمت
نی بقیہ عمر صرف کریں اور کشمیر ہی کے کسی گوشہ میں مدفون ہوں۔ بقول مشہور ''قبر بلبل کی بنے
میں''۔

بڑی بات قابل ذکر یہ ہے کہ صوفی صاحب کو اپنی والدہ ماجدہ فرزانہ بیگم جسے کشمیر میں فرز ویدی کہتے ہیں کا خاص احترام تھا۔ آپ فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے جو کچھ عنایت ایزدی سے ملا وہ والدہ مرحومہ کی دعا کی برکت تھی۔ نہ کہ میرے اپنے ذاتی جوہر کا نتیجہ تھا۔ مرحومہ جبل پور میں دفن ہیں۔

کشمیر کی بہتری کے لیے تاریخ کشمیر کے مطالعہ کی روشنی میں آپ کا خیال ہے اور وہ بالکل صحیح ہے کہ نفاق نے کشمیر کو ہمیشہ دوسروں کا محکوم بنائے رکھا۔ اکثر دو فریقوں میں سے ایک نے باہر کی حکومت کو دعوت دی۔ اس لیے جب تک اہل کشمیر تعمیر سیرت (جس میں سچی توحید، صداقت، اتفاق اور صفائی بھی شامل ہے) اور فوجی لحاظ سے حصول حقوق میں کامیاب نہیں ہوتے۔ کشمیر کی حقیقی آزادی کبھی ممکن ہی نہیں۔ اور اگر حاصل بھی ہو تو اس کا دیرینہ قیام یقیناً ناممکن ہے۔

خاندان کاملی

اس خاندان کے جد اعلیٰ میر محمد مختار کے فرزند میر محی الدین کاملی ایک نامور بزرگ گزرے ہیں۔ میر محمد مختار کشمیر کے نامور عالم قاضی میر موسیٰ شہید کے فرزند میر محمد صالح کی پانچویں پشت میں تھے۔ قاضی میر موسیٰ شہید کی شہادت یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر کے عہد ۹۹۴ھ میں اور قاضی میر صالح کی وفات بہ عہد اکبر بادشاہ ۱۰۰۲ھ میں ہوئی۔

میر محی الدین مہدی میرزا اکمل الدین بدخشانی کے نامور خلیفہ شیخ عبدالوہاب نوری کے خلفا میں ہیں۔ مرشد کامل کے فیض صحبت سے عوام میں مہدی مشہور ہو گئے۔ اب تک بھی اسی نام سے مشہور ہیں۔ علوم متداولہ میں صاحب کمال تھے۔ سبع اطوار، دوائر شش سلسلہ، دیوان غیر مرتب، میزان المقاد اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ میزان المقاد پر عربی زبان میں ہے۔ باقی کتب اور دیوان جو اخلاق و تصوف کے مضامین کا مخزن ہیں۔ فارسی زبان میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ کے کتب خانہ میں قریباً دو ہزار کتب مختلف علوم و فنون کی موجود تھیں۔ جن میں اکثر حصہ غیر مطبوعہ تھا۔ حدیث و فقہ کے علاوہ تصوف، ریاضی اور نظمیہ کتابوں کا بیش قیمت ذخیرہ تھا۔ جو اس وقت اس کی ذریات کے قبضہ میں تین حصوں میں آ کر منقسم ہو چکا ہے اور موجود ہے۔

۱۱۴۵ھ میں آپ پیدا ہوئے اور ۱۲۴۵ھ میں ایک سو سال عمر پا کر وفات پا گئے۔ قطعہ تاریخ وفات ان کے سنگ تربت پر کندہ ہے۔ ''محی الدین کامل شیخ اکمل ۱۲۴۵ھ'' چونکہ آپ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے میرزا اکمل بدخشانی کے خلیفہ خاص کے خلفیہ تھے۔ اور حضرت میرزا صاحب کامل اور اکمل دونوں ناموں سے مشہور تھے۔ جیسا کہ وہ خود بھی فرماتے ہیں۔

کاملم شاہجہان نام نہاد ساعت آنروز
کاندرین دار فنا کرد خدا میلادم
اکملم کرد تخلص زکرامت مرشد
چونکہ برخاک در او سرخود بنہادم

ازمخزن الاسرار

اپنے مرشد کے نام اور تخلص کی نسبت ہی سے آپ نے بھی سلسلہ کاملیہ کی رعایت سے اپنا نام کاملی پسند کیا چنانچہ اس خاندان میں کاملی نام کی ابتدا شاہجہان ہی کے زمانہ سے شروع ہوتی ہے۔ آپ شاعرِ کامل اور عالم اجل ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے۔ راقم نے آپ کی دستخطی کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ یہ وصف ان کی اولاد و احفاد میں بھی برابر جاری رہا۔ اس خاندان نے نہایت باریک نویس، خوش خط اور عالم کاتب پیدا کیے۔

میر حبیب اللہ کاملی انہی کے فرزند تھے۔ جو علامہ بے مثل ہونے کے علاوہ شعر وسخن میں بہرہ وافر رکھتے تھے۔ ساری عمر قرآن و حدیث کی کتابت کرتے رہے۔ راقم نے بھی ایک کتاب ان کی دستخطی دیکھی ہے۔ جو مرصاد العباد کے نام سے موسوم ہے۔

بحر العرفان جو مثنوی مولانا روم کی طرز پر حضرت میرزا اکمل الدین بدخشی کی تصنیف فارسی نظم میں اسی ہزار بیت کی ضخیم چار جلدوں کی کتاب ہے آپ ہی کے قلم سے لکھی ہوئی آپ کے خاندان میں ہنوز موجود ہے۔ ۱۲۸۷ھ آپ کا سال وفات ہے۔ ''شد حبیب اللہ از جہاں بجناں'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔ یہ تاریخ ان کے سنگ تربت پر بھی کندہ ہے۔ اپنے والد میر محی الدین مہدی کاملی کے قبر کے متصل مدفون ہیں۔ آپ کے دو فرزند تھے۔ میر محمد مختار، میر عبدالحمید، فرزند اول میر مختار کاملی اپنے زمانہ میں خط پاکیزہ لکھنے میں استاد کامل تھے۔ اس زمانہ میں فن نگارش کے ماہر مانے جاتے تھے۔ ان کی تمام عمر کتابت و خطاطی ہی میں بسر ہوگئی۔ آپ کے ہاتھ

کا قرآن مجید تقطیع کلاں پر لکھا ہوا اب تک نقشبندی خاندان میں موجود ہے۔ نہایت آزاد مزاج، سخن شناس، حق گو اور حق پرست تھے۔ ۴۵ سال کی عمر تھی کہ وفات پا گئے۔ تاریخ وفات ذیل کے مصرعہ سے نکلتی ہے۔ ''مختار جہاں سرز جہاں بیرون کرد۔''

آپ کا ایک ہی فرزند تھا۔ میر غلام محمد مختار، علوم وفنون میں بے بدل خوشنویسی میں طاق، قوانین خطاطی میں آپ نے ایک منظوم رسالہ بھی لکھا ہے۔ جس کے منتشر اجزا اب بھی موجود ہیں۔ شعر وسخن میں میرزا بیدل کے پیرو تھے۔ علم ریاضی وجفر اور علم الحروف میں ذہن رسا رکھتے تھے۔ سلوک ومعرفت میں معارف عالیہ کا مخزن تھے۔ علم ریاضی وادفاق میں آپ کے چند رسائل سنے جاتے ہیں۔ اخلاق وتصوف کے رموز میں ایک ضخیم مثنوی لکھی تھی۔ آپ سے غزلیں بہت سی یادگار ہیں۔ یہاں صرف چند اشعار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نہ شکستہ است سنگ ملامت سبوئے ما
دستے نیافت بجز سر آبروئے ما
آفت تعلق است رسیدن نمیدہد
ورنہ صبا چہ دم زنداز جستجوئے ما

*

شبنمے سیل خانہ موراست
کاہ کو ہے بفرق کمزور است

*

صبح دم ناز فروشاں چو بہ مہد غنچہ
دعوئے تخت ہمی کرد نمود شبنم
پرتو مہر جہانتاب چو یک روزہ بتافت
خندہ غنچہ فروز بخت وجود شبنم

۴۸ سال کی عمر میں کہ عین شباب تھا آپ انتقال فرما گئے۔ لفظ مغفور سے سال وفات ۱۳۲۶ھ نکلتا ہے۔ آپ کے تین صاحبزادے ہیں۔ پیر شمس الدین حیرت پاندانی میر محمد امین

میر سلام الدین، پیر شمس الدین ۱۳۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔فن خوشنویسی اور شعر وسخن پر عبور کامل ہے۔اس وقت کشمیر کے فارسی شعراء میں آپ کا دم غنیمت سمجھا جاتا ہے۔نہایت خاموش طبیعت، متوکل، گوشہ نشین، علم عروض سے پورے واقف ہیں۔آپ نے معاصرین اور اپنے ذاتی حالات میں ایک ضخیم کتاب بنام فسانہ حیرت لکھی ہے۔ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو چودھویں صدی کی ڈائری تصور کرنا چاہیے۔اس ڈائری میں اخلاق، تصوف، شعروشاعری کے علاوہ حالات زمانہ بھی موجود ہیں۔دو مثنویاں بھی آپ نے لکھی ہیں۔ایک نیرنگ حیرت، دوسری قانون الصحت۔

آپ کو علم موسیقی سے بھی واقفیت ہے کشمیری زبان میں بھی آپ نے علاوہ قومی نظموں کے ایک قصہ بنام رعنا زیبا لکھا ہے۔ جو دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔آپ کا ایک فارسی دیوان ردیف وار موجود ہے۔سلطان زین العابدین بڈشاہ کے نام پر ایک شاہنامہ بڈشاہی بھی تصنیف کیا ہے۔ جو راقم کی نظر سے بھی گزر چکا ہے۔لیکن آپ کی لاابالی طبیعت کی وجہ سے آپ کی بعض دیگر تصانیف کی طرح نامکمل اور منتشر اوراق پر موجود ہے۔

آپ کے دو فرزند ہیں۔ رشید احمد طالبعلم پرتاب کالج سری نگر عمر ۱۸ سال، جلیل احمد متعلم جماعت ہفتم عمر ۹ سال۔آپ کا کلام تو بے شمار ہے۔یہاں صرف چند اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

زلف مشکیں بررخ زیبا نگر
روز روشن با شب بلدا نگر
از حباب بحر استغنا نگر
سر نگوں ایں کاسہ بر دریا نگر

ہر کہ مست است ازنوائے خودی
اندر ایں باغ بلبلے باشد
دست حاجت اگر دراز کند
زآبرو رفتش پلے پاشد
مرد دین و کیش نندیشد زمرگ
بے حضوری پیش فکرش مردن است
گر حضور خود تواند ندہ داشت
بالیقین ایں دار ایماں بردن است

*

مرد منبر خطبہ تقدیس خواند
از صفات حضرت رب مجید
ایں تمام انوار حق اما بگو
حرفے از اسرار انزلنا الحدید

*

ہر آنچہ مرد مسلماں بکرد کردہ بگیر
نہ خوان فیض شریعت بخورد خورد بگیر
مسیح چرخ چہارم نشست پا بزمیں
تو پے بگیر محمد چہ کرد کردہ بگیر

*

بودن از شیخ سنوسی آموز
برمیاں تیغ سجود آوردہ
نے چو آں واعظ پشمینہ لباس
قوم را سوائے سردو آوردہ

*

اے آب ڈل زررت ممتد تو خفتہ
سیل بلا بخواہ کہ مواج پیشوی
اے گوہر نشستہ بہ یم در صدف خموش
بر شوز فرش تاشرفّ تاج میشوی

*

سخن شاعر فرزانہ بود تیغ اصیل
کہ بیک طرفہ کند فتح چہ ایاں وچہ دبس
حرف فرزانہ ہر آنجا کہ رسد مے ترسد
توپ افرنگ دسنان پش و خنجر طوس

*

حکیم خرد مند دانا درا د
ز دہقان طیش چنیں پنداد
اگر شلغم خام دہقان خوری
ازاں بہ کہ ازپختہ خواں خوری

*

تقدیر و عمل چو شیشہ و سنگ
ہیچو دارد ز مثبت آہنگ
عالم ہمہ مست ساغر جہد
تو خفتہ بزیر بو تیرا بنگ

*

اے بزیر فلک بے استوں
گہ بدیوار د گہے بام گرد
اند کے تنگی حولان افشار
بال بکشائے و ابر افلاک برد

*

کتاب در دم و شیراز واز شکیب استم
بزیر چرخ تو چوں چشم مست توستم
من آں خجستۂ خدنگم ز ترکش تقدیر
ہم آشیاں ہدف بودہ در کمانستم
بلند و پست جہانم ندا و ہیچ رے
برستمی ز رسوم مراتبے رستم
نہم بہ فکرِ دم رفتن از تہی جانی
بفکراز آنم کہ آیا بدل نہی رستم
نفس نفس شدہ حیرت زنالہ ہمدم نے
تہی میان و تہی کیسہ و تہی دستم

*

خطبہ سرتاسر قوافی ہست و سجع
انذ کے از صدق . نہ در خاشیہ
گرنباشد در توافق درد دل
ذوق کے حاصل شود از قافیہ

*

ہزار منبر و مسجد چہ سود اے ناداں
چو ذوق و شوق در اللہ اکبرت نبود
سرے بخاک زاز عجز در بیابانے
ازاں مترس کہ محراب ومنبرت نبود

*

و لے مصیبچہ مے گفت اے بچہ گمراہی
صد سجدہ بے تسکین یک آہ سحر گاہی
شیراں دغا رفتند از طرف کہستانم
نقشے کہ برہ بینی آں حیلہ روباہی

*

مسٹر حبیب اللہ کاملی جو پرائم منسٹر جموں وکشمیر کے دفتر میں ہیڈ کلرک ہیں۔ کاملی خاندان ہی کے ایک قابل نوجوان ہیں۔

خاندان مسعودیہ انوریہ

شجرہ نسب حضرت شیخ مسعود نروری و حافظ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کاشمیری د

راشد الانصاری — یحییٰ — زوطی — ثابت — امام ابو حنیفہ — حماد — ابوحیان الانصاری — نجم الانصاری — سخی اللہ — عبدالوہاب — عبدالرب — مجدد الدین

مجدد الدین — عبدالسلام — تقی اللہ — عبدالرحمان — عبداللہ — عبدالمنان — عبدالرشید — عبداللہ الانصاری — شیخ قاسم — شیخ جنید — شیخ مسعود نروری

شیخ مسعود نروری

شیخ عبداللہ — شیخ باباحاجی — شیخ بابا

بابا مجنوں نروزی

بابا علی — بابا رضا — بابا

بابا رضا — بابا شریف — بابا حیدر — شاہ اکبر — شاہ عبدالخالق — شاہ عبدالکبیر — مولانا شاہ محمد معظم

مولانا شاہ محمد انور شیخ الحدیث — پیر عبداللہ شاہ — پیر محمد سلیمان شاہ — مولانا شاہ نظام الدین — مولانا سیف اللہ خالد — م

مولانا شاہ محمد انور شیخ الحدیث: مولانا شاہ ازہر دیوبندی — محمد اکبر مرحوم — محمد انظر

پیر عبداللہ شاہ: محمد سعید

پیر محمد سلیمان شاہ: احمد سعید — عبدالعزیز — عبدالرشید — عبدالمجید

مولانا شاہ نظام الدین: محی الدین — بشیر احمد — محمد یوسف

مولانا سیف اللہ خالد: محمد شریف

کشمیر میں شیخ مسعود نروری بہت بڑے اہل اللہ بزرگ گزرے ہیں۔ و
شیخ المشائخ میر سید احمد کرمانی کے خلیفہ اعظم تھے۔ ان دونوں بزرگوں کے حالا
تاریخوں میں درج ہیں۔ بلکہ اکثریت کتب میں ان کے تبرکات کا بھی ذکر ہے
مسعود کی ذریات جوسری نگر، لولاب، بج ہامہ، ترگہ پورہ، مظفر آباد، لاہور، اور پ

مقامات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ آپ کے حسب نسب کے متعلق بہت کچھ اختلافات رکھتی ہیں۔ اور مصیبت یہ ہے کہ پرانے تذکرہ نویسوں نے بھی اس امر کے متعلق کوئی خاص توضیح نہیں کی۔

اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ان کو سید بتاتا ہے، کوئی قریشی اور کوئی نومسلم، زمانہ موجودہ میں شیخ مسعود کی اولاد سے ایک عظیم الشان اور فاضل اجل بزرگ شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ کاشمیری دیوبندی گزرے ہیں۔ جو ہندوستان کے دارالعلوم عربیہ اسلامیہ دیوبند اور ڈابھیل کے صدر مدرس بھی تھے۔ آپ نے اپنی اکثر تصانیف عربی میں اپنا شجرہ شیخ المسعود نروری کاشمیری تک لکھ کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ ان کے بزرگ بغداد سے ملتان، ملتان سے لاہور اور لاہور سے کشمیر آئے تھے۔ انہوں نے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ سید کا لفظ نہیں لکھا۔ البتہ لاہور کی جو شاخ آپ کو سید لکھتی ہے۔ اس نے شیخ مسعود نروری کے فرزند * شیخ عبداللہ کو سید عبداللہ لکھا ہے۔ جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا شیخ عبداللہ کے تین بیٹے تھے۔ بابا علی، بابا رضا اور بابا یعقوب، بابا علی کی ذریات سے مولانا انور شاہ شیخ الحدیث ہیں۔ جنہوں نے نہ کبھی اپنے نام کے ساتھ سید کا لفظ لکھا اور نہ کبھی سید کہلوانا پسند کیا۔ اس لیے نہیں کہ خدانخواستہ وہ اس لفظ کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے کہ وہ حضرت علیؓ کی ذریات سے نہیں تھے لیکن بابا یعقوب یعنی بابا علی کے بھائی کی اولاد کی ایک شاخ ڈنکے کی چوٹ اپنے آپ کو سید حسنی والحسینی لکھتی اور کہلواتی ہے۔

---

* شجرہ میں شیخ مسعود کے فرزندوں میں ایک نام بابا حاجی کا بھی ہے۔ کشمیر کے مشہور عالم اور طبیب بابا مجنوں نروری انہی کے فرزند تھے بابا مجنوں نے علوم ظاہری ملا جمال سیالکوٹی سے پڑھے۔ یہ وہی ملا جمال تھے۔ جو اخوند ملا کمال سیالکوٹی کے بھائی اور قاضی جمال بڈشاہی کی اولاد سے تھے۔ ملا کمال ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور نواب سعد احمد خان وزیر شاہجہان کے استاد تھے۔ ملا مجنوں اپنے چچا بابا عبداللہ نروری کے مریدوں میں تھے۔ علم طب آپ نے ملا غازی سے پڑھا۔ حکیم محمد شریف گانی اور حکیم عبدالرحیم اشائی جو علوم طب میں لقمان وقت تھے۔ آپ ہی کے شاگرد تھے۔ ۱۰۶۶ھ میں فوت ہوئے مدفن محلہ نرورہ تاریخ: "گفت ہاتف ستون دین افتاد۔" بابا شیخ عبداللہ نروری کی اولاد میں گیارہویں صدی میں ایک اور بزرگ قادر بابا کے نام سے گزرے ہیں جن کا کچھ ذکر تاریخ کبیر کشمیر کے صفحہ ۳۳۳ پر درج ہے۔ یہاں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے "قادر بابا"، بابا عبداللہ نروری کی اولاد سے تھے اور بابا عبداللہ نروری ہی کے فرزند بابا رضا کے مرید تھے۔ عیش و آرام ترک کر کے یاد الٰہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔ بابا رضا کی وفات کے بعد سکر و مستی کے غلبہ سے دامن شریعت ہاتھ سے جاتا رہا۔ عالم جنون میں سوپور کی طرف چلے گئے۔ نغمہ و سرود اور رقص ان کی غذا تھی۔ اور دو تین تین دن بے ہوش رہا کرتے تھے۔ ترگہ پورہ میں جو علاقہ حمل میں ایک گاؤں ہے۔ وفات پا گئے۔ وہیں مدفون ہیں۔ نزگر پورہ کی شاخ کے کچھ افراد لاہور میں بھی ہیں۔"

میں نے اس بارہ میں مولانا محمد انور شاہ شیخ الحدیث مرحوم کے والد محترم پیر محمد معظم شاہ اور مولانا مرحوم کے بھائی پیر محمد سلیمان شاہ کو ایک خط ۸ دسمبر ۱۹۳۴ء کو لکھا۔ جس کا جواب مجھے ۲۴ دسمبر کو ملا۔ اس خط سے چونکہ بہت سے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کا اندراج مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''پیرزادگان کشمیر کے چار فرقے ہیں۔ اولاً سید جو کشمیر میں مختلف خطابوں اور عرفوں سے بھی مشہور ہیں۔ فرقہ ثانیہ پیرزادگان کرمانیہ جو شیخ مسعود کی اولاد سے ہیں۔ چونکہ آپ حضرت سید احمد کرمانی کے فیض باطنی سے بہرہ اندوز اور ان کے خلیفہ خاص تھے۔ ان کی اولاد کو پیرزادگان کہتے ہیں۔ فرقہ ثالثہ مخدومی، یہ فرقہ حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ مخدومی کاشمیری کے بھائی بابا علی رینہ کی اولاد میں شمار ہوتا ہے۔ فرقہ رابعہ خطائی۔ اس کی نسبت تحقیق معلوم نہیں۔ غالباً ان کے اسلاف شہر خطا سے آئے ہوں گے۔

بابا کا لفظ کسی خاص ذات کے ساتھ وابستہ نہیں۔ یہ بزرگی اور احترام کا لفظ ہے۔ جو ہر صالح اور خدا پرست بزرگ خصوصاً عمر رسیدہ کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ لیکن کشمیر میں بوڑھے آدمیوں کے علاوہ بابا غرباو مساکین کے باپ یعنی مرد سخی و فیاض کو بھی کہتے ہیں۔ بلکہ بب کا لفظ ہی جس کے معنی کشمیر میں باپ کے ہیں۔ بابا سے نکلا ہے۔ بارہ مولا کے خواجہ عزیز جو ککرو جو رئیس الرؤسا تھے اپنے لنگر عام کی وجہ سے عزہ بابا کہلاتے تھے۔ آج کشمیر میں جو باب زادے یعنی بابا فرقہ کے لوگ ہیں ان کی ذاتیں اور گوتیں دراصل مختلف ہیں۔

کرمانی پیرزادگان یعنی شیخ مسعود کی ایک بی بی سید زادی * تھی۔ نیز شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کا نکاح بھی گنگوہ ضلع سہارن پور کے ایک سید گھرانے میں بھی ہوا تھا۔

مخدومی پیرزادگان کے ساتھ بھی کرمانی پیرزادگان کے تعلقات مناکحت پائے جاتے ہیں۔ لیکن لڑکیاں دیتے شاذونادر ہیں۔ البتہ لڑکیاں لینے کا عام رواج

---

* اس بی بی کے بطن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے ایک کا نام یحییٰ اور دوسرے کا نام ابراہیم تھا۔ یحییٰ کی اولاد کشمیر کے علاقہ مراج کے موضع کھریوہ اور ابراہیم کی اولاد آکھرن میں موجود ہے۔

ہے۔فرقہ خطائیہ پیرزادگان سے کرمانی پیرزادگان کا اب تک کوئی رشتہ لڑکیوں کے لین دین کا سنا نہیں گیا۔

اب یہ سوال باقی ہے کہ کرمانی پیرزادگان یعنی اولاد شیخ مسعود سید ہے یا نہیں۔اس کے متعلق تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث شاہ صاحب مرحوم کے پاس پنجاب اور ہندوستان کے بعض دیگر اقطاع کے لوگوں نے اس کے متعلق جب کبھی گفتگو کی تو انہوں نے نہ اپنے آپ کو سید کہلانا پسند کیا اور نہ کسی کا کہنا اس بارہ میں مانا اور نہ کسی تصنیف میں اپنے سلسلہ نسب کو سادات سے منسلک کیا۔بلکہ ہر ایسے شخص پر جو غیر سید ہو کر سید کہلاتا یا کہلانا چاہتا تھا اپنی علانیہ ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے۔

الغرض شیخ مسعود کی ذریت جہاں کہیں بھی ہے۔وہ سید نہیں ہے۔اغلب اور اکثر وجوہ یہی ہے کہ شیخ مسعود حضرت امام العالم ابو حنیفہ * کی اولاد سے ہیں۔جیسا کہ قبلہ والد کے مرتبہ شجرہ سے جو ان کے فرزند اکبر حضرت شاہ صاحب مرحوم کا صحیح شدہ ہے۔اور جس کی ایک نقل ارسال کر رہا ہوں معلوم ہوگا جس قدر حضرت شاہ صاحب مرحوم کو علم تواریخ اور روایات کی صحت اور ان کے صنف پر عبور تھا اس کو عرب و عجم ہر جگہ قبولیت حاصل ہے۔اس لیے یہ شجرہ بڑی محنت سے صحیح کیا گیا ہے۔

حضرت والد ماجد کی رائے بھی یہی ہے کہ نروری پیر صاحبان کا ادعائے سیادت بالکل غلط ہے۔حضرت شاہ صاحب کے سوانح حیات فاضل اجل مولانا محمد یوسف استاذ جامعہ ڈابھیل نے بزبان عربی " **نفحته الاعنبر بهدی شیخ الانور** ." نام ایک ضخیم کتاب میں لکھے ہیں۔اس میں بھی صاحب مصنف نے حضرت کی سیادت کے متعلق وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔جو حضرت قبلہ نے اپنی تصانیف میں کی ہے۔"

حضرت قبلہ شیخ الحدیث عموماً شاہ صاحب کے نام سے مشہور تھے۔لیکن کشمیر میں یہ ضروری نہیں کہ شاہ کا لفظ صرف سید کے ساتھ ہی ہو۔وہاں بابزادے اور بعض اور لوگ بھی شاہ

---

* نعمان نام۔ابوحنیفہ کنیت۔امام اعظم لقب۔عجمی النسل تھے۔ایران وطن تھا۔نعمان کے دادا زوطی نے اسلام قبول کیا تھا۔زوطی حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ آئے امام ابوحنیفہ اور ان کے والد ثابت یہیں پیدا ہوئے۔امام ابوحنیفہ بعہد عبدالملک بن مروان ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔بزمانہ خلیفہ منصور بعالم قید ، بندر جب ۱۵۰ھ میں فوت ہو گئے۔

کہلاتے ہیں جو درحقیقت سید نہیں ہیں مگر ہندوستان میں شاہ کا لفظ چونکہ سادات ہی کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اس لیے آپ کے اکثر تلامذہ (اہل کشمیر کے سوا) ان کو اپنے خیال میں سید ہی سمجھتے رہے۔ اور اسی بنا پر ان کے صاحبزادے مولانا ازہر شاہ جو دیوبند ہی میں رہتے ہیں اور کشمیر کے حالات و رسومات سے عموماً ناواقف ہیں۔ اپنے آپ کو اپنی تصانیف اور اپنی تحریروں میں سید لکھا کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے والد حضرت شاہ صاحب اور ان کے جدامجد مولانا پیر محمد معظم مرحوم اور ان کے چاروں چچاؤں نے جو بفضل خدا اس وقت صاحب حیات ہیں۔ کبھی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر تاریخ * نگارستان کشمیر کے مصنف نے جو حضرت شاہ صاحب مرحوم کے شاگرد ہیں۔ نہ صرف شاہ صاحب کو سید انور شاہ بلکہ ان کے والد پیر محمد معظم کو بھی سید معظم شاہ اور ان کے جداعلیٰ شیخ مسعود کو بھی سید مسعود لکھ دیا ہے۔

شیخ مسعود سلطان حسن شاہ (۸۸۰ھ لغایت ۸۹۲ھ) اور سلطان محمد شاہ اور سلطان فتح شاہ کی خانہ جنگیوں کے طویل زمانہ بلکہ سلطان نازک شاہ کے عہد میں بھی جو میرزا حیدر کاشغری کے ایام میں کشمیر کا برائے نام بادشاہ تھا۔ ۹۵۸ھ تک زندہ تھے۔ اور سری نگر کے محلہ نرور ** میں رہنے کی وجہ سے نروری کہلاتے تھے۔ میر شمس عراقی جو سلطان حسن شاہ کے اواخر عہد میں کشمیر آئے تھے۔ اور کئی سال تک یہیں رہے تھے۔ اور ان کی شہرت پر لگا کر اڑ رہی تھی آپ ان کے دیکھنے کو جدی بل جا رہے تھے۔ کہ رستے ہی سے ایک شخص ان کو یہ کہہ کر واپس لے آیا کہ وہاں کیا رکھا ہے۔ آؤ کو میر سید احمد کرمانی کی زیارت کریں، جو بلبل لانکر میں رہتے ہیں چنانچہ آپ واپس آ گئے اور میر سید احمد کرمانی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

میر سید احمد کرمانی کے برادر بزرگ کا نام سید محمد کرمانی تھا۔ وہ ہندوستان کے مختلف شہروں کا چکر لگاتے ہوئے اپنے وطن کرمان سے کشمیر آئے تھے۔

شیخ مسعود بھی صاحب علم و فضل تھے۔ سید احمد کرمانی کے ارادت مندوں میں شامل ہو کر اپنے تبحر علم اور زہد و اتقا کی وجہ سے ان کے منظور نظر ہو گئے۔ اور اس مرتبہ تک پہنچے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت سرور کائنات صلعم کشتی کے اندر بیٹھے ہیں اور جمیع حضرات

---

* مطبوعہ دہلی ۱۹۳۴ء مصنف قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی حیدر آباد دکن۔

** نرور ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے جس سے نڑ نکلتا ہے۔ یہاں اس گھاس کی کثرت تھی۔ کشمیر میں "ڑ" کو "ر" بولتے ہیں اس لیے نڑ کو نر اور محلہ کو نرورہ کہتے ہیں۔

سہروردیہ کشتی کا رسہ اپنے گلے میں ڈالے کشتی کو کھینچ رہے ہیں۔ اور خود بھی وہ رسی کو گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ نے حضرت سید سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے آپ کو مبارک باد دی آپ نے کہ اغنیائے شہر نہیں بلکہ اغنیائے دہر تھے۔ سب مال ومنال خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا۔

حضرت سید احمد کرمانی کی وفات پر سلطان نازک شاہ نے ان کی خانقاہ تیار کرائی اور خدام اور درویشوں کے گزارہ کے لیے تین ہزار خردار شالی مقرر کر دی۔ آپ چونکہ حضرت کرمانی کے خلیفہ خاص تھے۔ اس لیے مرشد کے تمام تبرکات آپ ہی کو ملے اور آپ ہی خانقاہ کے منتظم ومتولی قرار پائے۔

شیخ مسعود نزوری دولت علم ودین سے مالا مال ہونے کے علاوہ کھاتے پیتے بلکہ رئیس آدمی تھے۔ چنانچہ تاریخ خواجہ اعظمی اور تاریخ کبیر کشمیر اور کشمیر کی اور تاریخوں میں آپ کو'' از بحیائے ایں شہر بود واز اغنیائے ایں شہر بود۔'' لکھا ہے۔

یوں تو حضرت امام ابوحنیفہ کی اولاد میں خدا کے فضل سے علم وفضل کا جوہر نسل در نسل وراثتی طور پر چلا آیا ہے لیکن کشمیر کی شاخ میں جو شہرت شیخ مسعود اور ان کی دسویں پشت میں مولانا شاہ محمد انور کو ہندوستان میں اور ہندوستان سے باہر عرب ومصر تک نصیب ہوئی ہے۔ وہ اس زمانہ میں بے مثال خیال کی جاتی ہے۔

مولانا محمد انور ۲۷ شوال ۱۲۹۲ھ کو شنبہ کے دن موضع درنور (لولاب کشمیر) میں پیدا ہوئے۔ چھ برس کی عمر تک آپ اپنے والد سے قرآن شریف کے علاوہ فارسی کے چند ایک چھوٹے چھوٹے رسالے بھی پڑھ چکے تھے۔ پھر مولوی عبدالجبار اور مولوی غلام محمد سے جو علاقہ کامراج کے نامور علماء میں تھے۔ فارسی وعربی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۰۷ھ تک ضلع ہزارہ کے مختلف علماء وصلحاء کی خدمت میں رہے۔ ۱۳۰۸ھ میں بہ عمر سولہ سترہ سال ہندوستان کے عظیم ترین مذہبی دارالعلوم دیوبند میں پہنچے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن آپ کے استاد تھے۔ لیکن وہ آپ کی ذکاوت کی وجہ سے آپ کا بڑا ادب کیا کرتے تھے۔ ۱۳۲۲ھ میں زیارت حرمین سے مشرف ہوئے۔ اسی سفر میں طرابلس، بصرہ، مصر اور بعض دوسرے مقامات کے علماء سے ملے۔ سب نے آپ کو فارغ التحصیل بلکہ عالم اجل ہونے کی سندات عطا کیں۔ سندات میں آپ کا نام ''الفاضل الشیخ محمد انور ابن المولوی معظم شاہ الکاشمیری'' لکھا جاتا تھا۔

آپ درس تدریس اور مطالعہ کتب اور تصنیف وتالیف میں اس قدر مستغرق رہتے تھے

کہ آپ کو کبھی شادی کا خیال تک بھی نہ آیا۔ ۱۳۳۶ھ میں جب آپؒ کی عمر ۴۴ سال کی تھی۔ حضرت شیخ الہند اور مولانا حبیب الرحمان دیوبندی کے اصرار بے حد سے آپ نے گنگوہ کی ایک سید خاندان میں شادی کی۔

آپ نے جس دارالعلوم سے استفادہ علوم وفنون کیا تھا۔ فراغت علم کے بعد وہیں مدرس ہو گئے تھے۔ اور جب تک شادی نہ ہو چکی تھی آپ بغیر تنخواہ کے پڑھایا کرتے تھے۔ شادی کے بعد قلیل تنخواہ لینی قبول کی۔ حالانکہ حیدر آباد دکن اور بعض اور مقامات سے آپ کو صد ہا روپے ماہوار کی تنخواہوں پر بلایا جاتا تھا۔ لیکن آپ نے دیوبند کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا قبول نہ کیا۔ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں آپ تیسری یا چوتھی مرتبہ اپنے والد کی زیارت اور چھوٹے بھائیوں کی ملاقات کے لیے کشمیر آئے۔ اور سری نگر بارہ مولا، سوپور اور لولاب کے علاقہ میں اپنے موعظ حسنہ سے لوگوں کو مستفیض فرماتے رہے۔

سیاست، تاریخ، فلسفہ، حدیث، تفسیر، ہیئت، لغت، معانی و بیان، صرف ونحو اور دیگر علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے فیض یافتہ اور تلامذہ ہند اور بیرون ہند میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے آپ کے سوانح حیات اخبار کشمیر لاہور مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۶ء کے کشمیری کانفرنس نمبر میں چھپے۔ پھر مشاہیر کشمیر میں اور آپ کی وفات کے بعد سب سے پہلے جامعہ ڈابھیل کے ایک ادیب فاضل پروفیسر مولانا محمد یوسف نے عربی زبان میں لکھے۔ مبداء فیاض نے آپ کو علوم دینی کے ساتھ دولت شعر سے بھی مالا مال کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس وقت آپ کی کئی نظمیں راقم کے پاس ہیں۔ عربی اور فارسی میں یکساں روانی کے ساتھ آپ نظم ونثر لکھنے پر قادر تھے۔ اور قادر القلم ہونے کے علاوہ قادر الکلام بھی تھے۔

ایک نعتیہ نظم میں نبی کریم ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں:

معراج تو کرسی شدہ سبع سموات

فرش قدمت عرش بریں مدرہ سریری

آدم بہ صفت محشر و ذریت آدم

در ظل لوایت کہ امامی وامیری

امی لقب و ماہ عرب مرکز ایماں

ہر علم و عمل را تو مداری و مدیری
عام ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال
تفسیر نمودند دریں دیر سدیری
عالم ہمہ یک شخص کبیر است کہ اجمال
تفسیر نمودند دریں دیر سدیری
آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر
آیات تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیری
آن عقدہ تقدیر کہ از کیست نہ شد حل
حرفے تو کشیدہ کہ خبیری و بصیری
اے ختم رسل امت تو خیر امم بود
چوں ثمرہ کہ آید ہمہ در فضل تدبیری
کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور
با روئے سیاہ آمدہ موئے خزیری

*

در ہمہ سیرو غربتے کشف نہ شد حقیقتے
گرچہ شدم برنگ دلوخانہ بہ خانہ کو بہ کو
تانہ شکست صورتے جلوہ نہ زد حقیقتے
قیدو شکستن ہمہ رنگ برنگ وبو بہ بو
رشتہ ایں جہاں بہ تن جامہ آں جہاں تن
رشتہ بہ رشتہ نخ بہ نخ تارتبار پو بہ پو

چونکہ آپ کے جدامجد حضرت شیخ مسعود کو اپنے مرشد حضرت میر سید احد کرمانی سے تعلق خاص تھا اور آپ بھی اسی نسبت سے کرمانی پیرزادے کہلاتے تھے۔اس لیے آپ نے میر

سید احمد کرمانی کی شان میں بھی ایک نظم لکھی جس کے چند شعر ذیل میں درج ہیں:

نالم کہ خستہ عالم از نفس زشت کردار
افتادہ ام نگوں ساراز جرم خویش ناچار
شرمندہ ام زعصیاں لیکن گرفتہ از جاں
فتراک شاہ کرماں سرخیل خیل ابرار
قطب مدار دوراں ہادیئے پیر پیراں
سر حلقہ کریماں دریائے فیض دادار
انور چہ چیز دارد کاں ارمغانے دارد
رسوائی و ندامت انجام کارنادار

آپ کی ایک اور نظم بھی ملی ہے۔ جو راقم کے پاس قریباً تیس پینتیس سال سے محفوظ چلی آتی ہے۔ آپ کا قیام اس زمانہ میں مدرسہ فیض عام بارہ مولا میں تھا۔ وہ نظم تبرکاً" یہاں درج کی جاتی ہے:

سفر کی منزل ہے دار دنیا ذرا تو اس کا خیال سا کر
سدا نہیں ہے یہ دیس تیرا ضرور جانا ہے دن نبھا کر
کبھی تامل سے داہنے بائیں اور آگے پیچھے کو دیکھ لینا
کدھر کو جاتے ہیں دوست پیارے کہاں وہ رہتے ہیں یاں سے جاکر
وہ چل بسے سارے باری باری یہ باقی خلقت بھی چل بسے گی
تو چشم عبرت سے دیکھ غافل کبھی تو اپنی نظر اٹھا کر
چلے ہی جاتے ہیں قافلے سب یہاں کا ٹھہرا ہوا ہے یہ ڈھب
کسی کا آنا کسی کا جانا کبھی ہنسا کر کبھی رلاکر
کبھی نکل کر تو جنگلوں میں خدا کی قدرت کا دیکھ جلوہ

کہیں ہے اونچا کہیں ہے نیچا کہیں اندھیرا ہے جگمگا کر
کسی کا اقبال زور پر ہے کسی پہ ادبار چھا رہا ہے
کوئی ہے آتا کما کما کر کوئی ہے جاتا لٹا لٹا کر
کوئی ہے دکھیا کوئی ہے سکھیا کوئی ہے خنداں کوئی ہے گریاں
یہ غمزدہ غم گھٹا گھٹا کر وہ خوش ہے خوشیاں منا منا کر
غرض یہاں ہیں سب آتے جاتے دن اپنے اپنے نبھاتے جاتے
نہیں ہے رہنا یہاں کسی کو کہ کوچ اک دن ہے مٹ مٹا کر
اگر ہوں اعمال اپنے اچھے بری نہیں تب یہ زندگانی
فرشتے اعمال نیک والے نکال لیں گے بچا بچا کر
نماز پڑھنا قیام کرنا رکوع کرنا سجود کرنا
کبھی کھڑے ہو کر گاہ جھک کر زمیں پر ماتھا ٹکا ٹکا کر

وفات سے ایک سال قبل حیدر آبادی احباب کے اصرار سے حیدر آباد دکن گئے اور بیس یوم تک وہاں بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ وہاں بہت لوگوں نے بڑے بڑے امراء اور حضور نظام سے ملاقات کے لیے کہا۔ لیکن آپ کا چونکہ:

ترک دنیا چیست اے مرد فقیر
لا طمع بودن ز سلطان و امیر

پر عمل تھا اس لیے بڑے بڑے نواب اور امراء اور عہدہ دار خود آپ سے ملنے کے لیے آتے رہے۔

وفات سے ایک ماہ پیشتر لاہور اور امرتسر بھی تشریف لائے تھے۔ دیوبند پہنچے۔ تو بیمار ہو گئے۔ اور چند دنوں کے بعد وہیں ۳ صفر ۱۳۵۲ھ کو دوشنبہ کے دن انتقال فرما گئے۔ اس وقت

آپ کی عمر ساٹھ سال چار ماہ اور تین یوم کی تھی۔آپ کی وفات پر ہندوستان کے تمام علمی و مذہبی حلقوں میں ماتم چھا گیا۔عربی، فارسی اور اردو زبان میں بے شمار نوحے اور مرثیے لکھے گئے اور ڈابھیل اور ریاست بڑودہ جہاں آپ نے ناظمان دارالعلوم دیو بند سے اختلافات ہو جانے پر ایک نیا دارالعلوم کھول دیا تھا۔اور دیو بند تو ماتم کدہ بن گئے۔

آپ کے والدمحترم پیر محمد معظم شاہ اس وقت زندہ تھے ان کو اپنے فاضل اجل فرزند کے انتقال پر جوصدمہ پہنچا وہ نا قابل بیان ہے۔آخر تھوڑے عرصہ کے بعد آپ بھی بہ عمر ایک سو دس سال اپنے وطن درنو (کشمیر) میں رحلت فرما گئے۔آپ کے باقی چار فرزند جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔بفضل خدا صاحب حیات ہیں۔ان میں سے سب سے چھوٹے مولوی شاہ محمد سیف اللہ مولانا شیخ الحدیث محمد انور شاہ ہی کی زیر نگرانی دیو بند کے دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوئے ہیں۔

پیر محمد سلیمان شاہ ریاست جموں وکشمیر کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہیں اور شعر وسخن سے بہرہ وانی رکھتے ہیں۔آپ کا منجھلا لڑکا عبدالرشید لاہور میں زیر تعلیم ہے آپ نے اس کی ہدایات کے لیے رشید نامہ کے نام سے جو نظم لکھی۔اس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

مبارک نامہ را چوں ساز کردم
بنام آں یگانہ باز کردم
بنام آنکہ نامش بس سعید است
عزیز وہم رشید وہم مجید است
پس از حمد خدا و نعت احمد
وہم تشریح ایں نامہ بہ ارشد
کہ اے لخت جگر نور دو دیدہ
زیاد تو بہ دل خارے خلیدہ
عزیزا چوں شبے در خواب رفتم

بہ یاد آمد چنیں در ہا کہ مفتم
نہ من ایں دانہ ہائے در مکنوں
بہ درج دل گرامی دار و موزوں
بہرکارے کہ دست انداز باشی
طلب گار رضائے حق بہ باشی
معظم داز نام رفتگاں را
شوی مے خوار جام رفتگاں را
مگر دانستہ باشی از کہ کانی
زکان انور آں نعمان ثانی
تعالیٰ اللہ چہ خوش نیکو شگفتہ
گل انور بہ باغ بو حنیفہ
روایات سلف از دست مگذار
خلف باید سلف را نام بردار
خوشا دردیکہ از فقدان علم است
زہے شورے کہ از حرمان علم است
دعا دارم کہ از فضل الٰہی
شوی و اصل بہ مقصد آنچہ خواہی

﴿☆﴾

میاں:

ریاست جموں کے ڈوگرے راجپوت عرصہ دراز سے میاں کہلاتے تھے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ سر رنبیر سنگھ اور ان کے بعد مہاراجہ سر پرتاب سنگھ اور ان کے جانشین موجودہ فرمانروائے جموں و کشمیر ہز ہائنس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر ولی عہدی کے ایام میں میاں ہی کہلاتے تھے۔ لیکن مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے زمانہ سے ڈوگرے راجپوت میاں کی بجائے ٹھاکر اور ولی عہد حکومت مہاراجکمار کے نام سے موسوم رہے ہیں۔ ان کے علاوہ یہ لفظ مسلمانوں میں بھی مستعمل ہے۔ پونچھ کے وزیر میاں نظام الدین میاں ہی کہلاتے رہے۔ بلکہ ان کے خاندان میں اب تک یہ لفظ ہر شخص کے نام کے ساتھ برابر موجود ہے۔ سیدان رجوعہ (چنیوٹ جھنگ) کے سب سادات میاں کہلاتے ہیں۔ اس علاقہ کے بڑے بڑے زمینداروں کو بھی میاں ہی کہتے ہیں۔ باغبانپورہ (لاہور) کی میاں فیملی مشہور ہے۔ جس میں جسٹس میاں شاہ دین میاں سر محمد شفیع وغیرہ نامور لوگ گزرے ہیں۔ راجپوتوں میں بھی یہ لفظ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ جیسے خان بہادر میاں الطاف حسین، میاں سر فضل حسین، دیہات میں عموماً امامان مسجد میاں ہی کہلاتے ہیں اور در حقیقت یہ لفظ عزت و احترام کا ہے۔

خاندان ترنبو

- خواجہ محمد مقبول ترنبو
  - خواجہ حبیب اللہ ترنبو
    - خواجہ نجی جو ترنبو
      - خواجہ عمر جو
        - جلہ جو
          - غلام نبی
        - سونا جو
          - علی محمد
          - غلام محی الدین
          - غلام رسول
      - خواجہ فتح جو
        - مہدہ جو
          - حاجی نیہ جو
            - عبدالرحمان
          - علی جو
            - غلام احمد
          - قادر جو
            - ثناءاللہ
            - محمد مقبول
            - غلام محمد
        - ولی جو
          - حمزہ جو
          - محمد جو
        - حاجی لسہ جو
          - محمد احسن
          - عبدالصمد
          - عبدالاحد
        - حاجی اکبر جو
          - غلام محی الدین
          - عبدالرشید
        - حاجی خلیل جو
          - غلام رسول
          - محمد مقبول
      - خواجہ حبیب جو
        - غلام احمد

ترنبو خاندان کے افراد سوپور میں بھی ہیں اور سری نگر میں بھی۔ اس لفظ کے متعلق اس سے پہلے درج ہے کہ ترنبو یا ترنب ایک پھل ہوتا ہے اور وہ علاقہ گریز ہی میں پایا جاتا ہے۔ جو لوگ اس پھل کی تجارت کیا کرتے تھے۔ وہ ترنب کی نسبت سے ترنبو مشہور ہو گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے کہ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں ایک دفعہ جب کشمیر میں قحط عظیم پڑا۔ تو ایک متمول و فیاض بزرگ نے گریز سے ترنبہ منگوا کر قحط زدگان کو امداد دی۔ چونکہ کشمیر میں یہ نیا پھل آیا تھا۔ اس لیے رواج کشمیر کے مطابق یہ ترنبو کے نام سے مشہور ہو گئے۔ لیکن سوپور یا سری نگر کے ترنبو خاندانوں کی اصل گوت کیا تھی۔ وہ ہنوز پردہ اخفا میں ہے۔ پنجاب و سرحد میں بھی کئی لاکھ کشمیری مسلمان آباد ہیں۔ ان میں ایک شخص بھی اب تک ترنبو معلوم نہیں ہو سکا۔ کشمیر میں جہاں اس وقت بیس لاکھ کے قریب مسلمان آباد ہیں۔ صرف سری نگر اور شمالی کشمیر ہی میں چند گھر پائے جاتے ہیں بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہے کہ سری نگر میں دو چار گھر ہوں تو ہوں۔ سوپور میں صرف ایک ہی گھر ہے۔ خواجہ مہد جو کی اولاد موضع مانہ گام متصل گلمرگ میں آباد ہے اور موضع شانو (لنگیٹ) میں بھی ایک دو گھر موجود ہیں۔

سری نگر کے ترنبو خاندان میں بعہد عالمگیر خواجہ صابر ترنبو ایک نامور مالدار تاجر گزرا ہے۔ کشمیر کے علاوہ اس کی ایک کوٹھی آگرہ میں بھی تھی۔ ترنبو قبیلہ میں شیخ نعمت اللہ ترنبو ایک اہل اللہ بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کا مزار حضرت شیخ یعقوب صرفی فاروقی گنائی کے مقبرہ کے احاطہ میں ہے۔ ان کے علاوہ خواجہ خلیل ترنبو بارہویں صدی ہجری میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ جن کا مزار حضرت شیخ یعقوب صرفی فاروقی گنائی کے مقبرہ کے احاطہ میں ہے۔ جو احکام امر و نہی کے اشتہار و اظہار میں کسی حاکم وقت کی بھی پروا نہ کرتے تھے۔ ان کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں لکھا ہے کہ ''او مصدر حالات عجیبہ و کمالات غریبہ بود۔'' ان کو تزکیہ باطنی بھی حاصل تھا۔ ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کو انتقال فرما گئے۔

ان کے علاوہ چودھویں صدی کے آغاز میں بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ خواجہ عبدالصمد ترنبو سری نگر کے بزرگان دین میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے ''بسیار مردمان کشمیر وغیرہ از خدمت ایشاں مستفید گردند۔'' ۱۵ ربیع الاول کو بدھ کے دن ۱۳۱۷ھ میں وفات پا گئے۔ تاریخ ہوئی ''از اخلاق قلبی صمد و در جہاں۔''

سوپور کے ترنبو خاندان میں محمد مقبول ترنبو اپنے تجارتی کاروبار کی وجہ سے بہت شہرت

رکھتے تھے۔ان کے پانچویں پشت میں خواجہ فتح جو ترنبو کے فرزندوں نے اپنے کاروبار کو کشمیر سے باہر بھی بہت ترقی دی ہے۔اس وقت ان کا کاروبار ہندوستان کی تمام تجارتی منڈیوں کے ساتھ ہے اور کشمیر میں بھی سوپور کے علاوہ گلمرگ اور پٹن میں ان کی تجارتی کوٹھیاں ہیں۔ان میں خواجہ فتح جو کے تین فرزند جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہوگا۔زیارت حرمین الشریفین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں۔۹۹۸ھ ہجری میں ان بھائیوں نے اپنے محترم والد کی یادگار میں فتح منزل کے نام سے اب دریا پل سوپور کے دامن میں ایک عالی شان اور رفیع الشان کوٹھی کی بنیاد بھی رکھی ہے۔تاریخ کشمیر کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ترنبو خاندان کے بزرگ تاجر اور اہل اللہ بھی تھے۔سوپور کے متصل ایک موضع آدی پورہ ہے۔وہاں ترنبو خاندان سوپور کی ملکیت میں بہت سی اراضیات ہیں۔

رینہ وشن خاندان

اس خاندان کی اصل گوت رینہ ہے جو کشمیری پنڈتوں کا ایک معزز طبقہ ہے۔راجا نک، راز دان اور رینہ پر بہت کچھ بحث اس کتاب میں پہلے ہو چکی ہے۔کشمیر کے بعض مسلمان خاندان بھی رینہ کہلاتے ہیں لیکن ان کا سلسلہ نسب بالعموم رام چندر رینہ اور اس کے فرزند راون چندر رینہ سے ملتا ہے۔جو راجہ سہد یو والئی کشمیر کے عہد میں مدار المہامی اور سپہ سالاری کے عہدوں پر تھے۔راون چندر جس کی بہن رانی کوٹہ کشمیر کی حکمران بھی رہی ہے۔اسلامی عہد میں مسلمان ہو گیا تھا۔

غرض کشمیر کا وشن خاندان گوت کے لحاظ سے رینہ ہے۔اس کا تعلق رام چندر رینہ سے نہیں بلکہ فرقہ راز دان سے ہے۔جو ہندو عہد قدیم میں راجا نک کے نام سے مشہور تھا۔یہ خاندان وشن کس طرح مشہور ہو گیا۔اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ افغان حکومت کے زمانہ میں ایک بزرگ پنڈت گنگا بش رینہ نام افغان صوبہ کشمیر کے دربار میں امتیاز خاص رکھتے تھے۔بلکہ ناظم کشمیر کے معتمدان خاص میں تھے۔اس نے رفتہ رفتہ ان کو اپنا ''وزیر خاص'' جس کو اس زمانہ میں پرائیویٹ سیکرٹری کہتے ہیں۔مقرر کر کے لالہ کے خطاب سے ممتاز کر رکھا تھا۔

اس خطاب کے بعد پنڈت گنگا بش رینہ اب لالہ گنگا بشن رینہ کہلانے لگے۔یہ خطاب رفتہ رفتہ ان کا عرف عام ہو گیا اور تین پشتوں تک وہ لالہ ہی کہلاتے رہے۔لیکن جب کشمیر میں غیر ملکی لالاؤں کی کثرت ہو گئی اور کوئی خاص امتیاز اس نام میں نہ رہا تو ''آب رفتہ واپس بہ جو آمد''

کے مطابق لالہ کالفظ ترک کردیا گیا۔اور پنڈت گنگا بشن کی اولاد پھر پنڈت ہی کے نام سے مشہور ہونے لگی۔لیکن اس مرتبہ نئی جدت یہ ہوگئی کہ اس خاندان کے ہر فرد کا آخری لفظ اس کے نام کے بعد ان کے جدامجد گنگا بشن کی یادگار کے طور پر بشن کہلانے لگے۔اور بشن کا لفظ تھوڑے دنوں کے بعد وشن سے تبدیل ہو گیا۔ ب عموماً واؤ کے لفظ سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسے بارہ مولا سے وارہ مولا بیاس جی سے ویاس جی بالمیک سے والمیک وغیرہ۔

پنڈت گنگا بشن کی چوتھی پشت میں پنڈت ایشر جوشن اور پنڈت راج کاک وشن اس خاندان کے نامی اشخاص گزرے ہیں۔ پنڈت ایشر جو گورنر کشمیر کے دفتر میں سر دفتر تھے۔آج یہ عہدہ سپرنٹنڈنٹ کہلاتا ہے۔وہ نہایت نیک نام اور کارکن اور خوش اخلاق افسر تھے۔پنڈت راج کاک وشن، جو پنڈت ایشر جوشن کے بھائی تھے محکمہ دھرم ارتھ ریاست جموں وکشمیر میں سر دفتر یعنی سپرنٹنڈنٹ کے ممتاز عہدہ پر تھے۔ان کی وفات جموں میں ہوئی اور وہیں ان کا داہ سنسکار کیا گیا۔

اسی خاندان میں پنڈت سدرشن جوشن اپنے زمانہ میں محکمہ تعلیم میں خاصی شہرت رکھتے تھے وہ اعلیٰ درجہ کے سپورٹس مین اور کھلاڑی تھے۔ بہادری، مستعدی، پھرتی اور قابلیت کے جوہر ن کے رگ وریشہ میں سمائے ہوئے تھے۔وہ پہلے کشمیری اور غالباً پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے لرجیسی طویل وعریض جھیل کو تیر کر پار کیا تھا۔وہ مشن اسکول کے نامور اساتذہ میں تھے۔رائے ہادر پنڈت رامچند کاک جو آج ریاست میں وزیٹنگ منسٹر ہیں اور پروفیسر نپڈتا اور کئی اور اصحاب کے شاگردوں میں ہیں۔ابھی عمر کی پچاس منزلیں طے کرنے نہ پائے تھے کہ موت نے ایک ممتاز ستی سے خطہ کشمیر کو خالی کردیا۔پنڈت رادھا کشن وشن جو ہوم منسٹر صاحب کے دفتر میں ملازم ہیں پ ہی کے برادر خورد ہیں۔ پنڈت شری در جوشن ملازم امپریئل ٹیلی گراف آفس اور پنڈت دوند جوشن خلف پنڈت سنسار چند وشن ملازم محکمہ دھرم ارتھ اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

پنڈت ایشر جوشن آنجہانی کے دو صاحبزادے ہیں پنڈت گوپی ناتھ وشن بی اے ایس ے وی اور پنڈت کیشو ناتھ وشن بی اے بی ٹی۔

پنڈت گوپی ناتھ وشن ۲۱ اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔اس حساب سے آپ کی عمر اس ت سینتالیس سال کی ہے۔ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے ایس پی کالج سے بی اے کا امتحان بہ از پاس کیا۔پھر ٹریننگ کے لیے لاہور چلے گئے اور سنٹرل ٹریننگ کالج میں تعلیم حاصل کرتے

رہے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بارہ مولا میں اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر مقرر ہوئے پھر ٹیچرس لائن میں ہیڈ ماسٹر اور سنیئر ٹیچر رہے۔

لڑکوں پر کنٹرول رکھنے اور طریقہ تعلیم میں جو مہارت آپ کو ہے اس میں آپ کو نمایاں شہرت رہی ہے۔ پھر ہندواڑہ ڈویژن میں اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز مقرر ہوگئے۔ آپ کے حسن سلوک اور برتاؤ سے محکمہ ہذا کے متعلقین کے علاوہ عام لوگ بھی آپ سے خوش رہے۔ پہاڑ ڈویژن اور فرنٹیر ڈویژن میں بھی آپ بہ حیثیت اسسٹنٹ انسپکٹر اپنے فرائض بہ خوش اسلوبی بجالاتے رہے ہیں۔

ہائی سکول رعناداری کے ممتاز اور ہردلعزیز ہیڈ ماسٹروں میں آپ کا نام چوٹی پر رہا ہے۔ رعناداری ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کے بعد جب آپ کو بحیثیت اسسٹنٹ انسپکٹر آف سکولز ہندواڑہ میں دوبارہ جانے کا اتفاق ہوا تو لوگوں نے جو آپ کے حسن اخلاق کے گرویدہ تھے۔ خوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اب آپ کچھ عرصہ سے سری نگر ڈویژن میں اسسٹنٹ انسپکٹری کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ آپ کے برخوردار خورد پنڈت کیشو ناتھ وشن بی اے بی ٹی ایس پی ہائی سکول میں سینئر ٹیچر ہیں۔ اور اپنی قابلیت اور اپنے اخلاق سے ہردلعزیز ہیں۔

پنڈت گوپی ناتھ وشن کا بڑا لڑکا پنڈت گردھاری لال وشن بی اے پاس ہے۔ اس کا رشتہ پنڈت جیالال کھشو ڈویژنل فارسٹ آفیسر کے ہاں ہو چکا ہے۔ آپ کا فرزند دوم دوہ لال وشن ایف ایس سی کا امتحان پاس کر کے اب بی اے میں پڑھتا ہے اور دوسرے لڑکے ابھی خورد سال ہیں۔

پنڈت گواشہ لال کول

پنڈت ویشنہ جو سری نگر کے ممتاز تاجر اور بیوپاری تھے اور عالم شباب ہی میں ان دیانت وصداقت اور خدا دوستی زبان زد عوام تھی۔ ان کے دو فرزند تھے۔ پنڈت سری کنٹھ کول پنڈت گواشہ لال کول، پنڈت ویشنہ جو ابھی گلشن زندگی کی بہت زیادہ بہاریں دیکھنے نہ پائے کہ عالم شباب ہی میں چل بسے۔ اب ان دو بچوں کا سہارا صرف ان کی بیوہ ماں تھی۔ اس بڑے بھائی نے میٹرک پاس کر کے ملازمت اختیار کرلی۔

پنڈت گواشہ لال کول ۲۷ ماگھ ۱۹۵۳ بکرمی مطابق ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے شفیق بھائی کی امداد اور اپنی بیوہ ماں کی سرپرستی میں ۱۹۲۳ء میں بی اے کا امتحان پاس کرلیا۔ ایام طالب علمی ہی میں آپ پبلک کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا کرتے تھے۔ اور آثار بتاتے تھے کہ یہ ہونہار نوجوان غلامی کی زندگی پر آزادی اور دیش سیوا کی زندگی کو ترجیح دے گا۔ ابھی آپ زیر تعلیم ہی تھے کہ آپ کے تاریخی شوق اور مضامین نویسی کا چرچا آپ کے ہم جماعتوں اور ہم عصروں میں خاص وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے لیے ملازمت کا دروازہ وسیع تھا۔ لیکن جیسا کہ آپ کی طبیعت کے رجحان سے آپ کے احباب کو توقع تھی آپ نے ملازمت کی پروا نہیں کی اور اپنے وطن کی قلمی خدمت کے لیے ہندوستان کے انگریزی اور اردو اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ جن میں دہلی کے اخبارات یونائیٹڈ انڈیا' سٹیٹ مین، راجستھان، پرنسلی انڈیا، ہندوستان ٹائمز اور لاہور کے اخبارات میں سنڈے ٹائمز، ٹریبیون، سول ملٹری گزٹ اور بیاور راجپوتانہ کا ینگ راجستھان خاص طور پر مشہور ہیں۔

ان اخبارات کے ذریعہ آپ کے مضامین کی نہ صرف ریاست میں بلکہ ریاست کے باہر بھی دھاک بیٹھ گئی۔ انڈین سٹیٹس پیپلز کانفرنس نے آپ کو اپنی کمیٹی کا ممبر منتخب کیا۔ ۱۹۳۰ء میں ریپورٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کے آپ نمائندہ مقرر کیے گئے۔

۱۹۲۷ء میں جب کشمیر ینگ مینز کلب کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کی ہر دلعزیزی اور پبلک خدمات کی وجہ سے آپ ہی کو اس کا صدر چنا گیا۔

۱۹۲۳ء میں آپ نے بی اے کا امتحان پاس کیا تھا۔ آپ کے تاریخی شغف کی کچھ کیفیت اس واقعہ سے معلوم ہو سکتی ہے کہ دوسرے ہی سال یعنی ۱۹۲۴ء میں آپ نے انگریزی زبان میں ایک مختصر سی تاریخ کشمیر بنام شارٹ ہسٹری آف کشمیر لکھی جس کے اب تک بہت سے اضافہ کے ساتھ تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۱۹۳۱ء میں فرقہ وارانہ فسادات کشمیر میں بڑے زوروں پر تھے۔ ایک طرف مسلم کانفرنس تھی جس کی ٹکر کبھی حکومت سے اور کبھی ہندوؤں سے ہو جایا کرتی تھی۔ دوسری طرف یودک سبھا تھی جو حکومت کی طرف سے تو مطمئن تھی لیکن مسلم کانفرنس کے ساتھ اس کا تصادم ہو جایا کرتا تھا۔ انہی ایام میں جب کہ دونوں قوموں کی کھینچا تانی محبت و اعتماد کے رشتے کو توڑ رہی تھی۔

آپ بھی زخمی ہو کر کئی دن تک ہسپتال میں پڑے رہے۔ یودک سبھا کو ان دنوں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ آپ اس کے وائس پریذیڈنٹ تھے اور جب یودک سبھا کے زیر اہتمام اخبار مارتنڈ جاری ہوا تو آپ اس کے پہلے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں پنڈت کیشپ بندھو اور پنڈت گواشہ لال اور دوسرے نوجوان کشمیری پنڈتوں نے بیکاری کو دور کرنے کے لیے روٹی ایجی ٹیشن (بریڈ موومنٹ) جاری کر رکھی تھی۔ اس سلسلہ میں زیر دفعہ ۱۰۸ چھ ماہ کے لیے آپ کی زبان بندی کر دی گئی۔ نظر بندی کے بعد آپ نے اپنے نوجوان ڈوگرہ دوست پنڈت بلدیو پرشاد شرما بی اے کی شراکت سے کشمیر ٹائمنر کے نام سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار جاری کر دیا۔ آپ ۱۹۳۹ء تک اس اخبار کے ایڈیٹر ان چیف رہے۔ اسی سال آپ نے اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر کے کشمیر کرانیکل کے نام سے اپنا نیا اخبار جاری کر دیا۔ جو اس وقت تک اپنی معتدل پالیسی کے ساتھ آپ کی زیر نگرانی جاری ہے۔

خاندان ترسل در

کشمیر کے اس نامور خاندان کی کیفیت پہلے درج ہو چکی ہے۔ یہ خاندان دراصل درخاندان کی ایک شاخ ہے۔ کشمیر کے ان پنڈتوں میں متبنّی اور کشمیر کے ان مسلمانوں میں پسر خواندہ بنانے کا عام رواج ہے۔ جن کے ہاں اولاد نرینہ نہیں ہوتی۔ درخاندان کی ترسل شاخ کا مورث اعلیٰ پنڈت سنسارام گزرا ہے جو راز دان خاندان سکنہ ترسل تحصیل پلوامہ سے درگا پنڈت در نے متبنّی لیا تھا۔ اس کے فرزند کا نام پنڈت پر بھ جو یا پر بھا کرتھا۔ یہیں سے درخاندان کی یہ شاخ ترچھل یا ترسل کہلانے لگی ہے۔ پنڈت پر بھ جو کے دو فرزند تھے۔ لیکن ان دو فرزندوں کی اولاد آگے چل کر بہت کثیر الاولاد ہوئی ہے اور اس میں بڑے بڑے نامور فرزند گزرے ہیں۔

پنڈت تاراچند ترسل پنڈت پر بھ جو کی ساتویں پشت میں ہیں۔ آپ کشمیر کے ہردلعزیز رؤسا میں ہیں۔ اپنی قانونی قابلیت اور محکمہ مال کے تجربات اعلیٰ کی وجہ سے کشمیر کے نامور یونیورا یجنٹ ہیں۔ فارسی انگریزی ہندی، اردو میں مہارت تامہ رکھنے کے علاوہ عربی زبان سے بھی شُد بُد رکھتے ہیں بلکہ اردو کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے ہیں۔ یہاں ان کی ایک اردو غزل کے چند اشعار لکھے جاتے ہیں:

برباد کیا ہم کو فقط بغض و حسد نے
اقبال و حشم ہم سے گئے دور کہیں اور
جب پھوٹ نہ ہو ہم میں تو پھر اپنے مکاں کے
ہرگز نہیں ممکن کہ بنیں آکے مکیں اور
لے ڈوبا کسی کا تجھے وہ جھوٹا سہارا
غیروں پہ اے ناداں کیا کر تو یقیں اور
اے کاش نکالے کہیں محنت سے کوئی کھوج
اس ملک کی کانوں میں ہیں کچھ در ثمیں اور
ہیں فوق بھی سالک بھی پرستار وطن کے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کر جائیں وہ کہیں اور

اسی زمین میں اپنے بھی پانچ شعر لکھتا ہوں:

کشمیر کو ہم چھوڑ کے کیوں جائیں کہیں اور
کیا اس کے سوا ہے کوئی فردوس بریں اور
تدبیر سے تقدیر بھی غیروں نے پلٹ دی
تقدیر پہ شاکر رہیں یہ خانہ نشیں اور
کشمیر وہی ہے نہیں کشمیر میں بڈ شاہ
انگشتری تو ہے وہی لیکن ہے نگیں اور
ریسرچ پہاڑوں میں حکومت جو کرے کچھ
اگلے گی خزانوں پہ خزانے یہ زمیں اور
ترسل تو بہت فوق ہے سالک سا نہیں دوست
مٹو تو بہت ہیں نہیں رگناتھ کہیں اور

آپ اپنی عمر کی ساٹھ سے زیادہ منزلیں طے کر چکے ہیں لیکن صحت بہت اچھی ہے۔ جو

اکثر روحانی صدمات اور جوان فرزندوں کے بے وقت موت کے باوجود آپ کے استقلال اور تزکیہ نفس کا نتیجہ ہے۔

آپ کے فرزند کاشی ناتھ ترسل اپنی چھوٹی سی عمر میں اردو کے اشعار کہتے تھے۔ گوپی ناتھ جو گوبند بٹ وڈی پورہ کے خاندان سے اور ویشنہ بٹ کا حقیقی فرزند ہے۔ کاشی ناتھ کا متبنیٰ ہے۔ پنڈت چونی لال جو پنڈت تاراچند ترسل کے برادر پنڈت آفتاب جو کے فرزند ہیں۔

کاشی ناتھ آنجہانی کے برادر خورد اور پنڈت تاراچند ترسل کے جوانمرگ فرزند پرتھی ناتھ کے متبنیٰ ہیں۔ پنڈت چونی لال نہایت ہونہار نوجوان ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے آپ نے ایم اے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا ہے اور اب دو اڑھائی سال سے سری نگر میں وکالت کا کام کر رہے ہیں۔

پنڈت انند کول بامزئی

بامزیئی درانی افغانوں کا ایک نامور فرقہ ہے۔ نور دین خان بامزئی (۱۷۶۲ء) بلند خاں بامزئی (۱۷۷۳ء) کریم داد خاں بامزئی (۱۷۷۶ء) اور آزاد خاں بزمزئی (۱۷۸۳ء) اسی قبیلہ کے مشہور ناظمان کشمیر تھے۔ پنڈت انند کول کے پردادا پنڈت بابو رام کول ان میں سے کسی ایک کے دیوان تھے۔ اور محکمہ بیوتات ان کے سپرد تھا۔ اسی زمانہ سے ان کا عرف بھی بامزئی ہو گیا۔ جو آج قریباً پونے دو سو سال گزر جانے کے بعد بھی ان کی ذریات کا عرف عام ہے۔ ورنہ دراصل یہ کشمیر کے مشہور کول خاندان سے ہیں۔

پنڈت انند کول ۲۱ چیت ۱۹۲۳ بکرمی کو سری نگر میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں انہوں نے اپنے شہر کے دیگر ہندو مسلمان لڑکوں کی طرح فارسی تعلیم حاصل کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد عیسائی مشنریوں نے یہاں مشن سکول جاری کر دیا جس میں انگریزی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۱ء میں آپ نے پہلے پادری ڈاکسی سے اور ۱۸۸۴ء میں ان کے جانشین پادری نولس سے انگریزی علم میں دسترس پیدا کی بلکہ اسی سال مشن سکول میں ٹیچر مقرر ہو گئے۔

پادری نولس علمی مذاق کا آدمی تھا۔ اس نے آپ کی امداد و اعانت سے تین کتابیں کشمیری ضرب المثل، کشمیری چیستان اور کشمیری کہانیاں انگریزی زبان میں تصنیف کیں۔ اسی

دوران میں ایک اور پادری ویڈ صاحب نے جب کشمیری گرائمر انگریزی زبان میں لکھنا چاہی تو وہ بھی پنڈت انند کول کی امداد کے بغیر زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی۔

۱۸۹۰ء میں کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ پادری نولس صاحب کے اصرار کے باوجود وہ مشن سکول کی ملازمت سے علیحدہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں راجہ سر امر سنگھ کونسل کے پریذیڈنٹ اور پرائم منسٹر تھے۔ انہوں نے اس جوہر گرانمایہ کی قدر کی اور اپنے محکمہ کا انہیں ناظر مقرر کر دیا۔ آپ کی چوبیس سال کی عمر تھی کہ ۳۰ ساون ۱۹۴۰ بکرمی کو آپ بزمانہ ڈاکٹر اے مترا پہلے تو میونسپلٹی سری نگر کے سیکرٹری پھر داروغہ سنٹرل جیل سری نگر اور بعد ازاں محکمہ حفظان صحت کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہو گئے۔

قیدیوں کے ساتھ آپ کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اور ان میں اپنے اخلاق اور نیک برتاؤ کی وجہ سے اس قدر ہردلعزیز ہو گئے تھے کہ جب وہ اس عہدہ سے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں سپرنٹنڈنٹ ہوئے تو قیدیوں نے بطور اظہار ناراضگی بھوک ہڑتال کر دی۔ آخر ڈاکٹر مترا صاحب کے سمجھانے پر کہ وہ آپ سے کہیں دور نہیں گئے بلکہ اسی محکمہ کے سپرنٹنڈنٹ ہوئے ہیں۔ جہاں قیدیوں کی بھلائی اور بہتری کی حفاظت کی جاتی ہے۔ قیدیوں نے بھوک ہڑتال ترک کر دی۔

ڈاکٹر مترا کو آپ کی دیانت داری پر کمال اعتبار تھا۔ اور سرکاری خط و کتابت میں اس اعتماد و اعتبار کا کئی مرتبہ اظہار بھی کیا۔ یہاں تک کہ جب کبھی ڈاکٹر مترا رخصت پر جاتے تھے تو میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کے انتظامی حصہ کا چارج آپ ہی کے سپرد ہوا کرتا تھا۔

ڈاکٹر مترا کی سفارش پر آپ ۷ کاتک ۱۹۵۷ بکرمی کو گورنر کشمیر کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔

۱۸۹۵ء تک جموں و کشمیر کا محکمہ پرمٹ ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا اس کے بعد یہ محکمہ سرکاری ہو گیا لیکن اس کے جدید انتظام کے لیے دسمبر ۱۹۰۰ء میں سر بی ٹاڈ ہنٹر کی خدمات دربار نے گورنمنٹ ہند سے حاصل کیں اور پنڈت انند کول دربار کے حکم سے سر ٹاڈ ہنٹر کے ماتحت کیے گئے۔ جب کسٹم اور ایکسائز کا جدا محکمہ ترتیب دیا گیا تو ٹاڈ ہنٹر صاحب کی سفارش سے دربار نے آپ کو انسپکٹر کسٹم و ایکسائز قلمرو جموں مقرر فرمایا۔ پرمٹ کے مقدمات کے تصفیہ کے لیے ان نے جوڈیشل امتحان بھی پاس کر لیا۔ اس عہدہ پر وہ چھ سال تک نیک نامی کے ساتھ اپنے مفوضہ فرائض انجام دیتے رہے۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ نے ۲۱ فروری ۱۹۰۳ء کو اپنی دستخطی سند احسن

کارکردگی کی آپ کو عطا کی۔ اسی طرح سرای جی کالون اور کرنل ٹی سی پیرس ریزیڈنٹوں نے بھی اپنی چٹھیوں کے ذریعہ ان کی حوصلہ افزائی کی اور جنوری ۱۹۰۴ء کی چٹھی نمبر ۹ کے ذریعہ کونسل عالیہ نے بھی آپ کی اعلیٰ کارکردگی کا اعتراف کیا۔ اس کے علاوہ آپ کو سرکار کی طرف سے وقتاً فوقتاً اظہار خوشنودی کے طور پر خلعت بھی عطا ہوتے رہے۔ انسپکٹری سے ترقی کر کے آپ قائم مقام سپرنٹنڈنٹ کسٹم وا یکسائز بھی ایک سال تک رہے۔ اسی عہدہ کا نام آج انسپکٹر جنرل کسٹمز اینڈ ایکسائز ہے۔

مگھر ۱۹۶۷ بکرمی میں آپ میونسپلٹی کے وائس پریذیڈنٹ اور ۱۰ مگھر ۱۹۷۰ بکرمی کو آپ مستقل پریذیڈنٹ کشمیر میونسپلٹی کے ہو گئے اور اپنے منصبی کام کے علاوہ ۱۹۷۳ بکرمی سے ۱۹۷۹ بکرمی تک سنٹرل کوآپریٹو بنک سری نگر کے مینجنگ ڈائریکٹر بھی رہے۔۔ صدارت بلدیہ کے عہدہ کو آپ نے نہایت قابلیت سے انجام دیا۔ منسٹر صاحبان اور ریذیڈنٹ صاحبان کے علاوہ مہاراجہ بہادر بھی آپ کی خدمات عامہ کا اعتراف کرتے رہے۔ قریباً گیارہ سال کے بعد ۳۰ چیت 1981 بکرمی کو آپ پنشن پر ریٹائر ہو گئے۔ پنشن کے بعد تین سال تک آپ لوکل ایسوسی ایشن کے صدر اور بوائے سکاؤٹ ایسوسی ایشن کے ہیڈ کوارٹر کمشنر رہے۔

۹ دسمبر ۱۹۰۲ء کے دربار دہلی میں ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہند کی تاجپوشی کی تقریب پر بزمانہ لارڈ کرزن آپ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کی معیت میں تھے۔ اسی طرح جب پرنس آف ویلز (جارج پنجم) ۹ دسمبر ۱۹۰۵ء کو جموں تشریف لائے۔ جن کی یادگار میں جموں کا پرنس آف ویلز کالج قائم ہے تو شاہی دربار میں آپ کو بھی مدعو کیا گیا۔ پھر جب ۲۳ مارچ ۱۹۲۲ء کو پرنس آف ویلز (موجودہ ڈیوک آف ونڈسر) جموں آئے۔ اس وقت بھی آپ کو یاد فرمایا گیا اور رخصت کے وقت مہاراجہ بہادر نے خلعت درجہ اول عطا فرمایا۔

جب موجودہ فرمانروائے کشمیر و جموں مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کے راج تلک کی تقریب جموں میں ادا ہوئی تو آپ سرکار کے حکم سے دس روز تک سرکاری مہمان رہے اور سابقہ دستور کے مطابق اس تقریب پر بھی آپ کو خلعت عطا کیا گیا۔ ۱۹۷۵ بکرمی کے قحط میں خاص خدمات انجام دینے پر پھر مہاراجہ پرتاب سنگھ نے پروانہ خوشنودی مزاج کے علاوہ خلعت بھی عطا فرمایا۔

سکاؤٹ ہیں۔ ان کو سکاؤٹنگ میں دربار سے تھینکس بیج طلائی ملا ہوا ہے۔ اسی بیچ کو دیکھ کر لارڈ ڈارون وائسرائے نے سیاحت کشمیر کے دوران میں آپ سے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا تھا۔ لیکن کشمیر اور کشمیر سے باہر ہندوسان کے ہر گوشے کے علمی حلقوں میں جو شہرت دوام پنڈت انند کول کو حاصل ہے وہ اس لیے نہیں ہے کہ ان کا خاندان کسی زمانہ میں نہایت با اقتدار رہا ہے۔ یا خود انہوں نے صدر میونسپلٹی کی حیثیت سے یا درباروں کی شمولیت اور حصول خلعت وغیرہ سے سرکار دربار میں اعزاز پیدا کر رکھا تھا۔ بلکہ ان کے نام کو جو بقائے دوام کا خلعت حاصل ہے وہ صرف اس وجہ سے تھا کہ ان سرکاری مصروفیوں کے باوجود وہ انگریزی اور فارسی کے زبردست ادیب تھے بلکہ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ اور تاریخ پر تو انہیں خاص عبور حاصل تھا انہوں نے اپنے ملک کی تاریخی عظمت اور اپنے ملک کے بعض مشاہیر کے متعلق انگریزی رسائل میں بے شمار مضامین لکھے۔ جغرافیہ جموں و کشمیر، کشمیری پنڈت آرکیولاجیکل ریفرنس اور مغل باغات ان کی مستقل تصانیف ہیں۔ مہاراجہ سرپرتاب سنگھ نے ان کی اس علمی و تاریخی خدمات کی کئی مرتبہ قدر دانی فرمائی اور خلعت عطا فرمائے۔ ان کی علمی و تاریخی قابلیت ہی کی بدولت ان کے مکان پر شہرہ آفاق علم دوست سوامی وویکانند، سررابندرا ناتھ ٹیگور، سرتیج بہادر سپرو اور لیڈی ٹاٹا اشتیاق ملاقات کے لیے آتے رہے۔

مجھے بھی ۱۹۳۹ء کے ایام گرما میں ان کی خدمت مین حاضری کا موقع ملا۔ ضعیف تھے۔ بیمار تھے۔ ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ بڑے اخلاق اور محبت سے پیش آئے۔ فرمایا آپ کی تصنیفات دیکھ کر آپ کو ملنے کو جی چاہتا تھا۔ آپ جس محنت سے انفارمیشن جمع کرتے ہیں اور پھر جس برجستہ عبارت میں اسے تحریر کرتے ہیں اور جس محبت اور دلی شوق سے اپنے وطن کی علمی و تاریخی خدمت کرتے ہیں بے ساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

افسوس ہے کشمیر کا یہ نامور سپوت ۲۷ ہاڑ ۱۹۸۹ بکرمی مطابق ۱۹۴۱ء کو طویل علالت کے بعد اپنی عمر کی پچھتر منزلیں طے کر کے ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔ اس قسم کا تاریخی و علمی مذاق بلکہ جنون رکھنے والے بزرگ کشمیر جیسے ناقدردان ملک میں جہاں پبلک کا علمی شوق ابھی تلاش کرنے سے بھی کہیں نظر نہیں آتا بار بار پیدا نہیں ہوا کرتے۔

سلہریا راجپوت

محمد علی خان
|
احمد علی خان
|
عبداللہ خان عرف سائیں حضوری

جعفر خان — حیات محمد خان

محمد فیروز خان حوالدار میجر — منظور حسین خان — منشی باغ حسین — محمد یوسف خان — علی اکبر خان

غلام اصغر خان

سلہریا قوم کا کچھ ذکر تاریخ اقوام پونچھ میں ہو چکا ہے۔ اب اس قسم کی ایک معزز شاخ کے کچھ کیفیت درج کی جاتی ہے۔

محمد علی خان کے بزرگ سلہریا راجپوت تھے۔ ان کے والد اور چچا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دونوں بہادر شجاع اور خوبصورت جوان تھے۔ تحصیل حویلی کے موضع دیگ وار میں وہ کافی اراضیات کے مالک تھے۔ جب راجہ گلاب سنگھ اپنے فرزند میاں اودہم سنگھ کے ہمراہ پونچھ میں، شورش اور بدامنی دور کرنے کے لیے آئے۔ تو یہ دونوں فوج میں ملازم تھے۔ باپ کی وفات کے بعد محمد علی خان بھی فوج میں ملازم ہو گیا۔ لیکن عین عالم شباب میں انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کا فرزند احمد علی خان ایک دودھ پیتا بچہ تھا لیکن رگوں میں باپ دادا کا جنگ جو خون رکھتا تھا۔ جب جوان ہوا تو اس نے بھی فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس نے اپنی جائیداد کو بڑی وسعت دی۔ اور اپنے علاقہ میں خوب نام پیدا کیا بلکہ تحصیل حویلی کے علاوہ پونچھ کی تحصیل مینڈر میں بھی اس نے کافی زمین خرید لی۔ افسوس ہے کہ احمد علی خان نے بھی اپنے باپ کی طرح عین جوانی کے عالم میں اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس کے فرزند کا نام عبداللہ خان تھا۔ جو باپ کی وفات کے وقت صرف چھ مہینے کا ایک شیر خوار بچہ تھا۔ چونکہ کوئی نگران اور سرپرست نہ تھا۔ اس لیے عبداللہ خان کی والدہ نے ایک سید بنام علی شاہ سے نکاح کر لیا۔ سید علی شاہ سیلانی طبیعت کا آدمی تھا۔ وہ عبداللہ خان اور اس کی ماں کو لے کر کشمیر چلا گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد میاں بیوی وہیں فوت ہو گئے۔ اس وقت عبداللہ خان ابھی نو عمر تھا لیکن علی شاہ کی فقیرانہ و درویشانہ صحبت نے اس کو بھی درویش صفت

بنا رکھا تھا۔ وہ کشمیر سے واپس آ کر موضع ددار اندی تحصیل حویلی میں سائیں صندل صاحب کے پاس چلا آیا اور وہیں اس نے سائیں صندل کے کہنے سے منہاس راجپوت کی ہاں شادی کر لی۔ طبیعت اس کی بھی سیلانی تھی۔ اور جوانی ہی میں سائیں حضوری کے نام سے مشہور تھا۔ وہاں سے جو دل اکتایا تو بیوی کو ہمراہ لے کر تحصیل سدہنتی کے موضع تراڑ میں آ گیا۔ وہاں کچھ تھوڑی سی اراضی بھی حاصل کر لی۔ ۱۹۶۹ بکرمی کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دو فرزند تھے۔ دونوں قابل اور لائق ہوئے۔ دونوں کی اولاد نے علم کی نعمت بھی حاصل کی۔ خصوصاً محمد فیروز خان جو جعفر خاں * کا فرزند اکبر ہے۔ اچھا منشی اور انگریزی خواندہ ہے۔ یہ ۱۵ مارچ ۱۹۲۴ء کو پلٹن راجپوت رجمنٹ میں بھرتی ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لائس نائک ہو گیا۔ لیکن خانگی امورات کی انجام دہی کے لیے وہ رویز رو میں آ کر وطن چلا آیا۔ ۱۹۳۴ء میں پولیس میں بھرتی ہو کر لاہور اور ضلع منٹگمری میں رہا۔ ۱۹۳۸ء میں یہاں سے بھی واپس آ گیا۔ ۱۹۴۰ء میں پھر فوج کی ملازمت میں آ گیا اور اس وقت فوج کے ہمراہ آسام میں ہے اور حوالدار میجر ہے اور لکھنے پڑھنے کی بھی اچھی لیاقت رکھتا ہے۔ اس کے دونوں بھائی منظور حسین خاں و منشی باغ حسین خان بھی خواندہ ہیں۔ منظور حسین خان تو ملازم ہے اور منشی باغ حسین خان گھر کے اور زمیندارہ کاروبار میں مصرف رہتا ہے۔ ان تینوں بھائیوں نے اپنے دادا عبداللہ خان عرف سائیں حضوری کی جائیداد غیر منقولہ کو بھی اپنے نام پر کاغذات مال میں درج کرا لیا ہے۔ جو ان کی مستعدی اور ہوشیاری کی ایک روشن دلیل ہے۔ یہ سب بھائی موضع تراڑ تحصیل سدہنتی میں رہتے ہیں۔ ان کی رشتہ داریاں جیسا کہ معلوم ہوا ہے کہ پٹھان، گہرال، کھٹوال، منہاس، راجپوت، سدھن، چوغتہ مغل، بمبہ، اعوام اور شیخ اقوام سے ہوتی ہیں۔ یہ خاندان جیسا کہ بتایا گیا ہے ابتدا ہی سے معافی دار چلا آتا ہے۔ اور محمد فیروز خان اپنی تمام برادری میں معتبر، فہمیدہ اور سرکردہ سمجھے جاتے ہیں۔

ان کا چچا حیات محمد خان بھی برطانوی فوج (پلٹن ۵۱ سکھ) میں گیارہ سال تک ملازم رہا۔ اور نائک کا عہدہ حاصل کر کے ڈسچارج ہو کر واپس آ گیا کیونکہ اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے گھر کا کاروبار بہتر طریق سے نہ چل سکتا تھا۔ حیات محمد خاں نے موضع سہر میں کافی اراضی حاصل کی۔ اس کے دونوں بیٹوں میں محمد یوسف خان تجارتی کاروبار کا شغل رکھتا ہے اور علی اکبر خان عرصہ آٹھ سال سے برطانوی فوج میں ملازم ہے۔ دونوں بھائی سہر ککوٹہ میں آباد ہیں اور خواندہ اور سمجھدار ہیں۔

* جعفر خان جو سائیں حضوری کا فرزند اول تھا بہ عمر پچپن سال انتقال کر گیا۔

محمد علی خان کے چچا درباری خان کی اولاد مواضعات خواجہ وڈھل قاضیاں تحصیل باغ اور موضع پڑاٹ تحصیل سدہنتی میں آباد ہے۔ ان میں سردار وارث خاں حوالدار میجر محمد فیروز خان کا نانا تھا۔ قابل ذکر ہستی تھا وہ ۳۲ سال تک فوج میں رہے۔ اپنی برادری اور علاقہ میں نہایت معزز اور بارسوخ تھے۔ ان کے فرزند کا نام جواہر خان ہے۔ اس کے چار فرزند ہیں۔ جن میں خادم حسین راولاکوٹ میں زیر تعلیم ہے۔ باقی بھی خوردسال ہیں۔ اسی شاخ سے شیر احمد خاں، میر احمد خان، گل حسین خان اور کالا خان موضع پڑاٹ میں رہتے ہیں۔ ان میں شیر احمد خان بارہ سال تک ملازم پولیس رہا ہے۔ خواندہ اور لائق ہے۔ موضع خواجہ میں اسی شاخ سے شیر علی خان امیر علی خان اور گوہر خان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ گوہر خان درس تدریس کا کام بھی کرتے ہیں۔

محمد فیروز خان کے چچا سردار محمد حیات خان سے بہت لوگوں نے درس لیا ہے۔ سردار محمد جعفر خان مرحوم بھی علم دینی میں اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کا شغل بھی درس تدریس ہی تھا۔ ان کے فرزند منشی باغ حسین خان موضع ڈھل قاضیاں میں تین سال تک پرائیویٹ مدرس رہ کر اب زمیندارہ کاروبار میں مصروف ہیں۔

سادات بخاری چیوڑارہ

- سید علی شاہ
  - سید غلام شاہ
    - سید مصطفٰی شاہ
      - سید اکبر شاہ
      - سید احمد شاہ
  - سید غلام نبی شاہ
    - سید سکندر شاہ
    - سید محمد امین شاہ
      - سید سیف الدین
  - سید حسن شاہ
    - سید محبوب شاہ مرحوم
      - سید غلام محی الدین شاہ
    - سید احد شاہ
  - سید احمد شاہ لاولد

چیوڑارہ کے بخاری سادات کے جد اعلیٰ سید سیف الدین خان گزرے ہیں۔ جو اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں مقربان شاہی میں ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ اکبر ہی کے زمانہ (۹۹۸ھ تا ۱۰۱۴ھ) میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ ابو الفقرا حضرت بابا نصیب الدین غازی سے دست بیعت تھے اور منازل طریقت وحقیقت میں یکتائے روزگار تھے۔

میر حیدر لاری کشمیر کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ اور صاحب تصانیف تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب مطالعہ سلطانیہ میں جس کا حوالہ مصنف تاریخ کبیر کشمیر نے (صفحہ ۵۸ پر) بھی دیا ہے۔ آپ کے شجرہ نسب کے ساتھ آپ کے فوق الکرامت ہونے کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ حضرت امام حسینؓ ابن حضرت علی المرتضیٰؓ نے ۲۳ ویں * پشت میں تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت سید علاؤ الدین خان بھی برگزیدہ روزگار صوفی و عالم تھے اور اپنے محترم والد کی طرح اپنی عمر گرانمایہ عبادات و ریاضیات میں بسر کیا کرتے تھے۔ آپ کا مزار چیوڈارہ (تحصیل بڈگام) میں مرجع خلائق ہے۔ حضرت سید علاء الدین خان بھی اپنے باپ کی طرح حضرت ابو الفقراء کے ارادت مندوں میں تھے۔ آپ بعہد عالمگیر ۱۰۷۱ھ میں آپ کے متعلق لکھتے ہیں:

بود تابود سید السادات
در او قبلہ ذوی الحاجات
بود ہفتاد و یک فزوں زہزار
کہ بصد رجناں گرفت قرار
ہمہ اولاد شاں چومہ پارہ
ہست درد ہرمن بہ چوڈارہ
یاد ہریک بہ معرفت ہمدم
بالنبی والہ الاکرام

حضرت سید علاء الدین کے تین فرزند تھے۔ سید عبدالکریم خان، سید صالح خان، سید حسن خان۔ ان تینوں کی اولاد کشمیر کے مواضعات چیوڈارہ، دہن گام، چک سری، بیروہ لعلپورہ، شیرہ پورہ، بارہ مولا رنگواء، دھرمنہ اور غوطی پورہ کے علاوہ امرتسر اور لدھیانہ میں بھی ہے۔ موخر الذکر

* سید سیف الدین خان بن میر حسن بن سید حیات بن سید رستم خان بن سید بہرام خان بن یوسف یعقوب خان بن سید یوسف خان بن سید احمد بن سید غیاث الدین بن سید شمس الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید محمد سید عبداللہ بن سید موسیٰ امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق ابن امام باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین علیہ السلام

یعنی سید حسن خان کی اولاد سے موضع چویہ ڈارہ کے سادات بخاریہ ہیں۔ سید علی شاہ جن کی اولاد کا شجرہ نسب سطور بالا میں درج ہے۔ سید علی خان ہی کی ذریات سے تھے۔ آپ کا مرقد بھی چیوڈارہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ علوم ظاہری کے علاوہ خزینہ معرفت کے حقائق و دقائق سے بھی مالا مال تھے۔ آپ کے فرزند اول سید غلام شاہ کے فرزند سید مصطفیٰ شاہ بقید حیات ہیں اوران کے دونوں لڑکے زیر تعلیم ہیں۔ آپ کے فرزند دوم سید غلام نبی شاہ کے دونوں صاحبزادگان عربی و فارسی علوم سے آراستہ ہونے کے علاوہ طریقت وتصوف کے رموز و اسرار سے بھی واقفیت رکھتے ہیں۔ فرزند دوم سید محمد امین شاہ اپنے خاندان میں خوش پوش خوش سیرت سیر چشم نوجوان ہیں۔ آپ نے اخذ فیضان سلوک اپنے اسلاف ہی سے نہیں کیا۔ بلکہ آغاز شباب میں اقلیم ہند کی سیاحت کے دوران میں متعدد صاحبان سلوک کی بابرکت صحبتوں میں رہے ہیں آپ کو ہر چہار سلاسل قادریہ، نقشبندیہ چشتیہ اور سہروردیہ کی خلافت عطا ہے۔

سادات چیوڈارہ اوران کے شاخیں مالکان اراضیات ہیں اوران کے ارادت مندوں کی تعداد ضلع بارہ مولا کے علاوہ پنجاب وسرحد میں بھی کافی رہے۔ سید محمد شاہ جودھرمنہ میں رہتے ہیں۔ وہ بھی اس شاخ سادات بخاریہ کے ایک نیک نفس بزرگ ہیں۔

سادات گیلانیہ کاپرن

گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں بغداد سے دو بزرگ بھائی سید صالح، و سید پاک موسیٰ شہید ملتان تشریف لائے موسیٰ شہید کا مزار ملتان ہی میں ہے۔ بھائی کے سانحہ وفات کے بعد سید صالح * اوچ سے ہوتے ہوئے اپنے ہر سہ فرزندان سید اعظم، سید سعید اور سید فاضل سمیت ۱۱۰۰ھ میں جب کہ ہندوستان میں عالمگیر کی حکومت تھی۔ کشمیر تشریف لائے اور علاقہ کولگام کے مقام پاندوش میں قیام پذیر ہوئے۔ سید اعظم کے فرزند سید میرک نے باپ کی وفات کے بعد موضع کاپرن میں سکونت اختیار کرلی۔ آپ اپنے زمانہ کے نہایت عابد و زاہد اور پرہیزگار

* ان دونوں بھائیوں کا سلسلہ ۱۳ پشت میں حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی سے اس طرح ملتا ہے۔ سید صالح بن سید محمد غوث بن سید [illegible] الدین بن سید شاہ میر بن سید ابوالحسن علی بن سید ابو علی سید مقصد ابن سید ابوالعباس احمد بن سید سیف الدین مشہور سید صوفی بن سید سقاء بن سید سیف الدین ثانی بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر جیلانیؒ۔

تھے۔ بلکہ آپ کو صاحب کشف و کرامات بھی بیان کیا جاتا ہے۔ آپ کا مزار کاپرن ہی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کے فرزند اول سید مصطفیٰ شاہ کا حلقہ اثر کشمیر کے علاوہ پنجاب میں بھی تھا اور آپ کی آمد و رفت اسی سلسلہ میں پنجاب میں بھی رہا کرتی تھی۔ ۱۲۰۵ھ میں آپ ضلع گجرات کے موضع جاتر یہ خورد نزد لالہ موسیٰ میں تھے کہ وفات پا گئے۔ آپ کا مزار بھی وہیں ہے اور زیارت گاہ مسلمین ہے۔ آپ کے بھائی سید سلیمان کا ایک فرزند سید خلیل لاولد انتقال کر کے ان کی نسل کا خاتمہ کر گیا۔ سید مصطفیٰ کے حسب ذیل چھ فرزند تھے۔ سید ولایت، سید غلام الدین، سید سیف الدین، سید عبدالغنی مست دار، سید حاجی احسن، سید نظام الدین، ان میں سید ولایت اور سید نظام الدین کے سوا باقی سب لاولد تھے۔ سید حاجی احسن تین مرتبہ زیارت حرمین سے مشرف ہو چکے تھے اور بڑے صاحب اثر و اہل دل اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ آپ ۱۳۲۳ھ میں پنجاب ہی میں انتقال فرما گئے۔ آپ اپنے والد سید مصطفیٰ کے پہلو میں بمقام جاتر یہ خورد دفن ہیں۔ یہیں پیر حسن شاہ کا مزار بھی ہے۔ جو اسی خاندان کے ایک جید بزرگ تھے۔

سید ولایت کے پانچ فرزندوں میں سید الاحد، سید عطاء اللہ اور سید جلال الدین صاحبان ریاضت اور عارفان باللہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اول الذکر دونوں فوت ہو چکے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ کا سانحہ ارتحال ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ میں ہوا ہے۔ سید مصطفیٰ شاہ کے چھٹے فرزند سید نظام الدین جن کا مزار جھنگ شہر میں ہے کے دو فرزند ہیں۔ سید غلام علی و سید عبداللہ ان میں سید غلام علی بڑے پایہ کے اہل اللہ بزرگ تھے۔ علاقہ کھاریاں ضلع گجرات میں آپ کے کافی مرید ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا ایک مرید مرض جذام میں مبتلا تھا۔ جب اس کو کسی دوا سے فائدہ نہ پہنچا اور وہ جان سے تنگ آ گیا تو آپ کی باطنی کشش نے اس کو تندرستی کی نعمت عطا کی۔ آپ کا وصال ماہ شوال ۱۳۴۸ھ میں ضلع سیالکوٹ کے ایک موضع ننگل شاہو میں ہوا لیکن گیارہ ماہ کے بعد آپ کی نعش وہاں سے نکال کر موضع جاتر یہ خورد میں جو پنجاب میں آپ کا آبائی قبرستان ہے دفن کی گئی۔ آپ کی والدہ سادات اندرابیہ ناگام سے تھیں۔ سید صاحب کے چار حسب ذیل فرزند پیدا ہوئے۔ میر سید حسام الدین گیلانی جو نہایت بااخلاق احکام شرعیہ کے پابند اور نیک سیرت نوجوان ہیں۔ آپ کے مریدین و خدام کا حلقہ کشمیر کے علاوہ پنجاب کے اکثر مقامات میں بھی ہے اور آپ اسی تقریب سے ہر سال پنجاب آیا کرتے ہیں۔ آپ کی والدہ میر سید تاج الدین شاہ سکنہ دانگام (کولگام) کی صبیہ ہیں۔ میر تاج الدین کا سلسلہ نسب حضرت میر سید حسین سمنانی

تک پہنچتا ہے۔ جن کی خانقاہ فیض پناہ کولگام میں واقع ہے۔ میر تاج الدین ہی کے احفاد سمنانی زیارت گاہ کے متولی ہیں۔

سید حسام الدین شاہ کے دوسرے بھائی سید محمد یاسین اچھے لکھے پڑھے اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ تیسرے بھائی سید غلام مصطفیٰ عربی فارسی میں اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ چوتھے بھائی سید قمر الدین ایک ہونہار، خوش اخلاق نوجوان ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔ سید نظام الدین کے دوسرے فرزند سید عبداللہ شاہ (وفات ۱۳۶۱ھ مدفن جاتر یہ خورد) نہایت وجیہہ صورت اور متبرک ہستی تھے۔ ان کے پانچوں فرزند نابالغ اور زیر تعلیم ہیں۔

خاندان کوکرو (سوپوری پنڈت)

رپورٹ مردم شماری ۱۸۹۱ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیری پنڈتوں میں سینکڑوں گوتیں ہیں اور پھر ان گوتوں میں عرف عام یعنی **Nick Name** کی بدولت اور بھی بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان گوتوں میں جن سات گوتوں کو شاستر میں افضل مانا گیا ہے۔ ان میں ایک گوت پاردیوداسہ گار کے بھی ہے۔

یہ گوت ایک بہت بڑے رکھی پالا دیو کے نام سے موسوم ہے۔ جو پراچین کال ہی سے کشمیر میں آباد تھا۔ اس گوت کے جسم پر پہلے ''سوپوری پنڈت'' کے نام کا غلاف کب چڑھا اور پھر اس پر ''کوکرو'' کے لفظ نے غلاف در غلاف چڑھا کر اصل گوت پر کس طرح پردہ ڈال دیا اور آخر یہ خاندان کوکرو کے نام سے کس طرح مشہور ہو گیا۔ اس کی کچھ کیفیت ذیل کی سطور سے معلوم ہو سکے گی۔

کشمیر میں راجہ *اونتی درمن ایک مشہور راجہ گزرا ہے۔ اونتی پور جو آج ہنتی پورہ کہلاتا ہے۔ اس کا دارالحکومت تھا۔ اس کے زمانہ میں سویہ پنڈت ایک مشہور ماہر ریاضی اور نامور انجینئر تھا۔ سوپور جو کشمیر میں آبادی کے لحاظ سے تیسرے درجہ کا ایک بارونق شہر ہے۔ اسی سویہ پنڈت کا آباد کیا ہوا ہے۔ سویہ پنڈت نے سری نگر کے مشہور ریاضی دان اور علم انجینئری کے ماہر سرشت پنڈت کو سوپور میں طلب کیا اور اس کی قابلیت اور دانائی سے اپنے کام میں جو اجرائے انہار اور

* عہد حکومت از ۸۷۲ء تا لغایت ۹۰۰ء

تقسیم آب وغیرہ کے متعلق تھے۔ مدد لیتا رہا۔ سرشٹ پنڈت کی لیاقت اور اس کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ سویہ پنڈت کے معرفت رفتہ رفتہ راجہ تک بھی پہنچا۔ راجہ اونتی درین کے جو اپنے ملک کے نامور فرزندوں کی حوصلہ افزائی اور قدر دانی کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ سرشٹ پنڈت کو جنوبی کشمیر میں ککرناگ کا علاقہ جاگیر میں عطا کر دیا۔۔ سرشٹ پنڈت نے سویہ پنڈت کی تحریک اور ہم جلیسی کی وجہ سے اب سکونت بھی سوپور ہی میں اختیار کر لی تھی۔ اس لیے سری نگر والے اب اس کو سوپوری پنڈت کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ اور جب اس کو ککرناگ جاگیر میں ملا۔ تو کشمیر کے مشہور رواج کے مطابق اس کا عرف عام یعنی **Nick Name** کوکرو زباں زدعوام ہوگیا۔ چنانچہ صد ہالہ سال گزر جانے کے باوجود سرشٹ پنڈت کی اولاد آج بھی کوکرو کے نام ہی سے مشہور ہے۔ اور اب اس خاندان کے افراد کی سکونت بھی سوپور کی بجائے سری نگر میں ہے۔

افغان حکومت کے زمانے میں سرشت پنڈت کی ذریات سے نانہ پنڈت * ایک مشہور مدبر شخص گزرا ہے۔ یہ اپنی حسن لیاقت سے اس زمانہ میں دفتر دیوانی کا افسر رہا۔ نانہ کاک نہایت غریب پرور اور رحم دل رئیس تھا۔ وہ غریبوں اور حاجت مندوں کی ہر وقت دستگیری کرتا رہا۔ اس کا بیٹا پرکاش پنڈت نہ صرف غربا، پروری میں اپنے والد کا صحیح جانشین نکلا بلکہ ذہانت و قابلیت میں اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ثابت ہوا۔ وہ مختار الدولہ ناظم صوبہ کشمیر کا پیش کار تھا اور چونکہ اس زمانہ میں پونچھ اور راجوری اور دیگر ملحقات کشمیر پر بھی کشمیر کا سیاسی اقتدار قائم تھا اس لیے پرکاش پنڈت کی ہر جگہ عزت ووقعت ہوتی تھی۔

پرکاش پنڈت کی قابلیت۔ اس کے تدبر اور اس کی داد و دہش کا کچھ تذکرہ شجرہ نسب جملہ خاندان ہائے پنڈتان کشمیر میں بھی ہے جو مہاراجہ رنبیر سنگھ کے حکم سے پرکاش رام سنگھ مہتمم بندوبست نے وزیر پنوں ناظم کشمیر کے زمانے میں لکھا ہے اور جن کے نامور

---

* نانہ پنڈت خلف۔ کیشو پنڈت خلف اوچھ پنڈت خلف سرشت پنڈت۔

** معلوم ہوا ہے کہ اس کتاب کی نقل توشہ خانہ جنسی سرکاری میں موجود ہے اور اس کی دوسری نقل وزیر پنوں کے خاندان میں وزیر تیج رام صاحب کے پاس موجود ہے جو وزیر پنوں کے برادر زادہ ہیں۔

پرکاش پنڈت ککرو کو اس کی سرکاری اور پبلک خدمات سے خوش ہو کر کشمیر کے گورنر مختار الدولہ نے تحصیل بارہ مولا میں موضع اندرگام اور لولی پورہ اور تحصیل بڈگام میں موضع سونہ پٹے بطور جاگیر عطا کر رکھا تھا۔ یہ جاگیر سکھوں کے آخری زمانہ تک قائم رہی۔ جب کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ میں آیا تو جاگیر بند ہو گئی۔ اور تین سو روپے کی رقم اس خاندان کے نام بطور وراثت رہ گئی۔ جس میں سے ایک خفیف سی رقم اب تک اس خاندان کے افراد کو مل رہی ہے اور کاغذات سرکاری میں نسل در نسل اس کی واگزاری کا اندراج ہے۔ چنانچہ پرکاش پنڈت کے پڑپوتے پنڈت پرشاد رام ککرو سابقہ محرر مال اور پنڈت شام لال ککرو اسسٹنٹ گورنر کشمیر یہ رقم ہر سال وصول کرتے رہتے ہیں۔

پنڈت شام لال ککرو پنڈت رام چند ککرو کے فرزند ہیں۔ آپ ۱۹۰۴ء میں بہ مقام سری نگر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور انتہائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ بی اے آنرز کا امتحان اس تعریف و قابلیت کے ساتھ پاس کیا۔ کہ کالج میں سب سے اول رہے۔ اور تین طلائی تمغے حاصل کیے۔ مال جوڈیشل اور قانون غرض ہر شعبہ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ منجملہ دیگر وزراء کے راجہ سر ہری کشن کول، کرنیل ای جی ڈی کالون اور دیوان بہادر سر گوپال سوامی آئنگر جیسے پرائم منسٹروں کی خوشنودی مزاج حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں آپ دفتر پرائم منسٹر کے آفس سپرنٹنڈنٹ تھے۔ سر گوپال سوامی آئنگر نے ۱۹۳۸ء میں آپ کی احسن کارکردگی سے مسرور ہو کر آپ کو ریونیو افسر یعنی افسر مال مقرر فرمایا۔ اس تقریب پر قبلہ منشی غلام محمد صاحب خادم مرحوم نے بطور تبریک آپ کے لیے کئی تاریخی فقروں کے علاوہ چند اشعار بھی لکھے۔ شعر ذیل میں درج ہیں۔

ہو گئے جب نہال سر گوپال
بن گئے شام لال افسر مال
دوستوں کو ہوا ہے عیش و طرب

---

* ۱۹۴۲ء میں راجہ سر ہری کشن کول انتقال کر چکے ہیں۔

** پرکاش پنڈت کا فرزند گواشہ پنڈت اور اس کا فرزند راج سورج کول

دشمنوں کو ہوا ہے رنج و ملال
ظلمت شب بنے ضیائے صبح
جب سوامی جی ہوں کسی پہ نہال
تیرے خادم کی ہے دعا ہر دم
عمر طبعی تلک رہو خوش حال

۱۹۴۰ء میں آپ کی قابلیت نے آپ کو نیابت کشمیر کی اعلیٰ کرسی پر جگہ دی یعنی آپ کشمیر کے اسسٹنٹ گورنر مقرر ہو گئے۔ اس تقریب پر جو اشعار آپ کے لیے موزوں ہوئے انہی میں ذیل کا شعر بھی ہے:

مبارکیں تجھے صدہا اے شام لعل آج
چمک اٹھی ترے دم سے نیابت کشمیر

چونکہ افسر مال اور اسسٹنٹ گورنری کا درجہ ایک ہی ہے اور محکمہ مال میں آپ کی اشد ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ اس لیے ۱۹۴۲ء میں آپ پھر ریونیو افسری پر تشریف لے گئے۔

بٹ شیخ علاقہ حمل

بہاؤالدین نومسلم کی پانچویں پشت سے

- سلطان شیخ
  - احمد شیخ
    - صمد شیخ
      - غلام احمد
- رحمان شیخ
  - عثمان شیخ
    - اکبر شیخ
      - ولی شیخ
      - کریم شیخ
    - حاجی احد شیخ
      - عبدالستار شیخ
        - عبدالرشید
        - دو لڑکیاں
      - عبدالخالق
      - علی محمد
      - دو لڑکیاں
    - محمد شیخ لاولد

سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور مختلف تاریخوں کے حوالہ جات سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ قوم برہمن تھی اور سنسکرت زبان میں اس کا اصل لفظ بھٹ ہے جو بھٹارک کا مخفف ہے۔

بٹ یا بھٹ کشمیر کے پنڈتوں کا ایک کارکن فرقہ ہے۔ کارکن فرقہ کو ہندو عہد قدیم ہی سے ملکی معاملات میں بڑا رسوخ و اقتدار رہا ہے۔ اس فرقہ میں بڑے بڑے نامور وزیر اور جنگی افسر گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے زمانہ کے بعض راجگان کو اپنی جنگی شورشوں سے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ اسلامی حکومت کے زمانہ میں بھی بٹ فرقہ کے لوگوں نے اسلام قبول کر کے نہایت نمایاں کام کیے ہیں۔ جن میں ملک سیف الدین (ہندو نام سبہ بٹ) وزیر سلطان سکندر بت شکن اور تازی بٹ سپہ سالار سلطان حسن شاہ اور محمد بٹ وزیر یوسف شاہ چک بہت مشہور گزرے ہیں۔

قریباً اڑھائی تین سو سال کا عرصہ گزرا۔ انہی کارکن بٹوں میں سے سری نگر محلہ سک ڈافر کے ایک بٹ نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کا اسلامی نام بہاء الدین رکھا گیا۔ اس کی چوتھی پشت سے ایک بزرگ نے سری نگر سے نکل کر کمراز کے علاقہ حمل کے ایک گاؤں بہرام پور میں جو نالہ پہرو کے پار ہے۔ سکونت اختیار کر لی اس زمانہ میں کشمیر میں پٹھانوں کی حکومت تھی۔ اس کے دونوں فرزند ہوشیار اور نوجوان تھے۔ ان ایام میں زمین کی زیادہ قدر و قیمت بھی نہ تھی۔ کچھ انہوں نے اپنے قوت بازو سے اور کچھ خرید کر کافی اراضی حاصل کر لی۔ یہاں تک کہ سلطان شیخ جو اس کا فرزند اول تھا۔ نمبردار بن گیا اور رفتہ رفتہ اپنے علاقہ میں ان کا اثر اس قدر بڑھ گیا کہ اس کا پوتا صمد شیخ ولد احمد شیخ نمبردار رہنے کے علاوہ مہاراجہ پرتاب سنگھ کے زمانہ میں اپنے علاقہ کا ذیلدار بھی مقرر ہو گیا۔

لیکن یہ ذیلداری ہوا کا ایک جھونکا تھی کہ صمد شیخ کی وفات کے ساتھ ہی غائب ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس کا فرزند غلام احمد جو آج بہرام پور کا نمبردار ہے۔ باپ کی وفات کے وقت نابالغ تھا۔ انہی دنوں وتر گام کے ملہ رزاق (متر دیوان خاندان) کا اس علاقہ میں چرچا تھا۔ اور اس کی ہمشیرہ صمد شیخ مرحوم نمبردار (ذیلدار کے چچا عثمان شیخ کے عقد میں تھی اس رشتہ کی وجہ سے ملا رزاق کے فرزند خواجہ ملہ خضر ذیلداری میں کامیاب ہو گئے۔

عثمان شیخ کے فرزند ثانی حاجی احد شیخ کا نکاح خواجہ ملہ خضر کی ہمشیرہ سے ہے۔ حاجی

احد شیخ کے بڑے بھائی اکبر شیخ کا قریباً بیس سال ہوئے انتقال ہو چکا ہے۔ حاجی احد شیخ نے اپنے اخلاق اور اپنی دینداری اور اپنے تجارتی اور زراعتی کاروبار سے بہت ناموری حاصل کی۔ اس نے وتر گام اور بہرام پور اور چند دیہات میں قریباً پانچ سو کنال اراضی پیدا حاصل کر لی۔ تین ثمر دار باغات بھی احداث کرائے پنجاب بلکہ ہندوستان تک میں آمد و رفت کا سلسلہ تھا۔ تجارتی سلسلہ میں گلگت اور پامیر تک جاتے رہے۔ یہاں کا مال وہاں لے جاتے اور وہاں کا مال یہاں لاکر فروخت کرتے۔

آٹھ دس سال ہوئے حج کو گئے اور حج کے بعد مزار نبوی کی بھی زیارت کی۔ سیاحت کے شوق میں عرب سے ملک شام چلے گئے۔ واپس آکر کچھ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

آپ نے اپنی رہائش بہرام پور سے وتر گام میں منتقل کر لی تھی۔ آپ کے ذاتی مکانات بہرام پور کے علاوہ وتر گام میں بھی ہیں۔

آپ کا تیسرا فرزند تو ابھی زیر تعلیم ہے۔ لیکن پہلے دونوں فرزند جن میں فرزند ثانی عبدالخالق میٹرک پاس ہے۔ زمینداری بھی کرتے ہیں۔ تجارتی شغل بھی ہے۔ وتر گام میں ان کی دکان علاقہ حمل کی سب سے بڑی دکانوں میں ہے علاوہ ازیں جنگلات میں ٹھیکے بھی لیتے رہتے ہیں اور فروٹ مرچنٹ بھی ہیں۔ عبدالستار شیخ فرزند اول کی عمر اس وقت اٹھائیس سال اور عبدالخالق کی عمر تینتیس (۳۳) سال ہے۔ دونوں بھائیوں کا حلقہ احباب ان کے اخلاق اور ان کی ملنساری کی وجہ سے کافی وسیع ہے۔

خاندان پیرزادہ غلام حسن مخدومی

آپ کے دادا محمد بابا مخدومی بابا علی رینہ برادر سلطان العارفین حضرت مخدوم صاحب کی اولاد سے تھے اور راجہ شیر احمد خان والئی کرناہ کے ہاں بطور خاندانی استاد اور اتالیق مقرر تھے۔ آپ کا نکاح بھی علاقہ کرناہ ہی کے ایک معزز قاضی خاندان میں ہوا تھا جس سے آپ کی چار اولادیں ہوئیں اور اولاد ذکور میں پیر ولی اللہ مخدومی اور پیر محمد حسین مخدومی دولڑکے تھے۔

راجہ شیر احمد خان کا قیام موضع گرن میں رہتا تھا۔ جہاں آج بھی ان کے مکانات و

محلات کے کھنڈر نظر آرہے ہیں۔ محمد بابا مخدومی کا قیام بھی اس موضع میں تھا اور راجہ صاحب ان کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ جب راجہ صاحب کے تعلقات مہاراجہ گلاب سنگھ کے ساتھ اس حد تک کشیدہ ہو گئے کہ جنگ و جدل تک نوبت پہنچی اور وہ گرفتار ہو کر کشمیر کے علاقہ کولگام میں ایک معمولی جاگیردار بنا دیئے گئے۔ اور جب ان کے قبائل وغیرہ کو بھی گبرن سے موضع پاری پورہ میں منتقل ہونا پڑا۔ تو محمد بابا مخدومی بھی باری پورہ چلے گئے۔ اور راجہ صاحب ہی کے ہاں رہے۔ راجہ صاحب اپنی جاگیر کی آمدنی سے ان کی بسر اوقات کا انتظام کرتے رہے۔ راجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کے فرزند راجہ محمد فیروز الدین خان جو ہنوز زندہ ہیں۔ نابالغ رہ گئے اور خاندان کی حالت پر بُرا اثر پڑنے لگا۔ تو آپ نے موضع نونہ مے میں جو یاری پورہ کے متصل ہی سر راہ واقع ہے مستقل سکونت اختیار کر لی اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک درس و تدریس کے شغل میں مصروف رہے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے دونوں فرزند بالکل نوعمر تھے۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد ہی آپ کے فرزند ثانی محمد حسین مخدومی عین عالم شباب میں لاولد فوت ہو گئے۔

باپ اور بھائی کی وفات کے بعد پیر ولی اللہ مخدومی یہاں سے ہجرت کر کے تحصیل ہنڈواڑہ کے موضع اودی پورہ میں چلے آئے آپ بچپن ہی سے ذہین و ذکی اور حصول علم کے شوقین تھے۔ آپ نے اپنے ذاتی شوق سے کسی سکول میں باقاعدہ تعلیم نہ پانے کے باوجود عربی، فارسی بلکہ اردو میں بھی کافی مہارت پیدا کر لی۔ اچھے خاصے انشاء پرداز اور مضمون نگار تھے۔ اخبار پنجہ فولاد * کشمیری میگزین طریقت، انوار الصوفیہ اور لکھنؤ کے رسالہ دلگداز میں آپ کے مضامین طبع ہوا کرتے تھے۔ آپ اردو فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ شاکر تخلص تھا اور پنجاب یونیورسٹی سے عالم کا امتحان پاس تھے۔ علمی مذاق کے علاوہ آپ کو فن طب میں بھی کافی مہارت تھی اور آپ اپنے علاقہ لنگیٹ کے مشہور حکیم تھے۔ آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ درس تدریس میں گزارا۔ ۱۹ سال تک آپ لنگیٹ پرائمری سکول میں دوم مدرس کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

آپ کے دو فرزند ہیں۔ پیرزادہ غلام حسن مخدومی، محمد اسد اللہ مخدومی، اول الذکر نے ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور تھوڑی ہی عرصہ کے بعد تحصیل

---

* اخبار پنجہ فولاد جو ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔ کشمیری میگزین پہلے ماہوار رسالہ تھا۔ پھر ۱۲ء میں ہفتہ وار ہو گیا اور ۳۴ء تک جاری رہا۔ طریقت ماہوار رسالہ تھا۔ وہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک جاری رہا۔ یہ تینوں راقم ہی کی ملکیت اور ادارت میں تھے۔

ہندواڑہ کے ایک دور افتادہ جہالت زدہ علاقہ مادر (لنگیت) کے مقام قلم چکلہ میں ایک قومی و اسلامی سکول کی بنا رکھی۔ جو گزشتہ چودہ سال سے لوئر پرائمری کے ابتدائی درجہ سے ترقی کرتا ہوا اب آٹھویں جماعت یعنی مکمل مڈل کے درجہ پر پہنچ کر اسلامیان علاقہ مادر کی تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں تلاش کرنے سے قلم دوات کا ملنا بھی مشکل تھا اور آج اس سکول اور آپ کی ان تھک کوششوں کی بدولت اس علاقہ میں کوئی گھر ایسا نہیں جو قلم دوات یا کسی لکھے پڑھے سے خالی نظر آتا ہو۔ موضع کا نام قلم چکلہ یعنی قلم یا اہل قلم کا علاقہ اور ایک انسان بھی وہاں ایسا نہ تھا جو اہل قلم کہلا سکے۔ آپ نے وہاں سکول جاری کر کے صحیح معنوں میں اس موضع کو قلم چکلہ یعنی اہل قلم یا لکھے پڑھوں کا علاقہ بنا دیا ہے۔

آپ کے اسکول کا چودھواں سالانہ اجلاس یکم نومبر ۱۹۲۴ء کو بمقام قلم چکلہ ہوا۔ اس کے دو اجلاس ایک عظیم مجمع میں ہوئے۔ ایک اجلاس کے صدر شیخ محمد عبداللہ صدر نیشنل کانفرنس اور دوسرے اجلاس کے صدر خواجہ محمد مقبول صاحب پنڈت وزیر وزارت بارہ مولا تھے۔ راقم الحروف بھی اس جلسہ میں شامل تھا۔ شیخ صاحب اور خواجہ صاحب نے اپنی صدارتی تقریروں میں حاضرین کو حصول تعلیم تبدیلی لباس اور صحت و صفائی کی طرف شدت سے توجہ دلائی۔ سکول کے متعلق ریاست کے تعلیمی افسروں، دیگر حکام اور بعض معزز معائنہ کنندگان نے وقتاً فوقتاً نہایت ہی امید افزا آراء لکھی ہیں۔ ریاست کے ڈائریکٹر آف ایجوکیشن خواجہ غلام السیدین نے بھی سکول کے ملاحظہ و معائنہ کے بعد اپنی خوشنودی مزاج کا تحریری اظہار کیا ہے۔

پیر غلام حسن انجمن رہنمائے تعلیم قلم چکلہ کے پریذیڈنٹ، آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے سفیر کشمیر اور پنچایت قلم چکلہ کے سرپنچ ہیں۔ آپ فطرتاً خوددار اور آزاد خیال ہیں۔ آپ نے تحریک حریت کشمیر (۱۹۳۱ء) میں بھی نمایاں حصہ لیا ہے بلکہ ۱۹۳۱ء کے ایجی ٹیشن میں آپ کو چار سو روپیہ جرمانہ کے علاوہ چار سال قید کی سزا بھی ملی تھی جس میں سے ڈیڑھ سال قید بھگت چکنے کے بعد آپ کو رہا کر دیا گیا۔

آپ کے تعلیمی مشن کو کامیاب بنانے میں راجہ شیر علی مرحوم و راجہ غلام محمد خان مرحوم علاقہ داران راجپور دز چلڈارہ کے علاوہ پنڈت روگناتھ مٹو حال ڈویلپمنٹ سیکرٹری، خواجہ الہ بخش گنائی (لاہور) اور آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کے آنریری جنرل سیکرٹری، محسن القوم سید محسن شاہ بی اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ہائی کورٹ پنجاب نے ہمدردانہ حوصلہ افزائیوں سے کام لیا ہے۔ راقم

الحروف نے بھی جہاں تک اس سے ممکن ہو سکا ہے سکول کی ترقی وشہرت کے لیے دامے وقدمے مدد دی ہے۔ میرے برادر زادہ عزیز مسٹر عبدالحمید اسسٹنٹ انجینئر ریلوے سیتاپور (یو پی) خلف برادر مرحوم بابو رحیم بخش ڈار انسپکٹر آف ورکس ریلوے نے نقد امداد کے علاوہ مڈل سکول قلم چکلہ کے مڈل پاس مستحق دو لڑکوں کو میٹرک کی تعلیم کے لیے چار چار روپیہ ماہوار کے وظائف دو دو سال تک عطا کیے ہیں۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ مسعود الحق عمر پانچ سال مسعود الرحمان عمر ایک سال۔

خواجہ عبدالرحمان ڈار ناسنوری:

ان کی خدمات زیادہ تفصیل کے قابل ہیں۔ لیکن عام گنجائش کی وجہ سے مختصر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ تحصیل کولگام میں جاگیرداران اقوام ڈوگرہ زمینداران علاقہ سے شالی اور مکی وغیر اجناس بالکل برائے نام قیمت یعنی ۱۳ آنے فی خروار کے حساب سے لیا کرتے تھے۔ زمیندا علاقہ کی آپ نے نمائندگی کی اور جاگیر کمیٹی نے آپ کی کوشش سے آخر دو چند نرخ منظور کرلیا اسی طرح زمینداران کولگام سے کاہ چرائی، بہک ہاڈبل لی جاتی تھی۔ آپ کی سترہ سالہ جدوجہ سے آخر وہ بھی معاف ہوئی۔ غرض عوام الناس کی ہمدردی میں آپ نے کبھی اپنے ذاتی نقصانا کی پروا بھی نہیں کی بعض ظالم ومرتشی حکام کے خلاف علانیہ شکایات کر کے آپ نے خلق خدا کوا کے مظالم سے نجات دلائی ہے۔

نیپال کے کشمیری خاندان

1۔ سادات نقشبندیہ

- خواجہ محی الدین
  - خواجہ محمد شاہ (ان کی اولاد کشمیر میں آباد ہے)
    - پیر خواجہ حسن شاہ
      - خواجہ احمد اللہ
      - خواجہ محی الدین
    - خواجہ احمد شاہ
      - خواجہ نور الدین
  - خواجہ بہار شاہ
    - خواجہ احمد شاہ
      - حکیم خواجہ حسن شاہ
        - خواجہ معظم شاہ
      - خواجہ حیدر شاہ
        - خواجہ مکرم شاہ
      - خواجہ محمد شاہ
      - خواجہ حبیب ش
        - عرف گلاب شا
  - خواجہ محمد صدر الدین
  - خواجہ جلال شاہ

اس سے پہلے اس کتاب میں نیپال کے سادات نقشبندیہ کی اس شاخ کا ذکر تو ہو چکا ہے جو خواجہ سید محمد کے فرزند خواجہ سید حسین * شاہ کے ذریات سے ہے۔ اس کے علاوہ وہاں سادات نقشبندیہ کی وہ شاخ بھی ہے جس کے جد اعلیٰ خواجہ احمد نقشبندی تھے۔ جو خواجہ بازار سری نگر کے نامور رئیس خواجہ محمد اسحاق گانی کے خانہ داماد تھے۔ خواجہ احمد اللہ کی چوتھی پشت میں خواجہ سید محی الدین نقشبندی وبائے عام کے ایام میں خواجہ بازار، کو خیر باد کہہ کر موضع رپون میں جا کر آباد ہو گئے۔ یہی خواجہ سید محی الدین، رپون اور کریم ** آباد پلوامہ کشمیر کی شاخ نقشبندیہ اور نیپال کی شاخ نقشبندیہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ آپ کے فرزند کلاں خواجہ محمد شاہ رپون سے چل کر تحصیل پلوامہ کے موضع کریم آباد میں اقامت گزیں ہو گئے۔ چنانچہ آپ کی اولاد اب اسی ضلع میں آباد ہے۔ ان کے فرزند اکبر پیر خواجہ حسن شاہ نقشبندی بڑے نامور بزرگ تھے۔ وہ کئی سال تک

---

* حکیم خواجہ حسن شاہ خلف خواجہ احمد شاہ نقشبندی نیپال کو ان الفاظ سے کہ سید حسین شاہ حضرت خواجہ خاوند محمود کی چھٹی پشت سے تھے۔ تسلیم کرنے میں کلام ہے۔ بلکہ انہوں نے جو نام ان چھ پشتوں کے لکھے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ خواجہ محمد شاہ بن خواجہ جمال شاہ بن نظام شاہ بن افضل شاہ بن مظفر شاہ بن جلال شاہ۔ اگر خواجہ حسین شاہ بن خواجہ محمد شاہ خواجہ محمد شاہ سے جلال شاہ تک شمار کیا جائے تو آٹھ پشتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر خواجہ محمد شاہ سے حساب لگایا جائے۔ تو جلال شاہ تک چھ پشتیں ہوتی ہیں۔ پھر حضرت خواجہ خاوند محمود کا نام چھٹی پشت تک کس طرح پہنچتا ہے اور حضرت خواجہ خاوند محمود ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۰۵۰ھ میں بمقام لاہور وفات پا گئے اسی سال کی عمر میں ان کی تین پشتیں ان کے سامنے ہی موجود تھیں۔ اور ان کی وفات کو آج ۱۳۶۳ھ میں تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ پھر خواجہ حسین شاہ ان کی چھٹی پشت میں کس طرح ہو سکتے ہیں۔ حسین شاہ صاحب جو تقریباً ۴۵ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے جس کو آج زیادہ سے زیادہ ساٹھ سال ہوئے ہوں گے۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یوسف شاہ کے برادرزادہ سید غلام شاہ صاحب نقشبندی جو عظیم آباد پٹنہ کی خانقاہ فخریہ کے سجادہ نشین ہیں۔ قبل اس سجادگی اپنے آبائی شجرہ کے نامکمل ہونے پر افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے حکیم خواجہ حسن شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ سید غلام شاہ صاحب کا یہ بیان کہ مجھے سجادگی کے بعد صاحب مزار کے تبرکات وملفوظات سے ایک قلمی بیاض بنام گلزار محمودیہ ملی ہے۔ جس سے میں نے اپنے اجداد کے نام پا کر اپنے نامکمل شجرہ کو مکمل کر لیا ہے۔ ناقابل یقین ہے۔ کیا ان کا وہ نسب نامہ جو ان کے دادا حسین شاہ کے بھائی نے کشمیر سے غلام شاہ کے والد خواجہ حسن شاہ کو تصدیق کی مہریں ثبت کرا کے بھیجی تھا مشکوک وناقابل وثوق اور محتاج ترمیم تھا۔ آخر میں آپ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ سید غلام شاہ صاحب نے اپنے قلم کرامت رقم سے اس پیوند میں غیر مرئی رفو کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

** قدیم نام موضع مرن حاجی بابا کریم کی جاگیر میں ہونے کی وجہ سے اس موضوع کا نام کریم آباد مشہور ہو گیا۔

غار نشین رہے اور سخت مجاہدے کرتے رہے۔ ان کے حلقہ ارادت میں کئی مقتدر ہستیوں کے علاوہ مولانا محمد یوسف میر واعظ راجوریکدلی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ۱۳۵۷ھ آپ انتقال فرما گئے اور درگاہ* سید ہاشم کے احاطہ میں اپنے والد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ آپ نے حضرت احمد تارہ بلی سے فیض حاصل کیا تھا۔ اور اپنے طالبان کی بیعت طریقہ سہروردیہ میں لیا کرتے تھے۔

آپ کے والد خواجہ محمد شاہ کے تینوں بھائی یکے بعد دیگرے صغر سنی ہی میں نیپال آئے۔ اور پھر لوٹ کر کشمیر نہ جا سکے۔ نیپال کے متذکرہ صدر شاخ میں سے ۱۳۴۷ھ میں خواجہ بہادر شاہ کے فرزند خواجہ احمد شاہ محمد اسحاق ائرن کی معیت میں پہلی بار کشمیر آئے اور اپنے تایا زاد بھائی پیر خواجہ حسن شاہ نقشبندی سے اپنے وطن قدیم کریم آباد میں جا کر ملے۔ ان کے بعد ان کے فرزند کلاں حکیم خواجہ حسن شاہ نقشبندی جولائی ۱۹۴۲ء میں کشمیر آئے اور کریم آباد میں اپنے مرحوم چچا میر خواجہ حسن شاہ نقشبندی کے فرزندان اور دوسرے چچا خواجہ احمد شاہ کے فرزند خواجہ نور الدین سے ملے۔ جو اندرابی سیدہ خاتون کے بطن سے ہیں۔ سب بھائیوں بالخصوص خواجہ نور الدین نے اپنی شریف الطبعی سے ان کی بڑی خدمت کی۔

حکیم خواجہ حسن شاہ نقشبندی ۲۷ سالہ نوجوان ہیں جس طرح آپ کے والد کشمیر جاتے ہوئے راقم سے ملے تھے۔ آپ بھی کشمیر سے واپس آتے ہوئے مجھ سے ملے۔ سرکار نیپال نے آپ کو وظیفہ دے کر طبابت کی تعلیم دلائی۔ لکھنؤ کے وہاجیہ کالج میں آپ نے طب کی تکمیل کی۔ کالج کی تعلیم کے علاوہ آپ نے لکھنو کے مشہور اطبا حکیم خواجہ انعام الدین فرنگی محلی، حکیم جعفر محمد صدر الافاضل مولانا حکیم بشیر احمد اور حکیم محمد یحییٰ زندہ لکھنوی سے بھی علمی استفادہ حاصل کیا۔ آپ اپنی طبی قابلیت کے لحاظ سے اس وقت نیپال میں شاہی طبیب کے نام سے نامزد ہیں۔ خدا نے آپ کو وہ دست شفا عطا کیا ہے کہ دور دراز علاقوں سے مایوس مریض آپ کے مطب میں آ کر معمولی ادویات سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔ آپ ایک سرکاری یونانی شفاخانہ کے بانی بھی ہیں۔ جہاں غرباء کا علاج مفت ہوتا ہے۔ آپ کا ہشت سالہ فرزند اس وقت فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

---

* سید ہاشم سید فخر الدین (عہد سلطان سکندر بت شکن) کے مریدوں میں تھے۔ سال وفات ۸۹۶ھ

2. بدخشی سادات علوی

حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی علوی کی اولاد سے ایک بزرگ تاشقند سے ہجرت کر کے شہر بدخشاں میں آئے۔ان کا نام میرزا ملک محمد خان تھا۔اور میرزا غالباً ترکستانی خطاب تھا۔ بدخشاں میں دل نہ جما تو ہندوستان کا رخ کیا۔اس زمانہ میں ہندوستان میں شہنشاہ جلال الدین اکبر کا پرچم لہرا رہا تھا۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب (۹۹۸ھ میں) اکبر کشمیر کو فتح کر چکا تھا۔جیسا کہ تاریخ کبیر کشمیر (۲۳۲) میں لکھا ہے۔ ''در ہند آمدہ ملازم حضور شد وجہ مدتے دیوان صوبہ کشمیر بود۔'' ان کے فرزند میرزا عادل خان نے کشمیر ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چونکہ ان کے والد بدخشاں ہی سے آئے تھے۔اس لیے بدخشی یا بدخشانی ہی کے نام سے مشہور ہے۔شیخ میرزا اکمل دین کامل بیگ خان بدخشی جو کشمیر کے اولیائے کبار اور شعرائے نامدار میں تھے۔آپ ہی کے فرزند تھے۔سری نگر کا کاملی فرقہ جس میں اس وقت مولانا پیر شمس الدین حیرت کاملی خاص شہرت رکھتے ہیں۔اردات مندانہ حیثیت سے آپ کے نام سے موسوم ہے۔لمبی عمر پا کر میرزا اکمل الدین کامل بدخشی ۱۱۴۰ھ میں وفات پا گئے۔بحر العرفان آپ کی مشہور کتاب ہے جو اسی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

اسی خاندان سے سری نگر محلّہ ملارٹ میں ایک بزرگ خواجہ عزیز اللہ بدخشی رہتے تھے۔ جب وہ معہ اہل وعیال حج کو گئے تو وہیں مکہ معظّمہ میں ان کے ہاں دوسرا بیٹا ہوا جس کا نام خواجہ محمد نعیم الدین بدخشی تھا۔خواجہ نعیم اور ان کے برادر کلاں حافظ عظیم الدین بدخشی چوب قسط کی تجارت کیا کرتے تھے۔وہ کشمیر سے نکل کر پہلے لدھیانہ پھر لدھیانہ سے بمبئی پہنچے۔آخر قسمت انہیں نیپال لے گئی۔ جہاں حافظ عظیم الدین تو لاولد ہی انتقال کر گئے اور خواجہ نعیم کے ہاں (خواجہ اسد اللہ ازن کی صبیہ کے بطن سے) ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جو نیپال ہی میں خواجہ احمد شاہ نقشبندی کے عقد نکاح میں آ گئی۔

خواجہ عزیز اللہ بدخشی حکیم خواجہ سید حسن شاہ نقشبندی خلف خواجہ سید احمد شاہ نقشبندی کے پرنانا تھے۔خواجہ عزیز اللہ کے چوتھے فرزند خواجہ حسن شاہ بدخشی (عمر ساٹھ سال) ملارٹ سری نگر

3. انزنو *

آج سے قریباً سو سال (یا کم وبیش عرصہ) پیشتر کشمیر کے ایک بزرگ زمیندار خواجہ
اللہ انزنو نام نیپال آئے۔ ان کی اولاد بھی اب اسی نام سے مشہور ہے۔ ان کے پوتے خوا
اسحاق انزنو ** نیپال کے اہل خطہ مسلمانوں میں پہلے بزرگ ہیں جو اپنے آبائی وطن کی زیا
کے لیے ۱۳۴۷ھ میں پہلی اور آخری مرتبہ چند رفقاء کے ساتھ نیپال سے باہر نکلے۔ اور یہ دو
سفر لاہور میں راقم سے بھی ملے۔ ان کی ملاقات کا ذکر اس سے پہلے میں کر چکا ہوں۔ جہاں خ
محمد اسحاق کے نام سے یہ بھی درج ہے کہ میرے ایک ہمراہی متو نے زینہ کدل میں اور دوسر
ہمراہی گانی نے کریم آباد میں اپنے متعلقین سے ملاقاتیں کیں۔ اب ایک اطلاع کے مط
معلوم ہوا ہے کہ کوئی گانی خواجہ محمد اسحاق انزنو کے ہمراہ نہ تھا۔ اور نہ کوئی گانی کریم آباد میں
آباد تھا۔ نہ اب ہے۔ خواجہ ظہیر الدین متو نے اپنے کسی تعلق دار سے کشمیر میں ملاقات کی۔ ی
معلوم ہوا ہے کہ خواجہ محمد اسحاق کچھ زیادہ لکھے پڑھے نہ تھے۔ ان کے نام سے کشمیری مسلما
نیپال کے جو حالات پہلے درج ہو چکے ہیں۔ وہ دراصل کسی اور صاحب نے ان کے نام
ارسال کر دیئے تھے اور کہا جاتا ہے کہ عام حالات کے قطع نظر جو خاص حالات درج کرائے
تھے۔ ان میں کوئی ذاتی غرض بھی مضمر تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر کیف ان کے ہمراہیوں میں حسب ذیل نام بتائے جاتے ہیں۔ ان کے ن
نابالغ احمد سید، خواجہ احمد شاہ بن خواجہ بہا شاہ نقشبندی، خواجہ ظہیر الدین بن فیض اللہ متو، حاجی

---

* نیپال کی ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ انزنو ایک گاؤں ہے۔ جو بج بہارہ کے متصل ہے۔ اسی گاؤں کی نسبت خاندان انزنو کے نام سے مشہور ہے لیکن راقم کے پاس جو فہرست دیہہ دار صوبہ جموں و کشمیر ۱۹۲۱ء موجود ہے ا کشمیر کی تحصیلات خاص کولگام اور اننت ناگ میں کوئی گاؤں انترن یا انترٹو کے نام سے نہیں ہے' البتہ تار کشمیر (۲۴۷ صفحہ) میں ایک بزرگ شیخ انزنو کا نام آتا ہے۔ جن کے متعلق لکھا ہے کہ ''درشوق و ذوق مرد۔ ضمیر و صاحب حالات است'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیپال کے انزنو اور سری نگر کے شیخ انزنو کا تعلق خاندان سے ہے۔ لفظ انزنو یا انزواہ کے معنی گوشہ گیری اور تنہائی کے بتائے جاتے ہیں۔

** خواجہ محمد اسحاق کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ رشتہ میں حکیم خواجہ حسین شاہ نقشبندی کے ماموں ہوتے تھے۔

الدین پت میر (مرحوم) جن کے بزرگوں میں کوئی صاحب امرتسر سے نیپال میں آ کر آباد ہوئے تھے چونکہ جس نام کے پہلے میر لفظ آتا تھا اس سے سیادت مراد لی جاتی تھی اور جس نام کے بعد لفظ میر آتا تھا وہ غیر سید سمجھا جاتا تھا او چونکہ حاجی امین الدین جن کے دو فرزند جلال الدین و امیر الدین موجود ہیں۔ غیر سید میر تھے۔ اس لیے وہ پت میر کہلاتے تھے۔ پت کشمیری زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی بعد یا پیچھے کے ہیں غیر سید میر سے مراد میر مغل ہوتی ہے۔

ترک خاندان

کشمیر میں ترکوں کی آبادی چار پانچ ہزار سے کم نہیں ہے اور آبادی کا کثیر حصہ ضلع مظفر آباد میں ہے جو انگریزی علاقہ ضلع ہزارہ سے ملحق ہے۔ ضلع ہزارہ کی تحصیل ہری پور میں ترک قوم سرکار انگریزی کو ایک روپیہ میں قریباً چھ آنے مالیہ دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحصیل میں اس کی بہت بڑی آبادی ہے اور وہ کافی اراضی کے مالک ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق ضلع ہزارہ کے سابقہ بندوبست سے قبل یہاں ترکی پیٹی کے نام سے کئی گاؤں ترک قوم کی ملکیت میں تھے۔ اس ضلع کی تحصیلات مانسہرہ میں بھی قوم ترک کئی گاؤں کی مالک ہے اور معقول تعداد میں آباد ہیں۔ مصنف حیات افغانی صفحہ ۲۷۱، ۲۷۲ پر لکھتے ہیں کہ ترکی قوم کے پندرہ ہزار گھر افغانوں میں آباد ہیں۔ دو ثلث سے کچھ زیادہ مستقل سکونت رکھتے ہیں۔ باقی کمی اراضی کے باعث گلہ بانی وغیرہ کرتے ہیں ان کا اصل علاقہ مقر علی خیل اور خدوزئی ہے۔ یہ موسم خزاں میں قندھار کی طرف چلے جاتے ہیں اور موسم بہار میں واپس اپنے مقر آ جاتے ہیں۔ ان میں بعض بڑے بڑے خوانین ہیں۔ جو ملک کہلاتے ہیں۔ صاحب مصنف حیات افغانی نے افغانستان کے اور بھی کئی ترک قبیلوں کا ذکر کیا ہے جن کو بوجہ طوالت ترک کیا جاتا ہے کہیں وہ ان کو افغان بتاتا ہے اور کہیں ترکی النسل قرار دیتا ہے۔

ضلع ہزارہ اور تحصیلات مانسہرہ وہری پور وایبٹ آباد ہی کو ڈھنتور اوٗ پکھلی کا علاقہ کہتے تھے۔ پکھلی کا علاقہ تو سرکار پکھلی کے نام سے مشہور تھا۔

ترک ان تحصیلوں میں بھی آباد ہیں اور یہیں سے وہ مظفر آباد کے علاقہ میں جو آج ریاست کشمیر سے ملحق ہے گئے ہیں۔

ترکوں کا تعلق کشمیر سے گوتم بدھ سے بھی پہلے چلا آتا ہے۔ جب تین ترکی شہزادوں نے ۴۱ برس تک کشمیر میں آ کر حکومت کی ہے۔ ان کے بعد ۱۳۵۲ بکرمی ۱۳۹۸ اور ۱۴۰۱ بکرمی کے درمیان کشمیر پر تین ترکوں نے حملے کیے ہیں۔ جن میں ذوالجو عرف ذوالقدر خان کا حملہ نہایت تباہ کن تھا۔ یہ سب ترک افغانستان اور پکھلی کے رستے ہی کشمیر آئے ہیں۔ ممکن ہے ان کی ذریات بھی افغانستان پکھلی، دھتمورہ اور کشمیر میں موجود ہوں لیکن مزید تحقیقات اور بعد کے مصنفوں نے امیر تیمور کے حملہ ہند ۸۰۱ھ کے ساتھ پکھلی کی ترک قوم کا تعلق ثابت کیا ہے اور سب سے زیادہ جہانگیر خلف شہنشاہ اکبر نے اپنی توزک میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ ۱۰۲۸ھ کے سفر کشمیر کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ ''موضع مال کلی میں جو پکھلی میں واقع ہے۔ سلطان حسین میرزا زمیندار پکھلی زمین بوس ہوا۔ میں اس کی استدعا پر اس کے مکان پر گیا۔ اس لیے کہ میرے والد ماجد بھی وہاں گئے تھے۔ سلطان حسین ستر برس کا جوان ہمت بوڑھا ہے۔ پھر اس کی ذات کے متعلق وہ لکھتا ہے۔ ''جب صاحب قرآن امیر تیمور فتح ہندوستان کے بعد واپس روانہ ہوئے تو انہوں نے ایک طائفہ (جماعت) کو جوان کے ہمراہ تھا۔ یہ ملک عنایت کر دیا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری ذات قارلوغ ہے لیکن یہ لوگ اب نہیں جانتے کہ ان کے بزرگ کون تھے اور ان کا کیا نام تھا۔ بالفعل وہ لاہوری محض ہیں اور انہی کی زبان بولتے ہیں۔ دھمتور کے لوگ بھی اسی قبیلے سے ہیں۔''

اس پر منشی حشمت اللہ خان لکھنوی اپنی تاریخ جموں میں لکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دھمور د پکھلی کے حکمران ایک ہی طائفہ سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی ذات قارلوغ بتاتے ہیں۔ گو اس کی اصلیت نہیں جانتے۔''

جہانگیر نے ۱۰۲۸ھ میں لکھا ہے کہ وہ اپنی ذات قارلوغ بتاتے ہیں لیکن راقم نے سری نگر کشمیر کے مزار کلاں روضہ شیخ بہاء الدین گنج بخش میں ایک قبر کے تعویذ پر ذیل کی عبارت عربی رسم الخط میں کندہ دیکھی ہے۔ یہ قبر اب تک موجود ہے۔

''ہیبت خاں قرلغ نواسہ سلطان زین العابدین''* بڈشاہ یعنی زین العابدین کے عہد کے مورخ پنڈت شریور بٹ نے بھی اپنی تاریخ (بزبان سنسکرت) میں لکھا ہے کہ ہیبت خاں بادشاہ کی لڑکی کے بطن سے تھا۔ اس زمانہ میں پکھلی کا سلطان علاء الدین تھا اور ہیبت خان اس کا فرزند سلطان زین العابدین کا داماد تھا۔ اور ذات اس کی قرلغ تھی۔ جسے قارلوغ اور انگریزی

* پیدائش ۸۰۵ھ وفات ۸۷۴ھ عمر ۶۹ سال حکومت پچاس سال

مورخ کارلوکس بھی لکھتے ہیں۔ یہ لوگ حملہ ہند کے وقت امیر تیمور کے ساتھ تھے۔ امیر نے مراجعت کے وقت ان کو پکھلی کا علاقہ دے کر ان میں کسی ذی اقتدار کو سلطان بنا دیا تھا۔ قرلغ قوم آٹھویں صدی عیسوی میں ماورالنہر کی سرحد پر دریائے جیحوں کے بالائی حصے میں حکمران تھی اور ترکوں کی ایک مقتدر شاخ تھی۔

تاریخ اعظمی کا مصنف ۱۱۴۸ھ میں لکھتا ہے کہ شاہ عالم بہادر شاہ خلف عالمگیر کا زمانہ تھا اور عنایت اللہ خان ۱۱۲۴ھ میں نظامت کشمیر پر ممتاز تھا۔ کہ محمد مظفر نے جو سلاطین پکھلی کے متوسلین میں تھا۔ حکومت پکھلی کے زوال سے فائدہ اٹھا کر اس کے شمالی حصے پر (جو آج ضلع مظفر آباد کہلاتا ہے) قبضہ کرلیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مظفر آباد کی بنا سلطان محمد مظفر نے گیارہویں صدی ہجری کے اخیر میں ڈالی ہے۔ جہانگیر کے زمانہ میں اگر مظفر آباد، آباد ہوتا تو جہانگیر اس کا ضرور ذکر کرتا بلکہ شاہجہان اور عالمگیر کے عہد تک بھی اس کا وجود نہ تھا۔

سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ کے زمانہ کو جہانگیر کا زمانہ تک قریباً دوسو سال گزر چکے تھے۔ شہزادہ ہیبت خان کی قبر پر اس کے نام کے ساتھ قرلغ کا جو لفظ ہے۔ وہ جہانگیر کے الفاظ کی تصدیق کرتا ہے اور قرلغ قوم جو کہ امیر تیمور کے ساتھ ہی ترکستان سے آئی تھی اور اسی کی قوم کی ایک شاخ تھی اور یہ بھی تحقیق ہے کہ ضلع مظفر آباد میں جو ترک قوم آباد ہے۔ اس کا اصل پکھلی کا علاقہ ہی ہے۔ اس لیے کشمیر کی وزارت پہاڑ یعنی ضلع مظفر آباد کی ترک قوم کی اصل ذات قرلغ ہے۔ جو کسی زمانہ میں ترکستان اور ماورالنہر کے علاوہ پکھلی میں بھی حکمران رہی ہے۔ لیکن اب اس قوم کا کیا حال ہے:

وہی ہم تھے کہ ڈنکہ تھا ہمارا سارے عالم میں
وہی ہم ہیں کہ پھرتے ہیں نحیف و ناتواں ہو کر

بہر حال اب اس قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اپنی پستی و پسماندگی کا احساس ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ وہ زمانہ کی نبض شناسی سے کام لے کر اپنی قوم کو حصول علم، اتفاق واتحاد اور اخوت اسلامیہ کی طرف توجہ دلاتے رہیں گے۔ اب یہاں تحصیل اوڑی ضلع مظفر آباد اور تحصیل بارہ مولا کے چند ترک گھرانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

خاندان ترک ہل پتھری واوڑی

اس شاخ کا سلسلہ راجہ عبدالبشیر خان بن راجہ چوہڑ خان بن راجہ مراد بخش خان سے ملتا ہے جن کا نام سلطان عبداللہ خان خاتم السلاطین پکھلی کی ساتویں پشت میں لیا جاتا ہے۔

عبدالبشیر خان خدادوست بزرگ تھے۔ وہ قریباً بیس سال تک موضع کوٹ کامی تحصیل مظفر آباد میں اقامت گزیں رہے۔ یہ ۱۹۲۰ بکرمی کا ذکر ہے۔ جب کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی حکومت تھی۔ جو زمین ان کے قبضہ میں تھی۔ اس کا نام اب بھی ترکوں والی پٹی مشہور ہے۔

چونکہ ان کی برادری سے کوٹ کومی میں صرف انہی کا ایک گھر تھا اس لیے موضع ہل پتھری والوں نے جہاں ان کی برادری کی دو گھر تھے ان کو کوٹ کومی کی اقامت ترک کرنے پر زور دیا اور وہ مجبور ہو کر ہل پتھری میں آ گئے۔

ایام بندوبست میں کوٹ کومی کے جاگیردار نے ان کو کہلا بھیجا کہ آپ کی زمین موجود ہے۔ آپ آئیں اور اس کو آباد کریں۔ لیکن آپ نے اب ہل پتھری ہی کو وطن بنا کر یہاں بھی کافی زمین آباد کر لی۔ آپ کو خدا نے چار فرزند حسب ذیل عطا کیے تھے۔ فرزند کلاں بہادر خان، فرزند دوم فتح محمد خان، فرزند سوم احمد خان، فرزند چہارم عنایت اللہ خان اب ان کے ہر ایک فرزند اور فرزند کی اولاد ذکور کا تھوڑا تھوڑا حال لکھا جاتا ہے۔ (بہادر خان فرزند اول) یہ صاحب حیات ہیں ۔عمر پچاسی سال کے قریب ہے۔ زمینداری کے علاوہ تجارت کا شغل بھی رکھتے تھے۔ بلکہ اس قوم کے دیگر افراد اور بعض اور زمینداروں نے بھی زمینداری کے علاوہ تجارتی مشاغل سے بہت کچھ مفاد حاصل کیا ہے۔ آپ بھی اپنے والد مرحوم کی طرح فقیر دوست اور فقیر نواز اور حق پرست ہیں۔ آپ کے حسب ذیل پانچ فرزند ہیں۔ محمد خان، علی خان، خان زمان خان، محمد یعقوب خان، محمد ایوب خان، فرزند اول محمد خان کی عمر قریباً پچپن سال ہے۔ تجارت بھی کرتے ہیں۔ ان کا اکلوتا فرزند دوست محمد خان بہ عمر تیس سال موجود ہے۔ اس کو بھی خداوند کریم نے عبدالقیوم نام فرزند دے رکھا ہے۔ فرزند دوم علی خان۔ یہ بزرگ اپنے خاندان کے حقیقی معنوں میں روشن چراغ ہیں۔ ان کی عمر پچاس سال کے قریب ہے۔ تجارتی کام کے علاوہ جنگلات کے محکمہ پٹیلزیشن میں

ٹھیکہ داری کا شغل بھی ہے۔ موجودہ جنگ میں آپ نے رنگروٹنگ امداد کافی دی ہے اور دے رہے ہیں۔ اوڑی ٹاؤن ایریا کے ممبر بھی ہیں۔ اور سرکار کے علاوہ پبلک میں بھی احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ہل پتھری کے علاوہ خاص اوڑی میں بھی آپ کے سکونتی مکانات موجود ہیں۔ آپ کے تین فرزند حسب ذیل ہیں۔ محمد اشرف زیرِ تعلیم، محمد یونس، محمد اشرف و محمد یونس ابھی خورد سال ہیں۔ فرزند سوم خان زمان خان عمر قریباً ۳۳ سال، ٹھیکہ داری کرتے ہیں اور بہت اچھے منشی ہیں۔ ان کو ان کے چچا بطور خانہ داماد موضع مانکرا ضلع ہزارہ میں لے گئے ہیں جہاں ترکوں کی کافی بستی ہے۔ ان کے دو فرزند خورد سال محمد اجمل و خالد محمود ہیں۔ فرزند چہارم محمد یعقوب خان، عمر قریباً بائیس سال ہے۔ ایف اے تک تعلیم ہے ریاست کے محکمہ تعلیم میں ملازم ہیں اور موضع چھڈگران تحصیل مظفر آباد کے پرائمری مدرسہ میں ہیڈ ماسٹر ہیں۔ اپنے تمام خاندان میں آپ ہی نے انگریزی تعلیم ایف اے تک حاصل کی ہے۔ اب پرائیویٹ طور پر منشی فاضل کے امتحان کی بھی تیاری کر رہے ہیں۔ نہایت ہونہار نوجوان ہیں۔ تاریخی ذوق سے ان کا دل و دماغ لبریز ہے۔ نہ صرف اپنی قوم بلکہ کشمیر کی دیگر اقوام کے حالات سے بھی پوری پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ ذہن رسا ہے۔ حافظہ اچھا پایا ہے۔ اخلاق نہایت وسیع ہیں اور یہ باور کرنے کی معقول وجوہ موجود ہیں کہ اگر ان کی قوم نے ان کی قومی خدمات اور حکومت نے ان کی علمی و ادبی قابلیت کی قدر کی تو آئندہ چل کر یہ قوم اور ملک کے لیے مایہ ناز ثابت ہوں گے۔ ان کے برادر بزرگ راجہ محمد زمان خان مانکرا کو بھی تاریخ ذوق سے بہرہ وافر ملا ہے۔ فرزند پنجم محمد ایوب خان، نہایت وجیہہ اور ہونہار لڑکا ہے۔ عمر ۱۷ سال ہے اور ابھی زیرِ تعلیم ہے۔

عبدالبشیر خان کے فرزند دوم فتح محمد خان، افسوس ہے عین عالم شباب میں آپ ۱۹۰۶ء-۱۹۰۷ء میں وفات پا گئے۔ آپ کا ایک ہی فرزند سکندر خان ہے جس کی عمر اس وقت ۳۴-۳۵ سال ہے۔ سکندر خان بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح زراعت کے علاوہ تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ موضع ہل پتھری میں رہتے ہیں۔ شاہ زمان خان آپ کا اکلوتا فرزند زیرِ تعلیم ہے۔

عبدالبشیر خان کے فرزند سوم احمد خان۔ آپ ہل پتھری سے موضع مانکرا ضلع ہزارہ میں نقل مکانی کر گئے۔ ضلع کے اعلیٰ ٹھیکیداروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ وہاں بہت بڑی جائیداد کے مالک ہیں۔ اپنے بھتیجے خان زمان خان کو اپنی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے خانہ داماد بنا کر مانکرا

میں لے آئے۔ بعدازاں خدا نے آپ کو اپنا فرزند بھی عطا کیا۔ جس کا نام عبدالحمید خان ہے اور جو زیرِ تعلیم ہے۔ آپ موسم بہار میں اکثر کشمیر بھی جایا کرتے ہیں۔

عبدالبشیر خان کے فرزند چہارم عنایت اللہ خان لاولد ہیں۔ اپنے بھائی کے ساتھ موضع مانکرا ہی میں سکونت پذیر ہیں۔ موضع ہل پتھری میں بھی صاحب اراضی ہیں۔ راولپنڈی میں ٹھیکہ جات بھٹہ کا کام کیا کرتے ہیں۔

اس شاخ کے افراد ہل پتھری اور قصبہ اوڑی کے علاوہ مواضعات گبروالاں و مانکرا ضلع ہزارہ اور خاص سری نگر میں بھی آباد ہیں۔ سری نگر کشمیر میں اس خاندان کا ایک نوجوان محمد خواص خان قریباً پچیس تیس سال سے کاٹھی دروازہ میں رہتا ہے۔ تعلیم اچھی پائی ہے۔ اس وقت فوج میں ملازم ہے اور عراق میں ہے۔

ہل پتھری کے چند اور ترک قبیلے

(۱) امیر علی خان یہاں ایک خوشحال زمیندار ترک تھا۔ اس کا فرزند حسین خان بقید حیات ہے اور وسیع اراضی کا مالک ہے۔ امیر علی خان کا چھوٹا بھائی مدد خان بہ عمر ۷۰ سال ابھی تک زندہ ہے لیکن لاولد ہے۔

(۲) کالا خان ترک محکمہ جنگلات میں ملازم تھا۔ اب فوت ہو چکا ہے اس کا ایک فرزند حبیب خان جنگلات یوٹلیزیشن میں ملازم ہے اور دوسرا فرزند میر احمد خان دکان داری کرتا ہے۔

(۳) فقیر محمد خان ڈاک بنگلہ اوڑی میں خانساماں ہے اور بہت اچھی بسر اوقات کر رہا ہے اس کے تین فرزند ہیں۔

(۴) ایک گھر احمد علی خان ترک کا بھی ہے۔ جو فقیر محمد خان ترک کا بڑا بھائی تھا۔ اس کے اب دولڑکے موجود ہیں۔ ایک عبدالحمید خان دوسرے عنایت اللہ خان۔

(۵) ایک گھر یہاں جاگیر یاری پورہ تحصیل کولگام سے آیا ہے۔ اس کے سرکردہ بزرگ کا نام حکیم مدد خان ہے۔ جو طبابت کے فن سے بھی خوف واقف ہیں۔ آپ کے دو فرزند

ابھی موضع نون مئی میں ہی رہتے ہیں۔ جو جاگیر یاری پورہ میں واقع ہے۔

اولاد صوفی خاں ترک ہل پتھری

قریباً چالیس سال کا ذکر ہے کہ صوفی خان ترک تحصیل اوڑی کی موضع ہل پتھری میں آ کر مسکن گزین ہوا تھا۔ یہ شخص اپنے وقت میں بہت اچھی پوزیشن کا مالک تھا اور انتظامی قابلیت اور رسوخ واقتدار کے لحاظ سے جاگیر کٹھائی کا وزیر سمجھا جاتا تھا۔ اس کے تین فرزند تھے۔ فرزند اول عطا محمد خان جس کا پوہ ۱۹۹۸ بکرمی میں انتقال ہوا ہے۔ اس کا فرزند کلاں سلطان صاحب کٹھائی کے ہاں ملازم ہے۔ دوسرے فرزند کا نام رحمت اللہ خان ہے۔

صوفی خان کے فرزند دوم کا نام فتح محمد خان تھا۔ آج سے تین سال قبل وہ وفات پا چکے ہیں۔ حکمت و طبابت میں انہیں اچھا تجربہ تھا۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ اول نواب خان جو زمینداری کے علاوہ تجارتی کاروبار بھی کرتا ہے۔ دوم شیر احمد خان، جو زمینداری اور تجارت کے علاوہ ٹھیکہ داری بھی کرتے ہیں اور اچھے پیمانہ کے تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔ عمر آپ کی قریباً چونتیس سال ہے۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ ایک عبدالعزیز خان جو زیر تعلیم ہے۔ دوسرے کا نام عبدالرحمان ہے جو ابھی خورد سال ہے۔

صوفی خان کے فرزند سوم کا نام شاہنوار خان ہے۔ وہ زمینداری کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔ سب بھائی اتفاق کی برکات سے آگاہ ہیں اس لیے اکٹھے ہی رہتے ہیں۔

زبردست خاں ترک قصبہ اوڑی

مدسر علی خاں ترک تحصیل کرناہ میں ایک بہت بڑی زمینداری کا مالک تھا۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے ہاں اس کی خاص عزت تھی۔ اس کی کوشش سے علاقہ درادہ میں ترکوں کو کار بیگار معاف ہوئی تھی۔ اس کا بھائی شیر جنگ خان بزمانہ مہاراجہ رنبیر سنگھ مہم لداخ میں ایک عہدہ دار کی حیثیت سے شامل رہا تھا چونکہ جنگ سے واپس آ کر وہ لاولد انتقال کر گیا۔ اس لیے اس کی خدمات کا صلہ بھی مدسر علی خاں کو ہی ملا۔

اس کے پانچ چھ لڑکے تھے جو اس کی زندگی ہی میں یکے بعد دیگر فوت ہو گئے۔ صرف دو پوتے رہ گئے۔ جن میں اب صرف زبردست خاں ہی زندہ ہے۔ چونکہ اس علاقہ میں اس کی برادری کا اور کوئی گھر نہ تھا اس لیے بہت سی زمینداری کے باوجود وہ ترک وطن کر کے اوڑی خاص میں آ گیا۔ جہاں ہل پتھری والے ترکوں سے اس کی رشتہ داری کے تعلقات بھی تھے۔ مدسر علی خاں نے یہیں آ کر انتقال بھی کیا۔ اب اس کا پوتا زبردست خاں اوڑی میں اچھی حیثیت رکھتا ہے اور ابھی تک اس کی سینکڑوں کنال جدی اراضی علاقہ درادہ تحصیل کرناہ کے موضع لیلم میں موجود ہے۔ اب اس نے اوڑی ہی میں رہائشی مکان تعمیر کرایا ہے اور زمینداری کے علاوہ تجارت بھی کرتا ہے۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ نے مدسر علی خاں پر جو مراعات کا سلسلہ جاری رکھا تھا اس کی سندات زبردست خاں کے پاس موجود ہیں۔ اسی خاندان کی ایک شاخ مانکرا ضلع ہزارہ میں رہتی ہے جس کے بانی اور بزرگ مدسر علی خاں کے چچازاد بھائی حکیم سلطان محمود تھے۔ جو بچپن ہی میں درواہ سے دہلی چلے گئے۔ اس زمانہ میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کا مطب بڑے زور پر تھا۔ آپ پڑھے لکھے تو تھے ہی ان کے مطب میں چلے گئے اور ان کے سرچشمہ فیض سے مستفیض ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ حکیم صاحب نے ان کو اپنے دواخانہ کے اہلکاروں میں ملازم رکھ لیا۔ رفتہ رفتہ آپ کو طبابت میں جب اچھی مہارت ہو گئی تو ضلع ہزارہ میں آ کر خوانین علاقہ کے معالج رہے اور ہری پور کے نامی حکیموں میں شمار ہونے لگے۔ موضع مانکرا میں جہاں ترکوں کے اور بھی کئی گھر تھے۔ کافی جائیداد پیدا کر لی۔ چند سال ہوئے۔ اس خاندان کا یہ نامور شخص انتقال کر چکا ہے۔ ان کی یادگار صرف ان کا ایک ہی فرزند عبدالعزیز خاں ہے جو اس وقت برٹش آرمی میں صوبیدار ہے۔

ترکان موضع لڑی ڈورہ تحصیل بارہ مولا

اس موضع میں ترکوں کی آبادی پانچ سو نفوس سے کچھ زیادہ ہی ہے۔ گاؤں کے نمبرداری اور چوکیداری سب اسی قوم کے سپرد ہے۔ اور زمانہ دراز سے یہی دستور چلا آتا ہے۔ دوست محمد خاں یہاں کا ایک مشہور متمول نمبردار تھا۔ اس کے بزرگ اپنی برادری کے لوگوں کو یہاں لائے اور

انہی لوگوں کے آنے سے اس گاؤں کی رونق اور آبادی بڑھی۔

شمس الدین خان کی نمبرداری اسی قوم کے ایک اور فرد راجولی خان کو ملی۔ جو اس وقت بھی موجود ہے۔ راجولی خان کے تین بھائی اور بھی ہیں۔ جو تجارت اور زمینداری کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ اس برادری میں یوں تو یار محمد خاں بھی قابل ذکر ہیں۔ لیکن جو عزت اور شہرت راجولی خان کے بڑے لڑکے غلام حسین خاں ترک نے حاصل کی ہے۔ یہ اس کی ذاتی ملنساری اس کے تجارتی شوق اور اس کی قومی ہمدردیوں کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ غلام حسین خان ریذیڈنسی سری نگر کشمیر کی بیکری شاپ کا مالک ہے۔ اس کی اور بھی دو چار دکانیں ہیں۔ اچھا تعلیم یافتہ بھی ہے۔ قومی اصلاح اور برادری کے سدھار کا اس کو بڑا خیال ہے۔ اس کی عین تمنا ہے کہ کشمیر کے ترک جو صدیوں کی بودوباش کی وجہ سے اپنے قومی خصائص وفضائل ترک کر چکے ہیں۔ پھر ایک دفعہ اپنا کھویا ہوا عروج حاصل کر سکیں۔

لڑی ڈورہ ایک اچھا گاؤں ہے۔ یہاں پانچ سو نفر سے زیادہ آبادی ترک قوم کی ہے۔

تحصیل اوڑی کے دیگر مواضعات کے ترک

موضع لمبہ

اس گاؤں میں عمر علی خان نام ایک اچھا ترک زمیندار تھا۔ اس کے اب دو لڑکے موجود ہیں۔ ایک شاہنواز خاں، دوسرا عطا محمد خان، شاہنواز خاں کے دو بیٹے ہیں۔ ایک شیر احمد خان، دوسرا سمندر خان، عطا محمد خاں کا صرف ایک ہی فرزند ہے۔ جس کا نام متولی خاں ہے۔ یہاں اس قوم کے صرف دس نفر ہیں لیکن ان کی زمینداری بھی اچھی ہے اور تجارتی کاروبار بھی کرتے ہیں۔

موضع پرگل:

اس گاؤں میں اس برادری کے کل پندرہ نفر ہیں۔ ان میں سید محمد خاں ایک اچھا تاجر ہے اور متمول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کسی قومی کام کے لیے کچھ ضرورت آپڑے۔ تو اس ضرورت کو مصیبت نہیں بلکہ مصیبت کا پہاڑ سمجھتا ہے۔ اور جس طرح اس سے بن پڑتا ہے۔ قومی اور اسلامی مصیبت سے اپنا پیچھا چھڑا لیتا ہے۔ اس کا ایک فرزند سمندر خاں نام ہے۔

سید محمد خاں کے دوسرے بھائی کا نام احمد خان ہے۔ وہ حسب استطاعت قومی و اسلامی کاموں سے دریغ اور گریز نہیں کرتا۔ اس کے دو فرزند ہیں۔ فقیر محمد خان اور ولی محمد خان۔ یہ بھی زمینداری و تجارت میں منہمک رہتے ہیں۔ تیسرا گھر اس موضع میں غلام حیدر خان ترک کا ہے۔ جس کا ذریعہ معاش زراعت پر ہے۔

موضع دھنی عباس:

اوڑی سے پانچ میل کے فاصلے پر یہ موضع آباد ہے۔ یہاں ترک قوم کے پچیس نفر آباد ہیں۔ یہ بالکل غیر آباد علاقہ تھا۔ عباس خاں ترک ہی نے اس علاقہ کو زراعت کے قابل بنا کر آباد کیا۔ اور اسی کے نام پر بندوبست ۱۹۸۱ بکرمی میں اس کا نام دھنی عباس لکھا گیا۔ اس شخص نے بڑی محنت اور کوشش کے بعد اس بنجر کو آباد کیا ہے۔ اسی محنت کی وجہ سے آج اس علاقہ میں اس کا نام زندہ ہے۔ اس کے دو فرزند ہیں۔ ان میں بھی باپ کے اوصاف موجود ہیں۔ بڑے فرزند کا نام فیروز خان ہے۔

موضع سلطان ڈھکی:

اس گاؤں میں ترک قوم سے ایک عالم شخص مولوی نادر علی گزرا ہے۔ جو عباس خان کا قریبی رشتہ دار تھا۔ اس کے حسب ذیل چھ لڑکے ہیں۔ (۱) امر اللہ خان جو دھنی عباس کا نمبردار بھی ہے (۲) فجر علی خان (۳) صفدر علی خان (۴) عمر علی خان (۵) فیروز خان (۶) حبیب اللہ خان۔ یہ سب بھائی نہایت شریف طبیعت اور عملاً زمیندار ہیں۔ یعنی اپنے ہاتھ سے ہل چلاتے اور محنت کرتے ہیں۔ یہاں ترکوں کی آبادی پچاس نفر کے قریب ہے۔

موضع گہل:

اس موضع میں ترکوں کی صرف دس نفر کی آبادی ہے۔ فیروز خان ترک ہل پتھری والوں کا رشتہ دار تھا۔ وہیں سے آکر اس موضع میں آباد ہو گیا۔ وہ فوت ہو گیا ہے اور اب اس کا فرزند ملتھ خان موجود ہے جو کافی اراضی کا مالک ہے۔

موضع چکہہ بامہ:

یہاں قریباً پندرہ ترک آباد ہیں۔ ان میں مولوی عبداللہ خان ایک اچھا دیندار عالم ہے۔ آپ پہلے سرکاری سکول میں ٹیچر تھے۔ اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آپ کا فرزند ماسٹر محمد زمان

خان بھی ریاست کے محکمہ تعلیم میں مدرس ہے۔

مظفرآباد اور تحصیل مظفرآباد کے ترک قبیلے

خاص مظفرآباد:

شہر مظفرآباد میں جو کشمیر کی وزارت پہاڑ کا صدر مقام ہے۔ ترکوں کے صرف دو ہی گھر ہیں۔ ایک گھر منشی عزیز الرحمان کا ہے جنہوں نے گرداور قانونگوئی سے پنشن حاصل کی ہے۔ آپ اچھے ادیب اور اہل علم ہیں۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ بڑا لڑکا محمد قاسم محکمہ کسٹم میں محالدار ہے۔ دوسرا عبدالقیوم جو برٹش آرمی میں حوالدار ہے۔ تیسرا احمد حسین جو ابھی زیرِ تعلیم ہے۔ یہ گھرانہ بھی ترک قوم کی زینت وعزت کا باعث ہے۔ دوسرا گھر یہاں بہرام خاں ترک مرحوم کا ہے۔ جس کا فرزند علی گوہر خاں ایک ایجنسی کا ایجنٹ ہے۔

قصبہ گڑھی:

یہاں ترک قوم کے صرف تین ہی گھر آباد ہیں۔ فقر خان ایک سن رسیدہ ترک ہے۔ جس نے تانگہ اور ٹیکسی کا کاروبار جاری کر رکھا ہے۔ اس کے سات تانگے اور ایک ٹیکسی ہے۔ اس کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ محمد عالم خاں، محمد شریف خاں، رحمت اللہ خان، سائیں خان۔ یہ چاروں بھائی اپنے والد کی طرح نہایت خلیق ہیں۔ ایک گھر یہاں محمد اکبر خان ترک کا بھی ہے۔ گڑھی میں ترکوں کی کل آبادی بیس افراد پر مشتمل ہے۔

موضع شوائی وغیرہ:

موضع شوائی میں سب ترک ہی آباد ہیں۔ یہاں کا نمبردار بھی ترک ہی ہے۔ جس کا نام محمد اکبر خان ہے جس کی عمر اس وقت ۶۵ سال کے قریب ہے۔ چند گھر موضع چھانجل اور چند گھر موضع سنواریاں میں بھی ترک قوم کے ہیں۔ ان ہر سہ دیہات میں قریباً چھ سو ترک آباد ہیں۔

موضع کیسریاں:

اس موضع میں قریباً چالیس افراد اس قوم کے آباد ہیں۔ سب سے زیادہ عمر رسیدہ ترک محمد خاں ہے۔ جس کی عمر اس وقت پچاسی سال کی ہے۔ نہایت نیک خصلت بزرگ ہے۔ اس کے دو فرزند ہیں۔ سرفراز خان و گلزار خان ایک اور شخص محمد یعقوب خاں نام یہاں قابل ذکر ہے جو مدسر علی خان لیلم والے کا رشتہ دار ہے۔ یعقوب خاں ایک علم دوست آدمی ہے۔

موضع وینسر

اس موضع میں عطا محمد خاں نام ایک ترک بہت مشہور گزرا ہے۔ جس کی کچھ اراضی ہندواڑہ کی تحصیل میں بھی ہے اس کے تین لڑکوں میں اب صرف برزد خان زندہ ہے۔ اس کے بڑے فرزند کا نام جہاں داد خان تھا۔ جس کا لڑکا علی گوہر موجود ہے۔ عطا محمد خان کے منجھلے فرزند نام روز الدین خاں تھا۔ جس نے چند ہی ماہ ہوئے انتقال کیا تھا۔ وہ ایک نہایت سر کردہ شخص تھا اس کے دو فرزند علی حیدر اور علی اکبر موجود ہیں اور زیر تعلیم ہیں۔ یہ موضع بھی تحصیل کرناہ کے علاقہ درادہ میں واقع ہے۔

موضع غائی پورہ:

یہ تمام گاؤں ترکوں کی آبادی پر مشتمل ہیں۔ ان کی تعداد پانچ سونفری سے کم نہ ہوگی حسین خان ترک اس گاؤں کا نمبردار ہے۔ اور اپنی قوم کا سرکردہ ممبر ہے۔ قلندر خان ترک بھی قوم میں خاص وقعت رکھتا ہے۔ ایک اور ترک نورالدین خان یہاں اچھی عزت رکھتا تھا وہ محکمہ جنگلات میں ملازم تھا۔ یہاں کے اکثر ترک مہاراجہ کی فوجوں میں ملازم رہے ہیں۔ اسی لیے ان کو فوجدار ترک بھی کہتے ہیں۔ یہاں کے اکثر ترکوں کے پاس اپنی کارکردگی کی سندات بھی ہیں غائی پورہ کے نزدیک ایک گاؤں بھل دھار ہے۔ وہاں بھی ترکوں کی کافی آبادی ہے۔

خاندان پتلو

پتلو لفظ کی وجہ تسمیہ کے ساتھ ہی امرتسر کے اس نامور کشمیری خاندان کا کچھ مختصر سا ذکر اس کتاب میں پہلے ہو چکا ہے۔ اب جو مزید حالات معلوم ہوئے ہیں۔ ان کا کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ خاندان بہت پرانا ہے اور علم وفضل کا سرچشمہ رہا ہے۔ تجارت اس خاندان کا امتیازی پیشہ تھا۔ اور وہ اب تک برابر چلا آتا ہے۔ تاریخ میں سب سے پہلے بعہد عالمگیری ہمیں ملا عبدالشکور پتلو * کا نام ملتا ہے۔ جن کے متعلق تاریخ خواجہ اعظمی (سنہ تالیف ۱۱۴۸ھ) کا مصنف لکھتا ہے۔ شہر (سری نگر) کے نامور تاجروں میں تھے۔ کمالات علمیہ کے مالک وقائق وحقائق علوم میں ماہر اور اصلاح وتقویٰ میں آراستہ تھے۔ حضرت خواجہ حیدر چرخی اور دیگر فضلاء کے فیض یافتہ تھے۔ تاریخ کبیر کشمیر (سن تالیف ۱۳۲۰ھ) کا مصنف لکھتا ہے۔ "تاجر نامدار ایں دیار بود تمامی عمر را تدریس علم دینی و در ریاضیات وعبادات داردا و مصروف ساخت۔" غرض نامی گرامی تاجر ہونے کے علاوہ صاحب درس تھے۔ اور لوگ ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہوا کرتے تھے۔ عالمگیر کے آخری عہد حکومت میں ۱۱۱۲ھ میں پیر (دوشنبہ) کے دن انتقال فرما گئے۔

ایک مرتبہ عالمگیر نے علمائے کشمیر کے لیے ایک کثیر رقم صوبیدار کے پاس بھیجی۔ عالم دین ہونے کی حیثیت سے صوبیدار نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ چونکہ خود امیر اور مستغنی المزاج تھے بلکہ اپنے پاس سے مستحقین کی مدد کیا کرتے تھے۔ آپ نے روپیہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا کچھ ذکر تاریخ خواجہ اعظمی میں بھی (صفحہ ۱۹۳) پر درج ہے۔ صاحب منصف جو اس زمانہ میں موجود تھے لکھتے ہیں۔ "در تقسیم زرے کہ از پادشاہ عالمگیر برائے علمائے کشمیر رسید بہمت نہ کار بردہ اصلا قبول نہ فرمود۔" ملا اشرف نے جو آپ کے استادزادہ تھے۔ آپ کے انتقال پر عربی اشعار میں ایک دردناک مرثیہ لکھا۔

شیخ قائم الدین پتلو جو کشمیر کے ولی کامل میرزا اکمل الدین کامل بیگ بدخشی سادات

---

* تحصیل دانتی پورہ میں پتلو باغ کے نام سے ایک موضع بھی آباد ہے۔

علوی کے مرید بلکہ خلیفہ تھے۔ ملا عبداللہ شکور کے نبیرہ تھے۔ بقول مصنف تاریخ کبیر کشمیر (صفحہ ۴۲۱) ''پس از وفات پیر بزرگوار بر مسند خلافت قائم مقام شد و راہ رہبری خلق اللہ اقدام فرمود۔'' شریعت و طریقت اور علم و عمل میں اس درجہ بلند مرتبہ تھے کہ صیبۂ جناب میرزا'' در عقد ایشاں بود۔'' سید غلام شاہ آزاد گیلانی خانیاری * سے آپ نے حرز ایمانی کے وظیفہ کی اجازت حاصل کی ہوئی تھی۔ ۱۳ ماہ رمضان ۱۱۹۰ھ کو آپ وفات پا گئے۔

انہی کی ذریات سے دو حقیقی بھائی شیخ عبدالوہاب و شیخ خلیل شاہ نام افغان حکومت کے زمانہ میں کشمیر سے نکل کر امرتسر آئے۔ یہاں آ کر انہوں نے اپنا امتیازی و آبائی کام پشمینہ کی تجارت کا شروع کیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس تجارت کو یہاں تک فروغ دیا کہ پنجاب و ہند کی وسیع حدود سے گزر کر فرانس و انگلستان تک اس تجارت کا چرچا ہو گیا۔ شیخ عبدالوہاب پہلے ہندوستانی تھے جنہوں نے براہ راست فرانس کے ساتھ پشمینہ کی تجارت کا سلسلہ قائم کیا اور سب سے پہلے یہی ہندوستانی تھے جنہوں نے ایران سے براہ راست پشم منگوانے کا انتظام کیا اور یہی پشم ان کے نام کی مناسبت سے وہاب شاہی پشم مشہور ہوئی۔

خدا نے غریب الوطنی کی حالت میں بھی اپنے کاروبار کی بدولت کافی دولت دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی فراخ دل اور عالی حوصلہ بھی تھے۔ اس لیے بہت خدا ترس اور فیاض بزرگ تھے۔ مسلمانوں سے دلی ہمدردی رکھتے تھے اور مسلمانان امرتسر آپ کو اپنا سر کردہ تصور کرتے تھے۔

یہ مخیرّ وجود ۱۲۷۶ھ میں وفات پا گیا۔ اس زمانہ کے مشہور نامور شاعر مولانا ابو محمد حسن شعری کاشمیری نے ذیل کا قطعہ تاریخ اُن کی وفات کے متعلق لکھا ہے:

نماند شیخ و از تو ماند ایں فسانہ بدہر
کہ خلق و ہمت و لطف و عطا و تمکیں داشت
بہ نیکنامئے بود و بہ نیک نامی رفت
خدا بہ بخشد او راکہ خورد و بردو گزاشت
ازاں بلوچ مزارش بہ خورد وبرد وبُرد
بیاد گاریئے تاریخ کلک فکر نگاشت

* بڑے پایہ کے شاعر اور عالم تھے۔ پیدائش ۱۱۴۶ھ وفات ۱۲۰۳ھ

خدا نے آپ کو اولاد نرینہ میں دو فرزند عطا کر رکھے تھے۔ اول (خان بہادر) شیخ غلام حسن، دوم (خان بہادر) شیخ غلام صادق، فرزند اول امرتسر کی مشہور اسلامی جماعت انجمن اسلامیہ کے بانیوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نو برس تک اس کے پریذیڈنٹ رہے۔ امرتسر میونسپلٹی کے وائس پریذیڈنٹ بھی چند سال رہے۔ خدا نے آنریری مجسٹریٹی کا اعزاز بھی عطا کیا۔ گورنمنٹ سے خان بہادر کا خطاب بھی ملا۔ حکومت اور پبلک کی نظروں میں کامل اعتماد رکھتے تھے۔ سرسید علیہ الرحمۃ کی تعلیمی سرگرمیوں میں ان کے دست راست تھے۔

۱۸۶۹ء و ۱۸۷۰ء میں جرمنی و فرانس کی جنگ نے شال پشمینہ کی تجارت پر بہت برا اثر ڈالا۔ آپ کو نقصان عظیم بھی اٹھانا پڑا۔ لیکن آپ نے دامن ہمت واستقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے اور آپ کے برادر عزیز شیخ غلام صادق نے ۱۸۵۸ء میں پنجاب میں کارخانہ قالین بانی کی بنیاد رکھ کر ایک نیا کام شروع کر دیا۔

اکبر ۱۵۸۴ء سے ۱۵۸۰ء تک لاہور میں رہا۔ یہیں سے اس نے کشمیر پر حملہ کیا۔ اس طویل عرصہ میں اس نے عمارات و باغات سے لاہور کو بڑی رونق دی۔ شالبافی و پشمینہ کا کام بھی جاری کیا اور بقول ابوالفضل ''از توجہ شہنشاہی در لاہور از ہزار کارخانہ زیادہ شد۔'' کشمیر کے یہ صنعت پنجاب کے اس صدر مقام میں عالمگیری اور بہادر شاہ اول کے زمانہ تک کچھ نہ کچھ قائم تھی۔ لیکن زوال حکومت مغلیہ کے ساتھ ہی یہ صنعت بھی پنجاب سے جاتی رہی۔

پونے تین سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ کے بعد آج سے ۶۵ سال پیشتر ان دونوں بھائیوں نے اس صنعت کو پنجاب کے شہر امرتسر میں اپنا کارخانہ جاری کر کے از سر نو زندہ کیا۔

خان بہادر شیخ غلام حسن جن کے مفید مشوروں سے مسلمانوں کے اکثر پیچیدہ معاملات سلجھتے رہے۔ چھپن سال کی عمر میں ۱۸۹۸ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ آپ کے برادر عزیز خان بہادر شیخ غلام صادق ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ جن ایام میں جنگ جرمنی و فرانس کی وجہ سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آپ کی تجارت پشمینہ کو نقصان عظیم پہنچا تھا۔ آپ بعہد راجہ موتی سنگھ پونچھ (کشمیر) میں راجہ صاحب کے مصاحب اعلیٰ رہے۔ جیسا کہ مولانا ابومحمد حسن شعری اپنے کلیات مراۃ * خیال کے صفحہ ۴۴۹ کے حاشیہ میں شیخ عبدالوہاب پتلورئیس اعظم امرتسر کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''فرزندانش شیخ غلام حسن

---

* مطبوعہ مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۳۰۴ھ

آنریری مجسٹریٹ و شیخ غلام صادق صاحب راجہ صاحب پونچھ بہ قید حیات اند۔''

آزاد طبع، آزاد خیال اور خود دار تھے۔ اور ملازمتوں کی مصلحت اندیشیوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس لیے مصاحبت بلکہ عدالتی اعزاز ترک کر کے امرتسر آ گئے اور انہی ایام میں دونوں بھائیوں نے کارخانہ قالین بانی کی بنیاد رکھی۔ بھائی کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی کارخانہ کو وسیع پیمانہ پر چلایا۔ چونکہ تجارت اور تعلیم کے فوائد سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو ہمیشہ تجارت اور تعلیم کا شوق دلاتے رہے۔ تجارت پر ایک پمفلٹ بھی شائع کیا۔ اور آل انڈیا مسلم کشمیر کانفرنس کی خطبہ صدارت میں بھی تجارت کے فوائد پر ہی ایک جامع خطبہ پڑھا۔

آپ مسلمانوں کے حقوق کی ہمیشہ نگہبانی کرتے تھے اور تعلیم کو فروغ دینے میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ آپ انجمن اسلامیہ کے پریذیڈنٹ تھے اور آپ ہی کے زمانہ صدارت میں آپ کی ہمدردانہ و مخلصانہ توجہ سے ایم اے او ہائی سکول کی شاندار عمارت تیار ہوئی۔ آپ کی تعلیمی فیاضیوں کا حلقہ اثر امرتسر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ انجمن حمایت اسلام لاہور، ندوۃ العلما اور علی گڑھ کالج کے علاوہ مسلم کشمیری کانفرنس اور راقم کے اخبار کشمیری لاہور کی بھی آپ مالی امداد فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں اکثر یتامیٰ اور بیوگان آپ کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔

آپ کی صدارت کشمیری کانفرنس سے قبل کانفرنس نے کشمیر اور پنجاب کے نادار مستحق قومی طلبا کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی تھی۔ آپ نے صدر ہوتے ہی اپنے ایک معقول تعلیمی عطیہ سے وظائف فنڈ جاری کیا۔ جو آپ تک جاری ہے اور جس کی بدولت اس وقت تک بیسیوں نوجوان لڑکے اعلیٰ تعلیم پا کر معقول تنخواہیں لے رہے ہیں۔

آپ نے اپنے بڑے بھائی کی یادگار میں ایک ہال کمرہ امرتسر میں تعمیر کرایا۔ جو ''شیخ غلام حسن ہال'' کے نام سے انجمن اسلامیہ امرتسر کی ملکیت میں ہے۔ آپ نے اپنی وسیع جائیداد کو وقف علی الاولاد کر رکھا ہے۔ اور آپ کی ہدایت کے مطابق اس وقف سے پانچ سو روپے سالانہ انجمن اسلامیہ امرتسر کو مل رہا ہے۔

یہ مخیرّ اور نیک دل ہستی بہ عمر ۶۸ سال ۱۹۲۱ء میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئی۔ تین فرزند اور تین دختر آپ سے یادگار ہیں۔ جو خدا کے فضل و کرم سے بقید حیات ہیں۔

فرزند اول شیخ صادق حسن:

آپ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم امرتسر میں پائی بی اے لاہور گورنمنٹ کالج سے پاس کیا۔ ۱۹۱۳ء میں ولایت سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے آئے۔ آپ کے والد محترم نے آپ کو بیرسٹری کی اجازت نہیں دی بلکہ کارخانہ قالین بافی میں شامل کر کے تجارتی کاروبار میں لگا دیا۔ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء میں جب ترکوں کی خلافت پر زد پہنچی تو پر جوش مسلمانان ہند نے خلافت کمیٹی قائم کی۔ جس کی شاخیں تمام ہندوستان میں پھیل گئیں۔ امرتسر میں جو خلافت کمیٹی بنی۔ اس کے بانیوں میں سے آپ بھی تھے۔ آپ ان ایام میں قومی و اسلامی معاملات میں پیش پیش رہے ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں جب آپ کے والد کی وفات کی وجہ سے تمام ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کی ذات پر آ پڑا تو آپ کو کارخانہ اور جائیداد وقف علی الاولاد کا پریذیڈنٹ ہونے کی وجہ سے بہت سا وقت اپنے کاروبار کے لیے نکالنا پڑا۔

۱۹۲۳ء و ۱۹۳۰ء میں دو مرتبہ آپ انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر مقرر ہوئے۔ اب ۱۹۳۹ء سے پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر ہیں اور ۱۹۲۷ء سے انجمن اسلامیہ امرتسر کے مسلسل پریذیڈنٹ چلے آ رہے ہیں۔ آپ کے زمانہ صدارت سے قبل انجمن اسلامیہ کے ماتحت ایک ہائی سکول ایک مڈل سکول اور پانچ پرائمری زنانہ سکول تھے۔ ان کی صدارت کے پندرہ سالہ زمانہ میں اب انجمن کے ماتحت ایک ڈگری کالج تین مردانہ ہائی سکول ایک زنانہ ہائی سکول اور چار پرائمری زنانہ مدارس ہیں۔

امرتسر میں تنظیم یتیم خانہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر قائم ہے۔ آپ اس کے بانیوں میں سے ہیں اور سات آٹھ سال سے اس کے صدر چلے آ رہے ہیں۔ پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے وائس پریذیڈنٹ اور مسلم لیگ امرتسر کے چیئرمین ہیں۔ پنجاب پوسٹل یونین کانفرنس، آل انڈیا مسلم کشمیری کانفرنس اور مسلم کشمیری زراعتی بورڈ کے جلسوں میں آپ نے صدر کی حیثیت سے جو خطبات پڑھے تھے۔ ان میں دلیرانہ طور پر آپ نے ان اداروں کے مطالبات و حقوق پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

آپ نے سابقہ تجارتی کاروبار کے علاوہ سودیشی وولن ملز کے نام سے بھی ایک کارخانہ جاری کر رکھا ہے۔ جس میں ان کے سب خاندانی افراد شامل ہیں اور آپ اس کے چیئرمین ہیں۔ امرتسر کے علاوہ سوجان پور اور بٹالہ وغیرہ مقامات میں بھی آپ کے کارخانہ قالین بافی کئے قائم

تھے لیکن جنگ عظیم یورپ کی وجہ سے جو ستمبر ۱۹۳۹ء سے اب تک جاری ہے عارضی طور پر بند ہیں۔

آپ کی پالیسی ہمیشہ سے مرنج و مرنجاں چلی آتی ہے۔ مسلمانوں کے تعلیمی معاملات اور ان کی اصلاح و فلاح کا ہمدردانہ انہماک آپ کا آبائی ورثہ ہے۔ ہمسایہ اقوام سے آپ کے تعلقات ہندو مسلم اتحاد کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔

فرزند دوم شیخ محمد صادق:

آپ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے بھی امرتسر ہی میں حاصل کی۔ پھر اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ۱۹۱۳ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے واپس آکر پریکٹس شروع کر دی۔ ۱۹۲۴ء سے اب تک کہ بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے آپ مسلسل میونسپل کمشنر چلے آرہے ہیں۔ بلکہ میونسپلٹی کے وائس پریذیڈنٹ بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۷ تک آپ پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے اور ایوان اسمبلی میں آپ کی دھواں دھار تقریروں اور آپ کے پر جوش الفاظ کی گونج جو سماں باندھتی رہی ہے۔ اس کی یاد ہنوز ایک کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔

فرزند سوم شیخ احمد صادق:

آپ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے کارخانہ قالین بافی اور سودیشی وولن ملز کے ڈائریکٹر ہیں۔ اپنے والد مرحوم کی طرح تجارتی رموز و نکات کے ماہر ہیں۔ آپ اپنے مشترکہ کاروبار کے علاوہ اپنی ایک ذاتی اسلامی آڑہت کی دکان کے بانی بھی ہیں جو بہت بڑے پیمانہ پر آڑہت کر رہی ہے۔ آپ امرتسر میونسپلٹی کے ممبر ہیں۔ ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ میں میونسپلٹی کے صدر بھی رہے ہیں۔ آپ امرتسر کے آنریری مجسٹریٹ بھی ہیں اور اپنی صلح کل پالیسی میں اپنی خاندانی روایات کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

کارکنان اخبار اصلاح

مولوی عبدالواحد مدیر اعلیٰ ''اصلاح'' سری نگر۔ اصل سکونت میانوالی راعیاں ضلع جالندھر۔ سال پیدائش ۱۹۰۳ء والد کا نام منشی احمد بخش۔ پیدا ہونے کے پانچ روز تک جب تک کہ

آپ کی والدہ نے غسل صحت نہیں کیا، آپ نے دودھ نہیں پیا۔ایک پنڈت جوتشی نے جو آپ کے والد کے دوست تھے۔زائچہ نکال کر بتایا کہ اس لڑکے کی پیدائش کے اوقات حضرت بابا نانک کی پیدائش کے اوقات سے ملتے ہیں۔ یہ عوام کی بہتری کے لیے لمبے لمبے سفر کرے گا۔آپ کے والد ان دنوں ضلع گوجرانوالہ میں محکمہ نہر میں ملازم تھے۔آپ کی ابتدائی تعلیم خانقاہ ڈوگراں میں ہوئی۔ چونکہ آپ کے والد احمدی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے بعد میں آپ نے قادیاں میں تعلیم حاصل کی۔آپ کچھ عرصہ مدرسہ احمدیہ قادیاں اور بعد میں دہلی میں ٹیچر بھی رہے۔ پھر سہارن پور میں ڈسٹرکٹ سکاؤٹ ماسٹر (ڈپٹی کیمپ ڈائریکٹر سکاؤٹنگ) مقرر ہوئے۔اپریل ۱۹۳۶ء میں میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیاں نے آپ کو ایڈیٹر اصلاح مقرر کیا۔جس وقت آپ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔اخبار اصلاح کچھ عرصہ کے بعد بند ہو چکا تھا۔آپ کی محنت اور تگ و دو سے یہ اخبار ترقی کر کے کشمیر میں خاص حیثیت حاصل کر گیا۔آپ نے ریاست کشمیر کے مختلف حصوں اور دشوار ترین علاقوں کے پاپیادہ دورے کیے ہیں یہاں تک کہ لداخ جیسے دور دراز علاقہ تک بھی پہنچے ہیں اور اس طرح جوتشی کی پیشگوئی پوری کی ہے جو اس نے آپ کی پیدائش کے وقت کی تھی۔آپ کو ریاست کے اخبار نویسوں میں ایک خاص حیثیت حاصل ہے۔آپ مسلسل اڑھائی سال کشمیر جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے پریذیڈنٹ رہے ہیں۔

مولوی عبدالغفار ڈار:

مدیر اصلاح کے حالات ان کے خاندانی حالات پچھلے صفحات پر درج ہیں۔

مسٹر محمد امین قریشی:

منیجر اخبار اصلاح۔سکونت سری نگر کشمیر۔آپ اپنے ابتدائی ایام میں جماعت احمدیہ لاہور پارٹی کے مبلغ خواجہ کمال الدین لاہور کے ساتھ برما، جاوا، سماٹرا اور انگلستان میں رہے ہیں۔آپ نے یورپ اور ایشیا کے بعض اور ممالک کا بطور خود سفر بھی کیا ہے۔خواجہ صاحب کے کام سے علیحدہ ہو کر آپ کچھ عرصہ تجارت کرتے رہے۔علیحدگی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ نے ووکنگ مشن کے متعلق بعض سربستہ انکشافات اخبار الفضل قادیاں میں شائع کرا دیئے تھے۔آپ کا تعلق اب قادیانی جماعت سے ہے۔۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر میں آپ نے اپنا متعلقہ کام نہایت خاموشی سے کیا ہے۔اسی لیے پبلک آپ سے اس وقت زیادہ روشناس نہیں ہو سکی۔۱۹۳۳ء میں آپ نے اخبار کشمیر جدید میں جو راقم کی ادارت میں سری نگر سے شائع ہوتا تھا۔ کچھ عرصہ کام کیا

ہے۔۱۹۳۴ء میں میرزا بشیر الدین احمد محمود صاحب نے آپ کو اخبار اصلاح کا منیجر مقرر کیا۔اس وقت سے آپ اپنے عہدہ کے فرائض پوری تندہی سے بجالا رہے ہیں۔

ایم عبدالرحمان جامی:

کاتب اصلاح۔آپ شوپیاں کے قریب کے رہنے والے ہیں۔قادیاں میں رہ کر کتابت سیکھی۔کچھ عرصہ لاہور اور حیدر آباد دکن میں رہے۔آخر وطن کی محبت کشمیر کھینچ لائی اور سری نگر میں آکر کام کرنے لگے۔۱۹۳۴ء سے یہ اخبار اصلاح کے مستقل کاتب چلے آرہے ہیں۔اصلاح کے ایڈیٹر نے آپ کے نام کی مناسبت سے آپ کو جامی کا خطاب دیا ہوا ہے۔اصلاح میں مزاحیہ کالم آپ ہی کے نام سے جام جم کے زیر عنوان شائع ہوا کرتا ہے۔

محی الدین مددگار رکن اصلاح:

آپ مچھ بون کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں۔آپ پہلے تجارت کرتے تھے مگر نقصان ہو جانے کے باعث یہ کام انہیں چھوڑنا پڑا۔اب ۱۹۳۷ء دفتر اصلاح میں کام کر رہے ہیں۔

اخبار اصلاح:

یہ اخبار ۱۹۳۴ء میں کشمیر ریلیف فنڈ قادیاں کی طرف سے جاری کیا گیا۔کشمیر ریلیف فنڈ کا صیغہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ کے زیر نگرانی کام کرتا ہے۔یہ اخبار مسلم حلقوں میں خاص طور پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور پڑھا جاتا ہے۔اس میں بعض عمدہ علمی سلسلہ ہائے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔اس کی اشاعت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔یہ اخبار اب گورنمنٹ آف انڈیا لسٹ پر بھی ہے۔کشمیر کے اخبارات میں اس وقت صرف یہی ایک اخبار اس لسٹ پر ہے۔۔مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے نہایت دلیری سے اس میں آواز اٹھائی جاتی ہے۔اسی وجہ سے یہ آئینگر حکومت کے زمانہ میں کئی بار عتاب کا شکار بھی ہوا ہے۔

خاندان کنٹ

میر محمد حسن کابلی الاصل

میر محمد صادق — میر محمد عارف — میر محمد جعفر کنٹ — ملا نور اللہ — دختر — منکوحہ میر محمد مقیم

میر محمد حسین — میر محمد شفیع — میر محمد رفیع — میر عباد اللہ — میر عبد اللہ
- میر حبیب اللہ
  - میر غلام محمد مرحوم — محمد صدیق، علی شاہ
  - میر غلام احمد مرحوم — سعد الدین، غلام رسول
- میر احد اللہ — غلام محی الدین، عزیز اللہ (حبیب اللہ)، امیر الدین

میر محمد یوسف
- میر محمد مقیم
  - میر احمد اللہ — میر یوسف — میر محمد مقیم — میر فقیر اللہ
    - میر جعفر — میر محمد خان — میر رحمت اللہ
    - میر حسین — میر فاضل — میر سیف الدین
  - میر عالم
- میر سکندر

میر عنایت اللہ — میر شکور اللہ — میر نعمت اللہ
- میر محمد حسین — میر فاضل
- میر عنایت اللہ ہمت

جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے اور کشمیر کی قدیم تاریخوں اور صوفیا و شعرائے کشمیر کے تذکروں میں بھی مذکور ہے۔ کشمیر کا کنٹ خاندان ایک نامور قدیمی خاندان ہے۔ کشمیر میں اس خاندان کا مورث اعلیٰ محمد حسین کابلی گزرا ہے۔ اس کے نام کے ساتھ خواجہ اور میر کے الفاظ بھی ہیں۔ پھر اس کی اولاد میں جو بزرگ اہل علم اور اہل تصوف گزرے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ شیخ بابا اور ملا کے الفاظ بھی ہیں۔ یہ سب الفاظ اس خاندان کی بزرگی پر دلالت کرتے ہیں۔ میر کا لفظ آج بھی میر محمد حسین کابلی کی ذریات کے ساتھ موجود ہے لیکن اس میر سے قوم مغل مراد ہے۔ یا سیادت۔ اس کے متعلق اہل تذکرہ بالکل خاموش ہیں۔

پہلے میر محمد حسین کابلی سے اوپر صرف دو پشتیں ہیں۔ یعنی ان کے والد خواجہ کمال اور ان کے والد خواجہ عارف کابلی۔ لیکن اب جو شجرہ دستیاب ہوا ہے۔ اس میں خواجہ محمد عارف کا فرزند

خواجہ محمد اشرف اوراس کا فرزند خواجہ محمد کمال درج ہے۔شہنشاہ اکبر نے جب ہری پربت کے گرد قلعہ بنانا چاہا تو خواجہ محمد حسین اس کے میر عمارت مقرر ہوئے۔۱۰۰۶ھ میں دس سال کے اندر قلعہ تیار ہوگیا۔قلعہ کی منظوم تاریخ اس کتاب میں پہلے درج ہے لیکن خواجہ محمد حسین کی یادگار کے دو اشعار بھی اب تک کاٹھی دروازہ کی جنوبی حدود میں ایک سنگ خوش رنگ کی لوح پر موجود ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

بنائے دولت اکبر شہ تا ابد آبادا
بحق اشہدان لا الہ الا اللہ
بہ سعی خواجہ محمد حسین گشت تمام
حقیر بندہ از بندہ ہائے اکبر شاہ

بادشاہ نے عمارت کی تکمیل پر محمد حسین کو بے بہا خلعت کے علاوہ ایک زیور کنٹھ سے بھی مالا مال کیا۔اسی کنٹھ نے خواجہ محمد حسین کو کنٹھ مشہور کر دیا۔دروازہ کا نام بھی کنٹھ دروازہ مشہور ہوا۔جو بگڑتے بگڑتے کاٹھی دروازہ ہوگیا۔بلکہ ''عرفیت کنٹھ در ذات دے ور نفوس اولاد احفاد دے مستمری جاری ماند۔'' وہی کنٹھ اب کنٹ کہلاتا ہے۔

خواجہ محمد حسین کا باغ حسین صفا کدل کے متصل برلب دریا روضہ دل کشا اور حدیقہ روح افزا تھا۔فوارہ ہائے آب رواں اور طبقات خوش آئین نے باغ کو باغ ارم بنا رکھا تھا۔لیکن ''از غالب سلو کے سنگان لاہور بہ حکمرانی مہاراجہ رنجیت سنگھ راہ عدم وفنا پیش گرفتہ اثرے موجود نماند۔'' اسی باغ کی جگہ پنڈت گنیش جو در کے ورثا کے اب مکان ہیں۔خانقاہ کنٹھ محلّہ کا وجود بھی خواجہ محمد حسین ہی کی خیرات وفیاضی کا نتیجہ ہے۔۱۰۱۶ ہجری میں اس نے اپنے مکان کے متصل جو باغ حسین کے قرب و جوار ہی میں تھا۔اس خانقاہ کی بناڈالی تھی۔ ''خانقاہ حسین عجیب آمد۔'' اس کی تاریخ کنٹھ مسجد اور حمام کنٹھ مسجد بھی اس کی باقیات الصالحات سے ہے۔ملا مرہمی شاعر نے اس کی تاریخ لکھی۔ ''حسین کنٹھ بنا کرد مسجد اولیٰ۔ پھر ۱۰۳۱ھ میں ملک ایتو کی زیارت سے ذرا اوپر محلّہ دیدہ مر میں مسجد ہفت یار تعمیر کرائی۔جس کی تاریخ بنا ''مسجد ہفت یار حسین نمود'' سے نکلتی ہے۔آخر کل من علیھا فان کے مطابق ۱۰۳۴ھ میں خواجہ محمد حسین اس جہاں سے رخصت ہوگیا اور باغ حسین میں دفن ہوا۔

اکبر کے زمانہ ہی سے خواجہ محمد حسین صاحب مال و منال اور صاحب جاگیر بلکہ امرائے اکبری میں ممتاز تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں اس کی اولاد بھی مراتب اعلیٰ حاصل کرتی رہی۔ اس کی ذریات سے میر محمد مقیم کنٹ میر فقیر اللہ کنٹ کشمیر کی نظامت پر بھی سرافراز رہے ہیں اور صاحب السیف والقلم گزرے ہیں۔ بلکہ ۱۱۶۵ھ میں بعہد احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ دہلی میر محمد مقیم مستقل صوبہ دار رہا ہے۔ خواجہ ظہیر دیدہ مری اس کا مدار المہام تھا۔ رعیت پروری و داد گستری میں کسی کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ملک کی اقتصادی حالت کو درست کرنے کے لیے کئی منصب داروں کے منصب کم کر دیئے۔ افواج اور تفنگچیوں میں نمایاں کمی کر دی۔ چونکہ کئی منصب دار رنجیدہ اور سپاہیان معزول دل برداشتہ تھے۔ سردار ابو القاسم نے کہ وہ بھی نظامت کشمیر کا امیدوار تھا۔ ان کو ساتھ ملا کر علم بغاوت بلند کر دیا اور میر محمد قاسم کے مکانات کو نذر آتش کر کے اس کا لاکھوں روپوں کا مال کچھ غارت کر دیا کچھ لوٹ لیا۔ خواجہ ظہیر اور میر مقیم کی تحریک سے احمد شاہ درانی کو کشمیر فتح کرنے کا بہانہ مل گیا۔ ابو القاسم زندان میں ڈالا گیا اور میر مقیم کو از سر نو اعتماد و اقتدار حاصل ہوا۔ راجہ سکھ جیون مل کے زمانہ میں ابوالحسن بانڈے بن خواجہ اسحاق کی سازش سے "میر محمد مقیم را حکم بہ محبوسی گردید۔" ۱۱۷۶ھ میں راجہ سکھ جیون مل کے استیصال کے بعد منعم الدولہ نواب بلند خان سدوزئی نے میر محمد مقیم کو پھر مختار ملک و مال بنایا۔ پنڈت کیلاش جو نے "درئے کہ پیشتر در ملازمت میر محمد مقیم اوقات خود بسر مے برد۔ حالا برسرش فوقیت مے خواست۔" اس کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اور آخر اس کو میر حکیم قانونگو پرگنہ کھوئی ہامہ کے ذریعہ طمانچہ چلوا کر مروا دیا۔

یہ تمام واقعات کشمیر کی تاریخوں میں درج ہیں اور ان کے بعد ۱۱۹۱ھ میں میر فقیر اللہ کنٹ نے اپنی نظامت کے زمانہ میں باپ کا بدلہ لینے کے لیے ہندوؤں * کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اور پھر جس طرح نئے ناظم کشمیر مصلح الدولہ نورالدین خان بامزئی کے ساتھ جنگ آزمائی کی ہے یہ سب واقعات چونکہ تاریخوں میں موجود ہیں اس لیے ان کا اعادہ تحصیل حاصل ہے۔

خواجہ محمد حسین کے فرزند دوم میر محمد حسین کنٹ درویش صفت امیر تھے۔ اخوند ملا محمد شاہ

---

* حکم داد کہ ہر کہ از طبقہ ہنود دین اسلام را قبول کند یا مال و منال و جانش تعرض نہ کند و ہر کہ ازاں انحراف درزد۔ شہر بدرود۔ قریباً دو ہزار ہنو دین اسلام در آمدند و جمع رو بہ گریز نہادند۔
(دازمسودہ قلمی مرتبہ غلام محی الدین کنٹ گڑھی حبیب اسد خان ہزارہ)

بدخشی سے ارادت رکھتے تھے ان کے فرزند میر محمد شفیع اپنے افعال و اقوال سے خدا کے مطیع اور جہان کے مطاع تھے۔ کھوئی ہامہ میں ان کی جاگیر تھی۔ اور ان کے ذمے کاشغر و تبت کے دروں کی حفاظت تھی۔ ان کے فرزند میر محمد رفیق کے عقد میں شیخ الوقت مولانا محمد امین گنائی نبیرہ بابا نونی گنائی قلاشپوری کی صبیۂ مغلیہ تھی۔ انہوں نے دہلی جا کر جاگیر میں کچھ اور اضافہ کرالیا۔

نواب بلند خان منعم الدولہ ناظم کشمیر نے ربط وضبط ملک کے بعد میر عماد اللہ کنٹ (خلف میر محمد رفیع کنٹ) کو جو تیں ہزار خردار کے جاگیر تھے۔ معتمدان خاص مین رکھا اور جاگیر میں اضافہ کیا۔ میر عباد اللہ مرد دانا اور انشاء اور املا میں مرد بے ہمتا تھے۔ ان کے فرزند میر عبداللہ کنٹ نے سری نگر سے نقل مکانی کر کے بارہ مولا میں کہ جس کے حدود میں ان کے جاگیر اور مدد معاش تھی۔ سکونت اختیار کر لی۔ ان کے فرزند اول میر حبیب اللہ کی اولاد بارہ مولا ہی میں رہتی ہے اور فرزند دوم میر احد اللہ کی اولاد گڑھی حبیب اللہ خان ضلع ہزارہ میں مقیم ہے اور انگریزی علاقہ میں بہت دور رہنے کے باوجود بارہ مولا کی کنٹ برادری سے ان کے تعلقات برادری و رشتہ داری اور آمد و رفت بدستور موجود ہیں۔

میر محمد صادق فرزند میر محمد حسین کنٹ کے پوتے میر محمد جعفر کنٹ اور ان کے فرزند نورہ بابا کشمیر کے نامور صوفی اور عالم باعمل بزرگ تھے۔ نورہ بابا اخوند ملا عبدالستار کاشمیری ملا حسام الدین دہلوی اور ملا فاضل مبارک خاں کی درس گاہوں کے فیض یافتہ اور میرزا مظہر جان جاناں کے ارادت مندوں میں تھے۔ آپ نے مطول و خیالی پر حاشیے بھی لکھے ہیں۔ ۴ ربیع الاول ۱۱۹۹ھ کو وفات پا کر احاطہ مزار حضرت بہاء الدین گنج بخش میں دفن ہوئے۔

میر محمد حسین کابلی کے فرزند چہارم میر عنایت اللہ کنٹ کو پرگنہ کردہن فرایہ میں کچھ جاگیر ملی ہوئی تھی۔ اس کی چوتھی پشت میں میر عنایت ہمت تخلص نے شاعری میں اور میر عنایت اللہ ہمت کے برادرزادہ میر فاضل نے امورات ملکی میں خاصہ نام پیدا کیا ہے۔ میر ہمت کنٹ کو حضرت مخدوم شیخ حمزہ سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کی منقبت میں انہوں نے بہت کچھ منظوم یادگار چھوڑی ہے۔ آخر عمر میں کرناہ چلے گئے۔ اور وہیں ۹ ربیع الاول ۱۱۸۷ھ کو وفات پا گئے۔ ان کی وصیت کے مطابق نعش ان کی احاطہ حضرت مخدوم صاحب میں دفن ہوئی۔ امیر خان جوان شیر دلیر جنگ بہادر نے نظامت کشمیر (۱۱۹۴ھ) کے ایام میں میر فاضل کنٹ خلف میر محمد حسین کنٹ برادر پیر عنایت اللہ ہمت کو اپنا مدار المہام بنایا اور نظم و نسق حکومت اس کے سپرد کیا۔ حاجی کریم داد خان

بامزئی نے بھی اپنے زمانہ نظامت میں امورات مالیہ وملکیہ کا مختار اسی کو رکھا۔ لیکن جب میر فاضل کی طرف سے انجام امورات مملکت میں تساہل واقع ہوا تو اس نے نہ صرف اسے ہی قتل کرادیا بلکہ کنٹ خاندان میں جو اور لوگ صاحب منصب واعزاز تھے۔ ان کو بھی خراب کیا۔

کنٹ خاندان ابتدائی تسلط اکبری سے صاحب کار جاگیردار اور مدار المہام چلا آتا تھا۔ بعض کنٹ تیس ہزار اور بعض پندرہ ہزار خردار اور بعض اس سے کم یا زیادہ کے حق دار تھے۔ کچھ تو حاجی کریم داد خان نے جس کی سخت متشددانہ پالیسی سے کشمیر نمونہ دوزخ بنا ہوا تھا۔ ان کو کمزور کیا اور رہی سہی کسر خالصہ حکومت نے نکال دی۔ جس کو مورخین اسلام اسلامیان کشمیر کے لیے قیامت کبریٰ اور محشر عظمیٰ سے کم تصور نہیں کرتے۔ اسی حکومت کے عہد میں مسلمانوں کی بہت سے جاگیریں اور بہت سے وظائف ضبطی میں آئے۔ یہاں تک کہ ''اکثرے ازاں ہاراہ فرار اختیار کردہ در بلاد دیگر قدم کشیدند۔''

ملک خاندان

اس سے پہلے اس کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ کہ ملک ایک خطاب ہے۔ جو شاہان وقت کی طرف سے شاہی خدمات کے صلہ میں مستحقین کو ملا کرتا تھا۔ ایسے مستحقین اور خطاب یافتگان میں ہر ملک اور ہر قوم اور ہر حیثیت کے افراد شامل ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی کئی ایسے ہندو او رمسلمان موجود ہیں جن کے بزرگوں کو شاہان سلف نے ان کی خدمات کے صلہ میں ملک کا خطاب عطا کر رکھا تھا اور ان کی اولاد آج ملک ہی کے نام سے موسوم ہے۔

مسلمانوں میں ککے زئی قوم جس کا قدیم وطنی تعلق افغانستان سے ہے ملک کہلاتی ہے۔ پنجاب اور یوپی کی راعین قوم بھی جس کی اصل عرب سے بتائی جاتی ہے ملک کہلاتی ہے۔ جیسے خان بہادر ملک محمد الدین بیرسٹر ایٹ لا سابق پریذیڈنٹ میونسپلٹی لاہور، پنجاب کے ضلع شاہ پور کے ٹوانہ قوم کا لقب بھی ملک ہی ہے۔ چنانچہ سر ملک عمر حیات خاں ٹوانہ اور ان کے فرزند اور پنجاب کے موجودہ وزیر اعظم ملک خضر حیات خان ٹوانہ ملک ہی کے نام سے موسوم ہیں۔ بنگال اور پنجاب کے کئی معزز ہندو خاندان اب تک ملک ہی کہلا رہے ہیں۔ ملتان اور ضلع ملتان کے اکثر ہندو ملک کہلاتے ہیں۔ اور بلوچی اقوام بھی بالعموم ملک ہی کہلاتی ہیں۔ افغانستان اور سرحد میں کئی معزز خاندانوں کا لقب ملک ہی ہے۔ ریاست پالن پور کاٹھیاواڑ کے اکثر رئیسوں کو ملک قدیمی

خطاب حاصل ہے۔ اسی طرح کشمیر، پونچھ اور جموں میں جو قومیں ملک کہلا رہی ہیں۔ ان کے بزرگوں کو بھی دراصل یہ اعزازی لفظ بطور خطاب ہی عطا ہوا تھا۔ مثلاً ملک حیدر چاڈورہ مصنف تاریخ حیدر ملک جو جہانگیر کے زمانہ میں کشمیر میں ایک نامور رئیس اور جاگیردار تھا۔ اپنی تاریخ میں اپنے حسب ونسب کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ ''میرے آباؤ اجداد راجپوت راجگان کانگڑہ کی نسل سے تھے جن کو کشمیر میں رینہ کہتے ہیں۔ حیدر ملک لکھتا ہے۔ مجھے بڈشاہ جہاں پناہ نے (ملک سے) رئیس الملک کا خطاب دیا۔ اور میں حیدر ملک کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اب اس کی اولاد اور اولاد سب ملک ہی کہلا رہی ہے۔ حالانکہ وہ راجپوت قوم سے تھا۔ اسی طرح ملک سیف ڈار اور ملک علی ڈار جو شاہان کشمیر کے عہد میں اعلیٰ ترین عہدوں پر رہے ہیں۔ ملک کہلاتے ہیں۔ بڈشاہ بادشاہ کشمیر کے زمانہ میں ملک مسعود ٹھکور ملک جلال ٹھکور وغیرہ جو اس زمانہ میں سرداران وقت میں سے تھے۔ ملک کہلاتے تھے۔ ابراہیم احمد ماگرے جس نے تجدید جامع مسجد سری نگر میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ ملک ہی کہلاتا تھا۔

ملک افغان قوم

ملک اسمٰعیل خان
|
نظام الدین خان

- فتح دین خان
  - محمد اکبر خان المعروف
    - مسکین شاہ
  - شیر علی خان
    - محمد صادق
    - خادم حسین
- بلور خان
  - امام الدین خان
  - حسن الدین خان
    - محمد حسین خان
  - نور الدین خان
    - لاولد مرحوم

افغانستان پر احمد شاہ ابدالی اور اس کی اولاد نے ساٹھ پینسٹھ سال تک حکمرانی کی ہے۔ اس طویل زمانہ میں بہت سے افغان قبیلے جو ملک اور خان کہلاتے تھے۔ کشمیر میں آباد ہو چکے تھے انہی میں لودھی پٹھانوں کا ایک قبیلہ جو ملک کے لقب سے ملقب تھا۔ کشمیر میں بہ عزت اپنی زندگ

بسر کر رہا تھا لیکن جب ۱۸۱۹ء میں سکھوں نے پٹھانوں کو شکست دے کر کشمیر میں اپنا سکہ بٹھایا اور مسلمانوں اور خصوصاً پٹھانوں کو چن چن ک اذیت دیتے بلکہ قتل کرنے لگے تو ایک نوجوان لودھی پٹھان ملک نظام الدین خان نامی اپنے ضعیف والدین کی ہمراہی میں کشمیر سے باہر نکلا۔ پونچھ جو کوہستان کشمیر کے مفروروں اور مصیبت زدوں کا ہمیشہ سے پناہ گزین رہا ہے۔ اس لٹے ہوئے مختصر سا قافلہ نے بھی اسی پناہ گاہ کی طرف رخ کیا لیکن یہ قافلہ ابھی منزل مقصود تک پہنچا بھی نہ تھا کہ ایک تو رستے کی صعوبتوں اور مصیبتوں کی تاب نہ لاکر اس کے باپ ملک اسماعیل خان نے دم توڑ دیا اور دوسری طرف میر قافلہ یعنی نظام الدین خان کا خورد سال لڑکا فتح دین خان کہیں گم ہو گیا۔ ملک اسماعیل خان کی قبر پیر ملا شاہ کے مزار کے بالکل قریب ہے۔

باپ کی دائمی مفارقت، بیٹے کی گمشدگی، سفر اور پردیس بلکہ جلاوطنی و مہاجرت کا عالم؟ یہ صدمات زندگی سے مایوس کر دینے کے لیے کافی تھے۔ لیکن اس مرد خدا نے ان صدموں کے باوجود ہمت نہ ہاری۔ باپ کے کفن دفن سے فارغ ہو کر اور باقی ماندہ قافلہ کو ہمراہ لے کر پونچھ پہنچا۔ خاص شہر میں بھی جب امن اور پناہ کی صورت میسر نہ آئی تو تھوڑے دنوں کے بعد وہاں سے بھی کوچ کیا اور موضع دھمن میں جو آج پونچھ کی تحصیل سدھنوتی میں واقع ہے آ کر قیام کیا۔ اس کی جلاوطنی کے بعد سکھ حکومت بھی کشمیر میں زیادہ عرصہ تک نہ رہ سکی۔ ۱۸۴۶ء مطابق ۱۹۰۳ بکرمی میں گورنمنٹ انگریزی کی امداد سے مہاراجہ گلاب سنگھ نے وہاں ڈوگرہ حکومت قائم کر لی۔ ۱۸۵۷ء میں ان کے فرزند مہاراجہ رنبیر سنگھ ان کی وفات کے بعد جموں و کشمیر کے مستقل حکمران ہو گئے۔

ان ایام میں نظام الدین خان کی عمر پچاس سال کے قریب تھی۔ وہ ہر چند ابتدائے عمر ہی میں ایک درویش صفت نوجوان تھا لیکن باپ کی غیر متوقع وفات پر اور بیٹے کی گمشدگی کی وجہ سے وہ ہر وقت بحر غم میں ڈوبا رہتا تھا۔ اور اپنا بہت سا وقت یاد الٰہی میں بسر کرتا تھا۔ ایک رات وہ خواب میں اپنے گمشدہ فرزند کو چترال میں دیکھتا ہے وہاں اس زمانہ میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کی فوج حکومت برطانیہ کی امداد کے لیے برسر جنگ تھی۔ آپ خواب ہی میں اپنے بیٹے کو زخمیوں کی صف میں دیکھ کر چونک اٹھے اور چھوٹے بیٹے بلور خان کو گھر بار سپرد کر کے چترال کی طرف روانہ ہو گئے اور برسوں کے جدا شدہ فرزند فتح الدین خان کو اپنے کشف ہی سے پہچان کر چھاتی سے لگا لیا اور پیار کیا۔ فتح الدین خان نے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک بزرگ رحم دل نے میری پرورش کی۔ آٹھ دس سال تک مجھے تعلیم دلائی۔ پھر مہاراجہ کی فوج میں بھرتی ہو گیا۔ حوالداری تک

پہنچا۔ چھبیس سال کے بعد اب میں چترال کی لڑائی میں زخمی ہوا۔ چنانچہ زخمی ہونے کے بعد فتح الدین خان کی پنشن ہوگئی جو سند اس موقع پر اس کو ملی اس کی نقل جو راقم کو ملی ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''تمام افسران ملکی و جنگی کو واضح ہو کہ حامل پروانہ ہذا مسمی فتح الدین خان کو حوالدار رجمنٹ باڈی گارڈ ''نمبر۲'' فوج مذکورہ میں ۲۶ سال یک ماہ ۲۲ دن نوکری کرنے کے بعد میڈیکل ان فٹ ہونے کے باعث پنشن پر ریٹائر کیا جاتا ہے۔ اس کی عمر بھرتی ہونے کے وقت اٹھارہ سال کی تھی۔ چال چلن اور برتاؤ فوج میں بہت اچھا رہا ہے۔ دستخط کمان افسر باڈی گارڈ کرنل رگھبیر سنگھ تاریخ یکم ماگھ ۱۹۶۴ بکرمی اس کے بعد حلیہ اور سکونت اور ولدیت و قومیت کا ذکر ہے۔ ولدیت نظام الدین خان سکونت ڈھمنی قوم افغان ملک درج ہے۔

کرنل شیر علی خان ریٹائرڈ ایجوٹنٹ کوارٹر ماسٹر جنرل کشمیر آرمی کے ایک خط مورخہ ۳ کاتک ۱۹۹۹ بکرمی کی نقل شیر علی خان خلف فتح الدین خان مرحوم نے بھیجی ہے۔ جو فتح الدین خان مرحوم کی فوجی ملازمت اور ان کی جوانمردی پر روشنی ڈالتی ہے اور وہ حسب ذیل ہے۔

''تمہارا والد فتح الدین خان مرحوم ستائیس برس تک فوجی سروس میں رہا۔ وہ ۱۹۲۴ بکرمی میں جنگ نومل (گلگت) اور ۱۹۵۱ بکرمی میں جنگ چترال میں شامل تھا۔ اس کو بہادری کا تمغہ بھی ملا تھا۔ وہ لمبے لمبے پڑاؤ میں جو ۱۸۔۲۰ میل تک ہوتے تھے۔ ایک وقت کا کھانا کھا کر اور ایک بہادر نوجوان کی طرح رائفل اٹھا کر پلٹن کے ساتھ پیادہ مارچ کرتے اور تھکنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ پلٹن کی افسران کی بڑی عزت کرتے تھے۔''

نظام الدین خان واپس آ کر اور تھوڑا عرصہ زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔ اس کا چھوٹا بیٹا بلورے خان * جو ابھی زندہ ہے۔ بیان کرتا ہے کہ وہ نہایت نیک نفس بزرگ تھے۔ ان کا جنازہ لیے جا رہے تھے۔ کہ تین بزرگ کہیں سے آ نکلے جن میں سے ایک نے نماز جنازہ پڑھائی۔ فتح الدین خان نے باپ کی زندگی ہی میں موضع دریک میں کچھ اراضی خرید کی۔ وہیں اپنی رہائش کے لیے بالکل سادہ لیکن نئی طرز کا مکان تعمیر کرایا۔ فتح الدین خان نہایت دیندار مسلمان تھے۔ نماز جنازہ میں شمولیت اختیار کرنا باعث ثواب سمجھتے تھے۔

اپنے گاؤں کے علاوہ ملحقہ دیہات میں بھی اگر کسی مسلمان کی موت ہو جاتی تھی تو

* شیر علی خان کے خط مورخہ ۹ مارچ سے معلوم ہوا ہے کہ بلور خاں مارچ ۴۳ء کے ابتدائی ایام میں انتقال کر چکے ہیں۔

اطلاع ہونے پر روانہ ہو جاتے تھے چونکہ دینی علم سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ اس لیے مناظرہ میں کئی دیہاتی مولوی اور ملا ان کے سامنے گفتگو نہ کر سکتے تھے۔ تصوف، اخلاق و تواریخ کی کتابوں کا بھی بہت شوق تھا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح ان کے فراق میں ان کے والد بے چین رہا کرتے تھے اسی طرح آپ بھی اپنے فرزند کلاں محمد اکبر خان کی جدائی میں دن رات روتے رہتے تھے۔ محمد اکبر خان عنفوان شباب ہی میں باپ کی اجازت اور اطلاع کے بغیر گھر سے غائب ہو گئے۔ چند سال کہیں ملازم بھی رہے اور والد کو کچھ روپیہ بھی بھیجتے رہے۔ لیکن بعد میں نہ روپیہ آیا اور نہ ان کا کہیں پتہ چلا۔ یہاں تک کہ سالہا سال تک ان کے مرنے جینے کی خبر نہ ملی۔ فتح الدین خان کا حال بیٹے کے غم میں بالکل حضرت یعقوب کی طرح تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی روتے روتے اپنی بینائی ضائع کر دی اور آخر اسی صدمہ سے ۱۹۸۹ بکرمی میں انتقال کر گئے۔ پچیس سال تک آپ نے پنشن لی اور ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ والد کی فوتیدگی کے پانچ سال بعد ۱۹۳۷ء میں محمد اکبر خان سائیں مسکین شاہ کے لباس میں پہلی مرتبہ واپس آئے اور سترہ یوم کے قیام کے بعد پھر غائب ہو گئے۔ اور پانچ سال کے بعد اب ۱۹۴۲ء میں پھر واپس آئے ہیں۔

سائیں مسکین شاہ کے حالات ان کی اپنی تحریر کے مطابق جس کی نقل ان کے بھائی شیر علی خان نے ارسال کی ہے۔ بڑے دلچسپ ہیں۔ وہ لکھتے ہیں میں نے بمبئی میں پیر آغا حسن جان نقشبندی الفاروقی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہی ایام میں اللہ والوں کا ایک قافلہ سفر حجاز کو جا رہا تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ سفر کا اکثر و بیشتر حصہ ہم متوکل لوگوں نے پا پیادہ طے کیا اور اس سفر میں ہمارا ایک سال خرچ ہو گیا۔ میں مکہ معظمہ میں پورے چار سال تک مقیم رہا۔ کراچی کے راستے واپس آ کر اپنے مرشد کی خدمت میں ان ایام میں کراچی ہی میں تھے حاضر ہوا۔

سندھ میں درویش اور صوفی بزرگوں کو شاہ اور سائیں اور سائیں بابا بھی کہتے ہیں مجھے بھی پیر صاحب نے شاہ کا خطاب اور خلافت کا کاغذ عطا کر کے ریاست کچھ میں جانے کا حکم دیا۔ اب میرا قیام وہیں پہاڑ کے ایک ٹیلہ پر ہے۔ ریاست کچھ کے مسلمان میرا بڑا احترام کرتے ہیں۔ چونکہ پونچھ میرا بھومی ہے اور خون آبائی کا یہاں تعلق ہے اس لیے کبھی کبھی حب وطن کے تقاضے سے مجبور ہو کر ادھر بھی آ نکلتا ہوں۔ ورنہ برسوں کی عادت نے گوشہ نشینی اور کوہ بیابان کی

رہائش ہی کو اپنا وطن بنا رکھا ہے۔

ان کے بھائی شیر علی خان لکھتے کہ وہ ایک دن والد کی قبر پر فاتحہ خوانی کے واسطے گئے ایک آواز سنائی دی۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ خستہ جگر اور سوختہ سامان ہوں۔ اس کے بع خاموشی کے سوا کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر نماز شام پڑھنے کے بعد آپ تھوڑی دیر وہیں لیٹ گئے ذرا سی آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ شمال کی طرف سے سورج نکل کر ان کے برابر آ گیا اور ا کے اندر لکھا ہوا ہے۔

مکانم لامکاں باشد نشانم بے نشاں باشد

نہ تن باشد نہ جاں باشد نہ باشد عشق جانا نم

سائیں مسکین شاہ اس وقت ۱۹۴۲ء اکتوبر میں اپنے وطن ہی میں ہیں لیکن سیلانی ط ہیں اور سندھ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ عمر آپ کی چھتیس سال کے قریب ہے۔

فتح الدین خان کے فرزند خورد شیر علی خان کی عمر اس وقت چھبیس سال کی ہے۔ جب اسے اپنے بھائی کے آنے کے اطلاع ملی تو وہ کوئٹہ میں ملازم تھا۔ بھائی کے آنے کی خبر سن کر دیوا وار دوڑ آیا۔

فتح الدین خان کے چھوٹے بھائی بلور خان کا فرزند امام الدین خاں توپ خانہ نمبر ۷ فیلڈ باتری میں ۱۸ سال ملازم رہا ہے۔ اور اب پنشن پر ہے۔ حسن الدین خان معمولی زمیند کرتا ہے۔

اس قبیلہ کی رشتہ داری اپنی برادری کے علاوہ راجپوت، افغان اور سدھن قوم سے ہے۔ حوالدار میجر محمد فیروز خان سلہریا سکنہ تراڑ تحصیل سدہنتی میں بھی ان کے رشتہ داروں ہیں۔ اس برادری میں حصول تعلیم کا بھی شوق ہے۔ گو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔

ملک جان محمد مرحوم (لاہور):

ان کے والد ملک غلام حسن مہاراجہ رنجیت سنگھ کے آخری ایام (۱۸۳۲ء) میں بز نظامت شہزادہ شیر سنگھ قحط عظیم کے ظلم سے تنگ آ کر اور اپنے باغ باغیچے اور کافی رقبہ اراضیات ک بادکہہ کر اپنے وطن شاہ آباد دیری ناگ سے ہجرت پر مجبور ہوئے اور لاہور آ گئے۔ آپ کا تعلق مکان شاہ آباد ویری ناگ سے ہے۔ ان کے ساتھ ایک اور بھی چھوٹی سی جماعت تھی۔ اسی

لاہور کے لکھ پتی اور رئیس اعظم مزدور میاں سلطان کی جوان بیوہ ماں بھی تھی۔ فلک کے ان ستائے ہوؤں کے لیے عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی محنت مزدوری سے رفتہ رفتہ اچھی حیثیت پیدا کر لی۔ ملک غلام حسین جوان عمر اور میاں سلطان کی عمر اس وقت دس بارہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم دونوں ماموں زاد اور پھوپھی زاد * بھائی تھے جب خدا نے میاں سلطان کو عروج دیا اور وہ واقعی صحیح معنوں میں ''سلطان'' ہو گئے تو ملک غلام حسن ہی ان کے معتمد بلکہ خزانچی تھے۔ ملک غلام حسن اور میاں سلطان کی فارغ البالی اور خوشحالی کی خبریں جب کشمیر پہنچیں تو ان کے پیر بھی آنے شروع ہو گئے۔ ملک غلام حسن کو بھی ان کے پیر مراجعت کشمیر کے لیے بہت کچھ کہتے رہے لیکن انہوں نے اب واپس کشمیر جانا مناسب نہ سمجھا۔ میاں سلطان کو میاں محمد بوٹا بٹ پہلوان رستم ہند سے جو ملک غلام حسن کے داماد تھے بہت محبت تھی۔ وہ بڑودہ جایا کرتے تھے اور مہاراجہ ملہار راؤ ہلکر گائکواڑ بڑودہ ان کے بڑے قدردان تھے۔ جب میاں محمد بوٹا کی شادی ہوگئی تو میاں سلطان نے اس سے کہا کہ اب بڑودہ نہ جاؤ۔ چار پانچ جوان یہیں رکھ لو۔ ان کا خرچ میں دیتا رہوں گا۔ لیکن انہوں نے منظور نہ کیا اور وہ چلے گئے۔

میاں محمد بوٹا ** اپنے زمانہ میں واقعی رستم ہند تھے۔ ان کے انتقال پر نواب فصیح الملک بہادر میرزا داغ استاد حضور نظام (میر محبوب علی خاں مرحوم) اور حافظ جلیل حسن جلیل (حال نواب فصاحت جنگ بہادر استاد ہز اگزالٹیڈ ہائینس میر محمد عثمان علی خاں بہادر نظام دکن) نے ۱۹۰۴ء میں راقم کی تحریک سے تاریخی قطعات لکھے۔ نواب فصیح الملک بہادر کا لکھا ہوا قطعہ تو ان کے آخری دیوان یادگار میں چھپ چکا ہے اور رستم ہند مرحوم کی قبر پر بھی کندہ ہے۔ لیکن نواب فصاحت جنگ نے اس موقعہ پر جوابیات ارتحال لکھے تھے وہ چونکہ آج تک غیر مطبوعہ ہیں اس لیے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

یوں تو مرنا سب کو ہے لیکن ستم ہے اس کی موت
جو کسی فن میں ہو وجہ افتخار روزگار

---

* راقم نے ملک عبدالعزیز کے دادا ملک غلام حسن کا نکاح نامہ، المحرم ۱۲۵۶ھ کو لکھا ہوا دیکھا ہے۔ جس کے حاشیہ پر لکھا ہے ''برادر عزیز سلطان در حضور المسلمین ضامن نان ونفقہ شدہ است۔ کہ اگر از نان ونفقہ تصور شد دہندہ من است۔ ''اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ میاں سلطان رشتہ میں ان کے عزیز بھائی تھے۔

** آپ کے دو فرزند ہیں اول محمد ابراہیم مرحوم۔ فرزند ثانی محمد اسمٰعیل زندہ ہیں۔

مٹ گیا اے وائے بوٹا پہلواں کا بھی وجود
کیا بساط زندگی کیا اعتبار روزگار
زور و طاقت میں یگانہ تھا فن کشتی میں فرد
معرکہ آرائیوں میں یادگار روز گار
زال دنیا رو رہی ہے اس تہمتن کے لیے
کہہ رہی ہے ہائے اے اسفند یار روزگار
فوق نے لکھا مجھے تاریخ کہنے کے لیے
خلق جن کا ہے بہار سبزہ زار روز گار
ان کے لکھنے سے کہی تاریخ میں نے اے جلیل
رستم ہند آہ بوٹا نامدار روزگا

ملک غلام حسن کے ہاں دو فرزند تھے (۱) ملک جان محمد جو میاں محمد بوٹا رستم ہند ساتھ بڑودہ میں رہا کرتے تھے اور میاں سلطان کی وفات کے وقت وہ بڑودہ ہی میں تھے۔ ایام میں آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ میاں محمد سلطان اپنی بیماری کے آخ دنوں میں جان محمد اور میاں محمد بوٹا کو بہت یاد کرتے رہے۔ ملک جان محمد نے لاہور آ کر تجا کاروبار شروع کر دیا۔ وہ پہلوانی کرنے کے باوجود اخبارات کے بڑے شوقین تھے اور الحروف سے دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات رکھتے تھے۔ وہ بہ عمر ستر سال ۸ جون ۱۹۳۵ء کو ہو گئے۔ ان کے تین فرزند حسب ذیل ہیں۔ ملک دوست محمد جو محکمہ اکاؤنٹینٹ میں آڈیٹر آج کل پنشن پر ہیں۔ ملک عبدالعزیز جو اپنے مرحوم کی طرح تجارتی کاروبار ہی میں منہمک اور ڈلہوزی بوٹ فیکٹری کے مالک ہیں تیسرے ملک عبدالمجید ایم اے، بی ٹی، جو پنجاب میں تعلیم میں اے ڈی آئی ہیں اور نہایت ہونہار اور قابل نوجوان ہیں۔

ملک جان محمد مرحوم کے دوسرے بھائی کا نام ملک فیض محمد تھا۔ وہ بہت جوان عمر میں کر گئے تھے۔ ان کے بھی تین فرزند ہیں۔ اور سب خدا کے فضل سے برسر روزگار ہیں۔ فر ملک محمد احسن ریاست نابھہ میں چیف سیکرٹری ہیں۔ منجھے فرزند ملک محمد اکرم بھی اسی ریا ملازم ہیں اور تیسرے فرزند ملک محمد حسن بمبئی پولیس میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

میاں محمد سلطان، سلطان لاہور:

یہ وہی سلطان ملک ہے جو ملک غلام حسن کے ساتھ شاہ آباد ویری ناگ سے سکھ ناظمان لاہور کے ظلم وتشدد اور بدامنی وقحط کے ایام میں اپنی بیوہ ماں کے ساتھ لاہور آیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر بارہ، چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس کے تفصیلی حالات مشاہیر کشمیر مصنفہ راقم میں چھپ چکے ہیں۔ اس نے لاہور میں سب سے پہلے صابن بنانا شروع کیا۔ پھر چونہ کی بھٹی قائم کر لی۔ میاں سلطان نہایت وجیہہ جوان تھا۔ اور کشتی گیری کا بھی شوقین تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ (۱۸۴۲ء۱۸۴۰) کے سامنے ایک کشتی میں نہایت چابکدستی سے حریف کو اس نے گرالیا۔ مہاراجہ نے خوش ہو کر گھوڑا انعام میں دیا۔ انہی دنوں قلعہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ وہاں چونہ بھی منظور ہوگیا۔ رفتہ رفتہ اقبال مندی کے دروازے کھل گئے۔ میاں محمد بوٹا پہلوان رستم ہند کی شادی کا اہتمام بھی آپ ہی نے کیا تھا۔ اور کچھ مکانات بھی ان کو دیئے تھے۔ جو پہلوان مذکور کی عدم پیروی اور لاپروائی کی وجہ سے مہاراجہ جموں وکشمیر کے قبضہ میں آ گئے۔

انگریزی عہد حکومت میں لاہور چھاؤنی، لاہور اسٹیشن، لنڈا بازار، دہلی دروازہ، سرائے میاں سلطان پل اٹک، مزار حضرت سید صوف سلطان محل وغیرہ کئی عمارتیں آپ نے تعمیر کرائی ہیں۔ ان کے علاوہ کئی مسجدیں اور کنوئیں ان سے یادگار ہیں۔ لیکن لاہور میں میاں سلطان کی سب سے بڑی شہرت وعزت کا باعث ان کی وہ سخاوت وفیاضی ہے جس کی بدولت ان کا نام ہمیشہ تک زندہ رہے گا۔ انہوں نے صدہا سفید پوشوں کے قرضے اتارے، صدہا بیوگان کی اپنی گرہ سے شادیاں کرائیں۔ غریبوں اور لاوارثوں کے کفن دفن کے اخراجات برداشت کیے۔ حاجت مند زمینداروں کو مال مویشی لے کر دیئے۔ دیوانی قیدیوں کو ان کی رقوم دے کر قید سے آزاد کرایا۔ میاں سلطان اپنے زمانہ کے واقعی حاتم تھے۔ اور حقیقت میں سلطان لاہور کہلاتے تھے۔ ان کا دست سخا ہندو، سکھ، مسلم سب کے لیے کھلا تھا۔ چونکہ ان پڑھ تھے اور فیاضی کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا۔ اور دو تین مقام پر اعلیٰ حکام کی ناراضگی نے ان کے بنے بنائے کام جن پر لاکھوں روپے صرف ہو چکے تھے فیل کر دیئے تھے۔ اس لیے مقروض ہو گئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ جموں وکشمیر کے فرمانروا تھے۔ دلالوں نے ان سے پانچ چھ لاکھ روپیہ قرض دلا کر ان کی ساری جائیداد جس میں کئی دیہات بھی تھے رہن کرادی۔ مہاراجہ کی طرف سے تازیست آپ کو پانچ سو روپیہ ماہوار ملتا رہا۔ آپ کی جوان والدہ نے لاہور آ کر ایک پنجابی سے شادی کر لی جس سے آپ کا ایک سوتیلا

بھائی تھا۔ وہ آپ کی زندگی ہی میں بمقام کابل انتقال کر چکا تھا۔ کابل کے تعلقات اس سلسلہ میں قائم ہوئے تھے۔ کہ جب امیر شیر علی خان والئی افغانستان لاہور تشریف لائے۔ تو آپ نے ہزار ہا روپے صرف کر کے شاہی پیمانہ پران کو دعوت دی۔ اور ساتھ ہی دو بیش قیمت گھوڑے بطور نذر پیش کیے۔ آپ اولاد سے محروم تھے۔ آخر آپ بھی ۴ فروری ۱۸۷۶ء مطابق ۲۷ رمضان ۱۲۹۴ھ کو انتقال کر گئے۔ میانی صاحب کے قبرستان میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔

خان صاحب ملک کرم الدین:

آپ کی اصل گوت پرے ہے۔ پرے گوت کے متعلق جو ایک معزز راجپوت گوت ہے۔ اس سے پہلے رپورٹ مردم شماری کے حوالے سے لکھا جا چکا ہے اور اس میں بھی پرے خاندان کا علیحدہ ذکر ہے۔ آپ کے بزرگ ملک کے معزز لقب سے ملقب تھے۔ کشمیر میں اصل وطن موضع ترسل تحصیل کولگام ہے۔ یہ وہی ترسل ہے جس کے نام پر سری نگر کا مشہور پنڈت خاندان جس کے بزرگ اور اس وقت پنڈت تاراچند ترسل رئیس کشمیر ہیں۔ مشہور ہے آپ کے دادا اپنے ستم زدہ ہمراہیوں کے ساتھ کشمیر سے نکل کر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے ایک موضع بھگوال میں آئے۔ ملک عمر بخش آپ کے والد کا نام تھا۔ ۱۹ مارچ ۱۸۸۴ء کو آپ پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں پرائمری کے بعد گجرات سکاچ مشن سے ۱۹۰۱ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ چونکہ آپ کے والد کی آمدنی قلیل تھی اور تعلیمی اخراجات کی کوئی سبیل بظاہر نظر نہ آتی تھی۔ اس لیے آپ کی والدہ معظّمہ نے جو پیکر ایثار و محبت تھیں۔ اپنے زیورات اور زمین تک کو فروخت کرنے میں دریغ نہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں "اپنی والدہ کے اس ایثار کا ذکر نہ کرنا صریح کفران نعمت ہے اگر میری زندگی کسی حد تک کامیاب کہی جا سکتی ہے تو اس میں والدین کی نیم شبی دعاؤں کو بہت حد تک عمل دخل ہے۔"

امتحان میٹرک کے بعد آپ بلوچستان کی طرف تلاش روزگار میں گئے۔ مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ۱۹۰۴ء میں آپ کوئٹہ ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کے دفتر میں بہ زمرہ امیدواران شامل ہوئے۔ یہ وہ ایام تھے جب ایران اور ہندوستان کے باہمی تجارتی تعلقات کو وسیع کرنے کا معاملہ حکومت ہند کے سامنے تھے۔ انہی اقدامات میں یہ بات بھی تھی کہ نوشکی، رباط، سیستان اور مشہد میں سڑک تیار کرنے کے علاوہ ٹیلی گراف آفس بہم پہنچائے جائیں۔

چنانچہ امتحان داخلہ میں پاس ہونے کے بعد آپ مئی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۴ء تک ایران اور بلوچستان کے سرحد پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۱۹۱۴ء کے ان ایام میں جب جنگ عظیم کا اعلان ہو چکا تھا آپ واپس ہندوستان آئے۔ ۱۹۱۶ء تک آپ پنجاب وسرحد کے اکثر مقامات پر فوجی حکام اور جنگی مہمات کے ہمراہ رہ کر اپنی احسن کارکردگی کا ثبوت دیتے رہے۔ ۱۹۱۷ء میں سری نگر کشمیر میں تبدیل ہوئے۔ جہاں محکمانہ مصروفیتوں کے باوجود احباب کے اصرار سے آپ نے انجمن ہمدرد اسلام کی نظامت قبول کی۔ اس وقت انجمن کا اثاثہ چند روپیوں سے زیادہ نہ تھا۔ آپ نے اپنی ان تھک کوششوں سے اس کو ہزارہا تک پہنچادیا اور اس کے دائرہ عمل میں کئی مفید شعبے داخل کر لیے۔ پنجابی پارٹی امیرا کدل اور انجمن نصرت الاسلام میں کچھ غلط فہمیاں دیر سے چلی آتی تھیں۔ آپ نے ان کو اتحاد کی خوشگوار فضا میں تبدیل کر دیا۔

۱۹۱۸ء میں آپ کو فیلڈ سروس کے سلسلہ میں مشرقی ایران جانا پڑا۔ اور مشہد تک پہنچے۔ اعلیٰ فوجی افسروں نے آپ کی جنگی خدمات کو بنظر استحسان دیکھا۔ ھز ایکسیلینسی کمانڈر انچیف نے آپ کی جانبازانہ اور امتیازی ملٹری خدمات کا زوردار الفاظ میں اعتراف کرنے کے علاوہ تمغہ جات بھی عطا کیے۔ اور وزیر جنگ مسٹر ونسٹن چرچل کے توسط سے ملک معظم نے خوشنودی مزاج کی سند بھی عطا کی۔ انہیں خدمات کے صلہ میں ۱۹۲۱ء میں خان صاحب کا خطاب بھی ملا۔ اور ملک معظم جارج پنجم کی جوبلی پر جوبلی میڈل کے اعزاز سے بھی سرفراز ہوئے۔

۱۹۳۱ء میں آپ کی ایران سے واپسی پر جب بچوں کی تعلیمی ضروریات کے لیے گاؤں کی زندگی سدراہ نظر آئی۔ تو آپ کے والد مرحوم نے گاؤں کے رہائش ترک کر کے گجرات میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور یہیں ۵ رجب ۱۳۴۵ھ کے مطابق ۱۰ فروری ۱۹۲۷ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ کے والد کی وفات سے قریباً ساڑھے سات سال کے بعد آپ کی والدہ محترمہ بھی ۱۴ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ۲۴ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو رہگرائے عالم جاودانی ہوگئیں۔ ۱۹۲۸ء میں آپ ٹیلی گراف ماسٹر اور ۱۹۳۷ء میں سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف (گریڈ ساڑھے سات سو) کے معزز عہد پر تعینات ہوئے اور ۳۴ سال کے بعد یکم مارچ ۱۹۳۹ء کو ریٹائر ہوگئے۔ اس موقع پر آپ کے

سٹاف نے سٹیفل ہوٹل میں وسیع پیمانہ پر آپ کو پارٹی دی جس میں بہترین الفاظ میں آپ کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

ملازمت سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد آپ سوشل سروس اور ابنائے جنس کے فائدہ کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے۔ آپ نے دیوان چمن لال اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین بار ایٹ لاء کی قیادت میں آل انڈیا پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف یونین کی طرح ڈالی۔ آپ دوران ملازمت میں محکمہ ٹیلی گراف کی کواپریٹو کریڈٹ سوسائٹی کے (جس کا سالانہ بجٹ دس لاکھ ہوتا تھا) آنریری سیکرٹری تھے۔ بعد میں آپ حالات سے مجبور ہو کر ایک علیحدہ سوسائٹی بنام مسلم کوآپریٹو سوسائٹی پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف منظور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ جو محکمہ ہذا کے مسلمان ملازمین کی اقتصادی حالت کو درست کرانے میں بے حد مفید ثابت ہو رہی ہے۔

آپ کئی سال سے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جنرل کونسل کے بارسوخ ممبر ہونے کے علاوہ اس کی فنانس کمیٹی کے ممبر اور تالیف وطبع کمیٹی کے سیکرٹری ہیں۔ مسلم ٹاؤن لاہور میں آپ نے ایک باغیچہ میں الکرم کے نام سے کوٹھی بنا رکھی ہے۔ وہیں آپ کی اب رہائش ہے۔ وقت کا زیادہ حصہ آپ مطالعہ میں بسر کرتے ہیں۔ مسلم ٹاؤن سوسائٹی کے آپ آنریری سیکرٹری بھی ہیں۔ آپ کی اولاد میں تین لڑکے ہیں اور ایک لڑکی ہے۔ فرزند کلاں خورشید احمد ملک ٹیلی گراف آفس نیو دہلی میں معقول مشاہرہ پر ملازم ہے اور اپنے والد کی طرح شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ فرزند دوم اقبال احمد ملک ٹیلی گراف آفس دہلی وشملہ میں چھ سال سے ملازم ہے اور اپنے ذاتی رسوخ اور کریکٹر کی وجہ سے اپنے ہم عصروں اور افسروں کی نگاہ میں عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ فرزند سوم ریاض احمد ملک میٹرک پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ ڈیری انسٹی ٹیوٹ بنگلور میں ڈیری فارم کا ڈپلومہ حاصل کر رہا ہے۔

صاحبزادی کا نام زبیدہ بیگم ہے۔ اسلامی ماحول میں ڈگری تک تعلیم پا چکی ہے اور اس کی شادی مولوی عبدالرحیم ایم اے سب جج ریاست کشمیر خلف مولوی محمد عبداللہ وکیل سری نگر سے ہو چکی ہے اور صاحب اولاد ہے۔

ملک نذر محمد اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ:

پٹھانوں کے عہد حکومت میں آپ کے بزرگ کشمیر سے جموں آئے پھر وہاں سے لاہور پہنچے۔ ان کی دوسری تیسری پشت میں ملک غلام محمد سرکاری ملازم ہو کر شیلانگ چلے گئے۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ عین عالم شباب میں وہیں انتقال کر گئے۔ اس وقت ان کے اکلوتے فرزند ملک نذر محمد کی عمر چھ مہینہ کی تھی۔ آغوش مادری میں آپ کی شیر خوارگی اور بچپن کا زمانہ گزرا اور شفقت مادری نے آپ کے لڑکپن کی نگہداشت کر کے آپ کو سکول میں داخل کر دیا۔ لیکن بمشکل مڈل ہی کی منزل طے کی تھی کہ ملازمت کی ضرورت پیش آ گئی۔ تعلیم کا شوق اس حال میں بھی دل و دماغ پر طاری رہا چنانچہ دوران ملازمت ہی میں تھے کہ ۱۹۲۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر لیا۔

لاہور میں شیخ محمد صدیق ایک اہل خطہ بزرگ نہایت مقتدر ہستی تھے۔ ان کے ہاں آپ کی شادی ہو چکی تھی۔ ۱۵ اپریل ۱۹۲۲ء کو آپ کے ہاں فرزند پیدا ہوا۔ نام اقبال احمد ہے اور وہ اس وقت سیکنڈ ایئر میں تعلیم پا رہا ہے۔ ملک نذر محمد نے لاہور میونسپل کے مختلف شعبوں میں کام کیا ہے اور کئی مدارج و مراحل طے کر کے اس وقت لاہور میونسپلٹی میں شعبہ چونگی کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جنرل ہیں۔ پونچھ روڈ لاہور میں چوبرجی کے پاس جونئی آبادی قائم ہوئی ہے اس میں اسلامیہ پارک اور پارک کی عالی شان مسجد کے بنیاد میں آپ نے بھی کافی سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ اس پارک میں جہاں معزز مسلمانوں کی کافی آبادی ہے اور ابھی اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک انجمن اتحاد و ترقی بھی قائم کی ہے۔ اور آپ اس کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ آپ کے خاص اقرباء میں شیخ محمد حسین ڈویژنل انسپکٹر ریلوے (خلف شیخ محمد صدیق مرحوم) حکیم میر نور الدین میونسپل کمشنر و صدر انجمن کشمیری مسلمانان لائل پور اور ان کے قابل فرزند میر عبدالقیوم بی اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ وغیرہ کئی معزز اصحاب ہیں۔

منشی رسول ملک بھدرواہی:

آپ کے دادا ہندو راجپوت تھے۔ پٹھانوں کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے۔ ان کے

فرزند عبدالخالق کسی سرکاری خدمت کی وجہ سے ملک کہلوائے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ عاصم ملک اور فتح ملک، فتح ملک آپ کے چچا تھے۔ ان کی تین اولادوں میں دختر ہنوز زندہ ہے اور لاہور میں رہتی ہے۔ ان کے فرزندوں میں محمد ملک بمبئی میں وفات پا گئے۔ عزیز ملک بھدار میاں اپنی یادگار چھوڑ کر انتقال کر گیا۔ ان کی ایک لڑکی کی شادی کشمیر کے مشہور سخن فہم اور لکچرار اور علم دوست بزرگ خان صاحب منشی سراج الدین ڈار میر منشی ریذیڈنسی مرحوم کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس سے دو فرزند اور چند لڑکیاں موجود ہیں۔ خان صاحب مرحوم کے فرزند کلاں مسٹر بشیر الدین گلگت میں تحصیل دار ہیں اور فرزند امیر الدین سری نگر میں تجارتی کاروبار کے مشاغل رکھتے ہیں۔ خان صاحب کی سب صاحبزادیاں تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑی صاحب زادی بی اے اور مسٹر محمد انور اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ سری نگر کے عقد میں ہے۔ آپ کے چچا فتح ملک کی صاحبزادی جو لاہور میں رہتی ہے اور ہنوز صاحب حیات ہے۔ دو فرزند ہیں۔ مسٹر عطا محمد اور مسٹر محمد شریف اور دونوں پنجاب میں نہایت معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔

منشی رسول ملک عاصم ملک کے فرزند کلاں ہیں۔ آپ کے برادر خورد کا نام غلام احمد ملک ہے۔ سو سال سے کچھ زیادہ عرصہ گزرا ہے۔ آپ کے والد گنڈ سرسنگھ (کشمیر) سے بھدرواہ چلے آئے۔ پشمینہ کے تاجر تھے۔ جب پشمینہ کا بازار سرد ہو گیا تو دکانداری شروع کر دی۔ ۱۹۴۲ء میں جس سال مہاراجہ رنبیر سنگھ کا انتقال ہوا ہے عاصم ملک وفات پا گئے۔ آپ کے پانچ فرزند اور تین لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے غلام محمد ملک بھی صاحب اولاد ہیں۔ آپ کے بھائی غلام احمد ملک کے بھی چار فرزند ہیں۔ اور ان کے فرزند کلاں غلام مصطفیٰ ملک بھی صاحب اولاد ہیں۔ آپ کا تمام خاندان تعلیم یافتہ ہے اور قومی و اسلامی کاموں میں آپ کے تمام خاندان کے خورد کلاں نہایت ہمدردانہ حصہ لیا کرتے ہیں۔ بھدرواہ کے علاوہ امرتسر میں بھی آپ کے رشتہ دار موجود ہیں۔ کاغذات بندوبست میں آپ کی ذات ملک درج ہے اور آپ زراعت پیشہ ہیں۔ آپ ٹاؤن ایریا کمیٹی کے پریذیڈنٹ اور علاقہ کے ذیلدار اور بھدرواہ کے بہت بڑے ٹھیکیداروں میں ہیں۔

ملکان شاہ آباد ویری ناگ:

جنوبی کشمیر کے علاقہ شوپیاں، شاہ آباد، کولگام اور شمالی کشمیر کے علاقہ بندکوٹ وغیرہ کے

ملک تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کا مختصر ساذکر ملک گوت کی وجہ تسمیہ کے ساتھ پچھلے صفات میں لکھا جاچکا ہے۔شاہ آبادڈورو میں ملک نورشاہ ایک با اقتدار رئیس گزرا ہے۔سرحدات کشمیر کی تسخیر اور بحالی امن میں اس نے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بڑی مدددی تھی۔ چنانچہ مہاراجہ کے وزیر افواج وزیر راماس نے ان خدمات کے صلہ میں جو عہد نامہ آپ کے ساتھ کیا تھا اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''چوں دریں دلا وزیر رامداس جی بہ اقبال سری مہاراجہ راجگان خداوند خدائیگاں سری مہاراجہ گلاب سنگھ جی درشاہ آباد رسیدہ ہمراہ ملک نورشاہ دھرم نمودہ وازامروزہ درہر آئینہ مذکور از خود نایان اند بفضل نرائن جی و بہ اقبال مہاراجہ جی تادم راجگانی سرمو فرق و تفاوت نہ خواہد شد۔ وہرچہ مقدمات وامورات ملک مذکور خواہد بود۔از دل و جان کوشیدہ انصرام نمودہ خواہد شد۔و بہرصورت خانہ مشارالیہ از خانہ خود است وپا بجائے وایستادگی اوذمہ خودمے دارم۔برین ایں چند سطور بہ طریق خلاصمندی وعہد نامہ از قرار دھرم تحریر یافت۔تحریر ۴ بیسا کھ ۱۹۰۳ء بکرمی از ویری ناگ مرقوم نمود۔''

اپنے وزیر حرب کے اس عہد نامہ کو مہاراجہ بہادر نے بھی جن حوصلہ افزائی الفاظ میں منظور فرمایا وہ حسب ذیل ہیں۔

''شرافت پناہ ملک نورشاہ مسرور باشد چوں وزیر رامداس جی درحضور والا ظاہر نمود کہ شمادر علاقہ خود امداد فوج سرکاری بخوبی دادہ حلال نمکی نمودید۔خشنودیئے مزاج گردید۔لہٰذا قلمی است کہ ازیں جانب بہر باب تسلی دارند طورے کہ وزیر جی ہمراہ شما عہد نمودہ بداں قرار عمل کردہ شود۔برخلاف آں نخواہد شدہ گردن شما بہ خوب وجہ نسلاً بعد نسل برحال ماند، ہرقدر کہ قرار اسنادات و ارشادات سابقہ عمل معافیات نقدی وجنسی اراضی باشد بدستور معاف است ہمراہ شما برخلاف آں نخواہد شد بہر وجہ خاطر جمع دارید عرض واحوال خود مدام درحضور گزارش نمودہ باشند منظور است۔۱۱ اسوج ۱۹۰۴ بکرمی۔''

ملک غلام قادر سابقہ ذیلدار شاہ آباد اور موجودہ ذیلدار اور اس خاندان کے دوسرے افراد ملک نورشاہ ہی کی یادگار ہیں۔راقم نے ملک غلام قادر کے پاس ان کے شجرہ نسب کے وہ قدیم کاغذات بھی دیکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ملکان شاہ آباد کی اصل قوم راجپوت ہے اور ان کا سلسلہ راجگان چینی کے خاندان سے ملتا ہے۔ جو چندیل راجپوت ہیں۔آج سے بہت

عرصہ پیشتر ان کا کوئی بزرگ مسلمان ہو گیا تھا اور مغل حکومت کے زمانہ میں اپنی خدمات اور اپنے اقتدار کی بدولت اس کی ذریات کو ملک کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ آج یہ تمام خاندان ملک ہی کہلا رہا ہے اور اپنے علاقہ میں قابل ذکر پوزیشن رکھتا ہے۔

ملکان شوپیاں و نادی گام:

تحصیل کولگام کے قصبہ شوپیاں اور موضع نادی گام کی ملک قوم کی سینہ بہ سینہ روایات مظہر ہیں کہ یہ لوگ شاہان چوغتہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے بزرگ اکبری حملہ کشمیر کے دوران یا فتح کشمیر کے بعد کشمیر آئے اور یہیں رہ گئے۔ شوپیاں میں ملک عزیز شاہ اور ملک اکرم شاہ ٹھیکہ دار رئیس قابل ذکر ہیں۔ اور تاری گام میں بہادر ملک وغیرہ اصحاب اپنی برادری میں سرکردہ ہیں۔ تاری گام ہی کی ایک شاخ گوجرانوالہ پنجاب اور کشمیر میں دونوں جگہ آباد ہے۔ اس شاخ میں ملک غلام محی الدین مرحوم اور ملک عبدالعزیز دو بھائی قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر کے فرزندان میں ملک عبدالقیوم بیرسٹرایٹ لا پروفیسر لا کالج لاہور بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں اور انگلستان میں اخبار مسلم سٹینڈرڈ کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں اور ترکوں کی سیاست اور ان کے اسباب انقلاب سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی خان بہادر ملک عبدالرشید بنگال میں ڈپٹی ڈائریکٹر ایگریکلچر کے معزز عہدہ پر ہیں۔ ملک عبدالعزیز ریٹائرڈ محکمہ تعلیم کے فرزند خان صاحب ملک عبدالرحیم ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ محکمہ تار کو پنجاب وسرحد کے علاوہ کشمیر میں بھی امتیازی شہرت حاصل ہے۔

ملکان تریہہ گام:

تحصیل ہندواڑہ کے اس مشہور تاریخی مقام میں جس قدر ملک ہیں۔ وہ سب چک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ چک قوم نے کشمیر میں ۳۴ سال تک حکومت کی ہے۔ اسی قوم کے آخری بادشاہ یعقوب شاہ چک پر اکبر نے فتح پا کر کشمیر میں مغل حکومت کی بنیاد رکھی تھی۔ پنچایت تریہہ گام کے سرپنچ محمد ملک اور سیکرٹری خالق ملک جن کو بہبودی زمینداران کا خاص خیال ہے اور جو اپنے فرائض سے پورے طور پر آگاہ ہیں اور ان کی برادری کے دیگر لوگ ملک ہی کہلا رہے ہیں۔ جموں میں بھی چک قوم کا ایک مقتدر خاندان موجود ہے۔ جس کا لقب چودھری ہے۔ ان میں چودھری محمد شفیع بی اے محکمہ کسٹم میں ڈپٹی انسپکٹر کے معزز عہدہ پر ممتاز ہیں جو کشمیر و پنجاب کے مشہور قومی خادم منشی غلام محمد خادم مرحوم رئیس و اعلیٰ زمیندار علاقہ زنگیر تحصیل ہندواڑہ کے داماد ہیں۔

سادات اندرابیہ وندہامہ

(الحاج پیر سید میر محمد سیف الدین شاہ اندرابی سجادہ نشین گاندربل کشمیر)

ا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۲۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

۳۔ زین العابدین

۴۔ امام باقر

۵۔ امام جعفر صادق

۶۔ امام موسیٰ الکاظم

۷۔ سید حسین اصغر

۸۔ سید عبداللہ

۹۔ سید ابوالحسن علی

۱۰۔ سید عبداللہ ثانی

۱۱۔ سید علی اکبر

۱۲۔ سید عبداللہ ثاقب

۱۳۔ سید اکبر ثانی

۱۴۔ سید محمد

۱۵۔ سید ابوعلی

۱۶۔ سید مسلم اندرابی

۱۷۔ سید حسن

۱۸۔ سید ابوالقاسم

۱۹۔ سید ابوالحارث

۲۰۔ سید ابراہیم

۲۱۔ سید جلال الدین

۲۲۔ سید عبدالمطلب

۲۳۔ سید جلال الدین ثانی

۲۴۔ سید شرف الدین محمود

۲۵۔ سید شمس الدین

۲۶۔ سید احمد اندرابی کاشمیری

۲۷۔ سید محمد

۲۸۔ سید ابراہیم

۲۹۔ سید شمس الدین اندرابی

۳۰۔ سید محمد میرک اندرابی

۳۱۔ سید احمد قاسم

۳۲۔ سید شاہ محمد میرزا

۳۳۔ سید ابوالحسن

۳۴۔ سید محمد جعفر

۳۵۔ سید عبدالرزاق

۳۶۔ سید محمد میرزا ثانی

۳۷۔ سید عبدالصمد

۳۸۔ اسداللہ

۳۹۔ سید حسن دندہابی

۴۰۔ پیر حاجی سید سیف الدین شاہ

سید ضیاء الدین مرحوم — سید احمد سعید شاہ سیفی — سید محی الدین سیفی

شجرہ صدر مظہر ہے کہ آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی چالیسویں پشت میں ہیں۔ حضرت علیؓ سے سولہویں پشت میں سید مسلم اندراب میں تشریف لائے۔ جو کابل اور بلخ کے درمیان ایک پرفضا شہر ہے۔ ان کی گیارہویں پشت سے سید احمد بن سید شمس الدین اندرابی جو

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے خواہرزادے تھے حضرت امیر کی ہمراہی میں بزمانہ سلطان قطب الدین کشمیر میں تشریف لائے۔ چونکہ اندراب سے آئے تھے۔ اس لیے اندرابی کے عرف سے مشہور ہوئے۔ ان کی پانچویں پشت میں سید محمد میرک اندرابی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے منجھلے فرزند یعنی فرزند ثانی میر سید احمد قاسم بھی اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح صاحب حالات و مقامات اور فاضل و کامل تھے۔ ان کا مزار موضع پوچھل علاقہ چھرات تحصیل پلوامہ میں زیارت گاہ عوام ہے۔ ان کی نویں پشت سے حضرت میر سید حسن اندرابی یہاں سے نقل مکانی کر کے علاقہ پھاگ دلاور چلے آئے اور موضع دندہامہ متصل گاندربل میں قیام فرمایا۔ میر سید حسن شاہ سلسلہ قادریہ میں نسبت قوی رکھتے تھے۔ اور عموماً گوشہ نشین اور لاپرواسے رہا کرتے تھے اور اسی لیے سیدہ بی بی فاروقہ (آپ کی حرم محترم) اپنے والدین پیر خالق شاہ کے ہاں ہی اقامت گزین تھی۔ چنانچہ یہیں آپ کے کے ہاں ۲۷ ذیقعد ۱۲۹۵ھ کو وہ فرزند پیدا ہوا جس نے کشمیر کے علاوہ پنجاب، سندھ اور ہندوستان کے اکثر ممالک میں کشمیر کے سادات اندرابیہ کے شہرت کو بقائے دوام کا خلعت پہنا دیا۔ ننہال نے اس بااقبال بچہ کا نام سیف الدین رکھا۔

آپ نے اپنے بزرگ والد کے علاوہ حضرت بابا دین محمد چورہ شریف اور بابا عبدالصمد کشتواری خلیفہ حضرت بابا صاحب اور کئی اور بزرگوں سے نقشبندیہ و چشتیہ طریق میں فیض حاصل کیا۔ آپ اپنے ارادت مندوں کو قادریہ چشتیہ اور نقشبندیہ ہر سہ طریقہ میں بیعت کرنے کے مجاز ہیں۔ آپ نے کہیں اپنے پیرومرشد کے مال مویشی کی نگہبانی کر کے اپنے حلقہ بگوشی کا ثبوت دیا اور ان سے حیرت انگیز رموز سلوک و تصوف حاصل کیے۔ کہیں غاروں میں اور کہیں مزاروں پر چلہ کشی کی ہے۔ غرض مصنف تذکرہ سیفیہ نے ان کی بڑی بڑی جفاکش اور صبر آزما ریاضتوں اور ان کے پیدل دشوار گزار سفروں کا ذکر کیا ہے۔ آپ دو مرتبہ زیارت حرمین الشریفین سے بھی مشرف ہو چکے ہیں اور اسی سلسلہ میں بغداد، کربلا، مشہد، کوفہ دمشق، شام، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کی سیاحت کر کے اکثر بزرگان دین کے مزارات پر اپنی عقیدت کے پھول بھی نچھاور کرتے آئے ہیں۔ ہندوستان میں گو آپ پہلی مرتبہ ۱۹۰۸ء میں آئے لیکن اس کے بعد ارادت مندوں کے اصرار سے قریباً آپ کو ہر سال ہی پنجاب اور سندھ بلکہ دہلی و اجمیر تک آنا پڑتا ہے اور لاہور، ملتان، کراچی، میرٹھ، سکھر و دہلی اور پونچھ میں تو آپ کے ارادت مندوں کے بہت بڑی کثرت ہے۔ والد محترم کی وفات کے بعد ۱۹۱۳ء میں آپ سجادہ نشین ہوئے۔

راقم الحروف کی ملاقات سب سے پہلے آپ کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں شیخ احمد علی چشتی مالک مطبع گلزار محمدی کی معرفت ان کے پریس میں بمقام لاہور ہوئی۔ آپ نے میری تحریک سے کشمیر کے جہالت زا خطہ کو ضیائے علم سے منور کرنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ آپ نے دوسرے ہی سال اپنے ذاتی اخراجات سے اپنے علاقہ اور تحصیل بارہ مولا کے بارہ* دیہات سے بارہ مکتب جاری کیے۔ بلکہ گاندربل میں آپ نے مڈل سکول کے اجراء کے لیے جو جلسہ کیا اس میں کئی تعلیمی و مقامی افسر اور پنجاب کے شعراء اور لکچرار شامل ہوئے۔ ان مکتب و مدارس کو آپ کی تعلیمی کوششوں اور آپ کے ذاتی اثر ورسوخ کے باعث ریاست کے محکمہ تعلیم سے گرانٹ بھی ملتی رہی ہے۔

آپ کے ارات مندوں کی تعداد جو آپ کے رجسٹر مریداں میں درج ہے۔ اس وقت تک ۸۸۵۵۵ ہے۔ آپ کے وطن وندہامہ میں جو گاندربل سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے آپ کی طرف سے ارادت مندوں اور عام مسافروں کے لیے لنگر ہر وقت جاری رہتا ہے۔

آپ کے ارادت مندوں نے آپ کے حالات میں کئی کتابیں چھپوائی ہیں۔ جن میں آپ کے سوانحات بلکہ کرامات تک دلچسپ عقیدت مندانہ رنگ میں درج ہیں۔ ان میں ملفوظات سیفیہ، تذکرہ سیفیہ خورد، تعلیم سیفیہ، انوار سیفیہ، تذکرہ سیفیہ کلاں قابل ذکر ہیں۔ ان کے مطالعہ سے ایک عجیب لطف آتا ہے۔

آپ کا ایک صاحبزادہ سید ضیاء الدین عین عالم شباب میں انتقال کر چکا ہے۔ اب دو صاحبزادے جن کے نام شجرہ میں درج ہیں موجود ہیں۔ آپ اپنے ارادت مندوں کو جو تعلیم دیتے اور ارشادات بیان فرماتے ہیں ان میں سے چند ایک ذیل میں درج ہیں۔

(۱) فرض، واجب، سنت اور مستحب پر عمل کرو۔

(۲) حلال روزی کو اپنا شعار بناؤ اور تمام نشہ آور اشیاء اور شرک و بدعت سے باز رہو۔

(۳) صحبت بد سے کنارہ کشی کرو اور منافقت، چوری، جھوٹ اور بغض و حسد سے بچو اور کسی کی حق تلفی اور ایذا رسانی نہ کرو۔

---

* تحصیل خاص سری نگر علاقہ لار کے مدارس کنگن۔ چھتر کل۔ روند ہامہ۔ چھندنہ ہاری پورہ۔ گاندربل مڈل سکول۔ تحصیل بارہ مولا کے مکتب لادہ۔ سلطانپور۔ بورگام۔ اتھورہ۔ چک سری

(۴) والدین کی خدمت اور تابعداری کرو اور خود بینی و بد بینی سے گریز کرو۔

(۵) خدا و رسول کی ناراضگی جن امور سے ہے ان سے ڈرو اور عذاب حشر سے بچنے کی کوشش کرو۔

(۶) شرائط ایمان (صدق ویقین) کو محکم رکھو اور برادران ملت کی شادی وغمی میں برابر کے شریک رہو۔

(۷) کل نفس ذائقة الموت کا ہر وقت نگاہ میں رکھو۔

(۸) اپنی عصمت اور غیرت کو قائم رکھو۔

پیر صاحبان گزریال ہندواڑہ

اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت پیر بابا صاحب بیان کیے جاتے ہیں جن کا مزا سوات بنیر علاقہ سرحد میں ہے۔ آپ کی والدہ سیدزادی تھی۔ اور آپ قریشی الاصل تھے۔ آپ کے فرزند نور الدین بابا سب سے پہلے کشمیر آئے۔ ان کے فرزند ابراہیم بابا، ان کے حسین بابا او حسین بابا کے فرزندان میں بابا عبداللہ نے صاحب کشف وکرامات اور موید الاسلام کی حیثیت سے کشمیر میں شہرت حاصل کی ہے۔ آپ پرگنہ ادلر کے موضع لاریال میں پیدا ہوئے۔ تاریخ خوا اعظمی (صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳) اور تاریخ کبیر کشمیر (صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵) میں آپ کے کچھ حالات در ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کے اصرار سے قریہ بہ قریہ اور دیہہ بہ دیہہ پھرا کر۔ تھے۔ آپ کے ہاتھ پر اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ سنت نبوی اور شریعت اسلامیہ کی اشاعہ آپ کا خاص مقصد تھی۔ آپ نے اکثر مقامات میں غسل خانے، حمام، مساجد مسافر خانے اور تعمیر کرائے۔ ابوالفقراء حضرت بابا نصیب غازی کے خلیفہ حاجی بابا سے رتبہ تکمیل وارشاد حاص کیا۔ ۱۱۱۷ھ میں وفات پائی۔ مدفن آپ کا گزریال تحصیل ہندواڑہ میں ہے۔

ان کے فرزند بابا عبدالسلام ان کے بابا پیر بہاء الدین اور ان کے فرزند پیر حسین تھے۔ جو راجہ شیر احمد خاں مرحوم والئی کرناہ کے زمانہ میں ان کے تمام علاقہ کے قاضی تھے پیر حسین بابا کے برادر اصغر پیر رسول بابا تھے۔ جو بڑے پایہ کے اہل اللہ اور فارسی و کشمیری ز

کے شاعر تھے۔ان کی بہت سی غیر مطبوعہ تصانیف ان کی اولاد کے پاس موجود ہیں۔آپ کے چار فرزند تھے۔ پیر عبداللہ بابا، پیر محمد صادق، پیر رحمت اللہ پیر عبدالاحد، پیر عبداللہ کے فرزند پیر ضیاء الدین بقید حیات ہیں۔ان کے بھی دو بیٹے ہیں۔ پیر عبدالسلام و پیر محمد انورؔ، پیر محمد صادق کے فرزندوں میں پیر مولوی محمد عباس سجادہ نشین ہیں اور پیر غلام احمد وفات پا چکے ہیں۔ پیر محمد عباس کے فرزند پیر بہاء الدین ایک ہونہار خادم ملت نوجوان ہیں۔ پیر رحمت اللہ کے فرزند پیر محمد یامین شاہ (کنڈی کرناہ) اور پیر قطب الدین متقی اور پابند شرع بزرگ ہیں۔ پیر قطب الدین کے فرزند پیر مولوی محی الدین شاہ علوم عربیہ کی تحصیل و تکمیل کی غرض سے آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ اور امتحان مولوی فاضل کی تیاری کر رہے ہیں۔ پیر رسول بابا کے چوتھے فرزند میر عبدالاحد کے تین فرزند حسب ذیل ہیں۔ پیر قطب الدین، پیر محمد حسین اور پیر غلام محمد۔

مسلمان سپرو خاندان

(حکیم الامت ترجمان حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال ایم اے پی۔ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لاءمرحوم)

لولی حاجی کی چند پشتوں کے بعد
شیخ اکبر
چند پشتوں کے بعد
شیخ محمد رمضان — شیخ محمد رفیق — شیخ عبداللہ — نامعلوم الاسم
تین دختر — بلا اولاد نرینہ
شیخ فتح دین
شیخ نور محمد — شیخ غلام محمد بلا اولاد نرینہ
محمد الدین — تاج ادین — چراغ الدین
شیخ عطا محمد — شیخ سر محمد اقبال
عزیز الدین — اسمٰعیل — ابراہیم
بشیر احمد
اعجاز احمد — امتیاز احمد — مختار احمد
احمد حسین — اکرام حسین
تحسین احمد — خلیل احمد
فریاد حسین — اعجاز حسین
افتخار احمد
زوار احمد — ابرار احمد
غلام حیدر — غلام حسین
آفتاب احمد بیرسٹرایٹ لا — جاوید اقبال متعلم بی اے کلاس — ایک دختر
الطاف حسین — تراب حسین — نیاز حسین

سلطان زین العابدین بڈ شاہ کے زمانہ تخت نشینی (۸۲۴ھ) وفات (۸۷۴ھ):

حضرت شیخ العالم شیخ نورالدین ولی کے ارادت مندوں میں حضرت بابا نصرالدین ایک بہ بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ العالم نے اپنے اشعار (کشمیری) میں اپنے اس نام خلیفہ کا بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ بابا نصرالدین کے مریدوں میں بابا لولی حاجی ایک بزرگ۔ جنہوں نے کئی حج کیے تھے اور بارہ سال تک کشمیر سے باہر سیر و سیاحت ہی میں رہے تھے چنانچہ مصنف تاریخ اعظمی صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے۔ ''دوازدہ سال سیاحت کردہ بہ کشمیر آمدہ بہ اشار غیبی مرید حضرت بابا نصرالدین شد و بقیہ عمر در خدمت و صحبت او گذرانید۔'' ان کا اصل نام معا نہیں ہو سکا۔ لول حج یا لولی حاجی کے نام سے انہوں نے زیادہ شہرت پائی۔ انہوں نے کئی پا پیادہ کیے تھے۔

لول یا لالہ، یا لال کشمیر میں پیار اور عزت کا لفظ ہے۔ جیسے بڑے بھائی کو کاک لال کہتے ہیں۔ وطن ان کا پرگنہ آڈون کے موضع چسکو میں تھا۔ قبول اسلام سے قبل ذات کے بر تھے۔ گوت سپروتھی پیشہ ان کا زراعت کاری اور زمینداری تھا۔ لیکن جب فقر اختیار کیا تو س باتوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ آپ کی قبر چرار شریف میں احاطہ مزار شیخ نورالدین ولی کے ا ہے۔ جہاں ان کے مرشد بابا نصرالدین بھی مدفون ہیں۔ چنانچہ صاحب تاریخ اعظمی لکھتے ہیں ''وقت رحلت در آستانہ چرار در جوار پیر بزرگوار آسود۔''

بابا لول حج کی اولاد میں ایک بزرگ شیخ اکبر کے نام سے ہوئے ہیں باعمل صوفی بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ ان کے تقدس و اتقا اور ان کی خاندانی نجابت کی وجہ ان کی شادی ان کے مرشد نے جو سید تھے۔ اپنی صاحبزادی سے کر دی تھی۔ مرشد کی وفات پر کے فرزند سید میر نام نابالغ تھے۔ اس لیے وہی اپنے مرشد کے جانشین قرار پائے۔ شیخ اکبر سی طبع تھے کئی دفعہ انہوں نے پنجاب کا سفر بھی کیا۔

ان کی چوتھی پشت میں جیسا کہ شجرہ سے معلوم ہو گا چار بھائی تھے وہ ان ایام میں ج کشمیر افغانوں کے ماتحت تھا ترک وطن کر کے پنجاب آئے اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کا وطن ج تحصیل کولگام کے علاقہ میں تھا اس لیے وہ بانہال کو طے کرتے ہوئے جموں کے راستے سیالکو سیالکوٹ میں آئے اور یہیں مقیم ہو گئے۔ فرزند اوّل شیخ محمد رمضان اور شیخ صدر دین فرزند دوم سیالکوٹ کو ہی مستقل وطن قرار دے لیا۔ شیخ عبداللہ ضلع سیالکوٹ کے موضع جیٹھیک

میں سکونت پذیر ہو گئے۔ چوتھے بھائی نے جو سب سے چھوٹے تھے اور جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ لاہور میں سکونت اختیار کی۔ شیخ محمد رمضان صوفی منش بزرگ تھے۔ انہوں نے تصوف پر فارسی زبان میں چند ایک کتابیں بھی لکھی ہیں۔ شیخ محمد رفیق نے سیالکوٹ میں بزازی کی دکان کھول لی۔ ان کے فرزند شیخ نور محمد بھی والد کی دکان پر ہی کام کرتے رہے۔ البتہ شیخ محمد رفیق کے چھوٹے فرزند شیخ غلام محمد محکمہ نہر میں ملازم ہو گئے روپڑ میں تھے کہ شیخ محمد رفیق جو اپنے فرزند کی ملاقات کو آئے ہوئے تھے یہیں بیمار ہوئے اور یہیں انتقال کر گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ بھی روپڑ ہی میں ہے۔ تیسرے فرزند شیخ عبداللہ کی اولاد کا کثیر حصہ ریاست حیدر آباد دکن میں رہتا ہے۔ وہیں اس کی بود و باش ہے اور زراعت ان کا پیشہ ہے۔ چوتھے بھائی جو لاہور میں تھے وہ لاولد ہی انتقال کر گئے۔

شیخ محمد رفیق کے والد کا نام سیالکوٹ میں نہ کسی عمر رسیدہ آدمی کو معلوم ہے اور نہ ان کی اولاد اور دوسرے قرابت داروں کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے والد پنجاب نہیں آئے تھے۔ بلکہ یہ خود ہی اپنے بھائیوں کے ہمراہ آئے تھے۔ اس لیے کسی کو ان کے والد کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ شیخ محمد رفیق کے متعلق مولانا عبدالعزیز ملک (گوجرانوالہ عمر ۹۴ سال) کا بیان ہے کہ وہ درمیانہ قد کے بزرگ تھے اور نہایت وجیہہ اور خوبصورت تھے اور خدوخال لب و لہجہ اور درخشاں چہرہ سے ان کی کشمیریت ٹپکی پڑتی تھی۔

شیخ محمد رفیق کے فرزند شیخ نور محمد تجارت پیشہ ہونے کے باوجود صوفیا اور علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے اور ان کی صحبتوں میں رہنے کی وجہ سے شریعت و طریقت کے نکات و رموز سے پورے آگاہ اور علم مجلس سے پورے واقف تھے۔ کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور اسی کو دین و دنیا کی ترقی کا عث سمجھتے تھے۔ ان کی یہی تاکید اپنے فرزندوں کو بھی تھی۔ چنانچہ سر اقبال خود فرماتے ہیں۔ 'والد مرحوم ہمیشہ قرآن حکیم کی تلاوت کی تلقین فرمایا کرتے اور تاکید کرتے۔ بیٹا قرآن کو اس رح پڑھا کرو۔ گویا وہ تمہیں پر نازل ہوا ہے یا خدا تم سے ہمکلام ہے*۔''

کہا جاتا ہے کہ سیالکوٹ میں سنگر مشین (سلائی والی) سب سے پہلے شیخ نور محمد ہی نے لوائی تھی۔ راقم کو خود بھی شیخ صاحب سے نیاز حاصل تھا۔ ۱۸۹۹ء یا ۱۹۰۰ء کی گرمیوں میں جب اقبال نے راقم کو ایک خاص کام کے لیے سیالکوٹ بلوایا۔ تو تین دن تک انہی کے مکان پر رہا ان کے صوفی منش والد محترم کی صحبتوں سے مستفید ہوتا رہا۔

البیان امرتسر بابت دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۸۲

جب سر اقبال نے نالہ یتیم کے نام سے پہلی مرتبہ اپنی نظم انجمن حمایت اسلام کے وسیع صحن میں ترنم سے پڑھی۔ تو شیخ نور محمد بھی جلسہ میں موجود تھے۔ اور با اقبال فرزند کی قبولیت عامہ ان کے اشعار دلگداز کے تاثرات اور ان کی ترنم ریزی سے بے خود ہو رہے تھے۔

شیخ نور محمد کا چہرہ نورانی تھا۔ اچھے قد آور تھے۔ داڑھی سفید تھی۔ خوش پوش اور خوش مذاق تھے۔ ایک سو سال کی طویل عمر پا کر ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو بمقام سیالکوٹ وفات پا گئے۔

شیخ عطا محمد آپ کے فرزند کلاں تھے۔ ان کو اپنے عزیز بھائی کے ساتھ محبت نہیں عشق تھا۔ ان کو علمی لحاظ سے اقبال کو پروان چڑھانے یعنی ان کی اعانت کرنے میں بہت کچھ دخل ہے۔ شیخ عطا محمد سرکاری ملازم تھے۔ وہ پنشن کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہے۔

آپ احمدیت سے دلچسپی رکھتے تھے اور سر اقبال احمدیت کے مخالف تھے اور یہ بات ان کے برادر بزرگ کو ناگوار گزرتی تھی۔ لیکن اقبال اس پر بھی ہمیشہ ان کا ادب ملحوظ رکھتے اور اس بارہ میں ان سے گفتگو کرنے سے اجتناب فرماتے تھے۔

شیخ عطا محمد بھی اقبال کے علم و فضل کا بڑا ادب کرتے اور ان کی محبت میں سرشار رہتے تھے۔ چنانچہ اپنے ایک خط بنام خان صاحب منشی سراج الدین احمد مرحوم کشمیر مورخہ اگست ۱۹۳۹ء میں لکھتے ہیں۔ "برادر عزیز اقبال کے وصال نے مجھے زندہ در گور کر رکھا ہے۔ دوست احباب سے ملنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو وہ عزیز مرحوم کا ذکر کرتے یا ان کا کوئی کلام دیتے ہیں۔ تو میری قلبی حالت کا اندازہ قیاس سے باہر ہو کر میری آنکھوں سے خود بخود دریا بہہ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے میری بینائی میں خلل ہے۔ کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ اقبال کی یاد میری حالت کو متغیر کر کے مجھے گھنٹوں تک غوطے میں نہ لے جاتی ہو۔ خدا نے مجھے شاید مرحوم کے بعد اس غم میں رونے کے لیے ہی زندہ رکھا ہے۔"

اسی خط کے آخری حصہ میں لکھتے ہیں۔ "ایک شخص نے جب کہ ہم دونوں بھائی سیر کر رہے تھے۔ ہم کو مخاطب کر کے سوال کیا۔ تم دونوں میں بڑا کون ہے۔ میں نے اقبال کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے۔ یہ کس طرح؟ میں نے فوراً اس کو جواب دیا۔ یہ مول میں بھاری ہے تول میں۔ مکرر آنکہ یہ علم میں، میں عمر میں۔ اقبال بے بہا ہیرا تھا۔ جو مجھ سے چھین لیا۔ میرے دل کی انگوٹھی بے نگینہ ہے۔ جسے دیکھ کر روتا ہوں۔"

* البیان امرتسر بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۱۶۔

ایسے بے بہا ہیرے کی گمشدگی کے بعد بھائی کا یہ قدردان جوہری ہمیشہ دل گیر اور غمگین ہی رہا اور آخر ۲۲ دسمبر ۱۹۴۱ء کو قریباً بیاسی سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔

شیخ عطا محمد مرحوم کے فرزند اول شیخ اعجاز احمد ۱۲ جنوری ۱۸۹۹ء کو پیدا ہوئے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۱ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۲۶ء تک سیالکوٹ میں وکالت کرتے رہے۔ اسی سال پنجاب ہائیکورٹ نے آپ کو جوڈیشل سروس کے لیے منتخب کیا۔ مارچ ۱۹۲۷ء میں آپ سب جج مقرر ہوئے اور مختلف مقامات پر جولائی ۱۹۴۲ء تک جوڈیشل کام کرتے رہے۔ اسی مہینہ میں گورنمنٹ ہند نے آپ کو پنجاب اور سندھ کے صوبوں کے لیے ویٹ کمشنر (کمشنر گندم) مقرر کیا۔ اب یکم مارچ ۱۹۴۳ء سے آپ دہلی کے محکمہ خوراک میں ڈپٹی کنٹرولر پرچیز ہیں۔ آپ کی شادی کے معاملہ میں قابل تذکرہ یہ امر ہے کہ آپ کے رشتہ کی تلاش میں اقبال مرحوم کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ کسی مسلمان سپرو خاندان کا سراغ ملے تو وہاں رشتہ کیا جائے۔ لیکن تلاش و کوشش کے باوجود پنجاب میں کسی مسلمان سپرو خاندان کا پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ راقم کو آپ ۱۶ جنوری ۱۹۳۴ء کے خط میں لکھتے ہیں۔ "اعجاز کی شادی کے وقت پنجاب میں کسی مسلمان سپرو خاندان کی جستجو کی گئی۔ مگر ناکامی ہوئی۔"

اقبال کی زندگی ہی میں مشاہیر کشمیر نامی کتاب راقم نے لکھی تھی جس میں کشمیر کے اور مشاہیر کے علاوہ ان کے حالات بھی درج تھے۔ اس میں ان کا سال پیدائش ۱۸۷۵ء درج ہے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد میونسپلٹی کے رجسٹروں اور علامہ مرحوم کے قابل اعتبار قریبی رشتہ داروں سے مکمل تحقیق کے بعد معلوم ہوا ہے کہ علامہ مرحوم کی تاریخ ولادت ۲۲ فروری ۱۸۷۳ ہے۔" ابتداء میں اکثر مسلمان بچوں کی طرح آپ بھی مکتب کی ہوا کھاتے رہے۔ پھر مدرسہ میں داخل ہو کر پانچویں جماعت میں اور پھر مڈل اور میٹرک میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ میٹرک کے بعد مشن کالج میں داخل ہوئے۔ وہاں مولانا سید میر حسن (بعد میں شمس العلماء) جیسے شفیق استاد کی توجہ خاص اور فیضان صحبت و تربیت نے ان جوہروں کو جلا دینے میں جو قدرت نے آپ کی طبیعت میں امانت رکھے ہوئے تھے، کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سیالکوٹ کالج سے ایف اے پاس کر کے آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں آئے اور فلسفہ کے علاوہ انگریزی اور عربی میں بہ اعزاز بی اے پاس کرنے پر دو طلائی تمغے اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ انہی ایام میں مسٹر ڈبلیو آرنلڈ علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج میں آ گئے تھے۔ وہ اقبال کی تیز فہمی اور اس کے فلسفیانہ دماغ کے معترف ہو کر

کہا کرتے تھے۔ کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق بنا دیتا ہے۔ آپ نے ایم اے کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن رہنے کی وجہ سے طلائی تمغہ حاصل کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۰۱ء میں آپ نے امتحان مقابلہ (ای اے سی) تیاری کی۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ امتحان سے ایک روز قبل منظور شدہ امیدواروں کا جسمانی صحت کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹر نے کسی وجہ سے طبی لحاظ کو مدنظر رکھ کر آپ کا نام فہرست امیدواروں سے خارج کرا دیا۔ اس پر اکتوبر ۱۹۰۱ء کے کشمیری گزٹ ستمبر ۱۹۰۱ء کی کسی اشاعت کے پیسہ اخبار نے میڈیکل بورڈ کے اس رویہ کے خلاف زوردار مضامین لکھے۔

اس کے بعد آپ اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاست مدن کے لکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۳ء میں آپ گورنمنٹ کالج میں جہاں پہلے شاگرد تھے۔ فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ (اسسٹنٹ پروفیسر) بن کر آئے۔ ۱۹۰۵ء میں آپ ولایت گئے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے آنرز اور میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان واپس آئے۔ پیسہ اخبار کے وسیع صحن میں عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں آپ کے احباب نے نظمیں پڑھیں۔

انہی ایام میں آپ کو علی گڑھ کالج میں آنے کے لیے کہا گیا۔ اخبارات میں مضمون بھی چھپے۔ لیکن آپ نے بیرسٹری شروع کر کے آزاد زندگی کو ترجیح دی۔ چنانچہ آپ ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء کے گرامی نامہ میں سیالکوٹ سے راقم کو لکھتے ہیں۔ "آپ جموں کے راستے (کشمیر) جائیں تو ضرور سیالکوٹ تشریف لائیں۔ تا کہ مجھے آپ کی دوستانہ قدر و منزلت کرنے کا موقع مل سکے۔ میں قانونی کتب کی طرف متوجہ ہوں۔ روٹی تو خدا ہر ایک کو دیتا ہے۔ میری آرزو ہے کہ میں فن میں کمال پیدا کروں۔ آپ بھی دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس مہم میں میرا شامل حال ہو۔"

امتحان مقابلہ میں ان کی ناکامی بظاہر افسوس کا باعث تھی اور ان کو خود بھی اس کا ملال تھا۔ بعد ازاں وہ کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر ہوئے لیکن ترقی کرتے تو زیادہ سے زیادہ پروفیسر ہو جاتے۔ ولایت سے بیرسٹر ہو کر آئے۔ بیرسٹروں کی ہندوستان میں کمی نہ تھی۔ وہ اس فن میں کمال بھی پیدا کر لیتے تو ان کے اپنے لیے ہی ہوتا۔ علی گڑھ کالج میں جانے سے بھی حکمت الٰہی نے کسی وجہ سے روک رکھا۔ کشمیری انجمن اور بعد ازاں کشمیری کانفرنس کے جنرل سیکرٹری بنے۔ انجمن حمایت اسلام کے پریذیڈنٹ بھی رہے۔ پنجاب کونسل میں بھی گئے اور لوگوں کے اصرار سے بادل نخواستہ گئے۔ لیکن آخر ان سب امورات کی تہہ میں کیا یہ سربستہ راز نہ تھا کہ منشا

ایزدی نے مسلمانانِ ہند ہی نہیں مسلمانانِ عالم بلکہ ہر غافل قوم کو بیدار کرنے کا کام ان کے سپرد کر رکھا تھا۔ اور جب انہوں نے اپنے وجد آفرین، بیدار کن، حریت آموز اور پرجوش کلام کے ذریعہ عوام الناس اور بالخصوص مسلمانوں کو اپنا پیغام سنانا شروع کیا تو زبانِ خلق نے کہیں ترجمان حقیقت کہیں حکیم الامۃ کہیں حقائق آگاہ کہیں شارعِ اسلام اور کہیں شاعرِ مشرق کا خطاب دیا۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی کے مشہور اور نامی فارسی شاعر مولانا گرامی (جالندھری) نے ''پیغمبری کردہ پیمبر نتواں گفت'' سے خطاب کیا اور حکومت نے بھی ۱۹۲۳ء میں آپ کی یہ عالمگیر عزت وشہرت دیکھ کر جو ہندوستان سے باہر یورپ، امریکہ اور تمام ممالک اسلامیہ میں آپ کی مثنویوں کے ترجموں کے ذریعہ جا پہنچی تھی۔ آپ کو نائٹ (سر) کا معزز خطاب عطا کیا اور اس تقریب پر جو جلسہ مقبرہ جہانگیر میں ہوا اس میں اکابر روسائے ملک کے علاوہ سر ایڈورڈ **میکلیگن** گورنر پنجاب بھی شامل تھے۔

سر اقبال کے بزرگ گو صدیوں سے مسلمان چلے آتے تھے لیکن ہندوؤں اور بالخصوص برہمنوں کو ان کے اسلاف کے برہمن ہونے پر بھی فخر رہا ہے۔ چنانچہ پنڈت رام چندر دہلوی مشہور مذہبی مناظر فاضل عربی وسنسکرت ۲۷ جون ۱۹۳۸ء کے روزانہ احسان کے اقبال نمبر میں لکھتے ہیں ''ایشوری گیان اور کلام ربانی کو برہمن زادہ ہی سمجھ سکتا ہے اس میں اقبال نے کیا راز پنہاں رکھا ہے۔ (یہی کہ) اقبال کشمیری پنڈت تھے۔ ہزاروں برس تک ان کے آباؤ اجداد نے روحانیت کی تربیت میں اقبال کو اپنے اندر پرورش کیا۔'' اقبال خود بھی لکھتا ہے۔

میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند
جز برہمن پسرے محرم اسرار کجاست

لیکن اس کے باوجود اقبال کو اپنے مسلمان ہونے پر جو فخر ہے وہ اسی کے اشعار ذیل سے معلوم ہوگا:

بات پرستی کو مرے پیش نظر لاتی رہے
یاد ایامِ گزشتہ مجھے شرماتی ہے
ہے جو پیشانی یہ اسلام کا ٹیکا اقبال
کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے

اقبال ۱۹۰۹ء میں انجمن کشمیری مسلمانان پنجاب کے سیکرٹری تھے، دسمبر کے آخری ایام میں بصدارت نواب بہادر نواب خواجہ سر سلیم اللہ نواب آف ڈھاکہ امرتسر میں محمڈن ایجو کیشنل کانفرنس علی گڑھ کا سالانہ اجلاس منعقد ہو رہا تھا اس موقع پر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے انجمن کی طرف سے نواب بہادر کی خدمت میں جو سپاسنامہ بہ آواز بلند پڑھا۔ اس کے چند الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

''پوشیدہ نیست کہ اسلاف ما بہ غرض سیر و سیاحت و ترقی تجارت و حصول روزگار راہ غربت گرفتند واز خطہ جنت نظیر خویش انفراق نمودہ دریں ملک ہندوستان بہ مقامات مختلفہ اقامت درزیدند۔ دورصورت اجنبی زندگانی مے کردند۔ ہنگامیکہ آفتاب مغربیہ بہ ہندوستان طلوع نمود و اقوام مختلفہ دیار از علوم مغربیہ بہرہ اندوز گشتند۔ دراں زماں بزرگان خطہ باوجود مشکلات مہاجرین دریں راہ قدم بہ نہادند وافتاں وخیزاں خویشتن رابجائے رسانیدند کہ امروز بہ اعتبار علوم وفنون و حصول مراتب وجاہت دنیویہ وادائے فرائض دینیہ و بہ نظر تہذیب اخلاق درصف اقوام ترقی یافتہ جاگرفتند۔''

اقبال کئی سال تک کشمیری مسلمانان پنجاب کی انجمن کے سیکرٹری رہے اور فوجی مسئلہ اور حصول اراضی کی ضرورت واہمیت، برادری اور حکام دونوں پر ظاہر کرتے رہے چنانچہ اس بارہ میں ان کی کئی تحریریں کشمیری میگزین میں موجود ہیں۔ یہاں ان کی ایک مطبوعہ چٹھی کا جو اہل خطہ پنجاب کی فوجی، زمینداری اور مردم شماری کے مسئلہ پر ہے کچھ اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

''گورنمنٹ آف انڈیا اور خود کمانڈر انچیف تسلیم کر چکے ہیں کہ کشمیری مسلمان فوجوں میں ملازم ہیں۔ ان کے لیے کوئی بندش اور رکاوٹ نہیں ہے۔ البتہ ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ کشمیری زمینداروں کی فہرست اقوام بندی کی بھی کوشش ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ امر بھی مدنظر ہے کہ قوم کے خواندہ اور ناخواندہ اور بیکار اور باکار اصحاب کا حال بھی معلوم ہو جائے تاکہ کمیٹی حتی المقدور اپنے بھائیوں کو کوئی مدد دے سکے۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ کی قوم میں بھی وہ سچے موتی اور جواہر موجود ہیں جن کی چمک دمک سے دنیا حیران اور خیرہ ہو سکتی ہے۔ لیکن صرف جلا کی ضرورت ہے اور جلا تعلیم ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔''

آپ کبھی کشمیر تشریف نہیں لے گئے تھے۔ چنانچہ ۸ جون ۱۹۱۷ء کے ایک خط میں جو راقم کے نام ہے۔ راقم کی تصنیف ''رہنمائے کشمیر'' کے متعلق آپ تحریر فرماتے ہیں'' افسوس ہے

میں آج تک کشمیر نہ جا سکا۔ لیکن آپ نے رہنمائے کشمیر میں جس انداز سے کشمیر و اہل کشمیر کے حالات لکھے ہیں۔ ممکن ہے ان کی کشش مجھے بھی کسی وقت ادھر کھینچ لے جائے۔'' آخر آپ جولائی ۱۹۲۱ء کی گرمیوں میں مولوی احمد الدین (لون) بی اے ایل ایل بی، پلیڈر مرحوم اور اپنے منشی شیخ طاہر دین مرحوم کے ہمراہ کشمیر آئے۔ اہل کشمیر کو وہاں جس حال میں آپ نے دیکھا اس کا کچھ تذکرہ ذیل کے چند اشعار سے معلوم ہو سکے گا:

کشیر کہ با بندگی خو گرفتہ
بتے مے تراشد زسنگ مزارے
ضمیرش تہی از خیال بلندے
خودی ناشناسے زخود شرمسارے
بریشم قبا خواجہ از محنت او
نصیب تنش جامہ تار تارے
نہ در دیدہ او فروغے نگاہے
نہ در سینہ او دل بیقرارے
ازاں مے فشاں قطرہ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

''بتے مے تراشد زسنگ مزارے'' کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ آپ نے راقم کو لکھا کہ ''کشمیر اور اہل کشمیر پر کتابیں لکھ کر آپ نے مسلمانوں پر اور ان کے لٹریچر پر بڑا احسان کیا ہے البتہ کشامرہ کی قبر پرستی ایک ایسا مضمون ہے جس پر جہاں تک مجھے معلوم ہے آپ نے اب تک کچھ نہیں لکھا۔ اس طرف سب سے زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔'' آپ کو اہل کشمیر میں بیداری کی روح پیدا کرنے کا بڑا خیال تھا اور ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہندوستان میں اس ملک کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس نے کہ اگر اس ملک کے لوگ بیدار ہوئے تو وہ انشاء اللہ سارے ہندوستان کی رہنمائی کریں گے۔ مجھے ۱۹ دسمبر ۱۹۲۲ کے خط میں لکھتے ہیں۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ کشمیر کے لوگوں میں خودداری کی روح پیدا کی جائے۔ میں نے بھی ایک نظم اس موضوع پر لکھی ہے جو عنقریب فارسی مجموعہ میں شامل ہوگی۔ آپ کے ایک خط کا فوٹو

بھی آپ کے فوٹو کی پشت پر ہے۔اس سے بھی معلوم ہوگا کہ آپ کو کشمیر و اہل کشمیر کی ترقی وفلا اوران کے لٹریچر کا کس قدر خیال تھا۔

آپ نے اہل خطہ پنجاب اور مسلمان کشمیر کو ہمیشہ شجر اسلام کی ایک شاخ بلکہ شا ثمر ور تصور کیا ہے۔ان کے باہمی اتحاد اوران کی بیداری اوران کی قومی ضروریات پر نظم و میں اپنے بیش قیمت خیالات کا اظہار کیا ہے۔فرماتے ہیں:

کہکشاں میں آکے اختر مل گئے
اک لڑی میں آکے گوہر مل گئے
واہ واہ کیا محفل احباب ہے
ہم وطن غربت میں آکر مل گئے
موتی عدن سے لعل یمن سے ہوا ہے دور
یانافہ غزال ہوا ہے ختن سے دور
ہندوستان میں آئے ہیں کشمیر چھوڑ کر
بلبل نے آشیانہ بنایا چمن سے دور

*

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشم اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
در مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دنیا میں رہو مثل حروف کشمیر

*

پنجہ ظلم و جہالت نے برا حال کیا
بن کے مقراض ہمیں بے پروبال کیا
توڑ اس دست جفاکش کو یارب جس نے

روح آزادی کشمیر کو پامال کیا

*

ایک اور نظم انہوں نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کے قیام پر فروری ۱۹۱۶ء میں انجمن کی ایک میٹنگ میں پڑھی تھی۔ جو ان کے ولایت سے واپس آنے کے بعد مارچ ۱۹۰۹ء کے کشمیر میگزین میں ان کی نظر ثانی اور اجازت کے بعد چھپی تھی۔ چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پہ آئے گا طالع واژون
مثال شانہ اگر میری سوز باتیں ہوں
نہ طے ہو زلف رو شکر ایزد بے چوں
خدا نے ہوش دیا متفق ہوئے سارے
سمجھ گئے ہیں تری چال گنبد گردوں
چراغ عقل کو روشن کیا ہے ظلمت میں
ہمارے ہاتھ میں آجائے گا ڈر لکنوں
بڑھے یہ بزم ترقی کی دوڑ میں یارب
کبھی نہ ہو قدم تیز آشنائے سکوں
جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانہ میں
اسے بھی باندھ اے اقبال صورت مضمون

سیالکوٹ میں جب اپریل ۱۹۲۸ء کے ایام میں مسلم کشمیری کانفرنس کا جلسہ ہوا تو آپ نے الفاظ ذیل میں اپنے ہمدردانہ خیالات کا اظہار کیا*۔

''میں کانفرنس کے ہر ایک معاملہ میں ہم خیال ہوں اور کانفرنس کے کاموں میں شامل ہو کر عملی طور پر حصہ لینے کی کوشش کروں گا۔ ہر ممکن اعانت کو تیار رہوں۔ خدا مجھے اپنی قوم کے نیک کاموں میں حصہ لینے کی توفیق عطا کرے۔ میری دلی دعائیں کانفرنس کی کامیابی کے لیے وقف ہیں۔''

تحریک حریت کشمیر (۱۹۳۱ء) کے ایام میں آپ حالات کشمیر کا بڑے غور سے مطالعہ کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ جو کچھ ہورہا ہے۔ توقع کے خلاف نہیں ہے۔ ممکن ہے کبھی اس سے بھی زیادہ انقلاب کشمیر میں پیدا ہو۔ آپ ذات پات اور اونچ نیچ کے جھگڑوں سے سخت متنفر تھے اور حب وطن کو مذہب کا کفن تصور کرتے تھے لیکن بقول علامہ سلیمان ندوی جب تک آپ کا ہندی ترانہ موجود ہے۔ ان کے باطنی جذبہ سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کیا وہ اقبال ہی نہیں ہیں جنہوں نے ہماری نوجوان نسلوں کو یہ سکھایا ہے ''خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے۔'' پھر ہندوستانی بچوں کو یہ گیت عنایت کیا ہے۔ ''میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے۔'' اپنی موت سے کچھ عرصہ پیشتر شیخ الہند مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ سر محمد اقبال کے درمیان ''قوم وملت'' کی بحث نے ایک ناگوار صورت اختیار کرلی تھی۔ لیکن آخر میں سر اقبال نے مولانا سے کئی امور میں اختلاف رائے کے باوجود اپنے بیان میں فرمایا کہ ''مولانا کا یہ ارشاد کہ ''اقوام اوطان ہی سے بنتی ہیں۔'' قابل اعتراض نہیں۔ اس لیے کہ قدیم الایام سے قوم اوطان کی طرف اور اوطان اقوام کی طرف منسوب ہوتے چلے آئے ہیں۔ ہم سب ہندی ہیں اور ہندی کہلاتے ہیں کیونکہ ہم سب کرہ ارضی کے اس حصہ میں بود وباش رکھتے ہیں۔ جو ہند کے نام سے موسوم ہے۔ علی ہذا القیاس، چینی، عربی جاپانی، ایرانی وغیرہ میں وطن کا لفظ محض ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور اس حیثیت سے اسلام سے متصادم نہیں ہوتا۔ ان معنوں میں ہر انسان فطری طور پر اپنے جنم بھوم سے محبت رکھتا ہے اور بقدر اپنی بساط کے اس کے لیے قربانی کرنے کو تیار رہتا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ سر اقبال ''مغربی نظریہ وطن'' کے خلاف تھے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ دینی وحدت کو پارہ پارہ کرکے قومی زندگی کی بنیاد وطن کو قرار دیا جائے اور اس طرح ایک تو لادینی اور دہریت کا چرچا ہو کر مذہبی روح کو فنا کردیا جائے۔ دوسرے ہر قوم اور ہر ملک کا وطن علیحدہ قرار دے کر اقتصادی مخالفتیں شروع کرادی جائیں۔ جن کا نتیجہ آخر میں جنگ بلکہ جنگ عظیم ہو۔

اقبال کی غرض شاعری سے اپنی سخن وری کا اقبال کرانا مقصود نہ تھا۔ وہ خود اپنے ابتدائی کلام میں کہتے ہیں:

شعر اقبال کو آتا نہیں کہنا لیکن
تم جو کہتے ہو سخن ور تو سخن ور ہی سہی

* آپ انہی تاریخوں میں کسی ضروری کام کے لیے شملہ جارہے تھے۔ اس لیے خود جلسہ میں شامل نہ ہوسکے تھے۔

اس کے بعد بھی جب ان کی شہرت کوہ ہمالیہ کی بلند چوٹیوں سے گزر کر ممالک غیر تک جا پہنچی ہے لکھتے ہیں:

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

جن دنوں اودھ پنچ لکھنو میں ان کے کلام پر اعتراض ہوا کرتے تھے مجھے انہوں نے لکھا ''لکھنؤ والے یا اور معترض یہ خیال کرتے ہیں کہ اقبال شاعر ہے مگر میری غرض شاعری سے زبانی دانی کا اظہار یا مضمون آفرینی نہیں۔ نہ میں نے آج تلک اپنے آپ کو شاعر سمجھا ہے۔ حقیقت میں فن شاعری اس قدر دقیق اور مشکل ہے کہ ایک عمر میں بھی انسان اس پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ پھر میں کیونکر کامیاب ہوسکتا ہوں جسے روزی کی دھندوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ میرا مقصود گاہ نظم لکھنے سے صرف اسی قدر ہے کہ چند مطالب جو میرے ذہن میں ہیں۔ میں ان کو مسلمانوں تک پہنچا دوں اور بس۔'' (۶ مارچ ۱۹۱۷ء)

اقبال کی زندگی کا بیشتر حصہ فکر معاش میں ضائع ہوا اور یہ ہندوستان کی بدنصیبی ہے کہ وہ پریشانیوں سے نجات حاصل کر کے ان اعلیٰ علوم کی طرف زیادہ آزادی واطمینان کے ساتھ متوجہ نہ ہوسکے۔ جن کے لیے فطرت نے آپ کو پیدا کیا تھا لیکن ان حالات کے باوجود آپ کی غیر معمولی قوت تخلیق ہمیشہ بلندی کی طرف مائل پرواز رہی اور یہ آپ کی عظمت کی روشن دلیل ہے۔ اس کا ثبوت آپ کی سادہ، بے تکلف اور خوددار زندگی کے ہر لمحہ میں ملتا رہا۔ چنانچہ انتقال سے کچھ عرصہ پیشتر سر اکبر حیدری مرحوم مدارالمہام حضور نظام دکن نے آپ کو ایک ہزار روپے کا چیک بھیج کر لکھا کہ یہ روپیہ آپ کو ایک خاص فنڈ سے جس کا میں نگران ہوں بھیج رہا ہوں۔

اقبال درویش صفت ضرورت تھے لیکن ''فقر غیور'' اس جملہ کی تاب نہ لا سکا اشعار ذیل کے ساتھ وہ چیک واپس کر دیا:

تھا یہ فرمان الٰہی کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسن تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات

میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکوات

علامہ حسین احمد مدنی کا علمی فضل و کمال اور تقویٰ اور ان کا احترام آج ہندوستان میں مسلم ہے۔لیکن ان کے سیاسی حالات پر مخالفانہ تبصرہ کرنے اور اسلام کی محبت کے سامنے اظہار حق میں یہ بہت بڑی شخصیت بھی ان کو مرعوب نہ کر سکی۔کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ غیر ممالک سے مختلف عقائد و خیالات کے لوگ ان کے پاس آ کر تبادلہ خیالات نہ کیا کرتے تھے:

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے
خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

آخر ایک طویل علالت کے بعد ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو جب کہ آفتاب طلوع ہونے والا تھا پانچ بج کر چودہ منٹ پر ۶۵ سال دو ماہ کی عمر میں انسانی زندگی کا یہ آفتاب درخشاں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔مزار آپ کا روشنائی دروازہ کے اندر بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کے پاس ہے۔آپ کی وفات پر عربی، فارسی، اردو اور پشتو میں مرثیے لکھے گئے۔ ہندوؤں ، مسلمانوں سکھوں اور دیگر اہل علم نے اپنے رنج و غم کا اظہار کیا۔جنازہ میں ساٹھ ہزار سے کم آدمی نہ تھے۔

اقبال کی بلند مرتبہ اور عالمگیر شخصیت اور اس کی بلند فطرت اور روشن دماغ تعلیم پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا *۔اور شاید ایک وقت ایسا بھی آئے کہ اس کی مثنویاں اور اس کا کلام اسلامی درسگاہوں میں بطور نصاب پڑھایا جائے اس لیے اقبال کے چند اقوال و کلمات پر اس حکایت لذیذ کو ختم کیا جاتا ہے۔

﴿۱﴾ اسلام دنیا میں پہلا مذہب ہے جس نے انسان کو کھلی فضا تازہ ہوا اور سورج کی جان

---

* راقم کا خود بھی کئی دنوں سے خیال ہے۔اسی بناء پر خطوط اقبال بھی بہم پہنچا رہا ہوں۔یہاں صرف ان کے وہی حالات زیر قلم لائے گئے ہیں۔جن کا تعلق زیادہ تر کشمیر و اہل کشمیر سے ہے اور ان کو یہی مختصر ہی کیا گیا ہے۔اقبال کے حالات میں جس قدر کتابیں یا مقالے اس سے قبل چھپے ہیں کشمیر کا ان میں کوئی خاص ذکر نہ تھا اور نہ ان کے خاندانی حالات ہی تھے۔

بخش روشنی میں عبادت کی تلقین کی ہے۔

(۲) دنیا میں انسان کی زندگی کا مقصد صرف عمل ہے۔

(۳) ہر انسان چھوٹے پیمانے پر خود خالق ہے اوران تخلیقی قوتوں کو ضائع کرنے کا نام گناہ ہے۔

(۴) ہر ہندوستانی مسلمان کا فرض ہے کہ ہر عقیدے کے مسلمان کے پیچھے جس کا توحید ورسالت پر ایمان ہے، نماز پڑھے۔

(۵) ہر ہندوستانی مسلمان کا فرض ہے کہ بیکاری کو خدا حافظ کہہ کر اپنے دست وبازو سے کچھ نہ کچھ ضرور کمائے۔

(۶) ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کرتی ہے جو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔

(۷) پیر ومرید کا عمل اس پر ہونا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے گناہوں سے بچنے کا اقرار کریں اور پھر دعا کریں کہ قیامت کے دن خدا ہمیں رسوا نہ کرے۔

(۸) اس زمانہ میں اولیائے اسلام کی اولاد نے اپنے اسلاف کے تمام اوصاف کھو کر ان کی بزرگی کو اپنی ریاست وامارت کا ایک ذریعہ بنالیا ہے۔

(۹) درویشوں کے قافلہ میں جو لذت وراحت ہے وہ امیروں کی معیت میں کیونکر نصیب ہوسکتی ہے۔

(۱۰) اطمینان قلب ذکر الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔

(۱۱) شمال مغربی ہندوستان میں جن بزرگوں نے علم اسلام بلند کیا۔ ان کی اولادیں دنیوی جاہ ومنصب کے پیچھے پڑ کر تباہ ہوگئیں۔

(۱۲) اس تاریک زمانہ میں حضور رسالت مآب صلعم کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ اپنی دولت وعظمت کو حقائق اسلام کی نشر واشاعت میں صرف کیا جائے۔

(۱۳) مسلمان اگر مسلمان ہے تو وہ کبھی محکوم ومغلوب نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس کا محکوم و مغلوب ہونا گویا حق کا محکوم ومغلوب ہونا ہے۔

(۱۴) وطن کی محبت انسان کا ایک فطری جذبہ ہے جس کی پرورش کے لیے اثرات کی کچھ

ضرورت نہیں۔

(۱۵) جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آتا ہے۔ اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح کا ہی داعی نہیں بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے۔

(۱۶) قرآن ہی کی یہ تعلیم ہے کہ انسان فطرتاً نیک ہے۔ اس کو کسی کفارہ کی ضرورت نہیں۔ وہ طبعی طور پر آزاد ہے اور آزادی حق رکھتا ہے۔

(۱۷) خوشامد، منت یا مانگنے سے کبھی کچھ نہیں ملا۔ خدا کے سوا اور کسی کی اطاعت ہمارے لیے واجب نہیں۔

(۱۸) جو قوم ایک بہت بڑا مقصد لے کر پیدا ہوئی ہے، یاد رکھو کسی کے مٹانے کے باوجود وہ نہیں مٹ سکتی۔

(۱۹) لیڈر گروں کی بھی ایک جماعت ہے۔ وہ اپنے کارخانہ سے نت نئے لیڈر نکالتی رہتی ہے لیکن اس کارخانہ کی اجناس دیرپا نہیں ہوتیں۔

(۲۰) اغیار کے تمدن کو ہر وقت اپنا رفیق بنائے رکھنا اس کی حلقہ بگوشی وغلامی کا مترادف ہے۔

(۲۱) مذہب کو بالائے طاق رکھ کر تمام تر توجہ سیاست کے لیے وقف کر دی جائے۔ یہ یورپ کی غلامانہ ذہنیت کا نتیجہ اور دوسری اقوام کے اخلاق کے لیے پیام موت ہے۔

(۲۲) تمام علوم وکمالات اور مقاصد عالیہ جو نوع انسان کے لیے کسی نہ کسی رنگ میں مفید ہوں۔ ان کے حصول کی سعی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

(۲۳) اسلامی تصوف، مجوسی، ہنود اور نصاریٰ کے تعلقات سے کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے۔

(۲۴) عالم قلم پر چلتا ہے اور صوفی قدم پر۔

(۲۵) بزرگوں کی آمد ثانی کے عقیدہ میں یہ مصلحت رکھی گئی ہے کہ جب کوئی مصلح ومجدد کھڑا ہو وہ لوگوں کے اس انتظار واعتقاد سے فائدہ اٹھا کر ان کو ایک مرکز پر لا سکے لیکن قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

(۲۶) موجودہ دنیا اپنے تمام علم وتہذیب اور صنائع وبدائع سمیت مسلمانوں کی مخلوق ہے۔

(۲۷) اس ملک کے بے کار ملا اور نکھے مسلمان اگر مذہبی بحث و پیکار، فتویٰ بازی اور لمبے لمبے درود وظائف میں اپنا وقت صرف نہ کریں تو کیا کریں۔

(۲۸) لوگوں نے نہایت بیدردی سے قرآن اور اسلام کی تفسیر میں ہندی اور یونانی تخیلات داخل کر دیئے ہیں۔ کاش رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کر دیں۔

(۲۹) جس قوم سے طاقت و توانائی مفقود ہو جائے اس قوم کا نکتہ نگاہ بھی بدل جایا کرتا ہے۔ ترک دنیا، سستی، کاہلی اور تصوف کی شاعری کو وہ موجب تسکین سمجھتی ہے۔

(۳۰) ایک سادہ غیر تعلیم یافتہ اور بدشکل دہقانی لڑکی جو طاقتور اور غیور اور حق پرست بچے پیدا کرتی ہے۔ اس خوبصورت عورت سے بدر جہا بہتر ہے جو تعلیم و تمدن کی روشنی سے تو بہرہ ور ہے مگر مرد کی نقالی میں مصروف اور حقیقی فرائض زندگی کی تکمیل سے جان چراتی ہے۔

(۳۱) ارکان اسلام کی پابندی مسلمانوں کے ایثار کا ایک عظیم امتحان ہے اور دراصل اسی کا نام تصوف ہے کیونکہ شعائر اسلام کی پابندی ہی سے روح کی تدریجی تربیت حاصل ہوتی ہے۔

(۳۲) اگر دنیا کو ایک تاش سے نسبت دی جائے تو اسلام اس کا ایک پتہ ہے۔ جس کے نقطہ توحید کے آگے تاش کے بڑے بڑے نہلے دہلے، بادشاہ اور غلام کٹ جاتے ہیں۔

(۳۳) کشمیر کے مسلمانوں کو برطانوی ہند میں ایک کشمیر کمیٹی کی اعانت اور رہنمائی کی لازمی ضرورت ہے۔

پنڈت سالگرام کول سالک

آپ کے والد پنڈت رامچند رکول شیو فلسفے کے بڑے عالم تھے۔ کاروباری سلسلہ میں پنجاب اور کشمیر دونوں ملکوں میں قیام رکھتے تھے۔ آپ لاہور میں پیدا ہوئے اور پٹیالہ اور لاہور میں انگریزی فارسی اردو اور ہندی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اوائل عمر ہی سے آپ کو تصانیف

شعر و شاعری اور مضامین نویسی کا شوق تھا اودھ اخبار لکھنو کے علاوہ کئی اخبارات میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے۔

آپ کے والد محترم نے عمر کے آخری حصہ میں کشمیر ہی کو اپنا مستقل وطن قرار دے لیا تھا اور یہیں انہوں نے وفات پائی تھی۔

پنڈت سالگرام کول شاعری میں سالکؔ تخلص کرتے تھے۔ بہت سی تصنیفات ان سے یادگار ہیں۔ کچھ طبع شدہ ہیں اور زیادہ حصہ منتشر حالت میں پڑی ہوئی ہیں۔ سسی پنوں (منظوم) دھرم اپدیش، مورتی منڈن، کشمیری ریڈرز، کشمیری گرائمر، سوانح مہاراجہ گلاب سنگھ، دیوان سالک کے علاوہ کئی قانونی کتابیں آپ سے یادگار ہیں۔

آپ کے کلام سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

امیری چھوڑ کر تیری فقیری پر کمر باندھی
کوئی پورن سے پوچھے فرق شاہی اور گدائی کا
مروت کو بہا کر لے گیا ہے سیل خود غرضی
برائے نام دنیا میں ہے نام اب آشنائی کا
بچے رندی سے سالک جو جوانی میں تو ہے مردی
دھیان آتا نہیں پیری میں کس کو پارسائی کا

*

کیا تن زیب جب سے جامہ ہے عریانی تن کا
نہ کچھ احسان درزی کا نہ کچھ احسان سوزن کا
ہے مہر نیمروز اک نقش اس کے دست پُر فن کا
قمر پارہ ہے اس کے پاؤں کی انگلی کے ناخن کا
انہیں کیا حاجت تسبیح جن کو یاد خالق ہے
رگ جاں ہو گلے کا ہار اور من کا بنے منکا
جوانی کے گئے دن فکر کر سالک تو عقبیٰ کی

عبث اب یاد کرتا ہے زمانہ تو لڑکپن کا
وہ گل گلشن میں وقت سیر پی کر جب شراب آیا
اچھالی لالہ نے ٹوپی جھکا کر سر گلاب آیا
غبارہ میں اڑا جب وہ تو حیرت سے فلک پر سے
ادھر سے آفتاب آیا ادھر سے ماہتاب آیا
وہ جب کشتی میں بیٹھا شوق سے پانی وہیں اچھلا
کہیں موجیں بڑھیں دریا کہیں بن کر حباب آیا
شب دوری ہے یارب یا یہی روز قیامت ہے
وہاں اس کو نہ خواب آیا یہاں مجھ کو نہ خواب آیا

چونکہ آپ علمی مذاق کے آدمی تھے اور مضامین نویسی کا شغل رکھتے تھے اور اس زمانہ میں کشمیر میں قیام پریس اور اجرائے اخبار کا نام لینا جرم تھا۔ اس لیے آپ ۱۸۸۰ء میں لاہور چلے گئے اور یکم اکتوبر ۱۸۸۴ء کو آپ نے خیر خواہ کشمیر کے نام سے ایک ہفتہ وار اردو اخبار جاری کر دیا۔ جو ہندوستان بھر کے سناتن دھرمیوں کا آرگن ہونے کے علاوہ کشمیر کے بے زبان باشندوں کا ترجمان بھی تھا اسی زمانہ سے ان کی سیاسی زندگی کا دور شروع ہوتا ہے۔

اس زمانہ میں ہر چند لاہور میں سناتن دھرم سبھا قائم ہو چکی تھی لیکن حقیقی معنوں میں اس کا وجود آپ ہی کی سیکرٹری شپ کے زمانہ سے قائم ہوا تھا۔ لاہور اور پنجاب کے مختلف شہروں میں آپ نے اپنی قابلیت کی بدولت نمایاں شہرت حاصل کی۔ دور دور سے لوگ آپ کو پولیٹیکل، سوشل اور مذہبی معاملات پر تقریریں کرانے کے لیے مدعو کرتے تھے۔ انہی ایام میں مہاراجہ رنبیر سنگھ کا انتقال ہو گیا۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ آپ کے ولی عہد تھے۔ وہ مہاراجہ جموں و کشمیر قرار پائے۔ لیکن ابھی گدی نشین ہوئے آپ کو کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ کونسل بٹھا دی گئی اسی زمانہ میں خواجہ امیر الدین امیر کاشمیری نے چند اشعار لکھے جن میں یہ شعر بہت مشہور ہے:

تخت ایوان جلالت کی نہ کچھ پوچھ امیر
راجہ اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ بیٹھی کونسل

پنڈت سالگرام کول نے اپنے اخبار خیر خواہ کشمیر کے ذریعہ سازشوں کی قلعی کھول کر مہاراج پرتاب سنگھ کے حق میں مضامین لکھنے شروع کیے۔ لاہور کے مشہور اخبار، اخبار عام اور کلکتہ کے بے باک اخبار امرتا بازار پترکا کو اپنا ہم خیال بنایا اور ان تینوں اخباروں نے متحدہ و مشترکہ آواز مہاراجہ بہادر کے حق میں بلند کی۔ لالہ انبا پرشاد صوفی جو بعد میں اخبار جامع العلوم مراد آباد کے ایڈیٹر بنے۔ بڑے چلتا پرزہ تھے انہوں نے ان حضرات سے مل کر کشمیر فائل کشمیر ریذیڈنسی سے نکال کر دنیا کو اصل حالات سے آگاہ کیا۔ ادھر انگلستان میں مسٹر بریڈلا ممبر پارلیمنٹ نے ایوان پارلیمنٹ میں اپنی دھواں دھار تقریروں سے ایک تہلکہ مچا دیا۔ مختصر یہ کہ آخر حکومت نے مہاراجہ صاحب کو بے قصور قرار دے کر پھر اختیارات سونپ دیئے۔ مہاراجہ بہادر آپ کی ان خدمات کی دل سے قدر کرتے تھے اور جب کبھی آپ اپنے وطن کشمیر آیا کرتے تھے تو آپ کو خلعت فاخرہ وغیرہ سے سرفراز کیا جاتا تھا۔

مہاراجہ سر پرتاب سنگھ کے زمانہ میں آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں کا ایک مشہور شاستر ارتھ جموں کے رگھناتھ مندر میں ہوا تھا اور یہ مناظرہ بڑے معرکہ کا تھا۔ سر راجہ امر سنگھ جو مہاراجہ پرتاب سنگھ کے برادر خورد اور موجودہ فرمانروائے کشمیر مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کے والد تھے۔ آپ کو اس مناظرہ کی کاروائی قلمبند کرنے کے لیے خاص طور پر مدعو فرمایا۔ اس خدمت کے صلہ میں آپ نے ایک ہزار روپیہ انعام حاصل کیا تھا۔ اسی طرح سوانح مہاراجہ گلاب سنگھ کی تصنیف پر قریباً پندرہ سو روپیہ اور کشمیری ریڈرز کی تصنیف پر ایک ہزار روپیہ انعام ملا تھا۔

پنڈت سالگرام کول اپنے اخبار کے ذریعہ وطن و اہل وطن کی بہت اچھی خدمت ادا کر رہے تھے۔ لیکن حب وطن کے جذبہ نے یہاں تک کشش کی کہ چلتے چلاتے کام کو بند کر کے کشمیر چلے آئے یہاں اس زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک مذہبی تنازعہ برپا ہو گیا۔ اور آپ بھی اپنے برادر اکبر پنڈت ہر گوپال کول خستہ مؤلف گلدستہ کشمیر کی معیت میں اسی لپیٹ میں آگئے اور ریاست سے جلاوطن کر دیئے گئے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد ملک میں امن و امان کی صورت نظر آئی تو آپ کو بھی اپنے برادر اکبر کے ہمراہ واپس کشمیر آنے کی اجازت ملی کشمیر میں اس زمانہ ہی سے سناتن دھرم سبھا قائم ہو چکی تھی اس کے پریذیڈنٹ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ اور وائس پریذیڈنٹ سر راجہ امر سنگھ اور اس کے جنرل سیکرٹری آپ قرار پائے۔

ڈاکٹر نیو اور مسٹر بسکو کے عروج کا زمانہ تھا۔ وہ اپنے مشن کے ذریعہ عیسائی دھرم کا

پر چار کھلے بندوں کیا کرتے تھے۔ آخر سناتن دھرم سبھا کے وسیع ہال میں پنڈت سالگرام کول اور ان دونوں عیسائی پادریوں کے درمیان دو دن کامل بحث مباحثہ اور مناظرہ ہوتا رہا اور آپ کے زور دار دلائل کی وجہ سے پنڈت لوگ آپ کے بہت شکر گزار ہوئے۔ چونکہ مشن سکول کی تعلیم کا اصل مقصد عیسائیت کا پرچار تھا۔ اس لیے پنڈت سالگرام کول نے اپنے چند ہم خیال اصحاب کی مدد سے سناتن دھرم سبھا کے ماتحت ایک ہندو ہائی سکول جاری کیا اسی کی بنیادوں پر بعد میں مسز اینی بیسنٹ اور راجہ سر دیا کشن کول کی مدد سے پرتاب کالج قائم ہوا۔

سر راجہ امر سنگھ اور سردار محمد حیات خان مشیر مال میں کچھ مخاصمت کسی بات پر چلی آتی تھی پنڈت سالگرام کول، راجہ سر امر سنگھ کے عقیدت مندوں میں تھے۔ آخر ان کو کسی لپیٹ میں لا کر پھر جلاوطن کر دیا گیا۔ آپ سیالکوٹ چلے آئے۔ اور یہاں آتے ہی آپ نے شالی کے نام سے ایک اخبار جاری کر کے کشمیر دربار اور سردار محمد حیات خان کے خلاف لکھنا شروع کیا۔ بعد میں آپ پر مقدمہ چلا۔ جس میں آپ کو تین ماہ قید اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا ملی۔ اس کے بعد آپ نے جالندھر سے ایک انگریزی اخبار ''دی رین آف ٹیرر'' کے نام سے جاری کیا۔ اس میں اس زمانہ کے دربار کشمیر کے وہ راز طشت از بام کیے کہ ہندوستان اور کشمیر میں ہلچل مچ گئی۔ اور آخر سردار محمد حیات خان کو کشمیر سے واپس آنا پڑا۔

اس واقعہ کے بعد کشمیر ریذیڈنسی نے اپنے سپرنٹنڈنٹ بابو فتح چند چڈہ کی معرفت آپ کو کشمیر میں باعزت بلوایا۔ آپ نے آتے ہی تحفہ کشمیر کے نام سے ایک اخبار کی ایڈیٹری قبول کی جس کے مالک لالہ ہر سکھ رائے کوہ نور اخبار والے تھے۔ یہ اخبار نیم سرکاری طور پر شائع ہوتا تھا لیکن اس میں دل نہ لگا۔ آخر انہوں نے وکالت کی اجازت حاصل کی۔ وکالت میں آپ نے بڑا نام پیدا کیا۔ کچھ عرصہ تک مہاراجہ ہری سنگھ بہادر کی جاگیر بھدرواہ اور لنگیت کے پبلک پراسیکیوٹر بھی رہے۔ دربار کشمیر کے علاوہ کشمیر ریذیڈنسی میں بھی ان کی وقعت تھی۔ ریاست کے مروجہ قوانین چھاپنے کے لیے آپ نے دربار کی اجازت سے ایک مطبع بھی قائم کر رکھا تھا۔ آپ نے اخبار کے اجرا کے لیے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر اجازت نہ مل سکی۔

جب موجودہ مہاراجہ بہادر کے زمانہ میں ریاست میں ریاستی اور غیر ریاستی سوال پیدا ہوا تو سرکاری کمیشن میں شہادت کے لیے آپ کو بھی مدعو کیا گیا تھا مسٹر گلانسی اور پنڈت نریندر ناتھ کول کے زمانہ میں جب شالی سکیم کے قیام میں آپ سے مشورہ لیا گیا۔ تو آپ نے قحط کشمیر اور

اس کا انتظام کے عنوان سے ایک مفصل نوٹ انگریزی میں لکھ کر ان کے حوالے کیا، جس سے
انہوں نے بہت کچھ مفاد حاصل کیا۔

پنڈت سالگرام کول کی خط و کتابت ممبران ہاؤس آف لارڈز، ہاؤس آف کامنز
انڈین پولٹیکل ایجنسی، انڈین نیشنل کانگرس، وائسرائے و گورنر جنرل اور ریذیڈنٹ والیان
ریاست وغیرہ کے ساتھ ملکی اصلاح کے معاملات پر ہوتی رہی ہے۔ اس طریق خط و کتابت سے
اور پنڈت سالگرام کول کے حالات سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک سیدھا سادہ اور خاموشی سے
کام کرنے والا کشمیری کس قدر دماغی قابلیت اور اپنے ملک کا کس قدر درد اور اعلیٰ ترین حلقوں
میں کس قدر رسوخ رکھتا تھا۔

آپ ۱۹۲۹ء میں اپنے وطن کشمیر کے دارالحکومت سری نگر میں اس عالم فانی سے کوچ
گئے۔ آپ کی اولاد حسب ذیل ہے۔ پنڈت سری کنٹھ کول بی اے، ایل ایل بی، آپ شمالی کشم
کے ایک بارسوخ اور کامیاب وکیل ہیں۔ آپ کی تحریک، اعانت اور توجہ سے کشمیر میں دو نیشنل ہا
سکول چل رہے ہیں۔ جن کو اب سرکاری گرانٹ بھی مل رہی ہے۔

دوسرے صاحبزادے کا نام پنڈت شمبھو ناتھ کول ہے۔ ناظر تخلص ہے۔ سری نگر
اخبار وکیل کے مالک و ایڈیٹر ہیں۔ ایک معزز زمیندار ہیں۔ اخبار نویسی کے علاوہ تصنیف و تالیف
شوق بھی رکھتے ہیں۔ اور مذاق سخن سے بہرہ دانی حاصل ہے۔

کھکھ یا کھش خاندان

کھکھ قوم کا ذکر راقم نے تاریخ اقوام پونچھ اس کتاب کے پچھلے صفحات میں اور
صاحب مترجم راج ترنگنی اور مولوی حشمت اللہ لکھنوی سابق وزیر وزارت ریاست کشمیر نے
اپنی تصانیف میں کیا ہے اور ان سب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ قوم کشمیر میں پنجاب سے اور
میں کشمیر سے آئی ہے اور نو مسلم راجپوت ہے۔

کھکھ قوم جو آج شمالی اضلاع پنجاب کے علاوہ کشمیر اور پونچھ میں پھیلی ہوئی ہے
س کو جو مسلمان ہو کر راجہ مل خان کہلایا اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتی ہے۔ اس کے فرزندوں میں

کا نام کھکھ خان تھا۔ اسی کے نام پر کھکھ قوم مشہور ہے اور اسی کھکھ کو کشمیر کے قدیم ہندو مؤرخوں نے کھش لکھا ہے۔ کھش قبیلہ اور اس کی شاخ حتمال آج بھی راولپنڈی سے کشمیر کو جاتے ہوئے دریائے جہلم کے کنارے تحصیل اوڑی میں آباد ہے۔ کھکھ خان کے دو فرزند بتائے جاتے ہیں۔ راجہ سلگی خان و راجہ منگی خان کھکھ اور قوال قوم راجہ سنگی کے فرزند کا نام راجہ حاتم بتاتی ہے اسی کی اولاد حتمال کے نام سے مشہور ہے۔ جو بونیار، کھلیانہ اور اسلام آباد، اوڑی اور نامبلہ میں آباد ہے۔ راجہ منگی خان کی اولاد علاقہ چکار تحصیل اوڑی اور تحصیل مظفر آباد میں پھیلی ہوئی ہے۔ چکار میں راجہ علی اکبر خان جاگیردار اسلام آباد کے فرزند راجہ محمد لطیف خان علامہ سیماب اکبر آبادی کے شاگرد ہیں اور موزون تخلص رکھتے ہیں۔ علمی ذوق بھی ہے۔ اسی علاقہ یعنی تحصیل اوڑی و تحصیل مظفر آباد سے راجہ منگی خان عرف تیز خان کی ذریات پونچھ کے دیہات میں جن کا کثیر حصہ آج پونچھ کی تحصیل باغ میں ہے۔ منتقل ہوگئی ہے۔ ان دیہات کی تعداد قریباً تیرہ چودہ ہے اور ان کے نفوس ذکور واناث کی تعداد چودہ ہزار سے زیادہ ہے۔

کوٹلی تحصیل باغ علاقہ پونچھ میں سردار محمد یعقوب خان نمبردار بھی ہیں۔ ٹھیکہ دار بھی ہیں۔ صاحب جائیداد بھی ہیں اور سب سے زیادہ خوبی یہ ہے کہ امیر ہونے کے باوجود پہلو میں وہ دل رکھتے ہیں جو قومی درد اور قومی و اسلامی ترقی کے خیال سے لبریز رہتا ہے۔ حکومت نے سرکاری خدمات کے عوض آپ کو کئی سندات عطا کی ہوئی ہیں اور خوشنودی مزاج کے اظہار میں سردار کے خطاب سے نوازا ہوا ہے۔ آپ نے ۱۹۱۴ء کی جنگ میں بھی کافی رنگروٹ دیئے تھے۔ اور موجودہ جنگ عظیم میں بھی جو ستمبر ۱۹۳۹ء سے اب تک جاری ہے۔ آپ نے بے شمار رنگروٹ گورنمنٹ کو دیئے ہیں۔ اس فوجی خدمت کے لیے میں آپ دومیل مظفر آباد میں اسسٹنٹ رنگروٹنگ افسر بنائے گئے ہیں۔ آپ کے فرزند محمد لطیف خان امیدوار سب انسپکٹر منظور ہو کر پولیس پونچھ میں تعینات ہیں۔ دوسرے فرزند محمد یوسف خان جن کی تعلیم ایف اے تک ہے ٹھیکیداری کا کام کرتے ہیں۔ تیسرے فرزند محمد بشیر خان ملک آسام میں گورنمنٹ کی جنگی خدمات بجالا رہے ہیں۔ چوتھے فرزند محمد یاسین خان لاہور اسلامیہ کالج (سیکنڈ ایئر میں زیر تعلیم ہیں۔ صرف کوٹلی کے موضع ہی سے سوا سو نفری اس وقت میدان جنگ میں مصروف پیکار ہے۔ ان کے علاوہ کئی اصحاب پنشن پا رہے ہیں۔

گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری میں کسی اور قوم سے کم نہیں ہے۔ کھکھ قوم تحصیل باغ کے افراد اس وقت قریباً دو ہزار کی تعداد میں اس جنگ میں مصروف ہیں۔

سادات گیلانیہ ریہہ ٹنگ

سید میر محمد تقی گیلانی
|
سید نعمت اللہ
|
سید میر لطف اللہ
- میر قدرت اللہ
- سید میر ضیاء الدین
  - سید میر مقبول شاہ
    - سید میر نور الدین
      - میر غلام رسول
      - میر محمد حسین
      - میر غلام جیلانی

ریہہ ٹنگ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر کا ایک محلّہ ہے۔ گیلانیہ سادات کے چند گھر جو یہاں آباد ہیں۔ وہ سادات ریہہ ٹنگ ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر تاریخ کبیر کشمیر اور اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ میر سید لطف اللہ ۱۲۷۰ھ میں بمقام امرتسر فوت ہوگئے۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ ان کے ارادت مندوں نے ان کے مزار کے ساتھ مسجد اور رباط بھی تیار کی۔ تاریخ تعمیر:

ایں بنا را عقل درج گوہر یکدانہ گفت
سال تاریخ بنائش را زیارت خانہ گفت

اس خاندان میں سب سے زیادہ شہرت میر لطف اللہ کے پوتے سید میر مقبول شاہ نے حاصل کی۔ جن کو حضور نظام میر محمد عثمان علی خان موجودہ شہر یار دکن نے ۱۹۱۶ء میں ان کی

سیادت ونجابت اوران کی فضیلت و بزرگی کے احترام میں ان کے صاحبزادوں کے نام معقول وظیفہ عطا کیا۔ چنانچہ آپ اپنے ایک گرامی نامہ ۱۹ مارچ ۱۹۱۶ء میں راقم کو لکھتے ہیں۔ ''۶ مارچ کو بحکم اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی میرے دونوں فرزندوں سید شاہ عبدالعزیز سید شاہ نورالدین کے نام سرکار سے چار روپیہ روز کے حساب سے ایک سوبیس روپیہ ماہانہ وظیفہ بصیغہ دوام مقرر اور جاری ہوا ہے۔

اپنے خاندانی حالات کے متعلق ۲۵ اپریل کے گرامی نامہ میں حیدر آباد دکن سے راقم لکھتے ہیں۔ '' یہ فقیر حضرت شاہ محمد غوث قادری لاہوری اور شاہ ابوالحسن پشاوری کے خاندان سے ہے۔ ہمارے بزرگ بغداد سے سکھر بھکر وہاں سے اوچ قادریہ اور وہاں سے بالاستقلال لاہور آئے اور بعد مدت مدید حضرت شاہ محمد فاضل نے سکونت کشمیر اختیار کی چونکہ ہمارے ارادت مند پنجاب میں جموں اور سیالکوٹ سے لے کر انبالہ اور چمبہ نورپور اور اضلاع گورداسپور، ہوشیار پور اور گوجرنوالہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس لیے کشمیر کی سکونت کے باوجود ہم پنجاب ہی میں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم مدارالمہام دکن نے فرط اعتقاد سے بوقت اجرائے ماہوار کشمیری کی بجائے لاہوری لکھ دیا ہے۔''

سید میر مقبول شاہ راقم الحروف پر اکثر کرم فرمائی کیا کرتے تھے۔ میرے اخبار (کشمیری) اور رسالہ (طریقت) کے خریدار نہیں بلکہ معاون خاص تھے۔ راقم کے متعلق اور اپنی ذات خاص کے متعلق حیدر آباد دکن سے ۲۲ جنوری ۱۶ء کے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں۔ ''الحمدللہ۔ یہ فقیر معہ ہر دو فقیر زادوں کے بفضلہٖ تعالیٰ بہ خیریت ہے میں آپ کے وجود اور آپ کے کارناموں کی بہت قدر کرتا ہوں آپ کے قلم سے مسلمانوں کی ایک درخشندہ قوم نے جو چشم اغیار میں ذلیل وحقیر سمجھی جاتی تھی اور اپنے ہی ملک میں اپنی جہالت و نااتفاقی کی وجہ سے پایہ عزت سے گر چکی تھی کم وبیش عزت واعتبار اور احساس و بیداری کا لباس پہنا ہے۔ عرصہ پینتیس سال کا ہوا۔ یہ فقیر عاصی نامہ سیاہ اپنے والد ماجد حضرت شاہ ضیاء اللہ قادری کی معیت میں جن کی برکات وکرامات

سے ایک دنیا واقف تھے۔ یہاں وارد ہوا۔ میرے والد عالم دینیات اور حافظ قرآن تھے۔ ان کی برکت سے یہ نامہ سیاہ بھی سات برس کی عمر میں حفظ قرآن کر چکا ہے۔ یہاں کے عرب قاریوں سے قرأت سیکھ کر ہر سال رمضان شریف میں قرآن شریف سنا تا ہوں۔ حق تعالیٰ نے قرآن و حدیث اور فقہ و تفسیر و اصول کے علم سے بھی سرفراز کیا ہے۔ نہ کبھی حافظ کہلایا نہ قاری نہ محدث نہ فقیہ اس لیے یہ امور تو محض دین و ایمان بچانے کے لیے ہیں نہ کہ بیچنے کے لیے۔"

قریباً پندرہ سولہ سال ہوئے۔ یہ متبرک ہستی اس دنیائے فانی سے رخصت ہوگئی مزار آپ کا سری نگر میں ہے۔ سید میر نورالدین آپ کے جانشین ہیں اور فضائل علم و عمل میں اپنے والد کا نمونہ ہیں۔ شعر گوئی اور شعر فہمی کا خاص مذاق رکھتے ہیں۔ جو وظیفہ حیدر آباد دکن سے آپ دونوں بھائیوں کے نام جاری ہے وہ بدستور آتا ہے۔

آپ کا تمام کلام (مثنوی۔ غزل۔ رباعیات) فارسی زبان میں ہے۔ سر اقبال مرحوم سے آپ کو بڑی عقیدت تھی۔ ان کی وفات پر آپ لکھتے ہیں:

اقبال کہ اقبال جہاں بود بہ نطقش
خاموش شداکنوں و گر انداز سخن دہ
دیر است کہ عالم ہمہ پژمردہ نصیب است
اے ابر کرم در بہ صدف گل بہ چمن دہ
گرنیست جہانگیر کسے زیب جہاں نیست
عالم چہ شرف چوں بہ میاں روح رواں نیست
شمشیر وسنان است میان تیرو کمال ہم
با وسعت درستم بہ میاں نیست

آپ کی عمر اس وقت ستر سال کی ہے آپ کے تین فرزند ہیں جن کے نام شجرہ میں درج ہیں۔

کُٹ راج

کُٹ راج کی وجہ تسمیہ کے متعلق شروع میں مختصر طور پر کچھ لکھا جا چکا ہے۔ کُٹ راج ہی کا لفظ بگڑ کر کوٹے ہو گیا ہے۔ اب بعض کُٹ راج کہتے ہیں بعض کوٹے۔ زمانہ قدیم میں ان کی چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں تھیں۔ راقم الحروف نے تحصیل کولگام کے چند مقامات پر ان کی راجدھانیوں کے کچھ نشان دیکھے ہیں۔ تھوڑی سی اونچائی پر ایک چھوٹا سا میدان آتا ہے جہاں آبادی کے آثار دکھائی دیتے ہیں۔

بعض کٹ راج ایک ایک دو دو گاؤں میں راج کرتے تھے۔ اور بعض کے پاس ان سے زیادہ دیہات ہوتے تھے کشمیر میں ۷۲۰ء میں اسلام کا ظہور ہوا۔ اور اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی جس طرح کشمیر کی اور ہندو اقوام مسلمان ہو گئیں۔ کُٹ راج بھی رفتہ رفتہ مسلمان ہو گئے۔ پنجاب میں دو ہی کٹ راج خاندان نظر آتے ہیں۔ ایک جمال کوٹے کی اولاد جس کا ورود کشمیر سے پنجاب میں قریباً آج سے سوا سو سال یا کچھ زیادہ عرصہ پیشتر ہوا۔ گوجرانوالہ کے خان بہادر منشی احمد الدین جن کا پولٹیکل دماغ ایران، پونچھ اور پنجاب کے معاملات میں زبان زد عوام ہے اسی جمال کوٹے کے پوتے تھے۔ جیسا کہ شروع میں ذکر ہو چکا ہے ان کا صرف ایک ہی فرزند ہے۔ ایم فیروز الدین جو ۱۱ستمبر ۱۸۹۱ء کو بمقام گوجرانوالہ پیدا ہوئے اور جو ۱۹۱۹ء کے دوران میں فوج میں بھی ملازم رہے تھے۔ کاشغر سے آپ ۱۹۳۳ء میں پشاور تبدیل ہو کر آ گئے۔ جہاں ۱۹۳۷ء تک رہے۔

پشاور سے آپ کی خدمات کابل (افغانستان) میں منتقل ہو گئیں۔ جہاں ۱۹۴۱ء تک قیام رہا۔ اپنی احسن کارکردگی کی وجہ سے ساڑھے تین سو روپیہ ماہوار کی تنخواہ تک پہنچے۔ آج کل گوجرانوالہ میں اقامت گزین ہیں۔

شجرہ نسب ڈار فیملی ناسنور

غلام محی الدین ڈار زمیندار جدامجد

موسیٰ ڈار (اصل نام غلام مصطفیٰ)

کلی ڈار (اصل نام عبدالکریم ڈار)

عبدالسبحان ڈار

حاجی عمر ڈار — غلام رسول ڈار عرف نسی ڈار

خواجہ حبیب اللہ ڈار — عبدالقادر — خواجہ عبدالرحمن — عبدالعزیز

عبدالسلام ڈار — غلام احمد — حبیب اللہ — عبدالغفار

بذریعہ اصلاح

نذیر احمد — منیر احمد

غلام احمد — مبارک احمد — صلاح الدین — جلال الدین — منور احمد

عبدالسبحان — عبدالرزاق — عبدالصمد

بشیر احمد — نصیر احمد

عبدالغنی — ہارون رشید — عبدالرشید

عبدالمنان — غلام رسول — عبدالرشید — محمد یوسف

اس خاندان کے حالات پچھلے صفحات میں درج ہیں۔ ان میں سے خواجہ عبدالرحما ڈار کا کچھ ذکر بھی ہے لیکن ان کے سلسلہ نسب میں چونکہ بعض نام رہ گئے ہیں یا غلط درج ہوگ ہیں۔ اس لیے شجرہ جو بعد میں آیا ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

خواجہ عبدالرحمان ڈار کے فرزند دوم خواجہ مبارک احمد بی اے کی تعلیم ترک کر کے نو ۱۹۴۰ء میں سری نگر سے فوج میں بھرتی ہو کر جبل پور (سی پی) میں کام کرتے رہے وہاں سے کو اور کوئٹہ سے ایران سے کوئٹہ میں واپس آئے ہیں۔

کاؤسہ

کاؤسہ لفظ کی وجہ تسمیہ پر کسی مؤرخ نے تاریخی نکتہ نگاہ سے اب تک روشنی نہیں ڈالی۔ حالانکہ تحصیل پلوامہ میں کاؤسہ باغ کے نام سے ایک چھوٹا سا گاؤں بھی آباد ہے اور تحصیل بارہ مولا میں موضع کاؤسہ اوررکھ کاؤسہ اور جاگیر کاؤسہ بھی موجود ہیں۔ البتہ کاؤسہ خاندان میں جو روایات سینہ بہ سینہ چلی آتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کا قدیم تعلق ایران سے ہے کسی تاریخ سے بھی اور اس خاندان کی اپنی روایات سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے بزرگ کشمیر میں کس زمانہ میں آئے۔ صرف شاہجہان کے زمانہ سے اس خاندان کے دینی و دنیوی اقتدار کا کچھ حال کشمیر کی تاریخوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس خاندان کے جن بزرگوں خواجہ محمد یوسف وغیرہ کا ذکر اس سے پہلے میں درج ہے۔ ان کے علاوہ خواجہ زین علی خلیفہ حضرت شیخ مخدوم حمزہ ملا محمد افضل۔ خواجہ حکیم شاہ اور خواجہ غلام رسول کے حالات بھی قدیم تاریخوں میں درج ہیں۔

خواجہ قمرالدین کاؤسہ تحصیل دار فرزند خواجہ احمد اللہ جو سات آٹھ سال سے پنشن پر ہیں اب بلحاظ عمر تجربہ اپنی برادری میں سرکردہ ہیں۔ ان کو تصوف وسلوک میں خاص شغف ہے۔ آپ اہل دربار ہیں۔ ریاست کے سرکاری کاغذات میں کاؤسہ خاندان کو ''راجپوت گھر'' تسلیم کیا گیا ہے۔ اس برادری کے افراد سری نگر کے محلّہ جات۔ عالی کدل۔ بوہری کدل اور نوہٹہ میں اقامت گزیں ہیں۔

کھٹان راجپوت

(خاندان غلام محی الدین خان صاحب سابق ایم۔ ایل اے بڈگام)

کھٹان راجپوتوں اور خاندان غلام محی الدین خان کے مفصل حالات اس سے پہلے اس کتاب میں لکھے جا چکے ہیں۔ یہاں مختصر طور پر کچھ مزید باتیں لکھی جاتی ہیں۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ کھٹان قوم گجروں کی ایک شاخ ہے۔ لیکن یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔ کہ گجر اقوام میں جس قدر ذاتیں اور گوتیں ہیں ان سب کی اصل راجپوت ہی ہے۔ تاریخ اقوام پونچھ تاریخ شاہان گجر اور قدیم تاریخ ہند مولفہ دی اے سمتھ اس کی شاہد ہیں۔

کشمیر میں کھٹان خاندان کے مشہور فرد غلام محی الدین خان ہیں۔ جو اپنے علاقہ اور تحصیل میں بہت ہر دلعزیز ہیں۔ ۱۹۳۴ء کے انتخاب اسمبلی ممبران میں تقریباً چار ہزار ووٹ لے کر کامیاب ہوئے تھے۔ آپ کے مقابلے کے دو امیدواروں کی صرف سات سو اور پانچ سو ووٹ ہے۔ اسمبلی میں جا کر آپ نے باشندگان تحصیل بڈگام اور مسلمانان کشمیر کا بہت اچھی طرح حق نمائندگی ادا کیا۔ ۱۹۳۸ء میں آپ اپنے علاقہ کے ذیلدار بنائے گئے اور اب کچھ عرصہ سے پنچایت موضع خان صاحب کے سرپنچ مقرر ہوئے ہیں۔ آپ اپنی تحصیل میں واحد شخصیت ہیں جن سے ارکان حکومت اور عوام یکساں خوش ہیں۔ آپ کے دو فرزند غلام محمد اور غلام رسول ہیں اور دونوں زیر تعلیم ہیں۔

حکومت کشمیر نے حال ہی میں ایک کمیٹی اس غرض کے لیے مقرر کی ہے کہ گذشتہ دس سال میں جو زمین کی خرید فروخت کشمیر میں ہوئی ہے اس کا جائزہ لے کر بتائے کہ آئندہ بھی کشمیر میں خرید و فروخت اراضیات کا سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ حکومت نے آپ کو بھی اس کمیٹی کا ممبر منتخب کیا ہے۔

میر خاندان راجویر کدل

اس خاندان کے مورث اعلیٰ خواجہ ضیاء اللہ میر تھے۔ جو اپنے زمانہ میں صاحب دل اور صاحب دول بزرگ تھے۔ ان کے فرزند خواجہ امیر الدین کے فرزند خواجہ عبدالغفار نے اپنی تجارت کو تبت خورد اور تبت کلاں تک شہرت و وسعت دی۔ بلکہ ذاتی نگرانی کے طور پر خود بھی وہاں آمد و رفت رکھی۔ خواجہ عبدالغفار ۹۳ سال کی لمبی عمر پا کر ۱۶ شوال ۱۳۲۲ھ کو انتقال فرما گئے۔ ان کے فرزند خواجہ ولی محمد عرف خواجہ ولی جو نے جواہریوں کا کام شروع کیا۔ اور فن جوہر شناسی میں وہ یکتائی حاصل کی کہ کشمیر کے علاوہ لاہور اور دہلی تک ان کی شہرت تھی۔ ان کا کاروبار بھی زیادہ تر پنجاب اور ہندوستان ہی کے ساتھ تھا۔ آپ نہایت فیاض متقی اور ملنسار تھے۔ اپنے برادران وطن یعنی کشمیری پنڈت صاحبان سے بھی ان کے تعلقات نہایت شگفتہ اور برادرانہ تھے۔ آپ نے اپنے فرزند کی شادی پر عام دعوت کے علاوہ برادران وطن کے لیے خاص دعوت کا انتظام کیا تھا۔ آپ ۲ صفر ۱۳۴۸ھ کو وفات پا گئے۔

آپ کے فرزند خواجہ عبدالصمد نے اپنے محترم والد کی شہرت و عزت کی برابر قائم رکھا۔

خواجہ عبدالصمد اردو، فارسی اور عربی میں اچھی مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی بھی بقدر ضرورت سمجھ سکتے تھے۔ آپ ۱۹ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۶ فروری ۱۹۴۲ء کو واصل بحق ہو گئے۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ اور وہ سب بفضل خدا بہ قید حیات ہیں۔ (۱) خواجہ غلام احمد مشتاق (۲) عبدالصمد (۳) محمد مظفر (۴) بشیر احمد۔ مرحوم نے اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد کو تعلیم مروجہ کی طرف رغبت دلانے میں دلچسپی لی تھی۔ چنانچہ آپ کے بڑے فرزند بزم ادب اردو کشمیر کے سرگرم کارکن ہیں۔ انگریزی میں بھی اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ ذوق سخن سے بھی مالا مال ہیں۔ تخلص مشتاق ہے۔

آپ کے خاندان کو اپنے والئی ملک سے ہمیشہ گہری عقیدت رہی ہے کچھ ان وفادارانہ جذبات کی بدولت اور کچھ اپنی قابلیت و دیانت کی وجہ سے اس خاندان کی دوسری شاخ کے افراد خواجہ سیف الدین اور خواجہ محمد عبداللہ عرف خواجہ عبداللہ جو کی اس وقت کشمیر میں سٹیٹ گولڈ اینڈ سلور سمتھ" کا رتبہ اور اعزاز حاصل ہے۔ یہ وفادارانہ جذبات خواجہ غلام احمد مشتاق سے بھی اپنے وطن کے علاوہ وطن سے باہر بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء میں جب آپ ہیوٹ انجینئرنگ کالج لکھنؤ میں ٹریننگ حاصل کر رہے تھے تو آپ نے اپنے ڈرائنگ پیپر پر بہت جلی حروف میں لکھ رکھا تھا۔

Long live His Highness the Maharaja Bahadar of Kashimir.

آپ کے پروفیسر نے دیکھا تو کہا مشتاق یہ کیا؟ آپ نے جواب میں کہا۔ میں اپنا کام شروع کرنے سے پہلے اول خدا کا نام لیتا ہوں اور پھر اپنے والئی ملک کی سلامتی کے لیے اس کے حضور میں دعا کرتا ہوں۔ پروفیسر صاحب نے جو اس پر خوش ہو کر دوسرے لڑکوں سے کہا کہ طلبا کو اس کشمیری طالب علم سے جس کی وفاداری اور محبت کا جذبہ اپنے حکمران کے ساتھ اس گہری عقیدت کے ساتھ ہے۔ سبق حاصل کرنا چاہیے۔ اس واقعہ کو اتنی شہرت ہوئی کی لکھنو کے سربرآوردہ روزانہ اخبار حقیقت نے اپنی ۲۷۔ اگست ۱۹۴۲ء کی اشاعت میں "کشمیری طالب علم کا جذبہ وفاداری" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔

مسٹر مشتاق آج کل کشمیر کے محکمہ آثار قدیمہ (آرکیالوجی وریسرچ) میں ملازم ہیں۔ اور آپ کے دوسرے بھائی زیر تعلیم ہیں۔ سلسلہ نسب صرف تعارف اور پہچان کے لیے ہے لیکن

گر نسب را جزد ملت کردہ

کٹوچ راجپوتان کشمیر*

(رینہ اور گنائی)

کٹوچ چندر بنسی راجپوتوں کی ایک مشہور شاخ ہے۔ اس کے چند خاندان کشمیر میں تقریباً آٹھ سال سے آباد ہیں۔ اور قریباً چھ سو سال سے اسلام کے دائرہ میں آئے ہوئے ہیں۔ مگر اس وقت تک کئی شاخوں میں اس خاندان کے ممبر تقسیم ہو چکے ہیں۔ مثلاً رینہ۔ گنائی۔ مخدومی۔ ملک۔ بابا۔ شال۔ ریشی۔ خاکی وغیرہ اس خاندان کے مفصل حالات اس سے پہلے رینہ ذات کے تحت آ چکے ہیں۔ راجہ مل چند اپنے قبائلی افراد کے ہمراہ کانگڑہ سے ہجرت کر کے راجہ جے سنگھ والئی کشمیر کے زمانہ ۱۱۵۱ء میں کشمیر آئے۔ والئی کشمیر نے علاقہ لار جاگیر دینے کے علاوہ سپہ سالاری کے عہدہ بھی عطا کیا۔ جہاں مل چند کے فرزند گگ چند نے اپنے نام پر قلعہ گگنہ گیر تعمیر کیا۔ جس کے آثار اس وقت بھی موضع گگنہ گیر علاقہ لار میں پائے جاتے ہیں۔

رینہ:

راجہ مل چند کی پانچویں پشت سے راون چند معہ اپنے چچا زاد بھائی رائے بہرام کے مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ ۱۳۲۰ھ کا ہے کشمیر کی مشہور ملکہ یعنی سلطان رنچن شاہ کی بیگم کوٹہ رانی اسی رادن چند کی بہن تھی۔ اس خاندان میں راون چند پہلا شخص تھا جس کو خاندانی اعزازات اعلیٰ فوجی خدمات کی وجہ سے رینہ کا خطاب ملا۔ اور بعد میں اس شاخ کی یہی ذات مشہور ہوگئی۔ سپہ سالاری کا عہدہ بھی تین پشتوں تک اسی خاندان میں رہا۔ راون چند کی تیسری پشت میں اوتر رینہ کے دو فرزندان ہلمت رینہ اور احمد رینہ سے دو جدا خاندان ہو گئے۔ ہلمت رینہ اور احمد رینہ زین العابدین کے دو مشہور سپہ سالار گزرے ہیں۔ ہلمت رینہ کی تیسری پشت میں عثمان رینہ نے ترک منصب کر کے گوشہ نشینی اور درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ موضع تجر علاقہ کامراج اس کی جاگیر میں تھا

---

* اس مضمون کے لیے میں مسٹر محمد امین ابن شاء کشمیر حضرت مہجور کی تجسس و محنت کے بے حد ممنون ہوں۔

وہیں اس نے اقامت اختیار کی۔ آپ کے دو فرزندوں میں سے فرزند اکبر کشمیر کے مایہ ناز ولی اکمل حضرت محبوب العالم مخدوم شیخ حمزہ رینہ" تھے جن سے صلبی اولاد کا سلسلہ نہیں چل سکا۔ دوسرے فرزند بابا علی رینہ کی اولاد موجود ہے۔ جن کی ذات اب حضرت مخدوم صاحب کی نسبت سے مخدومی مشہور ہے۔ یہ لوگ زیارت مخدوم صاحب کے احاطہ کے گرد اور سری نگر کے دوسرے مقامات اور پنجاب کے اکثر شہروں میں آباد ہیں۔ عثمان رینہ کا ایک چچیرا بھائی عابد رینہ نامی تھا۔ جس کی آٹھویں پشت سے سلام رینہ نے موضع تجر کی سکونت ترک کر کے موضع ماگام علاقہ ہندواڑہ میں سکونت اختیار کی۔

ہلمت رینہ کے بھائی احمد رینہ کی اولاد نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ کشمیر کی اسلامیہ حکومت میں اس کی اولاد وقتاً فوقتاً سپہ سالاری اور وزارت عظمیٰ کے عہدوں پر رہی ہے۔ ان میں سے موسیٰ* رینہ، عیدی رینہ اور ملک ناجی رینہ بہت مشہور ہستیاں تھیں۔ کشمیر کا مشہور رئیس اور مورخ ملک حیدر چاڈورہ جس کو جہانگیر کے عہد میں کشمیر کی حکومت میں بہت عمل دخل تھا۔ ناجی رینہ کا نبیرہ تھا۔ جامع مسجد سری نگر کی مرمت بھی اسی کے اہتمام سے ہوئی۔ موضع ملک چاڈورہ میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے اس شاخ کے ساتھ لفظ چاڈورہ اب تک چلا آتا ہے۔ عیدی رینہ اور ملک حیدر کی اولاد اب سری نگر اور کشمیر کے دیگر مقامات اور پنجاب میں آباد ہے چونکہ اس خاندان کو بعد میں ملک کا خطاب بھی ملا۔ اس لیے ان کی اولاد اب ملک ذات ہی سے مشہور ہے۔

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ رادن چند کے ساتھ اس کا چچازاد بھائی رائے بہرام بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ رائے بہرام کے دو فرزند رائے شیر دل اور رائے مادری تھے۔ رائے شیر دل سلطان شہاب الدین بادشاہ کشمیر (۱۳۵۵ء-۱۳۷۳ء) کا وزیر اعظم تھا۔ سلطان شہاب الدین کے بعد اس کے بھائی سلطان قطب الدین کے عہد میں بھی رائے شیر دل اپنی زندگی تک وزیر اعظم ہی رہا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا دوسرا بھائی رائے مادری وزیر اعظم مقرر ہوا۔ سلطان سکندر

---

* سلام رینہ کی اولاد کے حالات کتاب ہذا میں درج ہیں۔ سلام رینہ نے موضع تجر کی ہجرت کے بعد اپنی نئی سکونت علاقہ ہندواڑہ میں ایک لون خاندان کے ہاں شادی کر لی تھی اور وہیں خانہ داماد ہو گیا تھا۔ لون خاندان میں خانہ داماد ہونے کی وجہ سے رینہ کی بجائے لون مشہور ہو گیا اور کشمیر میں عام رواج ہے جس کی زندہ نظیریں اب بھی موجود ہیں۔ مثلاً پلوانہ کے رئیس خواجہ عزیز میر ذات گوت کے لحاظ سے میر تھے۔ جب کہ ان کے ہاں سری نگر کے درابو خاندان کے خواجہ غلام حسن درابو خانہ داماد ہو کر آئے تو وہ بھی درابو کی بجائے غلام حسن میر ہی کہلا رہے ہیں۔

۱۳۸۹ء ۱۴۱۳ء) اور وزیر رائے مادری میں ان بن ہونے کی وجہ سے رائے مادری کو وزارت علیحدہ ہونا پڑا۔ بلکہ جاگیر تک ضبط ہوگئی۔ رائے مادری کی اولاد مر یو آڈون اور علاقہ کشتواڑ سرحدی مقامات اور وادیٔ کشمیر کے جنوبی اور شرقی پہاڑوں میں آباد ہے۔ بابا لطیف الدین خلیفہ ثالث نورالدین ولی اسی خاندان سے ہیں۔ ان کا مزار موضع پوشکر علاقہ بیروہ میں۔ رائے مادری کی معزولی اور وفات کے بعد رائے شیر دل کا بیٹا شیر علی بھی زیر عتاب رہا۔ ۹۴ میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے فرزند میر محمد ہمدانی وارد کشمیر ہوئے۔ ان کی سفارش رائے شیر علی کی جاگیر واگذار تو ہوگئی مگر حضرت میر محمد ہمدانی کی صحبتوں نے اب جاہ طلبی کے خداطلبی کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ میر صاحب نے رائے شیر علی کی خدمات سے خوش ہو کر ان قاسم کا خطاب دیا۔ رائے شیر علی بابا قاسم ۱۴۰۹ء میں وفات پاگئے۔ بابا قاسم کے دو فرز عبداللہ اور بابا حسن عالم و پرہیز گار تھے۔ دونوں نے تجارت کے کاروبار کو درباداری پر دی۔ اور اس میں کامیابی حاصل کر کے اپنے زمانہ کے ملک التجار ثابت ہوئے۔ ۱۴۴۴ء میں عبداللہ وفات پاگئے۔ مخفی نہ رہے کہ بابا قاسم سے آگے کچھ دیر تک بابا کا اعزازی لفظ اس خا میں اکثر ناموں کے ساتھ استعمال ہوتا رہا۔

گنائی: (باباعثمان چپ گنائی):

باباعبداللہ کے فرزند باباعثمان جو بابا ''اچپ'' کے نام سے بھی مشہور تھے۔ علم و فضل خوشنویسی میں یکتائے روزگار ثابت ہوئے۔ بادشاہ وقت سلطان زین العابدین نے آپ کی قابلیت دیکھ کر آپ کو خطاب گنائی سے سرفراز کیا۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ذوق پرستی نے آپ کو تارک الدنیا بنادیا اسی جذبہ کے تحت آپ علماء وصلحائے وقت کی تلاش میں گھر نکلے۔ اس عہد کے مشائخ اور اولیاء اللہ کی صحبت حاصل کر کے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے

واپسی پر کشمیر میں حضرت شیخ بہاؤ الدین گنج بخش اور شیخ نورالدین ولی سے فیوض باطنی حاصل کیے۔ ۱۴۵۷ء میں جب آپ رہگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ تو بحکم سلطانی مقبرہ (مزار سلاطین زینہ کدل) میں آپ دفن کیے گئے۔ آپ کے جنازے میں سلطان العابدین بڈشاہ خود بھی شامل تھا۔

تیسری پشت میں حضرت بابا داؤد خاکی علامہ عصر شاعر لاثانی ولی اکمل اور خلیفہ خاص حضرت مخدوم شیخ حمزہؒ گزرے ہیں۔ جن کی وفات ۱۵۸۷ء میں ہوئی۔ آپ کی اولاد کشمیر اور بیرون کشمیر دونوں جگہ موجود ہے جن کا شغل زندگی زیادہ تر پیری مریدی ہے۔ ذات کے لحاظ سے خاکی شاہ اور پیرزادہ کہلاتے ہیں۔ بابا قاسم سے بابا عثمانؒ کے فرزند بابا رجب تک اور دوسری شاخ میں بابا داؤد خاکی تک اس خاندان کی ذات بابا مشہور رہی۔ بابا عثمان اور بابا نتور مستقل طور پر گنائی کہلانے لگے۔

گنائی ذات کی وجہ تسمیہ:

یہاں یہ ضروری ہے کہ گنائی لفظ کی تشریح کی جائے یہ خالص کشمیری لفظ ہے اور اس کے لغوی معنی ہیں۔ منشی کاتب اور عالم علاوہ اس کے سرکاری ملازم کا بھی اس سے مطلب لیا جاتا تھا۔ قدیم کشمیری زبان میں قلم کو ''گن'' اور اہل قلم کو ''گنے'' کہتے تھے۔ آج کل بھی کشمیری زبان میں بوٹے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جو قلم کے مشابہ ہوں۔ ''گن'' ہی کہتے ہیں کشمیر قدیم میں پہلے پہل صرف بادشاہ کی طرف سے بڑے عالم کو علمی قابلیت کی بنا پر گنائی کا خطاب ملتا تھا۔ صدیوں کے بعد عوام نے بھی اس کو آزادانہ طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ یعنی ہر لکھے پڑھے کو گنائی کہنے لگے۔ اسی طرح چونکہ ملک کا ہر ایک لکھا پڑھا ملازم سرکار تھا۔ لہٰذا عوام نے ہر ایک ملازم سرکار یا بالفاظ دیگر ہر لکھے پڑھے کو گنائی تصور کرلیا۔ آخر کچھ عرصہ کے بعد اس لفظ نے یہاں تک وسعت پکڑی کہ لفظ گنائی ہر ایک ملازم سرکار خواندہ یا ناخواندہ دونوں کے لیے وقف ہو گیا یعنی اردلی پہرہ دار خدمت گار سائیس بھی گنائی کہلانے لگے۔ چنانچہ کشمیر میں ایسے گنائیوں کی دو مشہور شاخیں آج کل موجود ہیں ایک وہ جن کے آباؤ اجداد کشمیر کے بزرگ مشائخ گزرے ہیں مثلاً خاندان بابا عثمان اوچپ گنائی اور خاندان شیخ یعقوب عرف گنائی اور خاندان شیخ احمد تارہ بلی وغیرہ اس قسم کے گنائی خاندان کے افراد کشمیر کے دیگر زمینداراں کی طرح زمینداری یا پشتہا پشت سے علمی شغل رکھنے کی وجہ سے پیری مریدی اور ملازمت اور تجارتی مشاغل میں منہمک رہتے ہیں دوسرے وہ شاخ ہے جن کے آباؤ اجداد کشمیر کی پسماندہ اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اس قوم نے بھی عام طور پر معمولی قسم کی سرکاری ملازمتیں حاصل کر لی تھیں اس لیے یہ بھی عام طور پر گنائی کہلانے لگے۔ کشمیر میں گنائی لفظ استعمال کرنے والی ایک اور قوم بھی پائی جاتی ہے۔ یہ کشمیر کے قصابوں کی قوم ہے۔ ان کے متعلق کشمیر کی تاریخوں میں دو روایتیں ملتی ہیں۔ تاریخ حسن کا

مصنف لکھتا ہے کہ عہد اسلامیہ کشمیر میں سب سے پہلے ہلمت گنائی نے قصابوں کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد میں جس شخص نے جس قوم سے یہ پیشہ اختیار کیا وہ گنائی کہلایا۔'' حسن سے بعد کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ لفظ ''گنئے'' کے معنی ''ٹکڑے کرنے والا'' بھی ہے۔ اس لیے ہر قصاب کے نام کے ساتھ بوجہ جاندار اور اس کے گوشت کے ٹکڑے کرنے کے لفظ ''گنئے'' یا گنائی استعمال ہونے لگا۔'' موخر الذکر روایت کسی قدر قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ آج کل قصاب * گنائی ایک علیحدہ ذات شمار ہوتی ہے۔ کشمیر میں اور بھی دو لفظ ایسے ہیں جو ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں شخصیتوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً شیخ کا لفظ حضرت نور الدین ولی ریشیؒ کے نام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ اور ایک موچی بھی اپنے نام کے ساتھ شیخ لکھواتا اور کہلاتا ہے۔ اسی طرح شاہ کا لفظ بادشاہ کے نام کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ اور سادات اور پیر زادے بھی اس کو اپنے نام کے ساتھ استعمال کرتے آئے ہیں۔ لیکن آج کل کشمیر میں ایک گداگر یعنی فقیر بھی شاہ کہلاتا ہے۔

دوسرے ملکوں میں بھی ہمیں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی ایک ہی لفظ بطور ذات یا لقب کے ادنیٰ اور اعلیٰ دونوں شخصیتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً ہندوستان میں خاکروب یعنی بھنگی کو مہتر اور ایران میں سائیس کو مہتر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لیکن برخلاف اس کے والئی چترال کے نام کے ساتھ بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ کا اعزازی لفظ سید عبد القادر جیلانیؒ کے نام کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور ایک بھنگی بھی اسلام قبول کر کے شیخ کہلا سکتا ہے بہر حال تاریخ سے ثابت ہے کہ آج سے قریباً پانچ سو سال پہلے کشمیر میں گنائی خطاب جن دو مقتدر خاندانوں کو بوجہ علمی قابلیت کے ملا ہے۔ ان میں سے بابا عثمان کی ذات تو کٹوچ راجپوت ہے۔ دوسرے صاحب شیخ یعقوب صرفی کے جد امجد ہیں۔ جن کا سلسلہ نسب قبیلہ قریش کی مشہور ہستی خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ سری نگر میں رہنے والے گنائی قبیلوں کے ذات دو چار پشتوں کے بعد ہی بدل گئی ہے۔ بلکہ شاخ در شاخ ان کی نئی نئی ذاتیں قائم ہو چکی ہیں۔ مثلاً سری نگر کشمیر کا مشہور خاندان شال اصل میں گنائی خاندان کی ایک شاخ ہے۔ البتہ گنائیوں کے جو افراد آج سے سینکڑوں برس پہلے سری نگر سے ہجرت کر کے دیہات میں آباد ہوئے تھے وہ اب تک گنائی قوم کے نام سے مشہور ہیں۔ کیونکہ دیہات میں تبدیلی ذات کا بہت ہی کم رواج ہے۔

* خواجہ عبد الغنی گنائی بی اے بار ایٹ لا جو بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے والے پہلے کشمیری نوجوان ہیں جس کا گنائی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس خاندان کا دعویٰ ہے کہ وہ ہلمت گنائی کی اولاد سے ہے۔ ابن مہجور)

ذیل میں ذاتوں کی تبدیلی کا ایک شجرہ نسب دیا جاتا ہے۔جس سے پتہ چلے گا کہ کس طرح ایک کٹوچ راجپوت ذات سے کشمیر اور کشمیر سے باہر مختلف ذاتیں پیدا ہوگئی ہیں۔

کٹوچ راجپوت چندر بنسی

- کٹوچ راجپوت چندر بنسی
  - کٹوچ
  - گلیزیہ
    - گلیریہ
    - رینہ
      - رینہ
        - رینہ
        - ملک
          - ملک
          - میر
          - بابا
        - مخدومی
      - گنائی
        - گنائی
          - گنائی
          - خواجہ
          - پیرزادہ
        - ریشی
        - خاکی
        - شیخ
        - شال
    - سپیہ
  - چب
  - بھنوریہ

اب ہم خاندان بابا عثمان اچپ گنائی کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں۔ بابا صاحب کا واحد فرزند بابا رجب تھا جس نے اپنے والد بزرگوار کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی یادِ الٰہی میں بسر کی۔ آپ کے دو فرزند زیتی گنائی اور شنگرف گنائی تھے۔ زیتی گنائی تین سعادت مند بیٹوں کا باپ بن کر جن کے نام شہاب الدین عطار اور ابراہیم تھے دنیا سے رخصت ہوا۔ شہاب الدین اپنے عہد کا امیر الامرا اور صاحب تیغ و قلم ثابت ہوا حکومت وقت نے اس خاندان کو خواجہ کا لقب عنایت کیا۔ چنانچہ یہ لقب اس خاندان میں خواجہ شہاب ہی سے اب تک چلا آتا ہے۔ آپ مزار محلّہ دیدہ مر میں مدفون ہیں۔ خواجہ عطار حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے حلقہ ارادت میں آکر اور تارک الدنیا ہو کر موضع اوسن علاقہ لار میں گوشہ نشین ہوگئے اور آخر وہیں دفن ہوئے۔ خواجہ عطار کی اولاد علاقہ لار اور سری نگر میں آباد ہے۔ خواجہ ابراہیم زیتی گنائی کا تیسرا بیٹا ایک ملکی لڑائی میں مارا گیا۔ اس کی اولاد بارہ مولا اور پونچھ میں آباد ہے۔ بابا رجب کے فرزند ثانی نونی گنائی المعروف ملا ملچی اپنے عہد کے عالم اور فاضل اجل تھے آپ نے محلّہ کلاش پورہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر کے یہیں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ چنانچہ آپ کی تعمیر کی ہوئی مسجد ''مسجد نونی گنائی'' کے نام

سے اب بھی موجود ہے۔آپ کا حلف ارشد..........

ملا فیروز گنائی:

ملا فیروز المعروف پیچی گنائی اپنے والد سے تعلیم حاصل کر کے زیارت بیت اللہ سے بھی مشرف ہوا۔واپسی پر دہلی میں کچھ عرصہ قیام کر کے مشائخ وعلمائے ہند کی صحبتوں سے فیض یاب ہوتا رہا۔قیام دہلی میں محمد عبداللہ سلطان پوری آپ کے حلقہ تلمذ میں داخل تھا۔بعد میں یہی شاگرد شیخ الاسلام علامہ محمد عبداللہ سلطان پوری کے نام سے اکبر بادشاہ کا استاد ہوا۔ملا فیروز نے کشمیر پہنچ کر مولانا رضی الدین صدر مدرس مدرسہ عالیہ قطب الدین پورہ کی دختر سے نکاح کیا۔اس کے بعد کشمیر کے مفتی أعظم مقرر ہوئے۔عرصہ تک اس کام کو سر انجام دیتے رہے۔آخر شیعہ سنی الجھن میں ۱۵۶۵ء میں شہید ہو گئے۔آپ کی اولاد سری نگر میں اور بیرون کشمیر دہلی اور دیگر مقامات میں آباد ہے۔

بابا رجب کے دوسرے فرزند شنگرف گنائی بھی علامہ روز گار تھے۔ان کا فرزند ملا حیدر بھی خلف الرشید ثابت ہوا۔آپ کے نکاح میں شیخ یعقوب صرفی کی بھتیجی تھی۔آپ کے دو فرزندوں شیخ محمد امین اور خلیفہ محمد شریف نے بعد وفات والد سری نگر سے ہجرت کر کے علاقہ دیوسر اور ساگام برنگ میں سکونت اختیار کی۔چنانچہ ان کی اولاد اب بھی وہیں آباد ہے۔

خواجہ شہاب الدین فرزند زیتی گنائی (نبیرہ بابا رجب) کے تین فرزند خواجہ شمس الدین خواجہ شنگی اور خواجہ اسماعیل تھے۔خواجہ شمس الدین نے بسلسلہ تجارت نوشہرہ میں سکونت اختیار کی۔

خواجہ حبیب اللہ نوشہری:

آپ کے دو صاحبزادگان خواجہ یعقوب اور خواجہ حبیب اللہ تھے۔دوسرے فرزند بعد میں صوفی کامل اور ولی وقت خواجہ حبیب اللہ نوشہریؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ متعدد منظوم کتابوں کے مصنف اور کشمیر کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔تخلص حبیؔ تھا۔آپ کا مقبرہ محلّہ نوشہرہ میں زیارتگاہ خاص وعام ہے۔آپ کی اولاد کشمیر میں اور کشمیر سے باہر اس وقت موجود ہے۔خواجہ شہاب الدین کے دوسرے فرزند خواجہ شنگی اپنے عہد کے امیر الامرا تھے۔انہوں نے بسلسلہ تجارت شہر کے بالائی حصہ میں رقبہ جات خرید کر عالی شان مکانات اور کوٹھیاں تعمیر کیں۔خواجہ شنگی کی اولاد کچھ عرصہ بعد بوجہ تجارت پشمینہ شال کہلائی۔اور آج کل اس مشہور خاندان کی ذات عام طور پر شال ہی مشہور ہے۔

جنرل اسماعیل گنائی:

خواجہ شہاب الدین کا تیسرا فرزند خواجہ اسماعیل عالم و فاضل ہونے کے علاوہ شجاع و بہادر بھی تھا۔ لہٰذا ابتداہی میں وہ فوج میں بھرتی ہو کر اپنی قابلیت کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد بعہد علی شاہ چک بادشاہ کشمیر (۱۵۷۰ء ۱۵۷۹ء) کشمیری افواج کا سپہ سالار مقرر ہو گیا۔ جنرل اسمٰعیل گنائی کشمیر کا ایک مشہور محبِّ وطن سپہ سالار گزرا ہے۔ ۱۵۷۴ء میں راجہ بہادر سنگھ والئی کشتوار نے بادشاہ کشمیر سے سرکشی اختیار کی۔ جنرل اسماعیل گنائی ایک لشکر جرار لے کر کشتوار پر حملہ آور ہوا۔ ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد کشتواری فوج کو شکست ہوئی۔ بہادر سنگھ گرفتا ہوا۔ آخر راجہ نے اپنی لڑکی بادشاہ کشمیر کے نکاح میں دے کر خلاصی حاصل کی۔ علی شاہ چک نے جنرل گنائی کو ''فاتح کشتوار'' کا خطاب عنایت کیا۔ اسماعیل گنائی چکوں کے آخری عہد یعنی کشمیر کی آزادی کے خاتمے تک کشمیری افواج کا سپہ سالار رہا۔ جب ۱۵۷۵ء میں بادشاہ کشمیر یعقوب شاہ چک نے قاضی موسیٰ کو جو کشمیر کا مشہور قاضی اعظم تھا شیعہ علماء کے فتوے پر شہید کیا۔ تو سنی مسلمانوں نے سنی اکابران شہر کی ایک خفیہ مجلس میں طویل بحث کے بعد یہ قرار پایا کہ کشمیر سے مسلمانوں کا ایک وفد دہلی جاکر اکبر بادشاہ کو کشمیر پر چڑھائی کرنے کی دعوت دے۔ لیکن اسماعیل گنائی کو اس سے اختلاف تھا۔ اس کی رائے تھی کہ سنی مسلمانان کشمیر کی ایک کثیر فوج تیار کی جائے جو چک حکومت کا خاتمہ کر دے۔ اسماعیل گنائی نے ہر صورت میں غیر کشمیری یعنی مغلیہ حکومت کو دعوت دینے کی مخالفت کی۔ لیکن اکثر اکابران نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ اسماعیل گنائی کا خیال تھا کہ آنے والی نسلیں اکابران کشمیر کے اس فیصلے پر ہمیشہ ماتم کرتی رہیں گی۔ اکبر کو دو شکستوں * کے بعد کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے اب بہانہ درکار تھا۔ اس نے ایک جرار لشکر کشمیر کو فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ میدان ہورہ پور میں کشمیری افواج کے ساتھ ایک معرکہ ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیر ہمیشہ کے

---

* اکبر نے کشمیر پر سب سے پہلا حملہ ابوالفضل اور راج ترنگنی پنڈت کوشک کی تحریر کے مطابق ۹۶۹ھ مطابق ۱۵۶۱ء میں کیا یہ حملہ میرزا قرا بہادر نے اکبر کے حکم سے کیا تھا یہی اکبری سپہ سالار کشمیر کے بادشاہ غازی چک سے شکست کھا کر واپس آ گیا تھا۔ دوسرا حملہ ابوالفضل اور دوسرے مورخین کی تحریروں کے مطابق ۱۵۷۶ء ۹۹۴ھ میں کشمیر پر ہوا۔ جس میں یوسف چک بادشاہ کشمیر گرفتار تو ہو گیا لیکن کشمیر فتح نہ ہو سکا۔ آخر اکبر نے تیسرا اور کامیاب حملہ ۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۶ء میں کیا۔ جس میں بادشاہ کامیاب ہو گیا۔

* مزار کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ کچھ حصہ سڑک کے اندر آ گیا ہے کچھ حصہ پاؤں تلے روندا جا رہا ہے جہاں سے آواز آ رہی ہے۔ اومیاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے۔

لیے غیر کشمیریوں کا غلام بن گیا۔ یہ واقع اکتوبر ۱۵۸۶ء کا ہے۔ اسماعیل گنائی نے ۱۵۹۹ء میں وفات پائی۔ کشمیر کا یہ مایہ ناز اور محبّ وطن جرنیل صفا کدل سے نیچے محلّہ دیدہ مر میں سڑک کے کنارے ایک مزار ** میں محوخواب ہے۔

خواجہ اسماعیل گنائی کے دو فرزند خواجہ عطار اور خواجہ عبدالشکور تھے۔ خواجہ عبدالشکور کی اولاد سری نگر میں موجود ہے۔ جس کا پیشہ تجارت ہے۔

خواجہ جواہر نگائی:

خواجہ عطار کے فرزند خواجہ جواہر عالم تھے۔ شعر و شاعری کا بھی مذاق رکھتے تھے۔ تخلص یکتا تھا۔ خوشنویس بھی تھے۔ آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک خوشخط بیاض جس میں ان کا اپنا کلام درج ہے۔ پنڈت مادھورام گنجو ساکن محلّہ اہل مر سری نگر کے پاس موجود ہے۔ اس زمانہ میں ظفر خان احسن ناظم کشمیر (۱۶۴۰ء، ۱۶۴۱ء) تھا جو خود شاعر ہونے کی وجہ سے شاعروں کا بہت قدردان تھا۔ خواجہ جواہر فن تعمیرات کے بھی ماہر تھے۔ بلکہ ان کی چند پشتوں کو بھی اس فن کے ساتھ لگاؤ رہا۔ اس لیے ظفر خاں نے تعمیر باغات وغیرہ کا کام آپ ہی کے سپرد کر دیا۔ ناظم کشمیر اور شاہجہان آپ کی خدمات سے بہت خوش ہوئے۔ موضع مچھ بھون میں بھی آپ نے سرکاری حکم سے ایک باغ بنایا تھا۔ آپ کو یہاں کی آب و ہوا ایسی پسند آئی کہ آپ نے اسی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ آپ کی اولاد اب تک اسی جگہ آباد ہے۔ خواجہ جواہر کے فرزند شمس الدین کی زیر نگرانی بعہد عالمگیر چشمہ انت ناگ کی تعمیر ہوئی۔ خواجہ شمس الدین کا فرزند خواجہ جہانگیر تھا۔ سرکاری عمارات اور باغات کے علاوہ حضرت شیخ حمزہؒ مخدوم صاحب کی زیارت بھی اعلیٰ پیمانہ پر آپ کی نگرانی میں تعمیر ہوئی اور بابا زین الدین ریشیؒ کی زیارت کی تعمیر بھی آپ ہی کی محنت و محبت کا نتیجہ ہے۔

خواجہ محمود گنائی:

خواجہ جہانگیر کا ایک ہی فرزند خواجہ نورالدین تھا۔ جس نے اپنی زندگی یادِ الٰہی میں بسر کی۔ خواجہ نورالدین کے فرزند خواجہ محمود نہایت زیرک اور رئیس الملک تھے۔ درانیہ حکومت میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ علاقہ وچھن پارہ اور کھادرہ پارہ کے علاقہ دار (تحصیلدار) مقرر ہو کر نہایت دیانت اور انصاف سے اس کام کو بہت عرصہ تک انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ

۱۸۰۶ء ۱۲۲۱ھ میں مسلمانانِ کشمیر نے تعمیر زیارت حضرت بل اور زیارت دستگیر صاحب خانیار کے لیے جو کمیٹی مرتب کی تھی۔ اس میں باتفاق رائے عامتہ المسلمین آپ اس کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے تھے۔ ۱۸۱۳ء میں آپ انتقال فرما گئے۔

خواجہ یوسف گنائی:

خواجہ محمود کا فرزند خواجہ یوسف باپ کے نقش قدم پر چل کر قوم اور ملک میں ہر دلعزیز رہا۔ خواجہ یوسف کے عہد میں حکومت درانیہ ختم ہو کر کشمیر سکھوں کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ ۱۸۳۳ء میں کشمیر میں ایک ہولناک قحط پڑا۔ جس نے باشندگان کشمیر کی دو تہائی آبادی کو تباہ کر دیا۔ اس پر ستم یہ ایک ظالم سکھ ناظم کشمیر جمعدار خوشحال سنگھ نے انتظام ملک کے بہانے کشمیری فاقہ مستیوں کا خون چوسنا شروع کر دیا۔ ملک میں کہرام مچا۔ غریب رعایا کی چیخ و پکار سے خواجہ یوسف کا دل پاش پاش ہو گیا۔ قوت ایمانی سے کام لے کر آپ نے علانیہ جمعدار کی مزاحمت کی۔ تائید ایزدی نے خونخوار جمعدار کو آپ کے قتل کرنے کی ہمت تو نہ دی۔ تاہم آپ کو گرفتار کر کے کچھ عرصہ قید رکھا گیا۔ آخر آپ ۱۸۳۶ء میں وفات پا گئے۔

خواجہ صالح گنائی:

خواجہ یوسف کا سعادت مند بیٹا خواجہ صالح تھا۔ یہ شخص بہت دور اندیش اور مردم شناس تھا۔ اس نے کرنیل مہاں سنگھ اور شیخ امام الدین صوبہ داران حکومت خالصہ کے درباروں میں بڑی عزت پائی۔ ۱۸۴۶ء میں ڈوگرہ فوج وزیر لکھپت کی کمان میں کشمیر کا قبضہ حاصل کرنے کے لیے جب سری نگر میں داخل ہوئی۔ تو یہاں پہنچ کر سکھ فوج اور ڈوگرہ فوج میں لڑائی شروع ہو گئی۔ وزیر لکھپت میدان مائسمہ میں مارا گیا۔ بچی کھچی ڈوگرہ فوج نے جموں کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ آپ نے از راہ انسانی ہمدردی اس مصیبت زدہ فوج کی سامان خورد و نوش سے اور پیر پنچال کا درہ عبور کرانے اور جموں پہنچانے میں بہت مدد دی۔ مہاراجہ گلاب سنگھ جب کشمیر میں تشریف لائے تو خواجہ صالح کو سند خوشنودی عطا فرمائی اور سابقہ مراعات بحال رکھ کر آئندہ کے لیے رقبہ جات کی معافی کا پروانہ بھی عطا فرمایا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد جب مہاراجہ موضع بون میں آئے تو خواجہ صالح کے گھر میں بھی ورود فرمایا۔ خواجہ صالح نے مہاراجہ صاحب کے حضور میں چند خوبصورت راہوار گھوڑے نذر کیے اور جنوبی کشمیر کے پرانے بزرگوں کے قول کے مطابق مہاراجہ نے آخری ایام میں خواجہ صالح کو اپنے علاقہ کے لیے

تشخیص مالیہ اراضی کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا۔ جس کو آپ نے بوجہ احسن انجام دیا۔ خواجہ صالح فارسی زبان کا عالم سخن فہم اور شعروشاعری کا بڑا دلدادہ تھا۔ علماء فضلا اور شعرا کی بڑی قدر کرتا تھا۔ چنانچہ کشمیری زبان کا مشہور شاعر پرمانند آپ کا عزیز ترین دوست تھا۔ آپ پرمانند کی شاعری اور قابلیت کے شیدا تھے۔ پرمانند اصل میں موضع میر کا ملی گنڈ کا باشندہ تھا لیکن خواجہ صالح کی محبت اور مہربانی نے اس کو موضع مچھ بھون میں ہمیشہ کے لیے رہائش کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے پنڈت صاحب کے دائمی گزارہ کے لیے اپنے خاندان میں ایک وصیت بھی لکھ کر چھوڑ دی تھی۔ خواجہ صالح کی وفات ۱۸۷۵ء میں ہوئی۔

خواجہ قادر گنائی:

خواجہ صالح کے تین فرزندوں میں سب سے بڑا خواجہ قادر تھا جو اعلیٰ قسم کا منشی اور عالم ہونے کے علاوہ بہادر اور معاملہ فہم تھا۔ یعنی اسماعیل گنائی کے جنگی جنون کو کئی پشتوں کے بعد پھر بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ خواجہ قادر ہونزہ کی لڑائی میں زیر کمان کرنیل ڈیورنڈ شامل کارزار رہا۔ کرنیل ڈیورنڈ کے زخمی ہونے پر راجہ عذرا خان کی گرفتاری اسی خواجہ قادر کی بہادری اور تدبر کا نتیجہ تھا فوجی خدمات کے بعد آپ اپنے والد مرحوم کی جگہ ذیلدار اور علاقہ دار یعنی تحصیل دار مقرر ہوئے۔ جب سر والٹر لارنس نے کشمیر میں بندوبست قانون شروع کیا۔ تو وقت کے چیف منسٹر جنرل سر راجہ امر سنگھ آنجہانی نے خواجہ قادر کو خاص طور پر صاحب موصوف کے ساتھ تا خاتمہ بندوبست کشمیر میں تعینات فرمایا اس ڈیوٹی کو خواجہ قادر نے دیانت داری اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ صاحب موصوف کی کتاب ویلی آف کشمیر کے صفحات پر موجود ہے۔ خواجہ قادر ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں دو فرزند چھوڑ کر وفات پا گئے۔

سہ شنبہ ششم بود ذیقعد ماہ
ہزار وسہ صد چہار دہ بشریم

خواجہ سعد اللہ گنائی:

خواجہ قادر کے فرزند اول خواجہ ابراہیم اپنے والد کی جگہ ذیلدار مقرر ہوئے۔ آپ نیک سیرت اور پرہیزگار تھے۔ ۲۷ محرم ۱۳۴۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۹۲۱ء میں ایک فرزند خواجہ سعد اللہ چھوڑ

کرفوت ہوگئے۔ خواجہ سعد اللہ اس وقت ذیلدار ہیں۔ آپ کو آنجہانی مہاراجہ پرتاب سنگھ نے بمقام مچھ بھون اپنے ہاتھ سے حکم ذیلداری عنایت فرمایا تھا۔ خواجہ صاحب کے دو فرزند سلام الدین اور شمس الدین ہیں۔ خواجہ سلام الدین ٹھیکداری کا کام کرتے ہیں۔ اور خواجہ شمس الدین زیرِ تعلیم ہیں۔ خواجہ سلام الدین صاحب اولاد بھی ہیں۔

خواجہ مختار گنائی:

خواجہ قادر کے دوسرے فرزند خواجہ مختار سفید پوش اور نمبردار ہیں اور اس وقت اپنے خاندان کی بزرگ ہستی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ خوش اخلاق علم دوست اور راعی و رعایا میں ہر دلعزیز ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں منتخب ممبر کونسل بھی رہے ہیں۔ آپ کے پانچ فرزندان محمد یوسف۔ غلام نبی۔ غلام حسین۔ محمد ایوب اور معراج الدین ہیں۔ سب سے بڑے محمد یوسف محکمہ تعلیم میں ملازم ہیں۔ باقی زیرِ تعلیم ہیں۔

خواجہ احسن:

خواجہ صالح کے دوسرے فرزند خواجہ علی عہد شباب میں ہی اپنی یادگار ایک نیک سیرت لڑکا خواجہ احسن چھوڑ کر ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں عالم آخرت کا سفر کر گئے۔ خواجہ احسن اچھ بل کے ذیلدار تھے۔ خاندان کی روایتی شان کو برقرار رکھتے ہوئے آپ نے بھی اچھی عزت اور شہرت پائی۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ چنانچہ بارہا مہاراجہ بہادر آنجہانی نے آپ کو یاد کر کے شرف ملاقات بخشا۔ موجودہ والئی ملک ہز ہائنیس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے کونسل کے سینئر ممبر اور کمانڈر انچیف ہونے کی حیثیت سے بزمانہ ولی عہدی آپ کو بصلہ خدمات افواج میں مقیم کھندورہ ایک سند خوشنودی عطا فرمائی۔ ۱۳ شعبان ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۱۹ء کو آپ نے اس جہان سے کوچ کیا۔

خواجہ سیف الدین:

آپ کے اکلوتے فرزند خواجہ سیف الدین ہیں۔ آپ میٹرک کے بعد کالج میں تعلیم پا رہے تھے کہ وہیں سے براہ راست پولیس میں سب انسپکٹر بھرتی ہوگئے۔ اور آج تک ویلی کشمیر کے مختلف تھانہ جات میں سب انسپکٹر اور انسپکٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ بحیثیت پولیس آفیسر آپ نے جس قدر شہرت نیک نامی اور ہر دلعزیزی حاصل کی ہے۔ اس کی بہت کم مثالیں مل

سکتی ہیں۔ آپ بہترین سراغ رساں اور قیافہ دان ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کے دو فرزند غلام جیلانی اور معراج الدین احمد ابھی خورد سال ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ خواجہ صالح کے تیسرے فرزند خواجہ خالق گنائی ۱۸۹۲ء میں وفات پا گئے تھے۔ خواجہ خالق کے فرزند خواجہ جمعہ گنائی باپ سے ایک سال قبل ۱۸۹۱ء میں انتقال کر گئے تھے۔ خواجہ جمعہ گنائی کا فرزند خواجہ قدوس گنائی ۱۹۳۹ء میں وفات پا گیا۔

خواجہ غلام احمد:

اب اس شاخ سے خواجہ قدوس گنائی کے فرزند خواجہ غلام احمد ہیں۔ جو ایک شریف الطبع تعلیم یافتہ نوجوان ہیں۔ آپ نے ہندوستان میں سینٹری ٹریننگ حاصل کی ہے اور آج کل بحیثیت سینٹری انسپکٹر ملازم ہیں۔

موضع مچھ بھون کا یہ گنائی خاندان جنوبی کشمیر میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے بہت بڑے پیمانہ پر مالک اراضیات و معافیات ہے۔ تقریباً ۱۳ دیہات میں اس خاندان کے زرعی مملوکہ رقبہ جات ہیں۔

یہ تمام حالات جن کا اوپر ذکر ہوا۔ کٹوچ راجپوتوں کی گلیر یہ شاخ کے ہیں۔ جو کشمیر میں آباد ہو کر اسلام کی آغوش میں آئی۔ اور جس کا بانی راجہ مل چند ہے۔ راجہ مل چند کا جدِ اعظم راجہ میگھ چند والئی کانگڑہ کے چار بیٹوں میں دوسرا بیٹا ہری چند مل چند مذکورہ کے دادے کا دادا تھا۔ اس سے بڑا راجہ کرم چند تھا۔ جس کی ۲۵ ویں پشت سے لمبہ گاؤں اور نادون کانگڑہ کے موجودہ راجے ہیں۔ اسی راجہ کرم چند کی ایک اور شاخ سے ۲۴ پشت میں موجودہ مہارانی صاحبہ کشمیر یعنی والدہ محترمہ مہاراج کمار شری کرن سنگھ جی ولی عہد ریاست جموں و کشمیر ہیں۔

ڈار فیملی کشمیر و پنجاب

(اصل وطن موضع ہردوشیوہ علاقہ زنگیر نزیل سوپور کشمیر)

اس کا نام زنگیر ہے۔ یہاں دامن کوہ میں ایک موضع ہردوشیوہ کے نام سے آباد ہے۔ زنگیر کے علاقہ میں اسی موضع کا ڈار خاندان اپنی دینی و دنیوی وجاہت کی وجہ سے شمالی کشمیر میں مشہور ہے۔ جمبندی مرتبہ بندوبست کشمیر ترمیم ثانی ۱۹۷۸ بکرمی میں اس موضع کے نام کی جو وجہ تسمیہ درج ہے۔ تاریخ کی رو سے وہ خود ترمیم ثانی کی محتاج نظر آتی ہے۔ اس جمع بندی میں جو شجرہ نسب ڈار قوم کا درج ہے اس کے متعلقہ عرض حال میں لکھا ہے کہ اس قوم کا مورث اعلیٰ موضع سوئی بگ تحصیل بڈگام سے جب ایک دفعہ بمقام سوپور اپنے مرشد کے پاس آیا۔ تو اس نے انہیں شیخ نورالدین * ولی کے پاس جو دامن کوہ میں سوپور سے چار پانچ میل کے فاصلے پر غار نشین تھے۔ جانے کے لیے کہا اور یہ بھی کہا کہ وہاں جو جگہ بالکل غیر آباد پڑی ہے۔ اس کو بھی آباد کرو۔ چنانچہ اس نے اس بنجر اراضی کو دو جگہ آباد کیا اور شیخ صاحب کی ہدایت کے مطابق اس کا نام شیوہ رکھا۔ اور دو جگہ آباد ہونے کی وجہ سے بعد میں اس کا نام ہردوشیوہ ہو گیا۔

شیخ نورالدین ولی کے حالات کشمیر کے جن تذکروں یا کشمیر کی جن تاریخوں میں درج ہیں۔ وہاں اس علاقہ میں جس کا نام بعد میں زنگیر رکھا گیا۔ ان کے غار نشین ہونے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ نہ عقل سلیم یہ باور کر سکتی ہے کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے موضع کے آباد ہونے پر اس کا نام شیوہ رکھا ہو۔ جو ہندوؤں کا ایک مقدس اوتار ہے۔

شیوہ یا شیو کے نام سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ ہندوانہ نام ہے اور کسی ہندو ہی نے اس کو آباد کیا ہے۔ میں نے خود ہردوشیوہ کے اردگرد مہاتما بدھ کی ایک قد آدم مورتی موضع گوری پورہ کے ایک کھیت میں دیکھی تھی اور ایک مورتی کسی اور ہندو بزرگ کی قد آدم موضع ڈورہ میں بھی نہر کی کھدائی کے وقت برآمد ہوئی تھی۔ پھر موضع مچھی پورہ میں جو ہردوشیوہ ہی کی ایک پتی ہے۔ اب تک زمانہ قدیم کی آبادی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیوہ یا شیو ہندو عہد قدیم ہی سے آباد ہے۔ اس کا اصل نام شیوہ ہی تھا۔ اور چونکہ یہ دو جگہ آباد تھا۔ اس لیے اسلامی دور حکومت میں اس کا نام ہردوشیوہ مشہور ہو گیا۔ بلکہ اب تک بھی اس کے ایک حصہ کو بالا اور نچلے حصہ کو پائین کہتے ہیں۔

بلکہ قرین قیاس تو یہ ہے کہ آبادی کا جو حصہ بلندی پر ایک تنگ جگہ میں واقعہ ہے اور جو زیارت خواجہ حسن قاری بلدیمری کے متصل ہے۔ صرف خواجہ حسن قاری کے یہاں آنے اور بعد

* تاریخ پیدائش ۷۵۷ھ بزمانہ سلطان علاء الدین علی شیر۔ وفات ۸۴۲ھ بزمانہ سلطان زین العابدین بڈشاہ

میں یہیں وفات پا جانے کی وجہ سے آباد ہوا۔ اس لیے ان سب لوگوں کا تعلق زیارت کے سا
ہے۔ زیارت کے پاس جو چشمہ ہے۔ اسی کے پانی سے اس گاؤں کا بہت سا حصہ سیراب
ہے۔ بنابریں کاغذات بندوبست ۱۹۷۸ بکرمی میں اس موضع کے متعلق یہ لکھنا کہ اس کو ڈا
کے ایک بزرگ نے شیخ نورالدین ولی کے زمانہ میں آباد کیا تھا۔ غلط ہے بلکہ یہ گاؤں عہد قد
سے جب اس ملک میں مسلمان آباد بھی نہ ہوئے تھے۔ آباد چلا آتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہوسکتا
ڈار قوم ہی نے اس کو آباد کیا ہو۔ کیونکہ اس زمانہ میں کشمیر کی دیگر اقوام کی طرح یہ قوم بھی ہن
تھی۔ بندوبستی شجرہ کے عرض حال میں ایک بات البتہ صحیح ہے۔ کہ اس قوم کے بزرگ سوئی
تحصیل بڈگام ہی سے اس علاقہ میں آئے تھے۔

سوئی بگ کی ڈار قوم کے جد اعلیٰ کا ذکر:

ڈار قوم کے قبول اسلام کا زمانہ بھی کشمیر کی دیگر قوموں کے قبول اسلام کے سا
تعلق رکھتا ہے۔ ہندو راجگان قدیم کے زمانہ میں تو سب ہندو ہی تھے۔ بلکہ سلطان
(۱۳۷۰ء۔۱۴۲۰ء) کے ایام میں چرار شریف کے مشہور ڈار سنگرام ڈار کا نام آتا ہے۔ جس
نام گو ہندوانہ تھا۔ لیکن اس کے فرزندوں کے نام اسلامی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود
ڈار مسلمان ہوگیا تھا۔ گو کسی تاریخ میں اس کا اسلامی نام نہیں مل سکا۔ لیکن تاریخوں میں ا
عقیدہ کے مطابق اس کے دفن کیے جانے کا ذکر موجود ہے۔ قاضی ڈار سلطان بڈشاہ
میں ایک مشہور شخص تھا۔ اسی کی چوتھی پشت میں ملک سیف ڈار کشمیر کا نامور سیاست دا
ہے۔ جو سلطان فتح شاہ بار اول کے عہد میں وزارت عظمیٰ کے عہدہ پر ممتاز تھا۔ اس نے
میں بمقام سری نگر وفات پائی۔ اس کا مقبرہ ایک بلند چبوترہ پر سرائے صفاکدل کے متصل
ہے۔ وہاں کچھ لکھا ہوا بھی ہے۔ مگر صاف پڑھا نہیں جاتا۔

سوئی بگ کے ڈار قبائل اسی کی ذریات سے ہیں۔ اس کے تین فرزند تھے او
سوئی بگ ہی میں رہتے تھے۔ ریگی ڈار جس کو ریگی دار بھی لکھا جاتا ہے اور جو دار قوم کا جد ا
اور جس کے نام پر دار قبیلہ علیحدہ بن گیا ہے۔ سیف ڈار کے فرزند اول بہرام ڈار کا فرزند کا
اس نے ۹۲۰ھ میں انتقال کیا تھا۔ ریگی ڈار ہی کا بھائی ملک عثمان ڈار (وفات ۹۲۰ھ) ...

* سوئی بگ یا سویہ بھوگ۔ سویہ کا آباد کیا ہوا ہے۔ جس کے نام پر شمالی کشمیر کا مشہور قصبہ سوپور آباد ہے۔ سو
ہے اور بھوگ بطور دان یا خیرات سمجھا جاتا ہے۔ یہ گاؤں جو سویہ کی جاگیر میں تھا۔ اس نے خیرات کیا ہوا

شاہ بار سوم کا وزیر تھا۔ اسی کی تیسری یا چوتھی پشت میں علی ڈار کشمیر میں ایک نامی شخص گزرا ہے۔ جو یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر کا ۹۹۴ھ مطابق ۱۵۸۰ء میں وزیر تھا۔ قاضی ڈار سے لے کر علی ڈار تک جو شجرہ نسب مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

شجرہ نسب

قاضی ڈار
فیروز ڈار — مسعود ڈار — ملک سیف ڈار (وزیر اعظم سلطان فتح شاہ بار اوّل)
ملک سیف ڈار: ملک بہرام ڈار — ملک ابراہیم ڈار — ملک حسین ڈار
ملک بہرام ڈار: ملک ریگی ڈار — ملک عثمان ڈار — ملک دولت ڈار
ملک عثمان ڈار ← [ ] ← [ ] ← [ ] ← ملک علی ڈار (وزیر یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر 994ھ۔1580ء)

ڈار قبیلہ کی ایک شاخ ملک ریگی ڈار کے زمانہ اس کے کچھ عرصہ بعد دار کہلائی۔ ریگی ڈار اور ریگی ڈار ایک ہی شخص کا نام سمجھنا چاہیے۔ اس شاخ میں بڑے بڑے علماء وصلحاء اور ولی اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ مفصل ذکر کشمیر کی عام تاریخوں کے علاوہ اس میں بھی موجود ہے۔

سوئی بگ کے ڈاروں کا جد امجد ملک سیف ڈار ہی ہے اور اس قبیلہ کے جو لوگ سوئی بگ سے نکل کر کشمیر کے دیگر مقامات میں نقل مکانی کر گئے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس سے پہلے درج ہے۔ وہ سب ملک سیف ڈار ہی کو اپنا مورث اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔

ڈار قوم سکنہ ہردوشیوہ کا ذکر معہ شجرہ نسب:

چنانچہ موضع ہردوشیوہ میں بھی ڈار قوم کا سب سے پہلا بزرگ موضع سوئی بگ ہی سے آیا ہے۔ جیسا کہ جمع بندی بندوبست کے کاغذات میں بھی درج ہے۔ یہ بزرگ کس زمانہ میں آیا اور اس کا نام کیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا۔ البتہ ڈار فیملی ہردوشیوہ کے پرائیویٹ شجرہ نسب میں سب سے پہلا نام نوح ڈار کا آتا ہے۔ اس کے بعد ملک ڈار پھر ہند ڈار یا مہند ڈار پھر عید ڈار لیکن

بندوبست میں جو شجرہ نسب ہے۔ اس میں سب سے پہلا نام عید ڈار ہے۔ جو ڈار قوم ہردوشیوہ کے شجرہ کے مطابق نوح ڈار کی چوتھی پشت میں تھا۔ عید ڈار کے چار فرزند تھے۔ اس کے تین فرزندوں کی اولاد تو کشمیر کے موضع ہردوشیوہ ہی میں آباد ہے۔ جس کو نوح ڈار سے لے کر موجودہ نسل تک بارہ پشتیں گزر چکی ہیں۔ ایک فرزند کی ذریات کا کچھ حصہ پنجاب میں آباد ہے اور کچھ کشمیر میں۔ اس شاخ کی موجودہ نسل کو نوح ڈار سے لے کر آج تک نو پشتیں ہو چکی ہیں۔ یہاں عید ڈار کی ذریات کشمیر کا شجرہ لکھا جاتا ہے۔

شجرہ نسب

عید ڈار

سیہہ ڈار — ۲ ہاشم ڈار — ۳ صدیق ڈار عرف سدھ ڈار — اعظم ڈار

۲، ۳ کی اولاد بھی موضع ہردوشیوہ میں آباد ہے

سیہہ ڈار: ابراہیم ڈار — کریم ڈار (اس کی اولاد بھی ہردوشیوہ میں آباد ہے)

ابراہیم ڈار: رحمان ڈار

رحمان ڈار: رفیق ڈار — کریم ڈار — سخی ڈار (ان کی اولاد بھی ہردوشیوہ میں آباد ہے)

رفیق ڈار: اسد ڈار پھلی احمد ڈار

اسد ڈار پھلی احمد ڈار: غفار — سلطان (اولاد ہردوشیوہ میں آباد ہے) — رمضان ڈار ذیلدار

رمضان ڈار ذیلدار: عبداللہ ڈار نمبردار — منصور ڈار ذیلدار مرحوم — انور ڈار

عبداللہ ڈار نمبردار: گل ڈار — احسن ڈار — لسی ڈار — سلطان ڈار

منصور ڈار ذیلدار مرحوم: مقبول ڈار — رحمان ڈار — غلام احمد ڈار

انور ڈار: غلام نبی

عید ڈار کے فرزند اول سیہہ ڈار کی اولاد میں رمضان ڈار ذیلدار حکومت اور پبلک میں کافی رسوخ رکھتا تھا۔ کشمیر میں اس سے راقم کی بارہا ملاقات ہوئی ہے۔ نہایت خلیق اور ملنسار تھا اس کی وفات کے بعد اس کے فرزند اول کو نمبرداری اور فرزند دوم کو خواندہ ہونے کی وجہ ذیلداری ملی۔ ۱۹۳۹ء کے اوائل میں منور ڈار ذیلدار انتقال کر گیا۔ اس کا بھائی عبداللہ ڈار نمبردار موجود ہے۔ عید ڈار کے تیسرے فرزند صدیق ڈار عرف سدھ ڈار کے دو فرزند تھے۔ اسماعیل ڈار وحسن ڈار، اسماعیل ڈار کی اولاد کشمیر میں آباد ہے لیکن اب وہ ہردوشیوہ کی بجائے لنگیٹ اور ہاگ میں رہتی ہے۔ جیسا کہ ذیل کے شجرہ سے معلوم ہوتا۔

اسماعیل ڈار کی اولاد

شجرہ نسب

صدیق ڈار عرف سدھ ڈار

اسماعیل ڈار — حسن ڈار

اسماعیل ڈار ← جمال ڈار

جمال ڈار ← رمضان ڈار، صدیق ڈار

رمضان ڈار ← منور ڈار، صابر ڈار، اکبر ڈار

جمال ڈار ہانگہ متصل ہندواڑہ میں خانہ داماد ہو کر سسرال کے ہاں آباد ہو گیا۔ اس کے دوسرے فرزند صدیق ڈار کی شادی جب موضع لنگیٹ متصل ہندواڑہ کے عزیز میر کے گھر ہو گئی تو اس نے بھی سنت پدری کے مطابق وہیں رہائش اختیار کر لی۔

جمال ڈار کا فرزند اول پنجاب میں محنت مزدوری کے لیے آیا کرتا تھا۔ میرے والد مرحوم اس کو اپنا یک جدی اور غریب بھائی جان کر اس کی امداد اعانت کیا کرتے تھے۔ اسماعیل ڈار کی اولاد دہ ہانگہ میں ہے یا لنگیٹ میں۔ بالکل معمولی حالت میں ہے۔ تعلیم سے بے بہرہ ہے اور زمیندارہ پر اس کا گزارہ ہے۔

صدیق ڈار عرف سدھ ڈار کا فرزند دوم حسن ڈار۔ ابتدائے شباب ہی میں کشمیر سے پنجاب چلا آیا تھا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں افغانوں کی حکومت تھی۔ جو کشمیر کے رہنے والوں کے لیے ''لرزہ بر جان مردوزن اُفتاد'' کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ حسن ڈار کو آخر اپنی حریت وحق گوئی کی سزا میں وطن سے بے وطن ہونا پڑا۔ جیسا کہ اشعاذیل سے معلوم ہوگا:

جب کابل کے افغانوں کا اس ملک میں آکر راج ہوا

اس راج کے ظلم و تشدد سے کرتا ہی رہا فریاد حسن
لیکن نہ فغان افغاں نے سنی اور جور عظیم بھی کم نہ ہوا
اس عالم جوروتعدی میں آخر کو ہوا برباد حسن
اب گردش دور گردوں نے وہ چشمہ شیریں چھین لیا
جس چشمہ خواجہ حسن کو سمجھا آب رکنا باد حسن

اس کی اولاد میں سے کچھ لوگ پھر کشمیر آ کر آباد ہو گئے۔ جن کا مفصل ذکر سطور آئندہ میں آئے گا۔ لیکن اس کی ذریات ذکور اناث کا بیشتر حصہ پنجاب کے مقامات گھڑتل، سیالکوٹ، وزیرآباد، خانقاہ ڈوگراں، لاہور، ڈسکہ اور گوجرانوالہ میں آباد ہے اور علمی، تاریخی اور کاروباری اور اعلیٰ ملازمتوں کے لحاظ سے شہرت و عزت کا مالک ہے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

آ دیکھ کہ اب کس شان سے ہے وہ اوج فلک کی چوٹی پر
رکھی تھی جس تعمیر کی تو نے غربت میں بنیاد حسن
کشمیر کے ارض پاک میں تیری خاک کے ذرے مہر بنے
پنجاب میں وہ اقبال بڑھائیں صاحب عدل و داد حسن
اب آل * کی بھی اولاد کی بھی دنیا میں ہر سو شہرت
اے نام حسن تو تھا ہی حسن تری آل حسن اولاد حسن

---

* سردار محمد عظیم خاں گورنر کشمیر سے مراد ہے۔

** آپ کی دختر کے فرزند خان صاحب شیخ غلام حسین ریٹائرڈ مجسٹریٹ لاہور میں آباد ہیں۔ جن کے فرزند اکبر شیخ محمد رفیق بیرسٹرایٹ لاء لاہور میں سرکاری وکیل اور فرزند ثانی ڈاکٹر عزیز احمد صوبہ سرحد میں وٹرنری ڈیپارٹمنٹ کے افسر اعلیٰ ہیں۔ شیخ نذیر الدین بی اے ایل ایل بی سپرنٹنڈنٹ ہائی کورٹ لاہور اور مسٹر محمد لطیف بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ لاہور خان صاحب شیخ غلام حسین کے ہمشیرہ زادے اور حسن ڈار کی صبیہ کلاں کے نواسے ہیں۔ آپ کی دوسری لڑکی کے فرزند اکبر بابو غلام حسن لائل پور اور وزیرآباد کے رئیس اور ایک مخیر بزرگ ہیں جن کے فرزند اصغر مسٹر منظور الحسن بی اے ایل ایل بی علاوہ دیگر علمی امتیازات کے اخبار نویسی کا امتحان بھی پاس کر چکے ہیں۔

حسن ڈار کی اولاد کی کیفیت ذیل کے شجرہ سے معلوم ہو سکے گی۔ **

حسن ڈار کا فرزند کلاں رجب ڈار اور اس کی اولاد

حسن ڈار

- رجب علی فرزند کلاں
  - بڈھا خان مشتاق
    - کریم بخش
      - محمد افضل
      - محمد اکرم
      - محمد اسلم
    - محمد علی
      - احمد علی
  - لدھا خان
    - رحیم بخش شیدا
    - محمد الدین فوق
      - ظفر الحق
      - ظفر احمد
        - ظفر اقبال
          - ظفر نعیم
          - ظفر نسیم
          - ظفر سلیم
      - ظفر الاحسن مرحوم
    - چراغ الدین
      - عبدالرشید
    - فیروز الدین
      - سعید احمد مرحوم
      - خورشید احمد
  - غلام محمد خادم
    - مظفر دین
    - محمد عبداللہ
      - غلام محمد صادق
    - منظور الحق
    - ریاض الرحمان
    - ظفر اسلام
  - تین دختر
- اللہ دتا فرزند خورد
  اس کی اولاد کا ذکر آگے آئے گا

حسن ڈار ۱۲۳۱ھ بمطابق ۱۸۱۶عیسوی میں جب کہ کشمیر میں سردار عظیم خان ناظم اور پنجاب میں مہاراجہ رنجیت سنگھ حکمران تھا جن حالات میں ترک وطن پر مجبور ہوا اس کی مفصل کیفیت میں نے اپنے خاندانی تذکرہ میں لکھی ہے۔ وہ سیالکوٹ کے ایک موضع گھڑتل میں آکر مقیم ہوا۔ اور یہیں اپنی بیوی سمیت بعمر چونسٹھ سال پیوند خاک ہوگیا۔ اس زمانہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے سردار بساکھا* سنگھ بہل گھڑتل اور نواح گھڑتل کے مالی وملکی اختیارات حاصل

* سردار ٹیک سنگھ انسپکٹر پولیس (پنجاب) سردار بساکھا سنگھ کے پڑپوتے ہیں۔ اور میرے ہم جماعت سردار جیت سنگھ کے صاحبزادے ہیں۔

تھے حسن کے فرزند کلاں کا نام رجب علی تھا۔ جس کی پیدائش کشمیر ہی میں ہوئی تھی۔ فرزند دوم کا نام اللہ رکھا تھا جو گھڑتل میں پیدا ہوا تھا حسن ڈار کا سن وفات ۱۸۵۵ء ہے۔

اس نے پنجاب میں آ کر تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور مزدوری کے بعد ترقی کرتے کرتے سردار بسا کھا سنگھ کی عالی شان تعمیرات کا میٹ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بچوں کو بھی تعلیم کی نعمت سے بہرہ ور کیا۔ چنانچہ فرزند کلاں میاں رجب علی لالہ میلا رام پوری کے ساتھ یہاں امام دین اور میاں بدر دین کی درسگاہوں میں اکٹھے پڑھتے رہے۔ اس زمانہ میں کتابیں قلمی ہوا کرتی تھیں۔ میرے والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ گلستاں اور بوستاں ان ایام میں پانچ پانچ روپے کو ملا کرتی تھیں۔

میاں رجب علی سکھ حکومت کے آخری ایام میں بمقام قادیاں ضلع گورداسپور کچھ عرصہ تک محرر پولیس رہے۔ وہاں سے لاہور آئے تو سکھوں کے ایک رسالہ میں بھرتی ہو گئے۔ جہاں ۱۸۴۹ء میں آپ کو چیلیانوالہ گجرات کی جنگ میں جس نے سکھ حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا شامل ہونا پڑا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال کی تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ سکھ شکست کھا کر اس بدحواسی سے بھاگے کی سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ سینکڑوں اور ہزاروں سکھوں نے جان کے خوف سے زمینداروں کے ٹوکوں سے جن سے چارہ کترا جاتا ہے۔ اپنے سر کے بال ایک دوسرے کی مدد سے کاٹ دیئے تاکہ وہ مسلمان یا ہندو سمجھے جائیں۔

امن عامہ کے بعد کچھ عرصہ آپ نے راولپنڈی میں بسر کیا۔ اس زمانہ میں لکھے پڑھوں کی بڑی قدر تھی۔ وہاں خطوط نویسی شروع کر دی اور خوب روپیہ کمایا۔ پھر سیالکوٹ آ کر پٹواری ہو گئے اور اپنے آخری دم تک ۶ ستمبر ۱۸۷۶ء تک موضع کوٹلی ہرنرائن ہی میں پٹوار کرتے رہے۔

بابا مشتاق فرزند کلاں رجب ڈار:

آپ کے تین فرزند تھے۔ فرزند اول بڈھا خان، آپ اپنے والد کی جگہ پٹواری مقرر ہو گئے۔ پنجابی زبان کے نہایت اچھے شاعر تھے اور درویش منش بزرگ تھے۔ عشق رسول صلعم میں گداز تھے۔ آپ کی پنجابی تصنیفات میں بہت سی کتابیں چھپی ہوئی ہیں اور ابھی بہت سی غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ آپ اپنی پٹوار اپنے فرزند منشی کریم بخش کو دلوا کر خود لاہور تشریف لے آئے اور پیسہ اخبار لاہور میں جو ان دنوں پنجاب بلکہ ہندوستان کا واحد کامیاب اردو اخبار تھا۔ ملازمت کر لی۔ یہ غالباً ۱۸۹۴ء کا ذکر ہے۔ بارہ چودہ سال پیسہ اخبار میں بسر کیے اور پھر یہاں سے بھی

قطع تعلق کرلیا۔ اس کے بعد ملازمت نہیں کی اور جب تک زندہ رہے۔ عبادت وریاضت میں مصروف رہے۔ آپ نے قریباً بہ عمر اسی سال مئی ۱۹۳۱ء میں بمقام لاہور انتقال فرمایا۔ سیالکوٹ کے اخبار وکٹوریہ پیپر میں کتابت بھی کرتے رہے ہیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے۔ مشتاق تخلص تھا اور بابا مشتاق کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ کا فرزند دوم محمد علی آپ کی زندگی ہی میں بہ عمر ۳۵ سال انتقال کرگیا تھا۔ اس کا فرزند احمد علی اب وزیر آباد میں موجود اور آباد ہے۔ فرزند کلاں منشی کریم بخش جن کی عمر اس وقت ۷۳ سال کے قریب ہے زندگی کے مختلف منازل طے کر کے آج کل لاہور میں رہتے ہیں۔ آپ ضلع شیخوپورہ میں بہت عرصہ تک پٹواری رہے اور وہیں سے ریٹائرڈ ہوکر لاہور آگئے۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ محمد افضل، محمد اکرم، محمد اسلم، دونوں بڑے فرزند ملٹری کلوونگ فیکٹری میں ملازم ہیں اور محمد اسلم کارخانہ چاقو سازی وزیر آباد میں کام سیکھ رہا ہے۔

مولوی لدہا خاں فرزند دوم رجب ڈار:

میاں فرزند علی کے فرزند دوم میاں لدھا خان ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوئے۔ گھر تل ہی میں تعلیم حاصل کی۔ پھر سیالکوٹ کے مدرسہ پٹواریاں میں داخل ہوئے۔ کل طالب علم ۴۹ تھے ان میں سے ۲۹ پاس ہوئے۔ ان پاس شدگان میں تین ایسے طلباء تھے جنہوں نے اس تعریف اور قابلیت کے ساتھ امتحان پاس کیا کہ اس زمانہ کے صاحب ڈپٹی کمشنر کرنل جیکسن صاحب نے ان کو خاص طور پر خوشنودی مزاج کی سندات ۲۲ مئی ۱۸۷۶ء کو عطا کیں۔ ان تین پاس ہونے والے پٹواریوں میں آپ دوسرے نمبر پر تھے۔ آپ نے ۳۶۰ نمبروں سے ۳۳۷ نمبر حاصل کیے تھے۔

۱۸۷۸ء میں منشی الٰہی بخش سیالکوٹ کے تحصیل دار تھے۔ انہوں نے آپ کے کام کے ایسی اچھی رپورٹ کی کہ صاحب ڈپٹی کمشنر نے ۱۶ ستمبر ۱۸۷۸ء کے حکم کے مطابق ان کو قائم مقام نائب قانونگو مقرر کر کے ان کا نام امیدواران قانونگوئی میں لکھ لیا۔

چونکہ سیالکوٹ سے جموں نزدیک ہی تھا اور وہاں آمد ورفت بھی رہتی تھی۔ اس لیے اس خیال سے کہ جموں سے کبھی وطن کشمیر میں بھی جانا نصیب ہوگا۔ وہیں چلے گئے ان ایام میں جموں و کشمیر میں مہاراجہ رنبیر سنگھ برسر حکومت تھے اور دونوں صوبوں میں محکمہ تصفیہ بقایا قائم تھا۔ جو مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ایام حکومت میں بھی جاری رہا۔ چنانچہ آپ اس محکمہ میں پہلے تو معمولی محرروں میں ملازم رہے اور پانچ سال کے بعد جب عہدہ نظارت کے لیے امیدواروں کا امتحان

ہوا تو آپ بھی امتحان میں شامل ہوئے اور کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ ۳ ساگھ ۱۹۴۵ بکرمی کے پروانہ کی نقل جو آپ کو سنداً عطا ہوا تھا ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

لدھا خان محرر، چونکہ تم بھی امتحان نظارت محکمہ ہذا میں منجملہ امیدواروں کے کامیاب ہوئے ہو لہٰذا آج کی تاریخ سے تم کو بعہدہ نظارت محکمہ ہذا بمشاہرہ ۲۵ روپے مقرر کیا جاتا ہے۔ چاہیے کہ کام متعلقہ اپنا محنت و ہوشیاری سے انجام دو اور پروانہ ہذا سنداً اپنے پاس رکھو۔ ان ایام میں افسر عدل تصفیہ بقایا پنڈت پیارے لال تھے۔ اس کے بعد کشمیر میں آپ ہر دو شیوہ میں اپنے رشتہ داروں کے پاس آتے جاتے رہے۔ ۱۹۴۷ بکرمی میں آپ پونچھ چلے گئے وہ زمانہ راجہ بلدیو سنگھ کی ابتدائی حکومت کا تھا اور عدالت صدر کے دو جج ہوا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں لالہ بھگوانداس اور دیوان دیا رام پوری ججان عدالت صدر تھے۔ آپ ان کے مثل خواں مقرر ہوئے اور یکم مگھر ۱۹۴۷ بکرمی سے اخیر بیساکھ ۱۹۵۱ بکرمی تک اپنی احسن کارکردگی سے اپنے افسروں کو خوش کرتے رہے۔ یہاں سے آپ محکمہ جنگلات کے سررشتہ دار ہو گئے اور ۲ جیٹھ ۱۹۵۱ بکرمی کے سرٹیفکیٹ میں ججان عدالت صدر نے آپ کے لیے الفاظ ذیل لکھے۔ ''چونکہ منشی لدھا خان کی کارگزاری سے ہم خوش رہے آدمی کارگزار اور واقف کار ہے۔ چونکہ اب اس کی تبدیلی عدالت ہذا سے محکمہ جنگلات میں بعہد سررشتہ داری ہو گئی ہے۔ یہ سرٹیفکیٹ اس کی لیاقت کا اس کو دیا جاتا ہے کہ سنداً اپنے پاس رکھے۔''

چنانچہ راجہ بلدیو سنگھ والئ پونچھ کی پیش گاہ سے جو حکم محکمہ جنگلات کے نام جاری ہوا اس کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

از دفتر معلٰی افسر محکمہ جنگلات

چوں لدھا خان منشی قرار ارشاد و سرکار والا و محکمہ جنگلات مقرر شدہ مناسب۔ است کہ مذکورہ را حاضر نوکری داشتہ کاروبار محکمہ جنگلات گرفتہ باشند = تحریر ۲۶ جیٹھ ۱۹۵۱ بکرمی۔

جموں کی تحصیل میں تین چار دیہات پونچھ والوں کے بھی ہیں۔ وہاں پونچھ والوں کی طرف سے ایک نائب تحصیلدار اور پٹواری بھی رہتا ہے۔ چونکہ دیہات کا انتظام اچھا نہیں تھا۔ اس لیے آپ کو جموں میں ان دیہات کے مالی اور بندوبستی انتظام کے لیے بھیجا گیا۔ جہاں قریباً دو تین سال آپ نے بسر کیے۔

آپ کے والد میاں رجب علی اور لالہ میلا رام پوری ہم جماعت اور ہم سبق تھے۔ اور آپ لالہ میلا رام پوری کے فرزندان لالہ مولراج اور لالہ گورو داس کے ہم سبق تھے اور لالہ مولراج کے داماد دیوان امرناتھ خلف دیوان کرپارام مدارالمہام مہاراجہ رنبیر سنگھ تھے اور دیوان امرناتھ نے جو غالباً ان ایام میں جموں کے گورنر تھے چونکہ لائل پور کی نو آبادی میں بہت سی اراضی لے رکھی تھیں۔ ان کی آبادی اور رونق کے لیے انہیں ایک واقف کار پٹواری کی ضرورت تھی۔ اس نے لالہ مولراج پوری کی معرفت جوان دنوں جموں ہی میں تھے۔ دیوان صاحب سے آپ کا تعارف ہوا اور دیوان صاحب نے معقول مشاہرہ پر اراضی لائل پور میں آپ کو اپنا معتبر مقرر کیا۔

دیوان صاحب جو بعد میں دیوان بہادر اور سی آئی ای اور ریاست کے مدارالمہام بھی ہو گئے تھے۔ آپ کو ہمیشہ اپنے ارشادات میں ''ارادت نشان منشی لدھا خان جی'' اور فراست نشان کے القاب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔ دیوان صاحب کا ایک ارشاد ۱۲ اسوج ۱۹۵۶ بکرمی کا ہے جس میں لکھا ہے کہ آپ کی مرسلہ فہرست کے مطابق سردار حاکم سنگھ نے وزیر آباد میں لکڑی جمع کر رکھی ہے۔ لازم ہے کہ فوراً وزیر آباد میں جا کر لکڑی مطلوبہ حسب پسند لے آئیں۔ دو جدید ہندو اسامیوں کو ڈیڑھ مربع اراضی دے کر جو آباد کیا گیا ہے نہایت بہتر کیا ہے۔ بروقت تیاری مکانات ان کی رہائش کے لیے ان کو مکان بھی دیا جائے۔ جدید موگہ کی تیاری کے لیے آپ نے ہدایت طلب کی ہے چونکہ این جانب کو موقع کی کوئی واقفیت نہیں ہے۔ آپ کے خیال میں اگر یہ فائدہ مند ہے تو بے شک درخواست (ہماری طرف سے بطور قائم مقام) دستخط کر دیں اور چونکہ موقع فصل کا ہے اور آپ کو باہر رہنے کی وجہ سے فرصت بہت کم ہوگی۔ پس بے شک آپ چراغ دین کو دو ماہ کے واسطے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ آپ تحویلدار کو باخذ رسید اجناس دے دیا کریں۔ بابت فروخت کپاس جو آپ نے تحریر کیا ہے کہ ایک روپیہ چھ آنے اور ایک روپیہ آٹھ آنے فی من بیعانہ ہو چکے ہیں۔ این جانب کی رائے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بالفعل کپاس فروخت نہ کی جائے۔ دو تین ماہ کے بعد مناسب موقع پر دیکھا جائے گا۔ آپ کی رائے میں ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے۔

آپ چند سال لائل پور میں دیوان صاحب کے معتبر اور مختار عام رہے۔ ان ایام میں چونکہ آپ کے فرزند اکبر منشی رحیم بخش، (راقم کے برادر اکبر) نے ریاست لسبیلہ بلوچستان میں

تحصیل دار تھے، آپ کو مستقل طور پر کشمیر میں رہنے کا مشورہ دیا۔ جہاں آپ کے چھوٹے بھائی منشی غلام محمد خادم مدت سے آباد چلے آتے تھے۔ خاص ہر دو شیوہ میں آپ کا مکان موجود تھا۔ آپ گرمیوں میں وہاں رہتے اور سردیوں میں پنجاب چلے آتے۔ برسوں اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔ آخر تھوڑی سے علالت کے بعد ۱۲۹ اکتوبر ۲۳ء کو بہ عمر ۶۹ سال لاہور میں انتقال فرما گئے۔

رسالہ طریقت میں جو لاہور کا ایک مشہور صوفیانہ اسلامی رسالہ تھا۔ آپ کے نثری مضامین چھپتے رہے ہیں۔ تصوف اور تاریخ سے آپ کو خاص دلچسپی تھی۔ آپ کو شعر و شاعری سے بھی تعلق تھا۔ آپ نے اپنی تمام زندگی میں صرف دو نظمیں لکھی ہیں۔ ایک اپنے استاد مولوی فضل الدین سکنہ گھڑتل کی وفات پر اور ایک نظم اپنے فرزند ثالث مجاہد ملت چراغ الدین کی جوانمرگی پر۔

مولوی لدھا خان کے فرزند کلاں بابو رحیم بخش شیدا:

آپ کے فرزند اکبر بابو رحیم بخش بڑے قابل اور لائق تھے۔ وہ ۱۸۷۴ء میں پیدا ہوئے۔ پانچویں جماعت ہی سے انعامات حاصل کرتے رہے۔ آٹھویں جماعت کا امتحان گوجرانوالہ ہائی سکول سے تعریف کے ساتھ پاس کیا۔ یہیں آپ کے پھوپھی زاد بھائی غلام حسین اور تایا زاد بھائی کریم بخش پڑھا کرتے تھے چونکہ اس خاندان میں پٹوار تین پشت سے چلی آتی تھی۔ اس لیے آپ نے بھی پٹوار کا امتحان دیا اور اس میں پاس ہو کر پٹواری ہو گئے لیکن دل نہ جما۔ اس زمانہ میں میڈیکل کالج لاہور میں مڈل اور میٹرک کے طالب علم بھی داخل ہوا کرتے تھے۔ بلکہ قابل لڑکوں کو وظیفہ بھی ملا کرتا تھا۔ آپ پٹوار ترک کر کے ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں لاہور آئے اور وظیفہ لے کر کالج میں داخل ہو گئے۔ ان ایام میں ڈاکٹر براؤن پرنسپل اور خان بہادر ڈاکٹر رحیم خان رائے بہادر ڈاکٹر برج لال گہوش کالج کے مشہور پروفیسر تھے۔ اور سب اسسٹنٹ سرجن کلاس کو اردو میں تعلیم دی جاتی تھی۔ دوسرے سال جب آپ نے امتحان دیا تو لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کی قابلیت دیکھ کر آپ کو سرٹیفکیٹ آف آنر عطا کیا۔ لیکن تیسرے سال جو پڑھائی کا آخری سال تھا۔ ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ کو کالج چھوڑنا پڑا۔

اس کے بعد آپ لاہور محکمہ ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ انہی ایام میں پیسہ اخبار میں ڈاکٹر امام الدین امرتسری کی طرف سے ایک اشتہار چھپا کہ جو شخص ایک کارڈ پر سب سے زیادہ ولایتی سرمہ کا نام لکھے گا اس کو دو سو روپیہ انعام ملے گا۔ اس کے ساتھ شرط یہ رکھی کہ انعام کا خواستگار ولایتی سرمہ کی ایک شیشی بھی دو روپے کی منگوائے اس ترکیب سے ڈاکٹر امام الدین

نے بہت روپیہ حاصل کیا اور جن لوگوں نے انعام کے لیے ولایتی سرمہ کے الفاظ کارڑ پر لکھے ان سب میں آپ ہی اول رہے اور مولوی محبوب عالم مرحوم مالک پیسہ اخبار کے روبرو آپ کو انعام دیا گیا۔ اس زمانہ میں کارڈ کا سائز بھی آج کل کے کارڈوں سے بہت چھوٹا تھا۔ اور غالباً ولایتی سرمہ چالیس یا پینتالیس ہزار مرتبہ اس کارڈ پر لکھا گیا تھا۔

آپ کو ریلوے کی ملازمت میں کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ بلوچستان کی ریاست لسبیلہ میں آپ نائب تحصیلدار ہو کر چلے گئے۔ پھر تحصیلدار بھی ہو گئے۔ اور آخر میں ہز ہائنس جام میر کمال خاں نے آپ کو قابل اور لائق اہلکار دیکھ کر اپنی سررشتہ داری میں لے لیا اور ۱۹۰۲ء کے دربار دہلی میں بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ خان بہادر نواب حاجی احمد یار خان سدوزئی (ڈیرہ اسماعیل خان) وہاں وزارت عظمٰی پر ممتاز تھے۔ کسی معاملہ میں والئی ریاست سے ان کا بگاڑ ہو گیا۔ وہ ریاست سے چلے آئے اور چونکہ آپ بھی ان کے متوسلین میں تھے آپ کو بھی وہاں سے رخصت ہونا پڑا۔

آپ کا ارادہ اپنے وطن کشمیر میں ملازمت کا تھا لیکن وہاں کچھ اسباب مہیا نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہاں حقیقی چچا موجود تھے اور مکان بھی موجود تھا۔ آخر قسمت نے کشمیر جانے کی یہ تدبیر نکالی کہ دیوان لچھمن داس سابق گورنر کشمیر کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے قرعہ فال آپ کے نام پڑا۔ یہ غالباً ۱۹۰۳ء کا ذکر ہے۔ آپ پورے چھ ماہ تک کشمیر میں رہے اور اپنے وطن موضع ہردوشیوہ میں بھی جاتے رہے۔

اس کے بعد آپ کے پھوپھی زاد بھائی بابو غلام حسن نے جو لائل پور میں سٹور کیپر تھے اور بڑے صاحب رسوخ تھے۔ آپ کو لائل پور میں بلوا لیا۔ جہاں آپ پلیٹ ایری کا امتحان پاس کر کے سانگلہ میں انسپکٹر آف ورکس مقرر ہو گئے۔ ملازمت کا باقی حصہ این ڈبلیو آر ہی میں مختلف ڈویژنوں میں بسر کیا۔ ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں ریٹائر ہو گئے اور ریٹائر ہوتے ہی کشمیر کو آپ نے مستقل مستقر بنا لیا لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں دو دن بیمار رہ کر تیسرے دن ۱۲ اکتوبر کو سری نگر کشمیر میں بہ عمر ۶۴ سال وفات پا گئے۔

اولاد نرینہ میں ایک ہی فرزند عبدالحمید ہے۔ اس کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور لاہور اسلامیہ کالج میں اس نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ پھر انجینئرنگ کی تعلیم کے لیے اگست ۱۹۲۵ء میں انگلستان گیا جہاں سے ۱۹۲۸ء میں کامیاب ہو کر واپس آیا اور صوبہ بہار میں اسسٹنٹ انجینئرنگ ریلوے مقرر رہا۔ آج کل سیتاپور (یوپی) میں تعینات ہے۔

آپ کی وصیت کے مطابق دو ہزار روپیہ مختلف قومی و اسلامی کاموں میں آپ کے قابل اور سعادت مند فرزند مسٹر عبدالحمید اسسٹنٹ انجینئر نے لاہور سیالکوٹ اور کشمیر کے مختلف اداروں میں تقسیم کیا۔

بابو رحیم بخش شیدا اردو بلکہ انگریزی خوشنویسی میں ہمیشہ اول نمبر رہے۔ آپ کے دونوں خط نہایت پاکیزہ تھے۔ شعروسخن کا بھی شوق تھا۔ اردو فارسی اور پنجابی میں آپ کا کچھ کلام موجود ہے۔ یہاں ان کی فارسی زبان کی ایک نظم درج کی جاتی ہے۔ جو انہوں نے فروری ۱۹۲۴ میں کہی تھی:

قومے بہ جدوجہد گرفت است وصل دوست
قومے بہ جنگ و فتنہ بعالم ثمر مشہور
قومے بہ اتفاق بہ مقصود در رسید
قومے فنا بہ بغض و نزاعات و شر شود
آں گل زمین کہ شارعش آردست ہمچو خلد
ترسم زجہل خویش مبادا سقر شود
آں نخل پر بہار کہ اسلام نام اوست
یارب بحیرتم کہ نہ بے مرگ و برشود
غافل ز آب یادئی او قوم ناسپاس
یارب چگونہ نخل اہل بار در شود
مدہوش افتادہ بخواب گراں ہمہ
در گوش خفتگاں چہ فغاں را اثر شود
زینگونہ مابمنزل مقصود کے رسیم
الا نگاہ رحمت خیرالبشر شود
ایں مفتیاں کہ فتویٰ تکفیر مے دہند
اسلام و کارشاں چو نہال دستبر شود

صاحبدلے کجا کہ نمائیم زخم دل
تامرہمے بہ زخم کہن کارگر شود
یارب ترحمتے کہ سیہ بخت قوم من
باشد کہ از ہدایت تو بہرہ ور شود

فرزند دوم محمد الدین فوق:

راقم الحروف محمد الدین فوق اپنے والد مرحوم کا فرزند ثانی ہے۔ میری پیدائش فروری ۱۸۷۷ء میں ہوئی ابتدائی تعلیم گھڑتل، جاکے اور لاہور میں حاصل کی۔ اسی ابتدائی تعلیم کو انتہائی تعلیم سمجھنا چاہیے کیونکہ میں بھی مڈل سے آگے نہیں جا سکا لیکن اس زمانہ کا مڈل امتحان بھی یونیورسیٹی کا امتحان تھا اور ہر طالب علم یہی سمجھتا تھا کہ

مڈل مایہ شادمانی بود
مڈل حاصل زندگانی بود

میں بھی بزرگوں کی تقلید میں سیالکوٹ میں پٹوار کا کام ہی ۱۸۹۴ء میں سیکھتا رہا۔ چونکہ والد مرحوم ان ایام میں پونچھ کے مواضعات جموں میں پٹواری تھے میں بھی وہیں چلا گیا اور دیوان امرناتھ گورنر جموں کی سفارش سے محکمہ پرمٹ و چونگی میں ۳۱ بھادوں ۱۹۵۲ بکرمی کو ملازم ہو گیا۔ لیکن ٹھیکہ کے بعد جب یہ محکمہ براہ راست حکومت جموں و کشمیر کے ماتحت آ گیا تو چند ماہ اٹل پور میں گزار کر میں نے پیسہ اخبار میں ملازمت اختیار کر لی۔ بابو دینا ناتھ حافظ آبادی جو پنجاب کے بہترین اخبار نویس تھے اور ہندوستان، پبلک، دیش اور ہمالیہ اخبارات کے مالک اور اڈیٹر تھے وہ پیسہ اخبار کے ٹریننگ سکول میں میرے سکول فیلو تھے۔ ان کے علاوہ مولوی عبدالرؤف خان رافت بھوپالی (بعد میں خان بہادر و جاگیردار) ساغر اکبر آبادی، میرزا علی حسین، بابو جگو پال میر جالب دہلوی بھی میری ٹریننگ کے ایام ہی میں وہاں کام کیا کرتے تھے۔ اور اس لیے کہ مولوی حاجی محبوب عالم مرحوم آف پیسہ اخبار ایڈیٹر گر تھے۔

ان دنوں لاہور میں مشاعروں کا بڑا چرچا تھا۔ میں بھی ان میں شامل ہوتا رہا۔ میں اپنی سوانح عمری چونکہ سرگزشت فوق میں بالتفصیل لکھ چکا ہوں اس لیے یہاں نہایت مختصر طور پر لکھوں گا۔ ۱۹۰۱ء کے اواخر میں میں نے پنجہ فولاد کے نام سے اپنا اخبار جاری کیا جس میں میرے

چچا منشی غلام محمد اور میرے بھائی بابو رحیم بخش شیدا کشمیر سے ریاستی مضامین ارسال کرتے رہے
۱۹۰۲ء میں میاں جان محمد گنائی نے میری ادارت میں کشمیری گزٹ ایک ماہوار رسالہ محض اندرو
کشمیر و بیرون کشمیر کی خدمت کے لیے جاری کیا۔ ۱۹۰۶ء میں اخبار پنجہ فولاد میری علالت وغ
اور ۱۹۰۵ء میں کشمیری گزٹ میاں جان محمد کی موت کی وجہ سے بند ہوگیا۔ جنوری ۱۹۰۶ء
کشمیری میگزین جاری ہو چکا تھا۔ ریاست اور ریاست سے باہر اس کی کافی اشاعت تھی۔ ۰۶
ء میں مَیں نے کشمیر میں اخبار و پریس جاری کرنے کے لیے سر راجہ امر سنگھ مدار المہام کی خدم
میں درخواست بھیجی لیکن وہاں سے اخبار جاری کرنے کی اجازت نہ مل سکی۔ ۱۹۰۹ء میں کشمی
انجمن کا نام جو چند سال سے قائم تھی مسلم کشمیری کانفرنس رکھا۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال بھی اس کانفر
کے جنرل سیکرٹری رہے ہیں۔ بابو حیدر محمد مرحوم بھی ایک زمانہ میں سیکرٹری تھے اور میں جائ
سیکرٹری تھا۔

کشمیری میگزین جنوری ۱۹۱۳ء میں ماہوار سے ہفتہ وار کر دیا گیا۔ جو اسی حالت
۱۹۳۴ء تک جاری رہا۔ اکثر ناظرین کے حوصلہ افزا وعدوں کے باوجود میں اس کا ماہوار سے ہ
وار کرنے کے لیے امید و بیم کی حالت میں تھا لیکن جموں کے رہنے والے میرے ایک ع
نوجوان اور پرجوش دوست نے میرے پاس چند ماہ تک آنریری ایڈیٹری کا کام کر کے میری ہم
بندھائی۔ اخبار کا حلقہ اشاعت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اس کی آخری اشاع
پونے تین ہزار تک تھی۔ جو واقعہ اس میں چھپ جاتا تھا اس کی گونج سے جموں، پونچھ، کشمیر، گلگ
اور لداخ تک کے پہاڑ دہل جاتے تھے اور ایوان حکومت میں ہل چل مچ جاتی تھی۔ اس
خریداروں میں ریاستی اعلیٰ حکام اور حکومت کے نمائندوں کے علاوہ خود ہز ہائنس مہاراجہ سر پرتا
سنگھ، سر راجہ امر سنگھ ہز ہائنس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر (بزمانہ ولی عہدی و سینئر ممبر) سر راجہ بلد یو
اور ان کے بعد راجہ سکھ دیو سنگھ اور راجہ جگت دیو سنگھ والیان پونچھ، وزرائے ریاست اور ریذیڈ
صاحبان کشمیر سپیشل اسسٹنٹ ریذیڈنٹ پونچھ اور برٹش جائنٹ کمشنر لداخ بھی شامل تھے۔

۸۴ ہزار مربع میل اور ۴۰ لاکھ کی آبادی میں یہی ایک اخبار تھا جو پبلک کی آواز
ریاست اور فرمانروایان ریاست تک پہنچاتا تھا۔ پبلک کے علاوہ حکام بھی اس کی آواز کو صدا ب
نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ جب کبھی ریذیڈنٹ یا ان کے معاونین اور وزرائے ریاست سے میری ملاقا
ہوتی تھی تو اس کی معتدل پالیسی کا اعتراف کرتے تھے۔

علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی نے جو مضمون قدیم اخبارات ہند پر لاہور کی ایک علمی مجلس میں پڑھا اور حیدر آباد دکن کے رسالہ اردو میں چھپوایا تھا۔ اس میں ہندوستان و پنجاب کے قدیم ترین اخبار کوہ نور (سنہ اجرا ۱۸۵۰ء) کے آخری ایڈیٹر (۱۹۰۱ء۔۱۹۰۴ء) کی حیثیت سے میرا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی طرح رسالہ معارف اعظم گڑھ اکتوبر ۴۲ء کے مضمون ''اردو صحافت کا ارتقا'' میں سید ابو عاصم ایم اے علی گڑھ نے بھی اخبار ہذا کے مشہور ایڈیٹروں میں راقم کا نام لکھا ہے۔

کشمیر میرا اور میرے آباؤ اجداد کا وطن ہے۔ میرے حقیقی چچا منشی غلام محمد خادم وہاں سفید پوش اور علاقہ زنگیر کے بہت بڑے زمیندار اور ایک وسیع و عریض باغ کے مالک تھے۔ جیسا کہ کشمیر کے خوش گو اور نازک خیال شاعر مولانا نازکی نے اپنی ایک نظم بنام ''لالہ کول'' کے حسب ذیل شعروں میں اس کا ذکر کیا ہے:

نالہ پہرو بگریدزار چوں مبیند کہ ہست
مولد مافوق فوق اندر جوار لالہ کوہل
باغ خادم آنکہ یکتاہست در انداز خویش
ہست چوں باغ نشاط و شالمار لالہ کوہل

سردیوں میں میرا وطن لاہور اور گرمیوں میں کشمیر تھا اور اب تک یہی حال ہے۔

احباب کے دوبارہ زور دینے سے کہ اخبار کا اجرا ریاست کے اندر ہی ہونا چاہیے میں نے پھر ایک دفعہ کوشش کی کہ اخبار کشمیر ہی سے جاری کر سکوں۔ لیکن دوسری مرتبہ بھی مجھے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ *

اخبار کے مضامین اور کشمیری کانفرنس کے سالانہ جلسوں نے پنجاب سرحد بلکہ یو پی اور

---

* ریاست میں اجرائے اخبار کی اولیت کا فخر آخر لالہ ملک راج صراف بی اے کو ہوا جنہوں نے سب سے پہلے جموں سے رنبیر کے نام سے ایک شاندار ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ آج ریاست کے دونوں صوبوں اور پونچھ میں تین درجن کے قریب اخبار جاری ہیں۔ ان میں ہندی بھی ہیں۔ انگریزی بھی اور اردو بھی۔ کشمیر میں سب سے پہلے پنڈت پریم ناتھ بزاز بی۔ اے نے جو آج کشمیر کے ایک سربر آوردہ روزانہ اخبار ہندو کے مالک ہیں۔ وِتستہ کے نام سے اخبار جاری کیا تھا۔ لیکن اس چھوٹے سے ملک میں اخبارات کی اکثریت نے انہیں ''شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا''۔ کا نقشہ بنا رکھا ہے۔ تاہم کشمیر کے اردو اخبارات میں باقاعدہ چھپنے والے اخباروں ہمدرد اور اصلاح سب سے پیش پیش ہیں۔ اور اپنی آزادانہ مگر معتدل پالیسی کے لیے مشہور ہیں۔

بنگال تک کے اہل خطہ مسلمانوں میں بیداری کی ایک زبردست لہر پیدا کر دی۔ نواب بہادر نواب خواجہ سر سلیم اللہ خان نواب آف ڈھاکہ ان کے بعد خان بہادر خواجہ محمد اعظم رئیس اعظم ڈھاکہ سابق ممبر اسمبلی کی دعوتوں پر یکے بعد دیگرے قبلہ خادم صاحب کو اور مجھے ڈھاکہ جانا پڑا۔ خان بہادر خواجہ محمد اعظم سیالکوٹ کی سب سے پہلی کشمیری کانفرنس کے صدر اور نواب سر سلیم اللہ مرحوم کے فرزند نواب خواجہ حبیب اللہ نواب آف ڈھاکہ لاہور کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے اس قدر دور دراز فاصلہ سے آکر ہمارے سالانہ جلسوں کو رونق دیتے رہے۔

میری تصانیف کی تعداد ستر کے قریب ہے۔ ان میں آٹھ دس ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ تاریخ حریت اسلام کی تصنیف پر ہز ہائنس مہتر چترال ایک خلعت بھی عطا کر چکے ہیں۔ تاریخ اقوام پونچھ کی تصنیف پر راجہ جگت دیو سنگھ آنجہانی والئ پونچھ نے تین سو روپیہ عطا فرمایا تھا۔ تاریخ بڈشاہی بڑی ضخیم کتاب ہے۔ اس کا مسودہ ہی ملاحظہ کر کے حکومت کشمیر نے ایک ہزار روپیہ بطور امداد عطا فرمانے کا حکم دیا۔ رائے بہادر لالہ کیدار ناتھ نے جو گجرات کے رئیس اعظم تھے۔ مجھے تاریخ کا روشن پہلو کی تصنیف پر دو سو روپیہ عطا کیا تھا۔

کشمیر کی تاریخ کے متعلق ایک تو مستقل تاریخ کشمیر تین جلدوں میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی دس بارہ کتابیں لکھی ہیں۔ کشمیری اخبار کو ہی یہ عزت اور فخر حاصل ہے کہ اس کی تحریروں نے اہل کشمیر بالخصوص مسلمانان کشمیر اور ان کے حقوق و مصائب سے پنجاب اور دیگر حصص ہند کے مسلمانوں کو روشناس کرایا اور ان کے متعلق اسلامی پریس اور اسلامی اداروں میں ہمدردی کا اظہار ہوتا رہا۔ ۱۹۳۳ء میں خاص کشمیر کے دارالحکومت سری نگر سے کشمیر جدید کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جو ۳۳ء کے علاوہ ۳۴ء میں بھی گرمیوں کے ایام میں جاری رہا۔ حضرت داغ سے اصلاح سخن رہی ہے۔ میرا کلام دو حصوں میں چھپ چکا ہے اور اس میں زیادہ حصہ سیاسیات کشمیر اور اہل کشمیر کے حالات ہی کا ہے۔

میرے دو فرزند حیات ہیں۔ ظفر الحق پیدائش فروری ۱۹۰۲ء قلعہ شب قدر ضلع پشاور صوبہ سرحد میں سب پوسٹ ماسٹر ہے۔ اس کے تین فرزند ہیں۔ ظفر نعیم، ظفر سلیم، ظفر نسیم، تینوں زیر تعلیم ہیں۔ دوسرے لڑکے کا نام ظفر احمد ہے۔ وہ توپ خانہ چھاؤنی لاہور میں سب پوسٹ ماسٹر ہے۔ اس کے لڑکے کا نام ظفر اقبال ہے اور وہ بھی زیر تعلیم ہے۔ تیسرا فرزند ظفر الاحسن گیارہ سال کی عمر میں ۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو فوت ہو چکا ہے۔ وہ پانچویں جماعت میں تھا۔ کہ تپ محرقہ نے چند

ہی یوم میں اس معصوم کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ابیات ارتحال میں سے یہ شعر قابل ذکر ہے:

کچھ لڑکے چلے آتے ہیں اسکول سے پڑھ کر
دیکھو کہیں ان میں مرا احسن تو نہیں ہے

فرزند سوم چراغ الدین مرحوم:

چراغ الدین میرے تیسرے بھائی کا نام ہے۔ وہ اپریل ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا۔ مواضعات پونچھ واقعہ جموں میں والد صاحب کے ماتحت نائب پٹواری رہا۔ جب لائل پور کی نو آبادی میں والد مرحوم دیوان امرناتھ (جموں) کی اراضیات کے معتبر اور مختار عام تھے۔ وہاں بھی وہ ان کے ماتحت دو ماہ کام کرتا رہا۔ آخر ضلع لائل پور کے محکمہ مال میں ملازم ہو گیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مرض استسقاء میں مبتلا ہو کر گھڑتل واپس آ گیا اور وہیں عین عالم شباب میں بہ عمر ۲۲ سال ۱۹۰۳ء میں انتقال کر گیا۔ اس کا ایک ہی لڑکا عبدالرشید ہے۔ جو قریباً بیس سال سے بے نوا فقیر ہو کر مفقود الخبر ہے۔ وہ ۱۷ دسمبر ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوا۔ سکھوں کے زمانہ سے گھڑتل میں جہاں ہندوؤں بلکہ متمول ہندوؤں کی آبادی بکثرت ہے۔ کوئی مسلمان بلند آواز سے اذان نہیں دے سکتا تھا اور نہ وہاں کوئی نماز جمعہ پڑھ سکتا تھا۔ غریب مسلمان چھپ چھپ کر مسجدوں میں نماز پڑھتے اور دروازہ بند کر کے اذان دیا کرتے تھے۔ چراغ دین مرحوم کی غیرت ملی اس ذلت کو برداشت نہ کر سکی۔ اس نے علی الاعلان مردانہ وار اذان دینے کا کام شروع کیا۔ مخالفین اسلام بہت سٹ پٹائے، مار پیٹ بھی ہوئی۔ مقدمہ بھی چلا۔ لیکن آخر خداوند کریم نے اس کو کامیابی عطا کی۔ چنانچہ آج گھڑتل میں علی الاعلان کلمۃ الحق کا اظہار ہو رہا ہے اور اذان دی جا رہی ہے۔ اس مذہبی خدمت کی بنا پر گھڑتل کے متصلہ دیہات میں مسلمانوں نے اس کی وفات پر اس کا غائبانہ جنازہ پڑھی۔

فرزند چہارم فیروز الدین سیاح ممالک اسلامیہ و یورپ:

میرا چوتھا بھائی فیروز الدین ۱۵ جون ۱۸۹۷ء کو پیدا ہوا۔ جس نے لاہور اسلامیہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد جنگ عظیم یورپ کے دوران میں فوجی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ سب سے پہلے ۱۹۱۶ء میں محکمہ سپلائی اینڈ ٹرانسپورٹ میں بمقام ایبٹ آباد رہا۔ پھر ۱۹۱۸ء میں ہندوستانی فوج میں سولجر کلرک ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء میں ایران فورس میں گیا جہاں سے ۱۹۲۰ء

میں واپس ہندوستان آیا۔

۱۹۲۱ء سے وسط ۱۹۳۲ء تک محکمہ ڈاک خانہ میں پہلے کلرک اور پھر انسپکٹر رہا۔ جون ۱۹۳۲ء میں برما اور ملایا سے ہوتا ہوا ارض حجاز میں جا پہنچا۔ جہاں تین سال سے زیادہ عرصہ تک مکہ معظمہ میں قیام پذیر رہا۔ وہیں حرم محترم میں رہ کر قرآن مجید معہ تفسیر موطا امام مالک معہ شرح اور حجۃ البالغہ مصنف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معہ شرح عربی کی تکمیل کی۔ عزیز مذکور کے حالات سفر چونکہ بڑے دلچسپ ہیں اس لیے اسی کی زبانی ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ان دنوں دارالکسوہ میں کئی ہندوستانی غلاف کعبہ کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ میں بھی وہیں چلا گیا۔ مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حسرت موہانی اور دیگر ہندوستانیوں سے یہیں ملاقات ہوئی۔ دوسرے سال غلاف کعبہ خود حجازی تیار کرنے لگے۔ سب سے پہلے خلیفہ مامون رشید نے بیت اللہ پر سفید ریشم کے پردے ڈالے تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے زرد رنگ کے پردے ڈلوائے۔ جو علامہ سیوطی کے زمانہ تک رہے۔ آج کل غلاف کعبہ کا رنگ گہرا نسواری ہے۔ اسی سال ایک پٹھان حجر اسود کی چوری کرتے ہوئے گرفتار ہوا۔ سلطان عبدالعزیز کے روبرو اس نے اقبال کرتے ہوئے بیان دیا کہ میں حجر اسود کو توڑ پھوڑ کر انگوٹھیوں میں بطور نگینہ جڑوا کر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ سلطان کے حکم سے حبشی جلاد نے تلوار اس کی گردن پر ماری۔ لیکن اس کی سخت جانی آڑے آئی۔ اور کٹ نہ سکی۔ آخر چاقو سے اس کی گردن جدا کی گئی حجر اسود کو غالباً سب سے پہلا صدمہ خلیفہ مقتدر کے زمانہ ۳۱۷ھ میں پہنچا ہے۔ جب ابو طاہر قرامطی نے اس کو گرز سے توڑ کر بیس سال تک اپنے قبضہ میں رکھا تھا۔ اور پچاس ہزار دینار پیش کرنے پر بھی اس نے واپس نہ دیا تھا۔ آخر ۳۳۹ھ میں حجر اسود دوبارہ اپنی جگہ پر نصب کیا گیا۔ اور اس کے گرد چاندی کا حلقہ لگایا گیا۔ جو اب تک موجود ہے۔

۱۹۳۴ء میں غازی امان اللہ خان سابق شاہ افغانستان مکہ معظمہ آئے۔ کابل کے وزیر خارجہ سردار فیض محمد خاں افغانی سفیر بھی آ پہنچے۔ ان دنوں جدہ اور مکہ میں کثرت سے افغان نظر آتے تھے۔ میں بھی غازی امان اللہ خان سے ملا۔ نہایت خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ تراشید داڑھی بھی تھی اور چہرا اترا ہوا تھا۔ سردار فیض محمد خان سے تو متعدد بار ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اما ادریسی والئی سیر کی وجہ سے امام یمن اور سلطان عبدالعزیز کے تعلقات کشیدہ تھے۔ میں ۹ ذی الحجہ نماز فجر کے بعد بخار کی حالت میں حرم کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے حطیم اور بیت اللہ کے فرش

جا بجا خون کے نشانات دیکھے۔ پتہ چلا کہ سلطان عبدالعزیز علی الصبح طواف کر رہا تھا کہ دو بدقسمت یمنی بھی اسی وقت طواف کے لیے آئے۔ سلطان یمنیوں کا دشمن تھا۔ ان کو دیکھتے ہی فائر کا حکم دیا۔ ان نہتوں نے دوڑ کر مسجد الحرام میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن بے سود وہیں ڈھیر ہو گئے۔ میں غالباً پہلا شخص تھا جو اس واقعہ کے بعد اتفاق سے طواف کرنے کے لیے آیا۔

حافظ بے مصری کونسل جنرل قرآن مجید کی تفسیر کے دوران میں متعارف تھے۔ ان کے ہمراہ مدینہ منورہ گیا۔ مقامات بدر، احد، مسجد قبا، قبلتین، جنت البقیع، مزار حضرت حمزہ اور دیگر شہدا کے مزارات کی زیارت کی ایک ماہ وہاں قیام رہا۔ اور پھر مکہ معظمہ واپس آ گیا۔ تہامہ کے راستے یمن جانے کا ارادہ تھا۔ مگر محکمہ کسٹم نے کہا کہ بذریعہ خشکی سفر کرنے کے لیے حکومت کی اجازت درکار ہے۔ آخر شیخ محمد مغربی سیکرٹری پارلیمنٹ مکہ معظمہ (جو میرے بڑے کرم فرما تھے) اور مہدی بے پولیس کمشنر کی سفارش سے امیر فیصل نائب السلطنت نے جو ان دنوں ریاض میں تھے اجازت دے دی۔ چنانچہ میں ۱۹۳۵ء کی عید الفطر کے دوسرے دن مکہ معظمہ سے بذریعہ شتر سواری لیت سے ہوتا ہوا دس دن کے بعد قنغدہ پہنچا۔ قرآن مجید نے اسی راستہ کو ''امام مبین'' یعنی صاف راستہ کہا ہے۔ اہل یمن سمندر کے راستے ہندوستان اور دیگر ممالک سے تجارت کرتے اور ان تمام اشیاء کو اسی راستے شام پہنچاتے تھے۔ قنغدہ وہی مقام ہے جہاں جنگ طرابلس کے ایام میں اٹلی نے ترکی بحری بیڑہ کو غرق کر دیا تھا۔ غرق شدہ جہازوں کے اوپر کے حصے اب تک بھی نظر آ رہے ہیں۔ سعودی گورنر کو کسی نے کہہ دیا کہ آج تک کسی ہندوستان نے خشکی کے ذریعہ یہ سفر نہیں کیا۔ یہ آدمی مشتبہ سا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ گورنر نے مجھے دفتر میں طلب کیا۔ پہلے تو قہوہ پیش کیا۔ پھر سعودی حکومت کا پروانہ راہداری طلب کیا۔ جو میں نے پیش کر دیا۔ گورنر کے دفتر کے ایک کلرک نے مری دعوت کی اور ٹوٹی پھوٹی ہندوستانی زبان میں مجھے گورنر کے بدگمان ہو جانے کا واقعہ سنایا۔ لیت اور قنغدہ کے مقامات پر ان ہندوستانیوں کی کثیر اولاد آباد ہے جو غدر ۱۸۵۷ء کے ایام میں ہندوستان سے بھاگ کر حجاز آ گئے تھے۔ ان میں بعض معمولی سی اردو جانتے ہیں۔ گورنر کے دفتر کے جس کلرک نے میری دعوت کی تھی۔ اس کا دادا ۱۸۵۷ء میں ہندوستان سے یہاں آیا تھا۔

یہاں ایک سیلانی طبیعت کے آدمی حاجی عبداللہ ایرانی سے ملاقات ہوئی۔ وہ چالیس سال سے اسلامی ممالک کی سیاحت کر رہا ہے۔ وہ بہت تکلیف میں تھا۔ اس نے بیان کیا کہ سعودی حکومت ہر پیدل حاجی سے ایک گنی گولڈ (پچاس روپے) حج کا ٹیکس لیتی ہے۔ میں غریب

سیلانی آدمی کہاں سے دیتا۔ نتیجہ یہ کہ آٹھ ماہ سے یہاں ہی پڑا ہوں۔ مزدوری کا یہاں نام ونشان نہیں۔ ایک آدمی کے برتن صاف کر کے دو وقت روٹی کھالیتا ہوں۔ قنفدہ سے کشتی کے ذریعہ جزیرہ کامران آیا۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں یہاں قرنطینہ تھا اور حجاج کے کپڑوں اور سامان کو بھاپ کے ذریعہ صاف کیا جاتا تھا۔ جنگ عظیم میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ آج یہاں قرنطینہ تو نہیں ہے۔ مگر حاجی کے جہازی ٹکٹ سے حکومت کامران کے لیے دس روپے وضع کر لیے جاتے ہیں۔ ان ایام میں یہاں کے سول ایڈمنسٹریٹر لفٹیننٹ ٹامن تھے۔ جو جنگ یورپ میں اس رسالہ کے کمانڈر تھے جو ایران میں تھا۔ اور جس میں میں سولجر کلرک تھا۔ وہ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ میرے لیے انہوں نے نہ صرف بذریعہ کشتی یمن جانے کا انتظام کر دیا بلکہ شیخ عبداللہ گورنر حدیدہ کے نام ایک تعارفی خط بھی دے دیا۔ گورنر نے خط دیکھ کر میری بڑی عزت کی اور مجھے حدیدہ سے صنعا تک کے سفر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ صنعا سے میں سد مآرب پہنچا۔ اس کا ذکر سورہ سبا میں بھی ہے۔ علامہ سلیمان ندوی نے اپنی کتاب ارض القرآن میں اس سد یعنی بند کا ذکر کیا ہے۔ اس کی ایک اڑھائی سو فٹ اونچی دیوار اب تک قائم ہے۔ امام یحیٰی فرمانروائے یمن دبلا پتلا کمزور سا وجود رکھتا ہے۔ صرف جمعہ کے دن باہر نکلتا ہے۔ ملاقات کے دوران میں اس نے مجھ سے کہا کہ یمن اور سعود کی جنگ میں آپ کہاں تھے۔ میں نے کہا میں اس وقت مکہ معظّمہ میں دونوں اسلامی حکومتوں میں صلح ہو جانے کی دعا مانگ رہا تھا۔ امام بہت خوش ہوا اور اپنا دستخط شدہ فوٹو مجھے عنایت کیا۔ انہی ایام میں امام کے فرزند سیف السلام محمد کو سمندر میں نہاتے ہوئے ایک زبردست لہر بہا کر لے گئی اور اس کی لاش بصد مشکل ملی۔

یمن سے عدن جانے کے لیے مخا کا قدیم راستہ اختیار کیا۔ عدن کے تالاب جو دو پہاڑوں کے اتصال پر ایک دوسرے کے نیچے بنائے گئے ہیں۔ قابل دید ہیں۔ آج کل پانی شیخ عثمان نامی گاؤں سے بذریعہ پائپ آتا ہے۔ کسی زمانہ میں عدن اور شیخ عثمان کے درمیان ریلوے تھے۔ مگر اب وہ اکھیڑ دی گئی ہے۔ جنگ عظیم میں سعد پاشا نے حضر موت کے قبائل کے مدد سے انگریزی علاقہ پر شیخ عثمان تک قبضہ کرلیا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ عدن پر قبضہ کر کے ہندوستان پر حملہ کردے کہ ناگہاں شریف حسین نے مکہ معظّمہ میں ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ جس سے ترکوں کی توجہ عرب کی طرف منتقل ہوگئی۔ میں عدن سے جہاز کے ذریعہ حضر موت کے پایہ تخت میں مکلا میں آیا۔ قنفدہ کے عرب میڈیکل افسر نے شیخ یوسف شریف کسٹم

افسر مکلا کے نام تعارفی خط دیا تھا۔اس کے ذریعہ شیخ نے میری رہائش کا انتظام کر کے وزیر مکلا سے میری ملاقات کرادی۔ان دنوں حضر موت کے سلطان محمد عمر حیدر آباد دکن میں عربی فوج کے کمانڈر تھے۔میرے دوران قیام ہی میں بمقام حیدر آباد ان کا انتقال ہو گیا۔اور ان کی جگہ محمد صالح سلطان مکلا قرار پائے۔

مجھے ''قبر نبی اللہ ہود'' کے دیکھنے کی خواہش تھی۔وزیر نے میرے لیے سواری کا انتظار کر دیا۔ میں براستہ عنات، تریم ،شیام ہوتا ہوا مقام مقصود تک پہنچا۔ جہاں چونے کا نہایت خوبصورت ''شہر خموشاں'' ہے۔ جو حضرت ہود کے عرس کی تقریب پر تین دن کے لیے آباد ہوتا ہے۔ان ایام میں عربی قبائل وہاں جمع ہوتے ہیں۔میں نے اس کا فوٹو لے لیا۔ یہاں سے ایک میل کا فاصلہ پر ''بیر برہوت'' کا غار ہے۔جہاں ایام جاہلیت میں سمجھا جاتا تھا کہ یہاں روحوں کا اجتماع عظیم رہتا ہے۔بقول امام احمد بن حنبل جو چادر رسول اللہ صلعم ایک وفد کے آنے پر اوڑھ کر نکلے تھے۔وہ حضر موت کی بنی ہوئی تھی۔اس کا طول چار گز عرض دو گز اور ایک بالشت تھا۔ یہ چادر رفتہ رفتہ پھٹ گئی تھی۔اس لیے کپڑوں کے اندر رکھ کر اس کی بڑی حفاظت کی جاتی تھی۔ خلفاء عیدین اور کسی بڑے جلوس کے موقع پر بحالت سواری کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے۔ ۶۵۶ھ میں خلیفہ معتصم اللہ کے شیعہ وزیر موید الدین علقمی کی سازش سے ہلاکو خان نے بغداد میں چالیس روز تک خون کے دریا بہائے۔خلیفہ یہی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ یہ متبرک چادر خون سے تربتر ہو کر اسی موقع پر ضائع ہو گئی۔آج کل حضر موت میں چونہ اور تمباکو کی کثرت ہے مصری سگریٹ اسی تمباکو سے بنائے جاتے ہیں۔

وزیر مکلا نے مسقط تک کشتی اور زادراہ کا انتظام کر دیا۔ یہاں سے کشتی انیس دن میں عمان اور مسقط پہنچی۔ پرتگیزوں کے قلعے اور برج جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہیں۔آج بھی دکھائی دے رہے ہیں۔کسی زمانہ میں عمان کی دستکاری بینظیر تھی۔آج کل صرف انار اور کھجور اور مسقط کا حلوہ بہت مشہور ہے۔ یہاں امریکن مشن سالہا سال سے کام کر رہا ہے۔ان کے مشورہ سے میں چند انگریزی ادویات لے کر جبل اخضر تک گیا تا کہ خوارج کے حالات بھی اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔رستہ میں زمانہ قدیم کی زمین اور نہریں دیکھیں۔جن سے اب تک برابر آبپاشی کا کام لیا جا رہا ہے۔خوارج بہت مہمان نواز ہیں۔ان کے مکانوں میں ایک مہمان خانہ بھی ہوتا ہے جہاں مہمان بے دھڑک آ کر قیام کرتا ہے میں جس مہمان خانہ میں چاہتا بے حجابانہ چلا جاتا اور آواز دیتا

۔''غریب''، یعنی مسافر۔ وہاں مسافر کو غریب کہتے ہیں۔ صاحب خانہ پہلے قہوہ اور پھر کھانا لاتا۔ خوارج میں تعلیم عام ہے۔ مرد تو مرد ہر عورت تعلیم یافتہ ہے۔ ہر گاؤں میں ایک زنانہ مسجد ہے۔ جہاں امام بھی عورت ہوتی ہے۔ خوارج ہر وقت کندھوں پر بندوق رکھتے ہیں۔ ان کی داڑھیاں بہت گھنی اور پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔ مسقط سے ابو بقرہ اور وہاں سے دوبئی آیا۔ ۱۹۱۶ء میں اسی مقام پر انگریزی فوج اور عرب قبائل میں اس بنا پر سخت جنگ ہوئی تھی کہ اس علاقہ سے بلوچستان اور افغانستان کی طرف جو سامان جنگ جاتا تھا۔ برٹش گورنمنٹ اس کو روکنا چاہتی تھی۔

یہاں سے ہرمز (بندرگاہ ایران) اور ہرمز سے القطر آیا۔ شیخ القطر اور ترکی فوج کی جنگ میں جو ترک مارے گئے تھے ان کی قبریں جابجا دکھائی دیتی ہیں۔ اس مقام پر اہل سنت والجماعت کے سوا اور کوئی مسلمان داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک شیعہ نے مجھ سے تسنن طریقہ پر وضو اور نماز کے ارکان سیکھے اور تقیہ کر کے اور اہل سنت بن کر یہاں قیام کرتا رہا۔ یہاں گراموفون تک لانے کی ممانعت تھی۔ اسی لیے میرا گراموفون کسٹم پر ہی روک لیا گیا۔ لیکن شیخ کی عورتوں نے آدھی رات کے وقت میرا گراموفون منگوایا اور کمرہ بند کر کے مزے لے لے کر سنتی رہیں۔ بحرین کو بھی دیکھا۔ القطیف بھی آیا۔ جہاں سمندر کے کنارے ترکی قلعے دور تک چلے گئے ہیں۔ القطیف ہی کی کھجور دنیا میں لذیذ سمجھی جاتی ہے۔ بصرہ میں حسن بصری، ابن زبیر اور دیگر اکابر اولیاء کی قبور کی زیارت کی۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء میں بغداد پہنچا۔ جو عروج اسلام کے زمانہ میں عروس البلاد کہلاتا تھا۔ کرخ میں حضرت معروف کرخی اور جنید بغدادی وغیرہ کے مزار دیکھے۔ جو کسمپرسی کی حالت میں تھے۔

جس مقام پر بغداد کے دفاتر ہیں۔ اس کا نام ''سرائے'' ہے۔ یہاں مامون رشید کے زمانہ کے دیوان خانہ کی دیوار اور اس کا محراب اب تک محفوظ ہے۔ جب میں یہاں پہنچا تو محرم کے ایام تھے۔ یاسین پاشا ہاشمی وزیر اعظم نے سینہ کوبی کی ممانعت کر دی تھی۔ مگر اہل تشیع نے خلاف ورزی کی۔ تو اس نے کربلا اور کاظمین کے جلسوں پر گولی چلوا کر ان کو منتشر کر دیا۔ بغداد کربلا، نجف اور کوفہ کی سیاحت کے بعد عراق پٹرولیم کمپنی میں ملازمت کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں ایک سفارشی چٹھی لے کر سیریا، شام، حیفا، مصر، مارسیلز اور پیرس سے ہوتا ہوا انگلستان پہنچا۔ وہاں تین ہفتے سوتھ فیلڈ میں مقیم رہا۔ لیکن میرے آنے سے پیشتر ہی عراق پٹرولیم کمپنی کا چیئرمین لارڈ کیڈ مین ٹرینی ڈاڈ (امریکہ) جا چکا تھا۔ اس لیے واپس فلسطین آ گیا اور بیت المقدس۔ زاویہ النہود میں ٹھہرا۔ جہاں پاک پٹن کے بابا فرید الدین شکر گنج نے چلہ کشی کی تھی۔ چلہ کشی

عمارت اب تک موجود ہے اور بابا فرید کے ہندی ہونے کی وجہ ہی سے زاویہ الہنود کے نام سے یہ عمارت تعمیر کی گئی۔ اس کے قریب ہی حرم اقصیٰ میں مولانا محمد علی مرحوم مدفون ہیں۔

۱۹۳۷ء میں ترکی گیا۔ وہاں شیخ عبدالرحمان ریاض سے جو صوبہ بہار کے رہنے والے جامع ازہر مصر کے فارغ التحصیل اور حکومت ترکی کے مشہور کارکن ہیں۔ ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ استنبول کے سلاطین کی مسجدیں، ملحقہ مدرسے اور لائبریریاں دیکھیں۔ پھر جہاز پر سوار ہوکر حضرت ابوایوبؓ انصاری کی درگاہ میں گئے۔ جسے ترک ''سلطان جی'' کہتے ہیں۔ اس جگہ نہایت خوبصورت عمارت اور مسجد ترک سلاطین کی یادگار ہے۔ مگر حالت اچھی نہیں ہے۔ اس اثنا میں حافظ بے تبدیل ہوکر استنبول آگئے تھے۔ ان کے ساتھ پرانے محلات اور عجائب گھر کو دیکھا۔ حضرت عثمانؓ کی تلوار اور شہنشاہ جہانگیر کا سفید سنگ مرمر کا قلم جس پر سیاہ پتھر میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی کندہ تھی۔ دیکھنے کی چیزیں تھیں۔ پھر قونیہ جاکر مولانا روم کا مقبرہ دیکھا وہ بھی اچھی حالت میں نہ تھا۔ ترکی سلاطین کے زمانہ میں اس روضہ کا نقیب (چلپی) سلطان کی کمر میں شمشیر مرصع لگایا کرتا تھا۔ اس جگہ ایک ہندوستانی ٹکٹ کلکٹر سے ملاقات ہوئی۔ یہاں سے مرسین اور وہاں سے طرسوس گیا۔ جہاں ۲۱۸ ھ میں مامون رشید دفن ہوا تھا۔ پھر انقرہ (انگورہ) کو لوٹا۔ یہاں بالکل یورپین طرز کی نئی آبادی ہے۔ شہر نہایت خوش نما ہے۔ ترکی پریذیڈنٹ کی کوٹھی شہر سے باہر ہے اور وہاں کوئی جا نہیں سکتا۔ حافظ بے مصر جارہے تھے۔ ان کے ساتھ مصر کی بھی سیر کی۔

میں جب دوسری دفعہ ترکی گیا۔ فرانسیسی حکومت ضلع اسکندرونہ کو ترکی حکومت کے حوالے کررہی تھی۔ میں بھی اسکندرونہ آگیا۔ ترکی فوج کے داخلہ سے ایک روز قبل ہی قریباً چالیس ہزار ارمنی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ سکندر اعظم نے دارا کی فوج پر فتح پاکر اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہاں سے انطاکیہ آیا جہاں عیسائیوں نے اپنا سب سے پہلا گرجا تعمیر کیا تھا۔ پھر حلب پہنچا۔ یہ نہایت قدیم اور پرانا شہر ہے۔ حلب کا چھوٹا سا قلعہ پہلے شہر سے باہر تھا لیکن اب آبادی کے بڑھ جانے سے شہر کے اندر آگیا ہے۔ یہاں سے حمص آیا۔ حمص میں آب شیریں کے اتنے بڑے چشمے ہیں کہ ان میں خودبخود رہٹ چلتے ہیں۔ یہاں چنا عام پیدا ہوتا ہے اور چنے کو وہاں حمص ہی کہتے ہیں۔ اسی بنا پر شہر کا نام بھی حمص ہے۔ قریب ہی سیف الاسلام خالد بن ولیدؓ کی قبر ہے۔ یہاں ایک ہندوستانی عالم سے ملاقات ہوئی۔ جو حدیث کا درس دے رہا تھا۔ غرض ہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ہندوستانی نظر آہی جاتا تھا۔ یہاں سے بعلبک آیا۔ غازی امان اللہ خان کی بیوی

صوریا بیگم اسی جگہ پیدا ہوئی تھی۔ لوگوں سے غلطی سے صوریا کوثریا مشہور کر دیا۔

یہاں سلطنت روما کے زمانہ کا ایک مندر تھا۔ عیسائی آئے تو وہ گرجا بنا۔ مسلمان آئے تو انہوں نے گرجے کو مسجد بنا دیا۔ مگر مندر کے عالی شان ستون اب بھی قائم ہیں۔ دمشق جا کر عظیم الشان جامع مسجد دیکھی۔ جو اسلام سے قبل گرجا تھی۔ اس کے دروازے پر یونانی زبان میں اب تک لکھا ہوا ہے۔ ''اے عیسیٰ تیری حکومت ابدی ہے۔'' محلّہ مہاجرین میں محی الدین ابن عربی کی قبر ہے۔ قریباً تین میل کے فاصلے پر اربعین کا پہاڑ ہے۔ جہاں بنی اسرائیل کے چالیس انبیاء مدفون ہیں۔ یہاں سے صور اور صیدا گیا۔ جو اہل کارتھیج کے قدیم شہر ہیں۔ یہاں کی بحری طاقت نے سکندر اعظم کو مہینوں پریشان رکھا تھا۔ فتح پانے کے بعد سکندر نے یہاں قتل عام کا حکم دے دیا تھا۔ بالآخر جبل دروز آ کر چند یوم قیام کیا۔ ۱۹۳۸ء کے اواخر میں بمقام لد (فلسطین) آیا۔ جس کو خلیفہ عبدالملک نے آباد کیا تھا۔ وہاں آر اے ایف میں ملازمت اختیار کر لی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ہبانیہ (عراق) میں جو بغداد سے قریباً ساٹھ میل جھیل ہبانیہ کے کنارے واقع ہے۔ میری تبدیلی ہوگئی۔ ۱۹۴۱ء میں انڈین آرمی میں تبدیل ہو کر اٹالین جنگی قیدیوں کے کیمپ میں ہندوستان آیا اور دیولالی بنگلور اور بھوپال میں ان قیدیوں کے ہمراہ رہا۔ اگست ۱۹۴۱ء میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر تبدیل ہو کر بمبئی آ گیا۔ ۱۹۴۲ء میں مجھے کپتان کا عارضی رینک ملا۔ آج کل میری ملازمت آرمی ہیڈ کوارٹر دہلی میں منتقل ہو چکی ہے۔

عزیز فیروز الدین پہلا فرزند سعید احمد بہ عمر ۹ سال ۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء کو فوت ہو گیا۔ دوسرا فرزند خورشید احمد ۱۱۵ اکتوبر کو پیدا ہوا۔ سیالکوٹ میں اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ لاہور ریلوے ٹیکنیکل سکول میں زیر تعلیم رہا۔ قریباً ڈیڑھ سال سے فوج میں ملازم ہے اور آج کل بصرہ میں مقیم ہے اور اپنی پلٹن میں ہیڈ کلرک ہے اور جمعداری کے رینک میں ہے۔

منشی غلام محمد خادم فرزند سوم میاں رجب ڈار:

میاں رجب علی کے تیسرے فرزند کا نام منشی غلام محمد خادم تھا۔ وہ ۱۸۶۴ء میں بمقام گھڑتل پیدا ہوئے۔ گھڑتل ہی میں تعلیم حاصل کی۔ شعر و شاعری کا شوق ابتدائی عمر ہی سے تھا۔ پندرہ سولہ سال کی عمر تھی کہ ایک دوست کے متعلق اس کی حالت دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر کہا:

کل جو میں نے اس کو دیکھا خوش طبع رنگین تھا

آج اس کے گھر گیا دیکھا تو اندوہ گین تھا

اس پر آپ اپنی خودنوشتہ سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔ میرے برادر بزرگ منشی لدھا خان نے جو وفات والد کے بعد میرے سرپرست اور پرائیویٹ استاد تھے۔ میری کاپی پر یہ شعر دیکھ کر مجھ سے استفسار کیا کہ یہ کس کا شعر ہے۔ جب میں نے اپنا نام لیا تو بڑی مشکل سے انہوں نے باور کیا۔

ابتدا میں تخلص سوختہ تھا۔ رسالہ شراب خراب جو ۱۸۸۸ء میں آپ نے شراب کی برائیوں میں نظم میں لکھا تھا۔ اس میں سوختہ ہی تخلص ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

میں سوختہ ہوں شعر ہے میرا جلا بھنا
میخوار و مے کدہ کہ یہ آتش لگائے گا

۱۸۸۸ء کے اواخر میں تخلص خادم رکھا۔ آپ نے تمام زندگی میں اسلامی قومی اور سیاسی اور بعض فرمائشی نظموں کے سوا ایک بھی عشقیہ شعر نہیں کہا۔

مولوی اللہ دتہ مرحوم آپ کے چچا تھے۔ انہوں نے مدرسہ پٹوار میں داخل کرا دیا۔ اس زمانہ میں پندرہ سولہ سال سے زیادہ عمر نہ تھی لیکن دل نہ لگا۔ اور ۱۸۷۹ء میں بہاولپور چلے گئے۔ جہاں ایک قصیدہ لکھنے کے صلہ میں نواب صبح صادق خان نے انعام کے علاوہ منشی حاضر باش مقرر کیا۔ لیکن ایک سال کے بعد آپ وہاں سے بھی چلے آئے۔ پھر اپنے آبائی وطن کشمیر میں چلے گئے اور ہردوشیوہ کے علاوہ ہانگہ لنگیٹ کے برادران یک جدی سے بھی ملے اور انہی ایام میں آپ نے وہاں اراضی بھی حاصل کر لی۔ لیکن پاؤں میں چکر تھا۔ ۱۸۸۳ء میں بلوچستان اور بمبئی اور کراچی چلے گئے۔ وہاں ۱۸۸۶ء میں ریلوے لائن بن رہی تھی۔ چونکہ وہاں پنجابی مزدور بھی بکثرت تھے اس لیے اکثر اردو خواندہ منشی وہاں خطوط نویسی کرتے رہے۔ اور ایک خط کی اجرت دو آنہ سے کم نہ ہوتی تھی۔ آپ نے سیالکوٹی معماروں کے ساتھ راج گیری کا کام شروع کر دیا۔ مزدور کی یومیہ اجرت ایک سے ڈیڑھ اور معمار کی اجرت دو سے اڑھائی روپیہ تک تھی۔ آپ نے کچھ عرصہ بحیثیت معمار کام کیا اور پھر ایک چھوٹے سے کام کا ٹھیکہ لے لیا۔ لیکن بیمار ہو کر واپس آ گئے۔ ۱۸۸۸ء کے اواخر میں حیدرآباد پہنچے۔ وہاں ایک طویل قصیدہ کے صلہ میں تین سو روپیہ انعام ملا اور ہر سال بشرط حاضری یہی انعام لینے کی سند ملی لیکن اس کے بعد پھر کبھی حیدرآباد نہ گئے۔

۱۸۸۹ء ۱۸۹۰ء میں قصبہ جامکی میں پٹواری رہے۔ میاں نظام الدین وزیر پونچھ نے انہی ایام میں آپ کو جائیداد پنجاب کا مختار مقرر کر دیا۔ چنانچہ آپ پٹوار سے مستعفی ہو کر شیخوپورہ بیداد میں آ گئے۔ دو سال کے بعد میاں صاحب کے انتقال پر ان کے مرتشی گماشتوں سے نہ نبھ سکی اور آخر وہاں سے بھی چلے آئے۔ ۱۸۹۴ء میں آپ نے اور آپ کی تحریک سے آپ کے خاندان کے دوسرے ممبروں نے تحصیل خانقاہ ڈوگراں کے موضع گجیانہ نو میں اراضی خرید کر اور آپ ہی کے نام پر وہاں ایک چھوٹا سا موضع جس میں ہمارے کاشتکار اور مزارع آباد تھے کوٹ غلام محمد کے نام سے آباد کیا گیا۔ جو اب تک آباد ہے۔ چنانچہ آٹھ نو سال تک آپ اپنے ہاتھ سے ہل چلا کر زمین کو آباد کرتے رہے۔

انجمن حمایت اسلام لاہور ان دنوں ابھی شیر خوارگی کے عالم میں تھی۔ آپ نے اور حکیم محمد علی مرحوم روح جیون بوٹی والے نے مل کر ایک نظم پنجابی زبان میں لکھی۔ جس کو اہلکاران انجمن اور کارکنان انجمن گھروں میں جا کر پڑھتے اور آٹا جمع کیا کرتے تھے۔ آپ انجمن کے اٹھارہویں اجلاس تک اس کے ہر سالانہ جلسہ میں شامل ہوتے اور وہاں نظمیں پڑھتے رہے۔

کشمیر میں مستقل بود و باش رکھنے اور وہاں شادی کر لینے کی وجہ سے کوٹ غلام محمد میں بھی وہ رونق نہ رہی۔ اور پنجاب کی انجمنوں کے جلسوں کی شمولیت بھی باقاعدہ نہ رہی۔ لیکن ۱۹۰۱ء میں جب قانون اقوام بندی زمینداران پنجاب جاری ہوا جس کی رو سے ہر وہ کشمیری مسلمان جس کے ساتھ کشمیری کا لفظ تھا۔ غیر زراعت پیشہ قرار دیا گیا۔ تو آپ نے کشمیری مسلمانان پنجاب کو ان کے حقوق کی طرف توجہ دلانے کے لیے پنجاب میں ایک وسیع دورہ کیا۔ اور رسالہ کشمیری گزٹ اور اخبار پنجہ فولاد میں کئی سال تک اسی موضوع پر مضامین لکھتے رہے۔

زمینداران کشمیر کی فلاح و اصلاح کے لیے آپ اخبار کشمیری میں صرف مضامین ہی نہیں لکھتے تھے۔ بلکہ اعلیٰ حکام مال اور وزرائے ریاست سے ملتے اور ان کی تکالیف اور ادنیٰ حکام کے مظالم سے بھی ان کو آگاہ کرتے تھے۔ ۱۹۷۵ بکرمی میں جب پنڈت نریندر ناتھ ایم اے المشہور موٹر منسٹر نے مجوزہ شالی کا ظلم کشمیر میں جاری کیا تو آپ نے اس جبر و تشدد کے خلاف زبانی تحریری نظم اور نثر میں ایک شور برپا کر دیا اور تحصیل ہندواڑہ کے سرکاری نقشوں کے شمار و اعداد سے ثابت کر دیا کہ اگر فصل کامل پیدا ہو تو بمشکل اس تحصیل کے باشندوں کو آٹھ ماہ کے لیے مکتفی ہو سکتی ہے۔ آخر بصد کوشش تحصیل ہندواڑہ کو حکومت نے مجوزہ سے مستثنیٰ کر دیا۔

۱۹۸۶ بکرمی میں آپ نے مجوزہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ دسمبر ۱۹۰۸ء میں آپ کی تحریک سے دہلی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جب مجوزہ کے خلاف دھواں دھار تقریریں ہوئیں اور اس کے خلاف ایک زبردست ریزولیوشن پاس ہوا تو مسٹر ٹاؤن شنڈ وزیر تجارت وائسرائے کے حکم سے تحقیقات کے لیے کشمیر آئے۔ آپ اسی سال علی برادران (مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی) سے رامپور ریاست میں اور خان بہادر شیخ مقبول حسین مشیر مال مرحوم کشمیر اور سید جالب دہلوی مرحوم اخبار ہمدم اور مولانا حسرت موہانی سے لکھنؤ میں ملے۔ ۱۹۱۲ء کے اجلاس ایجوکیشنل لکھنؤ میں آپ کشمیر کی طرف سے بطور ڈیلی گیٹ شامل ہوئے۔ آپ نے وہاں تعلیم مسلمانان کشمیر کے متعلق ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی اور آخر ۱۹۱۳ء کے موسم گرما میں بصدارت صاحبزادہ آفتاب احمد خان کشمیر میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کی خدمت میں ایک وفد پیش ہوا اور ہر چند کہ وفد کو ڈاکٹر اے متراوزیر تعلیم نے نہایت خشک جواب دیا۔ تاہم دوسرے سال مسلمانوں کے لیے ایک سپیشل مسلم انسپکٹر کی تقرری کے علاوہ ایک سو عربی ٹیچروں کی تقرری بھی منظور کی گئی۔

کشمیر کی تعلیمی اصلاح اور سیاسی خدمات میں آپ کا نام چوٹی پر لکھے جانے کے قابل ہے۔ ۱۹۱۲ء میں کشمیر میں ایک بھی مسلمان گریجوایٹ نہ تھا۔ آپ نے کشمیری اخبار میں مسلمانوں کی کمی تعلیم کے اسباب پر پرزور مضامین لکھے۔ مسلم کشمیری کانفرنس نے مسلمانان کشمیر کو علی گڑھ کالج اور پنجاب کے کالجوں میں وظائف دینے کا اعلان کیا۔ ہمارے رشتہ داروں میں بابو غلام حسین ڈار رئیس وزیر آباد اور میاں عمر بخش مرحوم رئیس وزیر آباد نے علی الترتیب بارہ سو اور چھ سو روپیہ انجمن نصرت الاسلام کو دیا۔ اور یہ اتنی بڑی رقم تھی کہ کشمیر کا کوئی بڑے سے بڑا رئیس اس کا دو تہائی حصہ بھی آج تک یکمشت نہیں دے سکا۔ اس زمانہ میں مولانا میر رسل شاہ کشمیر کے میر واعظ تھے اور وہ قبلہ خادم صاحب اور راقم کے کرم فرما تھے اور انجمن نصرت الاسلام کے پریذیڈنٹ تھے۔ وہ ہماری ہمیشہ عزت افزائی فرمایا کرتے تھے اور ان کے برادر عزیز مولوی محمد عتیق اللہ بھی جو ابھی بہ فضلہ خدا زندہ ہیں انجمن کے سیکرٹری تھے۔ ہماری خدمات کے قدردان تھے۔ ۱۹۱۶ء میں قبلہ خادم صاحب اس میں ہذا کے سفیر بن کر بھوپال گئے راستے میں علی گڑھ میں صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب سے ملے۔ انہوں نے بھی ایک تعارفی خط دیا۔ آپ نے نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ کے لیے ایک نظم بھی لکھی۔ ان دنوں لاہور کے حاجی منشی نظام الدین ڈار وہاں اکاؤنٹنٹ جنرل تھے۔ ان سب کی کوششوں سے بیگم صاحبہ نے پچاس

روپے ماہوار کی امداد منظور کی جو بیگم صاحبہ کی زندگی تک انجمن کو ملتی رہی۔ انجمن نے اس قومی سفارت وخدمت کے صلہ میں سنہری تمغہ کے علاوہ سنہری سند آپ کو عطا کی۔ آپ انجمن نصرت الاسلام سری نگر کے علاوہ ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کمیٹی خانقاہ معلیٰ سری نگر کشمیری کانفرنس لاہور اور انجمن ہمدرد اسلام سری نگر کے بھی سفیر تھے۔

آج سے ۳۳۔۳۴ سال قبل سوپور کے مڈل سکول میں جو آج ہائی سکول ہے ۱۱۹ طلبا میں مسلمان صرف بیس تھے حالانکہ سوپور کی گیارہ ہزار کی آبادی میں ۹۹ فی صد مسلمان تھے۔ آپ نے اخبار کشمیری میں مسلمانوں کو مضامین کے ذریعہ ہی توجہ نہیں دلائی بلکہ خواجہ عبدالغنی بٹ پلیڈر سوپور کی زیرصدارت مسلمانوں کو ان کی تعلیمی کوتاہیوں اور ان کے عبرتناک نتائج سے آگاہ کیا۔ راقم بھی اس جلسہ میں شامل تھا۔ خواجہ صاحب نے بھی کشمیری زبان میں لیکچر دیا۔ اس کا نتیجہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ نکلا کہ بیس کی بجائے مسلمان لڑکوں کی تعداد سکول میں سو سے بھی متجاوز ہوگی۔

۱۹۷۸ بکرمی میں پنڈت نرندر ناتھ مشیر مال نے حکومت سے مجوزہ کی سکیم منظور کرالی تھی اور اس اسکیم کے نام پر ان کے ماتحت ظالم اور مرتشی افسر اور اہل کار زمینداروں کے نام و ناموس اور اس کے جان و مال کو برباد کررہے تھے اور زمینداروں کی چیخ و پکار کی کوئی پروانہ کی جاتی تھی۔ مشیر مال نے دربار کی طرف سے اعلان سنانے کے لیے شمالی کشمیر کے زمینداروں، ذیلداروں اور نمبرداروں کو بارہ مولا میں بلایا اور سمجھایا کہ کوئی شخص اس سکیم کے مخالفت میں زبان نہ ہلا نے پائے۔ ان دنوں پنڈت نرندر ناتھ کو زمینداران کشمیر ملک الموت سے کم نہ سمجھتے تھے اور ان کے آگے کوئی دم نہ مار سکتا تھا۔ آخر آپ سے نہ رہا گیا اور آپ نے افسروں کے تشدد بے جا اور زمینداروں کی مظلومی کے بیانات بیان کرنے شروع کیے۔ اس پر یہ موٹر منسٹر بہت خفا ہوئے اور قید کرنے کی دھمکی دی۔

کشمیر مسلم کانفرنس کی مجلس منتظمہ کے ممبر تھے شیخ محمد عبداللہ کو ''شیر کشمیر'' بنانے میں آپ نے بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ آپ کی صاف بیانی کی وجہ سے پولیس اور خفیہ پولیس آپ کی حرکات و سکنات کی نگراں رہتی تھی۔ لیکن آپ کا یہی جواب ہوتا تھا:

حب وطن بھی اس میں تیری وفا بھی اس میں
کیا دل ٹٹولتا ہے اے حکمراں ہمارا

کشمیر ایجی ٹیشن کے بعد آنریبل کالون پرائم منسٹر ایک مرتبہ سری نگر سے ہندواڑہ کو جارہے تھے۔ بحیثیت نمائندہ زمینداران آپ نے ان کا موٹر روک لیا اور ان سے زمینداروں کے مصائب کا ذکر کرتے رہے۔ اسی طرح موت سے ایک سال پیشتر سر گوپال سوامی آئنگر وزیر اعظم سے جموں میں ملے اور ان کو کھری کھری باتیں سنائیں۔

۱۹۳۱ء کے کشمیر ایجی ٹیشن کے اثر سے جب گلانسی کمیشن کا تقرر ہوا تو سری نگر میں ۹ دسمبر ۱۹۳۱ء کو آپ کی شہادت (گواہی) بھی ہوئی۔ جو دس بجے صبح سے ۵ بجے شام تک ہوتی رہی۔

آپ ۱۳۲۹ھ۔ ۱۹۱۱ء کے اواخر میں ایک زہریلے دنبل کی وجہ سے بیمار ہو کر ۱۲۲ اکتوبر کو سری نگر کے سرکاری شفاخانہ میں جہاں ڈاکٹر عبدالواحد خان ان دنوں تعینات تھے۔ داخل ہوئے ۔ڈاکٹر صاحب کا تار پہنچنے پر میں فوراً سری نگر روانہ ہوا اور ایک ماہ تک جب تک کہ وہ صحت یاب نہ ہو گئے وہیں رہا۔ صحت یابی کے کچھ عرصہ بعد آپ نے حسب ذیل اشعار لکھے:

یاد ہے سنہ ۱۹۰۹ کی بیماری کا وہ صدمہ مجھے
جب نظر آتے تھے مجھ کو ہر طرف گور و کفن
بھانجوں نے اور بھتیجوں نے اعانت کی مری
آگیا لاہور سے کشمیر فوق خوش چلن
از سر نو پھر ہوا زندہ میں اس کو دیکھ کر
دوڑنے پھرنے لگیں پھر سے مری رگ ہائے تن
رو دیا لیکن میں اس کو دیکھ کر بے اختیار
اور یہ رونا ہی نکلا واقع رنج و محن

۱۹۱۹ء میں آپ اسیسر مقرر ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں سفید پوش درجہ اول سم پورہ کی دیہاتی انجمن کے صدر اور پنچایت ہر دو شیوہ کے سیکرٹری تھے۔

آپ ہندو مسلم اتحاد کے بھی زبردست حامی تھے۔ کشمیر اور پنجاب کی سیاسی انجمنوں اور ہندوؤں اور سکھوں کے جلسوں میں بھی اپنے خیالات نظم ونثر کے ذریعہ ظاہر کیا کرتے تھے۔

آخر عمر میں آپ بیمار رہا کرتے تھے۔ لیکن بیماری کی حالت میں بھی زرعی کاروبار سے

غافل نہ رہتے۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں جب میرے برادر بزرگ بابو رحیم بخش نے سری نگر میں دو دن بیمار رہ کر تیسرے دن انتقال کیا تو آپ کو اس فخر خاندان عزیز کی موت کا بڑا صدمہ ہوا نومبر میں خود بھی بیمار ہو گئے اخیر نومبر میں لاہور آئے اور دسمبر کے تیسرے ہفتے تک لاہور میں میرے پاس مقیم رہے۔ جب ذرا تندرست ہوئے تو چند دنوں کے لیے کوٹ غلام محمد چلے گئے اور وہیں انتقال فرما گئے۔ اکثر شعرا نے آپ کی وفات پر اشعار لکھے اور پنجاب اور جموں وکشمیر اور پونچھ کے تمام اخبارات نے آپ کی موت کو قومی ماتم بتایا۔ یہاں صرف دو شعرا کے کچھ اشعار لکھے جاتے ہیں۔

علامہ سیماب اکبرآبادی نے آپ کی تاریخ وفات پر ذیل کے اشعار لکھے ہیں:

آں غلام محمد عربی
باد مشہور در جہاں خادم
روز سہ شنبہ بد نہم ذی الحجہ
شدہ راہی سوئے جناں خادم
در شب یوم حج ز دہر گزشت
غم گسار بلاکشاں خادم
مقصدش بود خدمت کشمیر
تا بہ پنجاب داد جاں خادم
سال جستم زہاتف اے سیماب
گفت فردوس آشیاں خادم

خان بہادر چودھری خوشی محمد ناظر بی۔اے ریٹائرڈ منسٹر گورنمنٹ جموں وکشمیر کی طویل نظم سے ذیل کے شعر لکھے جاتے ہیں:

سن کے خادم کی آج بانگ رحیل
قافلے والے زار روتے ہیں

ماتم غم محترم میں فوق
بادل بے قرار روتے ہیں
تجھ کو اے قیس وادیٔ کشمیر
دشت و در زار زار روتے ہیں
ملک و ملت کے خادم بے باک
تجھ کو مردان کار روتے ہیں
اولین جرعہ نوش آزادی
تجھ کو سب میگسار روتے ہیں
یار دیرینہ چھوٹ کر تجھ سے
ناظر دل فگار روتے ہیں

آپ بیک وقت شاعر بھی تھے لیکچرار بھی تھے۔ مزدور بھی تھے۔ مصلح قوم بھی تھے۔ سیاسی لیکچرار بھی تھے۔ زمینداروں کے نمائندے بھی تھے اور زمیندار اور اعلیٰ درجہ کے منشی بھی تھے اور کچھ شک نہیں کہ وہ ضعیفی کے عالم میں بھی ایک بہادر جرنیل تھے۔

قوم کے ایک سرگرم نوجوان ممبر کپتان سردار محمد عظیم خان کنٹونمنٹ اگزیکٹو افسر نے ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء کے گرامی نامہ میں آپ کے اور راقم کے متعلق جو کچھ لکھا تھا۔ اس کے چند الفاظ کا اندراج یہاں نامناسب نہ ہوگا۔ آپ لکھتے ہیں۔ اس مشعل کی روشنی جو خادم اور فوق نے لاہور میں روشن کی تھی۔ اب کشمیر کی وادیوں میں جا پہنچی ہے اور اس سے کشمیر کا چپہ چپہ روشن ہو رہا ہے۔ آپ کا ماہوار، پندرہ روزہ اور ہفتہ وار اخبار گو اب نہیں رہا۔ مگر آج کشمیر کا بچہ بچہ خود اخبار ہے اور دوسری دنیا کے لیے اخبار کی خبریں بن کر مشہور ہو رہا ہے۔

باش تا بینی کہ بے آواز صور
ملتے بر خیزد از خاک قبور

آج سے سو سال کے بعد کا مورخ جب کشمیر کی نئی زندگی کی تاریخ لکھے گا تو اس کو خادم اور فوق کی خدمات کشمیر و اہل کشمیر کو نمایاں جگہ دینی پڑے گی۔

آپ اپنے ایک فرزند کے ہاتھوں ہمیشہ نالاں رہے۔ چنانچہ ایک نظم میں لکھتے ہیں:

جس کی پیدائش کی خوشیوں میں لٹایا گیا دھن
اس کے بچپن اور جوانی پر تھا میں سایہ فگن
جس نے بننا تھا اعصائے پیر بہ پیری میں مرا
آج اس نے زندگی میری مجھے کر دی کٹھن
کچھ مرے بچے ابھی نادان ہیں انجان ہیں
ہے دعا ان پر رہے فضل خدائے ذوالمنن
ان کو اس ظالم کے شر سے اے خدا محفوظ رکھ
مہرباں ان کے رہیں جب تک رہیں فوق وحسن

کشمیر میں آپ کی تین لڑکیاں اور چار لڑکے موجود ہیں۔لڑکوں کے نام حسب ذیل ہیں۔محمد عبداللہ پیدائش ۲۷ مئی ۱۹۱۴ء مطابق ۲ جیٹھ ۱۹۷۱ بکرمی سوپور ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ پنچایت ہر دوشیوہ کا سیکرٹری رہ چکا ہے۔آج کل انجمن اتحادی سمپورہ کا پریذیڈنٹ ہے اور تحصیل ہندواڑہ میں محکمہ مال کا منظور شدہ ٹھیکہ دار ہے۔۲۔منظور الحق (پیدائش ۲۲ ستمبر ۱۹۱۷ء مطابق ۷ اسوج ۱۹۷۴ بکرمی موافق ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ) پنچایت ہر دوشیوہ کے جدید انتخاب میں سیکرٹری منتخب ہوا ہے۔دیہاتی زندگی اور زمینداروں کی فلاح و بہبود اور ساہوکاروں کی دستبرد کے متعلق کشمیر کے اخبارات میں اس کے مضامین طبع ہوتے رہتے ہیں ۔۳۔ ریاض الرحمان (پیدائش ۱۲ اپریل ۱۹۲۳ء مطابق ۳۰ چیت ۱۹۷۹ بکرمی موافق ۲۴ شعبان ۱۳۴۱ھ) اپنے بھائیوں کے ساتھ جن کی باغات کے علاوہ کئی دیہات میں کافی زرعی اراضی ہے زراعت کا شغل رکھتا ہے۔۴ ظفر الاسلام (پیدائش ۱۳۴۳ھ میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔قبلہ خادم صاحب کی چھوٹی لڑکی زیر تعلیم ہے۔ بڑی لڑکی کی شادی جموں میں چودھری محمد شفیع چک بی اے ڈپٹی انسپکٹر کسٹم سری نگر کشمیر کے ساتھ ہو چکی ہے۔ یہ لڑکی صاحب اولاد ہے اور تعلیم یافتہ ہے۔لڑکیوں کے علاوہ دو لڑکے ہیں۔ جاوید شفیع پیدائش ۱۸ اسوج ۱۹۹۴ء بمطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۳۹ء خالد شفیع

پیدائش ۲۴ چیت ۱۹۹۸ء بکرمی مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۲ء چودھری محمد شفیع کے تین بھائی اور بھی ہیں۔ چودھری محمد الدین اسکول ماسٹر۔۲۔ چودھری محمد لطیف چک ٹیلر ماسٹر وٹھیکہ دار کلکتہ اور چودھری محمد شریف سپورٹس ورکس سیالکوٹ۔ دوسری لڑکی کی شادی خان علی محمد خان سابق رینج افسر علاقہ لولاب متوطن سری نگر کشمیر کے ساتھ ہے۔ یہ بھی صاحب اولاد اور خواندہ ہے۔ خان صاحب کی فیملی ہسٹری خاندان یوسف زئی افغان کے عنوان سے اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ درج ہے قبلہ خادم صاحب کی زرعی اور سکنی جائیداد کشمیر کے علاوہ کوٹ غلام محمد ضلع شیخوپورہ اور گھرٹل ضلع سیالکوٹ میں بھی ہے۔

میاں حسن ڈار کے فرزند دوم مولوی اللہ دتا کی اولاد کا شجرہ

اللہ دتا
- فتح دین
  - غلام نبی
    - اقبال نبی
      - اکرم نبی
      - احسان نبی
    - سجاد نبی
      - دو دختر
    - اعجاز نبی
    - ارشاد نبی
  - فصیح الدین
    - خالد فصیح
    - سلیم فصیح
    - خاور فصیح
  - نیاز محمود
    - جاوید
    - آصف
    - پرویز
  - محمد افضل
    - دختر
  - محمد رفیع
  - محمد شفیع
- کرم دین
  - بشیر الدین
  - محمد امین
    - رشید الدین
    - وحید الدین
    - ظہیر الدین
  - افتخار دین (مرحوم)
- محمد ریاض
  - محمد مقصود
    - ازہر سلیم
  - محمد اقبال
  - محمد اصغر
  - امجد

ذکر میاں اللہ دتہ فرزند ثانی میاں حسن ڈار:

میاں اللہ دتہ ۱۸۳۸ء مطابق ۱۸۹۵ بکرمی میں بمقام گھرٹل پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی میاں رجب علی سے تیس سال چھوٹے تھے۔ باپ کی وفات کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ چونکہ آپ کے زمانہ میں حسن ڈار خود بھی آسودہ تھے۔ اور رجب علی بھی کاروبار میں مصروف تھے۔ اس لیے آپ کے بڑے بھائی کے ذریعہ آپ کی پرورش بڑے ناز و نعم سے ہوئی۔ میاں

بدرالدین مرحوم سے درسی علوم حاصل کیے۔نہایت زیرک و ذہین تھے اور دستخط نہایت اچھا تھا

باپ کی وفات کے بعد ۱۸۵۶ء کے اواخر میں بھیرہ خوشاب کے بندوبست میں

ہو گئے۔ڈپٹی محمد بخش * ان دنوں وہاں مہتمم بندوبست تھے۔وہ آپ کی قابلیت اور آپ

دستخط کی وجہ سے آپ پر بہت مہربان تھے۔لیکن آپ وہاں بیمار ہو گئے اور جب گھڑتل

میراثی کے ذریعہ جو بھیرہ ہی سے آیا تھا۔آپ کے بھائی کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو بھائی کی

کی وجہ سے بھیرہ دوڑے گئے اور آپ کو ہمراہ لے آئے اور پھر بھیرہ سے آپ کو جانے نہیں

۱۸۵۸ء میں آپ ضلع سیالکوٹ کے موضع معظم آباد میں پٹواری ہوئے۔اس زمانہ میں سیا

میں ڈپٹی سید وزیر علی اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے وہ افسر مال بھی تھے۔افسر پولیس بھی او

جوڈیشل بھی تھے۔ایسے صاحب اقتدار با اقبال اور وسیع الاختیارات حاکم کے سامنے ایک

کی کیا حقیقت ہے مگر ڈپٹی صاحب پر آپ کی قابلیت، کارکردگی اور آپ کی بدیہہ گوئی کا

کہ پرائیویٹ خط و کتابت میں ان کو "مشفقا مکرما" کے الفاظ لکھا کرتے تھے۔

بندوبست ۱۸۶۶ء میں کنفرم ہو گئے۔اس کے بعد جب سیالکوٹ میں پہلی مرتبہ پٹو

کا مدرسہ قائم ہوا۔تو آپ ہی پٹوار ٹریننگ سکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔۱۸۷۶ء میں

سیالکوٹ کے قانونگو ہوئے اور ۱۸۸۵ء تک اسی عہدہ پر رہے۔اس کے بعد تحصیل رعیہ میں

رعیہ سے پسرور میں تبدیل ہو گئے اور یہیں سے غالباً ۱۸۹۳ء میں پنشن لے کر گھر چلے آئے۔

دوران ملازمت ہی میں آپ نے موضع کنگ میں بہت سی زرعی زمین خرید

گھڑتل میں ایک پختہ عالی شان حویلی بھی تعمیر کرائی۔جس پر چند ابیات بطور تاریخ آپ

زادہ اور داماد منشی غلام محمد خادم کی تصنیف سے لکھے ہوئے موجود ہیں۔چند سال ہوئے۔

پڑھنے کی کوشش کی گئی۔صرف ذیل کا آخری شعر پڑھا جاسکا۔

---

* یہ وہی مولوی محمد بخش تھے جن کے فرزند مولوی چراغ علی نے نواب اعظم یار جنگ کا خطاب حاصل کر
دکن کے علاوہ تمام ہندوستان میں اپنے انگریزی و فارسی ادبی علمی فضائل اور اعلیٰ تصانیف کی بدولت
حاصل کی ہے۔مولوی محمد بخش اہل خطہ تھے مگر وطن میرٹھ تھا۔

غلام * از بہر سالش بود در فکر
کہ لفظ خشت از خود پا سخش داد

اس کے علاوہ آپ نے سیالکوٹ اور جموں میں بھی مکانات خرید کیے۔ ۱۸۹۸ء کا ذکر ہے ایک مرتبہ ڈپٹی شیخ فیروز دین افسر مال سیالکوٹ (سکنہ گجرات) بہ تقریب دورہ گھڑتل میں آئے۔ انہی ایام میں میاں نظام الدین باغبانپوری ای اے سی کے ایک نوجوان لڑکے عبدالرشید بی اے کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے ارتحال پر راولپنڈی کے اخبار چودھویں صدی میں ایک نظم چھپوائی۔ ان دنوں میں دفتر پیسہ اخبار لاہور میں کام کیا کرتا تھا۔ ڈپٹی فیروز الدین نے آپ سے کہا۔ گھڑتل میں محمد الدین فوق کون ہے۔ اور کس کا لڑکا ہے۔ اور ساتھ ہی ڈپٹی صاحب نے آپ کو اخبار کا پرچہ بھی دکھایا جس پر میرا نام اور گھڑتل کا مقام درج تھا۔ آپ نے کہا محمد الدین تو حضور میرے عزیزوں میں ہے اور وہ اس وقت یہاں موجود بھی ہے۔ مگر مجھے یہ خبر نہیں کہ وہ شعر بھی کہتا ہے۔ چنانچہ مجھے بلایا گیا اور ڈپٹی صاحب نے پرچہ دکھا کر پوچھا۔ کیا یہ نظم تم نے لکھی ہے۔ جب میں نے اثبات میں جواب دیا تو آپ اور ڈپٹی صاحب بہت خوش ہوئے۔ ڈپٹی صاحب نے کہا میرا خیال تھا کہ اس نظم کے لکھنے والے کا تعلق آپ ہی کے خاندان سے ہوگا۔ یہ کس کا لڑکا ہے۔ آپ نے کہا میرے برادرزادہ لدھا خان کا لڑکا ہے اور پیسہ اخبار لاہور میں کام کرتا ہے۔

آپ کی صحت بہت اچھی تھی اور خانہ نشینی کے عادی نہ تھے۔ ۱۸۹۵ء یا ۱۸۹۶ء میں بندوبست جموں میں قانونگو ہو گئے۔ میں اور میرے والد مرحوم اور برادر خورد چراغ الدین ہم سب ان ایام میں بہ سلسلہ ملازمت جموں ہی میں تھے۔ تین چار سال کے بعد آپ ملازمت ترک کر کے پھر گھڑتل میں آگئے اور وہیں بہ عمر باسٹھ سال یکم نومبر ۱۸۹۹ء کو انتقال کر گئے۔

مولوی فتح الدین فرزند اول میاں اللہ دتا اور ان کی اولاد:

آپ کے فرزند کلاں مولوی فتح الدین ۱۸۶۴ء میں بمقام گھڑتل پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھڑتل ہی میں حاصل کی۔ ۱۸۸۶ء میں آپ اپنے والد کے ہمراہ جو ان دنوں تحصیل رعیہ میں قانونگو تھے پٹوار کا کام کیا کرتے تھے۔ فروری ۱۸۸۷ء میں تپہ معظم آباد کے پٹواری مقرر ہو گئے۔ چونکہ بندوبست کے کام سے خوف واقف تھے اور دستخط بھی ان کا نہایت صاف تھا۔ پہلے قانونگو

* اس زمانہ میں تخلص غلام تھا بعد میں سوختہ اور اس کے بعد خادم تخلص اختیار کیا۔

اور پھر تحصیل سیالکوٹ کے صدر قانونگو ہو گئے۔ ۱۸۹۶ء یا ۱۸۹۷ء میں جب پنجاب میں طاعون کا بڑا زور تھا۔ آپ لدھیانہ کے ضلع میں نائب تحصیل دار بھی رہے ہیں۔

حسن ڈار کی اولاد میں سب سے پہلے آپ نے قومی کاموں میں نقد امداد دینے میں حصہ لیا ہے۔ چنانچہ اپنے فرزند کلاں غلام نبی کی شادی کی تقریب پر آپ نے قومی انجمنوں اور قومی رسالہ کی اعانت میں خاص حصہ لیا۔

وفات سے تقریباً سترہ اٹھارہ سال پیشتر کی زندگی گھڑتل ہی میں بسر کی ہے۔ دیر تک گھڑتل ہی میں بیمار رہے۔ آخر وقت میں اپنے بڑے لڑکے شیخ غلام نبی بی اے ایل ایل بی وکیل ڈسکہ کے پاس چلے گئے اور وہیں ۲۶۔۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء کی رات کو دس بجے اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے چھ صاحبزادے حسب ذیل ہیں۔ (۱) شیخ غلام نبی * بی اے ایل ایل بی وکیل جو ڈسکہ ضلع سیالکوٹ کے پرانے اور تجربہ کار وکیلوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے خاندان کے سب سے پہلے گریجوایٹ اور وکیل ہیں۔ کشمیر سے بھی آپ کا بدستور تعلق چلا آتا ہے۔ آپ کے چار فرزند ہین۔ (۱) اقبال نبی (پیدائش ۱۹۱۲ء) (۲) سجاد نبی (پیدائش ۱۹۱۸ء) جو آپ کے ہم زلف خواجہ امام الدین رئیس و جنرل ٹمبر کنٹریکٹر کشمیر کے داماد ہیں۔ سجاد نبی محکمہ ریلوے میں پلیٹ لیئر ہے۔ (۳) اعجاز نبی بی اے ہے۔ پیدائش ۱۹۳۲ء ہے۔ (۴) ارشاد نبی ایف ایس سی اب دونوں بی ایس سی ہیں انجینئر نگ کی ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں۔

(۲) مولوی فتح الدین کے دوسرے صاحبزادے کا نام فصیح الدین ہے۔ وہ بھی بی اے بی ٹی، ایل ایل بی ہیں اور صوبہ سرحد میں ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ خان بہادر میر کریم بخش ریٹائرڈ ڈائیریکٹر تعلیم صوبہ سرحد کے برادر بزرگ مولانا علم الدین کنٹرکٹر صوبہ بنگال کے داماد ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں گوجرانوالہ میں بود و باش رکھتے ہیں۔ ان کے فرزند کلاں کا نام خالد ہے۔ جو بنگال میں اپنے نانا کے پاس تجارتی کاروبار میں

---

* ۱۹۰۶ء میں آپ کی شادی مولانا الف دین نفیس بی۔ او۔ ایل وکیل راولپنڈی کے ہاں ہوئی مولانا مرحوم آخر عمر میں ڈسکہ ہی میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے قریباً ہر سالانہ جلسہ مین ان کی شمولیت لازمی سمجھی جاتی تھی۔ وہ فارسی اور اردو کے اچھے شاعر تھے۔ ان کی ایک مشہور غزل کا مقطع زباں زد عوام ہے:

نفیس اپنی تو گزری جس طرح گزری دعا یہ ہے
کہ فخر قوم کہلائیں یہ بچے جواں ہوکر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

مصروف ہے۔ سلیم ایف اے میں پڑھتا ہے اور تیسرا لڑکا خاور بھی زیر تعلیم ہے۔

(۳) مولانا مرحوم کے تیسرے فرزند نیاز محمود آگرہ ملٹری محکمہ میں ایک اچھی پوسٹ پر ملازم ہیں۔ ان کے تینوں لڑکے زیر تعلیم ہیں۔

(۴) آپ کے چوتھے فرزند محمد افضل تجارتی کاروبار میں نہایت مستعد اور ہوشیار تھے۔ اور اس سلسلہ میں پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے اکثر مقامات کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ افسوس ہے کہ یہ عزیز کچھ عرصہ سے بیمار چلا آتا ہے۔ چونکہ بیماری مرض الموت بن کر آئی تھی اس لیے ہر قسم کے علاج معالجہ کے باوجود یہ عزیز چونتیس سال کی عمر میں ۱۶ اپریل ۱۹۴۳ء کو جمعہ کے دن سیالکوٹ میں انتقال کر گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

(۵) آپ کے پانچویں فرزند محمد رفیع محکمہ انڈسٹری پنجاب میں معقول مشاہرے پر بمقام لاہور ملازم ہیں۔

(۶) چھٹے فرزند محمد شفیع فوج میں بھرتی ہو کر جمعداری کے رینک میں ہیں اور اس وقت عراق میں مقیم ہیں۔

مولوی اللہ دتہ کے دوسرے فرزند مولوی کرم الدین کی اولاد:

آپ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ سیالکوٹ مشن ہائی سکول سے میٹرک پاس کرنے کے

پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ:

آپ نے ایک چھوٹی سے مثنوی اسلام کے متعلق لکھی تھی۔ وہ آپ کے ارشاد کے مطابق میں نے لسان العصر اکبر الہ آبادی کو ریویو کے لیے بھیجی۔ آپ نے ریویو کی بجائے یہ شعر لکھ کر ارسال کر دیا۔

الف دین نے وہ لکھی ہے کتاب
کہ بے دین بھی پائے جس سے ثواب

مولانا الف دین شمس العلماء محمد حسین آزاد۔ مولانا حالی اور مولانا فیض الحسن ادیب کے مشاعروں میں شامل ہوتے رہے ہیں۔ یہ مشاعرے آج سے نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ پیشتر ڈاکٹر ہالرائڈ ڈائریکٹر سر رشتہ تعلیم پنجاب کی زیر سرپرستی لاہور میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ مرحوم نے جب میری کتاب ''تاریخ حریت اسلام'' کو ملاحظہ کیا۔ تو ایک طویل تبصرہ کیا اور اس میں اس ناچیز کے متعلق لکھا۔ ''فخر ہوتا ہے گھرانے میں سدا ایک ہی شخص'' آپ جنوری ۱۹۳۸ء کے ایام میں ڈسکہ میں انتقال فرما گئے وہیں مدفون ہیں۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ (۱) خواجہ محمود بی اے ایل ایل بی وکیل راولپنڈی۔ خواجہ احمد سیبی کوئٹہ میں ریلوے ڈاکٹر، خواجہ حامد قصور میں ایکسائز سب انسپکٹر ہیں۔

بعد علی گڑھ کالج میں کچھ عرصہ تک زیر تعلیم رہے۔ لیکن پھر میڈیکل کالج لاہور کی اسسٹنٹ سرجن کلاس میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی دل نہ جما۔ آخر خاندانی روایات کو پورا کرنے کے لیے محکمہ بندوبست میں ملازم ہو گئے۔ لائل پور اور ضلع لاہور میں گرداور قانونگو اور ۱۹۲۶ء میں لاہور کے آفس میں قانونگو ہو گئے اور چند سال کے بعد ریٹائرڈ ہو کر اپنے وطن گھر تل ضلع سیالکوٹ میں چلے گئے۔ آپ کا فرزند کلاں بشیر الدین پیدائش ۱۸ دسمبر ۱۹۰۳ء لاہور اسلامیہ کالج میں پڑھتا رہا ہے آج کل محکمہ ریلوے میں بہ مشاہرہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار ملازم ہے۔ امین الدین (پیدائش ۷ فروری ۱۹۰۵ء) زمیندارہ کاروبار میں مصروف ہے۔ جو موضع کنگ میں واقع ہے۔ تعلیم ایف اے تک ہے۔ سب سے چھوٹا لڑکا افتخار الدین نام تھا۔ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوا۔ اسلامیہ کالج کی بی اے کلاس میں پڑھتا تھا کہ ۱۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو نمونیا میں مبتلا ہو گیا اور ۱۹ مارچ کی شام کی بہ عمر ۱۹ سال انتقال کر گیا۔ نہایت خوبصورت اور ہونہار لڑکا تھا۔ افسوس ہے عین شباب میں والدین کو داغ مفارقت دے گیا۔ قبلہ خادم صاحب نے اس کی حسرت ناک وفات پر حسب ذیل قطعہ تاریخ موزوں کیا:

افتخارم بروئے زیبا رفت
کرم دیں را دم مسیحا رفت
خادمش گفت سال تاریخش
آہ آں افتخار زیبا رفت

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل اشعار بھی لکھے:

اے مخاطب کیا کہیں کیا چل بسا
افتخار دین و دنیا چل بسا
پاس کرنا تھا ابھی بی اے تجھے
تو ابھی سے سوئے عقبیٰ چل بسا
مامتا ماں کی بڑھاپا باپ کا
یاد کچھ تجھ کو نہ آیا، چل بسا

تھی توقع تیری دیکھیں گے برات
تو تو دکھلا کے جنازہ چل بسا
کیوں نہ ہو خادم کا دل اندوہگیں
نوجواں جس کا بھتیجا چل بسا

مولوی اللہ دتہ کے فرزند سوم میاں محمد ریاض کی اولاد:

آپ ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اس وقت عمر باون سال کی قریب ہے۔ گھڑتل میں تعلیم حاصل کی۔ ان کی ساری ملازمت محکمہ ریلوے میں بعہدہ سب پلیٹیئیر رگزری ہے۔ اب پنشن پر ہیں۔ لیکن صحت بہت اچھی ہے۔ پنشن کے بعد بھی محکمہ ریلوے میں ملازم ہیں اور کوٹ لکھپت (متصل لاہور) کے ٹریننگ سکول میں بہ مشاہرہ یک صد روپیہ ماہوار کام کر رہے ہیں۔

آپ کا فرزند کلاں محمد مقصود ہمارے خاندان میں سب سے پہلا ایم اے گریجوایٹ ہے۔ ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوا۔ اس وقت اس کی عمر بتیس سال تین ماہ ہے۔ ریاست قلات بلوچستان میں ہیڈ ماسٹر تھا۔ اب کوئٹہ میں دو سو روپیہ ماہوار پر براہ راست گورنمنٹ ہند کے ماتحت ہے۔ اس کا فرزند کلاں اظہر (عمر نو سال) جماعت ششم میں زیر تعلیم ہے اور فرزند خورد سلیم (بہ عمر پانچ سال) ہنوز خورد ہے۔ میاں محمد ریاض کے فرزند دوم محمد اقبال کی عمر تیس سال ہے اور وہ بمقام راولپنڈی ریلوے میں ملازم ہے۔ تیسرا فرزند محمد اصغر (عمر ۲۳ سال) ایف اے تک تعلیم یافتہ ہے۔ اور محکمہ ریلوے میں گارڈ ہے۔ سب سے چھوٹا لڑکا امجد عمر (بیس سال) سیالکوٹ مرے کالج ایف اے میں زیر تعلیم ہے۔

میاں محمد ریاض اور ان کے فرزندوں کی سکونت گھڑتل ضلع سیالکوٹ میں ہے اور وہاں موضع کنگ میں ان کی کافی زرعی اراضی ہے۔

لُن ہرے (تریہگام) اور لنگیٹ میں میر قوم کے دو خاندان اپنی فیاضی، سیر چشمی، خدمت خلق اور حکومت کی وفاداری کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ ان میں احمد میر ٹھیکہ دار، غنی میر، حاجی عزیز میر اور جبار میر اور حبیب اللہ میر ذیلدار لن ہرے کے خاندان سے ہیں۔ اس خاندان کو زمینداران علاقہ سے بڑی ہمدردی ہے۔ عبداللہ میر ذیلدار لنگیٹ بھی اپنے اوصاف کی وجہ سے اپنے علاقہ میں ہر دلعزیز ہے۔ یہ دونوں خاندان میر قوم کے لیے باعث فخر ہیں۔ (پیر عبدالغنی یوسفی، سوپور)

خاندان پنڈت روگناتھ جی مٹو

سری نگر کشمیر کے اس نامور مٹو خاندان کا کچھ ذکر اس کتاب میں پہلے درج ہو چکا ہے۔ اس خاندان کی نیک خصالی، نیک کرداری، شریف نوازی اور علم دوستی اور پبلک خیر خواہی کی کشمیر میں عام شہرت ہے۔ پنڈت نند لال مٹو اس وقت اس خاندان کی بزرگ ہستی ہیں۔ آپ سری نگر میں مجسٹریٹ درجہ اول اور سٹی مصنف درجہ اول کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔ آپ کے چار فرزند حسب ذیل ہیں۔ (۱) پنڈت پریم ناتھ بی اے بعہدہ جنرل ریکارڈ کیپر تعینات ہیں (۲) پنڈت ترلوکی ناتھ بی اے، ایل ایل بی اور ڈی سی پی ہیں اور ہائی کورٹ پنجاب کے ایڈووکیٹ ہیں۔ اور کشمیر میں منظوشدہ امیدوار منصفی ہیں (۳) پنڈت موہن کشن آپ کا یہ ہونہار فرزند ۱۹۴۳ء کے امتحان میٹرک میں ریاست جموں وکشمیر کے تمام میٹرک طلبا میں اول رہا۔ سب سے چھوٹا لڑکا پردمن کشن ہائی سکول میں زیر تعلیم ہے۔

پنڈت نند لال جی کے برادر خورد پنڈت روگناتھ مٹو جن کا ذکر ان کی تحصیلداری کے زمانہ تک اس سے پہلے اس کتاب میں درج ہو چکا ہے۔ بے پناہ نیک نام شہرت اور غیر معمولی اخلاق حسنہ کے مالک ہیں۔ آپ کی دیانت وقابلیت آپ کو تحصیل داری کی کرسی سے ترقی دے کر اور کئی اضلاع میں صاحب ضلع بنا کر اب سیکرٹیریٹ کے ایوان میں لے گئی ہے۔ آپ مظفرآباد میں صاحب ضلع رہے۔ آپ نے علاقہ چکار کے سکھوں اور مسلمانوں اور علاقہ کوناہ کے ہندو مسلم فسادات کو جو خطرناک اور امن شکن صورت اختیار کر رہے تھے۔ اپنے تدبر سے خوشگوار تعلقات میں تبدیل کر کے شیر وشکر بنا دیا۔ آپ ریاست جموں میں وزیر وزارت رہے۔ تو رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال خاص رکھنے کے علاوہ وار ایڈ کے لیے مختلف مقامات پر جلسے کراوئے۔ اور ایک بہت بڑے دنگل کا انتظام کیا اور اس طریق سے چالیس پچاس ہزار روپیہ وار ایڈ کے لیے جمع کیا۔ بارہ مولا میں آپ ہر چند تھوڑا عرصہ ہی رہے اور اس زمانہ میں رہے جب اشیائے خوردنی اور نایابی غلہ کے لیے پبلک سخت مضطرب تھی مگر آپ نے اپنے حسن تدبر سے رعایا کے اس اضطراب کو دور کیا۔ اس زمانہ میں ضلع بارہ مولا اور خاص علاقہ زنگیر کے اکثر زمیندار محنت مزدوری کے لیے لاہور میں

موجود تھے۔ انہوں نے آپ کے ''وزیر بارہ مولا'' ہونے پر ایک جلسہ میں حکومت کشمیر کی اس جوہر شناسی کا شکریہ ادا کیا۔ بارہ مولا ہی سے ماہ جولائی ۱۹۴۲ء میں آپ محکمہ گورنری میں آئے اور اپنے ہمدردانہ سلوک سے برائی ورعایا سے خراج تحسین حاصل کرتے رہے۔

آپ گزشتہ سال ہی آنریبل ڈویلپمنٹ منسٹر ہز ہائنس گورنمنٹ جموں وکشمیر کے سیکرٹری منتخب ہوگئے۔ جہاں آپ بڑی محنت ولیاقت سے اپنے فرائض ادا کررہے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے بزرگوں کی شاندار روایات کو قائم رکھتے ہوئے انسانیت کو چار چاند لگا دیتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ آپ اور آپ کے برادر محترم مادر وطن کے ایسے ہی سپوتوں میں ہیں جو اس کے انسانیت ساز پہلو میں پرورش پا کر جوان ہوئے۔

اس خاندان میں جس طرح والئی ملک کے ساتھ وفادارانہ جذبات جزو زندگی ہیں اسی طرح خدمت عامہ، ہمدردی رعایا اور دلجوئی غربا کے اوصاف بھی پشتینی چلے آتے ہیں۔ پنڈت روگناتھ جی کے دو فرزند ہیں اور دونوں ابھی چھوٹی عمر کے ہیں۔ فرزند اول راجندر ناتھ کی عمر نو سال کی ہے اور وہ گورنمنٹ ہائی سکول میں اس وقت زیر تعلیم ہے۔ دوسرے فرزند جتندر ناتھ کی عمر ابھی صرف چار سال کی ہے۔

خاندان کول کلم

- پنڈت ندھان کول
  - پنڈت شنکر کول
    - پنڈت ریشہ کول
      - نرائین کول
      - انند کول
        - پنڈت دینا ناتھ ذیلدار
          - رنجن ناتھ
          - دوارکا ناتھ
          - برج کشن
          - کیول کشن
        - شیو جی
        - ست لال
        - گوپی ناتھ کول
    - ایشر کول
      - بدری ناتھ
      - جگر ناتھ
    - زنہ کول
      - ملبہ کول
        - مہیشر ناتھ
        - کاشی ناتھ
      - کرشنا کول
        - پریم ناتھ
        - پردمن
        - رگناتھ
      - لچھمن کول
    - پرشاد کول
      - سونہ کول
        - پنڈت جیالال کلم ایڈووکیٹ
      - دوہ کول

کلم تحصیل کولگام ایک موضع کا نام ہے۔ چونکہ اس خاندان کے ایک بزرگ نے سری نگر سے نکل کر کلم ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس لیے یہ خاندان بھی کلم ہی کے نام سے موسوم ہو گیا۔ دراصل یہ کول خاندان ہے جو کشمیری پنڈتوں کی ایک معزز قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اس خاندان کے مورث اعلیٰ پنڈت ندھان کول تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے عہد میں وہ پرگنہ دیوسر کے افسر اعلیٰ تھے۔ کلم میں انہوں نے شادی کی تھی اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے فرزند پنڈت شنکر کول نے کلم ہی کو مستقل طور پر اپنا وطن بنا لیا تھا۔ وہ ایک وسیع علاقہ کے پرگنہ دار تھے۔

نہایت بارعب اور خوش اخلاق، فارسی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ مسلمان عالم اور پنڈت ودوان اور منشی اور اہل کاران کے علمی مجلسوں کا سنگار تھے۔ آپ کے فرزند کلاں پنڈت ریشہ کول بھی لیاقت اور قابلیت اور خوش خلقی میں اپنے باپ کا نمونہ تھے۔ مسٹر لارنس (بعد میں سر والٹر لارنس) کمشنر بندوبست کے زمانہ میں تحصیل دار رہے اور اپنی احسن کارکردگی اور سرکار کی بے انتہا وفاداری کی وجہ سے قریباً بارہ دیہات کے رقبہ جات کے مالک قرار پائے اور آخر اس وسیع رقبہ کی نگرانی کے لیے آپ کو تحصیل داری سے دستبردار ہونا پڑا۔ آپ اپنے علاقہ کے ذیلدار قرار پائے اور ذیلداری اب تک آپ کی اولاد میں چلی آتی ہے۔ چونکہ رقبہ بہت زیادہ تھا اور اس کی نگرانی محال تھی۔ اس لیے بارہ کی جگہ آپ نے سات دیہات کے رقبہ جات زیر دست رکھے۔ جو آج بھی آپ کے ورثا کے زیر قبضہ ہیں۔۔ آپ پانچ ہزار روپیہ سرکار کو مالیہ ادا کرتے تھے۔ اور کشمیر کے اعلیٰ ترین زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ جیسا کہ راقم کو بتایا گیا ہے مہاراجہ بہادر کے ایما سے کشمیر ملٹری کے لیے تیس ہزار روپیہ کی شالی خرید کر مہیا کی۔ آپ درباری کرسی نشین تھے اور مہاراجہ بہادر آپ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔

پرنس آف ویلز کی تشریف آوری کے موقع پر آپ بھی جموں میں مدعو تھے اکثر درباری نمائندوں نے اس موقع پر سونے چاندی اور ہاتھی دانت کے تحائف پیش کیے۔ لیکن آپ اس موقع پر نہ صرف کشمیری لباس میں ملبوس تھے بلکہ آپ نے کشمیری کانگڑی بطور تحفہ پیش کی جو کشمیری صنعت وحرفت کے اعلیٰ نمونہ پر تیار کرائی گئی تھی۔ ستر سال کی عمر میں آپ موضع کلم میں وفات پا گئے۔ ان کے فرزند کلاں پنڈت نرائن کول پہلے نائب تحصیلدار رہے۔ رفتہ رفتہ نائب وزیر ہو گئے۔ سرکار دربار میں بڑی عزت تھی اور اپنے والد کی جگہ دربار میں کرسی نشین تھے۔ پچاس سال کی عمر ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کے بھائی پنڈت انند کول ذیلداری کا کام کرتے تھے۔ عالی

خاندان ہونے کے باوجود نہایت بااخلاق اور وسیع القلب تھے۔ مہاراجہ پرتاب سنگھ آپ پر خاص طور پر مہربان تھے۔ آپ کے فرزندوں کی زنار بندی کی تقریب پر سرکار نے اپنے خاص آدمی کے ذریعہ مبارک باد سے عزت افزائی فرمائی اور کچھ زرنقد بھی عطا کیا۔ گھوڑے کی سواری میں ماہر تھے۔ بلکہ پورے شاہ سوار تھے۔ خط نستعلیق نہایت اچھا تھا اور فارسی زبان پر خاصہ عبور تھا۔ عمر فانی کی چون (۵۴) منزلیں طے کر اس جہاں سے رخصت ہو گئے۔

پنڈت انند کول کے فرزند کلاں پنڈت دینا ناتھ کول ہائی سکول کی تعلیم کے بعد نائب تحصیلداری کے منظور شدہ امیدوار رہے۔ اس دوران میں سٹیٹ بوٹ ڈیپارٹمنٹ میں بوٹ افسر اور بعدازاں انسپکٹر کاہ چرائی پھر سپیشل نائب تحصیلداری اور آخر میں وزارت کی ریڈرشپ کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ والد کی وفات کی وجہ سے مستعفی ہوکر چلے آئے اور موروثی ذیلداری اور نمبرداری اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ آپ اس وقت پنچایت کلم کے سرپنچ ہی نہیں ہیں بلکہ مقامی کواپریٹو سوسائٹی کے پریذیڈنٹ، سنٹرل کوآپریٹو بنک اننت ناگ کے ڈائریکٹر اور ایگری کلچرز بورڈ اینڈ فروٹ پلانٹیشن کمیٹی کے ممبر بھی ہیں۔ ۱۹۴۱ء کے ایام گرما میں کشمیر میں جو سیلاب عظیم آیا تھا اور اس موقع پر مصیبت زدگان سیلاب کی امداد کے لیے مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے فلڈ ریلیف کے نام سے جو کمیٹی بنائی تھی۔ اس میں آپ بھی ایک ممبر کی حیثیت سے شامل تھے۔ آپ نے باپ کی بے وقت وفات کے باوجود اپنے طرز عمل سے آباؤ اجداد کا نام روشن کیا اور اس وقت کشمیر کے زمینداروں میں نہایت اعلیٰ پوزیشن رکھتے ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائیوں میں پنڈت شیوجی کول میٹرک کی تعلیم کے بعد گھر کے کاروبار میں مصروف ہیں۔ پنڈت ستیہ لال کول ایل ایل بی (وکالت) کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور سب سے چھوٹے پنڈت گوپی ناتھ زیر تعلیم ہیں۔ پنڈت دینا ناتھ کول کے فرزند کلاں پنڈت نرنجن ناتھ کول بی اے پاس کر چکے ہیں۔ باقی تینوں لڑکے ابھی زیر تعلیم ہیں۔

پنڈت شنکر کول کے باقی فرزندوں میں پنڈت ایشر کول گرداور قانونگو رہے ہیں۔ پچاس سال کی عمر میں دو فرزند چھوڑ کر انتقال کر گئے۔ وہ دونوں فرزند موضع کلم میں آباد اور خوش گزران ہیں۔

پنڈت زنہ کول نائب تحصیلداری کی اوپر کی منازل طے کر کے وزارت تک پہنچے تھے کہ بہ عمر پچاس سال راہی ملک بقا ہو گئے۔ ان کے فرزند اول بلہ کول پولیس کی سب انسپکٹری سے

ریٹائرڈ ہو گئے اور فرزند سوم پچھمن کول محکمہ ملبری کی اسسٹنٹی سے پنشن پر آ گئے۔

پنڈت بلہ کول فرزند پنڈت زنہ کول کے بھی دو فرزند ہیں۔ ایک پنڈت مہیشر ناتھ کول بی اے جو اس وقت صوبہ کشمیر میں نائب تحصیلدار ہیں۔ دوسرے پنڈت کاشی ناتھ کول کلرک دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل، پنڈت کرشنا کول کی اولاد کلم ہی میں مقیم ہے اور زمیندارہ کاروبار میں مصروف ہے۔ پنڈت ریشہ کول فرزند پنڈت شنکر کول کے چوتھے فرزند پنڈت پرشاد کول نائب تحصیلدار رہ چکے ہیں۔ آپ کے فرزند اول پنڈت سونہ کول انسپکٹر پولیس ہو کر ریٹائر ہوئے۔ آپ کے بھائی پنڈت ودہ لال بھی پولیس میں سب انسپکٹر رہے ہیں۔ چند سال ہوئے آپ کا انتقال ہو چکا ہے۔

پنڈت سونہ کول کے صاحبزادہ کا نام پنڈت جیالال کول کلم ہے۔ پنڈت جیالال کول بی اے، ایل ایل بی، ہائی کورٹ جموں و کشمیر کے ایڈووکیٹ ہیں۔ جب آپ پرجاسبھا (اسمبلی) کے ممبر تھے۔ تو آپ کی دھواں دھار تقریروں سے ایوان اسمبلی گونج اٹھتا تھا۔ میرزا افضل بیگ ایم اے، ایل ایل بی ایڈووکیٹ ممبر اسمبلی کشمیر کے ممتاز مقرروں میں ہیں۔ ان دونوں کے متعلق یہ شعر مشہور ہے:

جوش تقریر تو کشمیر میں افضل کو ملا
اور تحریر کی قوت قلم کلم میں ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کلم ابوالقلم بھی اور ابوالکلام بھی۔ انگریزی اور اردو میں ان کی تحریر بڑی زبردست ہے۔ ریاست کے قانون پیشہ اصحاب میں امتیاز خاص رکھتے ہیں اور بار روم کے صدر ہیں۔ علم تاریخ سے ان کو خاص دلچسپی ہے۔

سر گوپال سوامی آئنگر پرائم منسٹر کے زمانہ میں جب نیشنل کانفرنس کے بعض ارکان کی گرفتاریاں شروع ہوئی تھیں تو ان کو بھی قید و بند کے مصائب برداشت کرنے پڑے تھے۔

خاندان میرزایان کشمیر:

ان کے حالات صفحات سابقہ میں درج ہو چکے ہیں۔ ان میں بزرگ خاندان خان صاحب میرزا غلام مصطفیٰ صاحب کے متعلق درج ہے کہ وہ بقید حیات ہیں۔ افسوس ہے خان صاحب موصوف چند روزہ علالت کے بعد ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۶ اپریل ۱۹۴۳ء کو پچانوے سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔

میرزا صاحب غلام مصطفیٰ
وقف بہر خلق تھی جن کی سرشت
چل بسے اس عالمِ فانی سے آج
عمر پختہ کی بھی نکلی خام خشت
جستجو کردم چو بہر سال وصل
ہاتفے گفتا قیامش در بہشت
۱۳۹۲ھ

خاندان میر واعظان کشمیر

شاخ اول۔ میر واعظان کشمیر (جامع سکندری)

مولوی صدیق اللہ
اخوند مولوی عبدالسلام
(اولاد: حافظ عبدالرسول عرف لسہ بابا، ولی اللہ، رحیم شاہ، عبداللہ شاہ، بنہ شاہ)
ان چاروں کا ذکر شاخ دوم ہمدانیہ میں ہے

حافظ عبدالرسول عرف لسہ بابا
حاجی محمد یحییٰ میر واعظ
(اولاد: میر واعظ مولانا رسول شاہ، حافظ حاجی واعظ غلام محی الدین — وفات ۴ ذیقعد ۱۳۰۹ھ، مولانا احمد اللہ میر واعظ، مولانا محمد عتیق اللہ)

مولانا احمد اللہ میر واعظ
(اولاد: حبیب اللہ، حفیظ اللہ)
حبیب اللہ — محمد اشرف
حفیظ اللہ — (اولاد: بشیر احمد، مشتاق احمد)

مولانا محمد عتیق اللہ
(اولاد: محمد امین، غلام رسول، نورالدین)
محمد امین — (اولاد: علی جان، نذیر احمد)
نورالدین — عبدالرشید

میر واعظ مولانا رسول شاہ
(اولاد: مولوی حسن شاہ، مولانا یوسف شاہ میر واعظ، یحییٰ شاہ، محمد شاہ، دختر، دختر)
مولوی حسن شاہ — اہلحدیث، وفات ۱۳۵۲ھ
مولانا یوسف شاہ میر واعظ — محمد احمد، ولادت ۱۳۴۵ھ
یحییٰ شاہ — ولادت ۱۳۲۱ھ، ملازم محکمہ سر — (اولاد: محمد یٰسین، محمد شفیع)
محمد شاہ — ملازم محکمہ انکم ٹیکس — غلام مصطفےٰ
دختر — منکوحہ مولوی محمد شاہ مفتی سعادت مورخ کشمیر
دختر — منکوحہ مولوی محمد قوام الدین مفتی اعظم کشمیر

میر واعظان کشمیر کے اسلاف میں سب سے پہلا نام تاریخ میں مولوی صدیق اللہ کا آتا ہے جو افغان حکومت کے زمانہ میں قصبہ ترال سے آکر سری نگر میں آباد ہوئے۔ ترال کی وجہ تسمیہ کے متعلق ''صاحب سرالواعظین'' لکھتے ہیں کہ اس علاقہ کو جہاں آج ترال آباد ہے۔ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی نے سلطان وقت سے تین لعل کے عوض حاصل کیا۔ اور اس میں اپنے ہمراہیوں کو جن میں سادات اور علماء وفضلاء تھے آباد کیا۔ تین لعل کے غلط استعمال کی وجہ سے اس مقام کا نام ترال مشہور ہوگیا۔ مولوی صدیق اللہ بھی انہی اسلاف کی اولاد سے ہیں۔ جو ابتدا میں یہاں آباد ہوئے تھے۔ اپنے آبائی پیشہ (اشاعت وتبلیغ احکام اسلام) کے علاوہ آپ نے طالبان علم دینی کے لیے ایک مکتب بھی جاری کیا۔ اس لیے اخوند کے نام سے بھی آپ مشہور تھے۔ حضرت سید غلام شاہ آزاد خانیاری آپ کے بڑے قدردان اور محبّ تھے۔ وہ آپ کو صدیق بائیو (صدیق بھائی) کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ آپ کے فرزند اخوند عبدالسلام بھی اپنے والدمحترم کی طرح درس تدریس کا کام کرتے رہے۔ لیکن اس خاندان کے عروج دینی و دنیوی کا زمانہ اخوند عبدالسلام کے فرزند اول حافظ عبدالرسول عرف اخوند بابا سے شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱ محرم ۱۲۶۱ھ کو بہ عمر تریسٹھ سال وفات پاگئے۔ چونکہ مسلمانوں میں بہت سی بدعتیں پھیل گئی تھیں اور اکثر مسلمان غیر مسلموں کی طرح ننھے بچوں کی سروں پر چوٹیاں رکھا کرتے اور ایک خاص دن پر ان چوٹیوں کا مونڈن دھوم دھام سے کیا کرتے تھے۔ آپ کے موعظ حسنہ سے اس رسم کا قلع قمع ہوگیا۔ آپ ہی نے سب سے پہلے اپنے خاندان میں طرز واعظ خوانی میں اصلاح وجدت پیدا کی ہے۔ جس کا مفصل ذکر سرالواعظین میں موجود ہے۔ آپ عربی فارسی زبانوں کے عالم اجل تھے اور سخن فہمی وسخن شناسی بلکہ سخن گوئی سے بھی بہرہ ور تھے۔ آپ سے ذیل کے چند اشعار یادگار ہیں:

عقل در ذات تو حیران شدہ سبحان اللہ

علم در کیفر تو ناداں شدہ سبحان اللہ

بہر سر تافتن از سجدۂ آدم ابلیس

باچناں طاعتے شیطاں شدہ سبحان اللہ

ازپکے خواستن نوح نبی جملہ جہاں

قاف تا قاف بہ طوفاں شدہ سبحان اللہ

چوں دزیدہ زنسیم تو شمیمے بہ خلیل

نارنمرود گلستاں شدہ سبحان اللہ

رفت و سیر دو جہاں کردہ ددیدہ ہمہ را

آمدہ بازیکے آں شدہ سبحان اللہ

مولوی محمد یحییٰ جو حافظ کلام اللہ اور حاجی الحرمین بھی تھے آپ کے اکلوتے فرزند تھے۔ ابھی نابالغ ہی تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے۔ حضرت شیخ احمد تارہ بلی محبت دینی کی وجہ سے آپ کی سرپرستی فرماتے تھے۔ نو برس کی چھوٹی سی عمر میں آپ نے سب سے پہلا وعظ بیان کیا تو لوگ حیران رہ گئے۔ مسجد جامع سکندری میں ہر جمعہ کو آپ اٹھتالیس سال تک وعظ بیان فرماتے رہے۔ علاوہ ازیں اپنے گھر کے دیوان خانہ میں مختلف علوم کے طالب علموں کے لیے آپ نے حلقہ درس جاری کر رکھا تھا۔ عربی فارسی اور کشمیری میں آپ کئی مذہبی کتب کے مصنف بھی تھے۔ کشمیر کے نامور شاعر خواجہ امیر الدین امیر کپرہ برادر کلاں میاں حسام الدین اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس پنشنر اور مولوی محی الدین سرائے بلی مصنف تاریخ کبیر کشمیر اور کئی نامور بزرگ آپ کے تلامذہ تھے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ عیدین کے موقع پر اکثر علمائے اسلامیہ کو حسب مراتب جوڑہ شال، چوغہ اور فرد پشمینہ وغیرہ بطور خلعت عطا کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے اپنے خاندان میں آپ ہی کو ایک قیمتی جوڑہ شال ہر عید پر ملنا شروع ہوا۔ ۱۳۰۷ھ میں آپ نے حج کیا۔ ۱۴ صفر کو واپس آئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بعمر ستاون سال ۲۴ رمضان ۱۳۰۸ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ ''بہ نشست رسول دغاست یحییٰ'' اور ''جنید ثانی رفت'' سے آپ کا سال وفات نکلتا ہے۔ سرکاری اور پبلک طور پر کشمیر کے سب سے پہلے میر واعظ آپ ہی قرار پائے۔ آپ کے فرزند اول مولانا میر مواعظ رسول شاہ سات برس ہی کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل تھے۔ آپ کے اسلافؒ ہمیشہ سری نگر ہی کے مختلف حصوں میں وعظ خوانی کیا کرتے تھے۔ لیکن آپ اسلام آباد، شوپیاں، بج بہارہ، بارہ مولا اور سوپور کے علاوہ ان کے ملحقہ دیہات میں بھی وعظ فرمایا کرتے۔ مولوی حکیم عبدالغنی اسلام آبادی آپ کے تلامذہ میں تھے جنہوں نے اسلام آباد میں اسلامیہ مڈل سکول جاری کیا۔ جو آپ کے فرزند رشید حکیم حافظ مولوی

غلام محمد سیکرٹری کے زمانہ میں ہائی سکول تک ترقی کر چکا ہے۔

آپ کے والد کی وفات پر مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اظہار افسوس کا پیغام بھیجنے کے علاوہ آپ کو میر واعظ کا خطاب بھی عطا فرمایا۔ چونکہ آپ تبلیغ امر معروف و نہی منکر میں کوئی لگی لپٹی نہ رکھتے تھے۔آپ نے یہ سوچ کر کہ جب تک ملک میں جہالت اور بے علمی ہے کسی صاحب علم کی کوئی پیش نہیں جاسکتی۔ ۱۳۱۷ھ میں ایک پرائمری سکول کی بنیاد ڈالی جو تھوڑے عرصہ کے بعد مڈل ہوگیا اور پھر اس کو باضابطہ چلانے کے لیے سری نگر اور پنجاب کے چند دردمند اصحاب کے مشورہ سے انجمن نصرت الاسلام کی بنیاد رکھی۔ ۱۳۲۵ھ میں یہ سکول ہائی سکول کے درجہ تک پہنچ گیا اور اب اس کے ساتھ ایک مدرسہ عربیہ دینیہ بھی شامل ہے۔

مہاراجہ سر پرتاب سنگھ اور منسٹران ریاست کے علاوہ آنریبل ریذیڈنٹ صاحبان بھی آپ کی قدر و منزلت فرمایا کرتے تھے۔ آپ فی الواقعہ ایک جادو بیان واعظ اور مقرر تھے۔آپ کو بجا طور پر کشمیر کے مسلمان سرسید کشمیر کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے بے علمی اور جہالت کا قلع قمع کرنے کے لیے سب سے پہلے اشاعت علم کا نسخہ تجویز کیا۔ آپ چند روزہ علالت کے بعد ۱۱ رجب ۱۳۲۷ھ کو جمعہ کے دن وفات پا گئے۔تیس چالیس ہزار آدمی جنازہ میں شامل تھے۔ مہاراجہ سر پرتاب سنگھ نے گورنر کشمیر کے ذریعہ ہمدردی کا تار ارسال کرنے کے علاوہ تابوت پر ڈالنے کے لیے ایک قیمتی جوڑہ شال بھی ارسال کیا۔آپ کی وفات پر خود بخود تمام شہر میں ہڑتال ہوگئی بلکہ مسلمانوں کو سرکاری طور پر چھٹی دے دی گئی۔آپ کی وفات پر کشمیری، فارسی، عربی اور اردو زبان میں بے شمار نوحے لکھے گئے۔آپ کے بعد سرکاری اور پبلک طور پر آپ کے برادر مولانا احمد اللہ میر واعظ قرار پائے۔آپ کی دستار بندی پر مہاراجہ بہادر کی طرف سے پیرزادہ محمد حسین خان عارف ایم اے جج ہائیکورٹ، خان صاحب میرزا غلام مصطفیٰ اسسٹنٹ گورنر، پنڈت سورج کاک مہتمم خزانہ تشریف لائے تھے جنہوں نے ایک قیمتی جوڑہ شال بطور دستار بندی سرکار کی طرف سے آپ کو پیش کیا۔

مولانا احمد اللہ میر واعظ نہایت خاموش طبیعت تھے۔ ۱۲۸۴ھ آپ کا سال پیدائش ہے۔ ۱۳۴۹ میں واصل بحق ہوگئے۔ اپنے اسلاف کی طرح وعظ خوانی ان کا کام تھا۔ انجمن نصرت

الاسلام کے پریذیڈنٹ تھے۔اور اشاعت علم ہی کو دشمن جہالت تصور کرتے تھے۔آپ کی وفات پر آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عتیق اللہ * جو انجمن نصرت الاسلام کے مستعد اور جواں ہمت سیکرٹری تھے اور نہایت اچھے واعظ اور مقرر تھے۔میر واعظ قرار پائے۔لیکن آپ چونکہ عرصہ سے بیمار چلے آتے ہیں۔اس لیے آپ نے مولانا محمد یوسف شاہ کو جو فاضل دیوبند تھے اپنا قائم مقام مقرر کیا۔مولانا محمد یوسف رسول شاہ مرحوم کے فرزند دوم ہیں۔باپ کی وفات کے وقت آپ بارہ تیرہ سال کے تھے اور اس عمر میں حافظ قرآن تھے۔دیوبند میں آپ نے مولانا محمد انور شاہ لولابی کاشمیری سے علوم دینیہ حاصل کیے۔واپس کشمیر آئے تو میر واعظ کا عہدہ ملا اور ابھی کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۱۹۳۱ء کی تحریک حریت کشمیر نے سیاسی انقلاب پیدا کر دیا جس نے جماعت احمدیہ قادیاں مسلمانان جموں، رہنمایان کشمیر، مجلس احرار الاسلام اور مسلمانان پنجاب کی تائید وحمایت سے ایک سیلاب عظیم کی صورت اختیار کر لی۔

۲۔شاخ دوم میر واعظان ہمدانیہ

تاریخ کبیر کشمیر میں واعظ صدیق اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ "جدالجدش ہمرکاب حضرت میر محمد ہمدانی دریں دیار فرمودہ" ** پھر لکھا ہے کہ "راقم السطور تذکرہ ایشاں از زبان صادق القول ادستادنا واعظ محمد یحییٰ کی از احفاد صاحب ممدوح است شنید۔" اس شاخ کے ابتدائی حالات میر واعظان کشمیر کی شاخ اول میں لکھے جا چکے ہیں۔واعظ عبدالسلام اول کے فرزندوں میں مولانا نبہ شاہ کی اولاد میں کئی میر واعظ نکلے۔مولانا نبہ شاہ کے فرزند ثالث مولانا عبدالسلام ثانی حضرت احمد صاحب تارہ بلی اور حضرت احمد کا نہامی کے ہمعصروں میں تھے۔بڑے جید عالم اور سحر البیان تھے۔بزمانہ مہاراجہ رنبیر سنگھ سری نگر میں سنی شیعہ کا جو ہنگامہ ہوا۔اس میں آپ بھی

* آپ کے فرزند اول مولوی محمد امین ۱۹۳۲ء میں اخبار اسلام کے ایڈیٹر رہے یہ اخبار چند سال کے بعد بند ہو گیا آپ دو تین سال سے انجمن نصرت الاسلام کے جائنٹ سیکرٹری ہیں اور مسلم کانفرنس کے رکن رہے ہیں فرزند ثالث مولوی نورالدین مدرسہ دینیہ عربیہ میں وائس پرنسپل ہیں۔

** مولانا محمد عتیق اللہ نے بھی جو حاجی واعظ مولوی محمد یحییٰ کے فرزند ہیں اپنی کتاب سرالواعظین میں اس امر کی تصدیق کی ہے کہ ان کے بزرگ حضرت سیدالسادات میر محمد ہمدانی کی معیت میں کشمیر میں وارد ہوئے تھے۔

کچھ عرصہ کے لیے جلاوطن کر دیئے گئے۔ فتنہ فرد ہونے کی بعد آپ کشمیر آئے جہاں ۲۸ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ کو فوت ہو گئے۔ مولانا محمد حسن شعری کاشمیری نے دخل الخلد (۱۳۰۰ھ) آپ کا سال وفات نکالا ہے۔

۲۔ شاخ دوم۔ میر واعظان ہمدانیہ

واعظ مولوی صدیق اللہ

واعظ عبدالسلام اول

- حافظ عبدالرسول عرف لسہ بابا — ان کی ذریات کا ذکر شاخ اول میں ہو چکا ہے
- ولی اللہ
  - حبیب اللہ
  - غنی شاہ
  - علی شاہ
  - ان تینوں کی اولاد سرینگر میں موجود ہے
- رحیم شاہ
  - خالق شاہ
- عبداللہ شاہ
  - احد شاہ — ان کی ذریات موضع کرالہ واری میں ہے
- بنہ شاہ
  - احمد شاہ
  - محمد شاہ
  - حافظ عبدالسلام ثانی
    - غلام جیلانی عرف غلام شاہ
      - محمد سعید شاہ
        - پیر عبدالسلام ہمدانی مرتسری
          - محمد طیب شاہ پیدائش ۱۳۳۹ھ
          - محمد ذاکر شاہ پیدائش ۱۳۴۰ھ
          - محمد طاہر شاہ پیدائش ۱۳۴۲ھ
        - محمد امین
        - عبدالعزیز
      - مولانا احمد اللہ میر واعظ ہمدانی متوفی ۱۳۵۷ھ
        - مولانا غلام نبی میر واعظ
          - غلام علی ہمدانی
        - مولوی شریف الدین — منیجر خانقاہ معلی ہائی سکول
    - نور شاہ پانپوری
      - محمد شاہ میر واعظ پانپور وفات ۱۳۵۹ھ
        - محمد یسین طالب علم مدرسہ دینیہ عربیہ
    - محی الدین شاہ میر واعظ — اسلام آباد بانی حنفیہ ہائی سکول
      - یاسین شاہ
        - عبدالسلام
    - حاجی حافظ عبدالغنی شاہ
      - دختر
  - مبارک شاہ
    - حسن شاہ
      - مولوی غلام نبی میر واعظ اہلحدیث
  - دختر

کشمیر میں فرقہ اہل حدیث کے تین پیشوا یا واعظ ہیں۔ان میں ایک مولانا نبہ شاہ کے فرزند مولانا مبارک شاہ کے بیٹے مولوی حسن شاہ تھے اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین اور فرزند مولوی غلام نبی ہیں۔دوسرے فریق کے واعظ اور رہنما مولوی محمد انور سکنہ شوپیاں تھے۔اب ان کے فرزند مولوی عبدالغنی ان کے جانشین ہیں۔تیسرے فریق کے امام مولوی غلام نبی ہیں۔جو نیشنل ہائی سکول بوہری کدل میں ملازم بھی ہیں اور جمعہ کے دن مسجد بوہری کدل میں وعظ خوانی بھی کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ان سب میں مولوی حسن شاہ فرقہ اہل حدیث کے مسلمہ میر واعظ تھے۔
حافظ مولوی عبدالسلام ثانی کے تیسرے فرزند مولوی غلام جیلانی عرف غلام شاہ کے زمانہ میں بلکہ اس سے کچھ عرصہ پیشتر ہی وعظ خوانی ایک پیشہ قرار پا چکا تھا۔اور اس نے گزارہ معاش کی صورت پیدا کرلی تھی۔یعنی واعظ مسلمانوں کو خدا اور رسول کے احکام سناتے تھے اور مسلمان ان کی مالی خدمت کرتے تھے۔ان ایام میں مسلم باشندگان سری نگر دو میر واعظوں کے ماتحت دو فریق ہو گئے تھے۔ایک فریق حافظ عبدالرسول عرف لسہ بابا کی اولاد کا ارادت مند تھا۔دوسرا فریق مولوی غلام شاہ کو اپنا پیشوا سمجھتا تھا۔خانقاہی پارٹی جو شاہ ہمدان یعنی حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کے عقیدت مندوں میں ہے۔مولوی غلام شاہ کی طرف دار تھی اور دیگر مسلمانوں کا رخ دوسرے فریق کی طرف تھا۔ان کے فرزند مولانا محمد سعید شاہ ہمدانی، ہمدانی پارٹی کے میر واعظ قرار پائے۔لیکن آپ چونکہ درویش طبع اور صوفی منش سیلانی بزرگ تھے۔آپؒ اپنے بھائی مولانا احمد اللہ کو میر واعظ ہمدانی کا عہدہ دے کر سیر و سیاحت میں مصروف رہتے۔پنجاب میں آپ نے حضرت سید حیدر شاہ جلالپور کیکناں سے فیض حاصل کیا۔۱۴ شوال ۱۳۵۹ھ کو سری نگر میں انتقال فرما گئے۔مولانا احمد اللہ میر واعظ ہمدانی خالی واعظ ہی نہیں تھے۔وہ ''وقت آں نیست کہ در خانہ نشینی بیکار'' کے قائل تھے۔انہوں نے تحریک حریت کشمیر میں بڑی دلسوزی سے حصہ لیا۔ان کو حکومت نے گرمیوں کے تپتے ہوئے ایام میں کشمیر سے جلاوطن کر دیا تھا۔وہ واقعی شہید ملت تھے اور حقوق و مطالبات کے

آزادانہ اظہار اور اعلائے کلمۃ الحق میں کسی کی پروانہ کرتے تھے وہ صرف ہنگامہ خیزی اور شور
ہی کو ملکی قومی اور اسلامی خدمت تصور نہ کرتے تھے بلکہ وہ ٹھوس اور پائیدار اور دیرپا کام کرنا پ
کرتے تھے۔ وہ تعلیم کو کشمیر کی غلامی اور کشمیر کی جہالت کا تیر بہدف علاج سمجھتے تھے۔ انہوں
خانقاہ معلیٰ (شاہ ہمدان) میں ایک مڈل سکول جاری کیا جواب ہائی سکول کی صورت میں ان
بہترین تعلیمی یادگار ہے۔ ان کے دونوں فرزند مولانا غلام نبی میر واعظ ہمدانی مولوی شر
الدین گونیشنل کانفرنس میں شامل ہیں لیکن اپنے سکول کی فلاح وترقی سے غافل نہیں ہیں۔
اپنے محترم والد کی طرح اشاعت علم ہی کو کشمیر کی بیداری کا سب سے بڑا ذریعہ تصور کر رہے ہ
امرتسر کے پیر عبدالسلام ہمدانی امرتسری جو مولوی محمد سعید شاہ ہمدانی کے فرزند ہیں۔ آپ کے
برادرزادہ ہیں۔ پیر عبدالسلام ۱۳۱۰ھ میں بمقام سری نگر میں پیدا ہوئے تھے۔ قطعہ تولید
میں درج ہے۔

جذا نیکو نسب عالی مقام
آئینے تاباں ز صلحائے کرام
درنکو ساعت سعید روز گار
روئے چوں بہ نمودہ باصد احتشام
ہاتفے گفتاز سال مولدش
مخزن انوار حق عبدالسلام

آپ نے ابتدائی دینی تعلیم سری نگر میں حاصل کی لیکن سن رشد کے بعد آپ حا
پیر عبدالغنی ہمدانی امرتسری کے خانہ داماد ہونے کی وجہ سے امرتسر آ گئے۔ یہاں آ کر آپ
مفتی عبدالصمد خان مرحوم سے کتب درسیہ اور لاہور کے نامور حکیم مفتی محمد سلیم اللہ خان ا
کے حکیم مرید احمد سے باضابطہ کتب کے نصاب کو تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۹۱۹ء میں آپ ن

تحریکات میں شامل ہو گئے۔ اس زمانہ میں خلافت کا بڑا زور تھا۔ آپ کی پہلی گرفتاری خلافت کے پلیٹ فارم ہی سے وقوع میں آئی۔ تحریک حریت کشمیر میں بھی آپ مجلس احرار ہند کا دایاں بازو تھے۔ اس سلسلہ میں قید و بند کے مصائب بھی جھیلتے رہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ ہی نے ضلع امرتسر میں سیرت النبی کی مبارک تقریب کی داغ بیل ڈالی تھی۔ موجودہ وقت میں آپ مجلس احرار امرتسر، انجمن میلاد النبی امرتسر اور انجمن ترقی علوم کے صدر ہیں۔ آپ کے دونوں برادران سری نگر میں رہتے ہیں۔ ان میں مولانا محمد امین اپنے والد مرحوم کے قائم مقام ہیں اور عبدالعزیز مدرسہ دینیہ عربیہ ملحقہ نصرت الاسلام سری نگر میں زیر تعلیم ہیں۔ آپ کے تینوں فرزند مذہبی علوم اور تعلیم مروجہ سے بہرہ ور ہیں۔ کشمیر کے علاوہ پنجاب کے مختلف مقامات میں آپ کے ارادت مندوں کی بھی کافی تعداد ہے۔

حاجی حافظ عبدالغنی ہمدانی جو مولانا غلام شاہ کے بھائی تھے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے پیر محمد عبدالسلام ہمدانی امرتسری خلف مولانا محمد سعید شاہ کے خسر تھے۔ اور امرتسر کے میر واعظ اور عالم باعمل بزرگ تھے۔ حرمین الشریفین کے علاوہ آپ نے بغداد، بیت المقدس، شام، کربلا، نجف، مصر و بیروت کی بھی سیر کی تھی اور جیسا کہ پیر محمد عبدالسلام سے معلوم ہوا ہے ان ممالک کے متعلق آپ کا سیاحت نامہ بھی بزبان فارسی غیر مطبوعہ موجود ہے۔ ۱۳۲۸ھ میں آپ بمقام امرتسر وفات پا گئے۔ اکثر اصحاب کے علاوہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے عربی زبان میں آپ کی وفات پر قطعہ تاریخ لکھا۔

کشمیر میں اس وقت مسلمانوں کے دو بڑے مذہبی پیشوا ہیں اور اس لیے وہ دو بڑے گروہوں میں منقسم ہیں۔ یہ دونوں مذہبی پیشوا ایک ہی نسل اور ایک ہی خون سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اختلافات واعتقادات اور سیاسی اختلافات نے دونوں میں ایک گہری خلیج حائل کر رکھی ہے۔ مولانا محمد یوسف شاہ میر واعظ جن کا عمل دخل جامع سکندری میں ہے جو ہر جمعہ کے دن وہاں وعظ فرمایا کرتے ہیں۔ ایک پارٹی کے مذہبی رہنما ہیں۔ آپ اپنی جماعت سمیت مسلم کانفرنس کے حامی

ہیں۔اور مولانا غلام نبی ہمدانی جن کا عمل دخل خانقاہ معلیٰ یعنی زیارت شاہ ہمدان میں ہے۔دوسر
پارٹی کے امام ہیں اور آپ شیخ محمد عبداللہ کی نیشنل کانفرنس کے مددگار رہیں۔

خاندان القرشی الگذریالی

(۳۷۰ مساجد کے بانی شیخ الاسلام مجاہد اعظم شاہ عبداللہ غازی)

شاہ عبداللہ غازی کا کچھ اجمالی ذکر اسی کتاب کے سابقہ صفحات میں ہو چکا ہے۔اکبر
عہد حکومت میں سید یوسف خان رضوی مشہدی ۹۹۵ھ بمطابق ۱۵۸۷ء تا ۹۹۹ھ بمطابق ۱۵۹۰
تک کشمیر کا گورنر رہا ہے۔اس کے ساتھ جو جماعت کشمیر میں آئی۔اس میں شاہ نورالدین بھی تھے
جن کو خاندان القرشی الگذریالی کے قدیم منظوم شجرہ میں استاد الکل لکھا گیا ہے۔چونکہ شاہ نورالد
حضرت غازی شاہ مدہ بابا اولیا (مدفن جلال آباد کابل) کے چشم و چراغ تھے۔اس لیے بادشاہ اور
کشمیر کے دربار میں ان کی خاص عزت تھی چونکہ سید یوسف خان کا زمانہ کشمیر میں امن و امان کا ز
گزرا ہے۔اس لیے شاہ نورالدین کو علوم کی ترویج و تدریس کا کافی موقعہ ملا۔ناظم کشمیر نے ان کو
لاریال علاقہ اور ضلع اسلام آباد میں جاگیر بھی عطا کی۔شاہ غازی * عبداللہ شاہ مدہ بابا کی پانچو
اور شاہ عبیداللہ عرف ابا صاحب ** کی چھٹی اور شاہ نورالدین کی چوتھی پشت میں تھے۔

---

* شاہ عبیداللہ عرف ابا صاحب کے فرزند شاہ مدہ بابا ان کے شاہ نورالدین اور ان کے شاہ ابراہیم ان کے شاہ
اور ان کے شاہ غازی عبداللہ۔

** شاہ عبیداللہ اس خاندان کی روایات کے مطابق ایک ولی کامل سید صاحب کے داماد تھے۔شاہ عبیداللہ کا سلسلہ
قرشی عرب سردار ملتا ہے۔جو بعد فتح ایران ایک عرب مجاہدین کے قاتلانہ کی قیادت کرتے ہوئے وارد
ہوئے تھے۔

شجرہ نسب خاندان القرشی الگندریالی

- شاہ حسینؒ
  - شاہ محمد یوسف
    - شاہ محمد موسیٰ
    - ۲۔ حضرت شاہ عبدالسلام جاگیردار
      - شاہ ابراہیم — ان کی اولاد کرناہ میں ہے
      - شاہ مجنوں
      - شاہ قدرس
      - شاہ غوث الدین
      - شاہ نجم الدین
      - صدیق شاہ
      - شاہ مخدوم
        - (ان چھ بھائیوں کی اولاد علاقہ کرناہ میں آباد ہے)
      - شاہ بہاؤالدین جاگیردار عرف پیر بابا تاج
        - شاہ حسین
        - شاہ رسول پیر گندریائی جاگیردار
          - عبداللہ شاہ
            - شاہ ضیاء الدین
              - شاہ عبدالسلام (زیر تعلیم)
              - شاہ محمد انور (زیر تعلیم)
          - شاہ رحمت اللہ (ان کے فرزند دونوں صغر سنی میں ان کی زندگی ہی میں انتقال کر گئے)
            - فاضل اجل مولانا محمد عباس شاہ
              - شاہ محمد بہاؤالدین
            - احمد شاہ شاہ (بلا اولاد زیرینہ فوت شد)
          - شاہ محمد صادق
          - شاہ احد اللہ
            - شاہ قطب الدین
            - شاہ غلام حسینؒ
            - غلام محمد شاہ (زیر تعلیم)
  - شاہ عبداللہ غازی گندریائی لاولد
  - شاہ محمد جاگیردار
    - شاہ عالی
      - شاہ احمد ثانی
        - شاہ کاظم لاولد
        - شاہ قائم جاگیردار
          - شاہ محمد فاضل
            - شاہ کمال الدین
              - شاہ احسن
              - شاہ رسول لاولد
              - قاضی رحمان شاہ جاگیردار
                - مقبول شاہ لاولد جاگیردار
                - مختار شاہ لاولد
          - شاہ ہدایت اللہ
        - شاہ دائم
          - شاہ ابراہیم
            - شاہ عبداللہ
              - محمد سلمان شاہ
                - غلام حسین شاہ
                - شاہ مقبول
                - شاہ علاؤالدین
              - قاری شاہ غلام محمد مولوی فاضل سابق میر واعظ تریہہ گام
                - غلام محی الدین شاہ (ملازم)
                - محمد یوسف (زیر تعلیم)
                - بہاؤالدین (زیر تعلیم)
              - مقبول شاہ (لاولد فوت شد)
          - شاہ عاقل
          - شاہ طاہر — ان کی اولاد متصل کابل اور آزاد سرحدی علاقوں میں ہے

نوٹ: چونکہ شاہ حسینؒ کے فرزندوں میں شاہ عبداللہ غازیؒ کا مزار اور دوسرے دو فرزندوں کی اولاد گندریال میں ہے۔ اس لیے باقی اولاد کا ذکر نہیں کیا گیا۔ شاہ عبداللہ غازی نے نکاح ہی نہیں کیا تھا۔ اس لیے ان کی کوئی اولاد بھی نہ تھی

خواجہ محمد اعظم نے اپنی تاریخ اعظمی اور مولوی محی الدین مسکین نے اپنی تاریخ کبیر کشمیر میں شاہ عبداللہ غازی اور ان کے اسلاف کا وطن لاری یار (لاریال) علاقہ اولر ہی لکھا ہے۔ طریقت میں ان کا سلسلہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروری سے ملتا ہے۔ ان کی اولاد میں شاہ عبداللہ غازی نے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ ایک ہمشیرہ کے علاوہ یہ کل آٹھ بھائی تھے۔ ان سب بھائیوں میں جن میں شاہ عبداللہ غازی بھی شامل ہیں۔ صرف تین صاحب اولاد گزرے ہیں۔ جیسا کہ شجرہ ذیل سے معلوم ہوگا۔

شاہ حسین

شاہ عبداللہ غازی	محمد احمد شاہ	شاہ محمد یوسف	شاہ محمد وحید	شاہ محمد طاہر	شاہ محمد باقر	شاہ محمد داؤد	شاہ عبدالرحیم
			لاولد	لاولد	لاولد	لاولد	لاولد

یہ سب بھائی اپنے وقت میں مرجع الخلائق اور رہنمائے کامل تھے۔ ان کے وجود ذی جود سے صرف خطہ کشمیر ہی میں اسلام نے فروغ نہیں پایا۔ بلکہ علاقہ لارو تبت گریز اور بلتستان تک یہ بزرگ پہنچتے رہے اور جہاں جہاں ان کے قدم جاتے رہے۔ وہاں مسجدیں پل اور غسل خانے وغیرہ تعمیر ہوتے رہے۔ چنانچہ مصنف تاریخ اعظمی صفحہ ۲۰۲ پر عبداللہ غازی کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''مردے درویش وآگاہ وطالب علم ومرتاض وذاکر بود۔ برسنت سینۂ مشائخ خود گرد نواح شہر و قریٰ امر معروف مے نمود بنائے مسجد و پل و غسل خانہ مے فرمود و اظہار مسئلہ وافشائے سنت مے کرد۔ موید دین متین بود۔'' اسی طرح مصنف تاریخ کبیر کشمیر (۲۲۵ صفحہ پر) لکھتے ہیں۔ ''وسہ صد از مریدان ہمرکاب دے مے بودند۔'' جہاں مسجد، غسل خانہ اور پل کی ضرورت ہوتی تھی۔ آپ کے تین سو مرید بلا اجرت کام شروع کر دیتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے کشمیر اور اس کے نواح میں پلوں وغیرہ کے علاوہ تین سو ستر مسجدوں کی بنا رکھی ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ذیل کا شعر بھی شہادت دے رہا ہے۔

اے مسجدان خوب کار ہفتاد و سی صد درشمار
آمد بہ کشمیر و پہاڑ یا شیخ عبداللہ ما

علاقہ لار علاقہ کرناہ اور ضلع مظفر آباد اور علاقہ تبت میں آپ کی بنا کردہ مساجد اب تک کسی نہ کسی حالت میں قائم ہیں۔ مسجد جامع سری نگر کی مرمت میں بھی آپ نے حصہ لیا ہے۔ عالمگیر کے زمانہ میں آپ زندہ تھے بلکہ اس نے مظفر آباد میں آپ کو جاگیر بھی عطا کر رکھی تھی۔

چنانچہ مظفر آباد میں قلعہ کے نزدیک اب بھی ان کے نام پر تکیہ شاہ عبداللہ غازی مشہور ہے۔ جہاں آپ اکثر قیام فرمایا کرتے تھے۔ آپ گیارہویں صدی ہجری میں بزمانہ عالمگیر فوت ہو گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ موضع گذریال تحصیل ہندواڑہ میں حصول فیض روحانیت کا کام دے رہی ہے۔ آپ کے صاحب اولاد بھائیوں میں سے حضرت شاہ داؤد کی اولاد موضع کلن علاقہ لار میں آباد ہے۔ شاہ محمد یوسف کی ذریات کچھ علاقہ کرناہ ضلع مظفر آباد اور اب کچھ گزریال میں موجود ہے۔ آپ کو اپنے برادر حضرت محمد احمد شاہ سے بڑا انس تھا۔ ان کو آپ نے ابتدا ہی سے اپنے پاس گذریال میں رکھا۔ آپ کی زندگی میں آپ کی وفات کے بعد بھی حضرت شاہ محمد احمد اور آپ کے حقیقی برادرزادہ شاہ محمد موسیٰ آپ کے خلیفہ اعظم مانے جاتے تھے۔ آپ کے ارادت مندوں کی تعداد کشمیر کے علاوہ بلتستان تک پھیلی ہوئی تھی۔

حضرت شاہ عبداللہ غازی کو جس طرح اپنے بھائی شاہ محمد احمد سے بے حد پیار تھا۔ اسی طرح ان کے پوتے شاہ عبدالکریم (بن شاہ عالی بن شاہ محمد احمد) پر بھی بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اور بڑی محنت سے انہیں روحانی و علمی تربیت دیا کرتے تھے۔ آپ ہی کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ شاہ عبدالکریم اس بنا پر حصہ مریدان کی تقسیم سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا خدا جانے آئندہ نسلیں اس میں کیا کیا خرابیاں پیدا کریں گی۔ گویا آپ کی دوربین نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ پیری مریدی جو خالق و مخلوق میں رابطہ کا کام دینے کے لیے ہے۔ آئندہ چل کر صرف روٹی کمانے اور جلب منفعت کا ذریعہ بن جائے گی۔ آپ نے اپنے ہاتھ کی کمائی کو ترجیح دی۔ آپ کا یہ ایثار تھوڑی سی بات نہ تھی آپ کے مرشد شاہ عبداللہ غازی نے آپ کو شیخ الشیوخ کے لقب سے سرفراز کیا۔ یہ وہی لقب ہے جو قطب ربانی سید عبدالقادر جیلانی کو آج تک ''شیخ عبدالقادر جیلانی'' کہلوا رہا ہے۔ مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں۔ ''شیخ آں باشد کہ بہ مراد حق قائم بود نہ بہ مراد نفس خود۔ ومقام او مقام مقربان الہ است۔'' کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش لاہور کا بھی یہی ارشاد ہے۔ علاوہ ازیں اولیائے کامل شیخ شہاب الدین سہروردی بھی شیخ ہی کہلاتے ہیں۔ کشمیر کے نامور بزرگ شیخ نورالدین ولی اور شیخ بہاء الدین گنج بخش اور کئی اور صوفیائے کرام شیخ ہی کہلا رہے ہیں۔

شاہ محمد احمد صاحب کمال بلکہ صاحب کشف بزرگ بیان کیے جاتے ہیں:

ہست شاہ احمد آں عالی مقام
در گزریال است مدفوں والسلام

ان کی اولاد بھی خادم ملک وملت گزری ہے۔ شاہ احمد ثانی جو شاہ عبدالکریم کے فرزند تھے۔ جاگیردار ہونے کے علاوہ علوم ظاہری و باطنی سے آگاہ تھے۔ ان کے تین فرزند تھے۔ شاہ کاظم، شاہ قائم، شاہ دائم۔ ان میں اول الذکر لاولد تھے۔ شاہ قائم کے فرزند کلاں شاہ فاضل اپنے زمانہ میں بہت بڑے اہل اللہ تھے۔ دوسرے بیٹے کا نام شاہ ہدایت اللہ تھا۔ شاہ فاضل کے فرزند شاہ کمال الدین مقتدائے زمانہ تھے۔ اور گذریال ہی میں رہتے تھے۔ ان کے تین فرزند حسب ذیل تھے۔ (۱) شاہ احسن۔ جن کے درس تدریس کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اور جن کے چشمہ فیض نے ان کو استاد الکل بنا رکھا تھا۔ (۲) رسول شاہ یہ صوفی منش بزرگ اولاد نرینہ سے محروم تھے۔ (۳) قاضی رحمان شاہ جن کی ہستی ان کے فرایض دینیہ اور ان کے علم وفضل کے لحاظ سے کشمیر اور درادہ میں قابل احترام تھی۔

چونکہ اس خاندان کی جاگیر کچھ خاندانی جھگڑوں اور کچھ شیر سنگھ کے قحط اور کچھ سکھ حکومت کے دستبرد اور کچھ مزارعین کی عدم دیانت سے غیر آباد چلی آتی تھی۔ اس لیے آپ نے ابتدائے عہد حکومت ڈوگرہ میں جموں جا کر از سرنو حکم نامہ حاصل کیا۔ جاگیر کے رقبہ جات گذریال میں تھے اور آپ سلسلہ قضا اور تدریس کی وجہ سے دراوہ کے علاقہ میں بھی سکونت رکھتے تھے۔ اس لیے آپ طائفہ لون چند اور کاشتکاروں کے ذریعے اراضیات کی کاشت کراتے تھے۔ جب قاضی رحمان شاہ کے فرزند مقبول شاہ کو حضرت رسول شاہ (از اولاد شاہ محمد یوسف برادر شاہ عبداللہ غازی) نے خانہ داماد بنالیا۔ تو گذریال کا تمام رقبہ جو جاگیر میں تھا۔ حضرت رسول شاہ ہی کے سپرد ہو گیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی قاضی رحمان شاہ درادہ میں اور ان کے نوجوان فرزند مقبول شاہ گذریال میں انتقال کر گئے اور یہ رقبہ جاگیر حضرت شاہ رسول کے مشہور صاحب علم فرزند رحمت اللہ شاہ (بلا اولاد نرینہ) کی تحویل میں آ گیا۔ ایک اطلاع کے مطابق کاغذات محافظ خانہ میں اسامیوں کے خانہ میں مقبول شاہ، عبداللہ شاہ (خلف شاہ ابراہیم) رسول شاہ برادر قاضی رحمان شاہ و مسمات جملی بیوہ احمد شاہ ثانی کے نام مساوی حصہ داروں میں درج ہیں اور کاشتکار کے خانہ میں رحمت اللہ شاہ پسر رسول شاہ کا نام ہے۔

عبداللہ شاہ کے تین صاحبزادوں میں مقبول شاہ لاولد فوت ہو چکا ہے۔ دو صاحب

حیات ہیں۔ایک سلیمان شاہ جوخداپرست اور خدام الصوفیا اور محبّ الفقراء اور معاملہ فہم ہیں۔ان کے حسب ذیل تین فرزند ہیں۔غلام حسین، علاؤالدین، مقبول تینوں زیر تعلیم ہیں۔دوسرے مولوی قاری غلام محمد مولوی فاضل ۔جن کے تین فرزندوں میں محمد یوسف اور بہاء الدین زیر تعلیم ہیں۔ اور فرزند اول غلام محی الدین لاہور میں میٹرک تک تعلیم یافتہ ہے۔آپ نے اپنے اس فرزند کوملٹری صیغہ میں ملازم کرادیا ہے۔ جہاں وہ چار ماہ سے گورنمنٹ ٹیکنیکل سکول میں سکینڈ فورمین کی حیثیت سے ٹریننگ لے رہا ہے۔امید ہے کسی اچھے عہدے پر جاکر اپنے وطن کا نام روشن کرے گا۔

قاری غلام محمد نے تحریک حریت کشمیر کے سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ایک مرتبہ ضلع مظفر آباد میں علاقہ کرناہ کے ایک جلسہ میں چالیس پچاس ہزار کا مجمع تھا۔اجلاس کے صدر شیخ محمد عبداللہ ''شیر کشمیر'' تھے۔مولوی محمد سعید (جنرل سیکرٹری نیشنل کانفرنس) نے بھرے جلسے میں فرمایا کہ ہم اس علاقہ میں صرف مولانا غلام محمد قاری کی وجہ ہی سے اپنے دورے میں کامیاب ہورہے ہیں۔قصبہ تریہہ گام میں آپ عرصہ تک میر واعظ کے فرائض انجام دیتے رہے۔آپ اپنے علاقہ میں اپنے علم وفضل اور اپنے اخلاق کی وجہ سے ہر طبقہ میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

کشمیر سے آپ لاہور آئے چونکہ کشمیر سے وطنی تعلق تھا۔آپ پردیس میں جاکر بھی خدمت وطن سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ آپ نے یہاں انجمن مظلومان کشمیر کی بناڈالی۔ جو کچھ عرصہ تک مسلمانان کشمیر بالخصوص زمینداران کشمیر کی نمائندگی کرتی رہی۔آپ آج کل ہز ہائنس گورنمنٹ جموں وکشمیر کے محکمہ تعلیم میں السنہ شرقیہ کے صدر مدرس ہیں۔

اسی کتاب میں پیر صاحبان گنذریال کے حالات میں بابا عبداللہ غازی کے ایک فرزند کا نام بابا عبدالسلام درج ہے۔ان کے فرزند بابا پیر بہاء الدین ۔ان کے حسین بابا اور پیر رسول شاہ۔لیکن پیر رسول شاہ نے جو اپنا منظوم شجرہ ۱۲۹۰ھ میں لکھا ہے اور جو ''پیر صاحبان گنذریال'' کے حالات طبع ہوجانے کے بعد میری نظر سے گزرا ہے۔اس میں خود پیر رسول شاہ بابا عبداللہ غازی کو لاولد لکھتے ہیں۔اور بابا عبدالسلام کو موسیٰ شاہ خلف شاہ محمد یوسف (برادر عبداللہ غازی) کا فرزند لکھتے ہیں۔جیسا کہ ان اشعار سے معلوم ہوگا۔

دیگر از یوسف آں موسیٰ بنام
ہیست در گنڈریال او پناہ خاص وعام *
ماند ذو فرزند دو ذالاحترام
بابا ابراہیم ہم عبدالسلام

حضرت رسول شاہ جو اپنے خاندان کے منظوم شجرہ کے مصنف تھے۔کشمیر اور کرناہ بلکہ پنجاب تک اپنے اتقا کی وجہ سے بزرگ اعظم سمجھے جاتے تھے اور بہت بڑے نساب تھے۔ ان کے فرزند اکبر (۱) شاہ عبداللہ بھی خدادوست تھے اور یادالٰہی میں مستغرق رہا کرتے تھے۔ ان کے فرزند ضیاء الدین شاہ بقید حیات ہیں اور اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔شاہ ضیاء الدین کے دو فرزند ہیں۔عبدالسلام و شاہ محمد انور۔دونوں زیر تعلیم ہیں۔(۲) شاہ رحمت اللہ بھی صاحب علم وکمال تھے۔ان کے دو فرزند تھے۔ وہ ان کی زندگی ہی میں قبل از سن بلوغ وفات پا گئے تھے۔(۳) شاہ صادق بھی بزرگ ترین ہستی تھے۔ان کی اولاد میں اس وقت فاضل اجل مولانا شاہ محمد عباس مرجع خلائق ہیں۔شاہ محمد بہاء الدین جو مقامی پنچایت کمیٹی کے ہونہار ممبر ہیں۔آپ ہی کے فرزند ہیں۔(۴) شاہ عبدالاحد کی زبان سے تمام عمر میں نہ کوئی کلمہ غیر شرعی نکلا اور نہ کوئی فعل خلاف شرع صادر ہوا۔ان کے دو فرزندوں میں فرزند اکبر شاہ قطب الدین۔اور ان سے چھوٹے شاہ حسین خلیق اور شریف الطبع ہیں۔(۳) شاہ غلام محمد زیر تعلیم ہیں ۔ان میں شاہ قطب الدین گنڈریال میں رہتے ہیں اور باقی علاقہ کنڈی کرناہ میں۔

کنٹ خاندان بارہ مولا:

کنٹ خاندان بارہ مولا کا ذکر اسی کتاب میں صفحات سابقہ پر ہو چکا ہے۔اس خاندان کے موجودہ افراد میں مولوی احد اللہ مرحوم کے فرزندان مولوی غلام محی الدین مولوی عزیز اللہ اور مولوی امیر الدین میں سے عزیز اللہ فوت ہو چکے ہیں۔ان کا فرزند سنبجل (کشمیر) میں سکول ماسٹر ہے۔مولوی غلام محی الدین گڑھی حبیب اللہ خان ضلع ہزارہ میں سربراہ نمبردار ہیں۔ان کے تین فرزندوں میں عبدالواحد بارہ مولا میں مولوی امیر الدین کے ساتھ تجارت کا کام کرتے ہیں۔

* یہ منظوم شجرہ اسی قسم کی بے بحر اور بے وزن نظم میں ہے۔

دوسرے محمد مقبول کنٹ بارہ مولا ہی میں رہتے ہیں۔ تیسرے عبدالقادر گڑھی حبیب اللہ میں تجارتی مشاغل رکھتے ہیں۔ مولوی احداللہ مرحوم کے تیسرے فرزند مولوی امیر الدین بارہ میں دکان مولوی امیر الدین عبدالوحد میں کام کرتے ہیں۔ محمد صدیق اور علی محمد عرف علی شاہ فرزندان مولوی غلام محمد دکانداری کرتے ہیں اور متفرق ٹھیکوں کا کام بھی لیتے رہتے ہیں محمد سعید اور غلام رسول فرزندان سعد الدین بارہ مولا میں ہیں۔ ان میں غلام رسول کوآپریٹو بنک بارہ مولا کے خزانچی ہیں ان کے سوا بارہ مولا میں اور کوئی کنٹ گھر نہیں ہے البتہ سری نگر میں کنٹ خاندان کے کئی گھر موجود ہیں۔

گل کار خاندان

کشمیر میں سب سے پہلے جن دو جلیل القدر بزرگوں کے اسمائے مبارک کے ساتھ گل کار کا لفظ آتا ہے۔ ان میں حضرت سید محمد لورستانی تھے۔ جو حضرت میر محمد ہمدانی خلف حضرت میر سید علی ہمدانی کے رفقا میں تھے۔ انہوں نے سلطان سکندر کے زمانہ میں ''استادان شہر اور معماران دہر'' کے ساتھ مسجد جامع کی تکمیل میں حصہ لیا تھا۔ آپ بڑے خدا پرست بزرگ تھے اور صاحب تاریخ خواجہ اعظمی کی تحریر کے مطابق بے اجرت کام کیا کرتے تھے۔ وفات ۳ ربیع الثانی ۸۵۵ھ بزمانہ سلطان بڈشاہ۔ دوسرے بزرگ کا نام خواجہ صدر الدین جو خراسان کے باشندے تھے۔ اپنے احترام کی وجہ سے خواجہ تھے۔ ان کی صحیح ذات کا پتہ نہیں چل سکا۔

اس لحاظ سے گلکار کوئی ذات نہیں ہے۔ بلکہ عرف عام ہے۔ جو کسی شخص کے ساتھ اس کے پیشہ یا کاروبار کی وجہ سے اس کے نام کا جزو چلا آتا ہے۔

آج سے بیس بائیس سال پیشتر خواجہ محمد خضر گلکار سری نگر میں ایک درویش صفت بزرگ تھے۔ جو قریباً سو سال کی عمر میں وفات پا چکے ہیں۔ ان کا خاندان جس کی ابتداء علاقہ کولگام سے بتائی جاتی ہے۔ دو سال سے سری نگر میں آباد ہے۔ خواجہ محمد خضر کو فن تعمیرات ورثہ میں ملا تھا۔ اور اپنی واقفیت اور تجربہ کی بنا پر وہ تعمیرات کا ٹھیکہ بھی لیا کرتے تھے۔ ان کے سات فرزندوں میں استاد حبیب اور ماسٹر غلام محمد وفات پا چکے ہیں۔ استاد حبیب فارسی عربی خواندہ تھے۔ آج سے قریباً دس سال قبل بہ عمر ستر سال انتقال فرما گئے۔ ان سے چھوٹے غلام محمد اوورسیر مرحوم انگریزی، اردو، فارسی میں اچھی آگاہی رکھتے تھے وہ اوورسیر تھے لیکن بعد میں تارک الدنیا ہو کر بہ عمر ساٹھ سال وفات پا گئے۔ باقی پانچ حسب ذیل ہیں۔ (۱) خواجہ محمد صدیق عمر ۶۵ سال۔ فارسی، عربی خواندہ

(۲) خواجہ غلام احمد انگریزی سے بھی واقف ہیں۔ یہ دونوں بھائی ٹھیکہ داری کا کام کرتے ہیں
(۳) خواجہ غلام رسول۔ معماری کا کام کرتے ہیں۔ چوتھے فرزند خواجہ غلام نبی گلکار کا علیحدہ ذ
ہوگا۔ پانچویں فرزند خواجہ محمد مقبول محکمہ مال میں اوورسیر ہیں۔

خواجہ غلام نبی مارچ ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابھی آٹھ دس سال کے تھے کہ ان
والد فوت ہوگئے۔ آج سے قریباً چوتھائی صدی پیشتر اور اس کے بعد بھی عرصہ تک سری نگر می
مولوی محمد عبداللہ وکیل سابق احمدی حال بہائی * کے درس کا بڑا چرچا رہا ہے۔ خواجہ غلام نبی اور ا
کے چند ہم عمر اور ہم جماعت لڑکے مولوی صاحب کے درس میں شامل رہا کرتے تھے۔ مولو
صاحب چونکہ احمدی تھے اور وفات مسیح کے قائل تھے۔ یہی باتیں خواجہ غلام نبی اور ان کے ایک
جماعت حکیم علی محمد ولد حکیم غلام مصطفیٰ کے دل و دماغ میں راسخ ہوگئیں اور اسلامیہ ہائی سکو
میں بھی جہاں وہ پڑھا کرتے تھے ان کے اپنے ہم جماعتوں میں یہی بحث جاری رہتی۔ ان ا
میں انجمن نصرت الاسلام سری نگر کے جس کے ماتحت یہ سکول ہے پریذیڈنٹ میر واعظ مولانا ا
اللہ مرحوم تھے۔ انہوں نے ان دونوں طالب علموں کو سکول سے نکلوا دیا۔ انہی دنوں مفتی محمد صاد
آف قادیاں بھی سری نگر میں قیام فرما تھے۔ ان کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان دونو
پرتاب ہائی سکول میں داخل کرا دیا اور وہیں سے ان دونوں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ پھر آ
۱۹۲۴ء میں مولوی عصمت اللہ مقیم سری نگر کے ہمراہ لاہور آئے۔ جہاں آپ مولانا صدر الد
سے قرآن کریم کا درس لیتے رہے۔ عربی کی تعلیم بھی وہیں حاصل کی۔ ۱۹۳۲ء میں آپ قادیا
گئے وہیں آپ نے مولانا زین العابدین ولی اللہ شاہ اور مولانا عبدالرحیم درد کی موجودگی میں میر
بشیر الدین احمد محمود " خلیفۃ المسیح " کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ اپنے خاندان میں پ
اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے بی اے ڈگری حاصل کی ہے۔ آپ ۱۹۳۵
سے ۱۹۴۱ء تک جماعت احمدیہ سری نگر کے پریذیڈنٹ رہے اور اب ۱۹۴۱ء سے اس وقت ت
جماعت احمدیہ سری نگر کے جنرل سیکرٹری امور عامہ و خارجہ ہیں۔

جب شیخ محمد عبداللہ جن کی خدمات اولین نے ان کو "شیر کشمیر" کا خطاب دلایا ہے
گڑھ میں تعلیم پا رہے تھے۔ خواجہ غلام نبی ان ایام سے بھی قبل اپنی قومی پستی کا زبردست احسا
رکھتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو منظم کیا لیکن ریاست میں ان ایام میں انجمن بنانا جرم تھا۔ ا

لیے آپ نے مسجدوں، دعوتوں، خانقاہوں اور میلوں اور ایسے ہی اجتماعات سے انجمنوں کا کام لے کر لیکچر وغیرہ شروع کر دیئے آپ کے ساتھ ان دنوں مسٹر عبدالغنی نگرو ولد صابر جونگر دساکن پلوامہ اور فتح کدل سری نگر کے ایک لڑکے غلام حسین ولد حبیب اللہ صابون کے سوا کوئی آگے آنے والا نہ تھا۔ ان ایام میں شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ سے ایم ایس سی ہو کر واپس کشمیر آ چکے تھے اور اسٹیٹ ہائی سکول میں سائنس ماسٹر مقرر ہو چکے تھے۔ اور آپ سے اکثر بلکہ روزانہ ملا کرتے تھے۔ انہی ایام میں کشمیری پنڈتوں نے اپنی ترقی و اصلاح کے لیے ایک انجمن ''آل کشمیر پنڈت سوشل اپ لفٹ'' کے نام سے قائم کر رکھی تھی۔ پروفیسر جیالال کول پروفیسر سری کنٹھ توشہ خانی اور پروفیسر بھان وغیرہ اعلیٰ تعلیم یافتہ کشمیری نوجوان اس انجمن کے معاون اور کارکن تھے۔ آپ نے بھی ان کی تقلید میں مسلم سوشل اپ لفٹ کے اجرا کی درخواست دی۔ جو بڑی مشکل سے منظور ہوئی۔ سوشل اپ لفٹ کی تحریک کے ساتھ ہی آپ نے مزدوروں اور پیشہ وروں میں بھی تحریک پیدا کی۔ چنانچہ مزدوروں کے لیے لیبر یونین اور تجارت پیشہ اصحاب کے لیے ٹریڈ یونین اور پیشہ وروں کے لیے انجمن گلکاراں، نجاراں و آہنگراں وغیرہ قائم کیں۔ آپ ان سب انجمنوں کو ایک ہی انجمن میں مدغم کرنا چاہتے تھے کہ گرفتاریاں شروع ہو گئیں۔

مسلم سوشل اپ لفٹ ایسوسی ایشن کا سیاسی معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ آپ اس سوشل سکیم کے پریذیڈنٹ تھے لیکن آپ کی گرفتاری کے بعد مولانا احمد اللہ ہمدانی مرحوم اس کے صدر قرار پائے۔ اس سکیم کے ماتحت ساٹھ ستر نائٹ سکول بھی سری نگر میں کھل چکے تھے۔ ۱۹۳۱ء میں جب تاریخ حریت کشمیر بڑے زوروں پر تھی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی اور مجلس احرار کی یورشوں کے علاوہ کشمیر کے اندر بھی اکثر مسلمان نوجوان اپنے حقوق و مطالبات کے لیے سینہ سپر نظر آتے تھے۔ تو بقول بعض آنجہانی راجہ سر ہری کشن کول پرائم منسٹر نے اس جادو سے جس کو قاضی الحاجات کہا جاتا ہے آپ کو تسخیر کرنا چاہا۔ لیکن آپ خوب جانتے تھے کہ جب کوئی قوم جاگ اٹھتی ہے تو پھر پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری'' اس لیے آپ نے اس طلسم خانہ میں پھنسنے سے صاف انکار کر دیا اور صرف قومی مطالبات پر زور دیا۔ آپ سری نگر میں **Subjects Right of Rotuction Committi Stat** کے وائس پریذیڈنٹ تھے اور اسی کمیٹی کے تحت سٹیٹ سبجکٹ کمیٹی پشتینی باشندہ ریاست ہونے کی تصدیق ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ کو نونہالانِ قوم کے سود و بہبود کا خیال تھا چنانچہ ان ایام میں کہ آپ خود

بھی طالب علم تھے۔آپ نے مستحق اور قابل امداد طلباء کی امداد کے لیے لوگوں میں چندہ کی تحریک کی۔ یہ تحریک کامیاب ہوئی اور کئی طالب علموں کو اس چندہ سے کتابوں اور فیس وغیرہ کی امداد ملتی رہی۔

آپ نے بعض اختلافات کی بنا پر سیاسیات سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لیکن آئے دن کے ہنگامے اور خون خرابے اور مار پیٹ، دنگہ فساد اور مسلمانوں کے قید بند اور ان کی بے حرمتی کے واقعات آپ کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکے آخر اپریل ۱۹۴۳ء میں آپ نے اپنے ہم خیال دوستوں کی ترغیب و تحریک سے ایک انجمن بنام "انجمن بہبودی مسلمانان جموں وکشمیر" قائم کی ہے جو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کے جھگڑوں سے الگ رہ کر اپنا کام کرے گی۔آپ اس انجمن کے سیکرٹری اور خواجہ غلام محمد اس کے صدر ہیں۔اس انجمن کا پہلا وفد قانون وراثت اور قانون سزائے گئوکشی کی تنسیخ کے علاوہ اور کئی مطالبات لے کر ریاست کے نئے وزیر اعظم راجہ مہاراج سنگھ سے ۱۱ مئی ۱۹۴۳ء کو بمقام سری نگر ملا اور انہیں یقین دلایا کہ انہیں ریاست میں کسی قسم کی پارٹی بازی سے کوئی تعلق نہیں اور یہ انجمن دونوں کانفرنسوں کے جھگڑوں سے بالکل الگ رہے گی۔

سادات گیلانیہ خانقاہیہ

کشمیر کے سادات خانیاری اور سادات ریہہ ٹنگ اور سادات گیلانیہ خانقاہیہ سب ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں * اور ان سب کا سلسلہ حضرت غوث الاعظم تک پہنچتا ہے۔جیسا کہ پہلے

---

* سادات گیلانیہ قادریہ کی شاخیں وادیٔ کشمیر اور کوہستان کشمیر میں بکثرت پھیلی ہوئی ہیں۔سادات گیلانیہ میں سید نظام الدین آزاد اور سید جلال الدین مشتاق بہت ہی مافوق ہستیاں گزری ہیں۔ آزاد صاحب دیوان تھے۔میر مقبول شاہ سجادہ نشین خانیاری کی لاپرواہی سے ان کا غیر مطبوعہ دیوان آج سری نگر میں کسی اور کے قبضہ میں ہے۔مشتاق کی خانقاہ خواجہ سعد الدین شال کے دولت خانہ کے متصل میرہ مسجد خانیار میں موجود ہے۔ان کی روحیں عالم ارواح میں اپنی اولاد و احفاد اور اپنے جانشینوں کی غفلت کی شاکی ہیں۔کاش ان دو بزرگوں کے علمی تاریخی اور دینی حالات کسی طرح پبلک کے سامنے آسکتے۔ پہاڑ میں موضع نون بگلہ میں سادات گیلانیہ کی بڑی تعداد ہے ان میں کئی ایک جاگیردار بھی ہیں۔پیر عالم شاہ جو سجادہ نشین ہیں۔ان کا سلسلہ حضرت شاہ محمد غوث لاہوری سے ملتا ہے ان میں سید محمد حسین شاہ اکسیر دھاروی اور سید منیر، منیر تخلص اور سید شاہ قمر مراد آبادی قابل ذکر ہیں۔ بلگام ہیہ دار کے گیلانی سادات مرفع الحال ہیں۔ان میں سید اکبر شاہ جیلانی ذیلدار ہیں اور میر مقبول شاہ خانیار سجادہ نشین کے بہنوئی اور سید مبارک شاہ فطرت کے پھپھیرے بھائی ہیں۔سید اکبر شاہ کے بھائی سید احمد شاہ عرجی تھے انہوں نے اپنا خاندانی شجرہ حفظ المریدین کے نام سے بہ طرز درود المریدین لکھا ہے۔

لکھا جا چکا ہے۔ جو شاخ سری نگر کے محلّہ خانیار میں آباد ہوئی وہ خانیاری کہلائی جو محلّہ ریہہ ٹنگ میں نقل مکانی کر کے چلے گئے۔ وہ سادات ریہہ ٹنگ کہلائے اور جس شاخ نے محلّہ خانقاہ میں سکونت اختیار کی وہ سادات گیلانیہ خانقاہیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

شاخ سادات گیلانیہ خانقاہیہ کے بانی سید غلام الدین تھے۔ وہ چونکہ سید میر میرک کبروی ہمدانی کے ہاں سید تاج الدین ہمدانی برادر سید حسین سمنانی * کی اولاد سے تھے بیاہے گئے تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے آپ ۱۲۸۹ھ میں خانیار سے منتقل ہو کر محلّہ خانقاہ معلیٰ میں جہاں سید میر میرک کی رہائش تھی آ گئے:

مولدش خانیار فیض آثار
مسکنش خانقاہ پرانوار

آپ کے دو فرزند ہیں۔ فرزند کلاں کا نام میر سید محمد یاسین گیلانی ہے جن کو بلحاظ علم و ادب اور بلحاظ تقویٰ و پارسائی طرۂ امتیاز حاصل ہے۔ آپ اپنے والد بزرگوار سید غلام الدین سے بیعت تھے جیسا کہ سید مبارک فطرت مثنوی آئینہ فطرت میں لکھتے ہیں۔

بیعت قادری گرفتہ ازو
اخ من سید شرافت خو
یعنی آں مہتاب اوج یقیں
قدوہ آل حضرت یاسیں

معنوی صحبت میں شیخ المشائخ مولوی عبد الصمد زکیر اور شیخ رسول شاہ گذریالی سے بھی رہی ہے۔ علاقہ کامراج میں ان کا بڑا اثر ہے۔ شرح ملا عبد الغفور وغیرہ کا درس دیا کرتے ہیں۔ صاحب فتویٰ ہیں بلکہ اس فن میں ماہر کامل ہیں۔ تبلیغ اور اعلائے کلمۃ الحق کے پورے مبلغ ہیں۔ مختلف مشائخ سے آپ کو قصیدہ بردہ، حزب البحر اور کبریت احمر کی اجازت ملی ہوئی ہے۔ آپ کے اکثر اوقات اور اوراد کار الٰہی میں بسر ہوتے ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت پچپن سال ہے۔ اس

* سید سمنانی کا مزار کولگام میں مرجع خلائق ہے۔ آپ دونوں بھائی حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی سے قبل کشمیر میں تشریف لائے تھے۔ سید حسن بہادر جو سلاطین شہ میریہ کے زمانہ میں سپہ سالار فوج بھی رہے ہیں۔ اسی خاندان سے تھے۔

حساب سے آپ کی پیدائش کا سال ۱۳۰۷ھ ہے۔

سید غلام محی الدین کے فرزند ثانی کا نام سید محمد مبارک فطرت ہے۔ ریاست کے محکمہ تعلیم میں آپ ملازم ہیں۔ فطرت کو فطرت ہی نے شاعر پیدا کیا ہے۔ وہ کسبی شاعر نہیں ہیں۔ بلکہ وہبی ہیں۔ البتہ ان کی شاعری کو مطالعہ اور استادان فن کی صحبتوں نے جلا دے رکھی ہے۔ آپ اس وقت تک مندرجہ ذیل نظم ونثر کی کتب کے مصنف ہیں۔ جو سب ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ رشحات فطرت (فارسی) فریاد جرس (اردو) مثنوی فطرت (فارسی) سفر نامہ یارقند' افکار الاخیار ذکر سادات گیلانیہ (فارسی) دائرہ سادات گیلانیہ خانیاریہ، گنجینہ حکمت (طب) نصاب زبان ترکی ،آئینہ فطرت (خودنوشت منظوم سوانح عمر) جس میں مولانا حیرت کاملی پاندانی کا بھی ذکر ہے۔

انجمن اخوان الصفا کا وجود سری نگر میں آپ کے دم سے غنیمت تھا۔ چند با مذاق اہل سخن کی صورتیں نظر آجاتی تھیں۔ آپ کے مکان پر ہی فرشی مشاعرہ ہوتا تھا۔ شعراء اپنی اپنی نظمیں پڑھتے تھے اور داد سخن لیتے تھے۔ آپ جس ترنم اور لے سے اپنی غزل یا نظم پڑھتے تھے مجلس پر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کی تبدیلی نے وہ صحبتیں درہم برہم کر دیں آپ اپنے برادر بزرگ سید محمد یاسین ہی سے بیعت ہیں۔ جیسا کہ اپنے بھائی کا ذکر کرنے کے بعد آئینہ فطرت میں لکھتے ہیں۔

زد بفضل خدائے جن و بشر
کردم ایں خلعت شرف دربر

آپ کے کلام سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ جن میں گو رموحدانہ و متصوفانہ مذاق غالب ہے۔ لیکن ایک مبصر ہر رنگ کا شعران میں دیکھ سکتا ہے۔ نازک خیالی بھی ہے۔ معنی آفرینی بھی ہے۔ خود شناسی وخدا شناسی کے جوہر بھی ہیں۔ رنگ تغزل بھی ہے اور سوز و گداز بھی ہے۔

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر حیف ہے کہ ہو نہ اگر دل گداز تو

*

پر کن قدح مے کہن سال
در موسم نو بہار ساقی
خیزم کہ بہ لالہ زار آئیم
با ایں دل داغدار ساقی
جوئیم بہ جوار خاک مستاں
زیں دار فنا مزار ساقی
بابے خرداں فتاد کارم
ہوش و خردم چکار ساقی
ازدوں نسفاں دلم چو غنچہ
حیف است من و بہار ساقی
فطرت بہ خیال چشم مہتش
دارد سرپرخمار ساقی

*

زجام عشق نوشا نوش دارم
صدائے نغمہ در گوش دارم
نہ پنداری کہ من مستانہ ہستم
دل دیوانہ با صد ہوش دارم
نہ پنداری کہ من مستانہ ہستم
دل دیوانہ با صد ہوش دارم
نیم آسودہ از فکر زمانہ
غم فردا وبیم دوش دارم

*

رگ رگ ماہست بہ قانون مغنی بے نوا
زخمہ تار جنوں چنگ و ربابے دارم
عہد گل خندہ زناں ابر سحر گریہ کناں
فطرت از موسمِ خوش بادہ نابے دارم
گرہ ز شیشہ کشا کیمیا چہ مے جوئی
نظر بہ خویش کن آئینہ ہاچہ مے جوئی
بہ نالہ بلبل شوریدہ در حریم قفس
تو باغ دراغ ونوائے تمنا چہ مے جوئی
ہزار نغمہ توحید از زبان ہزار
سحر باغ نشو بے نواچہ مے جوئی
سفر ز خویش بخود کن خودی خود دریاب
زخویش جملہ طلب ماسوا چہ مے جوئی
نہ بانگ مرغ سحر خیز در حل خود بربند
جرس چہ نازی وبانگ دراچہ مے جوئی
مدد زاہل دلے خواہ فطرت بے دل
دوائے درد دل از کہربا چہ مے جوئی

*

درخرابات مغاں خویش بہ بیگانہ یکے
زاہد ورندیکے عاقل و دیوانہ یکے
مست و ہوشیار یکے خفتہ وبیدار یکے
جام بابا دہ یکے دور بہ پیانہ یکے
در خیال لب لعل توبہ خم خانہ ذوق

شاہد و شمع شراب و مے و دمے خانہ یکے
بہ خرابات فنا باسر سودائے چنیں
ساقی مست یکے فطرت مستانہ یکے

*

حرام باشد آں جامے کہ نوشم
بجز اذن تو اے پیر مغانم
بہ یک نان جویں دارم قناعت
دونان دوں بہ جاں باشند سنانم
گرچہ طبع من آب رواں است
ز شعر پارسی آتش فشانم
مے ترسم اے جدائی کز نالہ نئے من
سوزوجہان و صلش باہر خس و گیا بے

*

من نے نواز محفل مستانہ خودم
دارم ززخمہ نفس خود رباب ہم
از فیض روح قدس پیمبر شدم بہ عشق
دارم ز صفحہ رخت اینک کتاب ہم
من خاکسار راہ فقیران حیدرم
ہستم محبّ عترت و آل تراب ہم
فطرت درے بہ سفت بہ اشعار پہلوی
خواہم ز شاعران کشمیری جواب ہم

*

آں مست نوا سازم در محفل مدہوشاں
صد ہوش بر قصانم از لغزش مستانہ
آں مست الستم من در سرحد سرمستاں
کونین بہ لرزا نم از نعرۂ مستانہ
گہ عاقل ہوشیارم گہ مست جنوں پیما
گہ مومن فرزانہ گہ کافر دیوانہ
گہ طالب گبرم من زنار پرستم من
گہ سوئے حرم پوئیم باسبحہ صددانہ
گہ رند خراباتم گہ شیخ مناجاتی
گہ مذہب دیں دارم گہ مشرب رندانہ
بیہودہ ودیدم من در دیر و حرم عمرے
خرد مسجدم و کعبہ خود دیرم و بت خانہ
در انجمن ہستی مہمان خودم فطرت
خود شمع تجلا ایم خود آتش پروانہ

*

کلوخاندان:

سری نگراور سوپور وغیرہ مقامات کشمیر میں اس خاندان میں بڑے بڑے نامی علماء صوفیا شعرا اور اطبار گزرے ہیں۔ ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ جلد اول (۲۱۲-۲۱۳ صفحہ) میں اصفہان کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہاں ہر طبقہ کے لوگ اپنے گروہ کے بڑے آدمی کو اپنا سرکردہ مقرر کر لیتے ہیں اور اپنی زبان میں اسے کلو کہتے ہیں۔

نوپورہ شوپیاں کا مخدومی سہروردی خاندان

مغلوں کے ابتدائی دور میں سلطان المشائخ حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے نامور خلیفہ

حضرت بابا داؤد خاکی بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ جو اپنی تصانیف وردالمریدین اور قصیدہ لامیہ اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے کشمیر میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے خلفا میں ایک بزرگ بابا حسن زاہد مخدوم منڈوسری نگر میں رہا کرتے تھے۔ آپ کے متعلق تاریخ کبیر کشمیر میں صفحہ ۱۹۱ پر لکھا ہے۔ ''بابا حسن زاہد در علم وعمل زاہد بے بدل عمر در ذکر وفکر بسر برد۔'' اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق لوگوں میں تبلیغ وہدایت کے لیے آپ سری نگر سے نقل مکانی کر کے نوپورہ تشریف لے آئے۔ یہ موضع شوپیاں کے نزدیک تحصیل کولگام کے حلقہ نادی گام میں واقع ہے۔ اردگرد کے کثیر التعداد مسلمان آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔ آپ کا مزار نوپورہ میں مرجع خلائق ہیں۔

آپ کی اولاد میں خداوند کریم نے بڑی برکت عطا کی ہے کشمیر میں اور کشمیر سے باہر بھی کافی تعداد میں ہے۔ پنجاب میں گوجرانوالہ، امرتسر، لدھیانہ اور شملہ میں آپ کی ذریات عزت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ پیری مریدی کے علاوہ ملازمت اور زمینداری کا شغل بھی ہے۔ ملازمت کا زیادہ تر سلسلہ پنجاب میں ہے اور زراعت کاری کا شغل کشمیر میں ہے۔

آپ کی ذریات سے پیر امیر شاہ مرحوم بہ سلسلہ پیری مریدی ۱۸۰۸ء میں گوجرانوالہ تشریف لائے۔ چونکہ ان کی اہلیہ وفات پا چکی تھیں۔ اس لیے آپ کی شرافت خاندانی آپ کی بزرگی اور آپ کے زہد وورع کو دیکھ کر گوجرانولہ کے ایک سید بزرگ پیر سید محمد شاہ بخاری المعروف پیر جھکھڑ شاہ نے اپنی صاحبزادی ان کے عقد نکاح میں دے دی۔ آپ نے اس سلسلہ میں گوجرانوالہ ہی میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں مسجد بھی تعمیر کرائی۔ اور رہائشی مکان بھی تعمیر کرالیا۔ لیکن ۱۸۸۴ء میں جب کشمیر کا خیال آیا تو عیال سمیت پھر نوپورہ میں آگئے جہاں ان کی اراضیات بھی تھیں اور ارادت مند بھی کافی تعداد میں تھے۔ وہیں آپ کے ہاں ۲۷ رمضان ۱۳۰۶ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۸۷ء کو جمعہ کے دن پیر ولی اللہ شاہ پیدا ہوئے۔ پیر امیر شاہ خود بھی اپنے جد اعظم بابا حسن زاہد کی طرح صاحب علم وعمل تھے۔ آپ نے بچپن ہی میں اپنے فرزند کو قرآن شریف اور نامِ حق وغیرہ کی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔ ۱۸۹۵ء میں پھر گوجرانوالہ یاد آیا۔ چنانچہ پیر امیر شاہ اہل وعیال سمیت ۱۸۹۵ء میں گوجرانوالہ آگئے اور یہیں ۲۶ رمضان ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۶ دسمبر

۱۹۰۲ء چہار شنبہ کے دن اس عالم فانی سے رخصت ہو گئے۔

پیر ولی اللہ شاہ نے مولانا علاء الدین مرحوم اور مولانا نبی بخش مرحوم سے فارسی وا
تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں آپ کے یک جدی بزرگ پیر کبیر شاہ مرحوم جو مثنوی مولانا ر
زبردست واعظ تھے کے ہا آپ کی شادی ہوگئی جس سے خدا نے آپ کو اولاد اناث * کے
ذکور بھی عطا کی۔ آپ کے فرزندوں میں شوکت محمود بی اے ہے اور محکمہ نہر میں ایک معزز ع
ہے۔ شوکت کی شادی لاہور ہی میں ایک معزز گھرانہ میں ہوئی ہے۔ آپ کا ایک خورد سال
بھی نام ارشد محمود ہے۔ فرزند دوم کا نام مسعود احمد اور فرزند سوم کا نام مقبول احمد ہے۔
میٹرک پاس ہیں اور سرکاری ملازم ہیں۔

پیر ولی اللہ شاہ کو ابتدائے عمر ہی سے اسلامی، قومی اور ملکی خدمات کا شوق رہا
کشمیری زبان پر بھی خاصہ عبور ہے۔ ان کی تمام زندگی قومی ملکی اور اسلامی خدمت گزاری او
نویسی میں گزری ہے۔ کوئی تحریک ایسی نہیں جس میں انہوں نے حصہ نہ لیا ہو۔ تحریک خا
احرار تحریک، کشمیری کانفرنس اور اسلامی انجمنوں کے علاوہ کانگرس کی تحریک میں بھی شامل ر
پابند سلاسل بھی ہونا پڑا۔ لیکن جب اراکین کانگرس کے اندرونی حالات کا علم ہوا تو آپ ۔
تحریک سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مسلم کشمیری کانفرنس لاہور کی سفارت کے آپ روح روار
ہیں۔ اور سات سال تک آپ اس قومی کانفرنس کے لیے کشمیر کے علاوہ سارے پنجاب
کرتے رہے ہیں۔

آپ اب تک مندرجہ ذیل اخبارات و رسائل جاری کر چکے ہیں۔ انتخار
وار گوجرانوالہ ۱۹۱۹ء میں۔ رفیق صادق ماہوار گوجرانوالہ ۱۹۲۲ء میں۔ صادق ہفتہ وار گو
۱۹۳۰ء میں۔ صادق ہفتہ وار راولپنڈی ۱۹۳۴ء میں اب ۱۹۳۵ء لاہور سے پیام شادی
سے ایک رسالہ جاری کر رکھا ہے۔

چوہان:

راجپوت کھوئی ہامہ (ملن گام) کا ذکر صفحات سابقہ میں درج ہے۔ مولوی م

---

* پیر غلام رسول مخدومی امرتسری آپ کے بڑے داماد ہیں اور سید عنایت اللہ شاہ کے ساتھ دوسری لڑکی کا
دونوں سرکاری ملازم ہیں۔

مولوی محمود بن مولوی برہان الدین کے چار فرزندوں کا وہاں ذکر ہے۔ان میں مولوی محمد اسماعیل دیوبندی مسجد شاہ چراغ لاہور میں آج کل خطیب ہیں۔ دوسرے بھائی مولوی عبدالرحمان جو لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔اب بانڈی پورہ خاص میں تجارت کتب وغیرہ کرتے ہیں۔تیسرے مولوی عزیز الرحمان ۴ صفر ۱۳۶۲ھ کو بہ عمر ۲۲ سال وفات پا چکے ہیں۔چوتھے فضل الرحمان دیوبند میں زیرِ تعلیم ہیں۔

بمبہ (بنومنبہ) خاندان

بمبہ لفظ کی اصلیت اور وجہ تسمیہ میں اس قدر اختلافات ہیں کہ آج تک ان کی قومیت اصلی کا معمہ حل نہیں ہوسکا۔تاریخ راجپوتان پنجاب جلد اول مصنفہ ٹھاکر کاہن سنگھ کے صفحہ ۴۲۶ میں ان کو از خاندان کٹوچ چندر بنسی راجپوت لکھا گیا ہے۔تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) کا منصف لکھتا ہے۔بمبہ راجہ ہائے پہاڑ از قوم بنی امیہ اولاد مردان ہستند اس کے بعد مصنف تاریخ حسن بطور روایت لکھتا ہے۔اولاد مردان میں سے ایک شخص بحالت آوارہ گردی بدخشاں پہنچا۔اس کی کئی پشتیں وہاں آباد ہیں۔ہلاکو خاں کے زمانہ میں ان میں سے ایک آدمی ذوالقدر خان کے ساتھ کشمیر آیا۔اس کی واپسی کے موقع پر وہ دھنتور میں ٹھہر گیا۔جہاں ایک رئیس نے اس کو صاحب وجاہت دیکھ کر خانہ داماد بنالیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کی سرکشی دیکھ کر اس کے خسر نے اس کا کام تمام کردیا۔اس کی بیوی حاملہ تھی۔جب اس کے قتل کے بعد اس کا فرزند بالغ ہوگیا اور اس نے اپنے باپ کے قتل کا واقعہ سنا تو موقع پاکر اس نے اپنے نانا اور اپنی ماں دونوں کو قتل کر دیا۔اس کی اولاد میں صفدر خاں ایک بہادر شخص گزرا ہے۔وہ سلطان محمد خاں پکھلی کی سرکار میں نوکر ہوگیا۔یہاں تک کہ اسے دھنتور میں جاگیر بھی ملی اور وہ سپہ سالار بھی ہوگیا۔محمد مظفر اسی کی اولاد میں سے تھا جس نے ۱۰۶۲ھ میں مظفر آباد آباد کیا تھا۔

خواجہ محمد اعظم دیدہ مری تاریخ اعظمی میں جو ۱۱۴۸ھ کی تصنیف ہے لکھتا ہے (ترجمہ) ۱۱۲۴ھ میں بزمانہ صوبیداری عنایت اللہ خان (بعہد شاہ عالم بادشاہ) محمد مظفر جو سلاطین پکھلی کے متوسلین میں تھا۔حکومت پکھلی کے زوال کی وجہ سے اس کے شمالی کوہستانی حصہ پر قابض ہوگیا اور اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس نے علاقہ درادہ و کرناہ پر بھی قبضہ کرلیا۔تاریخ گلدستہ کشمیر

کے مصنف پنڈت ہرگوپال نے بمبہ بلکہ کھکھہ کی وجہ تسمیہ میں بھی لکھا ہے کہ لفظ برہمن سے بمبہ اورکھتری سے کھکھہ بنا ہے۔ یہ دونوں ہندو تھے۔ پھر مسلمان ہو گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ بملی خان اورکھکھے خان دو بھائی تھے۔ ترکستان کے رہنے والے تھے۔ بملی خان کے بیٹے مظفر خان نے مظفر آباد کو آباد کیا ہے۔ راج ترنگنی پنڈت کلہن کے ملحقہ جغرافیہ قدیم کشمیر میں لکھا ہے کہ دریائے دتستہ کے شمال میں کھکھوں کے ہمسایہ بومبہ آباد ہیں۔ پنڈت رام چندر جغرافیہ جموں و کشمیر میں لکھتے ہیں۔ وادی جہلم میں بارہ مولا سے لے کر علاقہ چکار تک کھکھہ و بمبہ قومیں آباد ہیں۔ ان کی بولی پہاڑی ہے۔ جو کشمیر و پنجاب سے مرکب ہے۔ رپورٹ مردم شماری جموں و کشمیر ۱۹۳۱ء اور اس سے قبل رپورٹ ۱۸۹۱ء میں ان کو راجپوت لکھا گیا ہے۔

مولوی حشمت اللہ خان لکھنوی تاریخ جموں و ملحقات کشمیر میں لکھتے ہیں۔ اگر حسن شاہ (مصنف تاریخ حسن) کی روایت سے قطع نظر کی جائے اور بر بنائے اس واقعہ کے کہ محمد مظفر متوسلین پکھلی سے تھا اور اس کے بزرگ اور ممکن طور پر وہ خود بھی فوجی منصب رکھتا تھا تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ محمد مظفر بھی اسی طائفہ میں سے تھا جس سے سلاطین پکھلی تعلق رکھتے تھے۔ (یعنی قارلوغ ترک) لیکن اس کے بعد خود ہی حیران ہو کر سوال کرتے ہیں کہ اگر ایسا ہے تو قارلوغ کی بجائے بمبہ کیوں ان کا نام مشہور ہو گیا۔ اس کے جواب میں وہ خود ہی قیاسی دلائل کی بنا پر لکھتے ہیں۔ ''ترکوں کی تاریخ میں ایک نام بام میری نظر سے گزرا۔ ممکن ہے کہ بمبہ قوم کے مورث اعلیٰ کا یہی نام ہو۔ اس کی نسبت سے وہ باما یا بامی کہلاتے ہوں اور پھر یہ الفاظ کثرت استعمال سے بمبہ ہو گئے ہوں۔'' لیکن آپ ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ان کے شجرہ نسب میں جو مجھے دستیاب ہوا ہے۔ بام کے نام سے کوئی شخص درج نہیں ہے۔ پنڈت انند کول بامزئی اپنے (انگریزی) جغرافیہ جموں و کشمیر میں لکھتے ہیں۔ ''بمبہ قوم کے لوگ ذوالقدر خان عرف ذوالچو کے ساتھ ۱۳۱۴ء میں کشمیر آئے۔''

راقم کے نزدیک وجہ تسمیہ بمبہ قوم کی تاریخ راجپوتاں پنجاب و تاریخ گلدستہ کشمیر اور رپورٹ ہائے مردم شماری کے مصنفوں نے بتائی ہے۔ وہ تو مضحکہ خیز ہے۔ بمبہ * قوم کی اپنی روایات غالباً تاریخ حسن کی روایات سے تعلق رکھتی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ مصنف

* بمبہ قوم کا مطبوعہ شجرہ نسب بھی میں نے قابل توجہ نہیں سمجھا۔ اس کو بمبہ قوم کے ذی فہم اصحاب خود بھی ناقابل اعتبار تصور کر رہے ہیں۔

تاریخ حسن نے ذوالچو خان اور ہلاکو خان کا زمانہ بتایا ہے اور دھنتور یا پکھلی کے کسی حکمران کا نام کمال رینہ نہیں لکھا۔ اور بمبہ قوم کشمیر میں اپنے روایتی شجرہ کے مطابق حضرت عثمان کی چھٹی پشت سے کاشف خان کو حدود کشمیر میں لے آتی ہے۔ بمبہ قوم کے شجرہ کے متعلق راقم کو بھی مولوی حشمت اللہ خان لکھنوی کے ان الفاظ سے اتفاق ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''سلطان مظفر خان سے اوپر کاشف تک تیرہ پشتیں ہوتی ہیں ان کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلا اور شجرہ نسب بھی جیسا کہ مجھے دستیاب ہوا ہے۔ میں نے درج کر دیا ہے اس کی تصدیق کا کوئی ذریعہ مجھے نہیں مل سکا۔''

بمبہ قوم کی تعداد ضلع مظفر آباد بارہ مولا اور علاقہ پونچھ کے علاوہ ضلع ہزارہ وراولپنڈی تک پھیلی ہوئی ہے۔ ان میں اکثر روشن خیال اور تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن افسوس اپنے خاندان کی تاریخ کسی کے پاس موجود نہیں ہے۔ اور اپنے اسلاف کے تاریخی کارناموں سے حالانکہ کشمیر کی تاریخوں میں ان کا کافی ذکر ہے۔ کچھ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے اور ''از خاندان بنی امیہ'' کہنے کے سوا بمبہ قوم کے نام پر کوئی صحیح وجہ تسمیہ نہیں بتا سکتے۔ کشمیر کی قریباً سب تاریخوں پر نظر ڈالنے اور بعض جدید کتب کے مطالعہ کے بعد راقم کو جو کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ وہ ذیل میں درج کرتا ہے۔

فرمانروایان ملتان کے تین سلسلے تھے جن کا عرب سے تعلق تھا۔ چونکہ کئی عربی تاریخیں اور عرب سیاحوں کے سفرنامے مطالع نہ ہونے کے باعث ہندوستان تک نہ پہنچ سکے اس لیے پہلے اور دوسرے سلسلوں سے فارسی مورخین واقف نہ ہو سکے۔ بہر حال عرب سیاحوں کے مطابق ان تینوں کا تعلق سرزمین عرب ہی سے تھا۔ ان میں سب سے پہلا: *

(۱) منبہ بن اسد اسامہ بن لوی کے خاندان قریش سے تھا۔ اس خاندان کو بنومنبہ کہتے تھے۔

(۲) حلم بن شیبان جو مورخ البیرونی کے بیان کے مطابق پہلا قرمطی یا اسماعیلی تھا جس نے ملتان پر قبضہ کیا تھا۔ اس کا زمانہ ۳۴۰ھ بلکہ ۳۶۷ھ اور ۳۷۵ھ کے درمیان ہے۔

(۳) شیخ حمید اور اس کا بیٹا نصیر، یا نصر اور اس کا بیٹا ابوالفتح یا ابوالفتوح شیخ حمید الپتگین اور سبکتگین کا ہم عصر تھا۔ یعنی ۳۵۱ھ سے ۳۹۰ھ تک آخر محمود نے ملتان کی دوسری فتح پر ۴۰۱ھ میں داؤد کو گرفتار کر لیا۔ فارسی مورخین صرف آخری سلسلہ سے واقفیت رکھتے ہیں۔ وہ بھی سلطان

---

* از عرب و ہند کے تعلقات مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی صفحہ ۳۲۶ مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ

محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں کی وجہ سے فرشتہ وغیرہ مورخین نے شیخ حمید، نصر، ابوالفتح، داؤد کے ناموں کو لودھی اور پٹھان ظاہر کیا ہے۔ لیکن یہ خاص عربی نام ہیں اور پھر شیخ کا اعزازی لقب خالص عربی ہے اور اسماعیلی باطنیوں میں لفظ شیخ خاص طور سے امیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی شان سیاسی سے زیادہ مذہبی ہوتی تھی۔ اس لیے خود حسن بن صباح کو شیخ الجبال (پہاڑی علاقوں کا امیر) کہتے تھے بلکہ آج بھی کویت کے حکمران کو شیخ کویت اور منگرول (کاٹھیا واڑ) کے فرمانروا کو شیخ منگرول کہتے ہیں۔ اسی بنا پر مولانا سلیمان ندوی لکھتے ہیں "اس زمانہ میں تو پٹھانوں میں اسلام کا رواج بھی بمشکل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ شیخ حمید نصر اور ابوالفتوح، داؤد وغیرہ نسبی طور پر عربی اور نسلی طور پر حلم بن شیبان ہی کی اولاد ہوں گے۔"

فرمانروایان ملتان کے سلسلہ اول کا بانی منبہ بن اسد تھا۔ جولوی بن غالب کی اولاد سے تھا۔ یہاں اس کے مختصر سے نسبی سلسلہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے منبہ بن اسد کی کیفیت سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

عدنان * سے لوی بن غالب تیرہویں پشت ہے اور لوی بن غالب سے عبدالمناف چھٹی پشت میں تھا اور رسول کریم صلعم لوی بن غالب سے دسویں پشت میں تھے۔ عبدالمناف کے دو بیٹے تھے۔ ہاشم و عبدالشمس۔ ہاشم کی اولاد سے بنی عباس ہوئے۔ عباس حضرت رسول کریم صلعم کے چچا اور ان کے والد حضرت عبداللہ کے بھائی تھے۔ یہ شاخ ہاشمی کے نام سے موسوم ہے۔ عبدالشمس کے بیٹے کا نام امیہ تھا۔ اس کی نسل بنی امیہ کہلائی۔ حضرت عثمان اور امیر معاویہ اور خلفائے بنی امیہ، امیہ بن عبدالشمس کی اولاد سے تھے۔ حضرت عثمان جن کی شہادت بہ عمر ۸۱ سال ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو ہوئی۔ امیہ سے چوتھی پشت میں تھے۔ خلیفہ عبدالملک اموی امیہ کی پانچویں پشت میں تھا۔ حجاج بن یوسف اسی کے زمانہ میں عراق کا گورنر تھا۔ اسی کے زمانہ میں ۹۶ھ/ ۷۱۵ء میں محمد بن قاسم فاتح سندھ ہندوستان آیا۔ جو سوا تین برس ۹۹ھ تک ہندوستان میں رہا چونکہ اس زمانہ میں خاندان بنی اُمیہ بڑے عروج پر تھا اور اس کی فتوحات کا دائرہ سندھ اور ملتان تک پہنچ چکا تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں بنی اُمیہ قوم کے اکثر لوگ ہندوستان آتے اور چونکہ فاتح اور حاکم تھے۔ اس لیے بڑے جاہ و جلال سے آئے۔ انہی میں منبہ بن اسد بھی

---

* بحوالہ نسب نامہ رسول مقبول صفحہ ۱۳ بحوالہ ابن قتیبہ کی کتاب "کتاب المعارف" اصل عربی، ترجمہ اُردو مطبع لکھنؤ

تھے۔ ملتان میں انہوں نے اپنی ایک زبردست حکومت قائم کرلی۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنی تاریخ ''عرب و ہند کے تعلقات'' میں عرب سیاح وجغرافیہ نویس ابن رستہ (۲۹۰ھ) کی کتاب الاعلان النفیسہ * کے حصہ جغرافیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ملتان میں ایک قوم رہتی ہے جو سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے۔ ان کو لوگ بنو منبہ کہتے ہیں اور وہی وہاں کے بادشاہ ہیں۔ ہندوستان کے راجے ان سے لڑنے آتے ہیں۔ تو وہ بھی ملتان سے اپنی بڑی فوج لے کر نکلتے ہیں اور ان سے لڑتے ہیں اور اپنی دولت اور قوت کے سبب سے ان پر غالب آتے ہیں۔

ابن رستہ کے بعد ایک اور عرب سیاح بلاذری (مصنف فتوح البلدان) ۲۷۹ھ مطابق ۸۹۲ء اور اس کے گیارہ سال کے بعد مسعودی ۳۰۱ھ میں ملتان پہنچتا ہے۔ وہ بھی ملتان کی بنو منبہ حکومت کے متعلق لکھتا ہے۔ ملتان کی سلطنت سامہ بن لوی بن غالب کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے پاس فوج اور قوت ہے۔ اور ملتان اسلامی حکومت کی بڑی سرحدوں میں سے ایک سرحد ہے۔ یہیں وہ مشہور بت خانہ ہے جس کی خوشبودار لکڑیوں سے جو دور دور سے اس بت خانہ کے لیے آئی ہیں۔ امیر کو بہت آمدنی ہوتی ہے۔ میں ۳۰۰ھ کے بعد ملتان پہنچا۔ اس وقت وہاں ابو اللباب بنو منبہ بن اسد قریشی سامی کی حکومت تھی۔ **

مسعودی کے چالیس برس کے بعد ۹۵۱ء ۳۴۰ھ میں اصطخری ہندوستان میں آتا ہے۔ وہ ملتان اور اس کی بنو منبہ حکومت کا حال تفصیل سے لکھتا ہے اور آخر میں لکھتا ہے ''بادشاہ شہر کے باہر آدھے فرسنگ پر شاہی عمارات میں رہتا ہے۔ وہ شہر میں صرف جمعہ کے دن ہاتھی پر سوار ہو کر نماز پڑھنے کو جاتا ہے۔ وہ نسلی طور پر قریشی ہے اور سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے۔ منصورہ *** (سندھ) کے امیر یا کسی اور کا وہ تابع نہیں۔ صرف خلیفہ کا نام خطبہ میں لے لیتا ہے۔

---

* الاعلان النفیسہ مصنفہ ابن رستہ صفحہ ۱۳۵ مطبوعہ لندن ۱۸۹۲ء۔

** مروج الذہب مسعودی جلد اول مطبوعہ پیرس (بحوالہ تعلقات عرب و ہند) صفحہ ۳۰۹، ۳۱۰۔

***منصورہ میں ایک قریشی امیر فرمانروا تھا۔ جس کا نام ابو المنذر عمر بن عبد اللہ تھا۔ وہ ہبار بن عبد اللہ کی اولاد سے تھا۔ یہ وہی ہباو ہے۔ جو آنحضرتؐ کی مخالفت میں مشہور تھا مگر آخر میں مسلمان ہو گیا۔ ۱۱۱ھ میں بعہد خلیفہ ہشام بن عبد الملک اموی اس کی اولاد سے ایک شخص قسمت آزمائی کے لیے سندھ چلا آیا۔ جہاں اس نے منصورہ (زیریں سندھ) کے علاقہ پر رفتہ رفتہ قبضہ کرلیا۔ شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی ہباری خاندان ہی سے تھے۔ جن کے آباؤ اجداد ادزوال کے زمانہ میں ملتان چلے آئے تھے۔ ملتان اور منصورہ کے امیر مطلق العنان تھے۔ ان کے علاوہ سندھ میں قریشیوں کی اور بھی ریاستیں تھیں۔

اصطخری کے ستائیس سال بعد ۳۶۷ھ میں ابن حوقل بغدادی اور اس کے آٹھ برس کے بعد بشاری مقدسی ملتان آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ ملتان والے شیعہ ہیں۔ اذان میں حی علی خیر العمل اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں۔ یہاں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں اور یہاں سے مصر کو تحفے تحائف جاتے رہتے ہیں (احسن التقاسیم مقدسی صفحہ ۴۸۱ بحوالہ تعلقات عرب و ہند) قریباً سو سال تک اموی خاندان کی حکومت برسر اقتدار رہی اور اس عرصہ میں ہندوستان میں بھی ان کی کئی ایک ریاستیں سندھ اور بلوچستان وغیرہ میں قائم ہو گئیں۔ جن میں ملتان کی ریاست سب سے بڑی تھی۔ جہاں بنومنبہ کے خاندان نے عرصہ تک حکومت کی۔ عرب مورخین و سیاحین کے علاوہ تاریخ ہندوستان جلد اول مؤلفہ شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ دہلوی نے بھی صفحہ ۱۷ پر بنومنبہ کی حکومت کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں اس خاندان میں یہ سلطنت نسل در نسل چلی آتی تھی۔ یہ خاندان سامہ بن لادی بن غالب کی نسل میں تھا۔ خاندان امویہ یعنی بنی امیہ کے شاہی اقتدار کا خاتمہ ۱۳۴ھ میں ہوتا ہے۔ اسی سال خاندان عباسیہ کا پہلا بادشاہ السفاح ابو العباس امیر المومنین قرار پاتا ہے۔ اس کی حکومت ۷۵۰ء۔۱۳۴ھ سے ۷۵۴ء۔۱۳۶ھ تک رہتی ہے۔

۱۳۴ھ تک بنومنبہ خاندان بھی ملتان میں خود مختار حکمران کی حیثیت سے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ رہا۔ لیکن جب عباسی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے امویوں پر مظالم کا طوفان برپا کر دیا اور بقول مورخین ان کی ہڈیاں تک نکال کر دجلہ و فرات میں بہادی گئیں۔ اس خوفناک طوفان کی جان لیوا لہریں ملتان اور سندھ تک بھی پہنچیں۔ اموی خاندان کی جو حکومتیں ان علاقوں میں برسر اقتدار تھیں۔ ان میں سے کچھ مٹ گئیں اور جو رہ گئیں انہوں نے اطاعت قبول کر کے اور خراج اور نذرانے اور تحفے تحائف دینے کا اقرار کر کے خلفائے عباسیہ کی قیادت تسلیم کر لی۔ انہی میں بنومنبہ حکومت بھی تھی اور گو حکومت قائم رہی لیکن اس خاندان کے صدہا افراد جنہوں نے عباسی قیادت کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یقیناً جلاوطن کیے گئے ہوں گے۔ خلفائے عباسیہ کے بعد مصر کے فاطمی خلفا کا زمانہ آیا جن سے باطنیہ فرقہ پیدا ہوا ہے اور جو اعتقاداً شیعہ خیالات کے پیرو تھے۔ ان کے زمانہ میں بنی امیہ کے خاندانِ بنومنبہ کی سنی حکومت جس کا پتہ ۳۴۰ھ تک ملتا ہے۔ بالکل ہی مٹ گئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی ''تعلقات ہند و عرب'' میں لکھتے ہیں۔ ۳۶۷ھ میں ملتان اسماعیلیوں کے قبضہ میں نظر آتا ہے اور یہ قیاس اس لیے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ انہی ایام میں یعنی ۳۵۸ھ میں اسماعیلی فاطمیوں کی حکومت مصر میں قائم ہوئی اور ۳۶۱ھ میں ان کی

پایہ تخت افریقہ سے مصر میں منتقل ہوا۔

ملتان وسندھ کی اموی حکومتوں اور خاندان بنومعبہ کا حقیقی زوال تو عباسیوں کے برسر اقتدار ہوتے ہی شروع ہو گیا تھا اور ہر چند اس خاندان کے اکثر قبائل عباسی مظالم کی تاب نہ لا کر منتشر بھی ہو گئے تھے تاہم جب تک عباسیوں پر زوال نہیں آیا تھا۔ان کا کچھ نہ کچھ وقار قائم تھا لیکن جب فاطمی خلفاء آئے جو مذہب اور اعتقاد کے رو سے بھی ان کے مخالف تھے۔تو ان کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ خانمان برباد ہو کر شمالی پنجاب کی طرف دوڑے جہاں پکھلی کے کوہستانی علاقہ نے ان کو پناہ دی۔

یہاں نئی زمین تھی۔ نیا آسمان تھا۔ زبان معاشرت اور تمدن سب جدا تھا وہ ہر لحاظ سے یہاں اجنبی اور بیگانے تھے۔ بنومعبہ خود عرب نژاد تھے۔ عربی زبان کے علاوہ ملتانی اور سندھی زبانیں بھی جانتے تھے۔پکھلی والوں کی زبان پہاڑی بھی تھی۔ پنجابی بھی تھی۔ اور وہ کشمیری زبان سے بھی واقف تھے۔ان کے لیے بنومعبہ کا لفظ بالکل نیا تھا۔۔ زبانوں پر آسانی سے نہ چڑھ سکا۔ اس لیے رفتہ رفتہ بنومعبہ کا بمبہ یا ببہ بن گیا۔

جہاں تک موجودہ تحقیقات کا تعلق ہے بمبہ خاندان عربی النسل اور قریشی الاصل ہے۔ اور ہر چند اس کی اقامت کشمیر یا پہاڑی بود و باش کو صدیاں گزر چکی ہیں لیکن مولوی حشمت اللہ خان لکھنوی مصنف تاریخ جموں و ملحقات کشمیر کی تحریر کے مطابق بمبہ حضرات کی شکل و شباہت ذاتی وجاہت اور نیز ان کے قومی خصائل واضح طور پر اس امر کی دلالت کرتے ہیں کہ وہ یہاں کے اصلی باشندوں میں سے نہیں ہے۔ مولوی حشمت اللہ خان کی تاریخ سے پانچ سال قبل ۱۹۳۴ء میں راقم نے اس کتاب میں اس قوم کے متعلق ذیل کے الفاظ لکھے تھے۔ بمبہ قوم کے اخلاق و عادات اور اس کے جنگی و ملکی کارناموں کی طرف اگر دیکھا جائے جن کی تفصیلات سے کشمیر کی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔تو بلاشبہ یہ ایک شجاع عالی نسب، بلند حوصلہ، سیر چشم اولوالعزم اور وسیع الاخلاق قوم معلوم ہوتی ہے۔

اس قوم کے جو افراد کشمیر میں آباد ہیں اور جو ریاست کے پہاڑی علاقہ مظفر آباد و پونچھ میں آباد ہیں اور جو انگریزی علاقہ میں رہائش رکھتے ہیں ان سب کے عادات و اخلاق اور شکل و شمائل میں آب و ہوا کے اختلافات کی وجہ سے نمایاں فرق نظر آتا ہے۔پکھلی اور ہزارہ کی قدیم مستند تاریخ جس طرح مولوی حشمت اللہ خان کو نہیں مل سکی۔ جو مظفر آباد کے ڈپٹی کمشنر ہونے کی

وجہ سے تاریخ کی بہم رسانی کے بہتر وسائل رکھتے تھے۔اسی طرح راقم بھی اب تک بعض احباب کے وعدوں کے باوجود تاریخ ہزارہ کے مطالعہ سے محروم ہے۔ اگر پکھلی کی تاریخ اور اس کے جغرافیہ قدیم کی دستیابی ہو سکے تو ممکن ہے سلاطین پکھلی کے حالات کے علاوہ بمبہ قوم کے حالات پر بھی کافی روشنی پڑھ سکے۔صرف امیر تیمور کے زمانہ ۸۰۱ء ہی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہاں قرلغ قوم کے ترک آباد کیے گئے تھے۔اس سے قبل کے حالات پر بالکل تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اسی لیے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ بنومدبہ قوم جو رفتہ رفتہ بمبہ کے نام سے موسوم ہوگئی، چھ سات سو سال تک اس علاقہ میں یا اس کے ملحقات میں کس طرح زندگی بسر کرتی رہی۔

تاریخ سب سے پہلے جس بمبہ کا نام پیش کرتی ہے وہ محمد مظفر خاں ہے جو شاہجہان کے زمانہ میں تھا۔اس شخص کے متعلق تاریخ شاہد ہے کہ اس کے اسلاف سلاطین پکھلی کے متوسلین میں سے تھے اور یہ بھی قیاس ہے کہ سلطان پکھلی کی فوج میں بھی بمبہ کی کافی جمعیت ہوا کرتی تھی جس کا ثبوت آئندہ سطور میں ملے گا۔

جب نادر شاہی اور احمد شاہی حملوں کے بعد سلطنت مغلیہ کی جڑ بالکل کھوکھلی ہوگئی۔تو اکثر ناظمان صوبہ نے اپنی اپنی علیحدہ حکومتیں قائم کرلیں۔اوران کے علاوہ اور کسی نے بھی اگر زور و ہمت اور اپنی قوم کے اتفاق سے کام لیا تو وہ بھی اپنے سے کسی کمزور کو دبا کر اس کا ملک خود سنبھال بیٹھا۔ایسے ہی بہادر اور موقع شناس لوگوں میں محمد مظفر بمبہ بھی تھا جو سلطان پکھلی کا سپہ سالار بھی تھا۔اس نے اپنی فوج کی مدد سے جس میں اس کی قوم کے لوگوں کی کثرت تھی۔پکھلی کی کمزور حکومت سے اس کا شمالی حصہ چھین کر اور اس کے بعد راوہ اور کرناہ پر قبضہ کر کے قرلغ قوم کی حکومت کا بالکل خاتمہ کردیا اور ایک چھوٹی سی پہاڑی پر اپنے نام کی رعایت سے ایک قصبہ مظفر آباد، آباد کیا اور اسی کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔یہ واقعہ گیارہویں صدی ہجری کے اخیر یا بارہویں صدی ہجری کے آغاز کا ہے۔۱۱۲۴ تک محمد مظفر سلطان محمد مظفر خان کے نام سے اس درجہ طاقت حاصل کر چکا تھا کہ کشمیر بھی اس کے حملوں سے محفوظ نہ سمجھا جاتا تھا چونکہ پکھلی کے حکمران سلطان کہلاتے تھے۔اس لیے محمد مظفر خان نے بھی سلطان ہی کا لقب پسند کیا۔ جو آج تک اس کی پہاڑی ذریات میں چلا آتا ہے۔البتہ اس کی اولاد سے جو لوگ اندرون کشمیر آباد ہیں۔ان کے جاگیردار راجہ کہلاتے ہیں۔

بمبہ قوم کی اکثریت کشمیر اور علاقہ پہاڑ میں انہی امراض میں مبتلا ہے۔ جو مسلمانوں

کے عام طبقوں میں پائے جاتے ہیں۔ غفلت شعاری لہو ولعب بے علمی قبیح مراسم، تنگ دستی بے روزگاری بے ہنری، اسراف بیجا ان کا عام شغل ہے۔

راقم نے راجہ فیروز الدین خان جاگیردار یاری پورہ خلف راجہ شیر احمد خان مرحوم والئی کرناہ و دراوہ کی تحریک سے بمبہ قوم کو جمود و سکون سے حرکت و حرارت میں لانے کے لیے جو نظم لکھی ہے وہ ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جس کہستاں میں پلا تھا شیر احمد سا شجاع
شیر احمد ہی نہیں ہے وہ کہستان اب بھی ہے
یادگار شیر احمد راجہ فیروز دیں
قوم بے احساس کے غم میں پریشاں اب بھی ہے
چاہیے احساس کچھ قومی حمیت کے لیے
تیری رگ میں خون عثمانی اے ناداں اب بھی ہے
تو نے تو خود ہی خارزار دشت میں رکھا قدم
فرق گل تھا تو جہاں وہ گلستاں اب بھی ہے
غیرت قومی مٹی جس قوم سے وہ قوم کیا؟
گو نظر آتی بظاہر شکل انساں اب بھی ہے
آج جس ذلت میں بمبہ قوم کے افراد ہیں
چشم منصور و مظفر اس پہ گریاں اب بھی ہے
مشکلیں ہر قوم پر آئیں بھی آساں بھی ہوئیں
یاد رکھ ہر ایک بیماری کا درماں اب بھی ہے
گو خیال و خواب ہے آن سلف شان سلف
ناخلف گر تو نہیں تو اس کا امکاں اب بھی ہے
تیرا ہی اس پر سے اے غافل یقیں جاتا رہا

جس سے تھا غالب کبھی مسلم وہ قرآں اب بھی ہے
راحتیں موجود تکلیفوں کا استقبال کر
ماہ کنعاں ہی نہیں ہے چاہ کنعاں اب بھی ہے
اکثریت قوم کی علم و عمل سے ہے تہی
ہائے غافل تجھ کو شوق گوئے چوگاں اب بھی ہے
تو کرے ہمت تو پھر ہیں دولت و ثروت غلام
تیرے رب کا تجھ پہ لطف وفضل واحساں اب بھی ہے
تو بھی کچھ حالت بدل اللہ بھی دے گا مدد
اس کا وعدہ اس کا فرمان نمایاں اب بھی ہے
کاش ہو تنظیم قومی کا کسی کو کچھ خیال
قوم میں گو کوئی راجہ کوئی سلطاں اب بھی ہے
آج ذی عزت ہے کل تک جو ذلیل و خوار تھا
علم جو حاصل کرے گا گل بداماں اب بھی ہے
ڈھونڈ لے کھویا ہوا اپنا عروج گمشدہ
ماہ تاباں اب بھی ہے مہر درخشاں اب بھی ہے
جس کے ذروں کی چمک نے کردیا روشن پہاڑ
وہ بیاباں اوروہ ریگ بیاباں اب بھی ہے
بن گئے عہد ہری سنگھ میں بہت بگڑے ہوئے
تو بھی بگڑی کو بنا بننے کا ساماں اب بھی ہے
مضمحل گو ہوگئے اپنے قواء لیکن اے فوقؔ
لکھنے پڑھنے کا جو خفقاں تھا وہ خفقاں اب بھی ہے

سلطان مظفر خان اول بانیٔ مظفر آباد کے فرزند سلطان ہیبت خان ثانی کے

علاقہ دار جاگیر کٹھائی

- سلطان محمد مظفر خان اول بانی مظفر آباد
  - سلطان ہیبت خان ثانی
    - سلطان میرزا شہید محمد معزالدین
      - سعطان محمود خان والئی مظفر آباد
    - سلطان ہدایت اللہ خان مورث اعلیٰ جاگیرداران کٹھائی
      - سلطان ولی خان
        - سلطان ابراہیم خان (ان کی اولاد باندی میں آباد ہے)
        - سلطان مظفر خان دوم
          - ذوالفقار خان (ان کی اولاد پہل پورہ میں آباد ہے)
          - سلطان زبردست خان
            - سلطان محمد خان
              - خان ولی محمد خان
                - محمد حسین خان لاولد
              - عطا محمد خان لاولد
              - خان عنایت اللہ خان (ان کی اولاد کٹھائی و پہل پورہ میں ہے)
                - سلطان محمد متولی خان موجودہ سلطان۔
                  - خان عبدالعزیز خان
                - عطا محمد خان
                  - فیروزالدین خان
              - خان محمد عکندر خان (ان کی اولاد کٹھائی میں آباد ہے)
            - فتح محمد خان (ان کی اولاد براری پورہ میں آباد ہے)

فرزندوں میں پانچواں فرزند سلطان ہدایت اللہ خان سلاطین جاگیر کٹھائی کا مورث اعلیٰ گزرا ہے۔

۱۱۹۷ھ میں آزاد خاں ناظم کشمیر نے جو احمد شاہ بادشاہ سے روگرداں ہو کر کشمیر کا خود مختار بادشاہ کہلاتا تھا۔ اور جس نے اپنا لقب نادر شاہ ثانی رکھ لیا تھا۔ سلطان ہدایت اللہ خان پر ایک مہم تیار کرنے کے لیے کشمیر کے ہر پرگنہ سے زمینداروں کو بیگار میں پکڑا اور ان پر ایسا تشدد کیا کہ ایک شور عظیم بلکہ فساد عظیم پیدا ہو گیا۔ اور جب وہ اپنا لاؤ لشکر لے کر حدود پہاڑ میں پہنچا تو پہاڑی سلاطین اور راجے ادھر ادھر ایسے منتشر ہوئے کہ وہ منہ دیکھتا رہ گیا اور آخر اپنی خفت و ندامت مٹانے کے لیے کچھ پہاڑی لوگ گرفتار کر کے سری نگر لے آیا۔

افغانوں کے بعد سکھوں کے زمانہ میں اپنی قوم کے بعد دیگر سلاطین و راجگان کی طرح کٹھائی والوں کی بھی چھیڑ چھاڑ رہی۔ لیکن روز روز کے فتنہ و فساد کو مٹانے کے لیے، آخر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک سند شاہی کی رو سے کٹھائی والوں کے حقوق سیاسی تسلیم کیے۔ اس سند کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''ابتدائے بارہ لغایت حدود سہیلی حکومت وچھنہ وکھاورہ تمام مکانات معہ جاگیر در عالی جاہ رفیع جائے گاہ راجہ سلطان مظفر علی خان عطا و مرحمت شد کہ عہد از روئے ایں حدود لغایت حدود و حرف حکومت بر زباں بیار و اگر حدے از روئے خام طمع یک حرفے از حروفات حکومت سرکار والا بر زباں آورد او رامنع خواہد شد۔ تحریر ۲۰ مگھر ۱۸۷۷ بکرمی۔

اس سند جس میں سلطان مظفر علی خان کا نام ہے۔ یہ وہی سلطان ہے جو سلطان ہدایت اللہ خان کے بیٹے سلطان ولی خان کا فرزند ہے۔ اور سلطان مظفر خان ثانی کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ لب التواریخ میں بھی سلطان مظفر خان ثانی کے حالات میں لکھا ہے: ''در حکومت رنجیت سنگھ نلوہ سلطان مظفر راجہ کٹھائی بہ غلبہ شرکاء فرار بودہ بہ مہربانی مہاراج۔ سلطان مظفر خان زمین تا بارہ مولا با عطائے بعض جاگیر کشمیر گردانید بعد چندے اور فوت شدہ پسرش زبردست خان آلان ہم مستقل است بجائے او نشست لیکن غیر از پہاڑ تصرفے ندارد۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تاریخ لب التواریخ کے زمانہ * میں زبردست خان کٹھائی کے سلطان زندہ تھے۔ سلطان زبردست خان کے بعد اس کا فرزند

* در عہد سکھاں بہ نظامت شیخ غلام محی الدین صوبہ کشمیر

سلطان محمد خان اس کا جانشین ہوا۔ اس کے حسب ذیل چار فرزند تھے۔ خان ولی محمد خان، خان عطا محمد خان، خان عنایت اللہ خان، محمد سکندر خان۔

سلطان زبردست خان ہی کے زمانہ میں سکھ حکومت کا خاتمہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کشمیر کا آغاز ہو چکا تھا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ کو ان فسادات کا خوب علم تھا۔ جو مگھر ۱۹۰۱ بکرمی میں دربار خالصہ کی خانہ جنگیوں کی بدولت پنجاب و کشمیر میں پیدا ہو رہے تھے۔ کشمیر کے ان فسادات نے جو بمبہ سلاطین کی سرکردگی میں علاقہ پہاڑ میں مسلسل بدامنی کا باعث تھے۔ اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لی تھی کہ اگر شیخ غلام محی الدین کو اپنی فوج کے علاوہ لاہور اور راجوری سے فوجی مدد نہ پہنچی تو بمبہ قوم تمام کشمیر اور مضافات پر قابض ہو چکی تھیں۔

مہاراجہ نے نہایت دوراندیشی سے کام لے کر بمبہ قوم کے ساتھ رابطہ اتحاد بڑھانا شروع کیا اور اس بہادر و شجاع قوم پر حکومت کرنے کی بجائے اس نے اپنی عنایات خسروانہ اور اپنی مدبرانہ حکمت عملیوں سے اس کے دل پر وہ اثر پیدا کیا کہ وہ رفتہ رفتہ بمبہ خاندان کے سب مقتدر رئیس اس کے مطیع و منقاد ہو گئے۔

مہاراجہ بھی ان پر اپنی مہربانیاں کرتے تھے۔ اور یہ بھی مہاراجہ کی وفاداری میں ثابت قدمی کا اظہار کرتے تھے۔ ان کی اطاعت گزاری سے مہاراجہ گلاب سنگھ کو بھی کچھ اطمینان نصیب ہوا اور علاقہ پہاڑ بھی امن و امان کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ان کے وفادارانہ جذبات کو مدنظر رکھ کر سندات، ارشادات اور عہد ناموں کی رو سے ان کے سیاسی حقوق کی ذمہ داری اور حفاظت قبول کی اور اس خاندان کے مختلف افراد کو مراعات لاتعداد کے علاوہ جاگیریں عطا کیں۔

مہاراجہ گلاب سنگھ کی زندگی ہی میں سلطان زبردست خان بڑی عمر پا کر ۱۹۱۰ بکرمی کے اواخر میں انتقال کر گئے۔ ان کے فرزند اکبر سلطان محمد خاں کا مہاراجہ رنبیر * سنگھ نے اپنے ۲۲ مگھر ۱۹۱۱ بکرمی کے ارشاد کے مطابق ان کے باپ کی جگہ سلطان کٹھائی مقرر کیا۔ چنانچہ اس ارشاد کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

---

* مہاراجہ گلاب سنگھ ان ایام میں بقید حیات تھے۔ لیکن وہ بوجہ علالت وغیرہ راج گدی اپنے فرزند مہاراجہ سر رنبیر سنگھ کو عطا کر چکے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۲۰ ساون ۱۹۱۴ بکرمی مطابق ۴ اگست ۱۸۵۸ء کو بمقام سری نگر انتقال کیا تھا۔

''چوں دریں وقت سلطان زبردست خان کٹھائی برضائے الٰہی فوت شدہ ازاں جا کہ علاقہ وچھنہ کٹھائی ابتدائے بارہ مولا تا حدود کاوہ دندہ بہ قدیم ملکیت سلطاناں کٹھائی است لہٰذا باعث تحریر آنکہ سلطان محمد خان فرزند مشائر الیہ بلاشرکت غیرے قابض میراث خود گردیدہ از جانب، بدولت ہم مطابق نوشتہ ہذا بغیر از نذرانہ معہودہ ہمراہ او بکدام وجہ خلش نباشد، مشاوالیہ در ہر باب امور حسب آئین بزرگان خود کاروائی نماید۔ بنابریں ایں چند کلمہ بطریق سنداً قلمی یافت المرقوم ۲۲ مگھر ۱۹۱۱ بکرمی۔

سلطان محمد خان بڑے غیور اور بارعب سلطان تھے۔ ایک مرتبہ لالہ متھرا داس سپرنٹنڈنٹ پولیس نے آپ سے ازراہ طعن کہا:

وفا نیست در مردم کوہسار
ازیں آہواں چشم الفت مدار

آپ نے فوراً جواب دیا:

شیر شیر زہ گرچہ کوہساری بود
بہتر از سگ ہائے بازاری بود

اس پر متھرا داس کھسیانے ہوکر رہ گئے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ سب سے بڑے جیسا کہ شجرہ نسب سے معلوم ہوگا۔ ولی محمد خان تھے۔ یہ تین فرزند چھوڑ کر عین جوانی کے عالم میں انتقال کر گئے۔ ان کے تین بیٹوں میں محمد حسین خان ''ہمیں تو موت ہی آئی شباب کے بدلے'' کا مصداق ہوکر اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے دوسرے دو فرزند سلطان محمد متولی خان کی نابالغی کے ایام میں آپ کے عم خان محمد خان اور خان عنایت اللہ خان اور خان محمد سکندر خان سلطان کٹھائی رہ چکے ہیں۔ خان محمد سکندر خان مرحوم سے راقم کو بھی واقفیت تھی۔ و صاحب علم تھے اور حکمت وطبابت میں بھی بہرہ وافر رکھتے تھے۔

سلطان محمد متولی خان ۱۹۴۰ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ۲۰۰۰ بکرمی میں آپ کی عمر ساٹھ سال کی ہے لیکن صحت بہت اچھی ہے اور بالکل نوجوان معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی جاگیر جو دچھنہ کٹھائی کے نام سے موسوم ہے۔ خاندان بمبہ کے تمام جاگیرداروں اور علاقہ داروں میں سب سے بڑی ہے بلکہ ریاست جموں وکشمیر کے ۸۴ ہزار مربع میل رقبہ کی تمام مسلمان جاگیردا

میں افضل اور اہم ہے اور حدود ریاست میں پونچھ اور چینی کی جاگیروں کے بعد تیسرا درجہ اسی جاگیر کا شمار ہوتا ہے۔ یہ جاگیر ۶۸ مواضعات پر مشتمل اور بارہ مولا سے لے کر کاوہ وندہ تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا سالانہ مالیہ اکتالیس ہزار روپیہ ہے۔ آبادی آپ کی جاگیر کے دیہات کے قریباً تیس ہزار نفوس کی ہے۔

اپنے بزرگوں کی تقلید میں اور اپنی ذاتی عقیدت مندی کی وجہ سے حکمران خاندان اور ہز ہائنس مہاراجہ بہادر کی ذات خاص کے ساتھ گہرا وفادارانہ تعلق رکھتے ہیں چنانچہ مہاراجکمار شری کرن سنگھ جی کے مبارک جنم دن پر آپ نے اپنی بے پناہ مسرت کے اظہار میں اپنے ہیڈ کوارٹر ہامہ اور تحصیل کے صدر مقام اوڑی پر تمام مقامی افسروں سرکاری ملازموں اور معزز اصحاب کو عظیم پیمانہ پر ایک دعوت دینے کے علاوہ طبقہ غربا میں نقدی وجنسی خیرات تقسیم کی۔ اور صرف دعوتوں پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ آپ کی جاگیر کے زمینداروں پر تیرہ ہزار روپیہ کی جو رقم سالہا سال سے بقایا چلی آتی تھی اور جس کی وصولی کے لیے حکومت نے بھی سرکاری احکام جاری کر دیئے تھے۔ آپ نے اس مبارک تقریب پر یہ گراں قدر رقم تمام زمینداروں کو معاف کر دی۔ زمینداروں نے اس معافی کے شکریہ کے اظہار میں نہ صرف سلطان صاحب ہی کو دعائیں دیں بلکہ مہاراجکمار کی درازی عمر کے لیے بھی ان کے اخلاق بھرے الفاظ دل سے دعا بن کر زبان پر آتے رہے۔

سلطان محمد متولی خان نے نہایت نازک وقت میں نہ صرف اپنی جاگیر کے بہتر انتظام کا ثبوت دیا ہے بلکہ مشکل ترین حالات پر قابو پانے اور شورش انگیز واقعات کو دبانے میں بھی اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۳۱ء اور اس کے بعد کشمیر ایجی ٹیشن کے خطرناک ایام میں نب کہ واقعات کی رو نہ صرف وادیٔ کشمیر ہی کو بلکہ تمام ضلع مظفر آباد کو بھی اپنی لپیٹ میں لے آئی نی۔ آپ نے اپنی جاگیر کے تمام دیہات میں قتل یا لوٹ مار کی کوئی واردات نہ ہونے دی۔ اسی ران میں آپ بہ نفس نفیس اپنی جاگیر میں ہر طرف پھرتے رہے۔ اور جہاں کسی قسم کی بدامنی نورش کا ذرا سا شائبہ بھی پایا۔ آپ نے اپنے کچھ اقتدار سے اور کچھ اپنی حکمت عملیوں اور شیریں بانیوں سے اسے فوراً دبا دیا۔ آپ نے اس زمانہ میں جب حکومت کو سیاسی الجھنوں نے پریشان رکھا تھا۔ اپنے معتبر آدمیوں کو پلوں کی حفاظت پر مقرر کیا تا کہ خلق اللہ کی آمد و رفت اور ان کے انہ کاروبار میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آپ کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ ہمیشہ ہمدردانہ رہا ہے ٓپ کی مراعات اپنی غریب رعایا پر ہمیشہ مبذول رہتی ہیں۔ آپ کا ہیڈ کوارٹر بج ہامہ میں ہے۔

جہاں آپ کے خوبصورت مکانات اور باغات دیکھنے کی چیزیں ہیں اور یہ مقام ہر چند کہ جہلم و
روڈ سے دریا کے پار تین میل کے فاصلے پر ہے۔ رات کو بجلی کی روشنی سے بقعہ نور بنا رہتا ہے
آپ کی مہمان نوازی بے مثال ہے اور آپ کے مہمان خانہ کے دروازے امیر غریب سب
لیے کھلے رہتے ہیں۔

کشمیر میں سب سے بڑا جاگیر دار ہونے کے باوجود آپ نہایت خدا دوست منکسر
المزاج اور وسیع القلب ہیں۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق نے ہر کس و ناکس کو آپ کا گرویدہ بنا
ہے۔ آپ نے ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی جنگ عظیم یورپ میں رنگروٹوں کی بھرتی ہی میں کافی دلچسپی
لی بلکہ ہزاروں روپے جنگی فنڈ میں چندہ کے طور پر بھی بھیج دیئے۔ اس صلہ میں آپ کو گورنمنٹ
برطانیہ کی طرف سے انعام بھی ملا تھا۔ اسی طرح آنجہانی جارج پنجم کی سلور جوبلی کے موقع
جب آپ نے چندہ اور دوسرے ذرائع سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا تو برٹش گورنمنٹ
ہز ہائنس مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر موجودہ فرمانروائے ریاست کے ذریعہ ایک سند معہ تمغہ عطا

آپ کے ذاتی اوصاف آپ کی وسیع و دقیع جاگیر اور آپ کی لازوال روایتی وفا
اور آپ کے ایسے ہی دیگر کارناموں کی بدولت ہز ہائنس مہاراجہ بہادر نے آپ کی عزت
کے لیے آپ کو اپنے دربار اور اپنی وسیع مملکت کا پشینی ڈیل تعظیمی سردار مقرر کیا ہوا ہے۔
دو پٹہ، سلطان گھوڑی راجگان مچھی پورہ، دریاری پورہ و جاگیر دار پرسچہ جو ریاست میں خاص
کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ کے وسیع خاندان سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ سلطان
جو صوبہ سرحد کے ایک بہت بڑے جاگیر دار ہیں۔ آپ کے تعلقہ داروں میں ہیں۔ کٹھائی
ایک اچھی شکار گاہ بھی ہے۔ جہاں شیر اور ریچھ مارخور اور ہرن وغیرہ کثرت سے ملتے ہیں
علاقہ قدرتی نظاروں، خوبصورت وادیوں، لاتعداد آبشاروں، میٹھے پانی کے چشموں اور وسیع
آمد جنگلوں سے اٹا پڑا ہے۔ یہاں سے ۱۴ ہزار فٹ کی بلندی پر کاجی ناگ واقع ہے۔ یہ
چشمہ ہے وہ نصف میل تک جھیل کی صورت میں لمبا اور اس سے کچھ کم چوڑا ہے۔ اسی جھیل
سے کاجی ناگ کے نالہ میں جس نے وادی بج ہامہ کے سبزہ زاروں خود رو پھولوں او
فصلوں سے نہال کر رکھا ہے۔ پانی آتا ہے۔

راقم بھی جولائی ۱۹۳۰ میں سلطان صاحب کے ہاں مقیم تھا۔ اس قسم کے دل
دل گداز نظارے دیکھ کر طبیعت کی خاموشی کا صبر و سکون کہاں رہ سکتا تھا۔ یہیں دو نظمیں

چند شعر ذیل میں درج ہیں:

بہار جنت و کوثر کے نظارے نظر آئے
کنار آب بج ہامہ میں گلگشت کٹھائی میں
جہاں نیرنگی حسن ازل ہے بے نقاب اے دل
مجھے لے چل اسی خطہ کے دامان ہوائی میں

*

تم دل نہ کہو اس کو وہ پتھر کا ہے ٹکڑا
جس میں نہ حمیت نہ حرارت نہ وفا ہے
میں وہ کہ ترے ظلم و ستم پر بھی دعاگو
تو وہ کہ مرے عجز و وفا میں بھی خفا ہے
کس ہستی موہوم پہ غافل یہ تکبر
اتنا تو سمجھ کوئی رہے گا نہ رہا ہے
کشمیر جسے کہتے ہیں سب غیرت فردوس
جب تو ہی نہیں پاس تو دوزخ سے سوا ہے
آ اور میری چشم تصور میں سما جا
آئینہ ترا دیر سے بے عکس پڑا ہے

اس علاقہ میں چوب کٹھ سے لاکھوں روپے خزانہ ریاست کو دستیاب ہوتے ہیں اور دیگر قسم کی بیش قیمت جنگلی پیداوار بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ معدنیات کا بھی اس علاقہ میں کہیں نہ کہیں کھوج ملتا ہے۔

خان عبدالعزیز خان آپ کے ولی عہد ہیں جو اسوج ۱۹۶۸ بکرمی میں پیدا ہوئے سینٹ جوزف کالج بارہ مولا میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آگے تعلیم تو جاری نہیں رکھ سکے لیکن ادبی و علمی مذاق کی وجہ سے مطالعہ کتب کا بہت شوق ہے اور انگریزی میں بھی اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کے والد محترم نے ۱۹۹۵ بکرمی سے اپنی جاگیر کا تمام کاروبار آپ ہی کے سپرد کر رکھا

ہے۔ جسے آپ بہترین طریقہ سے انجام دے رہے ہیں۔ پنچایت بج ہامہ کے آپ سرپنچ ہیں۔ آپ نے محکمہ پنچایت کی امداداور ذاتی جیب خرچ کی مدد سے چھن داڑی کے مقام سے لے کر بج ہامہ پنچایت گھر تک سڑک کی مرمت کرائی۔ اس کے علاوہ جب چھن داڑی کے پل کی تعمیر کے لیے محکمہ پنچایت نے کام شروع کیا تو آپ نے بھی پانچ سو روپیہ جیب خاص سے بطور امداد عطا کیا۔ یہ پل ۱۹۴۱ء میں تیار ہو چکا ہے۔ ۱۹۴۲ء کی گرمیوں میں اس پل کا افتتاح سر گوپال سوامی آئینگر پرائم منسٹر نے کیا۔ اس موقع پر راقم بھی مدعو تھا۔ چندن داری میں آپ نے بنگلہ بھی تعمیر کرایا ہے۔ دیہات سدھار کے اغراض و مقاصد سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ اور دیہاتیوں اور زمینداروں اور اپنی غریب رعایا کے سود و بہبود اور ان کی پرورش و فلاح کا آپ کو بہت خیال رہتا ہے۔

فروری ۱۹۴۱ء میں سرکار والا مدار نے آپ کو ضلع مظفر آباد کے لیے اسسٹنٹ کمانڈنٹ مہاراجہ گارڈ مقرر فرمایا۔ آپ نے اس عہدہ و اعزاز کا چارج لیتے ہی ضلع کا دورہ شروع کر دیا۔ ہر مقام پر اور ہر دیہات میں پہنچے اور موجودہ جنگ میں رنگروٹوں کی بھرتی میں مدد دیتے رہے۔ اس سال کے خاتمہ تک بحیثیت کمانڈنٹ جو خدمات آپ نے انجام دیں اس کا ذکر کشمیر ایڈمنسٹریشن رپورٹ میں دوسرے درجہ پر ہے۔ بج ہامہ خاص میں آپ ہی کی کوشش خاص سے بیسک سکول قائم ہوا ہے۔ جس میں دیہاتی طلباء کو زراعت و دستکاری کا کام سکھایا جاتا ہے۔

یوسف زئی افغان

اس خاندان کے افراد سری نگر اور علاقہ لنگیٹ وغیرہ کے علاوہ لدھیانہ میں بھی ہیں۔ کشمیر میں اس خاندان کی ابتدا سردار امیر خان جوان شیر کے زمانہ (۱۱۸۴ھ تا ۱۱۹۰ھ) سے ہو جاتی ہے۔ لدھیانہ اور کشمیر میں جس طرح اس خاندان کی جائیداد وسیع ہے اسی طرح یہ خاندان کثیر الافراد بھی ہے کشمیر اور لدھیانہ میں بُعد عظیم ہے لیکن ان کی باہمی رشتہ داریاں اب تک قائم ہیں۔ صدیق خاں و گلفان کی اولاد سری نگر میں ہزاری باغ کے قریب رہتی ہے۔ حافظ شیر محمد خان اور ان کے بھائی یار محمد خان کی اولاد سری نگر اور لدھیانہ دونوں جگہ ہے حافظ صاحب کے پوتے ایاز محمد خان، مختار محمد خان اور ریاض محمد خان موجود ہیں۔ یار محمد خان کے پوتے سید محمد خان۔

محمد خان اور احسان محمد خان ہیں۔ دو اول الذکر ملازم ہیں۔ تیسرا زیر تعلیم ہیں۔ محمد خان کے بیٹوں میں (۱) حبیب خان کے فرزند مغل خان، تاجر پیشہ ہیں اور ان کے تینوں لڑکے زیر تعلیم ہیں (۲) عزیز خان کے چار فرزند ہیں ۱) منشی محمد حسین خان گرداور قانونگو (کشمیر) جن کی صرف ایک ہی لڑکی ہے۔ جو مختار محمد خان بن نیاز محمد خان بن حافظ شیر محمد خان کے عقد میں ہے (۲) عبداللہ (۳) غلام نبی خاں دونوں تاجر پیشہ ہیں (۴) علی محمد خان علمی و ادبی شوق رکھتے ہیں۔ مذاق سخن سے بھی آشنا ہیں۔ بی اے تک تعلیم ہے۔ ان کے فرزند کا نام تصدق حسین خان ہے اور کشمیر کے مشہور قومی خادم منشی غلام محمد خادم مرحوم کے داماد اور چوہدری محمد شفیع بی اے کے ہم زلف ہیں۔

خان محمد مظفر خان بمبہ بی اے ایل ایل بی منصف

خان عنایت اللہ خان سلطان محمد خان جاگیردار کٹھائی کے تیسرے فرزند تھے۔ ان کے چھ فرزندوں میں فرزند کلاں خان محمد اکبر خان مرحوم کے حسب ذیل پانچ لڑکے ہیں۔ یعقوب خان، ایوب خان، محمد حسین، محمد سلیم، وحید، خان عنایت اللہ خان مرحوم کے دوسرے فرزند فتح محمد خان اور تیسرے فرزند قطب الدین خان فوت ہو چکے ہیں۔ چوتھے مظفر علی خان ہیں۔ جن کی صرف ایک لڑکی ہے۔ پانچویں خان محمد مظفر خان ہیں۔ جن کا ایک فرزند خالد محمود ہے۔ چھٹے کا نام زبردست خان ہے۔

بمبہ خاندان کے تمام افراد میں جن کی تعداد صوبہ کشمیر میں پانچ ہزار کے قریب ہے۔ اس وقت صرف خان محمد مظفر خان ہی ایک ایسے نوجوان ہیں۔ جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بی اے ایل ایل بی ہیں۔ ابتداء میں ان کی پرورش ان کے ماموں سلطان قطب الدین * خان مرحوم جاگیر

* آپ بڑے زمانہ شناس تھے۔ آپ نے اپنے فرزندوں کو بھی تعلیم دلائی۔ آپ کے فرزند سلطان فیروز الدین خان لاہور میں پڑھتے رہے۔ فرزند دوم محمد ناصر خان بی اے تک پڑھے۔ نہایت قابل خلیق اور شریف الطبع تھے۔ پرجا سبھا (اسمبلی) کے سیکرٹری ہو گئے تھے۔ اگر ان کی زندگی وفا کرتی تو بہت ترقی کرتے۔ مگر افسوس عین عالم شباب میں بہ مرض تپ دق انتقال کر گئے۔ ان سے چھوٹے محمد بشیر خان سلطان صاحب کٹھائی کے پاس رہتے ہیں۔ سلطان قطب الدین خان مرحوم کے ایک فرزند خان محمد حسین خان سلطان صاحب بوئی کے داماد ہیں۔

دار دو پٹہ نے کی۔ سلطان مرحوم کی وفات کے وقت بھی آپ کم عمر ہی تھے اور چھٹی جماعت میں پڑھا کرتے تھے۔ ان کا سایہ شفقت اٹھ جانے کے بعد مرحوم کے جانشین اور ان کے ماموں زاد بھائی سلطان *فیروز الدین خان علاقہ دار دو پٹہ نے ان کی تعلیم وتربیت کا ذمہ لیا اور کچھ شک نہیں کہ انہوں نے بڑی شفقت سے کام لیا۔ خان محمد مظفر خان نے ایس پی کالج سری نگر سے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان بی اے پاس کیا۔ پھر علی گڑھ میں ایل ایل بی کی تعلیم کے لیے گئے۔ جہاں فارسی میں ایم اے میں بھی پڑھتے رہے۔ یہیں آپ نے کشمیر بلکہ ہندوستان کے نامور شاعر غنی کاشمیری پر ایک مبسوط مقالہ لکھا۔ علی گڑھ کی قانونی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ ایک سال تک مظفر آباد میں وکالت بھی کرتے رہے۔

بیساکھ ۱۹۹۳ بکرمی میں میونسپلٹی سری نگر کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور دو سال چند ماہ تک اپنے فرائض نہات سرگرمی سے ادا کرتے رہے۔ اس کے بعد جوڈیشل لائن میں آکر رنبیر سنگھ پورہ (صوبہ جموں) شوپیاں (کشمیر) اور خاص جموں میں منصف رہے اور جہاں رہے آپ کے حسن سلوک اور منصفانہ رویہ سے عوام خوش اور شکر گزار رہے۔ سری نگر میں عرصہ تک سب رجسٹرار بھی رہے۔ آج کل خاص جموں میں منصف ہیں۔

آپ کے پہلو میں نہایت حساس دل ہے۔ اپنی برادری کے جمود وسکون کو حرکت و حرارت میں لانے قوم کی جہالت و بے علمی کو دور کرنے اور دوسری مہذب اور زمانہ شناس اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنے کا آپ کو بہت کچھ خیال ہے۔

☆

سلطان بوئی ضلع ہزارہ

سلطان حسن علی خان اوّل

سلطان زبردست خان
وفات ۱۲۶۰ھ۔ ۱۸۴۴ء

سلطان مظفر ثانی

سلطان حسین خان
آخری سلطان مظفر آباد
لاولد

سلطان رحمت خان

سلطان محمد برکات خان

عنایت اللہ خان

جاگیردار بوئی

سلطان حسن علی خان دوئم

خان عبدالقیوم خاں
ولی عہد

خاں محمد کاشف خان

بمبہ خاندان کی اس شاخ کا بانی سلطان حسن علی خان * اول گزرا ہے۔ جس کی اولاد نے ۱۸۵۴ء ۱۲۶۲ھ مطابق ماہ ہاڑ ۱۹۱۱ بکرمی تک مظفر آباد میں حکومت کی ہے۔ سلطان حسن علی خان کی حکومت نواح مظفر آباد سے لے کر دیہات مقبوضہ علاقہ پکھلی تک پھیلی ہوئی تھی۔ کشمیر اس کے زمانہ میں سکھوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کا بیٹا سلطان زبردست خان اسم بامسمی سلطان ہوا ہے۔ ۱۲۴۲ھ میں اس نے اتنی طاقت پیدا کر لی تھی کہ سکھوں کے ناظم کشمیر دیوان کرپارام کو اس کے مقابلہ میں سخت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اور اگر اس اثنا میں بیرور پنڈت کا بھائی گنیش پنڈت بمبہ رئیسوں اور سلطانوں میں پھوٹ نہ پیدا کرا دیتا۔ تو کشمیر سکھوں کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ مہاراجہ شیر سنگھ کی وفات یکم فروری ۱۸۴۲ء مطابق یکم اسوج ۱۹۰۰ بکرمی کے بعد مہاراجہ دلیپ سنگھ کو نابالغی

---

* سلطان حسن علی خان بن سلطان محمود خان بن سلطان میرزا شہید بن سلطان مظفر خاں اوّل بانی مظفر آباد۔

کی حالت میں دربار لاہور نے گدی پر بٹھایا۔ تو سکھوں کی باہمی خانہ جنگیوں نے ملک میں اور بھی بدامنی پیدا کر دی۔ سلطان زبردست خان اس موقع کی تاک میں تھا۔ اس نے بارہ مولا اور علاقہ کامراج پر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ ان ایام میں شیخ غلام محی الدین کشمیر کا گورنر تھا۔ اس نے سلطان کے خلاف ایسی سازش کی کہ وہ مسجد میں نماز پڑھتا ہوا بے خبری کے عالم میں گرفتار ہوا۔

شیخ نے سمجھا تھا کہ اب فساد مٹ جائے گا لیکن سلطان کے جوانمرد بھتیجے سلطان حسین خان نے راجہ شیر احمد خان والئی کرناہ اور سلطان نجف خان والئی گھوڑی کی امداد سے سکھوں کا قافیہ اس قدر تنگ کیا کہ کشمیر کی فوج کے علاوہ شیخ کو لاہور سے بھی فوج منگوانی پڑی بلکہ دربار لاہور کے ایما سے میرزا فقیر اللہ خان راجوری سے بھی ایک ہزار فوج لے کر آ پہنچا۔ لیکن اتنی کثیر فوج کے باوجود میرزا فقیر اللہ خان اور ناظم کشمیر دونوں نے یہی مناسب سمجھا کہ سلطان زبردست خان کو پچاس ہزار کی ضمانت پر رہا کر کے اس فتنہ کو لڑائی کے بغیر فرد کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور سلطان حسین خان اور ان کے ہمراہیوں نے بھی سلطان زبردست خان کی واپسی کو غنیمت سمجھا سلطان زبردست خان لاولد تھا۔ وہ بزمانہ شیخ غلام محی الدین گورنر کشمیر ۱۲۶۲ھ میں وفات پا گیا۔ اس کی جگہ اس کا برادر سلطان حسین خان مظفر آباد کا سلطان قرار پایا۔ سلطان حسین خان نے اپنی آزادی و خود مختاری کا ایک سال بھی ابھی پورا نہ کیا تھا کہ عہد نامہ امرتسر کے مطابق انگریزوں نے کشمیر کا ملک مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کر دیا۔ اور درحقیقت اسی تاریخ (اپریل ۱۸۴۶ء) سے خاندان بمبہ کے سلاطین اور راجگان راجوری کے حکمرانوں کی حکومت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۶ کاتک ۱۹۰۳ بکرمی کو کشمیر میں داخل ہو کر راجگان کھکھہ و سلاطین و راجگان بمبہ کو اپنے ایک اقرار نامہ کے ذریعہ بہت کچھ تسلی و تشفی دی اور ان سے اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار بھی لیا۔ لیکن بعد میں خدا جانے کیا خیال آیا کہ ماہ ہاڑ ۱۹۱۱ بکرمی مطابق ۱۸۵۴ء میں مظفر آباد پر قبضہ کر کے سلطان حسین خان کو یہ تحریر دے دی کہ علاقہ مظفر آباد کے معاوضہ میں پچیس ہزار روپیہ ڈبل آپ کو نسلاً درنسلاً دیا جاتا رہے گا۔ چنانچہ اس رقم کی قسط بندی

بھی شروع ہوگئی۔ مہاراجہ نے اس عرصہ میں کشمیر میں اپنی حکومت مستحکم کر لی تھی اور برطانیہ جیسی زبردست طاقت اس کی پشت پناہ تھی۔ اس لیے سلطان حسین خان لہو کے گھونٹ پی کر خاموش ہوگیا اور اپنی جاگیر کے موضع بوئی میں جو علاقہ پکھلی (ہزارہ) کے انگریزی علاقہ میں تھا چلا آیا۔ آخر سرکار انگریزی نے کشمیر کی حد بندی کے بعد سلطان حسین خان کو اس کے ان مقبوضہ دیہات کا جاگیردار قرار دے دیا۔ سلطان حسین خان کچھ عرصہ کے بعد لاولد فوت ہوگئے۔ غالباً یہ زمانہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کا تھا۔ انہوں نے ان کے بے اولاد مرنے کی وجہ سے رقم معاوضہ ضبط کر لی لیکن سرکار انگریزی نے ان کے برادر زادہ سلطان محمد برکات خان کو جاگیردار بوئی مقرر کر کے جاگیر کو جس میں قریباً ۳۵ دیہات ہیں اور جس کی سالانہ آمدنی دس بارہ ہزار کے قریب ہے۔ واگزار رکھا۔ سلطان محمد برکات خان کے فرزند سلطان حسن علی خان دوم اب اپنے والد کے جانشین ہیں۔ آپ ضلع ہزارہ بلکہ صوبہ سرحد کے معزز جاگیرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے معزز درباری ہیں۔ دہلی دربار میں بھی مدعو تھے۔ نہایت وجیہہ اور بارعب جوان ہیں۔ علم دوست ہیں اور تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔ اپنی قومی تاریخ کی تحقیق و تکمیل کا بہت خیال ہے۔ اولاد نرینہ میں آپ کے دو صاحبزادے ہیں۔ فرزند کلاں یعنی ولی عہد خان محمد عبد القیوم خان نے گزشتہ سال بی اے پاس کیا ہے۔ دوسرے صاحبزادے خان محمد کاشف خان جاگیر کے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں رہنے کی وجہ سے بمبہ خاندان کے خط و خال، شکل و شمائل لب و لہجہ لباس، زبان، بلکہ تمدن و معاشرت اور جسمانی صحت تک میں جغرافیائی تقسیم نے فرق عظیم پیدا کر دیا ہے لیکن اس شاخ کے رشتے ناطے عموماً کشمیر کے بمبہ خاندان کی برادری ہی میں ہوتے ہیں۔

علاقہ دار جاگیرز چلڈارہ

سلطان کام بخش خاں

صفدر علی خاں — نادر علی خاں (لاولد) — سنگار علی خاں (لاولد) — نوازش علی خاں (لاولد)

صفدر علی خاں:
راجہ مظفر خاں — راجہ ہیبت خاں کی اولاد رینگ پت کنگر دسہ وغیرہ علاقہ مادر میں آباد ہے — جعفر خاں (لاولد)

راجہ مظفر خاں:
راجہ محمد خاں — راجہ اکبر علی خاں کی اولاد جاگیر راجپور میں علاقہ دار ہے — راجہ زبردست خاں

راجہ محمد خاں:
راجہ فیروز دین خاں — محمد عظیم خاں (لاولد) — جنگ بہادر خاں (لاولد) — شیر احمد خاں (لاولد)

راجہ فیروز دین خاں:
راجہ غلام محمد خاں — فتح محمد خاں (اولاد نرینہ ندارد)

راجہ غلام محمد خاں:
راجہ محمد عنایت اللہ خاں — محمد حبیب اللہ خاں — عطاء اللہ خاں — احسان اللہ خاں

راجہ محمد عنایت اللہ خاں: نثار اللہ خاں

محمد حبیب اللہ خاں: محمد امان اللہ خاں

راجگان راجپور، زچلڈارہ اور راجگان رینگ پت جن کی جاگیریں علاقہ راجواہ کہلاتی ہیں اور تحصیل ہندواڑہ میں واقع ہیں۔ سلطان کام بخش کی اولاد سے ہیں۔ کام بخش خاں سلطان میرزا شہید کے سات فرزندوں میں پانچویں فرزند تھے۔ اور سلطان میرزا شہید، سلطان مظفر خان بانی مظفر آباد کے فرزند ہیبت خاں ثانی کے بیٹے تھے۔ گویا سلطان کام بخش خان بانی مظفر آباد کی چوتھی پشت میں تھے۔

سلطان کام بخش خان اپنے عہد کے بااقتدار رئیس تھے۔ سلاطین افاغنہ اور ناظمان حکومت افاغنہ کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور گو شرائط عہد نامہ جات کے لحاظ سے ان کو ہر قسم کی مدد امداد دینے کے پابند تھے۔ لیکن اپنے اندرونی معاملات دیوانی و فوجداری میں بالکل

آزاداور خودمختار تھے۔

ان کی شجاعت و بسالت کا کچھ ذکر راجگان راجپور کے حالات میں لکھا گیا ہے۔ سلاطین افاغنہ میں سے جو سندات و مکاتیب شاہ زمان محمود شاہ اور شاہ شجاع الملک والیان افغانستان وکشمیر سے ان کے ہوتے رہے ہیں۔ان میں سے چند مکاتیب و پروانہ ہا کی نقول ان کے اعزاز ومراتب ومناصب کے اظہار کے لیے یہاں درج کی جاتی ہے۔جن سے معلوم ہوگا کہ آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال قبل بمبہ خاندان کی یہ شاخ کس عروج اقتدار پر تھی۔شاہ زمان بادشاہ افغانستان نے ان کو اپنے ہر مکتوب اور حکم میں عالی جاہ رفیع جایئگاہ اخلاص وعقیدت دستگاہ کے معزز القاب سے یاد کیا ہے۔

چنانچہ یکم جمادی الاول ۱۲۰۹ھ کے ایک پروانہ کی نقل جس میں نوازشات شاہانہ کے ذکر کے بعد صوبیداران کشمیر کو ان کی جاگیر میں دست اندازی کرنے کی ممانعت کا حکم ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''آنکہ برالطاف شاہانہ دربارہ عالی جاہ رفیع جائے گاہ اخلاص وعقیدت دستگاہ صفدر علی خان بمبہ دریں ولا از ابتدائے چہار ماہ ہذاالسنہ مبارک مارس لعل تر کے مقدار یازدہ ہزارہ و پانصد خردار شالی بموجب تفصیل ذیل بہ جاگیر سر سالہ اومرحمت فرمودیم از سرکار بہ جاگیر ہمہ سالہ اوراوہ شدہ شش ہزار خردار کہ عالی جاہ رفیع جائے گا المختار العظلا م اخلاص وعقیدت فرجام مقرب خاقان خان زادہ خان مشیر الدولہ منشی باش سرکار اشرف وصوبیدار خطہ کشمیر از جمیع مالیات خارج ووضع نمودہ از سرکار نہ شدہ و بہ جاگیر مہر سالہ اور برقرار نمودہ، عماں آخان ہم از ایفراز خارج جمع و بہ جاگیر ہمہ سالہ دخل نماید بریں مالیات ربوز لجمیع او خواہد بود......پنج ہزار پانصد خردار......کہ ہر سالہ قابض و متصرف بودہ سرگرم تقدیم خدمات دیوانی باشد حکام وعمال وصوبیدار حال واستقبال کہ حسب المقر راز قرار بہ تفصیل فوق جاگیر مشار الیہ راہمہ سالہ درجہ او برقرار وآنچہ کہ از سرکار دادہ شدہ بہ خرچ خود مجری وآنچہ کہ خان زاد خان درجہ او برقرار نمودہ درجہ او ہماں تجویز برقرار داشتہ واگذارند۔

شاہ زمان کے زمانہ میں کشمیر میں کچھ شورش بھی تھی۔ اس کے فرو کرانے کے لیے بادشاہ کچھ مزید فوج بھیجتا ہے اور راجہ صفدر علی خان کو لکھتا ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ مل کر مفسدوں کے فتنہ وفساد کو بند کرو۔ اسی حکم میں کشمیر کے کسی ملک التجار آقا رحیم کا بھی ذکر آتا ہے۔ جس کے متعلق بادشاہ لکھتا ہے کہ ہم نے آقا رحیم سے بھی آپ کے حسن اخلاص کا ذکر سنا ہے اس حکم سے بھی راجہ صفدر علی خان کی طاقت وقوت شاہانہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کی نقل بھی ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

معلوم عالیجاہ صفدر علی خان بودہ باشدہ

کہ دریں وقت مقدمات کشمیر وفتنہ وفساد میاخاں بلوچ بغرض اشرف رسانید چوں آں عالیجاہ از جملہ دولت داہان است و عالیشان ملک التجار آقا رحیم ہم حسن اخلاص آں عالیجاہ را بغرض رسانید رباعث مزید الطاف شاہانہ در بارہ...... دریں ولا عالیشان آقا رحیم را آں جا بہ تعاقب اوسردارے را...... فرستادیم کہ عنقریب خواہد رسید بائد آں عالیجاہ رسیدن آقا رحیم...... کار دتفرقہ جمعیت مفسداں لازمہ سعی نمودہ ہرگاہ قبل از رسیدن سردار کمیر اخلاص و دولت خواہی برمیان بستہ بہ اتفاق سردار در استیصال و برہمی مفسداں کوشیدہ خدمت را بہ انجام برساند کہ فراخور خدمت و اخلاص خودسرافراز خواہد شد وآنچہ جاگیر در دجہ اوقرار است۔ برقرار خواہد بود و زیادہ برآں شفقت در بارہ آں عالیجاہ خواہیم فرمود۔ در ہر باب حسن اخلاص وخدمت خودرا ظاہر سازد۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۱۰ھ۔

راجہ صفدر علی خاں کے متعلق شاہ شجاع الملک کے دو پروانہ بھی نظر سے گزرے ہیں۔ ایک میں ان کو عمدۃ الخوانین العظام اور دولت خواہی سرکار افاغنہ کے اظہار کے بعد ان کو ہر قسم کی تسلی دی گئی ہے اس میں شاہ شجاع لکھتے ہیں۔

آنکہ عالیجاہ رفیع جائیگاہ عمدہ الخوانین العظام اخلاص وعقیدت فرجام صفدر علی خان بدبہ بہ الطاف موفورہ شاہانہ سرافراز گشتہ بداند عریضہ کہ دریں وقت بہ خصوص چگونگی احوال وارادت د دولت خواہی و رسوخ عقیدت و خدمت گزاری خود وغیرہ مواد کہ انفاد حضور لامع النور نمودہ بود۔ رسید مضامین آں عالی رائے انور شد حسن ارادت و دولت خواہی آں عالیجاہ ظاہر است۔ در ہر باب خاطر جمع بودہ مستعد باشند خدمتے کہ بہ آں عالی جاہ امر شود واز آں اقرار بعمل آوردہ۔ در تقدیم خدمت مزبور قیام وحسن خدمت خودرا ظاہر سازد کہ از نوازشات شاہانہ بہرہ مند خواہد شد

تحریر یکم جمادی الثانی ۱۲۲۰ھ۔

شجاع الملک کی طرف اسی سال ۱۲۲۰ھ کا ایک اور ارشاد ہے جس میں اس کو معہ توابعین ولشکر خود تیار رہنے کا حکم ہے اور ان کے جاگیرات قدیم و جدید کے بحال رہنے اور متعلقات جاگیر سے ہر حاکم وغیر حاکم کو کوئی واسطہ اور کوئی غرض نہ رکھنے کا ارشاد ہے۔ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی قدیم جاگیروں کے علاوہ جدید جاگیر بھی عطا ہوئی تھی۔ اس ارشاد کے اصل الفاظ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

معلوم عالیجاہ صفدر علی خان بہادر بمبہ بودہ باشد کہ دریں ولا عریضہ آن عالیجاہ بہ حضور رسیدہ از نظر انور گزشت۔ اخلاص کشی و حسن خدمت و جانفشانی ونمک حلالی آں عالیجاہ عالی رائے جہاں آرائی گردید۔ بائد کہ آں عالیجاہ در ہر باب خاطر خود جمع داشتہ معہ توابعین ولشکر خود آمادہ و تیار باشند کہ بروقت حسن خدمت ونمک حلالی و جانفشانی خود را در خدمت پادشاہی پیش از پیش ظاہر سازد و جاگیرات قدیمی و جدیدی آں عالی جاہ را بر حال و برقرار فرمودہ بہ حکام وعمال خطہ مزپور امر شدہ کہ بہ تعلقات جاگیر آں عالیجاہ احدے غرض نماید حسب المقرر معمول داشتہ در عہدہ خود شناسد۔ ۱۱ شہر رجب المرجب ۱۲۳۰ھ

راجہ صفدر علی خان پٹھانوں کے اواخر عہد میں انتقال کر گئے۔ ان کے دو صاحب اولاد بیٹوں کی ذریات ہی جاگیرات نہ چلڈارہ، راجپور اور رینگ پت وغیرہ میں آباد ہے۔ ان کے فرزند کلاں راجہ مظفر خان مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضہ کشمیر کے وقت اپنے والد کے جانشین تھے۔ انہی کے زمانہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ اور سلاطین وراجگان بمبہ کے درمیان عہد نامے ہوئے ہیں۔ عہد ناموں کے بعد سلسلہ اتحاد و مودت کو ارادت مندانہ اور مشفقانہ خط و کتابت نے اور بھی ترقی دی۔ چنانچہ قبضہ کشمیر کے تھوڑے عرصہ کے بعد ہی راجہ مظفر خان کے ایک عریضہ کے جواب میں مہاراجہ ارشاد فرماتے ہیں۔

عالیجاہ راجہ مظفر خان مچھی پوریہ...... عریضہ مرسلہ شمار سید۔ کوائف معلوم شد۔ آنکہ شمار دربجا آوردیئے خدمات سرکار والا نزد کرنیل بجے سنگھ حاضر رجوع اند۔ خوب است۔ آفریں باد دربجا آوردیئے خدمات حاضر مانند۔ مہربانی شامل حال خود دانند۔

۶ پھاگن ۱۹۰۳ بکرمی ڈیرہ سری نگر۔

راجہ مظفر خاں اور اس کے بھائی راجہ ہیبت خاں کے زمانہ میں چیلاس اور گلگت میں عام شورش تھی اور یہ دونوں بھائی اپنی فوج سمیت مہاراجہ کو دلی مدد دے رہے تھے۔ ۱۹۰۷ء بکرمی میں جب کہ ولی عہد حکومت مہاراجہ رنبیر سنگھ سری نگر میں تھے۔ راجہ مظفر خان کو یہ بھی حکم ملا تھا کہ ان کے علاقہ میں کوئی آدمی باہر سے ان کی اجازت تحریری کے بغیر داخل نہ ہو۔ جیسا کہ پروانہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔

عالیجاہ راجہ مظفر خان مچھی پوریہ مسرور باشند۔

باید کہ بہ ورود ایں ارشاد منصرمان روندگان رابدوں راہداری محرری خاص رخصتی ندہند کہ بخوبی وخبرداری وہوشیاری حفاظت راہ ہائے علاقہ تحت خود دادندازیں باب تاکید است۔

تحریر بتاریخ ۳ بھادوں ۱۹۰۷ بکرمی پروانگی ڈیرہ سری نگر۔

۱۹۲۲ بکرمی میں دیوان کاہن چند مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ میں علاقہ کامراج میں کوئی افسر تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انہوں نے راجہ مظفر خاں کی جاگیر میں کچھ دست اندازی کی۔ راجہ نے مہاراجہ کے پاس شکایت کی۔ وہاں سے جو حکم دیوان کاہن چند کے نام آیا۔ اس کے رو سے دیوان مذکور کو جاگیر سے نذرانہ لینے کے سوا ہر قسم کی دست اندازی سے منع کیا گیا۔ بلکہ اسی ارشاد میں اندرون جاگیر کے مواضعات کی تفصیل بھی دے دی گئی ہے جیسا کہ اس ارشاد کی نقل سے معلوم ہوگا۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

خصوصیت نشان دیوان کاہن چند جی

آنکہ جاگیر...... معاف ترتیب کارد پیشیاں راجہ مظفر خان درعلاقہ مچھی پورہ......قدیم است کہ بدستور آں قدر حال ہم مدام واگزار باشند چراکہ مشار الیہ جاگیردار قدیمی است۔ سوائے نذرانہ غرض نسازند۔ ۲۱ اسوج ۱۹۲۲ بکرمی

مواضعات اندرون جاگیر (۱) مچھم پورہ (۲) بہی پورہ۔ بنی پورہ۔ ٹنگ داری۔ گولہ پورہ، بدھی شونگ (۳) چکی دڈر (۴) وڈو پائین (۵) شاٹھی گام (۶) لڈی بل (۷) چنج مولا (۸) وار پورہ (۹) آہیہ گام۔ حاملہ (۱۰) راجپور۔ ترنیہ دار (۱۱) زچلڈارہ۔ نیلہ ڈوگر (۱۲) اش پور۔ کگرڈاری۔ اکرہال (۱۳) دربل بالا (۱۴) دربل پائین (۱۵) ڈالری (۱۶) ہاسورتھ (۱۷) چک پور (۱۸) بودھ بگ (۱۹) وٹی نگرہ (۲۰) رےنن (۲۱) کھادردارہ (۲۲) سنگرم پورہ (۲۳)

پھگی پورہ۔

راجہ مظفر خان کے تین فرزندوں میں اول الذکر دو صاحب اولاد تھے۔فرزند کلاں راجہ محمد خان تھا۔ یوں تو اس خاندان میں جانشینی کا استحقاق فرزند کلاں کے لیے ہی ہوتا تھا۔لیکن مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے ایک ارشاد کے رو سے فرزند کلاں کو جانشینی کا مستحق قرار دے کر اور بھی مستحکم کر دیا جیسا کہ ارشاد ذیل سے واضح ہو گا۔

تہور پناہ راجہ محمد خان بچہ راجہ مظفر خان

چوں عرضی مرسلہ ایشاں رسید دریافت مطالب شد۔ آنکہ ایشاں از ناسلوکی پدر خود نوشتہ اند۔سرکار رو واضح شد۔ پروانہ بنام راجہ مظفر خان صادر شدہ است یعنی تسلی دارند۔ایں چہ پسر کلاں است۔عہدہ او کلاں متصور است۔۲۲ ماگھ ۱۹۲۵ بکرمی

مہاراجہ رنبیر سنگھ اپنے ارشادات میں راجہ محمد خان کو ''مہربان دوستان'' کے القاب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔مہاراجہ کے کئی ارشاد ۱۹۱۹۔۱۹۲۴،۲۵ اور ۱۹۲۶ بکرمی کے راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔دو ارشاد یوان ٹھاکر داس گورنر کے نام بھی ان کے ساتھ حسن سلوک، روا رکھنے کے لیے ہیں۔آپ بڑے خدا پرست اور منتظم والئی جاگیر تھے۔فارسی کا اچھا علم رکھتے تھے۔باپ کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے اور عین شباب میں انتقال کر گئے۔

راجہ فیروز الدین خان آپ کے فرزند کلاں تھے۔ان کے والد نے ان کی تعلیم وتربیت کے لیے سری نگر سے اچھے اچھے عالم بلائے۔آپ فارسی زبان پر بہت حاوی تھے۔اور علمی مذاق اور مذہبی شغف کی وجہ سے علماء وفضلاء کی قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔درویش صفت رئیس تھے اور صوفیائے کرام کے معتقد تھے۔اس کو شکار کا بھی بہت شوق تھا۔شجاع اور دلیر اس قدر تھے کہ ہر چند بندوق بھی احتیاطاً ساتھ رکھا کرتے تھے لیکن شکار ہمیشہ تلوار ہی سے کیا کرتے تھے۔

ممکن ہے پہلے بھی راجگان پھچی پورہ کے وکلاء دربار کشمیر میں حاضر باش رہتے ہوں لیکن راجہ محمد خان کے فرزند راجہ فیروز الدین خان کے نام مہاراجہ رنبیر سنگھ کے جو ارشاد ۱۹۳۰ بکرمی کے ہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ راجہ فیروز دین خان کے زمانہ میں ان کا وکیل مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دربار میں رہا کرتا تھا۔اور شاید اسی کے توسل سے سلسلہ رسل ورسائل ہوتا تھا۔مہاراجہ ۳ کا تک ۱۹۳۰ بکرمی کے ارشاد میں اخلاص نشان راجہ فیروز دین خاں کو لکھتے ہیں۔

چوں مکاتبہ مرسلہ ایشان درباب ارسال پروانہ رسید کوائف آں بدریافت شدہ خوشنودی گردید چوں پروانہ بنام وزیر وزارت کنانیدہ فرستادہ خواہد رسید دیگر پروانہ کنانیدہ خواہم فرستاد ہرباب تسلی دارند دیگر امیر خاں وکیل ،، ریں جا حاضراست ۔ مدام اخواندت نویسانیدہ ارسال دارند۔

راجہ فیروز دین چونکہ راجہ مظفر خاں کی بڑی شاخ سے تھے اس لیے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنے ایک ارشاد مورخہ ۱۴/۱۱ اسوج ۱۹۳۴ بکرمی کے رو سے آپ کو اپنی برادری میں درجہ اول عطا کیا۔ اس ارشاد کی نقل جو وزیر پنوں گورنر کشمیر کے نام ہے ذیل میں درج ہے۔ وزارت پناہ وزیر پنوں جی!

چوں راجہ فیروز دین خان مچھی پور والہ را از سرکار جاگیر مقرر است وہم نمبر اول از برادری مقرر است ۔ لہٰذا قلمی است کہ ہرباب غورو پرداخت مذکورہ دارند ۔ اندریں باب تاکید است ۔"

۱۹۴۱ بکرمی میں پھر کچھ ایسا واقعہ پیش آیا کہ راجگان مچھی پورہ، (زچلڈارہ اور راجپور) کو اپنی جاگیرات کی حد بندی کے متعلق مہاراجہ رنبیر سنگھ کے پاس درخواست کرنی پڑتی ہے چنانچہ مہاراجہ نے اپنے ۲۰ بیساکھ ۱۹۴۱ بکرمی کے ارشاد میں لکھتے ہیں۔ "حسب درخواست راجہ ہائے مچھی پور یہ قلمی است کہ آنکہ حد حدود جاگیرات مسطورہ بدستور قدیم دارند و ملاحظہ حد بندی پیمائش حال بدستور دارند۔ زمین خالصہ در جاگیر...... قدیمی جاگیر والہ در خالصہ آمیزش نشود۔"

اس قسم کے ارشادات کے باوجود مہاراجہ پرتاب سنگھ کے ابتدائی عہد میں جاگیر کا کچھ جھگڑا شروع ہو گیا اور سات سال تک متواتر یہ قضیہ رہا۔ یہ قضیہ بندوبست والوں کی مہربانی سے شروع ہوا۔ اس جھگڑے بلکہ دیہات کی ضبطی کی وجہ (اہلکاران بندوبست نے) یہ ظاہر کی تھی کہ جاگیر کے دیہات میں جو ترقی ہوئی ہے وہ جاگیر دار کا حق نہیں۔ بلکہ سرکار کا حق ہے۔ اس عرصہ میں جو اضافہ اور ایزادان کو وصول ہونا چاہیے تھا وہ بھی سرکار میں ضبط ہوتا رہا۔

راجہ فیروز دین خان بندش جاگیر کے سلسلہ ہی میں بیمار ہو گئے۔ اس لیے وہ بذات خاص واگزاری کوشش میں نمایاں حصہ نہ لے سکے۔ ان کے فرزند کلاں راجہ غلام محمد خاں جموں اور سیالکوٹ وغیرہ مقامات پر جا کر کوشش کرتے رہے اور آخر بمقام دہلی وائسرائے کے پاس پہنچے اور ان کی خدمت میں آپ نے سندات اور حقوق پیش کیے۔

ان کے در تک پہنچ گئے ہیں ہم
آگے تقدیر کی رسائی ہے

وائسرائے نے ان کے حقوق و عذرات پر توجہ کی اور جاگیر کی واگزاری کا حکم صادر فرمایا۔ وہ حکم ہز ہائنس گورنمنٹ کے دفتر میں بھی موجود ہے۔ اور جاگیرداران مچھی پورہ کے پاس بھی اس کی نقل موجود ہے۔ اس واگزاری کے مطابق ضبط شدہ سالم روپیہ جاگیردار کو واپس ملا اور جاگیر بدستور رہی۔ راجہ غلام محمد خان واگزاری کا حکم لے کر زبان حال سے یہ پڑھتے ہوئے واپس کشمیر آ گئے:

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل میں مسافت میری

اسی سال موسم سرما میں راجہ فیروز دین خان داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

مہاراجہ پرتاب سنگھ کے عہد میں آپ کو ایک مرتبہ بحکم سرکار گلگت کسی قبضہ کی سرانجام دہی کے لیے جانا پڑا اور جب آپ اس خدمت کو بخوبی انجام دے کر آئے تو مہاراجہ نے خلعت عطا کیا۔

آپ کے عہد کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جس نے زچلڈارہ کے ایک خاص قطعہ زمین کو عوام کی نظروں سے متبرک بنا رکھا ہے۔

ایک مرتبہ بغداد کے کوئی معمر بزرگ آپ کی جاگیر میں آ کر ایک غار میں مقیم ہو گئے اور وہاں کافی مدت تک قیام پذیر رہے۔ راجہ فیروز دین خان بھی ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ اس بزرگ کے پاس حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی غوث الاعظم کا موئے شریف بھی تھا۔ راجہ صاحب کو خبر ہوئی آپ نے ان سے بہ خواہش تمام زر کثیر دینے کے بعد طلب کیا چنانچہ بہت سی ردوکد کے بعد اس درویش نے موئے مبارک آپ کو دے دیا اور خود غار سے نکل کر کسی اور طرف چلا گیا۔

راجہ صاحب نے اپنے رہائشی کمرہ کی سب سے اوپر کی منزل میں موئے مبارک بہ حفاظت تمام رکھ دیا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ راجہ صاحب سوئے ہوئے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ نصف شب کے قریب ان کی کھڑکی کے پاس آ کر کوئی ان کو کہتا ہے کہ اٹھو مجھے دھواں لگ رہا ہے۔ اس موئیں کو بجھاؤ۔ آپ اس کو ایک خواب اور واہمہ سمجھ کر پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر دروازہ

کھٹکھٹایا گیا اور ذرا زور سے کہا گیا۔ مجھے دھواں لگ رہا ہے۔ آپ بجھاتے کیوں نہیں۔ لیکن آپ نے پھر کوئی توجہ نہ کی۔ تیسری مرتبہ کھڑکی خود بخود کھل گئی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ گھوڑے پر سوار ہیں اور کہتے ہیں تین دفعہ تم کو جگایا ہے کہ دھواں بند کرو۔ تم کچھ غور ہی نہیں کرتے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ غائب ہو گئے۔ آپ گھبرا کر اٹھے نوکروں کو آوازیں دیں ان کو جگایا اور کہا دیکھو کہاں سے دھواں آ رہا ہے۔ نوکر ادھر ادھر دوڑے لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر آپ اوپر کے کمرے میں گئے جہاں موئے مبارک تھا۔ دیکھا کہ وہاں دھواں ہی دھواں ہے اور کمرے کے ایک کونے میں آگ سی جل رہی ہے۔ آخر کمرے کے سب دروازے کھلوا دیئے گئے دھواں ہوا ہو گیا اور آگ بجھا دی گئی۔ صبح آپ نے اعلیٰ پیمانہ پر غریب غربا کو خیرات کی اور کھانا کھلایا اور موئے مبارک کے لیے الگ زیارت گاہ تعمیر کرائی۔ جہاں اس زمانہ سے لے کر آج تک ہر اا ربیع الثانی کو دور دور سے لوگ زیارت کو آتے ہیں۔ اور جم غفیر کی وجہ سے ایک خاصہ میلہ لگ جاتا ہے۔

آپ کے فرزند کلاں راجہ غلام محمد خان آپ کے جانشین قرار پائے۔ آپ گورنمنٹ ہائی سکول دلاور خان واقعہ سری نگر میں زیر تعلیم رہے۔ لیکن آپ کی پرائیویٹ تعلیم کے لیے آپ کے والد نے عربی اور فارسی کے استاد بھی مقرر کر رکھے تھے۔ چنانچہ فارسی میں تو آپ کو کافی مہارت تھی آپ کا دستخط بہت صاف ہوتا تھا۔ خط چنار اور خط ناخن میں ماہر تھے۔ اخبارات کے مطالعہ کا شوق تھا۔ اخبار کشمیری کے جو راقم کے اہتمام سے لاہور سے قریباً ۳۰۔۳۲ تک جاری رہا ہے خاص سرپرست اور معاون تھے۔

آپ اپنی شاخ میں سب سے پہلے بزرگ تھے جو کشمیر سے باہر آ کر لاہور، اجمیر، بمبئی اور دیگر ممالک کی سیر کرتے رہے۔ پنجاب اور ہندوستان کے لوگوں میں آپ نے جو تعلیمی شوق دیکھا اور حب الوطنی کے جذبات اور سیاسی و معاشرتی بیداری کے آثار پائے ان کا آپ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ انجمن جاگیرداران ریاست کے اجرا کی تحریک جس میں راجہ شیر علی خان مرحوم علاقہ دار راجپور بھی شامل تھے اسی کا نتیجہ تھی لیکن جاگیرداران ریاست کی مشہور عام غفلتوں اور لاپرواہیوں اور خود غرضیوں نے اس کام کو ہمیشہ ناتمام رکھا۔

چونکہ بڑی شاخ کا علاقہ دار ہونے کی وجہ سے ان کی جاگیر بھی ہندواڑہ کے بمبہ خاندان کی جاگیروں سے بڑی ہے اس لیے دربار میں ان کا درجہ بھی ان سے افضل ہے۔ ان کی جاگیر میں سولہ دیہات ہیں۔ ان کی آمدنی ۹۔۹۶۴۴ روپے سالانہ ہے۔ ان دیہات میں جو

نمبر دار ہیں وہ حکومت ان کے مشورہ ہی سے مقرر کرتی ہے۔

راجہ غلام محمد خان نے اپنے والد کی وفات کے بعد نہ صرف جاگیر کا انتظام ہی اچھی طرح کیا بلکہ اراضیات میں بھی توسیع کی۔ لیکن فیاضی وسیر چشمی چونکہ ورثہ میں ملی تھی۔ اس لیے مالی تکالیف کے باوجود اس خاندانی وصف کو ترک نہ کیا یہاں تک کہ جاگیر ۴۵ ہزار کی مقروض ہوگئی۔ قرض خواہوں کے سود در سود اور ان کے آہنی پنجہ سے نجات حاصل کرنے کے لیے آپ نے حکومت سے مدد طلب کی۔ چنانچہ محکمہ دھرم ارتھ سے آپ نے ہلکے سود پر قرض لے کر قرض خواہوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ حکومت نے آپ کے کچھ دیہات کورٹ آف وارڈ میں لے لیے۔ اس طریق سے آپ کی جاگیر کے دیہات نو سال تک حکومت کے پاس مکفول رہے لیکن آپ نے اس کفالت سے نجات پانے کے لیے ایک اور کوشش کی اور تین چار سال کی لگاتار کوشش سے آپ نے وہ جنگلات بیرون لائن حاصل کر لیے۔ جو حدود جاگیر کے اندر تھے۔ چنانچہ آپ کی وفات کے چند سال بعد ہاڑ ۱۹۹۹ بکرمی میں ان درختوں کی فروخت سے حکومت کا قرضہ معہ سود ادا ہو کر جاگیر کے مکفول دیہات بھی واگزار ہو گئے۔ کشمیر کا پہلا بندوبست انہی کے ایام میں ہوا۔ ۱۹۷۲ بکرمی میں آپ کو حکومت نے آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا۔ آپ جب تک اس عہدہ پر رہے نہایت دیانت داری سے اس کو انجام دیتے رہے۔

ہندواڑہ سے زچلڈارہ پانچ چھ میل کے فاصلہ پر دامن کوہ میں ایک نالہ کے کنارہ واقع ہے۔ رینہ داری کے مقام تک جو سڑک خام ہے وہ حکومت نے تعمیر کرائی ہے لیکن دامن کوہ سے لے کر زچلڈارہ تک جو ایک میل کا فاصلہ ہے اس رستہ کو تانگہ اور موٹر کی آمد و رفت کے قابل آپ ہی نے بنوایا ہے۔

آپ قریباً دو سال تک بیمار رہے۔ ڈاکٹری اور یونانی ہر قسم کے علاج ہوئے۔ لاہور میں شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی کے زیر علاج رہے لیکن یہ بیماری چونکہ مرض الموت بن کے آئی تھی اس لیے جانبر نہ ہو سکے اور ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو قریباً ساٹھ سال کے عمر میں وفات پا گئے۔ ماتمی جلوس میں برادری اور جاگیر کے علاوہ اور بھی بہت لوگ شامل تھے۔ مختلف اصحاب نے جن میں منشی غلام محمد خادم مرحوم بھی تھے۔ ماتمی نظمیں پڑھیں۔ راقم نے بھی ایک نظم پڑھی جس کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں:

یہی راہ ہم سب کو درپیش ہے
یہیں گر پڑے تھک کے سب شہسوار
یہیں خود سروں کے ہوئے سر نگوں
یہیں جیتنے والے جاتے ہیں ہار
یہیں ساکنان فلک پائیگاہ
نہاں ہو گئے زیر خاک مزار
یہیں تو برابر ہیں شاہ و گدا
یہیں تو ہے بے مایہ سرمایہ دار
ازل سے ہے دستور قدرت یہی
تو اس غم میں پھر کیوں گھلے جان زار
کریں کیوں نہ دنیا میں وہ نیک کام
جو ہیں ضامن حشر انجام کار
ہے لازم کہ مرحوم کے واسطے
دعا اب پڑھیں سب مناد و کبار

آپ قومی و اصلامی کاموں میں بھی ہمیشہ مدد دیتے رہے۔ اپنے فرزند کلاں راجہ عنایت اللہ خان کی شادی پر آپ نے اہل علم کی قدر افزائی کے علاوہ اسلامی انجمنوں کو مدد دی۔ انجمن نصرت اسلام سری نگر کے ہمیشہ معاون رہے۔ مڈل سکول قلم چکلہ (لنگیٹ) کے پرستوں میں تھے۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔"

آپ کے فرزند کلاں راجہ محمد عنایت اللہ خان خاندانی دستور کے مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۰ کو ایک بہت بڑی مجلس میں جس میں سرکاری طور پر وزیر وزارت بارہ مولا بھی شامل تھے۔ آپ کے جانشین قرار پائے۔ اس موقع پر بھی اکثر نظمیں پڑھی گئیں۔ راقم کی نظم کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

عنایت خدا کی عنایت سے آج
یہاں کا ہے اب راجہ نامدار
جواں بخت بھی ہے جواں سال بھی
اور اس پر ہر اک طرح سے ہوشیار
مبارک ہو اے جانشین پدر
یہ گدی یہ مسند یہ عزوقار
خدا نے یہ عزت جو دی ہے تو بن
رعایا کا ہمدرد اور غم گسار
بڑوں اور بزرگوں کا فرماں پذیر
عزیزوں کا مشفق غریبوں کا یار
برادر نوازی کچھ اس طرح کر
کہ ہوں سارے بھائی ترے جانثار
عیوب رئیسان نو عمر سے
نہ سیرت ہو تیری کبھی داغدار
بچا ان سے عزت بھی دولت بھی تو
اگر یار آئیں نظر یار مار

راجہ عنایت اللہ خان کی عمر اس وقت تیس بتیس سال کے قریب ہے۔ آپ اسلامیہ مڈل سکول قلم چکلہ (لنگیٹ) کے پریذیڈنٹ اور انجمن علاقہ داران و جاگیرداران سیاست جموں و کشمیر کے سیکرٹری اور مقامی پنچایت کے سرپنچ ہیں اور پنچایت کے معاملات میں نہایت ہمدردی اور دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے فریقین میں صلح و آشتی کرا کر ان کے باہمی جھگڑوں اور مقدموں کو ختم کرا دیتے ہیں۔

آپ نہایت ملنسار خلیق اور شریف الطبع رئیس ہیں اور ان عیوب سے جو بالعموم رئیسان نوعمر کو ایام شباب ہی سے لاحق ہو جاتے ہیں پاک ہیں۔

آپ نہایت اچھے شکاری ہیں۔ دو سال کا ذکر ہے کہ ایک خونخوار شیر چند دیہات کے درمیان ایک چوراہے میں بیٹھ کر اپنے شکار کی تاک میں بیٹھا رہتا تھا اور جونہی کوئی آدمی یا چارپایہ بیل بکری گھوڑا اجل گرفتہ وہاں سے گزرتا تھا، شیر ایک ہی جست لگا کر اس پر جھپٹ اور اس کو ہلاک کر دیتا۔ لوگوں نے خوف کے مارے وہ راستہ ہی چھوڑ دیا لیکن پھر بھی جب کوئی بیل بکری یا گھوڑا اس طرف سے چراگاہ میں چلا جاتا تو جیتے جی واپس نہ آتا۔ عرصہ تک کافی نقصان ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ آخر وہ راستہ بالکل ہی بند ہو گیا۔ اور اصل راستہ سے علیحدہ ہو کر اور کئی میل کا چکر کاٹ کر لوگ اپنے اپنے گاؤں کو جانے لگے۔

ملحقہ دیہات کے لوگ راجہ محمد عنایت اللہ خان کے پاس آئے اور اپنی تکلیف کو بیان کر کے ان سے امداد کے خواستگار ہوئے۔ دسمبر جنوری کے دن تھے۔ برف باری زور شور سے شروع تھی۔ آپ خدا کا نام لے کر بہت سے آدمیوں کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو شیر واقعی اپنی عادت کے مطابق راستہ میں بیٹھا ہوا ہے اور شکار کے انتظار میں ہے۔ راجہ صاحب اور ان کے جماعت کا فاصلہ شیر کی نشست گاہ سے کوئی دو سو گز تھا۔ شیر نے جونہی اس انبوہ کو دیکھا للکارا اور اس جماعت کی طرف بے تحاشا دوڑا قریباً تمام لوگ سر پر پاؤں رکھ کر جنگل کی طرف بھاگے اور اس خوش اسلوبی سے پسپا ہوئے کہ راجہ صاحب کو بالکل تنہا چھوڑ گئے۔ شیر دھاڑتا اور جنگل میں کپکپا دینے والی گونج پیدا کرتا اور سننے والوں کے دل ہلا دیتا تھا۔ آخر راجہ صاحب اور اس کے درمیان تین چار گز کا فاصلہ رہ گیا راجہ صاحب نے زندگی و موت کی کشمکش اور کھینچا تانی میں اپنی ہمت اور اپنے حوصلہ کو برقرار رکھ کر پے در پے دو فائر کیے اور وہ شیر جو بیسیوں چوپائے اور کئی انسان ہلاک کر چکا تھا چشم زدن میں وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد لوگوں کی جان میں جان آئی اور وہ رستہ جو کئی مہینوں سے بند پڑا تھا پھر آمد و رفت کے لیے کھل گیا۔ راجہ صاحب کی اس غیر معمولی ہمت اور نشانہ اندازی کے متعلق کشمیر کے قریباً تمام اخبارات مضامین نکلتے رہے۔

علاقہ دار جاگیر راجپور ہندواڑہ

راجگان راجپورز چلڈارہ اور راجگان رینگ پت جس کی جاگیریں علاقہ راجوار کہلاتی ہیں۔ سلطان کام بخش خان کی اولاد سے ہیں۔ کام بخش سلطان میرزا شہید کے سات فرزندوں میں پانچویں فرزند تھے۔ اور سلطان میرزا شہید سلطان مظفر خان بانئ مظفر آباد کے فرزند ہیبت خان ثانی کے بیٹے تھے۔ سلطان کام بخش خان کے متعلق مجموعہ لب * التواریخ جلد دوم میں کوہستان کشمیر و احوال راجگان کہ متصرف آں مواضع اند کے حالات میں درج ہے: ''و کام بخش خان را کہ از قوم سلطان مذکور در کشمیر پرگنہ کامراج سمت مغرب کی تیبہ گوریگام و ماگام مے نامند سکونت داشت۔ سپاہ و شجاع و مالک یک نیم ہزار تفنگ بودہ اند جملہ جاگیر کشمیر قریب پنجاہ ہزار خردار از پرگنہ مذکورہ مقررہ بودہ۔''

مندرجہ صدر سطور سے سلطان کام بخش خان کی شجاعت اور اس کی ریاست اور اس کے سیاسی اقتدار کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔ اس کے چار فرزندوں میں راجہ صفدر علی خان کا نام خاص طور پر مشہور ہے۔

راجہ صفدر علی خان چالیس سال تک اپنے باپ کے بعد اپنے وسیع علاقہ پر حکمران رہا اور اس جاہ جلال کے ساتھ کہ بقول صاحب لب التواریخ پر منصب و جاگیر خور بے متابعت کسے بہ قوت بازوے خود زور شمشیر مستقل بودہ ہمیشہ بہ حکام کشمیر کہ ہزاروں سوار و پیادہ برانہدام او مے داشتند .... (یہ چند الفاظ اس قلمی تاریخ سے صاف نہیں پڑھے گئے) بے رفاقت راجگان با قلت لشکر رایت جنگ افراشتہ پائے ہمت راسخ مے داشت۔''

صفدر علی خان واقعی اسم بامسمی راجہ تھا جب تک وہ زندہ رہا افغان حکومت اس کے قوت بازو کو نہیں توڑ سکی۔ ۱۲۲۰ھ میں شاہ زمان درانی بادشاہ افغانستان و کشمیر نے صفدر علی خان کو اپنا

* مصنف مولانا بہاؤالدین متو (غیر مطبوعہ سال تصنیف در عہد سگاں بہ نظامت شیخ غلام محی الدین ناظم صوبہ کشمیر جس کی ایک نقل کپتان ایبٹ صاحب نے بھی ۱۸۴۸ء میں اپنے لیے کرائی تھی۔

اخلاص نشان بنانے کے لیے نرم پالیسی اختیار کی اور ایک شاہی ارشاد کے ذریعہ اس کی تمام جاگیرات اس کے نام واگزار کر دیں۔ جیسا کہ شاہ زمان کے ارشاد ذیل سے معلوم ہوگا۔

''ہر الحکم اللہ معلوم حکام وعمال صوبہ داران حال واستقبال خطہ کشمیر بودہ باشند کہ دریں ولا بغرض اشرف رسید کہ عالی جاہ رفیع جائیگاہ راجہ صفدر علی خان بہادر بنیہ از جملہ اخلاص نشان و خدمت گزاران ایں دولت خداداد وتری بنیاد مے باشد باید کہ ایشاں متوجہ شدہ آنچہ جاگیرات قدیمی وجدیدی راجہ مشارالیہ مکان موچی پورہ وتوابع مکان مذکور وغیرہ تعلقات ادائی سلطنت بندگان سکندر شان شاہ زمان حسب الارقام مقرر براں قابض ومتصرف بودہ حال ہم بہمان دستور در قبضہ وتصرف راجہ صفدر علی خان مذکور واگزاشتہ از جمیع تکالیف دیوانی وحکامی وبدعت فواحداث شش ہزاری معاف ومرفوع القلم دانستہ مرفع دارند کہ از شمار اضی وشاکر باشد وہرگاہ از رعایائے تعلقات جاگیر راجہ صفدر علی خان مدعا علیہ یا از دیگر راجہ ہا تخلف نمود باید کہ ایشاں وعالی جاہ رفیع الجائیگاہ سلطان ناصر علی خان کمک اونمودہ تنبیہ سرکشاں نمودہ رجوع کردہ بدہند دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب المقرر معمول داشتہ درعہدہ شناسد۔ تخلف وانحراف نہ ورزند۔ تحریر فی ۱۵ شہر رجب المرجب ۱۲۲۰ھ۔''

اس ارشاد سے معلوم ہوگا کہ بادشاہ نے صفدر علی خان کی صرف جاگیر ہی اس کے قبضہ و تصرف میں نہیں رہنے دی بلکہ اس کو اور بھی بہت سے مراعات دیں۔ یہ بہادر اور جوانمرد راجہ سردار محمد عظیم خان افغان گورنر کے اواخر عہد میں قضائے ربانی سے دریا میں غرق ہو کر انتقال کر گیا۔

اس کے دو بیٹے تھے۔ راجہ مظفر خان اور راجہ ہیبت خان۔ نام تو ان کے مظفر و ہیبت تھے لیکن افسوس کہ وہ آنے والے انقلاب عظیم کا مقابلہ نہ کر سکے۔ جب ۱۸۱۹ء میں راجہ مظفر خان نے دیکھا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج افغانوں کو شکست دے کر کشمیر پر قابض ہو گئی ہے تو اس نے اپنے آپ کو مقابلہ کے ناقابل پا کر سکھوں کی اطاعت قبول کر لی۔ راجہ مظفر خان مصنف لب التواریخ ملا بہاء الدین متو کے زمانہ میں زندہ تھا چنانچہ مصنف مذکور راجہ مظفر خان کے متعلق لکھتا ہے کہ ''بہ ضاعت در ملک خود گزرانی مے کند۔''

سلطان کام بخش خان اور اس کے فرزند راجہ صفدر علی خان کی یہ وسیع جاگیر جو آزاد و خود مختار تھی۔ راجہ مظفر خان اور راجہ ہیبت خان * کے زمانہ میں کچھ سکھوں کے تصرف سے اور کچھ ان

* راجہ ہیبت خاں کی اولاد دریگ پٹ تحصیل: ندواڑہ میں موجود آباد ہے۔

کی باہمی تقسیم سے دریا بہ حباب اندر کی طرف کم ہونا شروع ہوگئی۔

سکھوں کے بعد جب مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کا زمانہ آیا تو بمبہ قوم نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی روایتی شجاعت و بسالت سے بہت کچھ کام لیا۔ لیکن مہاراجہ گلاب سنگھ کا مقابلہ جس کی پشت پر برطانیہ جیسی زبردست طاقت موجود تھی۔ ان کی طاقت سے باہر تھا۔ اور اس پر گھر کی پھوٹ سے ان کی تباہی کے مزید سامان خود بخود مہیا ہور ہے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ خود شجاع اور بہادر تھے اور ایک شجاع قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے بہادر مخالفوں کی شجاعت کی پوری پوری قدر کی۔ اور ان کے ساتھ ایک اقرار نامہ کے رو سے ان کی جاگیریں اور ان کے حقوق کی حفاظت کا ذمہ لے کر ان کو اپنا ہوا خواہ بنا لیا۔ چنانچہ مہاراجہ گلاب سنگھ کا ایک ارشاد جو قوم بمبہ وغیرہ کے ساتھ صلح وصفائی کے متعلق ہے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

''چوں دریں وقت راجگان کھکھہ و بمبہ بمقام کشمیر بہ معرفت عالی جاہ ملک فتح خان حاضر شدہ اقرار نامہ اطاعت فرمانبرداری و ترک مفسدہ نوشتہ دارند لہٰذا بنا بر تسلی وطمانیت آں ہا از جانب مابدولت مہم روبروئے صاحب مشفق مہربان الطاف فرمائے مخلصان کرنیل لارنس صاحب بہادر ایجنٹ گورنر جنرل بہادر ممالک مغرب و شمال اقرار است کہ پرورش راجگان بہ نظر مہربانی حال آن ہا دلحاظ رفاہ ایں ہمہ ہا بہ شرائط مندرجہ اقرار نامہ آں ہا بہ دل قبول و منظور است و یک نقل ایں اقرار نامہ بہ دفتر انگریزی ہم داخل گرویدہ و ہر کہ برائے آں ہا قریب یک سال از وفات شیخ غلام محی الدین مقرر بوداں معاف ہم داشت و پنجم حصہ موافق نوشتہ خود از راہ مہربانی بر راجگان کھکھہ و بمبہ معاف کردہ شد۔ المرقوم سوم مگھر ۱۹۰۳ بکرمی مقام کشمیر۔''

مہاراجہ گلاب سنگھ نے ارشاد مندرجہ صدر کے بعد ایک خاص ارشاد راجہ مظفر خان راجہ ہیبت خان کے نام لکھا جس میں ان مواضعات پر جو سکھوں کے آخری ایام میں ان کے پاس موجود تھے ان کے تصرف قبضہ کی تصدیق کی جیسا کہ ارشاد ذیل سے معلوم ہوگا۔

دستخط بحروف ڈوگرہ   تھانہ دار و کاردار محال مچھی پور

مہاراجہ گلاب سنگھ   کامراج بدانند

آنکہ مواضع کہ در محال مذکور بنا بر انصرام خدمات و حاضر باشی بہ صیغہ جاگیر بہ اسم عالیجا

ہاں راجہ مظفر خان و ہیبت خان وارثان صفدر علی خان ۱۹۰۳ بکرمی مقرر وواگزار بود حال ابتدائے ۱۹۰۳ بکرمی از روئے مہربانی وتوجہات وتفضلات بدستور بنابر بجا آوری خدمات وفرمانبرداری علی لدوام مرحمت فرمودیم لہٰذا باید کہ بوردد گرامی پروانہ مواضع را کہ الا ۱۹۰۳ بکرمی متصرف بودند حال بدستور واگزارند۔ ۲۰ مگھر ۱۹۰۳ اب۔

راجہ مظفر خان اور راجہ ہیبت خان نے اپنی ذات خاص سے اور اپنے سپاہیوں کے ذریعہ ہنگامہ کرناہ میں مہاراجہ رنبیر سنگھ جو مہاراجہ گلاب سنگھ کے جانشین تھے کو بیش قیمت مدد دی۔ ان دونوں بھائیوں ہی کی وفادارانہ خدمات نے یاغستانیوں کی کثیر جماعت کو جگدم اور سپیشل ہال کے مقامات سے فرار ہونے پر مجبور کیا تھا۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ابتدائی زمانہ میں گلگت اور چیلاس کے سرحدی راجگان جو لڑائیاں لڑتے رہے۔ ان میں بھی راجہ مظفر خان نے عملاً اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور اپنے کچھ سپاہی اور اپنے دونوں فرزند چیلاس کی لڑائی میں بھیجے جس پر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو حسب ذیل الفاظ تحریر فرمائے۔

دستخط بحروف ڈوگرہ

مہاراجہ رنبیر سنگھ

عالی جاہ راجہ مظفر خان مسرور باشند! عرضی مرسلہ ایشاں رسید حرف بہ حرف معلوم گردید آنکہ سپاہیان خود معہ پسران خود روانہ چیلاس نمودند۔ بہتر نمودند لازم کہ آئندہ ہم از احوالات خود عرض داشتہ باشند دریں باب تاکید دانند حسب المسطور عمل آرند۔

۱۴ اساوان ۱۹۰۸ بکرمی

راجہ مظفر خان قریباً چھیانوے سال کی عمر میں زمانہ کے بہت سے نشیب وفراز دیکھ کر ۱۹۲۶ بکرمی میں انتقال فرما گئے۔ ان کے دو فرزند تھے۔ راجہ محمد خان و راجہ اکبر علی خاں۔ باپ کی وفات کے بعد دونوں بھائی مہاراجہ رنبیر سنگھ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مہاراجہ نے دونوں بھائیوں کو خلعت کے علاوہ راجگی کا خطاب بھی جوان کا پشتینی لقب تھا۔ عطا کیا۔ اس زمانہ میں پنڈت مہانند جودر کامراج کے وزیر وزارت تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے حقوق و جاگیر کی حفاظت و بحالی کے متعلق مہانند جودر کے نام گورنر کشمیر نے حسب ذیل پروانہ لکھا۔

اخلاص نشان پنڈت مہانند جو درروز یروزارت کامراج حفظہ دریں وقت مسمی محمد خان و اکبرعلی خاں فرزندان راجہ مظفر خان درحضور سری سرکار والا حاضر گردیدہ و حضورانور ازروئے عنایت خلعت بخشیدہ والقاب راجگی بنام ایشاں قلمی است کہ جاگیر مشارالیہاں کہ از قدیم معاف و واگزاراست واگزاردارندو آنکہ پنجاہ ویک روپیہ چلکی ازین جملہ ترنی شاخ شماری معاف است بدستور واگزارنمانید واینکہ .... (چند الفاظ پڑھے نہیں گئے) جاگیر مشارالیہان است جائز دارند۔ازسرنو کمی بیشی نمایند وغورش دارند۔تحریرے بھادوں ۱۹۲۶ بکرمی۔

راجہ مظفر خان کے دونوں بیٹے اپنے الگ الگ حصوں کے راجہ قرار پائے۔راجہ اکبرعلی خان کوراجپور کا علاقہ ملا اور پنج ہزار کھر و شالی ان کی افسری کے لیے حسب دستورقدیم واگزار رکھی گئی جیسا کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ کے ارشاد ذیل سے واضح ہوتا ہے۔"ارادت نشان وزیر جانکی داس جی سلامت۔دریں وقت بنام ایشاں قلمی است آں کہ حصہ جاگیر تحت جاگیر راجہ اکبرعلی خان مچھی پوریہ معہ پنج ہزار کھر وافسری والہ کہ مقرراست بدستور سالہائے گزشتہ وعمل قدیم قرار قانون سرکار بابت فصل پیداوار ۱۹۳۰ بکرمی واگزار سازند دریں باب تاکید دانند۔"

۱۹۳۰ بکرمی میں آپ نے مہم گلگت میں مدد دی جس پر مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ۲۶ چیت ۱۹۳۱ بکرمی کے ارشاد میں اپنی مسرت اوران کی خدمات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا"عالیجاہ راجہ اکبرعلی خان مچھی پوریہ۔دریں وقت عرضی مرسلہ ایشاں رسد شارح کوائف شدآنکہ سپاہیان خودرا دربجا آوریئے خدمات سرکار درگلگت درام گھاٹ حاضر داشتہ اند خوب مے کنند باید کہ ہمیں طور بہ خدمات سرکار حاضر ماندہ باشد۔"

مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان خدمات سے خوش ہوکر آپ کو اول نمبر کی سند بخشی اور وزیر پنوں کے نام جو اس زمانہ میں کشمیر کے گورنر تھے لکھا"وزارت پناہ خیر خواہ وزیر پنوں جی دریں وقت ازراہ عنایت وکرم بخشی اول نمبر از راجہائے مچھی پورہ و راجہ اکبرعلی خان مچھی پوریہ ازسرکار عطا شد۔یک ہزار وچہار صد روپیہ وجہ نذرانہ وسرکارندکور داد۔لہٰذا ارشاد والا بنام آں خیر خواہ صادر شدہ کہ ہنگام گزارش نذرات و عطائے خلعت از سرکار بہ مشار الیہ اول دہانیدہ باشند از دست غورو پرداخت دارند۔تحریر ۱۵ اسوج ۱۹۲۳ بکرمی۔

۱۹۳۶ بکرمی میں آپ نے پھر اپنے چند سپاہی رام گھاٹ کی مہم پر اظہار وفاداری اور ادائے خدمت کے لیے روانہ کیے۔اس زمانہ میں جنرل ہوشیار اس علاقہ میں فوج کا افسر تھا اس

کے نام مہاراجہ رنبیر سنگھ کی طرف سے حسب ذیل حکم لکھا گیا۔

شجاعت آہنگ ہوشیار اسینادلیس جی۔ دریں وقت سپاہیان راجہ اکبر علی خان مچھی پور یہ ماموریٔ رام گھاٹ (سپاہی ۱۴ جمعدار دو علمہ دو روانہ آں طرف شدہ خواہند رسید در خدمت حاضر شدہ غور پرداخت مسطوریاں بہ خوبی داشتہ باشد۔ اندریں باب تاکید دانند۔ رسد دنیم آنہ بدستور دادہ باشد حیب السطور بعمل آرند۔ ۱۶ اسوج ۱۹۳۶ بکرمی۔

غرض اپنے والد کی طرح راجہ اکبر علی خان اور راجہ فیروز الدین خان نے بھی مہم گلگت میں ڈوگرہ فوج کو پوری پوری مدد دی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہی کے سپاہیوں نے راجہ عذر خان کو گرفتار کیا تھا۔ جو سری نگر میں اسی حالت میں لایا گیا اور مہاراجہ کے حکم سے قلعہ ہری پربت میں نظر بند کر دیا گیا۔ قریباً تین چار سال ہوئے لمبی عمر پا کر وہ انتقال کر گیا ہے۔ اس کی اولاد حدود قلعہ کے اندر بادام داری میں رہتی ہے۔

راجہ اکبر علی خان غریب پرور تھے۔ ان کے علاقہ کے کئی غربا ان کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ ۱۹۴۰ بکرمی کے بھونچال میں انہوں نے غربا کو بہت مدد دی۔ ان کی بیگم بھی جو عطر النساء بیگم کے نام سے موسوم تھی۔ غریبوں کا خیال رکھتی تھی۔ آپ فارسی اچھی جانتے تھے۔ کشمیر سے کبھی باہر جانے کا اتفاق نہ ہوا۔ دین دار بزرگ تھے۔ عمر کے آخری ایام میں مکانات کے جل جانے سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ آتش زدگی کی وجہ سے بیش قیمت کاغذات جن میں مغلیہ بادشاہوں کی سندات بھی تھیں۔ نذر آتش ہوگئی تھیں۔

اسی برس کی عمر تھی کہ ۱۳۴۲ھ میں انتقال فرما گئے۔ سید محمد حسین اکسیر دھاریاں گڑھی اور منشی غلام محمد خادم (سوپور) اور چند اور شعراء نے آپ کے انتقال پر ماتمی نظمیں لکھیں۔

آپ کے دو فرزند ہیں۔ راجہ شیر علی خان اور خان زبردست خان، راجہ شیر علی خان جو جاگیر راجپور کے علاقہ دار ہیں۔ ۱۹۳۷ بکرمی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی دستار بندی کے وقت ہمہ قوم کے تمام معزز افراد اور جاگیر دار موجود تھے۔ راجہ شیر علی خان ذوق سخن بھی رکھتے ہیں۔ بسمل تخلص ہے۔ ماہ اپریل ۱۹۱۱ء کے کشمیر میگزین میں آپ کے چند اشعار خیال بے خودی کے عنوان سے درج ہوئے تھے۔ وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

نہ نیلو فر ہوں تا خورشید خاور جلوہ افگن ہو

نہ مانند کتاں ہوں ماہ انور جس پہ روشن ہو
نہ ہوں شمشاد تا قمری مرے سر پر نوازن ہو
نہ پروانہ ہوں محفل میں کہ میرا نام روشن ہو
مجھے دانہ بنایا کس لیے دنیا کے خرمن میں
نہ بوئے زلف عنبر ہوں کہ کام آؤں صبا کو میں
نہ سرمہ ہوں کروں روشن کسی چشم وفا کو میں
نمک داں بھی نہیں تازہ کروں زخم جفا کو میں
نہ ہوں بادِ صبا چھیڑوں جو پردے میں حیا کو میں
نہ شاعر ہوں کہ لکھوں نظم ہی کشمیری مخزن میں
نہ گرد راہ ہوں آلودہ دامن ہو صبا مجھ سے
نہ نرگس ہوں مقابل ہو کوئی نازک ادا مجھ سے
نسیم خوش نہیں ہوں تا کلی گل کی ہو وا مجھ سے
بلند و بالا ہے لیکن یہی ہر دم صدا مجھ سے
مدینہ میں رہوں جا کر حرم کے صحن گلشن میں

پنجاب کے مشہور رسالہ مخزن اور ہندوستان کے مشہور رسالہ ولگداز اور لاہور کے کشمیر میگزین اور کشمیر کے اخبار ہمدرد میں آپ کے تاریخی علمی اور فلسفیانہ مضامین عرصہ تک چھپتے رہے ہیں۔ان کا غیر مطبوعہ مجموعہ ''مضامین بسمل'' کے نام سے ان کے فرزند راجہ محمد سکندر خان کے پاس موجود ہے۔

اپنی تحصیل کے صدر مقام ہندواڑہ میں آنریری مجسٹریٹ بھی رہے ہیں۔اخبار بینی کا شوق ہے۔تعلیمی معاملات کا شغف ہے۔قلم چکلہ تحصیل ہندواڑہ کے سکول کا سنگ بنیاد آپ ہی نے رکھا تھا۔آج وہ سکول آٹھویں جماعت تک ہے مقامی پنچایت کے سرپنچ ہیں۔عمر باسٹھ سال کے قریب ہے۔راجہ شیر علی خان سرکار کی خدمات میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم چل رہے ہیں چنانچہ ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کی سند میں مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کی طرف سے آپ کی خدمات (قیام امن)

کا اعتراف بھی ہے اور اڑھائی صد روپیہ انعام ملنے کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح جب ۸۵۔ ۱۹۸۶ بکرمی میں آپ نے انجمن ہائے اتحادی کے قیام اور ان کے فوائد کے اظہار میں تبلیغ و اشاعت کا کام کیا۔ تو ہز ہائنس گورنمنٹ کے ریونیو منسٹر نے ۲۵ ہاڑ ۱۹۸۷ بکرمی کی سند آپ کو بطور آفریں نامہ عطا کی۔ اور آپ کی کارگزاریوں کا اعتراف کیا۔

آپ نہایت ذی فہم اور مدبر سیاست دان ہیں۔ آپ کے والد راجہ اکبر علی خان کے زمانہ میں جب قانون بندوبست ۱۹۵۵ بکرمی میں شروع ہوا تو مہتمم بندوبست کرنل ریوٹ نے اس بنا پر ضبطی جاگیر کی رپورٹ کونسل میں پیش کی کہ مسٹر ٹیلر نے (بزمانہ مہاراجہ گلاب سنگھ) جو فہرست جاگیر داران مرتب کی ہے اس میں ان کی جاگیر صرف بارہ سو روپے درج ہے۔ حالانکہ ان ایام میں زچلڈارہ، رینگ پت اور راجپور اور تینوں علاقوں کی جاگیر میں بیس ہزار روپیہ سالانہ کے قریب تھی۔ لیکن مسٹر ٹیلر نے خدا جانے کس سماعی بنا پر بیس ہزار روپیہ کو صرف بارہ سو روپیہ بنا دیا۔ راجہ شیر علی خان نے ہوش سنبھالنے کے بعد بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس فہرست کی نقل ان کو مل سکے۔ چونکہ وہ کانفیڈنشل تھی اور ریاست کے حق میں تھی۔ اس لیے وہ ریاست کے فارن آفس سے مایوس ہو کر لاہور آئے اور یہاں سے مسٹر ٹیلر کی مرتبہ فہرست فارن آفس سے حاصل کر کے انہوں نے کونسل میں اپنے مقدمہ کی نظر ثانی کرائی۔

اسی فہرست میں پنڈت مہانند جودر کی جاگیر ڈیڑھ لاکھ اور سلطان زبردست خان کٹھائی والے کی جاگیر ایک لاکھ روپیہ درج تھی۔ حالانکہ ان کی جاگیروں کی رقم اس سے بہت کم تھی۔ آپ نے ایک تو اس فہرست کو غیر مصدقہ ثابت کیا اور کہا کہ اس کا بہت کچھ انحصار صرف سماعی باتوں پر ہے۔ دوسرے یہ اعتراض کیا کہ اگر اس فہرست کی صحیح سمجھا جاتا ہے تو پھر مہانند جودر اور سلطان کٹھائی کو اتنی جاگیر کیوں نہیں ملتی جتنی مسٹر ٹیلر کی فہرست میں درج ہے۔ ان کو کیوں کم رقم کی جاگیر دی گئی ہے۔ آخر کونسل اور ریذیڈنٹ نے آپ کے جائز اعتراضات کی بنا پر آپ کی اپیل منظور کر لی اور جاگیر واگزار کر دی گئی لیکن نصف صدی کے بعد حالات نے پھر پلٹا کھایا۔ راجہ شیر علی خان کے دست سخا اور چشم مروت اور کنبہ پروری نے جاگیر کو رفتہ رفتہ ساٹھ ہزار کے قرضہ میں مبتلا کر دیا تھا اور اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ راجہ غلام محمد خان علاقہ دار زچلڈارہ کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں نے مہاجنوں اور سود در سود کے جال سے نکلنے کے لیے حکومت کا سہارا لیا چنانچہ محکمہ دھرم ارتھ نے ان کی جاگیروں کے چند دیہات مکفول کر کے

قرض خواہوں کا حساب جو ایک لاکھ سے زیادہ تھا بے باق کر دیا۔ راجہ شیر علی خان نے جو قرض ریاست سے لیا تھا۔ اس کی ادائیگی کے لیے بائیس سال تک ان کے دیہات ریاست کے پاس رہن تھے۔ اور جاگیر بھی کورٹ آف وارڈ میں تھی۔ آخر ان کے تین چار سال کی متواتر کوششوں سے حدود جاگیر کے اندر جو جنگلات بیرون لائن تھے وہ ان کو عطا کیے گئے لیکن ان کی فروخت وغیرہ کا انتظام ان کی وفات کے بعد ہو سکا جس سے حکومت کا قرضہ بھی ایک دم بیباق ہو گیا اور جاگیر بھی واگزار ہو گئی۔

راجہ شیر علی خان کو راقم سے دلی انس تھا۔ اور حالات و تواریخ قوم بمبہ کے معرض تحریر میں لانے کی ان کو بہت خواہش تھی اور ہر سال راقم سے یہی تقاضا رہا کرتا تھا۔ جب ۱۹۴۳ء میں بمقام لاہور آپ کو تاریخ اقوام کشمیر سے چند مسودات دکھائے تو بہت خوش ہوئے۔ مارچ ۱۹۴۲ء کے ابتدائی ایام میں قریباً ایک ماہ کی اقامت کے بعد آپ واپس کشمیر گئے۔ وہاں چند روز کے بعد علیل ہو گئے۔ اور یہی علالت مرض الموت ثابت ہوئی۔ آخر ۱۰ ربیع الاول مطابق ۱۵ چیت ۱۹۹۹ بکرمی موافق ۲۸ مارچ ۱۹۴۲ء کو بروز شنبہ صبح ۸ بجے دنیائے فانی سے انتقال فرما گئے۔

آپ کی وفات پر مولانا شمس الدین حیرت کاملی نے جو آپ کی وفات کے وقت آپ کے دولت خانہ (راجپور) ہی میں مقیم تھے۔ اس دلگداز سانحہ پر ایک طویل نظم لکھی جس کے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

اے سلامت خواہ خویش وغیر در یکساں خیال
محسن و منعم محبّ و مشفق اہل نیاز
اے تمامی عشق عشقت چیست عشق مصطفیٰ
اے تمامی زہد زہدت چیست تاکید نماز
من چساں اکنوں ساغ آئم چساں گیرم اغ
باغ داغ وراغ داغ وداغ داغم زیں گداز
چوں نہ گریم چوں نہ پیچم چوں نہ انجم زیں ستم
دوستاں از من آں دوست و ہتم ماند باز
دہم ماہ ربیع الاول از دنیا گذشت

شیر علی خان بود محمود دلم را چوں ایاز
سال وصل او چو مے جستند ارباب خرد
فکر کردم برطبیعت داشتم بسیار ناز
سرکشید از دل چو حیرت گفت از تحت عمل
شیر علی برخاست اسکندر علی بہ نشست باز

۱۳۶۱ھ

اس نظم کے علاوہ آپ نے وفات کے تاریخی قطعات بھی لکھے۔ایک قطعہ میں غفر اللہ سے اور ایک میں ''یازدہ بار یا علی بشمار'' سے سال وفات برآمد ہوتی ہے۔۔

راقم نے بھی اپنے مرحوم دوست کی یادگار میں حسب ذیل اشعار لکھے:

جو نعمتیں رجوار کو مولا نے عطا کیں
ان نعمتوں سے اس کے سب احسان عیاں ہیں
جاں بخش ہوائیں ہیں فرخ بخش فضائیں
ندیاں بھی ہیں نالے بھی ہیں چشمے بھی رواں ہیں

*

لیکن جو کلی دل کی ہے اے باد سحر خیز
مرجھائی سی رہتی ہے گل افشاں ہی نہیں ہے
اتنے میں ندا آئی وہ مرجھائے نہ کیوں کر
کیا کھل سکے جب شیر علی خان ہی نہیں ہے

*

وہ شیر علی صاحب احسان و مروت
جس نے کبھی دشمن کے بھی دل کو نہ دکھایا
اہل علم و فن کا معاون تھا جو دائم

*

وہ ہمدم دیرینہ وہ اخلاق مجسم

گو عالم فانی سے گیا ملک بقا میں

اب تک ہے مگر چشم تصور میں سمایا

شک ہم کو نہیں اس کی محبت میں وفا میں

*

گو زاد رہ ملک عدم پاس نہیں ہے

تیار ہوں میں اس پہ بھی اے خلد بہ دامن

سنتا ہوں کہ مسکن ہے ترا گلشن جنت

اے کاش مقدر میں ہو میرے بھی وہ گلشن

*

۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو مجلس دستار بندی کی تقریب پر جس میں برادری کے علاوہ علاقہ کی رعایا سری نگر اور نامبلہ اور اوڑی تک کے اعزہ اور معززین موجود تھے مرحوم کے فرزند اکبر راجہ محمد سکندر خان کی رسم دستار بندی ادا ہوئی۔ آپ مقامی پنچایت کے سرپنچ بھی ہیں۔

راجہ صاحب مرحوم کے فرزند اصغر کا نام خان عبدالحمید خان ہے ہمیں توقع ہے کہ راجہ محمد سکندر خان اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چل کر اپنی اہم ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوتے رہیں گے اور اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھیں گے۔

راجہ شیر علی خان کے برادر خورد خان زبردست خان نے مسٹر ٹالبوٹ کمشنر بندوبست کے زمانہ میں بندوبست کا کام سیکھا چونکہ ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لیے نام نائب تحصیل داری میں لکھا گیا اور کچھ عرصہ کے لیے اوڑی میں گرداور کاہ چرائی بھی مقرر کیے گئے لیکن چودھری خوشی محمد ناظر مہتمم بندوبست لداخ کے زمانہ میں جب کشمیر سے بندوبستی عملہ ان کے پاس بھیجا جانا تجویز ہوا اور اس میں آپ کو بطور نائب تحصیل دار نامزد کیا گیا تو آپ کے والد نے آپ کو

وہاں جانے کی اجازت نہ دی بلکہ اس خیال سے کہ خدا جانے ان کو پھر کبھی کسی موقع پر کوئی اور حکم نہ دے دیں۔ گھر ہی میں واپس بلوالیا اگر اب تک وہ ملازم رہتے تو کسی معقول اور معزز عہدہ سے ریٹائرڈ ہو چکے ہوتے۔

خان زبردست خان کو بھی مضمون نویسی اور اخبار بینی کا خاص شوق ہے۔ تاریخی علمی مضامین سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ کشمیری اخبار جب کشمیری میگزین کی صورت میں ماہوار طبع ہوتا تھا تو آپ اس میں کشمیر کی مشہور غیر مطبوعہ تاریخ تاریخ حسن شاہ کی کھوئی ہامی سے اکثر مضامین ترجمہ کر کے میگزین میں بھجوایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ کو طبع زاد مضامین لکھنے کا بھی خاص ملکہ ہے۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ خان عبدالرشید خان، خان محمد امان اللہ خان اور خان محمد بشیر خاں۔

جاگیردار یاری پورہ کولگام

راجہ فیروز دین خان والد راجہ شیر احمد خان کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ باپ کی وفات سے ڈیڑھ سال قبل ۱۹۲۸ بکرمی میں بہ عہد مہاراجہ رنبیر سنگھ بمقام یاری پورہ پیدا ہوئے۔ اس زمانہ میں مدارس مروجہ کا رواج نہ تھا۔ اس لیے گھر پر ہی تعلیم پائی۔ حکام مجاز نے ان کی خاندانی عظمت کے لحاظ سے امیدوار منصرم کی حیثیت سے ان کو بندوبست کی ٹریننگ سرکاری وظیفہ پر دلائی۔ جب ٹریننگ کے بعد گرداور ہو گئے۔ تو حکام نے ان کا نام امیدوارن تحصیلداری میں لکھ لیا۔ چونکہ ان کے بڑے بھائی اور ان بھائیوں کی اولادیں سب علیحدہ علیحدہ مواضعات میں رہتی تھیں اور گھر میں صرف ان کی والدہ تنہا تھیں۔ جنھوں نے بہ اصرار ان سے ملازمت چھڑوا دی اور یہ جاگیر اور اراضیات کے انتظام اور خانگی امورات کی انجام دہی میں مصروف رہنے لگے۔ اگر یہ بہ سلسلہ ملازمت ہی رہتے تو آج ان کے نام کے ساتھ ہم کسی اعلیٰ عہدہ کا اعزاز دیکھتے۔ ملازمت سے واپس آ کر پہلے سفید پوش ہوئے۔ پھر ذیلدار بنے اور آج تک اپنے علاقہ کے بے غرض اور متدین ذیلدار چلے آتے ہیں۔ آپ کی ذیل میں کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہیں آپ ''ناس مشکہ'' کے اور دوسری سوشل خرابیوں اور برائیوں کے جو عام ذیلداروں اور نمبرداروں میں پائی جاتی ہیں۔ سخت مخالف ہیں۔ کار مفوضہ کو دیانت و ہمدردی عامہ سے انجام دیتے ہیں۔

یاری پورہ میں آپ کے علمی شغف اور آپ کی تعلیمی شوق کی بدولت نہ صرف لڑکوں کا

سرکاری مدرسہ اپر پرائمری تک جاری ہے بلکہ لڑکیوں کا ایک اپر پرائمری سکول بھی ہے جو آپ ہی کی بلڈنگ میں واقع ہے۔ یاری پورہ پنچایت کے آپ سرپنچ ہیں اور سرکاری کاموں میں ہمیشہ مدد معاون رہتے ہیں۔

آپ نے گاؤں کے غربی جانب سرراہ فیروز باغ کے نام سے ایک باغ احداث کرایا ہے جس میں چار درخت چنار کے ہیں اور جن کے سایہ تلے عوام آ کر آرام کرتے ہیں۔ اس باغ کے تین طرف نالہ چلتا ہے۔ زمین ناہموار تھی۔ آپ نے بڑی محنت سے اس کو مسطح کیا۔ باغ کے اندر ایک چشمہ ہے جس کو آپ نے صاف کرا کے استعمال کے قابل بنا دیا ہے اور نہ صرف یاری پورہ کے لوگ بلکہ ملحقہ دیہات سے بھی اکثر لوگ اسی چشمہ سے پانی گھڑے بھر بھر کے لے جاتے ہیں۔ پانی اس چشمہ کا بے حد شیریں، سرد اور ہلکا ہے۔

آپ ''سیر وافی الارض'' پر صحیح معنوں میں عمل کرتے ہیں اور پنجاب و ہندوستان کے مشہور مقامات لاہور، امرتسر، دہلی، آگرہ، اجمیر اور دوسرے شہروں میں جس قسم کی اخباری زندگی کاروباری زندگی، باعزت زندگی اور قومی وملی احساس کے جذبات دیکھتے ہیں۔ ان سے متاثر ہو کر واپس آتے ہیں۔ آپ اپنی وسیع برادری اور اپنے ملحقہ دیہات کے سرکردہ بزرگ ہونے کے باوجود نہایت ہی منکسر المزاج، خندہ پیشانی، بلند حوصلہ اور قومی ہمدرد ہیں۔ آپ کے جائز اور مصدقہ متبنٰی کا نام محمد عبداللہ خان ہے جن کے والد کا نام محمد رمضان اور دادا کا نام عبدالرحمان اور جدامجد کا نام محمد ایوب ہے۔ آپ موضع گاگرن متصل شوپیاں کے رہنے والے ہیں یہ موضع ہیر پور اور پیر پنچال کے سرراہ واقع ہے۔ گاگرن کے متعلق مشہور ہے کہ اس کو میرزا علی اکبر نے جو اکبر بادشاہ کے حکم سے ۱۰۱۵ھ۔ ۱۶۰۵ء تک کشمیر کا گورنر و ناظم رہا ہے آباد کیا ہے اور چونکہ اس گاؤں میں قریباً سب مغل قوم کے لوگ ہی آباد ہیں اور اسی قوم کی وہاں نمبرداری بھی ہے اس لیے یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ یہ موضع میرزا علی اکبر نے گورگانی مغل ہونے کے لحاظ سے آباد کیا ہو اور نام اس کا جیسا کہ مشہور ہے پہلے گورگان پور رکھا ہو۔ جو بعد میں بہ مرور ایام بگڑتے بگڑتے گاگرن بن گیا ہو۔ یہ وہی میرزا علی اکبر ہے جس کو راجہ بھگوان داس نے ۹۹۳ھ میں یعقوب شاہ چک والیٔ کشمیر کے پاس اکبر بادشاہ کی طرف سے بطور سفیر بھجوایا تھا۔ اور جس کے حسن تدبیر سے عہد و پیمان کے بعد یعقوب شاہ نے محاربہ سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ میرزا قاسم میر بحر جو ۹۹۴ھ میں یعقوب شاہ کو شکست دے کر فاتح کشمیر کہلایا تھا۔ مغل قوم ہی سے تھا۔ میرزا علی اکبر چونکہ دیر تک

کشمیر میں رہا ہے اس لیے اس کی اولاد میں سے چند ایک نے اپنے قومی گاؤں گورگان پورہ ہی اپنا وطن بنالیا۔ یہ گاؤں چونکہ ہیرہ پورہ اور پیر پنچال کے راستہ کے بالکل متصل واقع ہے۔ اور یہ مقام آمدورفت کے لیے ایک درہ کا کام دیتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو اس درہ کی حفاظت اور نگرانی کا کام بھی سپرد کیا گیا اور اسی علاقہ میں کچھ جاگیر بھی ملی اور بہت سی اراضیات انہوں نے خود آباد کیں لیکن کچھ مغلیہ حکومت کے زوال اور کچھ پٹھانوں اور سکھوں کی چیرہ دستیوں سے حق اسامی کی اراضیات ہی رہ گئیں۔

محمد ایوب کے فرزند کا نام احمد اللہ تھا، جس کو راجگان راجور کے ہاں خاص احترام حاصل تھا۔ اس کا بیٹا میر مکلی نام قانونی بندوبست سے پہلے اپنے گاؤں میں میر چودھری رہا ہے۔ میر عبدالرحمان رینج افسر مظفر آباد اسی قوم کی دوسری شاخ کے نوجوان فرد ہیں۔ اسی خاندان کے ایک فرد اسد خان نام بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ فوج میں ایک اچھے عہدہ پر تھے۔ تازیست اس عہدہ کی پنشن لیتے رہے۔ ان کا فرزند عبدالعزیز بھی فوج میں ملازم تھا۔ اب عبدالعزیز مرحوم کا لڑکا علی محمد سرینگر محلّہ ٹبہ مالو میں رہتا ہے اور پولیس میں ملازم ہے۔

گزشتہ جنگ عظیم ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں اسی خاندان کا ایک نوجوان میر غلام قادر سرکار فرائض کی ادائیگی میں سپرد خاک و خون ہوا تھا۔ خواجہ عبدالرحمان جوگاگرن کی بجائے اب یاریپورہ میں رہتا ہے اسی گاؤں کا باشندہ ہے اور محمد عبداللہ خان کا ہمشیر زادہ اور راجہ محمد فیروز الدین خان کا عزیز رشتہ دار ہے۔ راجہ محمد عبداللہ خان کو راجہ محمد فیروز الدین خان نے ان کو بچپن ہی سے اپنا لے پالک فرزند بنا رکھا ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش آپ ہی کی زیر نگرانی ہوئی ہے۔ راجہ محمد عبداللہ خان یاری پورہ ہی میں رہتے ہیں۔ آپ کی عمر اس وقت چونتیس سال کی ہے۔ کشمیر کے محکمہ کوآپریٹو میں اڈیٹر ہیں۔ مذہبی اور تاریخی علوم سے خوب بہرہ ور ہیں۔ میرزا غلام احمد قادیانی مدعی مسیحیت و مہدویت کے پیرو ہیں اور لاہوری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا ایک فرزند ہے محمد یوسف نام جو گولگام کے مڈل سکول میں تھرڈ مڈل میں پڑھتا ہے اور ایک برادر زادہ ہے عبدالصمد نام جو انہی کے پاس زیر تعلم ہے۔

شاخ راجہ محمد اکبر خاں بمبہ یاری پورہ

راجہ محمد اکبر خان راجہ شیر احمد خان کے فرزند سوم تھے۔ ۱۹۲۷ میں بہ عمر قریباً ستر سال یاری پورہ ہی میں فوت ہو گئے۔ آپ کے فرزند کلاں کا نام راجہ ولی محمد خان ہے۔ جو مقامی جماعت احمد یہ کے صدر ہیں اور پدرم سلطان بود کے مقولہ کو نظر انداز کر کے اپنی زمینداری اور جاگیر کے علاوہ تجارتی کاروبار میں بھی منہمک رہتے ہیں اور فن طبابت و حکمت سے بھی لوگوں کو فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ نصر اللہ خان و بشیر اللہ خان دونوں آپ کے ساتھ تجارت میں بھی مشترک ہیں۔ نصر اللہ خان یہاں کے برانچ پوسٹ ماسٹر ہیں اور پنچایت یاری پورہ کے سیکرٹری بھی ہیں۔ آپ کو راجہ عبدالرحمان خان، رینج آفیسر نبیرہ راجہ شیر احمد خان نے بچپن ہی سے پسر پرودہ کی طرح اپنے ہاں رکھ کر آپ کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی ہے اور پھر مزید شفقت کے اظہار میں اپنی لڑکی کی شادی بھی ان سے کر دی ہے۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ عنایت اللہ خان، امان اللہ خان، ظفر اللہ خان، رحمت اللہ خان راجہ ولی محمد خان کے فرزند خورد بشیر اللہ خان کا ایک لڑکا ہے اور اس کا نام ظہر اللہ خان ہے۔

میر پور کا سدابرتی خاندان

میر پور قلمرو جموں کا یہ نامور اور دانی خاندان اپنی نمایاں فیاضیوں اور اپنے پن دان اور دھرمی ہونے کے لحاظ سے ریاست کے اندر ہی مشہور نہیں ہے بلکہ ملحقہ انگریزی علاقہ تک بھی اس کی شہرت ہے۔ اس خاندان نے قریباً چھ پشتوں تک ہر مذہب ملت کے غربا کے لیے عام سدابرت جاری رکھا ہے۔ اور اسی لیے یہ سدابرتی کے نام سے مشہور ہے۔ دراصل اس خاندان کی قوم مہاجن ہے اور کچھ شک نہیں کہ اپنے اوصاف کی وجہ سے یہ خاندان مہاجن قوم کے آسمان شہریت کا ایک درخشاں ستارہ ہے۔

آج سے ساٹھ ستر سال پیشتر اس خاندان میں چودھری دھرمی اور تامل سدا برتی گزرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس ہندو مسلم سکھ فرقہ میں سے قریباً ایک صد ملازم رہا کرتے تھے اور ان کی الگ الگ ڈیوٹیاں مقرر تھیں۔ گھوڑے، خچر، اونٹ، گائے، بھینس، بیل

کافی تعداد میں ان کے پاس رہتے تھے۔ ہزار ہا کنال ان کی اراضیات تھیں۔ جن پر ان کے مزارع کاشت کیا کرتے تھے۔ کچھ ملازم آسامیوں سے قرضہ وصول کیا کرتے۔ کچھ بار بردار کے کام پر مقرر تھے۔ کچھ لنگر خانہ اور رسوئی میں اور کچھ حاضر باش۔ آپ کا دفتر ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں تھا۔

میر پور میں ''دھڑت'' کے نام سے آپ کی وسیع دوکانات ہر حاجت مند کے لیے کھلی رہتی تھیں۔ کچی رسد میں ہر شخص کو نصف سیر آٹا، نمک مرچ اور گھی کے علاوہ ملا کرتا تھا یہاں تک کہ غربا کو کپڑا بھی مل جایا کرتا تھا۔ ان کے لنگر کے انچارج مہتہ تلسی رام اور مہتہ بوٹا تھے۔ جو اپنے پیچھے ہزاروں روپے کی جائیداد چھوڑ گئے۔

چودھری دیوی دتا جس قدر اپنے مذہب میں راسخ العقیدہ تھے اسی قدر ان کا دل فراخ تھا۔ پرانے خیال کے ہندو تھے اور مسلمانوں کے ساتھ بھی محبت اور شفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ''مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔'' مسلمانوں اور ہندوؤں میں آج جس قدر نفاق یا باہمی کشمکش ہے وہ سب اس نئی روشنی کا اندھیر ہے۔ جس نے یہ تو بتا دیا ہے کہ تم ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا بھی کھا سکتے ہو۔ یہاں تک کہ باہمی شادیاں بھی کر سکتے ہو۔ کھان پان میں بھی کوئی پرہیز نہیں۔ لیکن ان کے دلوں کی گہرائیوں تک جاؤ تو تعصب، حسد، بغض، خودغرضی اور ایک دوسرے کی تباہی و بربادی کے چھپے ہوئے جذبات کسی نہ کسی کونے میں پاؤ گے۔

چودھری دیوی دتا مل صبح اشنان اور پوجا پاٹھ کرتے پھر کھانا کھاتے آرام کرتے پھر اپنی کبوتری نام گھوڑی پر سوار ہوکر سدابرت دیکھنے جاتے۔ مہورت کے بڑے قائل تھے۔ ہر وقت پنڈت لوگوان کے پاس رہا کرتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں اپنے تمول اور اپنی فیاضی اور بے تعصب فیاضی کی بدولت راجہ بنے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ موضع گوہڑہ سدابرت میں جہاں آپ کی مملوک اراضی ہے۔ سیدوں کے ایک بڑے خاندان نے قبضہ کرنا چاہا۔ آپ جموں گئے۔ آپ نے وہاں برہمنوں کو فی کس ایک تھال لڈو اور پانچ پانچ (اس زمانے کے چلکی روپے دان دیئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ کو خبر ہوئی۔ دیوان کرپارام کو حکم دیا کہ ہم چودھری دیوی دتا مل جیسے مشہور دانی کے درشن کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ دیوان کرپارام مدارالمہام آپ کو مہاراجہ کے دربار میں لے گئے۔ جہاں مہاراجہ نے آپ کی بڑی عزت کی اور خیر و عافیت پوچھی۔ مہا

کی خواہش تھی کہ ایسے دانی کا کوئی فرزند توشہ خانہ کی افسری وغیرہ کے لیے مل جائے تو اچھا ہے لیکن آپ کے یہ کہنے پر کہ میرے دولڑکے چودھری منی رام و چودھری راجہ رام ہیں۔ ان کو گھر پر ہی اتنا کام ہے کہ وہ سنبھال نہیں سکتے۔ آخر جب آپ نے اپنی تکلیف کا ذکر کیا تو مہاراجہ نے آپ کی مملوکہ اراضی واقعہ گوہڑہ سدابرتیاں کی حدود پختہ کرا کر وہاں برجیاں قائم کرادیں۔ اور آپ کو بیش بہا خلعت دے کر رخصت کیا۔

چودھری دیوی دتامل کے پردادا باپو جتا نامی میرپور میں اپنے جس کنوئیں پر تپ کرتے رہے۔ وہاں ہندو عورتیں اب بھی جاتی ہیں۔ پرنام کرتی اور منتیں مانتی ہیں۔ اس کنوئیں کو بڑے باپو کا کنواں کہتے ہیں۔ چودھری دیوی دتامل نے اپنے پسر کلاں چودھری منی رام کی شادی رجوعہ تحصیل بھمبر کے چودھری آتما نامی کے ہاں جس دھوم دھام سے کی ہے وہ بطور ضرب المثل مشہور ہے۔ چنانچہ اس علاقہ میں ایسی ہی تقریبوں پر یہ بولا جاتا ہے کہ ''چودھری دیوی دتا جیسی کرنی کسی نے نہیں کرنی اور چودھری آتما جیسی برات کسی نے نہیں جھلنی''۔

یہ مشہور دانی بزرگ آخر ۱۹۳۴ بکرمی میں بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ دو فرزند چھوڑ کر اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا۔ چودھری منی رام سیرت وصورت دونوں میں درشنی مورتی تھے لیکن زمانہ کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آپ نے اخراجات تو وہی شاہانہ رکھے لیکن ذرائع آمدن کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ یہاں تک کہ آپ کی زندگی کے آخری لمحوں (۱۹۷۹ بکرمی) تک تو سدابرات کا سلسلہ جاری رہا۔ لیکن آپ کے چھوٹے بھائی چودھری راجہ رام اس سلسلہ کو جاری نہ رکھ سکے۔ آخر آپ بھی دو فرزند چودھری گیان چند اور چودھری رام لعل اپنی یادگار چھوڑ کر ۱۹۷۲ بکرمی میں چل بسے۔ آپ کے فرزند کلاں چودھری گیان چند بھی مالی سدابرت جاری رکھنے سے معذور تھے۔ تاہم خاندانی خصائل کسی نہ کسی رنگ میں ظاہر ہوتے ہی رہتے ہیں۔ آپ نے سکول کی تعلیم کے بعد قومی اور ملکی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۷۳ بکرمی کے خوفناک قحط میں آپ نے سیکرٹری ریلیف کمیٹی میرپور کی حیثیت سے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۳ بکرمی میں ریاست کے ساہو کاروں، مہاجنوں اور تاجروں نے جو پروڈنسٹ کمیٹی بنائی تھی۔ اس کے بھی آپ ہی سیکرٹری تھے۔ انہی ایام میں آپ کئی بار موجودہ فرمانروائے ریاست مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر سے بھی ملتے رہے۔ ۱۹۸۸ بکرمی کی تحریک حریت کشمیر میں جس کو شورش ۱۹۸۸ بکرمی کہا جاتا ہے آپ نے اس تحریک کے خلاف اخبار ملاپ میں کئی مضامین لکھ کر ''حق وفاداری'' ادا کیا جن دنوں ریاست

جموں و کشمیر کی وسیع مملکت میں ایک بھی اخبار نہ تھا اور باشندگان ریاست کی ترجمانی اخبار کشمیر، اخبار عام اور راجپوت گزٹ کے ذریعہ ہوا کرتی تھی۔ آپ ان اخبارات کے ذریعہ رعایائے ریاست کی تکالیف حکومت کشمیر پر واضح کیا کرتے تھے بلکہ اب تو قریباً دو سال سے آپ نے اپنا ایک ذاتی اخبار بھی صداقت کے نام سے میر پور سے جاری کر رکھا ہے۔ آپ ریاست کی سب سے پرانی جماعت ڈوگرہ سبھا کے اعلیٰ کارکن اور ڈوگرہ سبھا میر پور کے سیکرٹری اور ٹاؤن ایریا کمیٹی میر پور کے ممبر اور عدالت سیشن کے اسیسر ہیں۔ لدھیانہ میں آل انڈیا سٹیٹس پیپل کانفرنس کا جو اجلاس زیر صدارت پنڈت جواہر لعل نہرو ہوا تھا اس میں آپ ریاستی نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے تھے۔ آپ اہل قلم ہی نہیں ہیں بلکہ اچھے خاصے لیکچرار ہیں اور قومی و ملکی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے دو دفعہ جیل یاترا بھی کر چکے ہیں۔ آپ کی گرفتاری پر میر پور کے علاوہ تحصیل کوٹلی اور تحصیل بھمبر کے اکثر مقامات میں ہڑتالیں ہوئیں۔

آپ دو مرتبہ اسمبلی کے انتخاب کے لیے کھڑے ہوئے لیکن اس زمانہ میں کامیابی پروپیگنڈا کا ذریعہ ہے اور پروپیگنڈا روپیہ کو آگ لگا دینے سے یا پانی کی طرح بہا دینے سے ہوتا ہے۔ آپ کے پاس رہ کیا گیا تھا۔ جو کسی کو دیتے۔ تاہم آپ کی قبولیت اسی سے ظاہر ہے کہ آپ کے مقابلہ میں ہر چند بڑے بڑے وکلاء سرمایہ دار اور ذیلدار تھے۔ جنہوں نے ہزار ہا روپے خرچ کیے۔ پھر وہ بھی تھوڑے ہی ووٹوں سے کامیاب ہو سکے۔

ماہ بیساکھ ۲۰۰۰ بکرمی میں مہاراجہ ہری سنگھ بہادر جب میر پور تشریف لائے تو چوہدری گیان چند استقبالیہ کمیٹی کے ممبر اور دربار میر پور میں درباری کی حیثیت سے پیش ہوئے۔ آپ نے اپنی سدابرتی اسٹیٹ میں مہاراجہ بہادر کے استقبال کے لیے ایک شاندار گیٹ بنایا۔ آپ کے برادر خورد چوہدری رام لعل بھی اپنے خاندان اور اپنے بھائی کی تقلید میں پبلک سیوا میں حصہ لیتے رہتے ہیں اور بالکل اعزازی طور پر بزرگوں کی بچی کھچی اراضی اور جائیداد پر گزارہ۔ دونوں بھائیوں کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں۔ چودھری گیان چند کے ہاں صرف ایک لڑکی شریمتی ودیا دیوی جن کی شادی چودھری بھگت رام سٹی مجسٹریٹ پونچھ کے ہاں ہو چکی ہے۔ یہ معزز خاتون ودیا دیوی ہی نہیں بلکہ دیش سیوک دیوی بھی ہے۔ اس کے دونوں بڑے لڑکے چوہدری گیان چند کے ہاں بطور پسر متبنیٰ رہتے ہیں۔

چودھری گیان چند ماہ پوہ ۱۹۴۴ بکری میں بمقام میر پور پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پرانے دستور کے مطابق اول مکتب بلکہ مسجد میں حاصل کی پھر گورنمنٹ سکول میر پور میں پڑھتے رہے۔ قانونی تعلیم پنڈت تاراچند آف جنڈیالہ گورو امرتسر سے جو میر پور کے مشہور وکیل تھے اور میر پور کے ماہر قانون سردار بساکھا سنگھ سے حاصل کی۔

دہرمونہ چیوڈارہ کی شاخ زنگیر

چیوڈاڑہ کے بزرگوں کا ذکر کشمیر کے اکثر تذکروں میں موجود ہے۔ ان بزرگوں کی اولاد چیوڈارہ، دہرمنہ، غوطہ پورہ اور امرتسر ہی میں نہیں ہے بلکہ شمالی کشمیر کے مشہور علاقہ زنگیر کے مقامات ہردوشیوہ رام پور، راج پور، زورمنزہ، دارہ پورہ اور ڈور میں بھی پائی جاتی ہے۔ اقوام کشمیر کی کتابت اپنی آخری منزل میں تھی کہ شاخ زنگیر کے نامکمل سے حالات ملے۔ چونکہ وقت بہت کم تھا اس لیے مزید تفصیلات دریافت نہیں کرسکا۔ البتہ جو حالات مختصر سے ملے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شجرہ جس پر دہرمن اور چیوڈارہ کے معزز پیر صاحبان اور سادات کی مواہیر ثبت ہیں مصدقہ ان کے پاس موجود ہے۔ ہردوشیوہ کی برادری میں عبدالصمد شاہ اور عبداللہ شاہ دو بھائی تھے ۔دونوں صاحب اولاد ہیں۔ان میں عبدالصمد شاہ کی اولاد حسب ذیل ہے۔

فرزند اول مولوی ثناءاللہ شاہ۔ آپ کی عمر ستر سال کے قریب ہے۔ عرصہ دراز سے ہردوشیوہ کے سکول میں عربی مدرس ہیں۔ اس علاقہ میں ان کے شاگردوں کی کافی تعداد ہے۔ لوگ بھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ راقم کے والد مرحوم کے ساتھ بھی فارسی زبان میں خط کتابت کیا کرتے تھے۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ غلام احمد شاہ جو ہائی سکول سوپور میں زیر تعلیم ہے۔ دوسرا عبداللہ شاہ وہ بھی زیر تعلیم ہے۔ عبدالصمد شاہ کے دوسرے فرزند مولوی جلال شاہ (لاولد) مسجد درگاہ خواجہ حسن قاری میں امامت کرتے ہیں۔ عبدالصمد شاہ کے تیسرے فرزند مولوی اکبر شاہ عربی فارسی میں اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ ان کے تین فرزند ہیں۔ مولوی مقبول شاہ ٹیلر ماسٹر انور شاہ مظفر شاہ۔ ان میں مولوی مقبول شاہ نے اپنی برادری کا نام کشمیر سے باہر بھی روشن کر رکھا ہے۔ آپ اول اول ۱۹۳۰ء میں لاہور اور امرتسر آئے۔ لاہور میں مدرسہ حزب الاحناف اور امرتسر میں مدرسہ نصرت الاسلام اور بعض دوسرے مذہبی مدارس میں پڑھتے رہے۔ مولوی اور منشی عالم کی کتابوں پر

آپ کو عبور حاصل ہے۔ لاہور میں چند ایک مساجد میں پیش امام بھی رہے اور مرمت شاہی مسجد کے ایام میں وہاں محرری کا کام بھی کرتے رہے۔

آپ کو پنجاب میں بھی ملازمت مل سکتی تھی۔ بلکہ ملازمت ترک کر کے کشمیر گئے۔ امامت بھی کرتے تو وہ بھی مل جاتی بلکہ امامت کرتے بھی رہے۔ کشمیر میں بھی آپ کوشش کرتے تو ملازمت محکمہ تعلیم میں حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے موجودہ حالات سے متاثر ہو کر اپنے وطن کی اور اپنی قوم کی اور اپنے والئی ملک کی خدمت اسی میں سمجھی کہ محکمہ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ آپ کی مثال کشمیر کے نوجوانوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ آپ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء سے محکمہ فوج کی میڈیکل لائن میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی سروس بک میں بھی آپ کی ذات سید درج ہے۔ آپ کا ایک خوردسال فرزند بنام عبدالرشید ہے۔ عبدالصمد کے چوتھے فرزند مولوی یوسف شاہ زورمنزہ متصل ڈملب میں پیش امام ہیں۔ ان کے تین فرزند حسب ذیل ہیں۔ احمد شاہ، علی شاہ، حسن شاہ۔ آپ کے پانچویں فرزند مولوی سیف شاہ وہاں پیش امام ہیں۔ مولوی سیف شاہ کے فرزند کا نام شمس الدین ہے اور مولوی مہد شاہ کے چھ فرزند سید شاہ مبارک شاہ وغیرہ ہیں۔ ان سب بھائیوں کی اراضیات بھی ہیں۔ خود کاشت بھی کرتے ہیں۔ ان کے مزارع بھی ہیں اور امامت بھی ان کا پیشہ ہے۔

ککڑو (گکھڑ) خاندان بارہ مولا

شاخ خواجہ غفار جو ککڑو

- خواجہ عبداللہ جو
- خواجہ احد جو
- خواجہ غلام ککڑو
  - خواجہ غلام مصطفےٰ
  - خواجہ غلام نبی
  - دو دختر

ککڑو بارہ مولا کا ایک مشہور خاندان ہے۔ اس میں بڑے بڑے نامی گرامی رئیس گزرے ہیں۔ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ککرو گکھڑ لفظ ہی کا ایک بگڑا ہوا نام ہے۔ راجہ جہانداد خان چیف آف گکھڑ خانپور ضلع ہزارہ سے حاجی خواجہ عبدالصمد ککڑو مرحوم کی برادرانہ خط و کتابت بھی رہی ہے۔

گکھڑ قوم کا نام شہاب الدین غوری کے قاتلوں میں لیا جاتا ہے اور اس میں سب سے زیادہ مغالطہ بعد کے مورخین کو تاریخ فرشتہ نے دیا ہے۔ جس کا ذکر اگلی سطور میں آئے گا۔ یہ ایسا ہی ہے جس طرح ملک ریگی ڈار کے حریف ڈال پر ط کا شوشتہ نہ ڈال کر سب سے پہلے سہو کاتب نے ایک ہی قوم کے دو ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ حالانکہ ریگی ڈار کے بھائی اور اس کے سب اسلاف ڈار ہی لکھے جاتے رہے ہیں۔ اور ان سب کی اولاد اب بھی ڈار ہی کہلا رہی ہے لیکن ریگی ڈار کو چونکہ کاتب کی اول سہو نے ریگی دار لکھ دیا اور وہ اسی طرح نقل در نقل ہوتا چلا گیا۔ اس لیے ریگی ڈار کی اولاد اب ڈار نہیں بلکہ دار کہلا رہی ہے۔

طبقات ناصری قاضی منہاج (۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔ تاریخ جہاں کشائے جوینی ۶۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ ان میں قاضی منہاج نے اسماعیلی ملاحدہ کو اور جوینی نے ہندو کھوکھروں کو سلطان شہاب الدین کا قاتل لکھا ہے۔ مستوفی قزوینی (۷۳۰ھ کے مصنف) نے صاف ہندو کھوکھروں کے نام لکھے ہیں۔ عرب مورخوں میں ابن اثیر متوفی (۶۳۸ھ) نے شہاب الدین غوری کے قتل کا واقعہ بڑی تفصیل سے لکھ کر کھوکھروں ہی کو اس کا قاتل بتایا ہے اور کچھ اشارہ اسماعیلیوں کی طرف بھی کیا ہے اور اس کا ثبوت یہ دیا ہے کہ قاتلوں میں دو مختون بھی تھے ابن خلدون نامور مورخ عرب ہے۔ اس نے بھی کھوکھروں ہی کا نام لیا ہے۔

عبدالقادر بدایونی (بزمانہ اکبر ۹۹۷ھ) نے بھی کھوکھر قوم ہی کو قاتل لکھا ہے چونکہ فارسی کی قدیم تاریخوں میں سب سے پہلے تاریخ فرشتہ ہی جو ۱۰۱۵ھ میں جہانگیر کے ابتدائی سال جلوس میں مکمل ہوئی تھی۔ ہندوستان میں طبع ہوئی تھی۔ اس سے قبل کی تاریخیں ابھی طبع نہ ہوئی تھیں۔ اس لیے اسی کو معتبر سمجھا گیا۔ اس تاریخ میں گکھڑ اور کھوکھر الفاظ کو جن حروف میں کاتب نے لکھا ہے اس نے ذرا سی سہو کر کے ایک قوم کے گناہ کا بوجھ دوسری قوم کے سر پر ڈال دیا ہے۔

اس تاریخ میں کھوکر، کھوکھر اور گکھڑ کے الفاظ میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ بقول صاحب رسالہ معارف (جون ۴۳ء) جہاں گکھڑ ہونا چاہیے تھا وہاں ''کہکر'' چھپا ہے۔ اور جہاں کہکر یا کھوکھر درج ہونا چاہیے تھا وہاں بھی کہکر اور کہکر ان ہی درج ہے۔

غرض سلطان آدم گکھڑ قوم کا ایک نامور سردار گزرا ہے اس کو کہکر لکھا ہے۔ جسرت گکھڑ کو کہکر لکھا ہے کہیں کہکر ان درج ہے کہیں کہکر ہے نہ کھوکھر صاف لکھا ہے نہ گکھڑ۔ یہی وجہ ہے کہ سر لیپل ایچ گریفن نے اور بعض دوسرے مورخین ہند نے گکھڑ قوم ہی کو کھوکھر قوم کی بجائے

محمد غوری کا قاتل سمجھ لیا ہے۔ البتہ جوں جوں پرانی قلمی تاریخیں طبع ہو رہی ہیں اور مطالعہ میں آرہی ہیں محققین اس کی تصحیح کیے جارہے ہیں *۔

گکھڑ کیانی النسل ہیں۔ ان کا تعلق گو صدیوں سے ہندوستان کے ساتھ ہے لیکن ان کی اصل ایران سے ہے۔ یہ لوگ ابتدا میں دریائے سیحوں وجیحوں کے سواحل پر آباد تھے۔ اقوام ترک (تاتاری اور مغل) نے انہیں یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ یہ ایران میں چلے آئے اور رفتہ رفتہ اسی سرزمین کے حکمران بن گئے۔

کشمیر میں گکھڑ قوم کی آمد ورفت کا پتہ سلطان زین العابدین اور اس کے بھائی سلطان علی شاہ کے زمانہ سے ملتا ہے۔ جس کا ذکر تاریخ اقوام کشمیر میں کسی قدر تفصیل سے درج ہے۔ پنجاب میں گکھڑ قوم جہلم، راولپنڈی اور سرحد کے ضلع ہزارہ میں بکثرت آباد ہے۔ یہیں سے یہ لوگ کشمیر آئے۔ اور بارہ مولا میں آکے ٹھہرے۔ ڈیڑھ دو سو سال کا عرصہ گزرا ہے اس قوم میں خواجہ محمد جو، خواجہ احمد جو اور ان کے عمزاد بھائی خواجہ غفار جو گکڑو نامی بزرگ تھے۔ خواجہ عبداللہ جو' جو خواجہ غفور جو کے فرزند تھے۔ خواجہ محمد جو کے داماد اور خواجہ عزیز جو فرزند خواجہ محمد جو گکڑو کے بہنوئی تھے۔ خواجہ عبداللہ جو نے اپنے فرزند اکبر خواجہ احد جو گکڑو کو مروجہ تعلیم سے اچھی طرح بہرہ ور کیا۔ چونکہ خواجہ عزیز جو تجارتی کاروبار کیا کرتے تھے۔ اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے ان کی پنجاب میں بھی آمد ورفت تھی اور راولپنڈی میں ان کی تجارتی کوٹھی بھی بہت مشہور تھی اس لیے انہوں نے اپنے بھانجے خواجہ احد جو کو بھی اپنے ساتھ تجارت میں شامل کرلیا۔ بلکہ راولپنڈی کی کوٹھی خواجہ عزیز جو احد جو کے نام سے مشہور رہی اس خاندان نے تجارتی کاروبار اور اپنے اسلامی کارناموں سے پنجاب تک میں شہرت حاصل کی۔ لاہور میں عالیشان جامع مسجد زیارت حضرت شاہ محمد غوث سے متعلق ہے اور انہی ماموں بھانجا کی مذہبی اور دینی گرمیوں کا نتیجہ ہے۔

خواجہ احد جو آخر کل نفس ذائقۃ الموت کے مطابق بمقام بارہ مولا پچھتر سال کی عمر پا

---

* راقم نے بھی تاریخ اقوام کشمیر وغیرہ میں اسی کا تتبع کیا ہے۔ اب گکھڑ قوم اور سلطان شہاب الدین غوری کے قاتلوں کے متعلق یہ آخری تحقیقی مضمون درج ہے۔

وفات پا گئے۔ ان کے فرزند خواجہ غلام محمد لکرو اس وقت بہ فضل تعالیٰ بقید حیات ہیں۔ ان کی عمر اس وقت تریسٹھ سال ہے۔ نہایت خلیق اور شریف النفس ہیں اور زمانہ کا بہت کچھ نشیب و فراز دیکھ چکے ہیں۔ آپ کے فرزند کلاں خواجہ غلام مصطفیٰ جو میٹرک پاس ہیں۔ اس وقت محکمہ مال میں گرداور قانونگو ہیں۔ فرزند ثانی خواجہ غلام نبی جو علوم مشرقی میں منشی فاضل اور تعلیم انگریزی میں گریجویٹ ہیں۔ قریباً بارہ سال تک محکمہ تعلیم میں ملازم رہے۔ آخر پنڈت مہاراج کشن اور گورنر کشمیر نے ان کی ذاتی لیاقت و شرافت کے علاوہ ان کی خاندانی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے اپنی نگاہ انتخاب ان پر ڈالی اور ان کو صیغہ مال میں منتقل فرمایا۔

خواجہ غلام نبی لکرو خاندان میں سب سے پہلے گریجویٹ ہیں۔ ان کی قابلیت اور کارکردگی اور ان کی خاندانی خدمات پر حکومت کشمیر کی اگر نظر توجہ رہی تو امید ہے کہ شاہراہ ترقی پر گامزن رہنے میں انہیں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے گی:

ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ
قائم جو زمین و آسمان ہے!

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا صحیح شجرہ

اس کتاب کے آغاز میں سادات قادری بخاری گندر پوری کا شجرہ نسب درج ہے اور اس خاندان کے مختصر سے حالات بھی درج ہیں۔ سید عبدالحمید شاہ بخاری (امرتسر) سے اطلاع دیتے ہیں کہ سید عطاء اللہ شاہ اول جو سید عبدالغفار بخاری کی چوتھی پشت میں ہیں اور ان کے فرزند سید نعمت اللہ تک تو شجرہ صحیح ہے لیکن اس سے آگے آپ کو غلط اطلاع ملی ہے۔ آپ نے میری گزارش پر جو صحیح شجرہ ارسال کیا ہے وہ اس طرح ہے۔

۱: سید نعمت اللہ ____ ۲: سید ضیاالدین ____ ۳: سید محی الدین ____ ۴: سید بہاءالدین

سید بہاءالدین کے چار فرزند تھے۔ سید احمد و سید عبدالصمد یہ دونوں لاولد تھے اور دو حسب ذیل صاحب اولاد تھے۔

۱۔سید محمد شاہ

سید نور شاہ	سید پیر شاہ	سید عبدالغنی	سید حیدر شاہ	سید حسام الدین
سید ضیاء الدین	لاولد	سید محمد اسحاق	سید محمد مقیم	بلا اولاد نرینہ
مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری				

۲۔سید امان اللہ شاہ

سید امیر شاہ	سید یوسف شاہ	سید مصطفٰے شاہ	سید حسن شاہ	سید فضل شاہ	سید نظام شاہ
سید محی الدین	بلا اولاد نرینہ	سید عبدالحمید بخاری	سید فیض اللہ	بلا اولاد نرینہ	سید عبدالوحید
سید محمد سلیمان					

قانون انتقال اراضی اور اہل خطہ پنجاب
زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ
(کشمیر کی چند اقوام کے متعلق پنجاب کی عدالتوں کے فیصلے)

کشمیر ایک خالص زرعی ملک ہے اور اس کی اکثریت زراعت اور کشاد درزی پر گزر اوقات کرتی ہے اور گو سکھ اور چند پنڈت اقوام کا بھی وہاں زراعت پر ہی گزارہ ہے لیکن مسلمانوں میں تو وہاں قریباً ۹۸ فیصدی زمیندار ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس ملک کی اتنی کثیر آبادی زراعت پیشہ ہے اس کا کوئی فرد پنجاب میں قدم رکھتے ہی غیر زراعت پیشہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ایک سید، قریشی، مغل، پٹھان یا اعوان جو اپنے آپ کو عربی النسل یا تاتاری النسل ظاہر کرے وہ تو پنجاب میں سکونت رکھنے کی وجہ سے زراعت پیشہ اقوام میں شمار کر لیا جائے لیکن وہی سید، مغل، قریشی، پٹھان، اعوان بلکہ راجپوت بھی اگر کشمیر میں بود و باش رکھنے کے بعد پنجاب آ کر آباد ہو تو وہ غیر زراعت پیشہ قرار دے دیا جائے۔ مناسب یہ ہے کہ کشمیر کے ان بزرگوں کی اولاد جو صدیوں سے اب پنجاب ہی میں بود و باش رکھتی ہے۔ اپنی اصلی ذات اور گوت کی تصدیق کرا کر غیر زراعت پیشہ اقوام کی فہرست سے نکلنے کی کوشش کرے اور جو برادران خطہ پنجاب کی غیر زراعت پیشہ اقوام کی فہرست میں نہیں آتے وہ بھی کاغذات میں کشمیری لفظ لکھوانے کی بجائے اپنی اصلی ذات لکھوایا کریں۔ برادران خطہ کی آسانی کے لیے عدالت ہائے انگریزی کے چند فیصلہ جات اس سے قبل اس کتاب میں اور تاریخ اقوام پونچھ میں درج ہو چکے ہیں اور چند فیصلہ جات کے خلاصے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔ امید ہے یہ فیصلہ جات ان کے دعاوی کا ثبوت بہم پہنچانے میں فیصلہ کن ثابت ہوں گے۔

کشمیری کوئی ذات نہیں اور لون راجپوت ہیں

(از عدالت شیخ عبدالرشید بی اے ایل ایل بی ایڈیشنل سب جج گجرات)

مقدمہ نمبر ۹۳۹ مورخہ ۳۸-۸-۲۲

دین احمد ولد حسن محمد لون راجپوت سکنہ مدینہ تحصیل گجرات مدعی بنام فتح علی ولد علم دین گوجر سکنہ چک مبارک تحصیل گجرات مدعا علیہ۔

خلاصہ فیصلہ۔ مدعا علیہ بیان کرتا ہے کہ مدعی کشمیری ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ اس کی اصل ذات کیا ہے۔ ہر شخص جو کشمیر سے آتا ہے یا کشمیر میں رہتا ہے کشمیری کہلاتا ہے۔ چاہے وہ مسلمان، ہندو، سید، پٹھان راجپوت یا برہمن کچھ بھی ہو۔ یہ صرف ایک جغرافیائی اصطلاح ہے۔ جو اس مقام کو ظاہر کرتی ہے۔ جس میں کوئی رہتا ہے جیسے پنجابی یا بنگالی، اس لحاظ سے کشمیری کسی ذات کا نام نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا لون راجپوتوں کی کوئی گوت ہے میں نے پنجاب اور کشمیر کی مردم شماری کی رپورٹیں دیکھی ہیں جن میں راجپوتوں کی گوت لون کا بھی اندراج موجود ہے۔ مدعا علیہ کو مدعی کے راجپوت ہونے سے انکار ہے مگر وہ یہ نہیں بتا سکا کہ آخر اس کی ذات کیا ہے وہ سوائے کشمیری کہنے کے اور کچھ نہیں کہہ سکا۔

مدعی نے زبانی اور دستاویزی شہادتوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ راجپوت ہے اور زراعت پیشہ قوم کا فرد ہے اس لیے ڈگری معہ خرچہ مدعا علیہ کے برخلاف صادر کی جاتی ہے۔

دستخط حاکم ۳۸-۱۲-۱۵

کشمیری کوئی ذات نہیں اور کشمیر کے بھٹی اور ڈار راجپوت ہیں

ہائی کورٹ پنجاب کا آخری فیصلہ

اپیل ۴۰۳، ۱۹۳۷ء۔ مقدمہ فتح محمد ولد ستار محمد و غلام محمد ولد محمد بخش و سلطان محمد ولد نور حسین وغیرہ سکنہ ٹھلیانوالہ بنام سرکار دولت مدار بذریعہ کلکٹر جہلم۔

خلاصہ فیصلہ سب جج جہلم عدالت سردار کرپال سنگھ سب جج فسٹ کلاس۔ رزاق (جو تمام مدعیوں کا یک جدی ہے) ۱۸۶۰ء کے کاغذات مال میں بھٹی کشمیری درج ہے ان کی شادیاں اور رشتہ داریاں بھی راجپوتوں کے ساتھ ہوئی ہیں۔ سلطان محمد مدعی کی ماں ابراہیم گواہ کی حقیقی بہن ہے اور یہ ڈار راجپوت ہیں اسی طرح دیگر بھٹی راجپوتوں سے بھی ان کی رشتہ داریوں کا ذکر کرنے کے بعد فاضل ڈسٹرکٹ جج لکھتے ہیں۔ ان تمام واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ مدعی بھٹی راجپوت ہیں ان کے خلاف جتنی شہادتیں ہیں وہ سب زبانی، بے معنی اور ناقابل قبول ہیں۔

خلاصہ فیصلہ اپیل ڈسٹرکٹ جج (ڈومی فالشا صاحب آئی سی ایس ڈسٹرکٹ جج جہلم) آپ نے فیصلہ نمبر ۱۶۰ مورجہ ۱۳ فروری ۱۹۳۷ء میں عدالت ماتحت کے حکم کو بحال رکھتے ہوئے سرکار کی اپیل کو خارج کر دیا اور قرار دیا کہ مدعیان بھٹی راجپوت ہیں اور کشمیری کوئی ذات نہیں ہے۔

خلاصہ فیصلہ ہائی کورٹ پنجاب اس پر سرکار نے ہائی کورٹ میں دوبارہ اپیل کی جو آنر بیل جسٹس دین محمد کے روبرو پیش ہوئی جنہوں نے اپنے فیصلہ ۱۱ نومبر ۱۹۳۷ء میں لکھا کہ اس اپیل کا فیصلہ واقعات پر کیا گیا ہے اگر وہ شہادتیں جن پر اعتراض کیا گیا ہے الگ بھی کر لی جائیں تو بھی مسل میں اتنا مسالہ موجود ہے جو ڈسٹرکٹ جج کے فیصلہ کو تقویت دے سکتا ہے اس لیے میں اس اپیل کو مسترد کرتا ہوں۔

ڈار راجپوت ہیں اور زراعت پیشہ ہیں

(عدالت لالہ سلطان سنگھ سب جج درجہ اول راولپنڈی)

محمد شفیع غلام قادر پسران فتح نور وغیرہ آٹھ کس سکنائے بھڈانہ تحصیل راولپنڈی مدعیان بنام سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا بذریعہ کلکٹر راولپنڈی مدعا علیہ۔ خلاصہ فیصلہ مدعیان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ڈار ہیں اور ڈار راجپوت قوم کی ایک شاخ ہے۔ سرکاری وکیل اس بات کو تو تسلیم کرتا ہے کہ ڈار راجپوتوں کی ایک شاخ ہے۔ اب مدعیان نے اپنے آپ کو ڈار ثابت کرنے کے لیے دس گواہ پیش کیے ہیں۔ زبانی شہادتوں کے علاوہ پولیس کیرکٹر رول میں جو بہت پرانی دستاویز ہے محمد شفیع کی ذات ڈار درج ہے اسی طرح ملٹری رول میں غلام قادر مدعی کی ذات بھی ڈار درج ہے۔ نیز ایک پرانا تمسک آج سے تیس سال پیشتر کا میرے سامنے پیش کیا گیا ہے جس میں والد مدعیان فتح نور کو ڈار لکھا ہوا ہے کاغذات مال میں بلاشبہ ان کو کشمیری لکھا گیا ہے لیکن کشمیری ایک جغرافیائی ٹرم ہے اور کشمیر کے ہر ایک فرقہ کے ہر ممبر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو کشمیر سے پنجاب آئے اور پھر یہیں کے ہو گئے وہ کشمیری کہلائے جانے لگے۔ ان کا کشمیری مشہور ہو جانا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ راجپوت یا کسی اور زراعت پیشہ فرقہ سے نہیں ہیں اندریں حالات میں مدعیان کو ڈار راجپوت قرار دیتے ہوئے ان کو زراعت پیشہ قرار دیتا ہوں۔

میرزا (مغل) قوم کے متعلق ایک عالمانہ فیصلہ

(از عدالت صاحب ڈسٹرکٹ جج گوجرانوالہ)

دیوانی اپیل نمبر ۱۷۵، سال ۱۹۳۲ء وزیر ہند باجلاس کونسل بذریعہ سرکاری وکیل گجرات بنام میرزا نورالدین وغیرہ نو کس سکنائے مٹوانوالہ تحصیل کھاریاں مدعیان رسپانڈنٹان۔ اپیل بہ اراضی فیصلہ سب جج درجہ دوم گجرات، میرزا نورالدین وغیرہ نو کس نے ایک شخص سے اراضی خرید

کی افسران مال نے اس بنا پر اندراج داخل خارج نہ کیا۔ کیونکہ وہ کاغذات مال میں کشمیری تھے اور کشمیری ضلع ہذا میں اقوام زراعت پیشہ کے زمرہ میں نہیں آتے۔ مدعا علیہ مدعیان کے مغل ہونے کو تسلیم نہیں کرتا صاحب سب جج نے مدعا علیہ کے عذرات کو تسلیم نہیں کیا اور قرار دیا کہ مدعیان مغل ہیں اور انہیں معہ خرچہ ڈگری عطا کردی۔ اب سرکاری وکیل نے اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی ہے۔ وکلائے فریقین کی بحث سماعت کرنے اور کاغذات اور پیش کردہ حوالہ جات کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے کوئی وجہ جواز دکھائی نہیں دیتی کہ فاضل سب جج کے فیصلے سے اختلاف کروں۔ سرجان مینارڈ فنانشل کمشنر پنجاب اپنے مکتوب ۲۴ مارچ 1919ء بنام آنریبل خان بہادر خواجہ یوسف شاہ پریذیڈنٹ مسلم کشمیری کانفرنس لاہور میں لکھتے ہیں کشمیری بجائے خود کسی ایک قوم سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ اگر اس کا خیال ہے کہ اسے سہواً سید یا پٹھان اعوان یا مغل نہیں لکھا گیا تو اسے حق حاصل ہے کہ صاحب ڈپٹی کمشنر کے پاس چارہ جوئی کرے یا دعوی استقرار حق دائر کرے۔''

مقدمہ ہذا کے اہم واقعات یہ ہیں کہ مدعیان کشمیری ہیں اور مغل نہیں۔ بخلاف اس کے مدعیان کا دعویٰ ہے کہ ان کی قوم مغل ہے اور وہ اس لیے کشمیری کہلاتے تھے کہ ان کے بزرگ کشمیر سے آئے تھے کشمیری نہ کوئی قوم ہے نہ ذات اور اس حقیقت کو گورنمنٹ خود بھی تسلیم کرتی ہے۔ سر ڈیزل ابٹسن بھی پنجاب کاسٹس (پنجاب کی ذاتیں) صفحہ ۵۵۷ تا ۵۹۹ پر لکھتے ہیں لفظ کشمیری غالباً کشمیر کی ہر ایک قوم کے ارکان پر حاوی ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ایک جغرافیکل ٹرم ہے۔ ضلع گجرات کے اندراج عام کے آخری صفحہ ۲۰۷ میں اقوام کے خانہ میں متفرق اقوام درج ہیں اور ان کے ذیل میں کم از کم ذاتوں کی تیرہ شاخوں کا ذکر ہے جنہیں گوتوں سے منسوب کیا گیا ہے۔ ان گوتوں میں ماچھی، مسلی، فقیر، موچی اور کشمیری وغیرہ شامل ہیں لیکن صاف ظاہر ہے کہ ان ذاتوں کو گوتوں کا نام غلطی سے دے دیا گیا ہے۔ یقیناً نہ ماچھی کوئی ذات ہے نہ مسلی اور نہ فقیر اور اس بات کا بھی کوئی ثبوت نہیں کہ کشمیری بذات خود کوئی قوم گوت یا ذات ہے۔

یہ صحیح ہے کہ پنجاب میں لفظ کشمیری، کشمیری شیخوں، کشمیری جولاہوں اور کشمیری مغلوں بلکہ تمام کشمیری مسلمانوں کے لیے آزادانہ اور کھلم کھلا استعمال ہو رہا ہے اور جب تک وہ اپنی اصلی ذات کا ثبوت بہم نہ پہنچائے وہ اقوام زراعت پیشہ میں شمار نہیں ہوسکتا۔ لیکن کہیں کشمیری کو ذات یا قوم قرار دے کر اس کی شاخیں دکھایا گیا ہے اور کہیں جلاہا کو علیحدہ ذات یا قوم قرار دیا گیا ہے۔ ان

سب کا بہترین مفہوم یہی ہوسکتا ہے کہ کشمیری بحیثیت کشمیری نہ تو زراعت پیشہ ہیں اور نہ غیر زراعت پیشہ بلکہ لفظ کشمیری میں زراعت پیشہ اور غیر زراعت پیشہ دونوں قومیں شامل ہیں۔ کشمیری پنجاب میں کوئی جداگانہ قوم نہیں بلکہ یہ ایک جماعتی نام ہے۔ جو مختلف ذاتوں کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے سرکاری وکیل ان کے کشمیری ہونے پر زور دیتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مدعیان کشمیری ہیں لیکن اس سے اس بات کی تکذیب نہیں ہوئی کہ وہ مغل ہیں۔ فاضل وکیل سرکار آخر میں کہتا ہے کہ اگر مدعیان کو صرف مغل کی بجائے کشمیری مغل کی ڈگری دی جائے تو اسے کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس صورت میں چونکہ کشمیری مغل ضلع ہذا میں زراعت پیشہ قرار نہیں دیئے گئے اس لیے وہ زراعت پیشہ قرار نہ دیئے جائیں گے۔ مدعاعلیہ کی یہ استدعا مجھے فریب آمیز مغالطہ دہی پر مبنی معلوم ہوتی ہے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ کشمیر سے آئے ہوئے مغلوں اور برطانوی علاقہ کے رہنے والے مغلوں میں کوئی امتیاز روا رکھا جائے۔ الحاصل یہ اپیل تمام پہلوؤں میں ناکام ہے میں اسے بلاتوقف خارج کر کے ڈگری معہ خرچہ دیتا ہوں۔

دستخط جسونت رائے ڈسٹرکٹ جج ۳۴-۳-۲

کشمیر کے بھٹی راجپوتوں کے متعلق دو فیصلے

(۱) عدالت خانصاحب شیخ عبدالعزیز بی اے سینئر جج گجرات۔ سول اپیل نمبر ۱۷۷، ۱۹۳۵

خلاصہ فیصلہ اپیل سیکرٹری آف سٹیٹ (وزیر ہند بہ اجلاس کونسل) کو اعتراض ہے مدعی (جمعدار حبیب اللہ خاں) کشمیری ہے اور جلاہا ہے اور زراعت پیشہ جماعت سے نہیں ہے فاضل ماتحت جج نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ مدعی اپنے آپ کو بھٹی ثابت نہیں کر سکا۔ اس لیے مدعی نے ماتحت جج کے خلاف میرے پاس اپیل کی ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ مدعی یا اس کے باپ کے نام کوئی زرعی زمین بطور ملکیت نہیں ہے اور نہ وہ کسی کا مزارع رہا ہے یہ درست ہے لیکن اگر وہ کسی زمین کا مالک یا کسی کا مزارع نہ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بھٹی راجپوت ثابت کر دے تو یقینی طور پر اپنے دعویٰ میں کامیاب ہے۔

۱۸۸۵ اور ۱۹۰۴ء کے کاغذات میں اس کے والد محمد الدین کو بھٹی راجپوت لکھا

ہے۔ پھر اس کی تائید میں نمبردار اور سفید پوش کی شہادت کے علاوہ اور شہادتیں بھی موجود ہیں۔ اس کی رشتہ داریاں بھی بھٹی راجپوتوں سے ہیں۔ مدعی کی دوسری شادی صوبیدار میجر محمد خان کی ہمشیرہ سے ہے جو زراعت پیشہ ہے اور بھٹی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مدعی کا باپ زراعتی کاروبار نہیں کرتا تھا بلکہ وہ ملازمت میں رہا ہے لیکن صرف یہی بات اس مقدمہ کو خارج کرنے کے لیے کافی نہیں ہے اور نہ یہ فرض کر لینا کہ وہ راجپوت نہیں ہے۔ سب سے بڑی وجہ اختلاف یہ نظر آتی ہے کہ مدعی کشمیری ہے اور جولاہا ہے لیکن اگر کوئی راجپوت جولاہوں کا کام کرے تو اس کو اس کی (ذات یا گوت) قبیلہ سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمیشہ سے جولاہوں کا کام ہی کرتا رہا اور اگر کر بھی رہا ہو تو اس کے بھٹی ہونے کا حق کس طرح زائل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حال ہی میں مدعی کو ریاست بہاولپور میں بصلہ فوجی خدمات زمین عطا کی گئی ہے اور وہاں بھی اس کو بھٹی راجپوت ہی لکھا گیا ہے۔ ان تمام حالات پر غور کرتے ہوئے میں مدعی کی اپیل منظور کرتے ہوئے اور ماتحت عدالت کے فیصلہ کو مسترد کرتا ہوں۔ دستخط حاکم عدالت

(۲) بعدالت شیخ عبدالرشید بی اے ایل ایل بی ایڈیشنل سب جج دوم گجرات نمبر مقدمہ ۶۷۲ مورخہ ۳۸۔۶۔۲۰۔ غلام حسین ولد بوٹا خان عبدالحمید ولد عبدالسبحان ذات راجپوت بھٹی سکنہ گلیانہ تحصیل کھاریاں مدعی بنام لال خان ولد احمد خان ذات جٹ سکنہ بھدر تحصیل کھاریاں مدعا علیہ

خلاصہ فیصلہ۔ مدعا علیہ زمین کی فروخت کو تسلیم کرتا ہے مگر قبضہ اسے نہیں دیتا۔ اس مقدمہ میں سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ مدعی بھٹی راجپوت ہیں یا نہیں۔ مدعیوں کی طرف سے کپتان سردار خان اور کپتان محمد الدین اپنی شہادتوں میں ان کا بھٹی راجپوت ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ مال کے کاغذات میں بھی وہ بھٹی راجپوت ہیں۔ مدعیان سکول ماسٹر ہیں سکول کے رجسٹروں میں بھی ۱۹۱۹ء کے اندراج کے مطابق وہ بھٹی راجپوت ہیں اور نمبردار اور گاؤں کے دوسرے ممتاز لوگ بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔ اس بنا پر یہ سب شہادتیں ناقابل تردید ہیں۔

مدعا علیہ نے ایسے کاغذات بھی پیش کیے ہیں جن میں مدعیوں کو صرف کشمیری لکھا گیا ہے کوئی شخص جو کشمیر سے آیا ہو وہاں سکونت رکھتا ہو وہ ہندو یا مسلمان پنڈت ہو یا راجپوت سید ہو یا مغل اور پٹھان وہ کشمیری ہی کہلائے گا۔ یہ ایک جغرافیائی اصطلاح ہے اور یہ حقیقت مدعا علیہ کے

گواہوں نے بھی تسلیم کی ہے۔ بہرحال اس مقدمہ میں شہادتوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ مدعی زراعت پیشہ افراد سے ہیں اور راجپوت بھٹی ہیں۔ اس لیے میں ان کو معہ خرچہ زمین کے قبضہ کا حق دلایا جانا منظور کرتا ہوں۔ دستخط حاکم عدالت ۳۸-۱۲-۵۔

کشمیری کوئی ذات نہیں ان میں راجپوت بھی ہیں

بعدالت مسٹر جسٹس بھڈے جج ہائیکورٹ پنجاب لاہور۔ مقدمہ غلام حسین وغیرہ سکنہ جلہادی تحصیل گوجرخان مدعیان بنام سیکرٹری سٹیٹ فار انڈیا بذریعہ صاحب کلکٹر راولپنڈی دعویٰ استقرار حق بدین مضمون کہ مدعیان کی ذات کشمیری نہیں بلکہ راجپوت ہے۔

خلاصہ فیصلہ۔ عدالت ماتحت نے ان کے حق میں ڈگری دی۔ ڈسٹرکٹ جج راولپنڈی نے اپیل پر ان کے دعویٰ کو خارج کر دیا۔ اب یہ اپیل اس عدالت میں ڈسٹرکٹ جج کے فیصلہ کے خلاف دائر ہوئی ہے مجھے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل ڈسٹرکٹ جج کا فیصلہ کچھ قیاسات پر اور کچھ شہادت کے متعلق غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس لیے وہ قابل تنسیخ ہے۔ مدعی غلام حسین کے سکول سرٹیفکیٹ (۱۹۰۰ء) کو جس میں اسے راجپوت لکھا گیا ہے فاضل ڈسٹرکٹ جج نے محض اس قیاس پر نظر انداز کر دیا ہے کہ ایکٹ انتقال اراضی سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ جو اس وقت منظور ہو چکا تھا لیکن اس کے علاوہ اور بھی کتنی دستاویزات اور کاغذات میں مدعیان کو راجپوت ظاہر کیا گیا۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو کشمیری بھی لکھا گیا ہے اور فاضل وکیل رسپانڈنٹ کو بھی اس بات پر اصرار نہیں کہ کشمیری کوئی ذات ہے اور یہ بہت ممکن ہے کہ مدعیان کو کشمیری لکھا گیا ہو کہ وہ کشمیر سے آئے تھے۔ اس لیے اس کی توضیح بے معنی ہے۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ مدعیان کی آخر اور کونسی ذات ہے۔ ہماری رائے میں ابتدائی عدالت کا فیصلہ درست ہے اور ہم اپیل منظور کرتے اور مدعیان کو راجپوت قرار دیتے ہیں۔ دستخط جج ۳۷-۶-۱۷۔

☆☆☆

بابو غلام حسن ڈار صاحب
رئیس اعظم وزیر آباد

حاجی محمد حفیظ صاحب

پنڈت ست دار

پنڈت وشیشر فاتہ در فرزند اول

شمس الملت حاجی میر شمس الدین صاحب مرحوم لاہور

میاں محمد الدین صاحب ڈار
ٹھیکدار وزیر آباد

محمد یوسف ڈار

ڈاکٹر شیخ محمد دین وانچو

پنڈت امرناتھ در فرزند
پنڈت مادھولال در

1934

رائے صاحب پنڈت شیام سُندر لعل صاحب رئیس اعظم
جاگیر دار و ڈائریکٹر وز ٹیرز بیورو۔ کشمیر

مرزا قطب الدین احمد صاحب
وکیل روالپنڈی

پنڈت ویشن کاک صاحب ترسل آنجہانی
رئیس سرینگر کشمیر

میر محمد حسین بی اے اسٹنٹ سٹاف وارڈن ریلوے دہلی

منشی غلامحمد صاحب خادم سفید پوش علاقہ زنگیر کشمیر

خان صاحب شیخ غلام حسین صاحب ریذیڈنٹ ای۔اے۔سی

خواجہ سید سلام شاہ صاحب نقشبندی اسسٹنٹ گورنر کشمیر

سید محمد عبداللہ شاہ اندرابی ریسرچ اسٹنٹ ایگریکلچرل کالج لائل پور

آنریبل خان بہادر شیخ دین محمد صاحب ایم اے
جج ہائیکورٹ پنجاب لاہور

میاں حیدر محمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ کلرک ریلوے رئیس گوجرانوالہ

شیخ عطا محمد صاحب بی اے ایل ایل بی ایڈووکیٹ
ہائی کورٹ پنجاب (گوجرانوالہ)

خواجہ اکبر ڈار صاحب ذیلدار در بہ گام (پلوامہ) کشمیر

بابو رحیم بخش صاحب ڈار ریٹائرڈ انسپکٹر ریلوے (سیالکوٹ)

سید مولانا ملا عطا اللہ البخاری القندہاری الکاشمیری مرحوم

پیرزادہ غلام احمد صاحب، سرینگر، کشمیر

حاجی منشی نظام الدین صاحب ڈار پنشنر اکوئنٹنٹ ۔ لاہور

ایم عبدالحمید بی ایس سی اسٹنٹ انجینئر ریلوے

شیخ حسن الدین ڈار صاحب

خان صاحب حاجی میرزا غلام مصطفٰے صاحب
رئیس اعظم وسابق اسٹنٹ گورنر کشمیر مقام سرینگر

میاں ظہور الدین صاحب مرحوم ضلع دار نہر لاہور

خواجہ غلام محی الدین خان صاحب
یگہ بوگ بڈگام کشمیر

خواجہ عبدالحمید (بی۔اے)

شیخ ضیاء الد

پنڈت سورج کاک صاحب
آنجہانی رئیس اعظم سرینگر کشمیر

میاں نبی بخش صاحب مرحوم شال مرچنٹ (لا

خان صاحب میاں احمد الدین صاحب
پنشنز اکائونٹنٹ (لاہور)

خان محمد سکندر خلف اکبر
شیر علی خان علاقہ دار راجپور

خان عبدالحمید خان خلف اصغر
راجہ شیر علی خان علاقہ دار راجپور

نیاز کاشمیری آف کاپرن کولگام

خواجہ عبدالعزیز مرحوم رئیس اعظم سوپور کشمیر

ملک نذر محمد اسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جنرل چونگی، لاہور

میر غلام احمد مشتاق آرکیالوجیکل ڈیپارٹمنٹ (کشمیر)

حکیم الامت ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

خان صاحب میرزا غلام مصطفٰی صاحب ریٹائرڈ اسسٹنٹ گورنر کشمیر

عتیق اللہ طالب علم فرزند حکیم ثنا اللہ۔ حکیم ثناء اللہ مہتمم ثنائی شفاخانہ سوپور کشمیر

1۔ خواجہ رحمان ڈار رئیس ناسنور شوپیاں

2۔ خواجہ عبدالغفار ڈار مولوی فاضل ایڈیٹر اخبار اصلاح

3۔ خواجہ غلام احمد ڈار برادر اکبر خواجہ عبدالغفار ڈار

4۔ خواجہ عبدالسلام ڈار فرزند خواجہ حبیب ڈار مرحوم

خواجہ عبدالاحد لون (رینہ) رئیس و ذیلدار ماگام ہندواڑہ کشمیر

خواجہ غلام احمد سینٹری انسپکٹر

خواجہ عبدالصمد پنڈت گورنمنٹ کنٹریکٹر و جنرل مرچنٹ و رئیس اعظم سوپور

آغا سید احمد صاحب قبلہ بڈگام کشمیر

خان بہادر منشی احمد الدین صدر جج مرحوم پونچھ کشمیر

محمد الدین فوق

میاں بوڈھا خاں عرف بابا مشتاق مرحوم

مولوی لدھا خاں مرحوم

منشی محمد دین انسپکٹر محکمہ پنچایت جموں و کشمیر

ایم فیروز دین خلف خان
بہادر منشی احمد الدین (مرحوم

جمعدار خورشید احمد ہیڈ کلرک ملٹری عراق

راجہ فیروز الدین خان جاگیردار ماری

محمد عبداللہ خاں آڈیٹر محکمہ کوآپریٹو

پیر سید محمد امین شاہ بخاری چیوڈارہ کشمی

خواجہ غلام نبی گلکا۔ بی اے سرینگر کشمیر

ایم علی محمد میر بک سیلر و پبلشر سرینگر کشمیر

چوہدری گیان سدا برتی جرنلسٹ ایڈیٹر صداقت میر پور (جموں)

پنڈت دینا ناتھ ذیلدار کلم کولگام

مرزا غلام محی الدین مرحوم رئیس اعظم کشمیر

محمد اکبر خان افغان عرف مسکین شاہ سیلانی

مرزا قمر الدین فرزند مرزا غلام حسن

خواجہ عبدالصمد ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی

شیخ محمد اسداللہ عاصی کاشمیری

پنڈت گوپی ناتھ وشن
بی اے اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس کشمیر

خان محمد امان اللہ خان راجپور ہندواڑہ

مرزا اسعد الدین احمد سعد مرحوم اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر

پنڈت چونی لال ترسل ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی وکیل، سرینگر

مرزاانورالدین ڈپٹی انسپکٹر کسٹم جموں کشمیر

حضرت الحاج پیر حاجی سید سیف الدین شاہ اندرابی وناہامہ

پنڈت شیام لال ککرو ریونیو آفیسر ریاست